مختصر

معارف القرآن

۱

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

تلخیص نگار

ابوالحسن اعظمی

www.toobaaelibrary.com

مکتبہ صوت القرآن، دیوبند

www.toobaaelibrary.com

RAZA LIBRARY
55129
18/6/07

مختصر

معارف القرآن

جلد

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

آٹھ ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی اس مقبول ترین تفسیر کو مختصر کر کے صرف تین جلدوں میں
جس میں ترجمہ وخلاصۂ تفسیر حضرت تھانویؒ کو باقی رکھتے ہوئے
حضرت مفتی صاحبؒ کے معارف ومسائل کا جوہری خلاصہ
اور پوری تفسیر کا عطر کشید کر دیا گیا ہے

تلخیص نگار

حضرت مولانا قاری ابوالحسن اعظمی صاحب
صدر شعبۂ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

www.toobaaelibrary.com

بسم الله الرحمن الرحيم

www.toobaaelibrary.com

تفصیلات

نام کتاب : مختصر معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

تلخیص نگار : حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

طباعت : ۱۴۲۹ھ

ناشر : مکتبہ صوت القرآن دیوبند ۲۲۷۵۵۴

کمپیوٹر کتابت : افضل کمپیوٹرس دیوبند 09412680624#

www.toobaaelibrary.com

قرآنی خدمت ایک عظیم سعادت

ایک صاحبِ علم انسان —— عمر کی کسی بھی منزل میں ہو، صحت وعلالت اور قوت وضعف کی کسی حالت میں ہو، لیکن خدمتِ قرآن کریم کے کسی بھی عنوان اور نام پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہنا چاہیے یہ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہو، بہر حال یہ ایک عظیم خدمت ہے، اور لکھنے والے کے لیے سعادت ہی سعادت ہے۔ اسی خیال نے علمی بے مائیگی اور عدم سلیقہ کے باوجود برانگیختہ کیا کہ جب تک اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے دل ودماغ کام کے ہیں، آنکھوں میں بینائی ہے، اور انگلیوں میں قلم تھامنے کی سکت ہے قرآن کریم کی خدمت سے خود کو وابستہ رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کے ساتھ آخری سانس تک اس خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ!

•••

www.toobaaelibrary.com

فہرست عناوین

عنوان	صفحہ
● دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے	۹
● بابرکت کلمات	۹
● عرض وتشکر	۱۰
● پیش لفظ	۱۲
● مصنف معارف القرآن	۱۶
● معارف القرآن کی تصنیف	۱۷
● مقدمہ معارف القرآن	۱۸
● سورہ فاتحہ کے فضائل اور خصوصیات	۳۳
● بسم اللہ کے بارے میں احکام ومسائل	۳۳
● سورۂ فاتحہ	۳۴
● سورۃُ البَقرۃِ	۴۱
● فضائل واحکام	۴۲
● ایمان واسلام میں فرق	۴۵
● مسئلہ ختم نبوت کی واضح دلیل	۴۶
● کفر کی تعریف	۴۸
● انذار کی تعریف	۴۸
● ایمان کی حقیقت	۵۳
● قرآن کے دس وجوہ اعجاز	۶۰
● گمراہی کے دو اسباب	۶۵
● حیات برزخی	۶۶
● اشیاء عالم میں اصل اباحت ہے یا حرمت	۶۷
● خاتم الانبیاء ﷺ کی خصوصیات	۷۳
● مسئلہ عصمت انبیاء	۷۷
● چند توجیہات	۷۷

عنوان	صفحہ
● تواب اور تائب میں فرق	۷۹
● امت محمدیہ کی ایک خاص فضیلت	۸۲
● حب مال وجاہ	۸۴
● بے عمل واعظ کی مذمت	۸۶
● خشوع کی حقیقت	۸۷
● نماز میں خشوع کی فقہی حیثیت	۸۷
● ممسوخ قوم کی نسل نہیں چلتی	۱۰۰
● سحر کی حقیقت ۱۱۵	
● سحر کے اقسام	۱۱۵
● سحر اور معجزہ میں فرق	۱۱۶
● انبیاء پر جادو کا اثر	۱۱۶
● سحر کے احکام شرعیہ	۱۱۷
● امتحانات اور مضامین امتحان	۱۳۵
● بناء بیت اللہ	۱۳۸
● حرم محترم	۱۳۹
● دعاء ابراہیمی	۱۴۱
● حکمت ابراہیمیؑ	۱۴۱
● رزق ثمرات تمام ضروریات زندگی کو شامل ہے	۱۴۱
● دعاء میں احتیاط	۱۴۲
● اپنے نیک عمل پر بھروسہ نہ کرنے کی تعلیم	۱۴۲
● پیغمبر ﷺ کی ولادت باسعادت کی خصوصیات	۱۴۳
● بعثت رسول کی تین مقاصد	۱۴۳
● تلاوت	۱۴۳

www.toobaaelibrary.com

عنوان	صفحہ
● تعلیم حکمت	۱۴۵
● تیسرا مقصد تزکیہ	۱۴۵
● ہدایت واصلاح کے دوسلسلے	
کتاب اللہ اور رجال اللہ	۱۴۵
● ان فرائض منصبی کو پیغمبر علیہ السلام	
نے کس حد تک پورا فرمایا؟	۱۴۷
● مسئلہ توریث الجد	۱۵۴
● اعتدال عدل سے مشتق ہے	۱۶۱
● اعتقادی عملی اور عباداتی اعتدال	۱۶۲
● معاشرتی اور تمدنی اعتدال	۱۶۳
● اقتصادی اور مالی اعتدال	۱۶۴
● کعبہ کے قبلۂ نماز ہونے کی	
کب ابتداء ہوئی؟	۱۶۴
● احکام متعلقہ	۱۶۵
● حکم قرآنی کا نسخ خبر واحد سے	۱۶۵
● مسئلہ استقبال قبلہ	۱۶۷
● تحویل قبلہ کی تیسری حکمت	۱۶۹
● صبر کی اصل حقیقت	۱۷۵
● دین فروشی کی سزا	۱۸۴
● تحریم خنزیر	۱۸۶
● نذر لغیر اللہ کا مسئلہ	۱۸۷
● احکام اضطراری	۱۸۷
● دوا، حرام چیزوں کا استعمال	۱۸۷
● ابواب البر، اصول بر	۱۸۸
● حکم اول قصاص،	۱۸۹
● حکم دوم وصیت،	۱۹۰
● حکم سوم، صوم،	۱۹۴

عنوان	صفحہ
● تعیین ایام صیام،	۱۹۵
● حکم پنجم اعتکاف،	۱۹۷
● روزہ میں تین تغیرات،	۱۹۸
● سحری کا آخری وقت،	۲۰۰
● حکم ہفتم اعتبار حساب قمری درحج وغیرہ،	۲۰۳
● حکم ہشتم، اصلاح رسم جاہلیت،	۲۰۳
● حکم نہم، قتال کفار،	۲۰۴
● حکم دہم، انفاق فی الجہاد،	۲۰۶
● گیارہواں حکم متعلق حج وغیرہ	۲۰۶
● قمری وشمسی حساب کی شرعی حیثیت	۲۰۷
● رسم جاہلی کی اصلاح	۲۰۸
● جہاد وقتال کا حکم	۲۰۸
● احکام حج وعمرہ	۲۱۰
● حج وعمرہ جمع کرنیکے احکام قران وتمتع	۲۱۱
● بلاغت قرآن	۲۱۶
● چودھواں حکم تحقیق قتال در شہر حرام	۲۲۶
● انجام ارتداد	۲۲۷
● پندرھواں حکم متعلقہ شراب وقمار	۲۲۷
● سولہواں حکم مقدار انفاق	۲۲۷
● سترہواں حکم مخالطت یتیم	۲۲۸
● اٹھارہواں حکم مناکحت کفار	۲۲۸
● اشہر حرم میں حرمت قتال کا حکم	۲۲۹
● صحابہ میں تعمیل حکم کا بے مثال جذبہ	۲۳۱
● اسلامی ریاست اور عام ملکی سیاست	
کا فرق عظیم	۲۳۲
● حیض میں جماع کی حرمت	
اور پاکی کی شرائط	۲۳۸

www.toobaaelibrary.com

عنوان	صفحہ
● مطلقہ کی عدت اور مدت رجعت کا بیان	۲۳۹
● یمین لغو	۲۴۰
● اسلام سے پہلے عورت کا درجہ اور اسلام میں عورت کا مقام	۲۴۱
● ایک جامع آیت	۲۴۲
● تین طلاق کا اثر	۲۴۷
● حضرت فاروق اعظمؓ کا واقعہ اور اس پر اشکال وجواب	۲۴۷
● شوہر کی وفات کی صورت میں عدت کا بیان	۲۵۰
● آیت ۲۳۲، اس کا شان نزول	۲۵۱
● نفقہ کس کی حیثیت کا ہونا چاہیے	۲۵۳
● عدت کے بعض احکام	۲۵۴
● طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر کے وجوب وعدم وجوب کا بیان	۲۵۴
● نمازوں کی حفاظت کا بیان	۲۵۵
● طالوت وجالوت کا قصہ	۲۵۹
● بعض انبیاء اور امتوں کے کچھ احوال	۲۶۷
● انفاق فی سبیل اللہ میں تعجیل کرنا	۲۶۹
● آیۃ الکرسی	۲۷۰
● عشر آراضی کے احکام	۲۸۴
● سود اور ربا	۲۸۸
● سزا اور جرم میں مناسبت	۲۸۸
● سود کے بارے میں پیغمبر کے دس ارشادات	۲۹۳
● ضابطہ شہادت، اہم اصول	۲۹۸
● قیام عدل کا اہم اصول	۲۹۸
آخری دو آیتوں کے خاص فضائل	۳۰۲
● سورۂ آل عمران	۳۱۰
● دنیا کی محبت فطری ہے مگر اس میں غلو مہلک ہے	۳۱۹
● آیت شَهِدَ اللّٰهُ کے فضائل	۳۲۲
● نجات صرف اسلام میں منحصر ہے	۳۲۴
● آیت: ۲۶: کا شان نزول اور غزوۂ خندق کا واقعہ	۳۲۷
● عادتاً بری چیزیں نتیجتاً بری نہیں	۳۲۸
● آیت: ۲۶، ۲۷: کی مخصوص فضیلت	۳۲۹
● کفار کے ساتھ تعلقات کیسے ہونے چاہئیں؟	۳۲۹
● تحقیق لفظی "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ"	۳۳۵
● مسئلہ حیات ونزول عیسٰیؑ	۳۴۷
● مباہلہ کی تعریف، واقعۂ مباہلہ اور رد روافض	۳۴۹
● تبلیغ ودعوت کے دو اہم اصول	۳۵۲
● عہد کی تعریف، اللہ تعالیٰ کے تین عہد	۳۵۶
● میثاق کہاں ہوا اور اس سے مراد؟	۳۶۰
● ایک سوال پیغمبر کی نبوت عامہ	۳۶۰
● لفظ بر کی تشریح	۳۶۴
● آیت: ۹۲: اور صحابہؓ کا جذبۂ عمل	۳۶۵
● تاریخ وتعمیر کعبہ، اور اس کی خصوصیات	۳۶۸
● تقویٰ کا حق کیا ہے؟ باہمی اتفاق، مرکز اتحاد کیا ہو؟	۳۷۴
● ضروری تنبیہ	۳۸۰
● چند اہم فوائد	۳۸۱
● واقعۂ احد سے چند سبق	۳۹۰

www.toobaaelibrary.com

عنوان	صفحہ
بدر کی اہمیت	۳۹۲
اطاعت رسول کو الگ بیان کرنے کی حکمت	۳۹۷
عام مسلمانوں کے لیے ایک سبق	۴۱۱
مشورہ، قابلِ غور اہم مسائل	۴۱۷
احسان و تقویٰ کی تعریف	۴۲۵
سورۃ النساء	۴۴۳
یتیم پوتے کا مسئلہ	۴۵۷
حقوق مقدمہ علی المیراث	۴۶۲
صغائر اور کبائر	۴۸۴
مستحق لعنت کون؟	۵۰۵
لعنت کے احکام	۵۰۶
حسد کی تعریف اور اسکی مضرتوں کا بیان	۵۰۶
امانت کی قسمیں	۵۰۸
اولوالامر کون ہیں؟	۵۰۹
پیغمبر کی رفاقت کسی رنگ و نسل پر موقوف نہیں	۵۱۷
تین مختلف گروہوں کا بیان اور ان کے احکام	۵۲۳
ہجرت کے احکام	۵۳۶
قتل کی تین قسموں کے احکام	۵۳۹
سفر اور قصر کے احکام	۵۴۶
شرک و کفر کی سزا کا دائمی ہونا	۵۵۵
ظلم کی تین قسمیں، معیار مقبولیت	۵۵۶
بروں کی صحبت سے تنہائی بھلی ہے	۵۶۸
یہود کو اشتباہ کس طرح پیش آیا	۵۷۶
دین میں غلو حرام ہے	۵۸۳
سورۃ المائدۃ	۵۹۰
قومیتوں کی تقسیم	۵۹۸
زمانۂ فترت کے احکام	۶۲۱
ارضِ مقدس سے کون سی زمین مراد ہے	۶۲۴
شرعی سزاؤں کی تین قسمیں	۶۳۲
یہود کی چند بری خصلتیں	۶۴۳
قسم کھانے کی صورتیں اور احکام	۶۷۵
بحیرہ سائبہ وغیرہ کی تعریف	۶۸۸
محشر میں پانچ چیزوں کا سوال	۶۹۴
سورۃ الانعام	۷۰۰
دو قومی نظریہ کا صحیح مفہوم	۷۴۶
مبلغین کے لیے چند ہدایات	۷۴۷
دین میں بدعت ایجاد کرنے پر وعید شدید	۸۰۱

www.toobaaelibrary.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ وَرِضٰی نَفْسِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی صَفْوَۃِ رُسُلِہٖ وَخَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَجَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ. اَمَّابَعْدُ:

دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرآن ہے

قرآن کریم اس جہان میں وہ نعمت بے بہا ہے کہ سارا جہان آسمان وزمین اوران میں پیدا ہونے والی مخلوقات اس کا بدل نہیں بن سکتی ـــــ انسان کی سب سے بڑی سعادت اورخوش نصیبی اپنی مقدور بھر قرآن کریم میں اشتغال اوراس کو حاصل کرنا ہے اورسب سے بڑی شقاوت وبدنصیبی اس سے اعراض اوراسے چھوڑنا ہے اس لیے ہر مسلمان کواس کی فکر تو فرض عین اور ضروری ہے کہ قرآن کریم کوصحت لفظی کے ساتھ پڑھنے اوراولاد کو پڑھانے کی کوشش کرے، اورپھر جس قدر ممکن ہواس کے معانی اوراحکام کو سمجھنے اوران پرعمل کرنے کی فکر میں لگا رہے اوراس کواپنی پوری عمر کا وظیفہ بنائے، اوراپنے حوصلے اور ہمت کے مطابق اس کا جوحصہ بھی نصیب ہوجائے اس کواس جہان کی سب سے بڑی نعمت سمجھے۔

حضرت مولانا مفتی (**شفیع**) صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابرکت کلمات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی . اما بعد:

احقر ایک مختصر وقت کے لیے دیوبند حاضر ہواتو جناب مولانا ابوالحسن اعظمی صاحب نے "تلخیص معارف القرآن" کا مسودہ دکھایا۔ یہ ضرورت تو مختلف حلقوں کی طرف سے ظاہر کی جارہی تھی کہ "معارف القرآن" جیسی شہرۂ آفاق اورمقبول عام تفسیر کا ایک خلاصہ شائع ہو جو کم وقت میں تفسیر کے اہم مضامین تک رسائی عطا کرنے میں معاون ثابت ہوسکے۔ لیکن مولانا نے اس آرزو کوشرمندۂ تعبیر کرنے کا آغاز فرمادیا ہے احقر سفر کی عجلت میں مسودے سے کماحقہٗ استفادہ تونہیں کرسکا، لیکن جستہ جستہ مقامات نظر سے گزرے۔دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کواپنی رضائے کاملہ کے مطابق مکمل فرمائیں اوراسے نافع ومقبول عام بنائیں۔ آمین!

احقر: محمد تقی عثمانی عفی عنہ، وارد حال دیوبند۔۱۴رشعبان ۱۴۰۹ھ

www.toobaaelibrary.com

عرض وتشکر

از: تلخیص نگار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ —— اَمَّا بَعْدُ:

اہل علم ونظر بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر معارف القرآن اپنی گوناگوں خوبیوں اور خصوصیات کے باعث ایک بے مثال تفسیر ہے، جدید اذہان میں اٹھنے والے شکوک وشبہات کے ازالے کا وافر سامان یہاں ملتا ہے، حالات حاضرہ کے پیدا کردہ نوع بہ نوع مسائل کا تسلی بخش جواب حاصل کرنے کے لیے یہ ایک ناگزیر تفسیر ہے۔

تقریباً سات ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل اس عظیم تفسیر کے مطالعہ کے لیے اشتیاق کے باوجود زیادہ وقت چاہیے اور آج اس مشینی دور کی معروفیت اختصار چاہتی ہے۔

چناں چہ احباب نے اس کی تلخیص کی ضرورت پر زور دیا، تاکہ کم سے کم قیمت پر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے اور کم سے کم وقت میں لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں —— بے شک یہ کام اہل علم کا ہے، راقم کو اپنی علمی بے بضاعتی کا مکمل اعتراف ہے، صرف اس خیال سے کہ اس میں اپنی جانب سے کوئی نیا کام نہیں، اپنی سعادت سمجھتے ہوئے بنام خدا تلخیص کا کام شروع کردیا —— تمام مباحث پر غائرانہ نظر ڈال کر ہر ہر مضمون کی تلخیص کی گئی ہے، کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بحث رہ نہ جائے۔

اگر کسی مضمون کو بیان کرنے کے بعد صاحب تفسیر نے مستقل عنوان کے تحت مکرر تحریر فرمایا ہے اور اسی موضوع پر آپ کا کوئی رسالہ یا کتاب بھی ہے تو اصل مضمون کی حسب ضرورت تلخیص کے بعد اس رسالہ یا کتاب کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ چوں کہ عام طور پر دستیاب ہے لہٰذا حضرتؒ کے بجائے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ترجمہ رکھا گیا ہے۔ یہ بامحاورہ ترجمہ بین القوسین تشریحی عبارتوں کے باعث اس دور کا مقبول ترین ترجمہ سمجھا جاتا ہے، نیز اسے بھی ایک تلخیصی کام سمجھا گیا۔ اسی طرح حضرت مفتی صاحبؒ نے ابتدا ہی سے مکمل ایک رکوع کو ایک ساتھ بیان کرنے کا التزام نہیں کیا ہے راقم الحروف نے اساتذہ اور طلبہ کی درسی سہولت کے پیش نظر مکمل ایک رکوع کو ایک ساتھ رکھا ہے اور جہاں کہیں تفصیلات کم ہیں دو دو رکوع اور تین رکوع بھی ایک ساتھ کیے گئے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کے خلاصۂ تفسیر کو معارف ومسائل ہی کے ضمن میں لے لیا گیا ہے۔

اس عظیم الشان تفسیر کی سب سے بڑی خصوصیت مضامین معارف ومسائل ہیں۔ اس لیے

www.toobaaelibrary.com

خاص توجہ کا مرکز اسی کو بنایا گیا ہے۔ راقم نے اپنی طرف سے کچھ کرنے کی جرأت نہیں کی ہے، صاحب تفسیر ہی کے الفاظ میں تلخیص کی کوشش کی ہے۔

مقدمۂ معارف القرآن کا صرف تفسیری حصہ لیا گیا ہے چوں کہ سبعۃ احرف اور قرآن کریم کے جمع و کتابت و تدوین اور قرآن کریم کی تسہیل تلاوت کے اقدامات اور اس کے مراحل سے متعلق حضرت مقدمہ نگار کی مفصل تحریر بنام "علوم القرآن" و نیز راقم الحروف کی اس موضوع پر بنام "تاریخ علم قراءت حدیث سبعۃ احرف اور قراءت صحیحہ و شاذہ کا حکم" "حدیث سبعۃ احرف اور علامہ ابن جریر طبری" اور "قرآنی املاء اور رسم الخط" چوں کہ مطبوعہ اور سہل الحصول ہیں اس لیے مفصل مقدمہ کے بجائے ان عنوانات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

اہم اضافہ: اہلِ علم بخوبی واقف ہیں کہ "قراءات" کا تعلق علم تفسیر براہِ راست ہے اس لیے تفسیر کے خاتمہ پر پورے قرآن کریم کے فروعی اختلاف قراءات کا اضافہ بھی پیش کردیا گیا ہے۔ بیانِ اختلاف میں بعض قراء کے اسماء کی جگہ لفظ حرمیین (یعنی امام نافع مدنی اور امام ابن کثیر مکی) اخوین (امام حمزہ و کسائی) اور اسی طرح مکی وطنی نسبت کا استعمال ہوا ہے۔

آخر میں راقم الحروف سپاس گزار ہے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا جنھوں نے ۱۴۰۹ھ میں اپنی تشریف آوری کے موقع پر اپنے بابرکت کلمات سے نوازا اور حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کا بے حد ممنون ہے، آپ نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود بیش قیمت پیش لفظ عنایت فرمایا۔ جس سے علم تفسیر کے اہم اصول کی جانب رہنمائی بھی ہوتی ہے اور اس تلخیصی کام کی نوعیت اور غرض و غایت بھی معلوم ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے اور تادیر صحت و عافیت کے ساتھ ان کا سایہ باقی رکھے۔

اللہ تعالیٰ خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمائے اور تفسیر کی طرح اس تلخیص کو بھی بیش از بیش مقبول اور نافع، اور راقم کے لیے زادِ آخرت بنائے۔ آمین!

وآخرُ دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین۔

ابوالحسن اعظمی
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

www.toobaaelibrary.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از: حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری

استاذ حدیث دارالعلوم دیو بند

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ!

قرآن کریم کی تفسیر اتنا مبارک و مسعود اور پاکیزہ کام ہے کہ اس کو رسول اکرم ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل کیا گیا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ (سورۂ نحل: آیت: ۴۴) اور ہم نے یہ یادداشت آپ کے اوپر اس لیے نازل کی ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دیں جو ان کے لیے نازل کی گئی ہیں۔

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا کام قرآنِ کریم کے مضامین کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنا ہے — اس فریضۂ رسالت کو سرکار دوعالم ﷺ نے نہایت خوبی اور کمالِ احتیاط کیساتھ زندگی بھر ادا فرمایا، اس سلسلے میں حضور پاک ﷺ کے جذبات واحساسات کیا ہیں، اس کا کچھ اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ آپ رحمۃ اللعالمین اور شفیع امم ہیں، آپ نے بارگاہِ خداوندی میں کبھی، کسی سلسلے میں، کسی کی شکایت نہیں کی، نہ کریں گے لیکن اگر منقول ہے تو آپ سے قرآنِ کریم کے بارے میں صرف ایک شکایت منقول ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. (سورۂ فرقان: آیت: ۳۰)

اور رسول نے کہا اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو مہجور (چھوڑا ہوا) بنایا۔

یعنی اے پروردگارِ عالم تیرا نازل کردہ قرآن ان لوگوں کے نزدیک مہجور و متروک ہو گیا ہے جب کہ اس کو ہر اعتبار سے قابلِ قبول نہیں واجب القبول ہونا چاہیے تھا۔

اس لیے تمام علماء کرام کا اس مضمون پر اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم کے مضامین کی تشریح فرضِ کفایہ کا درجہ رکھتی ہے — خوش نصیب اور سعادت مند ہیں وہ دل ودماغ جو قرآنِ کریم کی تفسیر کا

www.toobaaelibrary.com

محبوب فریضہ انجام دیں، مبارک و مسعود ہیں وہ ہاتھ جن کے نقوش، قلم و قرطاس کے ذخیروں میں مضامین قرآن کا اضافہ کریں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یہ کام جتنا مبارک و مسعود ہے اتنا ہی نازک ہے اس کے لیے تمام دینی علوم میں فنی مہارت اور اہلِ حق کے پسندیدہ طرزِ فکر میں بصیرت ضروری شرط ہے، قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (سورۂ عنکبوت: آیت:۴۳) یہ مثالیں ہم نے انسانوں ہی کے لیے بیان کی ہیں اور ان کو صرف علماء ہی سمجھتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لیے عالم ہونا ضروری ہے اور تفسیر تو صرف سمجھنے کا نہیں بلکہ سمجھانے کا کام ہے، اسی لیے علماءِ راسخین نے تفسیر کی قسمیں کی ہیں اور ہر قسم کی خدمت کرنے والوں کے لیے الگ الگ ضروری شرائط ذکر کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) تفسیر کی ایک قسم یہ ہے کہ مفسر الفاظ قرآن سے معانی کے استنباط کے لیے خود ہی وصول وضع کرے، ظاہر ہے یہ کام مجتہدِ مطلق کا ہے اور مجتہدِ مطلق کے لیے جو ضروری شرائط مذکور ہیں اس طرح کی تفسیری خدمت انجام دینے والوں کے لیے ان تمام شرائط کا جامع ہونا ضروری ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ایسے علماء جن میں مجتہدِ مطلق ہونے کی شان پائی جائے تیسری صدی ہجری کے بعد شاذ و نادر ہی پیدا ہوئے ہیں اور اس دور کے جن علماء کرام کے بارے میں ان کے دامن فیض سے وابستہ لوگوں نے اجتہادِ مطلق کا دعویٰ کیا ہے ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی پوری امت کا اتفاق رائے ثابت نہیں۔

اس لیے عصر حاضر میں اس انداز کی تفسیر لکھنے کی جرأت کرنے والے حضرات، شرائطِ اجتہاد پورا نہ کرنے کے سبب تفسیر بالرائے کے ممنوع حریم میں داخل ہوگئے ہیں۔

(۲) تفسیر کی دوسری قسم یہ ہے کہ مشہور و معروف ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کے طریقِ کار کی پیروی کرتے ہوئے یہ خدمت انجام دی جائے اور چوں کہ ائمہ متبوعین کا طریقِ استنباط تجربہ کی بنیاد پر درست ثابت ہو چکا ہے، امت کے قابلِ اعتماد علماء نے اس کو قبولیت کی سند دی ہے اور اس طریقِ کار کی تشریحات سے متعلق بالغ نظر علماء نے اتنی عرق ریزی کی ہے جتنی انسانی وسعت میں ہے۔ اس لیے اس طرح کی خدمت انجام دینے والوں کے کام کی تحسین کی جائے۔

اس طرح کی تفسیر لکھنے کا حق صرف ایسے علماء کرام کو دیا جا سکتا ہے جو کسی بھی امامِ مشہور کے طریق

www.toobaaelibrary.com

استنباط میں پوری مہارت رکھتے ہوں، الحمدللہ امت مسلمہ میں ایسے عالی دماغ اور روشن ضمیر ارباب علم ہمیشہ پیدا ہوتے رہے اور امت ان کی ذہنی کاوشوں سے استفادہ کرتی رہتی ہے۔ ایسے علماء کی کوششوں سے اسلام کے ابدی اور آفاقی ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا رہتا ہے، چناں چہ تغیر پذیر دنیا کے نئے حوادث میں کوئی ایک جزئیہ بھی ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے علماء کرام کی جانب سے پیش نہ کر دیا گیا ہو۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ قابل استاد مفسر نے جو مضامین بیان فرمائے ہیں ان میں سے عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق انتخاب کیا جائے، اس طرز کی تفسیر لکھنے کے شرائط سب سے کم ہیں، کیوں کہ اس طرز کی تفسیر لکھنے والا اپنے طور پر مضامین کا استنباط نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ متقدمین کے تراث علمی کو اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق مرتب کر رہا ہے یا یہ کہیے کہ گلشن تفسیر میں کھلنے والے سدابہار پھولوں سے ایک نیا گلدستہ سجا رہا ہے۔

پھر چوں کہ ہر دور کی ایک زبان اور ہر زمانہ کی ایک ضرورت ہوتی ہے اس لیے زمانہ کا قدم جب بھی نئی سرحدوں میں داخل ہوتا ہے۔ اس طرح کے علمی کاموں کی ضرورت بڑھ جاتی ہے، عصر حاضر چوں کہ زبان وبیان اور رجحانات کے لحاظ سے نئی ضروریات لے کر آیا ہے اس لیے جلیل القدر علماء نے ان احوال کی رعایت سے قرآن کریم کی خدمت کا فریضہ انجام دیا، ماضی قریب میں علماء دیوبند کے استاذ الکل حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمہ کی تجدید فرمائی اور تیسرے طرز تفسیر کے مطابق حواشی قلم بند فرمائے۔ جب کہ حضرت شیخ الہند جیسے جلیل القدر محقق کے لیے دوسرے طرز پر کام کرنے کا جواز تھا، پھر وہ نامکمل رہ گئے تو ان کے نامور شاگرد حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس کی تکمیل فرمادی۔ ان بزرگوں کی اس خدمت سے زبردست فیضان اور فائدہ ہوا۔ زمانہ اور آگے بڑھا اور اباحیت پسندوں کی جانب سے آداب کی رعایت کے بغیر اس دیار محبوب کی کوچہ نوردی کی واردات ہونے لگیں تو علماء دیوبند کے ایک قابل استاد عالم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے ایک مفصل تفسیر لکھی جس میں انھوں نے متقدمین ومتاخرین کے تفسیری ذخیروں کا عطر کشید کر لیا اور اللہ نے اس کو اتنا قبول عام عطا فرمایا کہ تفسیروں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

ناشرین محترم نے گو کہ اس کی قیمت بہت کم رکھی ہے لیکن اس کی ضخامت ہی اتنی ہو گئی کہ قیمت علماء کرام کی قوت خرید سے زیادہ ہے۔ پھر یہ کہ تفصیلی کتابوں کے مطالعہ کے لیے اشتیاق کے باوجود زیادہ وقت درکار ہوتا ہے، اس لیے متعدد اہل علم نے اس کی تلخیص کی ضرورت کا اظہار کیا۔

www.toobaaelibrary.com

ماضی میں بھی اس طرح کے کام ہو چکے ہیں، مشہور ہے کہ صاحب ہدایہ نے پہلے اپنی کتاب اسی جلدوں میں لکھی تھی، پھر تفصیل واطناب سے بچنے کے لیے اس کی جلدوں میں تلخیص کی، امام غزالی نے احیاء العلوم کی خود تلخیص فرمائی۔

نہایت مسرت کی بات ہے کہ "معارف القرآن" کی تلخیص کا کام مولانا قاری ابوالحسن صاحب زید مجدہم مدرس دارالعلوم دیوبند کے حصے میں آیا، موصوف محترم، قرآنِ کریم کے ظاہری پہلو یعنی تجوید وقراءت کے سلسلے میں ساٹھ سے زائد کتابیں لکھ چکے ہیں اور اب ان کا قلم قرآنِ کریم کے باطنی پہلو یعنی زلفِ معانی کی مشاطگی کی طرف متوجہ ہوا ہے، گویا الفاظ کو زبان سے ادائیگی کا سلیقہ دینے کے بعد، وہ اب قلوب میں اس کے معانی کی تاثیر پیدا کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔

پھر یہ کہ تلخیص کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ تلخیص نگار کے نزدیک جو اہم موضوع ہیں ان کا انتخاب کرلیا جائے اور جو اس کے نزدیک غیر اہم ہیں انھیں حذف کردیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام ہی مضامین لیے جائیں لیکن زبان وبیان میں اختصار سے کام لیا جائے، نہایت اطمینان کی بات ہے کہ محترم قاری صاحب زید مجدہم نے تمام ہی مضامین کا احاطہ کیا ہے، ترجمہ وخلاصۂ تفسیر حضرت حکیم الامت کا ہے اور معارف ومسائل کے مضامین مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ہیں، دعا ہے کہ پروردگارِ عالم طباعت کی توفیق ارزانی کرے — اور قبولِ عام سے نوازے۔ آمین!

ریاست علی ظفر بجنوری

استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

www.toobaaelibrary.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصنف معارف القرآن

نام و پیدائش: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ابن مولانا محمد یٰسین صاحبؒ ولادت شعبہ ۱۳۱۴ھ۔

مولد و تعلیم: آپ کا مولد اور وطن مرکز علوم اسلامیہ دیوبند ہے۔ ابتدائی تعلیم، قرآن کریم آپ نے دارالعلوم دیوبند میں جناب حافظ عبدالعظیم صاحبؒ اور جناب حافظ نامدار خاں صاحبؒ سے پڑھا۔ اردو، فارسی، حساب، ریاضی اور ابتدائی عربی کی تعلیم والد محترم سے حاصل کی۔

۱۳۳۱ھ میں باقاعدہ داخلہ لے کر دارالعلوم میں ۱۳۳۵ھ تک درس نظامی کا نصاب علم و فن کے باکمال اساتذہ سے مکمل کیا۔ خاص اساتذہ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ مولانا اصغر حسین میاں صاحبؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا اعزاز علی صاحبؒ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور مولانا رسول خاں صاحبؒ ہیں۔

۱۳۳۶ھ میں فنون کی کتابیں — قاضی میر زاہد اور امور عامہ وغیرہ پڑھیں، اسی سال کچھ اسباق بھی پڑھانے کو دیے گئے۔ یہ تعلیم و تعلم کا مشترک سال تھا۔

۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم میں باقاعدہ تدریس کی خدمت پر مامور ہوئے۔ متوسط اور اعلیٰ کتابوں کا تدریسی سلسلہ بارہ سال تک رہا، ۱۳۴۹ھ میں منصب افتار پر بحیثیت صدر مفتی آپ کو فائز کیا گیا۔ ساتھ ہی حدیث و تفسیر کی بعض کتابیں بھی زیر درس رہیں۔

۱۳۶۲ھ میں تحریک پاکستان کی جدوجہد اور بعض دیگر اسباب کی بنار پر دارالعلوم سے مستعفی ہوکر ۱۳۶۷ھ میں پاکستان چلے گئے۔ دارالعلوم کی چھبیس سالہ زندگی میں خاص خاص موضوعات پر تصانیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ابتدار بواپسی مالٹا حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا زمانۂ طالب علمی ہی سے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری رہی ۱۳۴۶ھ سے آپ نے تجدید بیعت کی اور یہ سلسلہ بیس سال حضرت تھانویؒ کی وفات رجب ۱۳۶۲ھ تک رہا۔

● ● ●

www.toobaaelibrary.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معارف القرآن کی تصنیف

ریڈیو پاکستان کے ادارہ کی جانب سے پیش کردہ تجویز کو منظور فرماتے ہوئے آپ نے ہفتہ واری درس بنام "معارف القرآن" شروع کیا۔ یہ درس ۳ رشوال ۱۳۷۳ھ سے شروع ہوکر گیارہ سال تک پابندی سے جاری رہا۔ اس درس کی انتہائی مقبولیت کے باعث ہر جانب سے اس کے طبع کیے جانے کا شدید تقاضہ ہوا، مسلمانوں کے اشتیاق اور تقاضوں کے پیش نظر اس کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کے بعد باقاعدہ تفسیری کام کا آغاز فرمایا اور ۱۳۸۳ھ میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔ درمیان میں علالت اور شدید بیماریوں کے باعث کچھ توقف رہا مگر بفضلِ خداوندی اور بمعاونتِ خلفِ اصغر حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ بہرحال یہ عظیم الشان انتہائی مقبول تفسیری کام ۲۱ رشعبان ۱۳۹۲ھ شنبہ کو مکمل ہوگیا۔ یہی دن حضرت مفتی صاحب کا یوم پیدائش بھی تھا، اس روز آپ کی عمر ستتر سال تھی۔

تفسیر معارف القرآن یوم طباعت سے اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر ہر طبقہ میں مقبول رہی، اس تفسیر میں دو مستند ترجمے دیے گیے، ایک حضرت شیخ الہندؒ کا جو دراصل حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ ہے۔ دوسرا حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا بامحاورہ ترجمہ۔ اس کے بعد حضرت تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن کا خلاصہ مع تسہیل ہے۔ تیسری چیز جو اس تفسیر کو ممتاز کرتی ہے وہ حضرت مفتی صاحبؒ کے قلم کی برکات ہیں یعنی "معارف و مسائل"—

* * *

www.toobaaelibrary.com

مُقَدِّمَہ

از: مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ استاذِ حدیث دارالعلوم کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

وحی اور اس کی حقیقت کے بارے میں چند ضروری باتیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور اس کے ذمہ کچھ فرائض بھی عائد ہیں۔ انسان کے لیے دو کام ناگزیر ہیں، کائنات اور اس کی اشیاء سے ٹھیک ٹھیک کام لینا، اللہ تعالیٰ کے احکام کو مدنظر رکھ کر اس کی مرضیات پر چلنا۔

کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کیا ہیں؟ اس کے لیے "علم" ضروری ہے مذکورہ باتوں کے علم کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک تو انسان کے حواس، آنکھ کان، منہ اور ہاتھ پاؤں پیدا کیے، اور دوسرے عقل اور تیسرے وحی چناں چہ بہت سی باتیں حواس کے ذریعہ معلوم ہو جاتی ہیں اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں، ان کا علم وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے، ان تینوں ذرائع علم کے مخصوص دائرۂ کار ہیں۔ جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دے دیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی ایک حد پر جا کر رک جاتی ہے۔ مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر اس کے سفید ہونے کا علم ہو جاتا ہے، مگر اسی دیوار کے رنگ کو آنکھ بند کر کے صرف عقل سے معلوم کرنا ناممکن ہے، مگر اسی دیوار کے صحیح استعمال کا طریق جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور غلط طریق جس سے ناراض ہو نہ حواس کے ذریعہ ممکن ہے اور نہ عقل کے ذریعہ۔ اس قسم کے سوالات کے جواب کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو ذریعہ مقرر فرمایا ہے اسی کا نام وحی ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر اسے اپنا پیغمبر قرار دے دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے، اسی کلام کو "وحی" کہا جاتا ہے۔

اس لیے یہ واضح ہو گیا کہ وحی انسان کے لیے حواس اور عقل سے اعلیٰ اور برتر ذریعۂ علم

ہے، اور اس کا علم حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف مشاہدہ اور عقل انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں بلکہ وحیِ الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چوں کہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی اس لیے وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہونا ضروری نہیں۔ چناں چہ بہت سے دینی عقائد کا علم عطا کرنا عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لیے نری عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔

کسی منکرِ خدا سے وحی کے مسئلہ پر بات کرنا تو بالکل بے سود ہے، لیکن ایک مومن کے لیے وحی کی عقلی ضرورت اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادرِ مطلق نے پیدا کی ہے وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمتِ بالغہ سے چلا رہا ہے، اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو، اور اسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے، یہاں اس کے ذمہ کیا فرائض ہیں، اس کی منزلِ مقصود کیا ہے اور وہ کس طرح اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل کر سکتا ہے؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان، زمین ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا باقاعدہ انتظام بھی نہ کر سکے جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصدِ زندگی سے متعلق ہدایات دی جا سکیں؟ بس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی و رسالت ہے۔

حضور پر نزولِ وحی کے طریقے

پیغمبر ﷺ پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے کیفیتِ وحی کو دریافت کیا تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے یہ صورت سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آ جاتا ہے (بخاری عن عائشہ: ۲/۱)

گھنٹی کی آواز سے تشبیہ کا مطلب ابن عربیؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک تو وحی کی آواز گھنٹی کی طرح مسلسل ہوتی ہے بیچ میں ٹوٹتی نہیں، دوسرے سننے والے کو گھنٹی کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور کلامِ الٰہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی، اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں، عام اذہان سے قریب کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دے دی ہے۔ (فیض الباری: ۱/۱۹، و ۲۰)

www.toobaaelibrary.com

اس طریقۂ وحی سے سخت بوجھ پڑتا تھا، حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں ـــــ کہ میں نے سخت جاڑوں کے دن میں وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے کہ جب یہ سلسلۂ وحی ختم ہوتا تو آپ ﷺ کی مبارک پیشانی پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی، ایک اور روایت میں بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رُکنے لگتا، چہرۂ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کٹکٹانے لگتے، اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے (الاتقان: ۴۶/۱) اور بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ آپ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے وہ آپ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا، اور ایک مرتبہ آپ نے سر اقدس زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔ (زاد المعاد: ۱۸/۱-۱۹) بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی ـــــ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی (تبویب مسند احمد کتاب السیرۃ النبویہ: ۲۱۲/۲۰) ـــــ وحی کی دسری صورت یہ تھی کہ عموماً حضرت جبریل ؑ مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف لاتے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے، بعض اوقات کسی دوسری صورت میں بھی تشریف لاتے، بہر حال جب بشکل انسانی وحی لے کر آتے تو نزولِ وحی کی یہ صورت پیغمبر علیہ السلام کے لیے سب سے آسان ہوتی تھی۔ (الاتقان: ۴۶/۱)

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے، ایسا آپ کی عمر میں صرف تین بار ہوا ہے، ایک بار اس وقت جب آپ نے خود حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری بار معراج میں، اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔ (فتح الباری: ۱۸/۱-۱۹)

چوتھی صورت بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی ہے، یہ شرف آں حضرت ﷺ کو بحالت بیداری صرف ایک بار معراج کے وقت حاصل ہوا ہے۔ البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ (الاتقان: ۴۶/۱)

وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی بھی صورت میں آئے بغیر آپ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء فرما دیتے تھے، اسے اصطلاح میں نفث فی الروع کہتے ہیں۔ (ایضاً)

www.toobaaelibrary.com

تاریخ نزولِ قرآن

قرآنِ کریم دراصل کلامِ الٰہی ہے اس لیے ازل سے لوحِ محفوظ میں موجود ہے، ارشاد ہے بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ پھر لوحِ محفوظ سے اس کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے۔ ایک مرتبہ یہ پورے کا پورا آسمانِ دنیا کے بیتِ عزت میں داخل کردیا گیا تھا۔ بیتِ عزت (جسے: اَلْبَیْتُ الْمَعْمُوْر بھی کہتے ہیں) محاذاتِ کعبہ میں آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے، یہ نزول لیلۃ القدر میں ہوا تھا۔ پھر دوسری مرتبہ آں حضرت ﷺ پر تھوڑا تھوڑا حسبِ ضرورت نازل کیا جاتا رہا، حتیٰ کہ تیئیس سال میں اس کی تکمیل ہوئی۔ نزولِ قرآن کی یہ دو صورتیں خود قرآنِ کریم کے اندازِ بیان سے بھی واضح ہیں۔ اس کے علاوہ نسائیؒ بیہقیؒ اور حاکم وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں، جن کا خلاصہ یہی ہے کہ قرآنِ کریم کا پہلا نزول یکبارگی آسمانِ دنیا پر ہوا اور دوسرا نزول بتدریج آں حضرت ﷺ پر۔ (الاتقان: ۴۱/۱)

حافظ ابوشامہؒ نے آسمانِ دنیا پر نزولِ اوّل کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ اس سے قرآنِ کریم کی رفعتِ شان کا اظہار مقصود تھا اور ملائکہ کو یہ بات بتانی تھی کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جو اہلِ زمین کی ہدایت کے لیے اتاری جانے والی ہے، شیخ زرقانیؒ نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ اس طرح دو مرتبہ اتارنے سے یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ یہ کتاب ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے اور آں حضرت ﷺ کے قلبِ مبارک کے علاوہ یہ دو جگہ اور بھی محفوظ ہے ایک لوحِ محفوظ میں، اور دوسرے بیتِ عزت میں (مناہل العرفان: ۳۹/۱)

اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کا دوسرا تدریجی نزول پیغمبر علیہ السلام پر بعمر چالیس سال ہوا اور اس نزول کی ابتدا بصحیح قول لیلۃ القدر میں ہوئی ہے۔ لیکن یہ رات رمضان کی کون سی تاریخ تھی اس بارے میں یقینی بات نہیں کہی جاسکتی۔ بعض روایات سے سترہویں، بعض سے انیسویں، بعض سے ستائیسویں شب معلوم ہوتی ہے۔ (ابن جریر: ۷/۱۰)

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ پہلے جو آیتیں اتریں وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں۔ حضرت عائشہؓ غارِ حرا میں آپ کی خلوت وعبادت کا واقعہ بیان کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ ایک دن اسی غار میں آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے سب سے پہلے یہ بات کہی کہ اِقْرَأْ (یعنی پڑھو) حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس کے بعد خود حضور ﷺ نے واقعہ بیان کیا کہ

www.toobaaelibrary.com

میرے اس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہوگئی۔ پھر مجھے چھوڑ کر کہا کہ اِقْرَأْ میں نے پھر وہی جواب دیا اس پر اس نے دوسری بار اور پھر اسی جواب پر تیسری مرتبہ پکڑا اور بھینچ کر چھوڑ دیا۔ پھر کہا: "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الخ "پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا، پڑھو اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے" الخ۔

اس کے بعد تین سال تک سلسلۂ وحی بند رہا، جسے "فترۃ وحی" کا زمانہ کہتے ہیں، پھر تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا آپ کو آسمان و زمین کے درمیان دکھائی دیا اور سورۂ مدثر کی آیات آپ کو سنائیں۔ اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

مکی اور مدنی آیات

مفسرین کی اصطلاح میں "مکی آیت" کا مطلب وہ آیت ہے جو آپ کے بغرض ہجرت مدینہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی اور مدنی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آپ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی، بعض لوگ مکی اور مدنی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہر مکہ یا مدینہ میں نازل ہوئی۔ مگر یہ مطلب درست نہیں۔ ایک مثال دیکھیے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا۔ یہ آیت مدنی ہے حالاں کہ نزول مکہ مکرمہ میں ہوا (البرہان ۱/۱۸۸ و مناہل العرفان: ۱/۱۸۸) نیز کسی سورۃ کا مکی یا مدنی ہونا عموماً اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ (مناہل: ۱/۱۹۲)

مکی اور مدنی آیتوں کی خصوصیات

علمائے تفسیر نے استقرار کر کے بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے پہلی نظر میں سورتوں کا مکی یا مدنی ہونا معلوم ہوجاتا ہے۔ بعض خصوصیات بحیثیت قاعدہ کلیہ کے ہیں اور بعض اکثری، قواعد کلیہ یہ ہیں: (۱) ہر سورت جس میں لفظ كَلَّا (ہرگز نہیں) آیا ہے وہ مکی ہے یہ پندرہ سورتوں میں ۳۳ بار استعمال ہوا ہے۔ ایسی آیتیں قرآن کے آخری نصف حصہ میں ہیں (۲) حنفی مسلک کے مطابق آیت سجدہ والی سورت مکی ہے (۳) ماسوائے بقرہ، آدم، وابلیس کے واقعہ والی سورت مکی ہے (۴) جہاد کی اجازت یا اس کے احکام والی سورت مدنی ہے (۵) جس میں منافقین کا ذکر ہے مدنی ہے۔ اکثری خصوصیات، جن کے خلاف بھی کبھی ہوجاتا ہے (۶) خطاب بہ يٰاَيُّهَا النَّاسُ مکی میں اور خطاب بہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مدنی سورتوں میں ہوتا ہے (۷) مکی آیات و سور عموماً مختصر ہیں اور مدنی طویل ہیں (۸) مکی سورتیں بیشتر توحید، رسالت، اثباتِ آخرت، حشر و نشر کی منظر

www.toobaaelibrary.com

کشی، پیغمبر ﷺ کو صبر و تسلی کی تلقین اور پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، احکام و قوانین کا بیان کم ہے اور مدنی سورتوں میں خاندانی اور تمدنی قوانین، جہاد و قتال کے احکام اور حدود و فرائض بیان کیے گئے ہیں۔ مکی سورتوں میں بیش تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے اور مدنی سورتوں میں اہل کتاب اور منافقین سے (۹) مکی سورتوں کا طرز بیان بیش تر پرشکوہ ہے، اس میں استعارات، تشبیہات اور تمثیلات زیادہ ہیں، اور ذخیرۂ الفاظ بہت وسیع ہے۔ اس کے برخلاف مدنی سورتوں کا انداز نسبتاً سادہ ہے۔

انداز و اسلوب میں یہ فرق دراصل حالات، ماحول اور مخاطبین کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کا واسطہ چوں کہ زیادہ تر عرب کے بت پرستوں سے تھا اور کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی اس لیے اس دور میں زیادہ زور عقائد کی درستی، اخلاق کی اصلاح، بت پرستوں کی مدلل تردید اور قرآنِ کریم کی شانِ اعجاز کے اظہار پر دیا گیا۔ اس کے برخلاف مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی ریاست وجود میں آ چکی تھی، لوگ جوق در جوق اسلام کے سائے تلے آ رہے تھے، علمی سطح پر بت پرستی کا ابطال ہو چکا تھا اور تمام تر نظریاتی مقابلہ اہل کتاب سے تھا۔ اس لیے یہاں احکام و قوانین اور حدود و فرائض کی تعلیم اور اہلِ کتاب کی تردید پر زیادہ توجہ دی گئی اور اسی کے مناسب اسلوبِ بیان اختیار کیا گیا۔

قرآن کا تدریجی نزول

جیسا کہ اوپر گزرا قرآن تدریجاً نازل ہوا، بعض اوقات جبریلؑ ایک چھوٹی سی آیت، بلکہ آیت کا کوئی ایک جزء لے کر ہی تشریف لے آتے، اور بعض مرتبہ کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں، قرآنِ کریم کا سب سے چھوٹا حصہ مستقلاً نازل ہوا وہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ (نساء: ۹۴) ہے جو ایک آیت کا ٹکڑا ہے، دوسری طرف پوری سورۂ انعام ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی (ابن کثیر: ۱۲۲/۲)

قرآن کا تدریجی نزول کا سبب کیا ہے؟ یہ سوال خود مشرکین عرب نے پیغمبرؐ سے کیا تھا باری تعالیٰ نے ان الفاظ میں جواب دیا ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۝ (الفرقان: ۳۲) "اور کافروں نے کہا کہ آپ پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے قرآن کو تدریجاً اتارا ہے) تاکہ ہم اس کے ذریعے سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور (اسی لیے) ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے"۔

اس تدریجی نزول کی حکمتیں یہ ہیں کہ: (۱) پیغمبر علیہ السلام اُمّی تھے، سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں نازل ہو گیا ہوتا تو اس کا حفظ و ضبط دشوار ہوتا، رہا تورات کا نزول تو حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا

www.toobaaelibrary.com

پڑھنا جانتے تھے اس لیے وہ یک بارگی نازل ہوئی۔ ۲ یک دفعہ نزول میں تمام احکام کی پابندی بھی فوراً لازم ہو جاتی ہے اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعت محمدی میں ملحوظ رہی ہے۔ ۳ پیغمبر علیہ السلام کو اپنی قوم سے ہر روز نئی اذیتیں سہنی پڑتی تھیں، جبریلؑ کا بار بار قرآن کریم لے کر آنا آپ کی تقویت قلب کا سہارا بنتا تھا۔ ۴ قرآن کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جواب اور مختلف واقعات سے متعلق ہے اس لیے ان آیتوں کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کیے گئے یا وہ واقعات پیش آئے۔ اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی اور قرآن کی غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکار ہو جاتی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳۳۶/۶)

شانِ نزول: آیاتِ قرآنی کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو بغیر کسی خاص واقعہ اور پس منظر کے یا کسی سوال کے بغیر نازل ہوئیں، دوسری وہ جن کے نزول کا سبب کوئی سوال یا خاص واقعہ اور پس منظر ہو جسے مفسرین کی اصطلاح میں "سببِ نزول" کہا جاتا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۱ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ الخ یہ آیت ایک خاص واقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں حضرت مرثد بن ابی مرثد غنویؓ کے عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ منورہ چلے آئے اور وہ عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی۔ ایک مرتبہ حضرت مرثدؓ کسی کام سے مکہ تشریف لے گئے تو عناق نے انھیں گناہ کی دعوت دی، حضرت مرثدؓ نے صاف انکار کر کے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں پیغمبرؐ سے اجازت کے بعد تم سے نکاح کر سکتا ہوں، مدینہ طیبہ تشریف لا کر حضرت مرثدؓ نے آپؐ سے نکاح کی اجازت چاہی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی (اسباب النزول للواحدیؒ: ص: ۳۸)

تفسیر قرآن میں "شانِ نزول" نہایت اہمیت کا حامل ہے، بہت سی آیتوں کا صحیح مفہوم "شانِ نزول" جانے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

علمِ تفسیر: عربی زبان میں "تفسیر" کے لفظی معنی 'کھولنا' اور اصطلاح میں علم تفسیر اس علم کو کہتے ہیں، جس میں قرآن کریم کے معانی بیان کیے جائیں اور اس کے احکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے (البرہان) قرآن کریم میں آں حضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ "اور ہم نے قرآن آپ پر اتارا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرما دیں جو آپ کی طرف اتاری گئی ہیں"۔ نیز: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ

www.toobaaelibrary.com

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جب کہ ان کے درمیان انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرے اور انھیں پاک صاف کرے اور انھیں اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دے"۔

چناں چہ پیغمبر علیہ السلام صحابہ کرامؓ کو صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی نہیں سکھاتے تھے بلکہ اس کی پوری تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو ایک ایک سورت پڑھنے میں بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

جب تک پیغمبر علیہ السلام دنیا میں تشریف فرما تھے اس وقت تک کسی آیت کی تفسیر معلوم کرنا مشکل نہیں تھا، لیکن آپ کے بعد اس بات کی ضرورت تھی کہ تفسیر قرآن کو ایک مستقل علم کی صورت میں محفوظ کیا جاتا، تاکہ امت کے لیے قرآنِ کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح معنی بھی محفوظ ہو جائیں اور ملحد و گم راہ لوگوں کے لیے اس کی معنوی تحریف کی گنجائش باقی نہ رہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اس امت نے یہ کارنامہ اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ آج ہم یہ بات بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی اس آخری کتاب کے صرف الفاظ ہی محفوظ نہیں بلکہ اس کی وہ صحیح تفسیر بھی محفوظ ہے جو پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔

علمِ تفسیر کو اس امت نے کس کس طرح محفوظ کیا؟ اس راہ میں انھوں نے کیسی کیسی مشقتیں اٹھائیں اور یہ جدوجہد کے کتنے مراحل سے گزرا اس کی ایک طویل اور دل چسپ تاریخ ہے، یہاں مختصراً یہ بتانا ہے کہ تفسیر قرآن کے مآخذ کیا کیا ہیں؟ اور علمِ تفسیر پر جو بے شمار کتابیں ہر زبان میں ملتی ہیں انھوں نے قرآن کریم کی تشریح میں کن سرچشموں سے استفادہ کیا ہے۔ یہ سرچشمے کل چھ ہیں۔

① قرآنِ کریم: علمِ تفسیر کا پہلا مآخذ خود قرآنِ کریم ہے، چناں چہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی بات مجمل اور تشریح طلب ہوتی ہے تو قرآن کریم ہی کی کوئی دوسری آیت اس کے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے، مثلاً سورۂ فاتحہ کی دعا میں کہ "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" اب یہاں یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ منعم علیہم کون ہیں، ایک دوسری آیت سورۂ نساء میں ان کو واضح طور سے متعین کر دیا گیا ہے ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ" چناں چہ مفسرین کرام کسی آیت کی تفسیر کرتے وقت سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر خود قرآن میں کسی اور جگہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود ہوتی ہے تو سب سے پہلے اسی کو

www.toobaaelibrary.com

اختیار فرماتے ہیں۔

(۲) حدیث: "حدیث" پیغمبر علیہ السلام کے اقوال وافعال کو کہتے ہیں، درحقیقت آپ کی پوری مبارک زندگی قرآن ہی کی عملی تفسیر ہے، اس لیے مفسرین کرام نے قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ زور حدیث پر دیا ہے، اور احادیث کی روشنی میں کتاب اللہ کے معنی متعین کیے ہیں، البتہ چوں کہ حدیث میں صحیح، ضعیف، اور موضوع ہر طرح کی روایات موجود ہیں اس لیے محقق مفسرین اس وقت تک کسی روایت کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے جب تک وہ تنقید روایات کے اصولوں پر پوری نہ اترتی ہو، لہٰذا جو روایت جہاں نظر آجائے اسے دیکھ کر قرآن کریم کی کوئی تفسیر متعین کرلینا درست نہیں کیوں کہ وہ روایت ضعیف ــــ اور دوسری مضبوط روایتوں کے خلاف بھی ہوسکتی ہے۔ درحقیقت یہ معاملہ بڑا نازک ہے اور اس میں قدم رکھنا انہی لوگوں کا کام ہے، جنھوں نے اپنی عمریں ان علوم کو حاصل کرنے میں خرچ کی ہیں۔

(۳) صحابہؓ کے اقوال: صحابۂ کرامؓ نے قرآنِ کریم کی تعلیم براہِ راست پیغمبر علیہ السلام سے حاصل کی تھی اس کے علاوہ نزولِ وحی کے وقت وہ بنفسِ نفیس موجود تھے، اور انھوں نے نزولِ قرآن کے پورے ماحول اور پس منظر کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا تھا اس لیے فطری طور پر قرآنِ کریم کی تفسیر میں ان حضرات کے اقوال جتنے مستند اور قابلِ اعتماد ہوسکتے ہیں، بعد کے لوگوں کو وہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جن آیتوں کی تفسیر قرآن یا حدیث سے معلوم نہیں ہوتی ان میں سب سے زیادہ اہمیت صحابہ کرام کے اقوال کو حاصل ہے، چناں چہ اگر کسی آیت کی تفسیر پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو تو مفسرینِ کرام اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی اور تفسیر بیان کرنا جائز نہیں، ہاں! اگر کسی آیت کی تفسیر میں صحابہ کرامؓ کے اقوال مختلف ہوں تو بعد کے مفسرین دوسرے دلائل کی روشنی میں یہ دیکھتے ہیں کہ کون سی تفسیر کو ترجیح دی جائے؟ اس معاملہ میں اہم اصول وقواعد اصولِ فقہ، اصولِ حدیث اور اصولِ تفسیر مدوّن ہیں، ان کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

(۴) تابعین کے اقوال: صحابہؓ کے بعد تابعینؒ کا نمبر آتا ہے یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے قرآنِ کریم صحابہ کرامؓ سے سیکھا ہے، اس لیے ان کے اقوال بھی علمِ تفسیر میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگرچہ اس معاملہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ تابعین کے اقوال تفسیر میں حجت ہیں یا نہیں؟ (الاتقان: ۱۷۹/۲) لیکن ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) لغت عرب: قرآن کریم چوں کہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لیے تفسیر قرآن کے لیے

www.toobaaelibrary.com

اس زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ان کے پس منظر میں چوں کہ کوئی شانِ نزول یا کوئی اور فقہی یا کلامی مسئلہ نہیں ہوتا اس لیے ان کی تفسیر میں پیغمبر علیہ السلام یا صحابہؓ وتابعین کے اقوال منقول نہیں ہوتے، چناں چہ ان کی تفسیر کا ذریعہ صرف لغت عرب ہوتی ہے۔ اور لغت ہی کی بنیاد پر اس کی تشریح کی جاتی ہے، نیز مختلف آرار میں محاکمہ کے لیے بھی علمِ لغت سے کام لیا جاتا ہے۔

(۶) تدبر اور استنباط: تفسیر کا آخری ماخذ "تدبر اور استنباط" ہے۔ قرآن کریم کے نکات واسرار ایک ایسا بحرِ ناپیدا کنار ہے، جس کی کوئی حد و نہایت نہیں، چناں چہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں بصیرت عطا فرمائی ہو وہ جتنا جتنا اس میں غور وفکر کرتا ہے اتنے ہی نئے نئے اسرار و نکات سامنے آتے ہیں، چناں چہ مفسرین کرام اپنے اپنے تدبر کے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرماتے ہیں لیکن یہ اسرار و نکات اسی وقت قابل قبول ہوتے ہیں جب کہ وہ مذکورہ بالا پانچ ماخذ سے متصادم نہ ہوں، لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن کی تفسیر میں ایسا نکتہ یا اجتہاد بیان کرے جو قرآن وسنت، اجماع، لغت، یا صحابہ وتابعین کے اقوال کے خلاف ہو یا کسی دوسرے شرعی اصول سے ٹکراتا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، بعض صوفیار نے تفسیر میں اس قسم کے اسرار و نکات بیان کرنے شروع کیے تھے لیکن امت کے محقق علمار نے انھیں قابل اعتماد نہیں سمجھا، کیوں کہ قرآن وسنت اور شریعت کے بنیادی اصولوں کے خلاف کسی کی شخصی رائے ظاہر ہے کہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی (اتقان: ۱۸۴/۲)

اسرائیلیات کا حکم اسرائیلیات ان روایتوں کو کہتے ہیں جو اہلِ کتاب سے ہم تک پہنچی ہیں، پہلے زمانے کے مفسرین کی عادت تھی کہ وہ کسی آیت کے ذیل میں ہر قسم کی وہ روایات لکھ دیتے تھے جو انھیں سند کے ساتھ پہنچی تھیں ان میں بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہوتی تھیں اس لیے ان کی حقیقت سے واقفیت بھی ضروری ہے، ان کی حقیقت یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعین پہلے اہلِ کتاب کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، بعد میں جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور قرآنِ کریم میں پچھلی امتوں کے بہت سے وہ واقعات نظر آئے جو انھوں نے اپنے پرانے مذہب کی کتابوں میں پڑھے تھے۔ چناں چہ وہ قرآنی واقعات کے سلسلے میں وہ تفصیلات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے جو انھوں نے اپنے پرانے مذہب کی کتابوں میں دیکھی تھیں، یہی تفصیلات اسرائیلیات کے نام سے تفسیروں کی کتابوں میں داخل ہوگئی ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ جو بڑے محقق مفسرین میں سے ہیں انھوں نے لکھا ہے کہ اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ روایات جن کی سچائی قرآن

www.toobaaelibrary.com

وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے مثلاً فرعون کا غرق ہونا۔ اور حضرت موسیٰؑ کا کوہِ طور پر تشریف لے جانا وغیرہ (۲) وہ روایات جن کا کذب قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ مثلاً اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنی آخری عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے، قرآن کریم سے اس کی تردید ثابت ہے۔ ارشاد ہے: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا اسی طرح مثلاً اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت داؤدؑ نے اپنے سپہ سالار اَوریا کی بیوی سے زنا کیا، یا اسے مختلف تدبیروں سے مروا کر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ یہ بھی کھلا جھوٹ ہے۔ اور اس قسم کی روایتوں کو غلط سمجھنا لازم ہے۔ (۳) وہ روایات جن کے بارے میں قرآن وسنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں، جیسے تورات کے احکام وغیرہ۔ ایسی روایات کے بارے میں پیغمبرؐ نے سکوت اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ نہ تصدیق کی جائے نہ تکذیب ہی، البتہ ایسی روایات کو نقل کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، حافظ ابن کثیرؒ نے قولِ فیصل یہ بیان کیا ہے کہ انھیں نقل کرنا جائز تو ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ شرعی اعتبار سے وہ حجت نہیں ہے (مقدمۂ ابن کثیر)

تفسیر قرآن کے بارے میں ایک شدید غلط فہمی

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تفسیرِ قرآن ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے جس کے لیے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں، بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے چناں چہ علماء نے لکھا ہے کہ مفسرِ قرآن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے نحو، وصرف، بلاغت وادب کے علاوہ وہ علمِ حدیث، علمِ قراءت، اصولِ فقہ وتفسیر، عقائد وکلام، اسبابِ نزول، ناسخ ومنسوخ کا وسیع وعمیق علم رکھتا ہو، کیوں کہ جب تک ان علوم سے مناسبت نہ ہو، انسان قرآن کریم کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لیے کافی سمجھنا شدید غلط فہمی ہے، خطرناک وبا ہے، انتہائی مہلک گمراہی ہے جب ڈاکٹر بننے کے لیے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم وتربیت حاصل کرنا ضروری ہے نیز کوئی انگریزی داں انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننا چاہے تو دنیا کا کوئی باخبر انسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لیے ماہر اساتذہ کے زیرِ تربیت رہ کر ان سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے تو آخر قرآن وحدیث کے معاملہ میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کیسے کافی ہو سکتا ہے، ہر علم وفن کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی

www.toobaaelibrary.com

ہیں جنھیں پورا کیے بغیر اس علم وفن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی تو آخر قرآن وسنت اتنے لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لیے کسی علم وفن کو حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کردے۔

ارشادِ قرآنی وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ سے مغالطہ نہ ہو جائے۔ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات، اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کیے گئے ہیں، اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں، انھیں سمجھ کر نصیحت حاصل کرسکتا ہے۔ لِلذِّكْرِ کا لفظ (نصیحت کے واسطے) خود اس پر دلالت کر رہا ہے، اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو احکام وقوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں اس قسم کی آیتوں کا کماحقہ سمجھنا اور ان سے احکام ومسائل مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی زبان اگرچہ عربی تھی مگر وہ پیغمبر علیہ السلام سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے۔ مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ جب پیغمبر علیہ السلام سے دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے، جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کرلیں، وہ فرماتے تھے: تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيْعًا "ہم نے قرآن اور علم وعمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے"۔ (اتقان: ۲/۱۷۶)

حضرت ابن عمرؓ نے سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کیے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا ہماری نگاہوں میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا تھا۔ (اتقان: ۲/۱۷۶، نوع: ۷۷)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہؓ جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعروادب میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہو جایا کرتے تھے انھیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لیے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لیے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی۔ بلکہ اس کے لیے پیغمبر علیہ السلام کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ اب سوچیے کہ نزولِ قرآن کے سیکڑوں سال بعد عربی کی محدود سی شدبد پیدا کرکے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسرِ قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم ودین کے ساتھ افسوس ناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کے لیے ارشادِ رسالتؐ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ "من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوّأ مقعده فی النار" "جو شخص قرآن کے معاملہ

www.toobaaelibrary.com

میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے" (ترمذی:۲/۱۱۹) نیز من تکلم فی القرآن برایہ فاصاب فقد اخطأ، جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی (ترمذی:۲/۱۱۹)

مشہور تفسیریں | عہدِ رسالت کے بعد قرآن کریم کی بے شمار تفسیریں لکھی گئی ہیں، بلکہ دنیا کی کسی کتاب کی بھی اتنی خدمت نہیں کی گئی ہے، ان سب تفاسیر کا تعلق کسی مفصل کتاب میں بھی ممکن نہیں، چہ جائے کہ اس مختصر مقدمہ میں اس کا ارادہ کیا جائے لیکن یہاں ان تفاسیر کا مختصر تعارف کرانا چاہتے ہیں جو معارف القرآن کا خاص مآخذ رہی ہیں اور جن کا حوالہ معارف القرآن میں بار بار آیا ہے، اگر چہ معارف القرآن کی تصنیف کے دوران بہت سی تفاسیر اور سیکڑوں کتابیں پیش نظر رہی ہیں لیکن یہاں صرف ان تفاسیر کا تذکرہ مقصود ہے جن کے حوالے بکثرت آئیں گے۔

تفسیر ابن جریر: اس تفسیر کا اصل نام "جامع البیان" ہے، یہ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ) کی تالیف ہے۔ آپ اونچے درجے کے مفسر و محدث اور مورخ ہیں۔ منقول ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل لکھنے میں مشغول رہے اور ہر روز چالیس ورق لکھنے کا معمول تھا (البدایہ والنہایہ:۱۱/۱۴۵) ان پر شیعیت کے الزام کی محققین نے تردید کی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ اہلِ سنت کے جلیل القدر عالم بلکہ ائمۂ مجتہدین میں سے ہیں۔ یہ تفسیر تیس جلدوں میں ہے اور بعد کی تفاسیر کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال پر نقل کرنے کے بعد اپنے نزدیک راجح قول کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ البتہ ان کی تفسیر میں صحیح و سقیم ہر طرح کی روایات جمع ہوگئی ہیں اس لیے ان کی بیان کردہ ہر روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، دراصل ان کا مقصد ہی یہ تھا کہ تفسیر قرآن سے متعلق تمام دستیاب روایات کو جمع کردیا جائے تاکہ اس مواد سے کام لیا جاسکے۔ البتہ ہر روایت سند کے ساتھ ذکر کیا ہے تاکہ جو شخص چاہے راویوں کی تحقیق کر کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کر سکے۔

تفسیر ابن کثیر: یہ آٹھویں صدی کے ممتاز اور محقق عالم حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن کثیر دمشقی شافعیؒ (م ۷۷۴ھ) کی تصنیف ہے۔ چار جلدوں میں ہے اس میں زیادہ زور تفسیری روایات پر دیا گیا ہے خصوصیت یہ ہے کہ روایات پر محدثانہ تنقید بھی کرتے ہیں اس لحاظ سے یہ کتاب تمام کتب تفسیر میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔

تفسیر القرطبی: اس کا پورا نام "الجامع لاحکام القرآن" ہے مشہور اور محقق عالم علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح المالکی القرطبی اندلسیؒ (م ۶۷۱ھ) کی تصنیف ہے، شہرۂ آفاق عابد وزاہد

www.toobaaelibrary.com

تھے، اس کتاب کا بنیادی موضوع تو قرآن سے فقہی احکام ومسائل کا استنباط تھا اس ضمن میں آیتوں کی تشریح، مشکل الفاظ کی تحقیق، اعراب وبلاغت اور متعلقہ روایات کو بھی تفسیر میں خوب جمع کیا ہے بارہ جلدوں میں بار بار شائع ہو چکی ہے۔

تفسیر کبیر: اصلی نام "مفاتیح الغیب" ہے یہ امام فخر الدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ) کی تصنیف ہے آپ متکلمین اسلام کے امام ہیں، اس لیے اس تفسیر میں عقلی اور کلامی مباحث اور فرق باطلہ کی تردید پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حل قرآن کے لحاظ سے بھی یہ تفسیر بے نظیر ہے۔ معانی قرآن کی توضیح اور آیات قرآنی کے باہمی ربط کی تشریح بڑے قابل قدر اور دل نشیں انداز میں کی گئی ہے اغلب یہ ہے کہ سورۂ فتح تک کی تفسیر خود لکھی ہے، اس کے بعد اسے پورا نہ کر سکے سورۂ فتح سے آخر تک کا حصہ قاضی شہاب الدین بن خلیل الخولی الدمشقی (م ۶۳۹ھ) یا شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولی (م ۷۷۷ھ) نے مکمل فرمایا (کشف الظنون: ۲/۴۷۷)

زمانے کی ضرورت کے مطابق فرقہ باطلہ پر خاص زور دیا ہے اور کلامی مباحث بہت سے مقامات پر انتہائی طویل ہوگئی ہیں اس لیے بعض حضرات نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ فیہ کل شیء الا التفسیر کہ تفسیر کے سوا سب کچھ ہے، لیکن اس کتاب پر یہ تبصرہ بڑا ظالمانہ ہے، حقیقت وہی ہے جو اوپر گزری۔ البتہ چند مقامات پر جمہور امت کی رائے سے ہٹ کر آیات قرآنی کی تفسیر کی ہے لیکن ایسے مقامات آٹھ ضخیم جلدوں کی اس کتاب میں خال خال ہیں۔

تفسیر البحر المحیط: یہ علامہ ابوحیان غرناطی اندلسیؒ (م ۷۵۴ھ) کی تصنیف ہے آپ علم نحو وبلاغت میں بھی خصوصی مہارت رکھتے تھے چناں چہ ان کی تفسیر میں نحو وبلاغت کا رنگ نمایاں ہے ہر آیت کے الفاظ کی تحقیق، ترکیبوں کے اختلاف اور بلاغت کے نکات بیان کرنے پر خاص زور دیتے ہیں۔

احکام القرآن للجصاص: مسلسل آیتوں کی تفسیر کے بجائے صرف آیات فقہیہ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں اس کا مقام سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز ہے۔

تفسیر الدر المنثور: اس کا پورا نام "الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" ہے یہ علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۰ھ) کی تصنیف ہے مصنف نے اس میں تمام تفسیری روایات کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان سے پہلے بہت سے محدثین مثلاً ابن جریرؒ، امام بغوی، ابن مردویہؒ، ابن حبانؒ اور ابن ماجہؒ وغیرہ اپنے اپنے طور پر یہ کام کر چکے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے ان سب کی بیان کردہ روایات کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے البتہ انھوں نے روایات کو بلا سند کے صرف مصنف کا نام ذکر کرنے پر اکتفا کیا

www.toobaaelibrary.com

ہے۔ چوں کہ ان کا مقصد روایات کے ذخیرہ کو یکجا کرنا تھا اس لیے اس کتاب میں بھی صحیح و سقیم ہر طرح کی روایتیں جمع ہو گئی ہیں اور سند کی تحقیق کیے بغیر ہر روایت کو قابل اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا۔ بعض مرتبہ یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ روایت کی سند کس درجہ کی ہے لیکن تنقید حدیث میں چوں کہ وہ خاصے متساہل مشہور ہیں اس لیے اس پر بھی کما حقہ اعتماد کرنا مشکل ہے۔

تفسیر مظہری: یہ علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ) کی تصنیف ہے اپنے شیخ طریقت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے نام پر اس کا نام رکھا ہے یہ تفسیر بہت سادہ اور واضح ہے۔ اختصار کے ساتھ آیات قرآنی کی تشریح معلوم کرنے کے لیے نہایت مفید ہے۔ الفاظ قرآنی کی تشریح کے ساتھ متعلقہ روایات کو بھی کافی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور دیگر تفسیروں کے مقابلے میں زیادہ چھان پھٹک کر روایات لینے کی کوشش کی ہے۔

روح المعانی: اس کا پورا نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی" ہے یہ بغداد کے آخری دور کے مشہور عالم علامہ محمود آلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ) کی تصنیف ہے، تیس جلدوں میں ہے انھوں نے اپنی تفسیر کو بڑی حد تک جامع بنانے کی کوشش کی ہے۔ لغت نحو ادب اور بلاغت کے علاوہ فقہ، عقائد کلام فلسفہ ہیئت تصوف اور متعلقہ روایات پر بھی مبسوط بحثیں کی ہیں اور کوشش یہ کی ہے کہ آیت سے متعلق کوئی علمی گوشہ تشنہ نہ رہے۔ روایات حدیث کے معاملہ میں بھی دوسرے مفسرین کے مقابلے میں محتاط ہیں اب تفسیر قرآن کے سلسلے میں کوئی بھی کام اس کی مدد سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

* * *

www.toobaaelibrary.com

سورہ فاتحہ کے فضائل اور خصوصیات

(۱) قرآن کریم کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ نمبر ۲ نماز کا آغاز اسی سے ہوتا ہے (۳) سب سے پہلی مکمل سورت یہی نازل ہوئی، آیات تو ضرور اس سے پہلے نازل ہوئیں، مگر کل سورت پہلی ہی ہے۔ فاتحۃ الکتاب کے نام سے بھی اسی کا اظہار ہوتا ہے۔ (۴) اس سورت کو قرآن کا متن اور پورے قرآن کو اس کی شرح کہا جاتا ہے، ایمان اور اعمال صالحہ میں قرآن کے مقاصد دائر ہیں اور اس سورت میں ان دونوں چیزوں کے بنیادی اصول کا بیان ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام ام القرآن، ام الکتاب اور قرآن عظیم بھی ہے۔ (۵) سورۂ فاتحہ ایک دعا اور درخواست ہدایت ہے اور پورا قرآن اسی درخواست کا جواب ہے، یعنی جس صراط مستقیم کے تم طالب ہو وہ اس کتاب میں موجود ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کی نظیر نہ توراۃ میں نازل ہوئی، نہ انجیل و زبور میں اور نہ خود قرآن میں کوئی اس کی نظیر ہے (ترمذی، عن ابی ہریرہ) نیز سورۃ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے (بیہقی) قرآن کی تمام سورتوں میں الحمد للہ رب العٰلمین عظیم ترین ہے۔ (بخاری، عن انسؓ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

بسم اللہ کے بارے میں احکام و مسائل

ائمہ مجتہدین کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا یا فاتحہ کا جزو ہے؟ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک یہ قرآن کی ایک مستقل آیت ہے۔

قرآن کریم اور ہر اہم کام کی ابتداء کے لیے حکم ہے کہ بسم اللہ سے شروع کیا جائے، بعض علماء کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن اور امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ بسم اللہ کے نزول کے بعد سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اختیار فرمالیا اور یہ سنت ہمیشہ کے لیے جاری ہوگئی۔ (قرطبی، روح المعانی) ہر کام کو بسم اللہ سے شروع کرنے کی ہدایت دے گئی ہے۔ اس میں

www.toobaaelibrary.com

حکمت یہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی کا رخ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف پھر جاتا ہے کہ بندے کا کوئی کام اس کی مشیت کے بغیر ناممکن ہے، اس کی ہر نقل وحرکت، ہر کام عبادت بن گیا۔ دنیا بھی دین بن گئی۔ جو کام بھی ایک کافر کرتا ہے وہی مسلمان بھی انجام دیتا ہے مگر اللہ کے نام سے ابتدا کرنے میں ایک مومن کے لیے یہی سارے امور عبادت بن جاتے ہیں، بے شک بسم اللہ ایک نسخۂ اکسیر ہے۔

بوقت تلاوت قرآن استعاذہ (اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم) صرف قرآن کی خصوصیت ہے۔ اس کے بعد بَسْمَلہ پڑھنا سنت ہے ماسوا براءۃ ابتداء سورت میں بھی سنت ہے۔ عبدالرحمٰن یا فضل الرحمٰن وغیرہ ناموں میں اختصار کی غرض سے صرف رحمٰن سے خطاب کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔

بسم اللہ کا احترام قرآن ہی کی طرح واجب ہے، بے وضو اس کا چھونا جائز نہیں۔ بحالت ناپاکی تلاوت کے طور پر پڑھنا بھی جائز نہیں۔ بطور دعا پڑھنا جائز ہے۔ نماز کے اندر پہلی رکعت کے شروع میں تعوذ کے بعد بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے، بالسّر کی ترجیح ہے۔ دوسری رکعات کے شروع میں بھی بالاتفاق پڑھنا مسنون ہے۔ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔ مگر امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ سرّی نمازوں میں پڑھنا بہتر ہے۔ (کوئی پڑھ لے تو مکروہ بہر حال نہیں)

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے (مخلوقات الگ الگ جنس ایک ایک عالم کہلاتا ہے، مثلاً عالمِ ملائکہ، عالمِ انسان، عالمِ جن) جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ جو مالک ہیں روز جزا کے (مراد قیامت کا دن ہے، جس میں ہر شخص اپنے عمل کا بدلہ پاوے گا) ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں۔ بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا (مراد دین کا راستہ ہے) راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا (مراد دین کا انعام ہے) نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب ہوا، اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے گم ہو گئے (راہِ ہدایت چھوڑنے کی دو وجہ ہوا کرتی ہیں، ایک تو یہ کہ اس کی پوری تحقیق ہی نہ کرے، ضَالِّین

www.toobaaelibrary.com

سے ایسے لوگ مراد ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ تحقیق پوری ہونے کے باوجود اس پر عمل نہ کرے مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے ایسے لوگ مراد ہیں، کیونکہ جان بوجھ کر خلاف کرنا زیادہ ناراضی کا سبب ہوتا ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ: اس میں بڑے دلنشیں انداز میں توحید کی تعلیم دی گئی ہے۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پہلے جملے کی دلیل ہے، اس طرح کہ جب تمام کائنات کی تربیت کا ذمہ دار صرف اللہ تعالیٰ ہے تو حمد وثنا کی حقیقی مستحق بھی وہی ذات ہو سکتی ہے۔ بڑے مؤثر انداز میں اس آیت میں ایمان کے رکنِ اول توحید باری کا بیان ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مبالغہ کے دونوں صیغے لانے کا مقصد رحمت خداوندی کی وسعت و کثرت اور کمال کا بیان ہے۔ نیز اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہوتا ہے کہ تربیت کائنات کی ذمہ داری اپنی ضرورت اور مجبوری سے نہیں، بلکہ یہ سب کچھ اس رحمت کا تقاضا ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ روز جزا اس دن کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اعمال نیک و بد کا بدلہ دینے کے لیے مقرر فرمایا ہے (یعنی عالم آخرت) معلوم ہوا کہ دنیا حقیقتاً جزا وسزا کی جگہ نہیں بلکہ دار العمل فریضہ اور ڈیوٹی پوری کرنے کی جگہ ہے۔ تنخواہ وصول کرنے کی جگہ نہیں۔ لہٰذا یہاں کسی کو عیش وعشرت میں دیکھ کر عند اللہ مقبول ومحبوب نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح رنج وکلفت میں مبتلا دیکھ کر عند اللہ معتوب ومبغوض نہیں کہا جا سکتا، البتہ کبھی کبھی کسی عمل کی جزا یا سزا کا ہلکا سا نمونہ دنیا میں تنبیہ کے لیے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ (دیکھیے سورۂ السجدہ آیت ۲۱ اور سورۂ القلم آیت ۳۳) اور کبھی راحت ومصیبت امتحان وآزمائش کے لیے بھی ہوتی ہے۔ اور انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ نیک و بد برابر نہ رہیں، نیکی پر جزا اور بدی پر سزا ملنی چاہئے اور یہ دنیا دار العمل ہے دار الجزا نہیں تو ضروری ہوا کہ اس عالم کے بعد دوسرا عالم ہو جس میں تمام اعمال کا حساب ہو اور انصاف کے ساتھ جزا اور سزا ملے۔ یہی قرآن کی اصطلاح میں روز جزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو خاص روز جزا کا مالک فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ اگرچہ تمام کائنات پر حقیقی اور مکمل ملکیت صرف پروردگار عالم ہی کی ہے مگر اس نے محض اپنے فضل وکرم اور حکمت بالغہ سے ایک ناقص اور موقت ملکیت امتحاناً انسان کو بھی عطا کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ متنبہ فرمایا ہے کہیں انسان اس ناقص ملکیت سے مغرور اور غافل نہ ہو جائے، یہ ملکیت چند روزہ ہے، ایک دوسرا عالم جو آنے والا ہے اس میں کوئی کسی طرح کا مالک نہ رہے گا، وہاں کی ملکیت صرف ذات وحدہٗ لاشریک کی ہوگی۔ (دیکھیے سورۂ مومن آیت ۱۶/۱۷)

اس تیسری آیت میں اسلام کے عظیم الشان عقیدہ یعنی قیامت اور آخرت کا دلیل کے

www.toobaaelibrary.com

ساتھ بیان ہے۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ. جیسا کہ ابھی گذرا یہ آیت بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مشترک ہے، حمد وثنا اور درخواست ودعا۔ انسان پر تین حالات اور زمانے گذرتے ہیں، ماضی حال اور مستقبل، ماسبق کی تین آیتوں میں یہ تنبیہ ہے کہ انسان ہر وقت اور ہر حالت میں صرف اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، صرف اللہ ہی اس کا مددگار ہے۔ جب یہ امر ثابت ہوگیا تو عقلی اور طبعی تقاضا ٹھہرا کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، کوئی دوسرا عبادت کیے جانے کے لائق نہیں۔ اور یہ معلوم ہوگیا کہ حاجت روا صرف وہی ذات ہے تو عقل وطبیعت کا لازمی اقتضا ہوا کہ اپنے تمام کاموں میں صرف اسی سے مدد مانگی جائے۔ اس چوتھی آیت میں انھیں دونوں تقاضوں کا ذکر ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ان آخری آیات میں انسان کی جانب سے دعا کا مضمون ہے، اور ایک خاص دعا، دعاء ہدایت کی تلقین ہے۔ صراط مستقیم کی ہدایت کی دعا کی تعلیم تمام انسان کے لیے ہے خواہ عام مؤمنین ہوں خواہ اولیاء وانبیاء ہوں۔ ہدایت کے اصلی معنی ہیں کسی شخص کو منزلِ مقصود کی طرف مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا، یہ فعل حقیقۃً صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ہدایت کے تین درجات ہیں

(۱) اس کا پہلا درجہ تمام مخلوقات کو شامل ہے خواہ وہ حیوانات ہوں نباتات ہوں جمادات ہوں انسان اور جنات ہوں اس ہدایت عامہ کا ذکر آیت کریمہ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی میں ہے (طٰہٰ ۵۰) اور یہ درجہ ہدایت براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہے اس میں کسی نبی یا رسول کا دخل نہیں۔ واضح ہو کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے اپنے درجات کے اعتبار سے کمی اور بیشی کے ساتھ حیات اور احساس اور عقل وشعور رکھتا ہے (دیکھئے اسرار آیت ۴۴) چنانچہ جن میں حیات کے ساتھ عقل وشعور کے آثار بھی زیادہ اور مکمل نظر آئیں انھیں احکام الٰہیہ کا مکلّف قرار دیا گیا جیسے انسان وجنات، اور جن میں اس درجہ کا ادراک وشعور نہ تھا انھیں احکام کا مکلّف نہیں بنایا گیا۔

اور یہ اسی ہدایت عامہ کا نتیجہ ہے کہ کائنات کی ساری انواع اپنی اپنی مقررہ ڈیوٹی نہایت سلیقہ اور خوبی سے انجام دے رہی ہیں۔

اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں ؎

خاک وباد وآب وآتش بندہ اند ٭ بامن وتو مردہ باحق زندہ اند!

www.toobaaelibrary.com

ارشاد باری ہے اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا. (مریم: ۹۳) یعنی کوئی نہیں آسمان وزمین میں جو نہ آوے رحمٰن کا بندہ ہو کر۔

(۲) ہدایت کا دوسرا درجہ خاص ہے ذوی العقول یعنی انسان اور جنات کے لئے۔ یہ ہدایت انبیاء اور آسمانی کتابوں کے ذریعے ہر انسان کو پہنچتی ہے، ان میں سے جو مان لیتا ہے مؤمن اور مسلم ہو جاتا ہے، جو نہیں مانتا کافر قرار پاتا ہے۔ انبیاء اور رسل کا کام اس درجۂ ہدایت سے متعلق ہے۔

(۳) ہدایت کا تیسرا درجہ اس سے بھی زیادہ خاص ہے جس کا نام توفیق الٰہی ہے۔ یعنی ایسے حالات اور سروسامان کا پیدا کر دینا کہ فرامین الٰہی کی قبولیت اور اس پر عمل آسان ہو جائے، اس ہدایت خاصہ کے درجات لا متناہی ہیں، اس میں زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ دیکھئے سورۂ محمد آیت ۱۷ اور سورۂ تغابن آیت ۱۱ اور سورۂ عنکبوت آیت ۶۹) ہدایت کا یہ تیسرا درجہ بھی بلاواسطہ حق تعالیٰ کا فعل ہے۔

معلوم ہوا کہ ہدایت ایک ایسی چیز ہے جو سب کو حاصل بھی ہے مگر ساتھ ہی اس کے مزید درجات عالیہ حاصل کرنے سے کسی بڑے سے بڑے انسان کو استغنا بھی نہیں (دیکھئے سورۂ فتح آیت ۲ کا آخری ٹکڑا) اسی سورۂ فاتحہ کی دعاء ہدایت کو اہم ترین اور جامع دعا قرار دیا گیا۔ جو سب کے حسب حال اور سب کے لیے اہم ہے۔ ہدایت کے عام وخاص درجات اور اس کی مذکورہ تفصیل سے ممکنہ شبہات از خود رفع ہو جاتے ہیں۔

صِرَاطِ مُسْتَقِيْم افراط وتفریط سے پاک راستے کو کہتے ہیں، بعد کی دو آیتوں میں اس سیدھے راستے کا پتہ بتلایا گیا ہے۔ یعنی جن پر اللہ کا انعام ہوا، مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کی تفصیل سورۂ نساء کی آیت ۶۹ میں آئی ہے یعنی انبیاء اور صدیقین او شہداء اور صالحین۔ اس سے مقبولان بارگاہ الٰہی کے چار درجات بھی معلوم ہو گئے۔ اس آیت میں پہلے صراط مستقیم کی مثبت انداز سے تعیین کی گئی آخر میں منفی طور پر، مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو جان بوجھ کر محض شرارتاً دین کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ یہی تفریط ہے، اور یہود کا عموماً یہی حال تھا۔ ضَآلِّيْنَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناواقفیت کی بناء پر غلط راہ پر پڑ گئے اور دین کی مقررہ حدود سے تجاوز کر کے افراط اور غلو میں مبتلا ہو گئے یہ حال عام طور پر نصاریٰ کا تھا کہ انبیاء کی تعظیم میں اتنا غلو کیا کہ خدا بنا دیا، یہود کی یہ تفریط کی انبیاء کی بات تو کیا مانتے انھیں قتل کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ اور دانستہ شرارت بہر حال نادانی کے مقابلے میں بڑھی ہوئی ہے۔

صراط مستقیم کی معرفت ہی اصل علم اور بڑی کامیابی ہے، اسی لیے قرآن نے اس کی وضاحت

www.toobaaelibrary.com

مثبت اور منفی دونوں رخوں سے کی صراط مستقیم کی تعیین کے لیے آخری آیت میں جو طرز اختیار کیا گیا ہے اس سے یہ بتلانا ہے کہ صرف کتاب تربیت انسانی کے لیے کافی نہیں۔ اور نبی و رسول بھی دائمی نہیں ہیں اور دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ نیز امت کے ستر فرقوں میں تقسیم ہونے اور صحابہ کرامؓ کے سوال پر جماعت حقہ کے بارے میں حدیث کے اندر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ارشاد فرمایا "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ" یعنی میرے اور میرے اصحاب کے طریق پر چلنے والی جماعت حق پر ہوگی، اس حدیث سے بھی یہی پتہ چلتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ صراط مستقیم کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعے سے ملتا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں * آدمی، آدمی بناتے ہیں

استفادے کی صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ کے معروف اصول پر رجال اللہ کو پرکھ کر کتاب اللہ کا مفہوم سمجھنے اور عمل کرنے کا کام لیا جائے فرقہ وارانہ اختلاف کا بڑا سبب بھی یہی ہے کہ کچھ لوگوں نے صرف کتاب اللہ کو معیار حق سمجھ کر رجال اللہ سے قطع نظر کر لیا، اور کچھ لوگوں نے صرف رجال اللہ کو معیار بنایا، اس کا نتیجہ گمراہی ہے۔

(۱) اس سورۃ کے اس خاص انداز بیان میں یہ تعلیم ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے کسی مطلب کے لیے دعا اور درخواست کرے تو اس کا طریقہ کیا ہو، (۲) اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا انسان کا فطری فرض ہے کیوں کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی اتنی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم آیت ۳۴) انسان صرف اپنے وجود پر نظر ڈالے تو معلوم ہوگا کہ وہ خود ایک عالم اصغر ہے جس میں عالم اکبر کے سارے نمونے موجود ہیں۔ اس کا بدن شکل زمین کے ہے، اس پر اگنے والے بال نباتات کے شکل ہیں، ہڈیاں پہاڑوں کی طرح، اور بدن کی رگیں جن میں خون رواں ہے اس کی مثال چشموں اور نہروں کی ہے۔ جسم اور روح میں جسم جزو ادنیٰ ہے مگر اس کے بارے میں اطباء کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً پانچ ہزار مصالح اور منافع رکھے ہیں، بدن میں تین سو سے زائد جوڑ ہیں اور ہر جوڑ ایسا مستحکم کہ ہر وقت کی حرکت کے باوجود نہ گھسے نہ مرمت کی ضرورت، اگر فولاد بھی ہو تو اتنی عمروں میں گھس جائے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ (دہر: آیت: ۲۸) یعنی ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا اور ہم نے ہی اس کے جوڑ بند مضبوط کیے۔

صرف ایک عضو آنکھ کو لے لیجیے، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے کتنے مظاہر موجود ہیں۔ ایک

www.toobaaelibrary.com

بار نظر اٹھا کر دیکھتی ہے تو اس میں پورے عالم کی کتنی طاقتیں کام کرتی ہے۔ آنکھ کی اندرونی طاقتوں کے عمل کے ساتھ ساتھ بیرونی مخلوقات بھی شریک ہیں آفتاب کی روشنی، اس کے لیے فضاء، غذاء، ہوا وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح کان، زبان ہاتھ پاؤں کے کاموں میں پورے عالم کی قوتیں شامل ہیں۔

یہ تو عام نعمتیں ہوئیں جن سے ہر جاندار اور ہر انسان غریب و امیر نفع اٹھاتا ہے۔ پھر کچھ خاص نعمتیں ہیں مال و دولت عزو جاہ وغیرہ اور واضح ہو کہ نعماء عامہ زیادہ اہم ہیں مگر بھولا انسان اپنے گرد و پیش کی معمولی چیزیں کھانے پینے رہنے سہنے کی خصوصی چیزوں کو دیکھ کران عظیم الشان نعمتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بہر حال ان عظیم نعمتوں کا فطری تقاضا یہ ہوا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے، اسی کی تلقین کے لیے قرآن کی اولین سورت کا پہلا کلمہ اَلْحَمْدُ لایا گیا، ارشاد رسالت مآب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرمائیں اور وہ اس پر الحمد للہ کہے تو یہ ایسا ہو گیا کہ گو جو کچھ اس نے لیا ہے اس سے افضل چیز دے دی (قرطبی از ابن ماجہ بروایت انسؓ) اور صحیح حدیث میں ہے کہ الحمد للہ سے میزان عمل کا آدھا پلّہ بھر جاتا ہے۔ دوسرا لفظ لِلّٰہِ ہے یعنی حمد مخصوص ہے صرف ذات قدوس کے لیے یہ تو اس کا انعام ہے کہ تہذیب اخلاق کے لیے تعلیم کے لیے حکم دے دیا کہ میری نعمتوں کے جو واسطے اور ذریعے ہیں، ان کا بھی شکر ادا کرو، کیوں کہ جو اپنے محسن انسان کے تشکر کا خوگر نہ ہو وہ خدا کا بھی شکر گذار نہ ہوگا۔

(۳) خود اپنی مدح و ثنا کسی انسان کے لیے جائز نہیں، ارشاد ہے فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم آیت ۳۲) یعنی تم اپنی پاکی اور صفائی کا دعویٰ نہ کرو، اللہ ہی جانتا ہے کہ کون تقویٰ شعار ہے۔

اور انسان کی استعداد و توانائی بھی نہیں کہ وہ حمد و ثنا صحیح طرح بیان کر سکے، ارشاد رسالت ہے لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ، یعنی میں آپ کی کماحقہٗ ثنا نہیں بیان کر سکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کا طریقہ بھی تعلیم فرمایا۔

(۴) لفظ رب اپنے معنی اور اطلاق میں صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، غیر اللہ کو رب کہنا جائز نہیں، ہاں اضافت کے ساتھ بولا جا سکتا ہے جیسے رَبُّ الْمَالِ رَبُّ الدَّارِ وغیرہ (قرطبی)

بعض سلف صالحین نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا راز (خلاصہ) ہے اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پوری سورۂ فاتحہ کا راز اور خلاصہ ہے، کیونکہ اس میں شرک سے برائت کا اعلان اور

www.toobaaelibrary.com

اپنی قوت وقدرت سے برارت کا اظہار ہے۔ جس کا نتیجہ ہے اپنے سارے کاموں کو اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کرنا ہے۔ جس کی ہدایت جابجا قرآن میں ہے (دیکھئے سورۂ ہود آیت ۱۲۳، سورۂ ملک آیت ۲۹ اور سورۂ مزمل آیت ۹) جنکا حاصل یہ ہے کہ بندۂ مومن اپنے ہر عمل میں اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر کرے، وہی کارساز مطلق ہے۔ اس سے اصول عقائد کے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت روا نہیں، اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا حرام اور ناقابل معافی جرم ہے۔ واضح ہو کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اس میں کسی کو شریک کرنا اور کسی دوسرے کے قول کو جو اس کے خلاف ہو واجب الاتباع سمجھنا بھی شرک ہے جیسا کہ سورۂ توبہ کی اکتیسویں آیت اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ الخ سے متعلق حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرض کرنے پر کہ ہم تو علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے مگر قرآن میں معبود بنانے کا الزام لگایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تحلیل و تحریم میں ان کی اطاعت مثل اطاعت خدا، یہی تو معبود بنانا ہے۔ البتہ مسائل دین میں ناواقف عوام کے لیے علماء کے فتوے کا اتباع یا اجتہادی مسائل میں ائمۂ مجتہدین کا اتباع، اس کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں، یہ حکم قرآنی کے مطابق ہے ارشاد ہے: فَاسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اگر احکام شریعت سے ناواقف ہو تو اہل علم سے پوچھ کر عمل کیا کرو)

اسی طرح علامات شرک کے اعمال وافعال کا ارتکاب بھی شرک کے حکم میں ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ استعانت اور استغاثہ کے لیے بھی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کسی دوسرے سے استعانت جائز نہیں۔ البتہ مادی اسباب کے تحت ایک انسان کا دوسرے انسان سے مدد لینا ممنوع نہیں ہے، یہ اس استعانت میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح کسی نبی یا ولی کا وسیلہ دیکر براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا روایات اور قرآنی اشارات سے اس کا جواز ثابت ہے۔

اس عقیدہ کے ساتھ استعانت اور استمداد کہ قادر مطلق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اپنی قدرت اور اختیار کا کچھ حصہ فلاں شخص کو سونپ دیا ہے اور اس دائرے میں وہ خود مختار ہے، قرآن اس کو شرک اور حرام قرار دیتا ہے۔

انبیاء اور اولیا سے معجزات اور کرامات کا ظہور دیکھ کر مغالطہ ہو جاتا ہے اور انھیں ایک درجے میں خود مختار ہونے کا عقیدہ بنا لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معجزات اور کرامات براہ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، انبیاء و اولیاء کے ہاتھوں سے اثبات عظمت کے لیے صرف ان کا ظہور ہوتا ہے، ان کے

www.toobaaelibrary.com

اختیار میں بالکل نہیں ہوتا، جیسا کہ ارشاد باری ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال آیت ۱۷) نیز اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ (ہود آیت ۳۳) نیز مَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (ابراہیم آیت ۱۱) پورا قرآن ان شہادتوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایک محسوس مثال سے سمجھئے کہ جس طرح بجلی کا بلب اور برقی پنکھا روشنی اور ہوا پہنچانے میں قطعاً خود مختار نہیں بلکہ ہر آن اس کنکشن کے محتاج ہیں جو بذریعہ تار پاور ہاؤس کے ساتھ انھیں حاصل ہے۔ اسی طرح انبیاء اولیاء اور سارے فرشتے ہر عمل میں ہر آن حق تعالیٰ کی محتاج ہیں اس مثال میں تھوڑا سا فرق یہ ضرور ہے کہ بغیر بلب اور پنکھے کے عادۃً ہوا اور روشنی کا ملنا ناممکن ہے اور معجزات اور کرامات میں اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ بغیر واسطہ انبیاء واولیاء کے بھی اس کا ظہور فرمادیں۔ مگر عادۃ اللہ یہی ہے کہ واسطہ ہی سے ان کا ظہور ہوتا ہے۔

اس عقیدہ کے ساتھ ساتھ انبیاء اور اولیاء کی عظمت اور ضرورت کا اعتراف بھی ضروری ہے کیونکہ اس میں رضاءِ الٰہی اور اطاعت احکام خداوندی ہے۔

وسیلہ، استعانت اور استمداد کے مسئلے میں اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے امید ہے کہ مذکورہ بالا مختصر بیان سے اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔ صراط مستقیم کی ہدایت صرف دینی امور کے ساتھ خاص نہیں ہے، دنیا کی کامیابی کی بھی یہی کلید ہے اس لیے ہر مؤمن کے لیے یہ دعا حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ واللہ الموفق وھو المعین!

سورۃُ البَقَرۃِ

اس سورۃ کی بعض آیات اگرچہ بوقت حج مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں مگر باصطلاح مفسرین وہ بھی مدنی ہی کہلاتی ہیں۔ یہ سب سے بڑی سورۃ ہے، اولاً یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہونی شروع ہوئی اور مختلف زمانوں میں نازل ہوتی رہی حتی کہ سود والی آیات آپ ﷺ کی آخری عمر میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں۔ اور اس کی آیت وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ قرآن کی بالکل آخری آیت ہے جو ۱۰/ذی الحجہ کو سنہ ۱۰ھ میں بمقام منیٰ بوقت حجۃ الوداع نازل ہوئی۔

فضائل سورۂ بقرہ

ارشاد رسالت ہے: سورہ بقرہ کو پڑھا کرو، کیونکہ اس کا پڑھنا برکت ہے، اس کا چھوڑنا حسرت و بدنصیبی ہے اور اہل باطل (جادوگر) اس پر قابو نہیں پاسکتے۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے سورۂ بقرہ سنام القرآن اور ذروۃ القرآن ہے، اس میں ایک آیت، آیۃ الکرسی تمام آیات قرآن کی سرتاج ہے، اس

www.toobaaelibrary.com

سورۃ کی دس آیات ایسی ہیں کہ اگر کوئی انھیں رات میں پڑھ لیے تو اس رات میں جن، شیطان گھر میں داخل نہ ہوگا اور اس رات میں اہل وعیال کو کوئی آفت بیماری اور ناگوار چیز پیش نہ آئے گی۔ یہ آیات کسی مجنون پر پڑھی جائیں تو افاقہ ہوگا، وہ دس آیات یہ ہیں، شروع بقرہ کی چار، تین آیتیں درمیانی یعنی آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو پھر آخر سورۂ بقرہ کی تین آیات۔

احکام مسائلِ بقرہ ابن عربی فرماتے ہیں کہ اس سورۃ میں ایک ہزار اوامر، ایک ہزار نواہی، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار اخبار ہیں یہ سورت نہایت کثیر الاحکام ہے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ نے اسے بالتفسیر بارہ سال میں پڑھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آٹھ سال میں ختم کی۔

ربط: سورۂ فاتحہ سے اس کا ربط یہ ہے کہ جس صراط مستقیم کی ہدایت کی تمہاری درخواست ہے، اس سورۃ میں اس کی منظوری دے جارہی ہے۔ اس سورۃ میں اولاً ایمان کے بنیادی اصول توحید، رسالت، آخرت کا اجمالاً اور آخر میں ایمان مفصل کا بیان ہے۔ درمیان میں ہر شعبۂ زندگی عبادات، معاملات، معاشرت اخلاق اصلاح ظاہر و باطن کے متعلق ہدایات کے بنیادی اصول اور بہت سی جزئیات کا بیان ہے۔

●●●

www.toobaaelibrary.com

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں (یعنی قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں، اگرچہ کوئی نافہم اس میں شبہ رکھتا ہو، کیونکہ یقینی بات کسی کے شبہ کرنے سے بھی حقیقت میں یقینی ہی رہتی ہے) راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو جو یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر (یعنی جو چیز ان کے حواس و عقل سے پوشیدہ ہیں صرف اللہ و رسول ﷺ کے فرمانے سے ان کو صحیح مان لیتے ہیں) اور قائم رکھتے ہیں نماز کو (قائم رکھنا یہ ہے کہ اس کو پابندی کے ساتھ اس کے وقت میں پورے شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کریں) اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (یعنی نیک کاموں میں) اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں (مطلب یہ ہے کہ ان کا ایمان قرآن پر بھی ہے اور پہلی کتابوں پر بھی، اور ایمان سچا سمجھنے کو کہتے ہیں عمل کرنا دوسری بات ہے، جتنی کتابیں اللہ نے پہلے انبیاء پر نازل فرمائی ہیں ان کو سچا سمجھنا فرض اور شرط ایمان ہے، یعنی یہ سمجھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں وہ صحیح ہیں..... خودغرض لوگوں نے جو اس میں تبدیل و تحریف کی ہے وہ غلط ہے، رہ گیا عمل سو وہ صرف قرآن پر ہوگا، پہلی کتابیں سب منسوخ ہوگئیں، ان پر عمل جائز نہیں) اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں، بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو اُن کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب (یعنی ایسے لوگوں کو دنیا میں تو یہ نعمت ملی کہ راہ حق ملی اور آخرت میں ہر طرح کی کامیابی ان کے لیے ہے)۔ بے شک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لاویں گے (یہ باب ان کافروں کے متعلق ہے جن کی نسبت خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہو

www.toobaaelibrary.com

گا، عام کافر مراد نہیں، ان میں بہت سے لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے) بند لگا دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور ان کے لیے سزا بڑی ہے۔

تلخیص معارف و مسائل

حروف مقطعات جو چودہ ہیں اور طُرُقٌ سَمِعَكَ النَّصِيْحَة میں مرکب ہیں، قرآن پاک کی انتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ ان کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ (۱) ان سورتوں کے نام ہیں (۲) یہ اسماء الٰہیہ کے رموز ہیں مگر جمہور صحابہ، تابعین اور علماء امت کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ حروف رموز و اسرار الٰہی ہیں، جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں دیا گیا، ممکن ہے حضور ﷺ کو بطور راز کے معلوم ہو مگر آپ سے اس کی تفسیر و تشریح میں کچھ منقول نہیں۔ امام تفسیر قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے، ہمارے لیے ان میں بحث و گفتگو کی بھی اجازت نہیں مگر یہ خالی از فائدہ نہیں، ان پر ایمان لانا، ان کا پڑھنا ثواب عظیم ہے، ان کے پڑھنے کے معنوی فوائد و برکات ہیں، حضرات خلفاء اربعہؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ جمہور صحابہؓ کا بھی یہی عقیدہ تھا ابن کثیر نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ اور بعض اکابر علماء سے جو ان کے معانی منقول ہیں اس سے تمثیل، تنبیہ اور تسہیل مقصود ہے، نہ یہ کہ یہی اللہ تعالیٰ کی حقیقی مراد ہے اس لیے اسے بھی غلط نہیں کہنا چاہیے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ: الکتاب سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی سورۂ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی درخواست اور دعا تھی یہ سارا قرآن اسی درخواست کا جواب بصورت قبولیت ہے اور صراط مستقیم کی تفصیل ہے۔ یعنی ہم نے وہ دعا سن لی اور قرآن جو آفتاب ہدایت ہے اسے بھیج دیا۔ اور ہزاروں کم فہموں یا کج فہموں کے شبہات و اعتراضات کے باوجود اس کتاب میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ عقل و فہم میں کجی ہو سکتی ہے، قرآن میں ہرگز نہیں، وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (کہف آیت: ۱) هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ، یعنی مخصوص ہدایت جو نجات اخروی کا ذریعہ بنے وہ متقین ہی کا حصہ ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ہدایت کے تینوں درجات مذکورہ ہوئے، یہاں ہدایت خاصہ کا ذکر ہے، اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر متقی لوگوں کے لیے قرآن ہدایت نہیں ہے۔ اگلی دو آیتوں میں متقین کی مخصوص صفات و علامات بیان کر کے انہیں کو ہدایت یافتہ قرار دیا گیا ہے جنہیں صراط مستقیم مطلوب ہو، وہ انھیں کے عقائد و نظریات، اعمال و اخلاق کو اپنا نصب العین بنائے۔

تیسری آیت میں متقین کی تین صفات مذکور ہوئی ہیں (۱) ایمان بالغیب (۲) اقامت صلوٰۃ،

www.toobaaelibrary.com

(۳) انفاق فی سبیل اللہ۔

ایمان بالغیب کی تعریف

ایمان بالغیب کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو خبر، ہدایات اور تعلیمات لے کر آئے ہیں ان سب کو یقینی طور پر دل سے ماننا جن کا منقول ہونا قطعی طور پر ثابت ہو، (عقیدۂ طحاوی، ونسفی) محض جاننے کا نام ایمان نہ ہوگا۔

اقامت صلوٰۃ

نماز کو ہر جہت اور ہر حیثیت سے درست کرنے کا نام اقامت ہے، یعنی وہ لوگ جو نمازوں کی پابندی قواعد شرعیہ کے مطابق پورے آداب کے ساتھ کرتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ

اس میں ہر قسم کا وہ خرچ داخل ہے جو اللہ کی راہ میں کیا جائے، مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ کا لفظ شریف انسان کے دل میں انفاق فی سبیل اللہ کا قوی داعیہ پیدا کرتا ہے۔ کیوں کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا عطیہ ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ❁ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اعمال میں سے صرف دو عمل نماز اور انفاق پر اکتفا میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کے ذمہ جتنے اعمال ہیں ان کا تعلق یا تو انسان کی ذات وبدن سے ہے یا اس کے مال سے۔ بدنی عبادات میں سے اہم نماز ہے، اور مالی عبادات سب کی سب انفاق میں داخل ہیں، اس طرح تمام اعمال وعبادات ان کے ضمن میں آگئے پس متقین وہ لوگ ہیں جو کامل الایمان والعمل ہیں، اور انھیں دونوں کے مجموعہ کا نام اسلام ہے، اس طرح اسلام کے مفہوم کی طرف بھی اشارہ ہوگا۔

ایمان واسلام میں فرق

لغۃً ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسلام نام ہے اطاعت شعاری وفرمانبرداری کا ایمان کا محل قلب ہے اور اسلام کا محل قلب بھی اور اعضاء وجوارح بھی، شرعًا ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں ہے۔ ظاہری اقرار واطاعت بغیر ایمان وتصدیق قلبی کے نفاق کہلاتا ہے اور یہ کفر سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔ اور صرف ایمان بغیر اطاعت واقرار کے قرآنی نصوص میں کفر کہلاتا ہے امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے تھے، کہ ایمان واسلام کی مسافت ایک ہے، فرق صرف ابتداؤ انتہا میں ہے، یعنی ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر عمل پر پہنچ کر مکمل ہوتا ہے اور اسلام ظاہر عمل سے شروع ہوتا ہے اور قلب پر پہنچ کر مکمل سمجھا جاتا ہے، امام غزالیؒ امام سبکیؒ کی بھی یہی تحقیق ہے مسامرہ میں ابن ہمام نے اس تحقیق پر تمام اہل حق کا اتفاق ذکر کیا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ الی اخر الآیۃ، اس میں متقین کی باقی صفات کا بیان ہے، جس میں ایمان بالغیب کی کچھ تفصیل اور ایمان بالآخرت کا ذکر ہے، اس کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں مؤمنین متقین دو قسم کے حضرات تھے، ایک وہ جو پہلے مشرکین میں تھے، پھر مشرف باسلام ہوئے، دوسرے وہ جو پہلے اہل کتاب یہود و نصاریٰ تھے، پھر مسلمان ہو گئے آیت ۳ میں پہلی قسم اور اس آیت میں دوسری قسم کا ذکر ہے، یہ دوسری قسم کے حضرات حسب تصریح حدیث دوہرے اجر کے مستحق ہیں، (۱) پچھلی کتابوں پر ایمان و عمل کا ثواب اور (۲) قرآن پر ایمان و عمل کا ثواب، ایمان تو پچھلی کتابوں پر آج بھی لازم ہے مگر قرآن چونکہ پچھلی کتابوں اور شریعتوں کے لیے ناسخ ہے اس لیے عمل صرف قرآن پر ہوگا۔

مسئلہ ختم نبوت کی واضح دلیل

اس آیت میں اور اس جیسی قرآن کی چالیس آیات میں جہاں کہیں نبی یا رسول یا وحی و کتاب کے بھیجنے کا ذکر ہے، سب کے ساتھ مِنْ قَبْلُ اور مِنْ قَبْلِكَ کی قید ہے مِنْ بَعْدِ کا کہیں اشارہ بھی نہیں۔ اگر ختم نبوت اور انقطاع وحی کا دوسری آیات میں صراحۃً ذکر نہ ہوتا تو قرآن کا یہ طرز ہی ختم نبوت کی شہادت کے لیے کافی تھا، آیت کے اس انداز بیان سے یہ اہم اصولی مسئلہ بھی نکل آیا کہ آنحضور ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کی وحی آخری وحی ہے، کیونکہ جس طرح اس آیت میں پچھلی کتابوں اور وحی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے، اسی طرح آئندہ نازل ہونے والی کتاب اور وحی پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری ہوتا بلکہ اشد ضروری تھا، تاکہ اشتباہ نہ رہے۔

متقین کی دوسری صفت ایمان بالآخرۃ ہے، اس سے مراد دار آخرت جسے دار القرار... اور عقبیٰ بھی کہا گیا ہے، اس کے ہولناک حالات سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔

واضح ہو کہ ایمان بالآخرۃ ایک ایسا اہم اور انقلابی عقیدہ ہے کہ مقتضائے ایمان پر عمل کا جذبہ اسی سے پیدا ہوتا ہے اسی بناء پر صراحت کے ساتھ مکرر ذکر کیا گیا۔ یہ وہ عقیدہ، عقیدۂ توحید و رسالت کی طرح تمام انبیاء اور شرائع میں مشترک اور متفق علیہ ہے۔

اہل دنیا کو جرائم سے روکنے والی کوئی چیز نہیں رہتی، صرف حکومت کے تعزیری قوانین انسداد جرائم اور اصلاح اخلاق کے لیے ہرگز کافی نہیں ہو سکتے، جس حد تک حکومت کی دار و گیر کا خطرہ ہوگا بس اتنا ہی تعزیرات کا خوف کسی کو اپنی خواہشات اور من مانی سے روک سکتا ہے اور جہاں قوانین کی

www.toobaaelibrary.com

رسائی نہیں وہاں کون سی چیز مجبور کر سکتی ہے، اگر کوئی چیز انسان کو جلوت و خلوت میں یکساں رکھ سکتی ہے تو وہ صرف عقیدۂ آخرت اور خوفِ خداوندی ہے۔ وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ ہر جگہ اور ہر حالت میں کوئی دیکھنے والا دیکھ رہا ہے اور کوئی اعمال کو لکھ رہا ہے۔ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ. كِرَامًا كَاتِبِيْنَ. يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ. (انفطار)

اسی عقیدہ پر عمل کرنے سے ابتدار اسلام میں ایسا پاکیزہ معاشرہ پیدا ہوا کہ صرف مسلمانوں کو دیکھ کر لوگ دل و جان سے اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

لفظ يُوْقِنُوْنَ میں (بجائے يُؤْمِنُوْنَ کے) اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت کی زندگی کی صرف تصدیق سے مقصد پورا نہ ہوگا بلکہ اس کا ایسا یقین ضروری ہے جیسے آنکھوں کے سامنے ہو۔ یعنی مُتَّقِيْنَ کی یہ صفت ہے کہ آخرت سے متعلق تمام امور کا نقشہ ہر وقت سامنے رہتا ہے۔ چنانچہ اسی صفت کے نتیجے میں مُتَّقِيْن کو ہدایت و کامیابی کا وہ انعام دیا گیا ہے جس کا ذکر پانچویں آیت میں ہے۔ یعنی اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

ربط: ماسبق کی پانچ آیتوں میں مومنین اور متقین اور ان کی صفات و علامات کا ذکر تھا، اب اگلی پندرہ آیتوں میں نہ ماننے والوں کا ذکر ہو رہا ہے، پھر ان میں دو گروہ تھے، کافر جنہوں نے کھل کر انکار و مخالفت کیا، منافق جنھوں نے دھوکہ اور فریب کا راستہ اختیار کیا مسلمانوں سے کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں مگر ان کے دلوں میں کفر و انکار تھا، کافروں سے کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، مسلمانوں سے تو ہم استہزاء کرتے ہیں، ان سے راز معلوم کرنے کے لیے ملتے ہیں۔ ان مذکورہ دو آیتوں میں کھلے ہوئے کافروں کا ذکر ہے، آگے تیرہ آیتوں میں منافقین کا ذکر ہے اور ان کے درجات و علامات اور انجام کا ذکر ہے۔

مذکورہ آیتوں میں ہدایت کے قبول یا انکار کو معیار بنا کر تمام اقوام عالم کو قرآن نے دو حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے ایک ہدایت یافتہ یعنی مومنین و متقین، دوسرے ہدایت کے منحرف و منکر یعنی کافرین و منافقین۔ پہلی قسم کا راستہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں طلب کیا گیا ہے دوسری قسم کے راستے سے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں پناہ مانگی گئی ہے، اس تعلیم قرآن سے یہ اصول معلوم ہوا کہ اقوام عالم کے گروہوں میں تقسیم صرف اصول و نظریات کی بنیاد پر ہو سکتی ہے، نہ کہ نسب و وطن، رنگ اور جغرافیائی حالات کی بنیاد پر۔ اس سلسلے میں قرآن کا واضح فیصلہ دیکھئے: خَلَقَكُمْ

www.toobaaelibrary.com

فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنكُمْ مُّؤْمِنٌ. یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سب کو پیدا کیا پھر کچھ لوگ تم سے مومن اور کچھ کافر ہو گئے۔ (تغابن ۲)

یہاں عام کافر مراد نہیں ہیں بلکہ وہ مراد ہیں جو اپنے کفر و انکار میں ضد اور عناد تک پہنچ گئے تھے، ایسے لوگوں کے لیے اللہ کی سنت یہی ہے کہ ایک سزا انھیں اسی جہان میں نقد یہ دیدی جاتی ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے، کان اور آنکھ بند کر دیے جاتے ہیں۔

کفر کی تعریف کفر کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں، ناشکری کو بھی اسی لیے کفران کہتے ہیں کہ محسن کے احسان کو چھپانا ہے۔ اصطلاح شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی ایک کے انکار کا نام کفر ہے، یعنی ان تمام تعلیمات نبوی کو جن کا ثبوت قطعی اور یقینی ہو ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار اور تکذیب کفر ہے۔

انذار کی تعریف بر بناء رحمت و شفقت خوفناک خبر دینا جیسے اولاد کو سانپ بچھو آگ درندے وغیرہ سے ڈرایا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل لفظ ابشار ہے یعنی مسرت بخش خبر دینا، اسی لیے انبیاء کرامؑ کو نذیر اور بشیر کہا جاتا ہے کہ وہ از راہِ شفقت ڈراتے ہیں۔ تبلیغ محض مقصود نہیں ہوتی، مصلحین اور مبلغین کے لیے یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہئے۔

آیت ۶ میں بطور تسلی کے یہ بتایا گیا ہے کہ ان ضدی اور معاند کفار کے ایمان اور اصلاح کے متعلق آپ کی مساعی مؤثر ثابت نہ ہوگی، آپ کا کوشش کرنا اور نہ کرنا ان کے حق میں برابر ہے، مگر ساتھ ہی عَلَيْهِمْ کی قید سے یہ بتلاتا ہے کہ یہ برابری کفار کے حق میں ہے، پیغمبر ﷺ کے حق میں نہیں کیونکہ آپ کو آپ کی مساعی کا ثواب بہرحال ملے گا۔ اسی لے دعوت ایمان دینے سے کہیں بھی آپ کو نہیں روکا گیا۔ معلوم ہوا کہ نصیحت کرنا، ناصح کے لیے بہرحال مفید ہے۔ مخاطب قبول کرے یا نہ کرے۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ کی وجہ آیت ۷ میں بتلائی گئی کہ سوچنے سمجھنے، سننے دیکھنے کی ساری راہیں بند کر دی گئیں ہیں۔ ان میں قبول حق کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

دلوں اور کانوں پر تو مہر (خَتَمَ) کرنے سے مگر آنکھوں پر پردہ پڑنے (غِشَاوَةٌ) سے تعبیر فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ دلوں میں فکر و خیال اور کانوں میں پہنچنے والی آواز ہر سمت اور ہر جہت سے آسکتی ہے، اس کی بندش مہر ہی سے ہوسکتی ہے، بخلاف آنکھوں کے کہ ان کا ادراک صرف سامنے سے پردہ پڑ جانے سے آنکھوں کا ادراک ختم ہوجاتا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

کفر اور گناہ کی دنیوی سزا بعض اوقات میں یہ شکل اختیار کرتی ہے کہ اس سے اصلاح حال کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور برائی اور گناہ کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے، بعض بزرگوں نے فرمایا ہے اِنَّ مِنْ جَزَاءِ السَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ بَعْدَهَا، وَاِنَّ مِنْ جَزَاءِ الْحَسَنَةِ اَلْحَسَنَةُ بَعْدَ هَا یعنی گناہ کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچ لاتا ہے، جس طرح نیکی کا نقد صلہ یہ بھی ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اور جس طرح سفید کپڑے پر ایک سیاہ نقطہ انسان کو ناگوار گذرتا ہے، پہلے نقطۂ گناہ سے بھی انسان پریشان ہوتا ہے لیکن اگر اس نے اس گناہ سے توبہ نہ کی اور دوسرا گناہ کر لیا تو ایک دوسرا نقطہ، سیاہ لگ جاتا ہے، اور اسی طرح ہر گناہ پر سیاہ نقطے لگتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ یہ سیاہی سارے قلب پر محیط ہو جاتی ہے۔ پھر نہ کسی اچھی چیز کو وہ اچھا سمجھتا ہے اور نہ کسی بری چیز کو برا۔ اسی کو قرآن کریم میں وَاِنَّ یَا رَیْن فرمایا گیا ہے۔ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یعنی ایسا نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے، اسی زنگ کو آیت ۷ میں مہر اور پردہ سے تعبیر کیا گیا ہے، یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی مہر لگا دی ہے تو یہ اب معذور ہو گئے، انھیں اب عذاب کیا؟ کیونکہ انھوں نے شرارت وعناد کر کر کے باختیار خود اپنی استعداد برباد کر لی ہے، استعداد کے قاتل اور مسبب یہ خود ہیں، اللہ تعالیٰ چونکہ بندوں کے تمام افعال کے خالق ہیں اس مہر کو اپنی طرف منسوب کر کے یہ بتلا دیا کہ جب انھوں نے قبول حق کی صلاحیت کو باختیار خود تباہ کرنا چاہا تو سنتِ الٰہیہ کے مطابق ہم نے وہ بداستعدادی کی کیفیت ان کے قلوب اور حواس میں پیدا کر دی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ
وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا
يَكْذِبُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ
وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ
هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا
مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ

www.toobaaelibrary.com

نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ
فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ
مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا
أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اورلوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں (بلکہ) چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں، اور واقع میں کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے (یعنی اس چالبازی کا انجام بدخود اپنے ہی کو بھگتنا پڑے گا) ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے، سو اور بھی بڑھا دیا اللہ نے ان کا مرض (اس مرض میں ان کی بد اعتقادی اور اسلام اور مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر حسد میں جلنا اور ہر وقت اپنا کفر ظاہر ہو جانے کی فکر و خلجان سب داخل ہیں، مسلمانوں کی ترقی سے ان کا مرض حسد اور بڑھنا واضح ہے) اور ان کے لیے سزائے دردناک ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے (یعنی ایمان کا جھوٹا دعویٰ کیا کرتے تھے) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں (ان کی دورُخی روش سے جب فتنے فساد واقع ہونے لگے اور کسی خیر خواہ نے فہمائش کی کہ ایسی کارروائی موجب فساد ہوا کرتی ہے اس کو چھوڑ دو تو اس کے جواب میں یہ اپنے آپ کو بجائے مفسد کے مصلح بتاتے ہیں یعنی اپنے فساد ہی کو اصلاح سمجھتے ہیں) یاد رکھو بے شک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے (یہ تو ان کی جہالت اور غباوت کا بیان ہے، کہ اپنے عیب ہی کو ہنر سمجھتے ہیں، آگے دوسری جہالت کا بیان ہے کہ دوسروں کے ہنر کو یعنی ایمان خالص کو عیب اور حقیر سمجھتے ہے) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ، تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لاویں گے جیسا ایمان لے آئے ہیں یہ بے وقوف، یاد رکھو کہ بے شک یہی ہیں بے وقوف لیکن اس کا علم نہیں رکھتے (یہ منافق ایسی کھلی ہوئی بات بظاہر غریب مسلمانوں کے سامنے کر لیتے ہوں گے جن سے ان کو کوئی اندیشہ نہ تھا، ورنہ عام طور پر تو وہ اپنے کفر کو چھپاتے پھرتے تھے) اور جب ملتے ہیں وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت

www.toobaaelibrary.com

میں جا پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بے شک تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو (مسلمانوں سے) صرف استہزاء کیا کرتے ہیں (یعنی ہم مسلمانوں سے بطور تمسخر کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں ورنہ ہم تو تمہارے ہم مشرب ہیں، آگے ان کے استہزاء کا جواب ہے کہ) اللہ تعالیٰ ہی استہزاء کر رہے ہیں ان کے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں ہو رہے ہیں (وہ اللہ کا استہزاء یہی ہے کہ ان کو مہلت دی جا رہی ہے جب وہ خوب کفر میں کامل ہو جاویں اور جرم سنگین ہو جاوے اس وقت اچانک پکڑ لیے جاویں گے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ان کے استہزاء کے مقابلہ میں تھا اس لیے اس کو استہزاء کے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا) یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے تو نفع بخش نہ ہوئی ان کی یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے (یعنی ان کو تجارت کا سلیقہ نہ ہوا ہدایت جیسی قیمتی چیز کے بدلہ میں گمراہی لے لی) ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اس آگ نے اس شخص کے گرداگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں سلب کر لیا ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو ان کو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں، (تو جس طرح یہ شخص اور اس کے ساتھی روشنی کے بعد اندھیری میں رہ گئے اسی طرح منافقین حق واضح ہو کر سامنے آجانے کے بعد گمراہی کی اندھیری میں جا پھنسے اور جس طرح آگ جلانے والوں کی آنکھ، کان، زبان، اندھیری میں بے کار ہو گئے، اسی طرح گمراہی کی اندھیری میں پھنس کر ان کی یہ حالت ہو گئی کہ گویا وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہوں گے، (کہ ان کے حواس حق کو دیکھنے سننے سمجھنے کے قابل نہ رہے، یہ مثال تو ان منافقین کی تھی جو خوب دل کھول کر کفر پر جمے ہوئے ہیں، کبھی ایمان کا دھیان بھی دل میں نہیں آتا، آگے منافقین کے اس گروہ کی مثال ہے جو فی الواقع تردّد میں تھے، کبھی کبھی اسلام کی حقانیت دیکھ کر اس کی طرف مائل ہونے لگتے، پھر جب اغراض نفسانی کا غلبہ ہوتا تو یہ میلان بدل جاتا تھا) یا ان منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان کی طرف سے بارش ہو اس میں اندھیری بھی ہو اور رعد اور برق بھی ہو جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ ٹھونسے رہتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشۂ موت سے، اور اللہ تعالیٰ ... احاطہ میں لیے ہوئے ہے کافروں کو، برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے لے لی جہاں ذرا ان کو بجلی کی چمک ہوئی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کر دیا، اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے، اور اگر اللہ

www.toobaaelibrary.com

تعالیٰ ارادہ کرتے تو ان کے کان اور آنکھ سب سلب کر لیتے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں (تو جس طرح یہ لوگ کبھی طوفان بادو باراں میں کبھی چلنے سے رہ جاتے ہیں کبھی موقع پا کر آگے چلنے لگتے ہیں یہی حال ان متردد منافقین کا ہے)۔

تلخیص معارف ومسائل

ان مؤخر الذکر تیرہ آیات میں منافقین کا ذکر ہے۔ ان میں سے پہلی دو آیتوں میں ان کے دعوائے ایمان کو غلط قرار دیا گیا ہے، ان کا یہ دعوا فریب محض ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا، ان کی یہ حرکات شنیعہ دراصل پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مؤمنین کے ساتھ تھیں، آیت مذکورہ میں اسے اللہ کو دھوکہ دینا قرار دے کر یہ بتلا دیا کہ انبیاء اور اولیاء کے ساتھ برا سلوک کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ برائی کرنا ہے، نیز اس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعت شان کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر فریب سے بالاتر ہیں۔ رسول اور مؤمنین بھی وحی الٰہی سے محفوظ ہو جاتے ہیں، یہ بے وقوف ہیں اپنے ہی ساتھ دھوکہ دہی کر رہے ہیں۔

مرض اور بیماری اس کیفیت کو کہتے ہیں جس سے انسان اعتدال مناسب سے نکل جائے، اور افعال میں خلل پیدا ہو جائے، جس کا نتیجہ موت ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں نفسانی کیفیات کو بھی مرض کہا جاتا ہے، یہ خواہشات نفسانی کی اتباع سے پیدا ہوتے ہیں، یہ مرض روحانی اور جسمانی دونوں اعتبار سے بڑا مرض ہے، نفاق کا مرض روحانی ہونا تو ظاہر ہے، مرض جسمانی ہونا اس بناء پر ہے کہ منافق کے دل میں شب وروز یہ دغدغہ اور فکر وتردد رہتا ہے کہ کہیں یہ میرا اصلی حال نہ کھل جائے، اور اس مرض کا ایک لازمی نتیجہ حسد ہے اور یہ منافق اپنی اس سوزش قلب کو ظاہر بھی نہیں کر سکتا۔ اور اہل اسلام کی مسلسل ترقیات سے انکا یہ مرض بڑھتا ہی رہتا ہے۔

واضح ہو کہ اصلاح وفساد زبانی دعووں پر دائر نہیں ہوتے بلکہ اس کا مدار کار عمل ہے ورنہ چور ڈاکو بھی خود کو مفسد کہنے کو تیار نہیں۔

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ: اس میں صحیح اور معتبر ایمان کا معیار پیش کیا گیا ہے، اَلنَّاسُ سے بالاتفاق صحابۂ کرام مراد ہیں۔ صحابہؓ کسوٹی ہیں، ہر امر میں مکمل کیفیت کے ساتھ انہی جیسا ایمان معتبر ہوگا، منافقین نے صحابہؓ کو بے وقوف کہا، یہ ہر زمانہ کے گمراہوں کا طریقہ رہا ہے کہ صحیح راہ دکھانے والے کو جاہل گردانا گیا ہے مگر دراصل یہی بے وقوف ہیں کہ کھلی ہوئی نشانیوں پر ایمان نہیں رکھتے۔

www.toobaaelibrary.com

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں منافقین کی دورخی پالیسی کا ذکر کر کے آگے جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ بے وقوف بے شعوری میں ایسا سمجھتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ خود ان سے استہزاء کر رہا ہے، یہ خود بے وقوف بن رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ڈھیل دیکر استہزاء کا سامان کر دیا ہے، یہ دفعۃً پکڑ لیے جائیں گے۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ۔ یہ لفظ اسہزاء ان کے استہزاء کے جواب میں کہا گیا ہے۔

ان منافقین نے کفر کے بعد ایمان واسلام کو قریب سے دیکھنے کے بعد بھی ایسی بہترین چیز کے بدلے ردی چیز یعنی کفر کو خرید لیا، قرآن نے اسے تجارت سے تعبیر کیا اور بتلایا کہ انھیں تجارت کا بھی سلیقہ نہ آیا۔

آخر میں منافقین کے احوال کی دو مثالیں دی گئیں، کیونکہ یہ دو طرح کے تھے، ایک وہ کہ اپنے کفر میں بالکل پختہ تھے، دوسرے وہ کہ اسلام کی حقانیت سے کبھی کبھی متاثر ہو کر ایمان واسلام کا ارادہ بھی کر لیتے تھے، ایک طرح کے تذبذب اور تردد کا شکار تھے۔

اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت میں سب کچھ ہے وہ ہر خیر پر قادر ہیں، وہ ہلاک بھی کر سکتے ہیں، دیکھنے سننے کی ساری طاقتیں چھین بھی سکتے ہیں۔

نفاق کی پہچان کے دو طریق تھے ایک یہ کہ وحی کے ذریعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتلا دیا جاتا تھا، دوسرے یہ کہ ایسا قول وفعل جو اسلامی عقیدہ کے خلاف ہو، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد انقطاع وحی کے باعث پہلی صورت تو باقی نہ رہی، مگر دوسری اب بھی موجود ہے، قرآن کی اصطلاح میں ایسے منافق کو مُلْحِد کہا گیا ہے (اَلَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا) حدیث میں زندیق کہا گیا ہے ان کا حکم سب کفار جیسا ہو گیا ہے۔ الگ سے کوئی حکم نہیں ہے اس لیے علماء امت کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد منافقین کا قضیہ ختم ہو گیا اب جو مؤمن نہیں وہ کافر کہلائے گا۔

ایمان کی حقیقت

من مانی صورتوں کے اقرار کا نام ایمان نہیں ہے جیسا کہ منافقین یہود کا حال تھا، بلکہ ہر امر پر وہ ایمان معتبر ہے جو قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے حالات اور اوصاف کے ساتھ ہو۔ اسی لیے قرآن نے ان کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کو غلط قرار دیا، اور ایمان معتبر کی کسوٹی كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ میں بیان کر دی، قرآن کی اس تصریح کے مطابق غلام احمد قادیانی بھی وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ میں سے ہے۔ اور ہمیں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اہل قبلہ سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں۔

نیز یہ معلوم ہوا کہ جھوٹ انتہائی گھناؤنی چیز ہے کہ ایسے منافقین بھی اپنی دانست میں جھوٹ

www.toobaaelibrary.com

سے اجتناب کرتے ہیں کہ ایمان بالرسول کا ذکر اپنے دعوائے ایمان باللہ وبالآخرۃ میں نہیں کرتے کہ جھوٹ نہ ہو جائے۔

منافقین کے جھوٹ بولنے کی عادت ان کا اصلی جرم تھا اسی بری عادت نے انہیں کفر و نفاق تک پہنچا دیا تھا، گویا جڑ اور بنیاد جھوٹ بولنا ہی تھی اس لیے قرآن نے عَذَابٌ اَلِيْمٌ کا سبب بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ کو قرار دیا، اسی لیے قرآن نے ایک جگہ جھوٹ کو بت پرستی کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ: یعنی بچو بت پرستی کی نجاست سے اور بچو جھوٹ بولنے سے۔

اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ. اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ. فساد فی الارض کا باعث کچھ تو وہ ہیں جنہیں سب ہی فتنہ اور فساد سمجھتے ہیں ور شریف آدمی ان سے بچتا بھی ہے، مگر بعض ایسی بھی چیزیں ہیں جو بظاہر فتنہ و فساد نہیں ہوتیں مگر ان سے اخلاق برباد ہوتے ہیں، اور اس اخلاقی گراوٹ سے سارے فتنوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ یہ منافقین پہلی قسم سے بچتے تھے اور زور دے کر اپنے مفسد ہونے کا انکار اور مصلح ہونے کا اثبات کیا۔ مگر قرآن نے جواباً کہا کہ، یاد رکھو کہ یہی لوگ مفسد ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں، منافقین جو نفاق اور کینہ و حسد کرتے تھے ان میں ان کی نیت فتنہ و فساد کی نہ ہوتی تھی بلکہ وہ ان کے نتائج سے بے خبر تھے جیسا کہ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ. سے معلوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ نفاق اور کینہ و حسد اور دشمنوں سے سازشیں یہ ایسی حرکات شنیعہ ہیں جو انسان کے اخلاق کو اس طرح برباد کر دیتی ہیں کہ انسان حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور پھر حیات انسانی کے سارے شعبے میں فساد ہی فساد آ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے محسن انسانیت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساری توجہ اسی پر مرکوز فرمائی کہ انسان صحیح معنوں میں انسان بن جائے اللہ تعالیٰ کا خوف، قیامت کے حساب و کتاب کا فکر ہی تعلیمات نبوی کی اصل روح ہے، اس کے بغیر سارے انسانی قوانین، مدرسے اور جامعات مل کر انسداد جرائم کی کوشش کریں لاحاصل ہے، نیز اصلاح کے لیے نیت کے ساتھ عمل کا رخ بھی شریعت کے مطابق صحیح ہونا ضروری ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا

www.toobaaelibrary.com

شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا ۙ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۖ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۖ
وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا
فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ
بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ
اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْخَاسِرُونَ ۝ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝
هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اوران لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ (شاہی محاورہ میں عجب نہیں کا لفظ وعدہ کے موقع پر بولا جاتا ہے) وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمھارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی، پھر (پردۂ عدم سے) نکالا بذریعہ اس پانی کے پھلوں سے غذا کو تم لوگوں کے واسطے، اب تو مت ٹھہراؤ اللہ پاک کے مقابل اور تم تو جانتے بوجھتے ہو، (یعنی یہ جانتے ہو کہ یہ تمام تصرفات خداتعالی کے سوا کوئی کرنے والا نہیں، پھر خدا کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کو معبود بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے) اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندے خاص پر تو اچھا پھر تم بنالاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو (کیونکہ تم بھی عربی زبان جانتے ہو اور اسکی نظم ونثر کے مشاق ہو، پیغمبر ﷺ نے اس کی کوئی مشق بھی نہیں کی، اور جب اس کے باوجود تم قرآن کے ایک ٹکڑے کی بھی مثل نہ بنا سکو تو بشرط انصاف بے تامل ثابت ہو جاوے گا کہ یہ معجزہ منجانب اللہ ہے اور آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں) اور بلالو اپنے حمایتیوں کو (جو) خدا سے الگ (الگ تجویز کررکھے ہیں) اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم یہ کام نہ کرسکو اور قیامت تک بھی نہ کرسکو گے تو پھر ذرا بچتے رہیو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار رکھی ہوئی ہے کافروں کے واسطے۔ اور خوش خبری سنادیجئے آپ ﷺ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام

www.toobaaelibrary.com

کئے اچھے اس بات کی کہ بے شک ان کے واسطے بہشتیں ہیں کہ چلتی ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں جب کبھی دیئے جاویں گے وہ لوگ ان بہشتوں میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پہلے اور ملے گا بھی ان کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا اور ان کے واسطے ان بہشتوں میں بیبیاں ہوں گی صاف پاک کی ہوئی اور وہ لوگ ان بہشتوں میں ہمیشہ کو بسنے والے ہوں گے (ہر بار میں ملتا جلتا پھل ملنا لطف کے واسطے ہوگا کہ دونوں مرتبہ پھلوں کی صورت ایک سی ہوگی، جس سے وہ سمجھیں گے کہ یہ پہلی ہی قسم کا پھل ہے مگر کھانے میں مزہ دوسرا ہوگا جس سے حظ و سرور بڑھے گا) (بعض مخالفین نے قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر یہ اعتراض کیا تھا کہ اس میں بہت ہی حقیر و ذلیل چیزوں کا ذکر تمثیلات میں کیا گیا ہے جیسے مچھر، مکھی وغیرہ، اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو ایسی حقیر چیزوں کا ذکر اس میں نہ ہوتا، اس کا جواب دیا گیا کہ) ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے کہ بیان کردیں کوئی مثال بھی خواہ مچھر ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو (یعنی حقیر ہونے میں مچھر سے بھی بڑھی ہوئی ہو) سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں (خواہ کچھ ہی ہو) وہ تو یہی یقین کریں گے کہ بے شک یہ مثال بہت ہی موقع کی ہے ان کے رب کی جانب سے اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں (سوچا ہے کچھ ہی ہو جائے) وہ یوں ہی کہتے رہیں گے کہ وہ کون سا مطلب ہوگا جس کا قصد کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر صرف نافرمانی کرنے والوں کو جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اسے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد (یعنی عہد ازل جس میں سب کی ارواح نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا تھا) اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو جوڑنے کا (اس میں تمام تعلقات شرعیہ داخل ہیں خواہ وہ تعلقات ہوں جو بندہ اور خدا کے درمیان ہیں یا وہ جو اس کے اور اقرباء اور رشتہ داروں کے درمیان ہیں اور عام اہل اسلام کے درمیان ہیں اور جو عام انسانوں کے درمیان ہیں) اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں (کفر و شرک خود بھی فساد ہے اور دوسروں پر ظلم اور ناحق شناسی جو کفر کے لوازم میں سے ہے، وہ بھی اس فساد میں شامل ہے) بس یہ لوگ ہیں پورے خسارہ میں پڑنے والے (کہ دنیا کی راحت اور آخرت کی نعمت سب ہاتھ سے دے بیٹھے، کیونکہ حاسد کی دنیوی زندگی بھی ہمیشہ تلخ ہی رہتی ہے)۔ بھلا کیوں کر ناشکری کرتے ہو اللہ کے ساتھ (کہ اس کے احسانات کو بھلا دیتے ہو، اور غیروں کا کلمہ پڑھتے ہو) حالانکہ (ان پر دلائل

www.toobaaelibrary.com

واضح قائم ہیں کہ صرف ایک اللہ ہی مستحق عبادت ہے مثلاً یہ کہ) تھے تم بے جان (یعنی نطفہ میں جان پڑنے سے پہلے) سو تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دیں گے پھر زندہ کریں گے (یعنی قیامت کے دن) پھر انہی کے پاس لے جائے جاؤ گے (یعنی میدانِ قیامت میں حساب کتاب کے لیے حاضر کیے جاؤ گے) وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لیے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب (یہ فائدہ عام ہے کھانے پینے کا ہو یا پہننے اور برتنے کا یا نکاح اور روح کو تازگی بخشنے کا، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کو فائدہ نہ پہونچتا ہو، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر چیز کا ہر استعمال حلال ہو، جیسے سمیات قاتلہ بھی فائدۂ انسان سے خالی نہیں، مگر ان کا کھالینا عقلاء کے نزدیک ممنوع ہے) پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف (یعنی اس کی تخلیق و تکمیل کی طرف) تو درست کر کے بنادیئے ان کو سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

تلخیص معارف ومسائل

سورۃ کی ابتدائی بیس آیات میں قرآنی ہدایات کو ماننے یا نہ ماننے کی بنیاد پر انسان کو تین قوموں میں تقسیم کر کے ہر ایک کا کچھ حال بیان فرمایا گیا۔

اب مذکورہ اکیسویں اور بائیسویں آیتوں میں تینوں گروہوں کو خطاب کر کے مخلوق پرستی سے باز آنے اور خدائے واحد کی عبادت کی طرف ایسے انداز سے دعوت دی گئی ہے کہ اس میں دعوے کے ساتھ ایسے واضح دلائل بھی موجود ہیں کہ معمولی سمجھ بوجھ کا انسان بھی ذرا سے غور کے بعد توحید کے اقرار پر مجبور ہو جائے۔

رَبَّکُمْ میں لفظ رَبّ کے انتخاب میں یہ حکمت ہے کہ اس میں دعوے کے ساتھ دلیل بھی ہے، کیونکہ مستحق عبادت وہی ذات ہوسکتی ہے جو انسان کی پرورش کی کفیل ہو۔ جو اس کو ایک قطرہ سے تدریجی تربیت کے ساتھ ایک اچھا خاصا سننے اور دیکھنے والا، عقل و ادراک والا ماہر انسان بنادے، اور اس کی بقاء و ارتقاء کے وسائل مہیا کردے، یہ شانِ ربوبیت اللہ تعالیٰ کے سوا کس میں ہے؟

اَلنَّاسُ میں کفار کے لیے خطاب کے معنی یہ ہوئے کہ مخلوق پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرو، اور منافقین کے لیے یہ معنی ہوئے کہ نفاق چھوڑ کر اخلاص پیدا کرو۔ گنہگار مسلمانوں کے لیے یہ معنی ہوئے کہ گناہ سے باز آؤ اور کامل اطاعت اختیار کرو، اور متقین کے لیے یہ معنی ہوئے کہ اپنی طاعت و عبادت پر ہمیشہ قائم رہو۔ اور اس میں ترقی کے لیے کوشاں رہو۔ (روح البیان)

www.toobaaelibrary.com

اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ میں رب کی چند خاص صفات کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں پائے جانے کا وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا۔ تخلیق انسان کے تمام مراحل پر غور کر جایئے۔ مِنْ قَبْلِكُمْ کا ذکر کر کے مِنْ بَعْدِكُمْ نہیں فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی دوسری امت اور ملت نہیں ہوگی، نہ کوئی نبی ہوگا نہ کوئی جدید امت ہوگی۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی نجات اخروی صرف توحید کے اختیار کرنے ہی سے ممکن ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ الخ اس آیت میں رب کی دوسری صفات کا ذکر ہے، اس سے پہلے آیت میں ان انعامات کا ذکر تھا جو انسان کی ذات سے متعلق ہیں اور اس آیت میں ان انعامات کا ذکر ہے جو انسان کے گردوپیش کی چیزوں سے متعلق ہیں، جو عام انسان کی ضروریات زندگی میں کام دے سکے، یعنی پہلی آیت میں "اَنْفُسِیْ" اور دوسری میں "آفاقی" نعمتوں کا ذکر فرما کر تمام اقسام نعمت کا احاطہ فرمایا گیا۔

زمین سے پھل اور پھلوں سے انسانی غذا نکالنے میں انسانی سعی وعمل اور تدابیر سے یہ شبہ نہ ہو کہ اس کا اس میں دخل ہے بلکہ اس کی ساری تدبیروں اور محنتوں کا حاصل "رکاوٹوں کو دور کرنے" سے زیادہ کچھ نہیں۔ارشاد خداوندی ہے: اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ. ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (واقعہ) ترجمہ، بتلاؤ، جو کچھ تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟۔

بہر حال اس آیت میں چار ایسی صفات کا بیان ہے جو سوائے خدا کے کسی مخلوق میں ہرگز پائی نہیں جاسکتی، لہٰذا (انسانکو اس پر یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ عبادت واطاعت کی مستحق بھی صرف وہی ذات ہے، مگر غافل انسان نے اپنی حماقت سے اسی ذات کو بھلا دیا تو پھر نتیجہ یہ ہوا کہ ایک خدا کی غلامی کے بجائے ستر کروڑ دیوتاؤں کی غلامی کرنی پڑی۔

ایک در چھوڑ کے ہم ہوگئے لاکھوں کے غلام ● ہم نے آزادی عرفی کا نہ سوچا انجام!

اسی غیروں کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے آخر میں ارشاد ہے فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: یعنی جب تم نے یہ جان لیا کہ تمہارے وجود وارتقا اور تربیت کے سارے سروسامان کا مہیا کرنے والا بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں تو عبادت وبندگی میں کسی کو شریک وسہیم نہ ٹھہراؤ۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ ایمان وتوحید کے حکم کے نتیجہ میں نجات اور جنت کا حصول وعدۂ الٰہیہ کے مطابق یقینی تو ہے مگر پھر بھی بعنوان امید ورَجا بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کا کوئی عمل اپنی

www.toobaaelibrary.com

ذات میں نجات کا یقینی سبب اور جنت کی قیمت نہیں بن سکتا بلکہ اس کا اصل سبب فضل خداوندی ہے، ایمان وعمل کی توفیق اس فضل خداوندی کی علامت ہے۔ علت نہیں ہے۔

عقیدۂ توحید ہی دنیا میں امن وامان اور سکون واطمینان کا ضامن ہے، اس عقیدہ کا مالک ساری دنیا سے بے نیاز ہر خوف وخطر سے بالاتر زندگی گذارتا ہے۔ مگر کلمۂ توحید کے محض زبانی اقرار اور زبانی جمع خرچ سے کوئی فائدہ نہیں، اگر اس کلمہ کا حقیقی رنگ انسان میں رچ جائے تو آج بھی وہی حال ہو جو پہلے بزرگوں کا تھا، انبیاء کے بعد صحابہؓ اور تابعینؒ جو تھوڑی سے مدت میں دنیا میں چھا گئے ان کی طاقت وقوت اسی حقیقی توحید میں مضمر تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو یہ دولت نصیب فرمائے۔

ہدایت قرآنی کے دو ستون ہیں: توحید اور رسالت، اس سے پہلی کی '' آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی چند مخصوص صفات ذکر کر کے توحید ثابت کی گئی تھی، ان دونوں آیتوں میں قرآن کریم کو رسول کریم ﷺ کا اعلیٰ معجزہ بتلا کر آپ کی رسالت اور سچائی کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ طریق اثبات دونوں کا ایک ہی ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے چند ایسے کام مذکور تھے جو اس کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اسی طرح ان آیتوں میں ایسا کلام پیش کیا گیا ہے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی کوئی فرد یا جماعت اس کی نظیر لا سکتی ہے، قرآن نے پوری دنیا کے انسانوں کو خطاب کر کے چیلنج دیا ہے اور تنہا ہی نہیں سارے جہان سے اپنے مددگار جمع کر کے، پورا کلام تو کیا، اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے کی مثال بنا کر دکھلا دو، مزید یہ کہ اس پر غیرت بھی دلائی کہ تمہاری کیا مجال کہ تم ایک سورت بھی بنا سکو، پھر عذاب سے ڈرایا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہزاروں حیرت انگیز معجزات ہیں لیکن یہاں آپ کے علمی معجزہ قرآن کے ذکر پر اکتفا کر کے یہ بتلایا گیا کہ آپ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے۔ نیز اس معجزہ کو انبیاء علیہم السلام کے عام معجزات میں ایک خاص امتیاز یہ حاصل ہے کہ انبیاء اور رسل کے ہاتھوں معجزات ظاہر ہو کر انھیں کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں مگر قرآن کریم قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے۔

قرآن کریم میں اہل علم سے رَیْبٍ (شک اور وہم اور بے بنیاد تردد) کی نفی کی گئی ہے (المدثر ۳۱) سورۂ بقرہ کے شروع میں ارشاد ہے لَا رَیْبَ فِیْهِ، اور یہاں فرمایا گیا وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ اس کا حاصل یہ ہے بے شک قرآن اپنے واضح اور معجزانہ دلائل کی بناء پر کسی شک اور تردد کا محل نہیں ہے لیکن اپنی ناواقفیت سے پھر بھی تمہیں کوئی تردد ہے تو سن لو، فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔

ذرا دیکھئے "فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا" کہہ کر کس طرح ان کی غیرت کو جوش میں لایا جاتا ہے لیکن کیا

www.toobaaelibrary.com

پوری قوم جو اسلام کی مخالفت اور اسے مٹانے کے لیے اپنی جان مال آبرو اولاد سب کو قربان کرنے کے لیے تلی ہوئی تھی کیا ان میں سے کوئی فرد بھی اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے آگے بڑھا؟ پھر اس سے بڑھ کر اپنے عجز کا اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کا اعتراف اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہ ایسا واضح معجزہ تھا جس نے تمام سرکشوں کی گردنیں جھکا دیں۔

قرآن کے دس وجوہ اعجاز

قرآن کو کیوں معجزہ کہا گیا؟ اور ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے کیوں عاجز ہے؟

اس سلسلے میں قدیم و جدید علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں جاحظ نے نظم القرآن کے نام مستقل کتاب لکھی، چوتھی صدی کے اوائل میں ابوعبداللہ واسطی نے بنام اعجاز القرآن تصنیف کی، اسی صدی میں ابن عیسیٰ اربانی اعجاز القرآن کے نام سے ایک مختصر رسالہ لکھا، پانچویں صدی کے اوائل میں قاضی ابو بکر باقلانی نے اعجاز القرآن کے نام سے مفصل و مبسوط کتاب لکھی۔ پھر سیوطی نے اتقان اور خصائص کبریٰ میں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں، قاضی عیاض نے شفا میں شرح و بسط کے ساتھ اس مضمون کو لکھا، آخری دور میں مصطفیٰ صادق رافعی نے اعجاز القرآن کے نام سے اور سید رشید رضا مصری نے الوحی المحمدی کے نام سے مستقل، جامع اور مبسوط کتابیں لکھیں، اردو زبان میں حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم نے ایک رسالہ بنام اعجاز القرآن تصنیف فرمایا،

"خود صاحب تفسیر معارف القرآن نے تقریباً سولہ صفحات میں دس وجوہ اعجاز کو بیان فرمایا ہے"۔

اس سلسلے میں قابل غور چیز یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب جامع العلوم کتاب کس سرزمین میں؟ کس ماحول میں؟ اور کس ذات پر نازل ہوئی؟ کیا وہاں کچھ بھی ایسے علمی سامان موجود تھے، کوئی مدرسہ، اسکول، کالج، بڑی یونیورسٹی یا دارالعلوم موجود تھے جن کے ذریعہ دائرۂ اسباب میں ایسی بے نظیر کتاب تیار ہو سکے؟ ارباب قلم سیرت نبوی پر قلم اٹھاتے ہوئے ان تمام امور پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں، اس پس منظر میں دیکھئے کہ اس امی محض ذات مقدس کی زبان پر ٹھیک چالیس سال کے بعد ایسا فصیح و بلیغ اور معنوی علوم و فنون کے لحاظ سے محیر العقول کلام آنے لگا جس کا نام قرآن ہے، اگر صرف اتنا ہی ہوتا تب بھی اس کے معجزہ ہونے میں کسی انصاف پسند کو کیا شبہ رہ سکتا ہے مگر یہی نہیں، بلکہ اس نے ساری دنیا کو چیلنج دیا۔

دوسری وجہ

قرآن کے اولین مخاطب عرب تھے۔ فصاحت و بلاغت جن کا فطری ہنر اور پیدائشی وصف تھا جس میں وہ پوری دنیا سے ممتاز مانے جاتے تھے، قرآن ان

www.toobaaelibrary.com

کو مخاطب کر کے چیلنج کر رہا ہے اور یہ چیلنج محض معنوی حسن کے لیے نہ تھا بلکہ لفظی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی پوری دنیا کے لیے ہے۔ اور اقوام عالم میں سب سے زیادہ اس کے مستحق عرب ہی تھے۔

سرداران عرب نے قرآن، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مٹانے، مغلوب کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا، کتنی ایذائیں دی گئیں، پھر خوشامد کا پہلو اختیار کیا گیا، جنگ و مقابلہ کے لیے تیار ہو کر ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد سر دھڑ کی بازی لگائی، جان مال اولاد آبرو سب کچھ اس مقابلہ میں خرچ کرنے کے لیے تیار ہوئے مگر نہ ہو سکا تو یہ کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرتے اور چند سطریں ہی پیش کر دیتے کیا ان حالات میں سارے عرب کا مقابلہ سے سکوت اور عجز قرآن کے معجزانہ کلام کی کھلی ہوئی شہادت نہیں ہے؟

اس سلسلے میں علامہ جلال الدین سیوطی کی خصائص کبریٰ میں منقول واقعات ملاحظہ کریں۔ ولید ابن مغیرہ سے قریش مکہ کا مشورہ اور ان کا جواب، قریشی سردار نضر بن حارث کا قوم سے خطاب، حضرت ابوذر غفاریؓ اور ان کے بھائی کا واقعہ اور فتح مکہ کے سال تقریباً ایک ہزار آدمی کے ساتھ مشرف باسلام ہونے کا قصہ، ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس ابن شریق کا رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر قرآن سننے کا واقعہ اسعد ابن زرارہ کا آنحضور ﷺ کے چچا عباسؓ کے سامنے اقرار کا واقعہ قبیلہ بنی سُلیم کے قیس بن نسیبہ کی حاضری اور قرآن سن کر مسلمان ہونے کا واقعہ، یہ سب قابل ملاحظہ ہیں۔ یہ لوگ اپنے جاہلانہ اعمال اور افعال کے باوجود منصف مزاج تھے، جھوٹ کے پاس نہ جاتے تھے، جب انھوں نے اس کا مثل لانے سے خود کو عاجز سمجھا تو محض دھاندلی اور کٹ حجتی کے طور پر کوئی کلام پیش کرنا اپنے لیے عار سمجھا، وہ جانتے تھے کہ اگر کچھ بنا کر پیش بھی کر دیا تو خود عرب کے فصحا و بلغا، خود ہمیں فیل کر دیں گے۔ اس لیے سب نے سکوت اختیار کیا اور جو منصف مزاج تھے انھوں نے صاف طور پر اقرار و تسلیم بھی کیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن میں غیب کی خبریں دی گئیں اور آئندہ کے واقعات سے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں ہیں یہ واقعات بعینہٖ پیش آئے مثلاً روم اور فارس کے مقابلے کی پیشین گوئی کہ ابتداء اہل فارس غالب آئیں گے اور رومی مغلوب ہوں گے مگر دس سال نہ گذرنے پائیں گے کہ پھر رومیوں کا اہل فارس پر غلبہ ہو جائے گا، سرداران مکہ نے صدیق اکبرؓ سے اس پر ہار جیت کی شرط بھی لگائی، قرآن کی خبر سچی ثابت ہوئی، رومی غالب آگئے، انھیں اپنی ہار ماننی پڑی، شرط کا مال دینا پڑا اگر

www.toobaaelibrary.com

چونکہ یہ جواتھا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے قبول نہ کیا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں اوران کی شرائع اور تاریخی حالات کا ایسا صاف تذکرہ اس میں ہے کہ بڑے بڑے ماہرین کتاب علماء یہود ونصاریٰ کی معلومات بھی اتنی نہ تھیں۔ ابتداءِ دنیا سے آپ کے زمانے تک تمام اقوام عالم کے تاریخی حالات اوران کی شریعتوں کی نہایت صحیح اور سچی تفصیلات کا بیان ظاہر ہے کہ اس کے بغیر نا ممکن ہے کہ یہ کلام، اللہ تعالیٰ ہی کا ہو۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع دی گئی، جس کا بعد میں اقرار سے سچ اور صحیح ہونا ثابت ہو گیا مثلاً ارشاد ربانی ہے اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا (ال عمران ۱۲۲) یعنی جب تمہاری دو جماعتوں نے دل میں ارادہ کیا کہ پسپا ہو جائیں۔ اسی طرح يَقُوْلُوْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ: (مجادلہ ۸) یعنی وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ یہ سب باتیں انھوں نے ظاہر نہیں کیں، قرآن ہی نے انکا انکشاف کیا۔

چھٹی وجہ وہ آیات ہیں جن میں قرآن نے کسی قوم یا فرد کے متعلق یہ پیشین گوئی کہ فلاں کام وہ نہ کرسکیں گے اور پھر وہ لوگ ظاہر قدرت کے باوجود نہ کر سکے جیسے یہود کے بارے میں قرآن کا یہ اعلان کہ اگر وہ واقعۃً خود کو اللہ کے دوست اور ولی سمجھتے ہیں تو انھیں اللہ کے پاس جانے سے محبت ہونی چاہئے، وہ ذرا موت کی تمنا کر کے دکھائیں پھر ارشاد فرمایا، وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کرسکیں گے۔

یہود ومشرکین زبانی تکذیب کے باوجود دل سے جانتے تھے کہ یہ سچا کلام ہے، ہم موت کی تمنا کریں گے تو فوراً مر جائیں گے۔ اس لیے ایک بار بھی زبان سے تمنائے موت کے اظہار کی انھیں ہمت نہ ہوئی۔

ساتویں وجہ وہ خاص کیفیت ہے جو قرآن سننے سے ہر خاص وعام، مومن وکافر پر طاری ہوتی ہے۔ جیسے حضرت جبیر ابن مطعمؓ کو بوقت قبول اسلام پیش آیا کہ اتفاقاً پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا، جب آپ ﷺ آخری آیت پر پہنچے تو حضرت جبیرؓ کہتے ہیں کہ میرا دل گویا اڑنے لگا، اور یہ پہلا دن تھا کہ دل میں اسلام نے اثر کیا، وہ یہ آیات ہیں۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَىْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ. اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ. اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ.

www.toobaaelibrary.com

ترجمہ: کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ، یا وہی ہیں بنانے والے، یا انھوں نے بنائے ہیں آسمان وزمین، کوئی نہیں، پر یقین نہیں کرتے، کیا ان کے پاس ہیں خزانے رب کے، یا وہی داروغہ ہیں۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی بہتر سے بہتر کتاب محبوب اور مرغوب تحریر اور فصیح و بلیغ شہ پارۂ ادب کیوں نہ ہو زیادہ سے زیادہ دو چار بار پڑھ سکتے ہیں، بہرحال طبیعت اکتا جاتی ہے، مگر قرآن کا یہ خاصہ ہے کہ اسے جتنا زیادہ پڑھا جائے اتنا ہی اور شوق بڑھتا ہے اس کے حسن میں اور اضافہ ہوتا جاتا ہے، علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں۔

وَاَخْلِقْ بِهٖ اِذْ لَيْسَ يُخْلِقُ جِدَّةً ❁ جَدِيْدًا مُّوَالِيْهِ عَلَى الْجِدِّ مُقْبِلَا
وَخَيْرُ جَلِيْسٍ لَّا يُمَلُّ حَدِيْثُهٗ ❁ وَتَرْدَادُهٗ يَزْدَادُ فِيْهِ تَجَمُّلَا

نویں وجہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ابدی ہے اور اس پر کسی مخلوق کا ادنیٰ تصرف نہیں چل سکتا اسی طرح اس کا کلام بھی ابدی ہے اور تمام مخلوقات کے تصرفات اور دستبردِ زمانہ سے بالاتر ہو کر ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا، آج تک ادنیٰ درجے کا تغیر اور ترمیم بھی نہیں ہو سکی، ہر لفظ ایک ایک حرف اور نقطہ کا بھی کوئی فرق نہیں ہوسکا، اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اور ظاہری اسباب کے طور پر اس کے لیے حفاظ کو کھڑا کر دیا ہے، دنیا کا کوئی مذہب اپنی کتاب کے متعلق اس کی مثال تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی نہیں پیش کر سکتا۔ مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں سے ہمیشہ کم رہی اور نشر و اشاعت کے وسائل اور ذرائع کا معتد بہ حصہ بھی مسلمانوں کو حاصل نہیں مگر اس کے باوجود قرآن سے زیادہ کوئی کتاب شائع نہ ہوسکی۔ اور کتابوں اور صحیفوں ہی پر موقوف نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے سینوں میں بھی اسے اس طرح محفوظ کر دیا کہ اگر دنیا کے سارے قرآن (نعوذ باللہ) ختم کر دیے جائیں تو پھر بھی یہ محفوظ رہے گا، چند حافظ مل کر بیٹھ جائیں تو چند گھنٹوں میں سارے کا سارا قرآن لکھا جا سکتا ہے۔ یہ بے نظیر حفاظت بھی صرف قرآن کا خاصہ ہے اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (حجر ۹) قرآن کی یہ پیشین گوئی آج تک مشاہد ہے، اور قیامت تک رہے گی۔

دسویں وجہ قرآن کے وہ علوم و معارف ہیں جن کا احاطہ آج تک نہیں ہوسکا اور نہ ہی آئندہ ممکن ہے۔ کہ اتنے مختصر حجم اور محدود کلمات میں اتنے علوم و فنون جمع ہوں جو تمام جو تمام کائنات کی دائمی ضروریات کو حاوی اور حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ اور ہر حال سے متعلق مکمل مرتب اور بہترین نظام پیش کر سکے جو شخصی، عائلی، قبائلی اور شہری زندگی تک، نیز عمرانیات، اجتماعیات اور

www.toobaaelibrary.com

سیاسیات ممالک کے ہر پہلو پر حاوی ہو اسی کے ساتھ عملاً اس کی ترویج اور تنفیذ اور تمام نظام ہائے عالم پر غالب آ کر قوموں کے مزاج، اخلاق، اعمال، معاشرت، اور تمدن میں وہ عظیم انقلاب پیدا کر دینا جس کی نظیر نہ قرون اولیٰ میں مل سکتی ہے اور نہ مابعد میں، یہ حیرت انگیز انقلاب کیا کسی ایسے انسان کی قدرت اور اس کی حکمت عملی کا نتیجہ ہو سکتا ہے جو خود بھی امی ہو اور اس کی قوم بھی امی ہو۔

یہی وہ محیر العقول تاثیرات ہیں جن کی وجہ سے قرآن کو کلام الٰہی ماننے پر ہر وہ شخص مجبور ہے جس کی عقل و بصیرت کو تعصب اور عناد نے بالکل ہی برباد نہ کر دیا ہو۔

ان حیرت انگیز انقلابی تاثیرات کا اقرار صرف مسلمانوں نے نہیں، موجودہ دور کے سیکڑوں غیر مسلموں نے بھی کیا ہے، یورپ کے مستشرقین کے مقالات اس بارے میں جمع کیے جائیں تو ایک مستقل کتاب ہو جائے، حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام شہادۃ الاقوام علی صدق الاسلام تحریر فرمائی ہے، ناظرین اس کی طرف مراجعت فرمائیں۔

اور یہ چیلنج جس طرح پہلے تھا آج بھی ہے اور آج تو روشنی، روشن خیالی اور تیز رفتاری کا زمانہ ہے آج کوئی کر کے دکھلا دے، پوری قوم کو جمع کر کے اس کی مثال پیدا کر دے۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ . وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ.

اس آیت میں مؤمنین کے لیے بشارت مذکور ہے جس میں جنت میں عجیب و غریب پھلوں اور حوران جنت کا ذکر ہے۔

ایک ہی شکل مگر مختلف ذائقے کے پھلوں کا مقصد ایک طرح کی تفریح اور لطف کا سامان بنانا ہوگا، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ تشابہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ صورتاً تو وہ دنیا کے پھلوں کے سے ہوں گے مگر ذائقہ اور لذت میں دنیا کے پھلوں سے انھیں کوئی نسبت نہ ہوگی اشتراک صرف نام کا ہوگا، پاک صاف حوران بہشتی کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی تمام ظاہری اور اخلاقی گندگیوں (بول و براز، حیض و نفاس اور نفرت کی ہر چیز سے) پاک ہوں گی۔ ایسے ہی کج خلقی، بیوفائی معنوی عیوب سے بھی پاک ہوں گی، جنت کی نعمتیں آنی اور فانی نہ ہوں گی بلکہ دوامی ہوں گی، ایمان کے ساتھ عمل صالح کی قید ہے، عمل صالح کے بغیر جنت کی بشارت کا مستحق نہ ہوگا، جہنم میں خلود اور دوام سے بچانے کا سبب اگرچہ صرف ایمان بھی ہے مگر عذاب جہنم سے بالکل نجات کا مستحق عمل صالح کے بغیر کوئی نہیں ہوتا، (روح البیان، قرطبی)

اس آیت إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖ الخ: میں منکرین قرآن کا ایک شبہ ذکر کر کے اس کا جواب دیا

www.toobaaelibrary.com

گیا ہے۔ یعنی قرآن کریم میں مکھی مچھر جیسے جانوروں کے ذکر کو اللہ اور کلام اللہ کی عظمت کے خلاف سمجھتے تھے، جواب یہ دیا گیا کہ حقیر اور ذلیل چیز کی مثال کے لئے، حقیر اور ذلیل چیز ہی مقتضائے عقل وبلاغت ہے۔ شرم وحیا کے قطعاً منافی نہیں۔ ایسے احمقانہ شبہات ایسے قلوب اور دماغ میں اٹھتے ہیں جو کفر کے باعث عقل وفہم کی صلاحیت سے خالی ہو چکے ہوں۔

ان مثالوں میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس میں امتحان ہے وہ یہ کہ اصحاب نظر وفکر کے لیے ان مثالوں میں سامان ہدایت ہے اور لا پرواؤں کے لیے سبب گمراہی۔ سرکشی اور ناقضین عہد ہی اس سے گمراہ ہوتے ہیں جس کا نتیجہ فساد فی الارض ہے، یہ قرآن جس طرح مومنین کے لیے ذریعہ ہدایت ہے اسی طرح منکرین اور مخالفین کے لیے ذریعہ گمراہی بھی ہے۔

فِسق، لغوی معنٰی خروج کے ہیں، اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خروج کو فسق کہتے ہیں۔ لفظ فاسق فاسق کے لیے بھی بولا جاتا ہے، قرآن میں اکثر یہ لفظ کافروں ہی کے لیے استعمال ہوا ہے، گنہگار مومن کو بھی فاسق کہا جاتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لیے مستعمل ہے، ارتکاب کبیرہ کے بعد توبہ نہ کرے یا صغیرہ پر اصرار کرے، اس کی عادت بنالے وہ باصطلاح فقہاء فاسق کہلاتا ہے۔ اور فسق وگناہ کے کام علانیہ کرنے والے کو فاجر کہا جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ان مثالوں سے گمراہی صرف فاسقین کا حصہ ہے، نہ کہ خائفین کا۔ عَہْد، وہ صورت معاملہ جو آدمیوں کے مابین طے ہو جائے، اور مِیثاق ایسے معاہدے کو کہتے ہیں جو قسم کے ساتھ مظبوط ومستحکم کیا جائے۔ آیت ۲۷ میں منکرین قرآن کے انجام بد کا ذکر ہے۔

گمراہی کے دو اسباب ہیں

(۱) ایسا کرنے والے اس میثاق کو توڑتے ہیں جو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ؟ کے جواب میں بتا کید اقرار کیا تھا، "بلیٰ" یعنی آپ رب کیوں نہ ہوتے اس کا تقاضا تھا کہ اطاعت خداوندی سے سرمو بھی تجاوز نہ کرتے، دنیا میں تمام انبیاء اور کتب سماوی اسی معاہدے کی تجدید ویاددہانی اور اس پر عمل کی تفصیلات بتلانے کے لیے آئی ہیں۔

(۲) یہ کہ ان تعلقات کو توڑتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا تھا، مراد سارے تعلقات ہیں جو اللہ اور بندے کے مابین ہے، انسان کا والدین اور دیگر اعزہ سے ہے، جو پڑوسی سے پڑوسی اور دیگر شرکار کار سے ہے، ایسے ہی عام مسلمانوں یا عام انسانوں کے ساتھ ہے، ان تمام تعلقات کے مکمل حقوق کی ادائے گی ہی کا نام اسلام یا شریعت اسلامی ہے، انھیں میں کوتاہی کا نتیجہ فساد فی الارض ہے۔

www.toobaaelibrary.com

مثال میں کسی حقیر و ذلیل یا شرم ناک چیز کا ذکر کرنا نہ کوئی عیب ہے اور نہ ہی قائل کی عظمت شان کے منافی ہے، قرآن وسنت اور علماء سلف کے اقوال میں بکثرت ایسی مثالیں مذکور ہیں۔

عہد ومعاہدہ کی خلاف ورزی شدید گناہ ہے، ممکن ہے کہ اس سے تمام نیکیوں سے محروم ہو جائے۔

تعلقات کے حقوق شرعیہ کی ادائیگی واجب اور خلاف کرنا حرام اور گناہ عظیم ہے، دین ومذہب نام ہی انھیں حدود وقیود کا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائے گی کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔

واضح ہو کہ اصل خسارہ آخرت ہی کا ہے، دنیا کا خسارہ کوئی قابل توجہ چیز نہیں۔

اس رکوع کی آخری دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات کا ذکر کر کے اس پر اظہار تعجب کیا گیا ہے، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اگر دلائل میں غور نہیں کرتے تو کم از کم محسن کا احسان ہی مانتے، اس کی تعظیم واطاعت کرتے جو ہر شریف انسان کا طبعی اور فطری تقاضا ہے۔

آیت ۲۸، میں ان مخصوص نعمتوں کا ذکر ہے جو ہر انسان کی ذات ونفس کے اندر موجود ہیں کہ بے جان ذرات کی صورت میں تمام دنیا میں بکھرے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں جمع فرما کر اس میں جان ڈالی، یہ اس کی ابتدار پیدائش کا ذکر ہے۔

آیت ۲۹، میں ان عام نعمتوں کا ذکر ہے جن سے انسان اور تمام مخلوقات فائدہ اٹھاتی ہیں، جو انسان کی زندگی اور بقار کے لیے اقرار رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا ایمان بھی ضروری ہے۔

پہلی موت اور زندگی کے درمیان چونکہ کوئی فاصلہ نہ تھا اس لیے اس میں حرف فار کا استعمال ہوا فَاَحْیَاکُمْ. لیکن چونکہ حیات دنیوی اور موت کے درمیان اسی طرح موت اور قیامت کے درمیان خاصہ فاصلہ ہے اس لیے لفظ ثُمَّ لائے جو بُعْدِ موت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

زندگی ایسی عظیم نعمت ہے جس پر دنیا اور آخرت زمین وآسمان کی ساری نعمتیں موقوف ہیں، زندگی نہ ہو تو ہر نعمت بے فائدہ۔ اس آیت میں موت کو بھی نعمت اسی لیے شمار کیا گیا ہے کہ یہ حیات ابدی کا دروازہ ہے۔

حیات برزخی

حیات برزخی جو آیات واحادیث سے ثابت ہے اس آیت میں اس کا مستقل ذکر اس لیے نہیں کہ یہ حیات، حیات دنیوی کی طرح نہیں ہے، یا آخرت میں پھر ہوگی، بلکہ یہ زندگی خواب کی طرح ایک درمیانی صورت ہے، یہ مستقل زندگی نہیں ہے بلکہ اسے حیات دنیوی کا تکملہ یا حیات اخروی کا مقدمہ کہا جا سکتا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا: میں ان تمام نعمتوں کا اجمال آ گیا جو دنیا میں کسی انسان کو حاصل ہوئیں یا ہو سکتی ہیں کیونکہ انسان کی ضرورت اور راحت کے سارے سامان زمین ہی کی پیداوار ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰی الخ: یعنی زمین کی تخلیق کے بعد آسمانوں کی تخلیق کا بغیر حائل و مانع کے قصد راست فرمایا، بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ یعنی تخلیق کائنات اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔

دنیا کی ہر چیز انسان کے لیے نفع بخش ہے، بالواسطہ یا بلاواسطہ، خواہ انسان کو خبر ہو یا نہ ہو، مضر اور حرام شی بھی کسی دوسری حیثیت سے مفید اور نافع ہوتی ہیں، عقلمند انسان کا کام یہ ہے کہ جو چیز اس کے لیے پیدا ہوئی ہے وہ تو اس کو ملے گی ہی، اس کی فکر میں لگ کر اس ذات سے غافل نہ ہو جس کے لیے یہ پیدا ہوا ہے۔

اشیاء عالم میں اصل اباحت ہے یا حرمت

تفسیر بحر محیط میں ابن حیان فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ خَلَقَ لَكُمْ میں حرف لام سببیت بتلانے کے لیے ہے کہ یہ چیزیں تمہارے سبب سے پیدا کی گئی ہیں، اس سے نہ حلت پر دلیل قائم ہو سکتی ہے نہ حرمت پر بلکہ حلت و حرمت کے احکام قرآن و سنت میں مستقل بیان ہوئے ہیں، انھیں کا اتباع لازم ہے، زمین کی اصل پیدائش پہلے ہوئی آسمان اس کے بعد پیدا کئے گئے۔ جو لفظ ثُمَّ سے بیان ہوا ہے، یہی صحیح ہے، البتہ زمین کی درستگی اور اس میں سے پیداوار وغیرہ کو نکالنے کا تفصیلی کام آسمانوں کی تخلیق کے بعد ہوئے۔ (بحر محیط)

علم ہیئت والوں کا آسمانوں کی تعداد نو بتلانا غلط اور محض خیالات پر مبنی ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ
الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا
ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ
اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ
اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۗ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ وَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ
الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا
فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ۝

www.toobaaelibrary.com

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اھْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ ھُدًى فَمَنْ تَبِعَ ھُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے (تاکہ وہ اپنی رائے ظاہر کریں جس میں حکمت ومصلحت تھی، مشورہ کی حاجت سے تو حق تعالیٰ بالا وبرتر ہیں، غرض اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ) ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب (یعنی وہ میرا نائب ہوگا کہ اپنے احکامِ شرعیہ کے اجراء ونفاذ کی خدمت اس کے سپرد کروں گا) کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اس میں اور خوں ریزیاں کریں گے اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور آپ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں (فرشتوں کی یہ گذارش نہ بطور اعتراض اور نہ میں اپنا استحقاق جتانے کے لئے، بلکہ فرشتوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جو نئی مخلوق زمین سے بنائی جائے گی ان میں نیک وبد ہر طرح کے لوگ ہوں گے، بعض لوگ اس نیابت کے کام کو اور زیادہ خراب کریں گے، اس لیے نیازمندانہ عرض کیا کہ ہم سب کے سب ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں، اور گروہ ملائکہ میں کوئی گناہ کرنے والا بھی نہیں، اس لیے کوئی نیا عملہ بڑھانے اور نئی مخلوق پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، خصوصاً جب کہ اس نئی مخلوق میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ آپ کی مرضی کے خلاف کام کریں گے جس سے آپ ناخوش ہوں، ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں اور ہماری خدمت آپ کی مرضی کے مطابق ہی ہوگی) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے (یعنی جو چیز تمہاری نظر میں تخلیق بنی آدم سے مانع ہے کہ ان میں بعض فساد بھی پھیلائیں گے وہی چیز درحقیقت ان کی تخلیق کا اصلی سبب ہے، کیونکہ اجراء احکام وانتظام تو جبھی وقوع میں آسکتا ہے جب کوئی اعتدال سے تجاوز کرنے والا بھی ہو، یہ مقصود تم فرمانبرداروں کے جمع ہونے سے پورا نہیں ہوسکتا، اور اعتدال سے تجاوز کر جانے والی ایک مخلوق جنات پہلے سے موجود تھی، اس سے یہ کام کیوں نہ لیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کام کے لیے موزوں وہ مخلوق ہوسکتی ہے جن میں شر وفساد کا عنصر موجود تو ہو مگر غالب نہ ہو، جنات میں یہ عنصر غالب تھا، اس لیے تخلیق آدم کی تجویز فرمائی آگے اسی حکمت الٰہیہ کی مزید توضیح اس طرح کی گئی کہ نیابت خداوندی کے لیے ایک خاص علم کی ضرورت ہے، وہ علم ملائکہ کی استعداد سے خارج ہے، اس لیے فرمایا کہ) علم دے

www.toobaaelibrary.com

دیا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو (ان کو پیدا کر کے) سب چیزوں کے اسماء کا (یعنی سب چیزوں کے نام اور ان کے خواص و آثار سب کا علم آدم کو دے دیا گیا) پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں پھر فرمایا کہ بتلاؤ مجھ کو اسماء ان چیزوں کے (یعنی مع ان کے آثار و خواص کے) اگر تم سچے ہو (یعنی اپنے اس قول میں سچے ہو کہ ہم خلافتِ ارضی کا کام اچھا انجام دے سکیں گے) فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں (اس الزام سے کہ آدم علیہ السلام پر اس علم کو ظاہر فرما دیا ہم سے پوشیدہ رکھا) کیونکہ کسی آیت یا روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام کو علم اسماء کی تعلیم فرشتوں سے الگ کر کے دی گئی، اس سے ظاہر یہ ہے کہ تعلیم تو سب کے سامنے یکساں دی گئی مگر آدم علیہ السلام کی فطرت میں اس علم کے حاصل کر لینے کی صلاحیت تھی انھوں نے حاصل کر لیا، فرشتوں کی طبیعت اس کی متحمل نہ تھی ان کو یہ علم حاصل نہ ہوا) مگر ہم کو ہی علم نہیں مگر وہی جو آپ نے ہم کو علم دیا بے شک آپ بڑے علم والے ہیں حکمت والے ہیں (کہ جس قدر جس کے لیے مصلحت جانا اسی قدر علم و فہم اس کو عطا فرمایا، اس سے فرشتوں کا یہ اعتراف تو ثابت ہو گیا کہ وہ اس کام سے عاجز ہیں جو نائب کے سپرد کرنا ہے، آگے حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام میں اس علم خاص کی مناسبت کو فرشتوں کے سامنے آشکارا فرما دیں، اس لئے) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم بتلا دو ان کو ان چیزوں کے اسماء (یعنی مع حالات و خواص کے جب آدم علیہ السلام نے یہ سب فرشتوں کے روبرو بتلا دیا تو فرشتے اتنا سمجھ گئے کہ آدم علیہ السلام اس علم کے ماہر ہو گئے ہیں) سو جب بتلا دیئے ان کو آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے اسماء تو حق تعالیٰ نے فرمایا (دیکھو) میں تم سے نہ کہتا تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جس بات کو ظاہر کر دیتے ہو اور جس کو دل میں رکھتے ہو۔ اور جس وقت حکم دیا ہم نے سب فرشتوں کو (اور جنوں کو بھی جیسا کہ بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، غرض ان سب کو یہ حکم دیا گیا کہ) سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے، سو سب سجدہ میں گر پڑے، بجز ابلیس کے کہ اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آ گیا، اور ہو گیا کافروں میں سے۔ اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بی بی (جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدم علیہ السلام کی پسلی سے کوئی مادہ لے کر بنا دیا تھا) بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس سے بافراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی انہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں (خدا جانے وہ کیا درخت تھا، مگر اس کے کھانے سے منع فرما دیا، اور پھر آقا کو اختیار ہے کہ اپنے گھر کی

www.toobaaelibrary.com

چیزوں سے غلام کو جس چیز کے برتنے کی چاہے اجازت دیدے، اور جس چیز کو چاہے منع کر دے) پس لغزش دیدی آدم وحوا کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کر کے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ نیچے اترو تم میں سے بعضے بعضوں کے دشمن رہیں گے اور تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ایک میعاد معیّن تک (یعنی وہاں جا کر بھی دوام نہ ملے گا کچھ عرصہ کے بعد وہ گھر بھی چھوڑنا پڑے گا)۔ بعد ازاں حاصل کر لیے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ (یعنی معذرت کے کلمات کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل ہوئے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کی ندامت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی اور خود ہی معذرت کے الفاظ تلقین فرما دیئے) تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی ان پر (یعنی توبہ قبول کر لی) بے شک وہی ہیں بڑی توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان (اور حضرت حوا کی توبہ کا بیان سورۂ اعراف میں ہے، قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی توبہ اور قبول توبہ میں آدم علیہ السلام کے ساتھ شریک رہیں، مگر معاف فرمانے کے بعد بھی زمین پر جانے کے حکم کو منسوخ نہیں فرمایا کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر تھیں، البتہ اس کا طرز بدل دیا کہ پہلا حکم زمین پر اترنے کا حاکمانہ طور پر بطرز سزا تھا، اب یہ حکم حکیمانہ انداز سے اس طرح ارشاد ہوا قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا الآیہ یعنی) ہم نے حکم فرمایا کہ نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب، پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت (یعنی احکام شرعیہ بذریعہ وحی) سو جو شخص پیروی کریگا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا ان پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے (یعنی ان پر کوئی خوفناک واقعہ نہ پڑے گا اور قیامت کے ہولناک واقعات سے ان کا بھی خوف زدہ ہونا اس کے منافی نہیں، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں سب پر ہول اور خوف کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے، حزن وہ کیفیت ہے جو کسی مضرت ومصیبت کے دافع ہو جانے کے بعد قلب میں پیدا ہوتی ہے، اور خوف ہمیشہ قبل وقوع ہوا کرتا ہے، یہاں حق تعالیٰ نے حزن وغم دونوں کی نفی فرمادی، کیونکہ ان پر کوئی آفت وکلفت واقع نہ ہوگی جس سے حزن یا خوف ہو، آگے ان لوگوں کا حال بیان کیا ہے جو اس ہدایت کی پیروی نہ کریں فرمایا) اور جو لوگ کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ کو رہیں گے۔

تلخیص معارف ومسائل

اس رکوع میں سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ مذکور ہے۔

www.toobaaelibrary.com

نعمت کی قسمیں ہیں، صوری معنوی۔ پچھلی آیتوں میں، صوری اور ظاہری نعمتوں کا ذکر تھا اور ان آیتوں میں معنوی نعمتوں کا ذکر ہے کہ ہم نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو دولت علم دی، مسجود ملائکہ بنانے کی عزت بخشی اور تم کو ان کی اولاد میں ہونے کا فخر عطا کیا، اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے ارادے کا ذکر فرشتوں سے، بظاہر اس کا امتحان لینے کے لیے فرمایا جس میں اشارہ تھا کہ فرشتے اس معاملے میں اپنی رائے کا اظہار کریں، فرشتوں نے اپنی رائے کا اظہار کردیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی رائے کی تغلیط پہلے حاکمانہ انداز پر کی کہ خلافت ارضی کی حقیقت اور ضرورت سے تم نہیں، میں ہی مکمل طور پر جانتا ہوں۔اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔

پھر دوسرا جواب حکیمانہ طور پر دیا گیا فرشتوں پر ترجیح اور مقام علم میں تفوق کے ذکر سے۔ خلافت ارض کے لیے زمینی مخلوقات کے نام اور ان کے خواص وآثار کا جاننا ضروری ہے۔ فرشتوں کی استعداد اس کی متحمل نہیں۔

فرشتوں سے تخلیق آدمؑ کی گفتگو مشورہ نہ تھی کیونکہ مشورہ کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جہاں مسئلہ کے سب پہلو کسی پر روشن نہ ہوں، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت سے بالاتر ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ان کے کسی فعل سے متعلق کوئی سوال بھی نہیں کرسکتا، (لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ یہاں محض مشورہ کی صورت ہے جس میں مخلوق کے لیے مشورہ کی سنت اور تعلیم کا فائدہ ہوسکتا ہے جیسا کہ رسول کریم ﷺ کو مشورہ کی ہدایت فرمائی گئی، تاکہ مشورہ کی سنت جاری ہو، دوسرا فائدہ خود الفاظ قرآنی کے اشارہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق آدمؑ سے پہلے فرشتے یہ سمجھتے تھے کہ ہم سے زیادہ افضل واعلم کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ نہیں پیدا کریں گے۔ (تفسیر ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) جب کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی مخلوق کی تخلیق کا علم تھا، اس لیے فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کیا گیا کہ وہ اپنے خیال کا اظہار کریں۔ چنانچہ فرشتوں نے اپنے علم وبصیرت کے مطابق نیازمندانہ اظہار رائے کیا، مگر معاذ اللہ اس اظہار رائے میں اللہ تعالیٰ کے اس فعل پر اعتراض نہ تھا، کیونکہ فرشتے بہرحال معصوم ہیں، بلکہ مقصد دریافت کرنا تھا کہ معصوم جماعت کے ہوتے ہوئے غیر معصوم مخلوق کو نائب بنانا اور اسے ترجیح دینا کس حکمت پر مبنی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس کا اجمالاً جواب یہ عطا فرمایا کہ:اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ یعنی خلافت الٰہیہ کی حقیقت سے تم نہیں واقف ہو اس کے لوازم کو تو ہم ہی جانتے ہیں، یعنی جو بات تمہارے نزدیک باعث منع ہے وہی درحقیقت ان کی تخلیق کا سبب اصلی ہے کیونکہ اجراء احکام وانتظام تو جبھی وقوع میں

www.toobaaelibrary.com

آسکتا ہے جب کوئی اعتدال سے تجاوز کرنے والا بھی ہو۔ (واضح ہو کہ ابلیس جنات میں یہ عنصر غالب ہے اور موزوں وہ مخلوق ہو سکتی ہے جن میں یہ عنصر تو ہو مگر غالب نہ ہو)

اس کے بعد فرشتوں کو کچھ تفصیلی معلومات کے لیے ایک خاص واقعہ کا اظہار کیا گیا کہ تمام کائنات عالم کے نام اور اس کے خواص و آثار جن کے علم کی صلاحیت صرف آدم علیہ السلام ہی میں ودیعت کی گئی تھی، ملکی طبیعت اور فطرت ان کی متحمل نہ تھی، فرشتہ بھوک پیاس، نفسانی جذبات وغیرہ کے اثرات کو کیا جانے، پھر یہ کہ تعلیم اسماء سب کے لیے عام رہی ہو مگر اس تعلیم سے استفادہ کی صلاحیت صرف حضرت آدم علیہ السلام میں تھی وہ سیکھ گئے اسی لیے تعلیم کی نسبت یہاں آدم کی طرف کی گئی۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ظاہری تعلیم کی صورت ہی عمل میں نہ آئی ہو بلکہ ابتداء آفرینش سے فطرت آدم میں ان اشیاء کا علم ودیعت کر دیا گیا ہو، جیسے بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینا جانتا ہے بطخ کا بچہ تیرنا جانتا ہے۔

پھر جب فرشتوں سے ان چیزوں کے نام اور خواص بتلانے کو کہا گیا تو چونکہ ان کا اظہار خیال نیاز مندانہ اور خادمانہ تھا فوراً بول اٹھے سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ.

اس کا حاصل اپنے خیال سے رجوع اور اسبات کا اقرار تھا کہ زیادہ اعلم اور افضل اور زمین کی نیابت کے لیے موزوں بھی مخلوق موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خلیفہ کا حال دریافت کرنے کے بعد انسان کے حالات اور اس کے ہونے والے معاملات بتلا دیے تھے (روح المعانی) چنانچہ اسی بنا پر فرشتوں کو تعجب بھی ہوا کہ جب انسان کا یہ حال ہے تو خلافت ارضی کے لیے اس کا انتخاب کس حکمت پر مبنی ہے؟ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ سے اسی کا جواب دیا گیا۔

غرض منشاء الٰہی یہ تھا کہ ایک مخلوق فرشتے ہے خالص معصوم، ایک شیاطین خالص شریر، اسی طرح ایک مخلوق ایسی بھی ہو جو خیر وشر، نیکی بدی دونوں جذبات کا مخلوط مجموعہ ہو، اور جذبات شر کو مغلوب کر کے خیر کے میدان میں آگے بڑھے اور رضائے الٰہی کا خلعت حاصل کرے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ زبان اور لغت کے اصل واضع اللہ تعالیٰ ہیں، امام اشعری کی بھی یہی فرماتے ہیں، قرآن حکیم کے یہ بلیغ الفاظ اور زبان اَنْۢبِـُٔوْنِيْ اور اَنْۢبِئْهُمْ سے آدم علیہ السلام کا فرشتوں پر تفوق بھی ظاہر ہو گیا کہ آدم علیہ السلام کو معلّم اور فرشتوں کو متعلم کا درجہ دیا گیا۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ ملائکہ کے علوم میں بھی کمی اور زیادتی ممکن ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خلیفہ یا نائب اور رسول کا انتخاب اور تقرر بلا واسطہ منجانب اللہ ہوتا

www.toobaaelibrary.com

ہے، اس میں کسی کے کسب وعمل کا کوئی دخل نہیں۔ جوامت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت کسبی چیز نہیں ارشاد ربانی ہے: اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے اپنے رسول اور انسانوں میں سے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ: یعنی اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کس کو عطا فرمائیں۔

خاتم الانبیاءؐ کی خصوصیات

حضرت خاتم الانبیاء اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ ہو کر بہت ہی اہم خصوصیات کے لیے تشریف لائے، آپ سے پہلے انبیاء خاص خاص قوموں یا ملکوں کے لیے آتے تھے اور ایک خاص زمانہ کے لیے آتے تھے، نیز ان کی شریعت اور تعلیمات بھی ایک زمانے تک ہی محفوظ رہتیں، بعد میں وہ تحریفات اور تغیرات کی نذر ہو کر ختم ہو جاتی تھیں اور پھر دوسرا نبی یا رسول منجانب اللہ مقرر ہو کر نیابت کا کام سنبھالتا تھا۔ مگر خاتم الانبیاء کی یہ خصوصیات تھیں کہ آپ کو پورے عالم اور اس کی دونوں قوم جنات وانسان کی طرف بھیجا گیا، آپ کی بعثت عام تھی ارشاد ربانی ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا نِ الَّذِيْ یعنی آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں، تم سب کی طرف۔ مسلم شریف کی روایت ہے، ارشاد رسالت ہے کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں میں خاص فضیلت بخشی گئی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کو تمام عالم کا نبی ورسول بنا کر بھیجا گیا۔

نیز آپ کی خلافت ونیابت کا کوئی زمانہ مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک قائم رہے گی، نیز آپ کی شریعت اور دین قیامت تک محفوظ رہے گا ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. یعنی ہم نے قرآن نازل فرمایا، اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اسی کے ساتھ آپ کی بتلائی ہوئی ہدایت "حدیث" بھی سب کی سب اصلی خدوخال کے ساتھ قیامت تک موجود ومحفوظ رہیں گی، اسی لیے آپ کے بعد نہ کسی نبی کی ضرورت ہے اور نہ کسی خلیفۃ اللہ کی گنجائش، قیامت تک اس زمین پر آپ ہی خلیفۃ اللہ ہیں۔ آپ کے بعد آپ کا نائب جو ہوگا وہ خلیفۃ الرسول ہوگا۔ نہ کہ خلیفۃ اللہ، ارشاد رسالت ہے: كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَآئِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ وَاِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ، وَسَيَكُوْنُ خُلَفَآءُ فَيَكْثُرُوْنَ۔ (متفق علیہ) یعنی بنی اسرائیل کی سیاست وحکومت ان کے انبیاء کرتے تھے، ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آجاتا، اور خبردار ہو کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، ہاں میرے خلیفہ ہوں گے اور بہت ہوں گے۔

www.toobaaelibrary.com

نیز امت محمد یہ کی مجموعے کو وہ مقام عطا فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے یعنی امت کے مجموعے کو معصوم قرار دیا کہ آپ کی امت کبھی گمراہی اور غلطی پر جمع نہ ہوگی، امت کے اتفاق واجماع کو حکم خداوندی کا مظہر سمجھا جائے گا۔ اسی لیے تیسری حجت اجماع امت قرار دی گئی ہے۔ ارشاد رسالت ہے لَنْ تَجْمَعَ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ، میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی،،

خلفاء راشدین کے آخری عہد تک یہ سلسلۂ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا، اسی لیے ان کے فیصلے ہنگامی فیصلوں کی حیثیت نہیں رکھتے تھے بلکہ حسب ارشاد رسالت عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ (یعنی میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو) ایک محکم دستاویز اور ایک درجہ میں امت کے لیے حجت مانے جاتے ہیں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر ہو چکی اور یہ امر ثابت ہو گیا کہ ان علوم خاصہ کے آدم علیہ السلام جامع ہیں تو اللہ کو یہ منظور ہوا کہ ان غیر کاملوں سے کوئی ایسی تعظیم کرائی جائے کہ عملاً بھی اس کا اظہار ہو جائے، اس لیے جو عمل تعظیمی تجویز ہوا اس کی حکایت آیت نمبر ۳۴، میں مذکورہ ہو رہی ہے۔

اِلَّآ اِبْلِیْسَ، اس استثناء سے ثابت ہوا کہ سجدۂ آدمؑ کا حکم اس وقت کی تمام ذوی العقول مخلوقات کے لیے عام تھا جن میں فرشتے اور جنات سب داخل ہیں مگر حکم میں صرف فرشتوں کے ذکر پر اکتفا ان کے سب سے افضل واشرف ہونے کی وجہ سے کیا گیا۔ جب انھیں تعظیم کا حکم دیا گیا تو جنات کا بدرجۂ اولیٰ اس حکم میں شامل ہونا معلوم ہو گیا۔

انبیاء سابقین کے زمانے میں سجدے کا وہی درجہ ہوگا جو ہمارے زمانے میں سلام مصافحہ معانقہ اور دست بوسی یا تعظیم کے لیے کھڑے ہو جانے کا ہے امام جصاص نے احکام القرآن میں یہی فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیہ کے لیے سجدہ مباح تھا، شریعت محمد یہ میں منسوخ ہو گیا، اور بڑوں کی تعظیم کے لیے صرف سلام، مصافحہ کی اجازت دی گئی، سجدہ اور بہ ہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو ناجائز قرار دے دیا گیا۔

کچھ افعال واعمال بذاتہٖ شرک وکفر نہیں مگر لوگوں کی جہالت اور غفلت سے وہ افعال شرک وکفر کا ذریعہ بن سکتے ہیں، ایسے افعال کو انبیاء کی شریعتوں میں مطلقاً منع نہیں کیا گیا، جیسے جانداروں کی تصویر سازی اور استعمال حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے: یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ

www.toobaaelibrary.com

مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ۔ یعنی جنات ان کے لیے بڑی محرابیں اور تصویریں بنایا کرتے تھے۔ (سبا) اسی طرح سجدۂ تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن بالآخر لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں شرک و بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں، اور اسی راہ سے انبیاء علیہم السلام کے دین و شریعت میں تحریف ہو گئی!

شریعت محمدیہ چونکہ دائمی اور ابدی شریعت ہے اس لیے اس کو مسخ و تحریف سے بچانے کے لیے ہر ایسے سوراخ کو بند کر دیا گیا جہاں سے شرک و بت پرستی آ سکتی تھی، حتیٰ کہ ایسے اوقات میں نماز پڑھنے کو حرام کر دیا گیا جن میں مشرکین اور کفار اپنے معبودوں کی عبادت کیا کرتے تھے کہ یہ ظاہری مطابقت کسی وقت شرک کا ذریعہ نہ بن جائے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آقاؤں کو حکم دیا کہ وہ اپنے غلام کو عبد اور غلاموں کو حکم دیا کہ وہ آقاؤں کو رب نہ کہیں محض اس لیے کہ یہ الفاظ موہم شرک ہیں، کسی وقت جہالت سے یہی الفاظ آقاؤں کی پرستش کا دروازہ کھول دیں، خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا سجدۂ آدم، سجدۂ تعظیم تھا، اور ان کی شریعت میں جائز تھا مگر شریعت محمدیہ میں سوائے خدا کے کسی کو بقصد تعظیم بھی سجدہ یا رکوع جائز نہیں رکھا گیا۔

سجدۂ تعظیمی کی حرمت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث متواترہ مشہورہ سے ثابت ہے، ارشاد رسالت ہے، اگر میں غیر اللہ کے لیے سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کیا کرے، یہ حدیث متواتر بیس صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہے (یہ روایتیں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن کے حاشیہ میں جمع فرما دی ہیں) اور تدریب الراوی میں ہے کہ جو روایت دس صحابہؓ سے منقول ہو تو وہ حدیث متواتر ہو جاتی ہے، ابلیس کے کفر کا اصل سبب حکم ربانی سے معارضہ و مقابلہ تھا جو بلاشبہ کفر ہے۔

ابلیس علم و معرفت کے اونچے مقام کے باعث طاؤس الملائکہ کہا جاتا تھا، پھر بھی اس سے یہ حرکت کیوں صادر ہوئی؟ اس وجہ سے کہ اس کے تکبر کے باعث اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی معرفت اور علم و فہم کی دولت سلب کر لی، بعض کہتے ہیں کہ حب جاہ اور خود پسندی نے حقیقت شناسی کے باوجود اس بلا میں مبتلا کر دیا۔

انسان کا ایمان وہی معتبر ہے جو آخر عمر اور اول منازل آخرت تک ساتھ رہے، موجودہ ایمان و عمل اور علم و معرفت پر غرہ نہ ہونا چاہئے (روح)

آیت: ۳۵، ۳۶، آدم علیہ السلام کے قصہ کا تکملہ ہے۔ ابلیس جو حضرت آدمؑ کی وجہ سے مردود ہوا، وہ خار کھائے ہوئے تھا، جس درخت کے قریب بھٹکنے کو بھی حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو منع کیا گیا تھا، ابلیس نے موقع پاکر مصلحتاً [illegible]

www.toobaaelibrary.com

یہ واقعہ تخلیق آدم اور مسجود ملائکہ کے بعد کا ہے تاممکن ہے کہ تخلیق اور سجدہ کا واقعہ جنت سے باہر کہیں ہوا ہے اس کے بعد جنت میں داخل کیا گیا، بلکہ یہ مفہوم یقینی نہیں بلکہ ممکن ہے کہ تخلیق اور واقعہ سجدہ دونوں جنت میں پیش آیا ہو اور مسکن و مستقر کا فیصلہ اس واقعہ کے بعد سنایا گیا ہو۔

رَغَدًا اس نعمت ورزق کو کہتے ہیں جو بے مشقت حاصل ہو، اتنی کثیر ہو کہ ختم ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ، اس درخت کی تعیین نہ قرآن سے ثابت ہے نہ کسی مستند حدیث میں اس کی تعیین مذکور ہے، ائمہ تفسیر میں سے کسی نے اسے گندم کا، کسی نے انگور کا، کسی نے انجیر کا درخت قرار دیا ہے، اس کی تعیین کی ضرورت بھی کیا ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا۔ یہ لفظ صاف بتلا رہا ہے کہ یہ لغزش تھی جو عام گنہ گاروں جیسی نہ تھی، بلکہ دھوکہ سے اس اقدام کی نوبت آئی کہ شجر ممنوعہ کا پھل کھا بیٹھے۔

جنت سے نکالا ہوا شیطان حضرت آدم وحوا کو بہکانے کے لیے جنت میں کیسے پہنچا؟ اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں، ہوسکتا ہے بغیر ملاقات کے وسوسہ ڈالا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان جنات میں سے ہے، جسے مختلف اشکال میں متشکل ہونے کی قدرت دی گئی ہے، اپنی قوت جنیہ کے ذریعے بصورت مسمریزم آدم وحوا کے ذہن کو متاثر کیا ہو۔ ممکن ہے کہ سانپ وغیرہ کی صورت میں جنت میں داخل ہوگیا ہو مگر قرآن کی آیت وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ، سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں زبانی گفتگو کر کے قسمیں کھا کر متاثر کیا۔

اِخراج مِنَ الجَنۃِ بحکم خداوندی ہوا مگر سبب شیطان تھا اس لیے نسبت اس کی طرف کردی گئی۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ، اگر اس واقعہ سے پہلے شیطان کا اخراج نہیں ہوا تھا تو وہ بھی اس خطاب میں شامل ہے یعنی شیطان کی عداوت کا سلسلہ دنیا میں بھی جاری رہے گا، اور اگر اس واقعہ سے پہلے شیطان کا اخراج ہو چکا تھا پھر اس کلام کا رُخ آدم وحوا اور ان کی اولاد کی طرف ہو گا، یعنی ایک عتاب اور سزا تو یہ ہے کہ جنت سے زمین پر اتارا گیا، دوسری سزا یہ ہے کہ آپ کی اولاد کے درمیان باہم عداوتیں بھی ہوں گی، اور اولاد کی باہمی عداوت سے والدین کا لطف زندگی بھی رخصت ہوجاتا ہے۔

وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ. معلوم ہوا کہ زمین پر بھی دوام نہیں، کچھ مدت کے بعد اس گھر کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔

www.toobaaelibrary.com

اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ: اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ بیوی کے لیے رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے، خطاب صرف حضرت آدم سے ہے، اُسْكُنَا نہیں فرمایا گیا، دوسرا مسئلہ یہ کہ سکونت میں بیوی شوہر کے تابع ہے، یعنی شوہر کے مکان میں بیوی کو رہنا چاہیے، لفظ اُسْكُن سے قیام جنت عارضی معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ انھیں جنت چھوڑنی ہوگی، اسی سے یہ مسئلہ بھی ماخوذ ہے کہ اگر کوئی کسی سے کہے کہ "میرے گھر میں رہا کرو" یا "میرا گھر تمہارا مسکن ہے" اس سے اس شخص کو ملکیت اور دائمی استحقاق نہیں حاصل ہوتا۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا، اس میں ایک لفظ سے دونوں کو خطاب کیا گیا ہے، اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ غذا اور خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں۔

حَيْثُ شِئْتُمَا: اس میں مقامات کی وسعت کا بیان ہے، اس میں اشارہ ہے کہ چلنے پھرنے اور مختلف مقامات سے اپنی ضروریات حاصل کرنے کی آزادی انسان کا فطری حق ہے، اسی لیے سب کچھ بکثرت عطا کردینے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ہر جگہ حضرت آدم علیہ السلام کو چلنے پھرنے کی آزادی بھی دی گئی۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ: اصل مقصد تھا کہ درخت سے پھل نہ کھاؤ مگر احتیاطاً حکم ہوا کہ اس کے قریب نہ جاؤ، اس سے اصول فقہ کا مسئلہ "سَدِّ ذَرائع" ثابت ہوا۔

مسئلہ عصمت انبیار

انبیار کرام تمام گناہوں سے صغیرہ ہو یا کبیرہ، معصوم ہوتے ہیں، تحقیق بھی ہے ائمۂ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے، کیونکہ یہ قوم کے مقتدا ہوتے ہیں، اگر ان سے بھی کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف صادر ہو سکے تو ان کے اقوال وافعال سے اعتماد واطمینان اٹھ جائے گا، اور پھر دین کا ٹھکانا کہاں ہوگا البتہ جن آیات قرآنی سے انبیار سے گناہ کا صدور اور ان پر عتاب ہونا مذکور ہے، ان کا حاصل باتفاق امت یہ ہے کہ ایسا کسی غلط فہمی یا خطار ونسیان کی وجہ سے ہوتا ہے، یہ غلطی اجتہادی ہوتی ہے جو قابل معافی ہوتی ہے، اور یہ سہو ونسیان ان کے ذاتی افعال واعمال میں ہو سکتا ہے نہ کہ ایسے امور میں جن کا تعلق تبلیغ وتعلیم اور تشریع سے ہو۔

مگر چونکہ انبیار کرام کا مقام بہت ارفع واعلیٰ ہوتا ہے اس لیے چھوٹی سی غلطی کو بھی معصیت اور گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور معتوب بھی ہوئے ہیں، اگرچہ حقیقتاً وہ گناہ ہی نہیں ہیں۔

اس واقعہ سے متعلق چند توجیہات

علمار تفسیر فرماتے ہیں کہ: هٰذِهِ الشَّجَرَةَ سے مراد خاص وہی درخت نہ تھا جس کی طرف

www.toobaaelibrary.com

اشارہ کیا گیا تھا بلکہ اس کی جنس کے سارے درخت مراد تھے، جس طرح پیغمبر علیہ السلام نے ریشمی کپڑا اور سونے کے ایک ٹکڑے کو ہاتھ میں لیکر ارشاد فرمایا کہ میری امت کے مردوں پر یہ حرام ہیں، ظاہر ہے کہ یہاں مراد تمام ریشمی کپڑے اور سونے ہیں، مگر یہاں کسی کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ آپ کے ہاتھ میں جو کپڑا اور سونا ہے صرف وہی مراد ہے اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو یہ خیال ہوگیا کہ ممانعت اسی خاص درخت کے ساتھ ہے، شیطان نے اسی کو مزین اور مستحکم کیا اور قسمیں کھا کر باور کرایا۔

نیز یہ کہ شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا ہو کہ یہ ممانعت ابتداء پیدائش کے ساتھ مخصوص تھی (جیسا کہ بچوں کو ابتداء قوی غذا سے روکا جاتا ہے) اب آپ قوی ہوچکے ہیں، اس لیے وہ ممانعت اب باقی نہیں رہی۔

نیز یہ کہ شیطان نے اس درخت کے کھانے کے منافع بتلائے کہ اس سے دائما جنت میں رہنے کا اطمینان ہوجائیگا، اس وقت حضرت آدم کو ابتداء آفرینش کی وہ ممانعت یاد نہ رہی اس احتمال کی تائید آیت قرآنی فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ سے ہوتی ہے، (یعنی آدم علیہ السلام بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی) (طٰہٰ)

آیت: ۳۷: حضرت آدم علیہ السلام، جنت سے نکلنے اور زمین پر اترنے سے متعلق خطاب وعتاب سن کر بیچین ہو گئے مگر پیغمبرانہ معرفت کی وجہ سے انتہائی ہیبت سے یا اس خوف سے کہ معافی کی التجا کہیں خلاف شان ہو کر مزید عتاب کا سبب نہ بن جائے، زبان خاموش تھی، اللہ تعالیٰ دلوں کی بات سے واقف اور رحیم و کریم ہیں معافی کے کلمات خود ہی سکھا دیئے، تَلَقّٰی یعنی رغبت واہتمام کے ساتھ قبول کرنا۔ كَلِمٰتٍ مشہور قول حضرت عباسؓ کا ہے کہ خود کلمات سورۂ اعراف کے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ہیں۔

تاب جب توبہ کی نسبت بندہ کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا معنی تین چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے یعنی گذشتہ پر ندامت، حال میں اس کا ترک، اور مستقبل میں اس کے نہ کرنے کا عزم وارادہ یہاں توبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی توبہ کو قبول کرنا۔

معلوم ہوا کہ جس سے گناہ سرزد ہو جائے تو وہی کلام کرے جو حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ، حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کیا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (قرطبی)

معافی کے بعد بھی زمین پر جانے کا حکم منسوخ نہیں فرمایا، کیونکہ اس میں بھی ہزاروں حکمتیں اور

www.toobaaelibrary.com

مصلحتیں مضمر تھیں، مثلاً ان کی نسل سے ایک نئی نوع انسان کا وجود میں آنا، احکام شرعیہ کا مکلف بنانا، خلافت الٰہیہ کا قیام، حدود و احکام کا نفاذ وغیرہ البتہ اب اس کا طرز بدل دیا کہ پہلا حکم حاکمانہ بطرز سزا تھا، اب یہ حکم حکیمانہ اور خلافت الٰہیہ کے اعزاز کے ساتھ ہوا، بعد کی آیات میں فرائض منصبی کا بیان ہے اسی لیے زمین پر اترنے کے حکم کو مکرر بیان فرمایا اور اب ان کا نزول زمین کے حاکم اور خلیفہ کی حیثیت سے ہوا یہ وہی حکمت ہے جس کا ذکر تخلیق آدمؑ کے وقت فرشتوں سے کیا جا چکا تھا کہ زمین کے لیے ان کو خلیفہ بنانا ہے۔

حزن یعنی گذشتہ چیز کے فوت ہونے کا غم، خوف یعنی آئندہ کسی تکلیف کا خطرہ، ہدایت کی اتباع میں دونوں کی نفی فرمادی۔

فائدہ: لغزش اور زمین پر اترنے کے حکم میں حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں شریک ہیں، مگر توبہ اور قبولیت توبہ میں ذکر صرف حضرت آدم علیہ السلام کا ہے؟ ممکن ہے اللہ تعالیٰ عورت کو مستور رکھتے ہوئے گناہ اور عتاب کے ذکر میں صراحۃً اس کا بیان نہیں فرمایا، اور اس شبہ کو ختم کرنے کے لیے کہ حضرت حوا کا قصور معاف نہیں ہوا ایک جگہ (رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الخ) دونوں کی توبہ کو ذکر بھی کر دیا گیا۔ پھر کہ اکثر احوال میں عورت مرد کے تابع ہے اس لیے مستقل ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (قرطبی)

تواب اور تائب میں فرق

لفظ تواب کا اطلاق بندہ اور اللہ تعالیٰ دونوں میں مشترک ہے جیسے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ اور ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ لیکن معنی فرق یہ ہے کہ بندے کے لیے مستعمل ہوتا ہے تو معنی ہوتا ہے "گناہ سے اطاعت کی طرف رجوع کرنے والا" اور جب اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو معنی ہیں توبہ قبول کرنے والا، یہ لفظ تواب کا حکم ہوا مگر لفظ تائب جو اسی کا ہم معنی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے یہ جائز نہیں کیونکہ قرآن و سنت میں یہ وارد نہیں ہے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ توبہ قبول کرنے کا اختیار دائے خدا کے کسی کو نہیں، یہود و نصاریٰ اس قاعدہ سے غفلت کی بنا پر سخت فتنہ میں مبتلا ہو گئے، آج بھی ناواقف مسلمان اس غلط اور خام عقیدے میں مبتلا ہیں واضح ہو کہ کوئی عالم یا مرشد کسی کے گناہ معاف نہیں کر سکتا صرف دعا کر سکتا ہے۔

رنج و غم سے نجات صرف فرمانبرداروں کے لیے ہے، فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ الخ غور کیا جائے تو عیش و راحت کی تمام انواع کا ان دو لفظوں میں ایسا احاطہ کر دیا گیا ہے کہ آرام و آسائش کا کوئی فرد اس سے باہر نہیں، اور ذرا دیکھئے کہ خوف کی نفی تو عام انداز میں کی گئی مگر حزن کو بصیغہ فعل بیان کیا گیا اور ضمیر فاعل کو مقدم کیا گیا، اشارہ اس طرف ہے کہ مراد کے فوت ہونے کے غم سے نجات انھی اولیاء اللہ کا

www.toobaaelibrary.com

مقام ہے جو ہدایات خداوندی کی مکمل پیروی کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی انسان اس غم سے نہیں بچ سکتا، خواہ بڑے سے بڑا بادشاہ کیوں نہ ہو، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے خوب فرمایا

جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہو جائے

یہاں نفی دنیا کے غم و فکر کی کی گئی ہے، رہا فکر آخرت تو اولیاء اللہ پر سب سے زیادہ اس کا غم ہوتا ہے، اسی لیے رسول کریم ﷺ کی شان میں آیا ہے کہ آپ اکثر غمگین اور متفکر رہتے تھے۔

نیز اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ دنیا میں خوفناک چیزوں سے انبیاء واولیا کو بشری طور پر خوف نہ ہو، جیسا کہ واقعۂ موسیٰ میں مذکور ہے فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی، قُلْنَا لَا تَخَفْ: بعد میں یہ ڈر نکل گیا، یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ خوف اس لیے تھا کہ بنی اسرائیل اس سے کہیں گمراہی میں نہ پڑ جائیں، اس طرح یہ خوف ایک قسم کا اخروی خوف تھا۔

هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ اس سے مراد کفار ہیں، اور مؤمنین خواہ عملاً کتنے بھی گنہگار ہوں سزا کے بعد بالآخر جہنم سے نکال لیے جائیں گے، واللہ اعلم!!

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ز وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ۝ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ، وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے بنی اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد) یاد کرو تم لوگ میرے اُن احسانوں کو جو کئے ہیں میں نے تم پر (تا کہ حق نعمت سمجھ کر ایمان لانا تمہارے لیے آسان ہو جائے، آگے اس یاد کرنے کی مراد بتلاتے ہیں) اور پورا کرو تم میرے عہد کو (یعنی تم نے جو توریت میں مجھ سے عہد کیا تھا جس کا بیان قرآن کی اس آیت میں ہے وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ، وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا الآیہ) پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو (یعنی میں نے جو عہد تم سے کیا تھا ایمان لانے پر جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہے لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ) اور صرف مجھ ہی سے ڈرو (اپنے عوام معتقدین سے نہ ڈرو کہ ان کا اعتقاد

www.toobaaelibrary.com

نہ رہے گا اور ان سے آمدنی بند ہو جاوے گی) اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے (یعنی قرآن پر) ایسی حالت میں کہ وہ سچ بتلانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے، (یعنی تورات کے کتاب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے، اور جو اس میں تحریفات کی گئی ہیں وہ خود تورات وانجیل ہونے ہی سے خارج ہیں ان کی تصدیق اس سے لازم نہیں آتی) اور مت بنو تم پہلے انکار کرنے والے اس قرآن کے (یعنی تمہیں دیکھ کر جو دوسرے لوگ انکار کریں گے ان سب میں اوّل بانی انکار و کفر کے تم ہو گے اس لیے قیامت تک ان کے کفر وانکار کا وبال تمہارے نامۂ اعمال میں ہی درج ہوتا رہے گا) اور مت لو بمقابلہ میرے احکام کے معاوضہ حقیر اور خاص مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو، (یعنی میرے احکام چھوڑ کر یا ان کو بدل کر یا چھپا کر عوام الناس سے دنیائے ذلیل وقلیل کو وصول مت کرو، جیسا کہ ان کی عادت تھی جس کی تصریح آگے آتی ہے وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ) اور مخلوط مت کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو جس حالت میں کہ تم جانتے بھی ہو (کہ حق کو چھپانا بُری بات ہے) اور قائم کرو تم لوگ نماز کو (یعنی مسلمان ہو کر) اور دو زکوٰۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ (علماء بنی اسرائیل کے بعض اقارب مسلمان ہو گئے تھے جب ان سے گفتگو آتی تو خفیہ طور پر یہ علماء ان سے کہتے تھے کہ بے شک محمد ﷺ رسول برحق ہیں ہم لوگ تو کسی مصلحت سے مسلمان نہیں ہوتے، مگر تم اس مذہب اسلام کو نہ چھوڑنا، اسی بناء پر حق تعالیٰ نے فرمایا) کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو (یعنی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت کرنے کو) اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی (یعنی توریت کی جس میں جابجا ایسے عالم بے عمل کی مذمتیں مذکور ہیں) تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اور مدد لو (یعنی اگر تم کو حبِّ مال وحبِّ جاہ کی وجہ سے ایمان لانا دشوار معلوم ہوتا ہو تو مدد لو) صبر اور نماز سے (یعنی ایمان لا کر صبر اور نماز کا التزام کرو تو یہ حبِّ مال وجاہ دل سے نکل جائے گی، اور اگر کوئی کہے کہ خود نماز اور صبر کا التزام بہت دشوار ہے تو سن لے کہ) اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں، وہ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بے شک ملنے والے ہیں اپنے رب سے (تو اس وقت اس خدمت کا خوب انعام ملے گا) اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں (تو اس وقت اس کا حساب کتاب بھی دینا ہوگا، ان دونوں خیالوں سے رغبت بھی پیدا ہوگی خوف بھی اور یہی دو چیزیں ہر عمل کی روح ہیں)۔

www.toobaaelibrary.com

تلخیص معارف ومسائل

سورۂ بقرہ چونکہ مدنی سورت ہے اس لیے مشرکین ومنافقین کے بیان کے بعد اہل کتاب کو خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے، چالیسویں آیت سے ایک سو تیئس آیات تک انھیں سے خطاب ہے، جس میں انھیں مانوس کرنے کے لیے پہلے ان کی خاندانی شرافت، دنیا میں ان کے اعزاز اور اللہ کی مسلسل نعمتوں کا ذکر ہے، پھر ان کی بے راہی اور غلط کاری پر متنبہ کیا گیا، اور راہ حق کی دعوت دی گئی، سات آیتوں میں اجمالی خطاب ہے جس میں دعوت ایمان اور اعمال صالحہ کی تلقین ہے، اس کے بعد ان سے تفصیلی خطاب ہے۔ آخر میں پھر اہتمام کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے انھیں الفاظ کا اعادہ کیا گیا ہے تاکہ کلام مؤثر اور وقیع ہو۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بزبان عبرانی اسرائیل کے معنی عبداللہ کے ہیں، یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے، رسول کریم ﷺ کے بعد آپ ہی کے دو نام ہیں ان الفاظ سے خطاب کی حکمت یہ ہے کہ انھیں اپنے لقب اور نام ہی معلوم ہو جائے کہ ہم عبداللہ یعنی اللہ کے عبادت گذار بندے کی اولاد ہیں، ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ، اس عہد کا ذکر سورۂ مائدہ آیت ۱۲ میں ہے، سب سے اہم معاہدہ تمام رسولوں پر ایمان لانا ہے، جن میں خصوصیت سے ہمارے رسول کریمؐ داخل ہیں، اس عہد کا خلاصہ پیغمبر علیہ السلام پر ایمان اور آپ کا مکمل اتباع ہے، (ابن جریر بسند صحیح) یعنی تم اپنا عہد اتباع محمد مصطفیٰ ﷺ کا پورا کرو تو میں اپنا عہد (مغفرت اور جنت کا) پورا کردونگا، اور اپنے عوام اور معتقدین کے بجائے صرف مجھ سے ڈرو۔

امت محمدیہ کی ایک خاص فضیلت

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات یاد دلا کر اپنی یاد اور اطاعت کی طرف دعوت دی ہے، اور امت محمدیہؐ کو براہ راست خطاب فرمایا (فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ) ان کا تعلق محسن اور منعم سے بلا واسطہ ہے کہ یہ محسن کو پہچان کر احسان کو پہچانتے ہیں اور بنی اسرائیل احسانات کے ذریعہ محسن کو پہنچانتے ہیں۔

ایفاء عہد ضروری ہے، عہد شکنی حرام ہے، سورۂ مائدہ میں ہے اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ارشاد رسالت ہے کہ عہد شکن کو ایک سزا میدان حشر میں پہلے یہ دی جائے گی کہ بطور علامت ان پر ایک جھنڈا ان کی عہد شکنی کے

www.toobaaelibrary.com

بقدر چھوٹا، یا بڑا اگا کر انھیں حشر میں رسوا کیا جائے گا (مسلم عن سعید)

اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ، کفر تو ویسے بھی بڑا جرم ہے، لیکن جو کفر و انکار کا بانی ہوگا قیامت تک کفر و انکار کا وبال اور گناہ اسی کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ اور اس کا عذاب چند در چند ہو جائے گا، یہی حال بانی خیر و حسنات کا بھی ہوگا۔

وَلَا تَشْتَرُوْا الخ آیت کا سیاق و سباق یہ بتلا رہا ہے کہ لوگوں کی مرضی اور ان کی اغراض کی خاطر آیات قرآنی کا غلط مطلب بتلا کر، یا چھپا کر لوگوں سے پیسے لیے جائیں، یہ فعل باجماع امت حرام ہے۔

تعلیم قرآن پر اجرت کا مسئلہ اس آیت سے متعلق نہیں ہے، فقہاء امت کا اس بارے میں اختلاف ہے، امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد اور متاخرین حنفیہ حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بضرورت) جائز قرار دیتے ہیں، صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ آج کل اسی پر فتویٰ دینا چاہئے، بعد کے فقہاء نے ان کے ساتھ ملحق کر کے امامت اذان اور تعلیم حدیث وفقہ وغیرہ پر بھی اجرت و تنخواہ کو جائز کہا ہے (درمختار شامی) مگر ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن پر اجرت لینا بالاتفاق ناجائز ہے، اور بقول خیر الدین رملی اجرت دے کر ختم کرانا بدعت ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۴۷)

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ الخ حق بات کو غلط باتوں کے ساتھ گڈمڈ کر کے اس طرح پیش کرنا کہ مخاطب مغالطہ میں پڑ جائے جائز نہیں، نیز کسی خوف یا طمع کیوجہ سے کتمان حق بھی حرام ہے، امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں کتمان حق سے اجتناب کا ایک مفصل واقعہ اور مکالمہ حضرت ابوحازم تابعیؒ اور خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا نقل کیا ہے، معارف القرآن کے تین صفحات پر یہ واقعہ پھیلا ہوا ہے، یہاں بغرض اختصار قلم انداز کیا جاتا ہے۔

آیات: ۴۳ تا ۴۶: سابق میں ایمان وعقائد سے متعلق ہدایات تھیں، ان چار آیتوں میں اعمال صالحہ کی تلقین ہے اور جو سب سے اہم ہیں ان کا بیان ہے۔

اگر تم کو حب مال وجاہ کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار معلوم ہوتا ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، مال جو کہ لذات وشہوات کے پورا کرنے کا ذریعہ ہے جب ان کی مطلق العنانی ختم کرنے کی ہمت کرلو گے تو حبِ مال کم ہو جائے گی، اور نماز سے حب جاہ کم ہو جائے گی کیونکہ نماز میں ظاہری باطنی ہر طرح کی پستی اور عاجزی ہی تو ہے، اصل مادۂ فساد مال وجاہ کی محبت تھی جب مادہ گھٹ گیا تو ایمان لانا آسان ہو جائے گا۔

www.toobaaelibrary.com

صبر میں تو صرف غیر ضروری خواہشات کا ترک کرنا ہے مگر نماز میں اس کے ساتھ بہت سے افعال کا واقع کرنا بھی ہے اور وہ بھی پابندی اوقات کے ساتھ دن رات میں پانچ بار تو نماز میں تین چیزیں اکٹھا ہیں جو انسانی طبیعت پر بہت بھاری ہے، اب یہ شبہ کہ جو نسخہ بتایا گیا وہ خود ایک امر دشوار ہے خصوصاً نماز کی پابندیوں کا تو پھر اس دشواری کا کیا علاج ہوگا؟ اس کے لیے ارشاد فرمایا: اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الخ،

اس کا علاج خشوع ہے، یعنی اس دشواری اور گرانی کا سبب قلب کی حرکت فکر یہ ہے تو اس کا علاج سکون سے ہونا چاہئے، اور خشوع کے معنی ہی ہیں سکون قلب کے، اور خشوع حاصل ہوتا ہے قلب کو کسی ایک خیال میں محو مستغرق کر دینے سے اور وہ خیال یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے اور اس وقت اس خدمت کا خوب انعام ملے گا، اور اپنے رب کی طرف واپس جانا ہے، پھر اس کا حساب و کتاب بھی دینا ہوگا، ان دونوں خیالوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ترغیب و ترہیب یعنی امید و خوف پیدا ہوں گے، امید و خوف کے خیال کو نیک کام میں مستعد کرنے اور اس پر جما دینے میں خاص دخل ہے، پھر خشوع اور سکون سے نماز میں آسانی ہوگی تو مداومت اور پابندی نصیب ہوگی اور اس پابندی سے کبر و غرور اور حب جاہ کم ہوگا اس طرح جو حائل ہوگا ایمان کی راہ میں وہ دور ہو کر ایمان کامل ہوگا۔ سبحان اللہ، کیا مطلب ہے اور کیا مرتب علاج ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، قرآن میں عموماً نماز کی تاکید لفظ اِقَامَتْ کے ساتھ آئی ہے، مطلق نماز پڑھنے کا ذکر صرف ایک دو جگہ ہے، قرآن و سنت کی اصطلاح میں اقامت صلوٰۃ کی معنی نماز کو اس کے وقت میں پورے آداب و شرائط کی رعایت کر کے پابندی کے ساتھ ادا کرنا ہیں، نہ کہ مطلق نماز پڑھ لینا، نماز کے فضائل، آثار و برکات جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں وہ سب اقامۃ الصلوٰۃ کے ساتھ مقید ہیں۔

حب مال و جاہ

حب مال اور جاہ یہ قلب انسانی کی ایسی دو بیماریاں ہیں جن سے دنیوی اور اخروی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اور تاریخ میں ابتک جتنی جنگیں ہوئیں اور فساد برپا ہوئے، ان کو بیشتر انھی نے جنم دیا ہے، حب مال کے نتیجے میں بخل اور کنجوسی پیدا ہوتی ہے، قومی نقصان یہ ہے کہ بخیل کی دولت سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا، اس کی ذات کا یہ نقصان یہ ہے کہ معاشرہ میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس سے خود غرضی پیدا ہوتی ہے جو ہوس زر کی تکمیل کے لیے اشیاء میں ملاوٹ ناپ تول میں کمی، رشوت، مکر و فریب تک پہنچاتی ہے ایسے شخص کی ہوس زر کبھی پوری

www.toobaaelibrary.com

نہیں ہوتی، ہر وقت ننانوے کے چکر میں پڑا رہتا ہے بالآخر بجائے سبب راحت کے یہ مال وبال جان بن جاتا ہے، حق بات خواہ کتنی ہی واضح ہو، ماننے کی ہمت نہیں کرتا جو اس کی ہوس زر سے متصادم ہو۔

تقریباً یہی حال حبّ جاہ کا ہے جس سے تکبر، خودغرضی، حقوق کی پامالی، ہوس اقتدار اور اس کے لیے خونریز جنگیں اور اسی طرح کی بے شمار انسانیت سوز خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ جس سے بالآخر دنیا جہنم بن جاتی ہے، وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ہی اس کا نسخۂ کیمیا ہے۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ: شرعاً زکوٰۃ کہتے ہیں، احکام شرع کے مطابق کسی مال میں سے حصہ نکالنا اور اس کے مطابق صرف کرنا۔

اس آیت سے تو نہیں مگر سورۂ مائدہ کی بارھویں آیت سے ثابت ہے کہ نماز اور زکوٰۃ بنی اسرائیل پر فرض تھی، کیفیت وہیئت میں اگرچہ فرق ہو۔

رکوع اصطلاح شرع میں اس خاص جھکاؤ کو کہتے ہیں جو نماز میں معروف ہے رکوع کی تخصیص کی حکمت یہ ہے کہ یہود کی نماز میں سجدہ وغیرہ تو تھا مگر رکوع نہ تھا رکوع اسلامی نماز کی خصوصیات میں سے ہے۔ لہٰذا راکعین سے امت محمدیہ کے نمازی مراد ہوں گے، یعنی قبولیت ایمان کے بعد جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو۔

حکم جماعت کے بارے میں علمائے اور فقہاء کا اختلاف ہے، صحابہ، تابعین اور فقہاء امت کی ایک جماعت اسے واجب قرار دیتی ہے، آیت کے ظاہری الفاظ ان کے لیے حجت ہیں، علاوہ ازیں روایات وحدیث سے بھی جماعت کا وجوب سمجھا جاتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ صحابۂ کرام کا یہ فتویٰ ہے کہ جو شخص مسجد سے اتنا قریب رہتا ہے کہ متوسط آواز والے مؤذن کی آواز وہاں پہنچتی ہے تو بلا عذر ترک جماعت سے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ (لاؤڈ اسپیکر یا غیر معمولی بلند آواز کا اعتبار اس میں نہیں ہے)

مگر جمہور امت علماء وفقہاء صحابہ وتابعین کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے مگر سنتِ فجر کی طرح قریب بوجوب ہے۔ جمہور امت نے امر اِرْكَعُوْا کو دوسری آیات وروایات کی بناء پر تاکید کے لیے قرار دیا ہے۔ اور ابوداؤد وغیرہ کی روایت لَا صلوٰة لجار المسجد الّا فی المسجدِ یعنی مسجد کے قریب رہنے والے کی نماز صرف مسجد ہی میں جائز ہے (عن عائشہؓ مرفوعاً، اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۹) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نماز کامل اور مقبول نہیں۔ اس سلسلے میں مسلم شریف کی روایت

www.toobaaelibrary.com

(ج اص ۲۴۳) جو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بہت واضح اور کافی ہے، اس میں جماعت کو سننِ ھُدیٰ میں سے فرمایا گیا ہے جسے فقہاء سنت مؤکدہ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بلاعذر شرعی تارک جماعت مستحقِ عتاب ہوگا۔ اس کا عادی سخت گنہگار ہوگا، اور اگر ترک جماعت سے مسجد ویران ہو رہی ہو تو سب شرعاً مستحق سزا ہوں گے، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ سمجھانے سے اگر باز نہ آئیں تو ان سے قتال کیا جائے (قرطبی ج اص ۲۹۸)

بے عمل واعظ کی مذمت | اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ، یہود اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو پیغمبر ﷺ کی اتباع اور دین اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کرتے تھے، یہ اسبات کی علامت ہے کہ وہ یقین کے ساتھ حق سمجھتے تھے، مگر خواہشات نفسانی کے غلبہ کے باعث خود اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے، یہاں خطاب اگرچہ علماء یہود سے ہے اور انہیں ملامت کی جارہی ہے مگر معنیٰ اس میں ہر اس شخص کی مذمت ہے جو دوسروں کو تو بھلائی کی ترغیب دے مگر خود عمل نہ کرے احادیث میں ایسے شخص کے لیے بڑی وعید آئی ہیں، ایسے ہی لوگوں کو پیغمبر علیہ السلام نے شب معراج میں دیکھا کہ ان کے ہونٹ اور زبانیں آگ کی قینچیوں سے کترے جارہے ہیں، (ابن کثیر)

مگر اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بے عمل یا فاسق کے لیے دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ کوئی اچھا عمل الگ نیکی ہے، اور اس اچھے عمل کی تبلیغ دوسری مستقل نیکی ہے، ایک نیکی کے ترک سے ضروری نہیں ہوتا کہ دوسری کو ترک کر دیا جائے، کیونکہ پھر تو تبلیغ کرنے والا کوئی بھی نہ باقی رہے گا، کیونکہ ایسا کون ہے جو گناہوں سے بالکل پاک ہو؟ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ لوگ اسی غلط خیال میں پڑ کر فریضۂ تبلیغ چھوڑ بیٹھیں۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھے اپنی کسی بری عادت کا علم ہوتا ہے تو میں اس عادت کی مذمت اپنے مواعظ میں خاص طور سے بیان کرتا ہوں تا کہ وعظ کی برکت سے یہ عادت جاتی رہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ واعظ کو بے عمل نہ ہونا چاہئے۔

واضح ہو کہ بے عمل ہونا دونوں کے لیے ناجائز ہے، واعظ ہو یا غیر واعظ، مگر واعظ کا جرم اس لیے سنگین اور بڑھا ہوا ہے کہ وہ جرم کو جرم سمجھتے ہوئے قصداً کرتا ہے، اس کے پاس لاعلمی کا بھی عذر نہیں ہوتا، پھر یہ کہ واعظ کا جرم کرنا دین کے ساتھ ایک قسم کا استہزاء ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ

www.toobaaelibrary.com

عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جتنا ان پڑھ لوگوں کو معاف کرے گا اتنا علماء کو معاف نہیں کرے گا۔

خشوع کی حقیقت خشوع سے مراد قلبی سکون وانکساری جو اللہ کی عظمت اور اس کے سامنے اپنی حقارت کے علم سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر دل میں خوف خدا اور تواضع نہ ہو تو خواہ بظاہر کتنا ہی باادب اور متواضع نظر آئے وہ خشوع نہیں ہے، سیدنا حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ سر جھکائے بیٹھا ہے فرمایا: "سر اٹھا، خشوع دل میں ہوتا ہے" خلاصہ یہ ہے کہ بالقصد خاشعین کی صورت بنانا شیطان اور نفس کا دھوکہ ہے اور مذموم ہے ہاں اگر بے اختیار یہ کیفیت ظاہر ہو جائے تو معذور ہے (قرطبی)

ایک لفظ خضوع بھی تقریباً خشوع ہی کے ہم معنی ہے مگر خشوع کا لفظ اصلاً آواز اور نگاہ کی حقیقی پستی اور تذلل کے لیے بولا جاتا ہے، وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ آوازیں پست ہوگئیں) اور خضوع کا لفظ بدن کی انکسائی اور تواضع کے لیے مستعمل ہے، (فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ پس ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں)

نماز میں خشوع کی فقہی حیثیت قرآن وسنت میں نماز کے اندر خشوع کی تاکید بار بار آئی ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ یعنی اور مجھے یاد کرنے کے لیے نماز قائم کر۔ اور ظاہر ہے کہ غفلت یاد کی ضد ہے، نیز وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ اور تم غافلوں میں سے نہ ہو، ارشاد رسالت ہے اور نماز تو صرف تمسکن اور تواضع ہی ہے، اس کے علاوہ بھی دیگر روایات ہیں جن کا تقاضا ہے کہ خشوع نماز کے لیے شرط ہو، سفیان ثوریؒ، حسن بصریؒ، اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کا مذہب یہی تھا کہ خشوع کے بغیر نماز نہیں ہوتی، لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء نے اسے نماز کی روح قرار دیتے ہوئے صرف اتنا شرط کیا ہے کہ بوقت تکبیر تحریمہ قلب کو حاضر کر کے اللہ کے لیے نماز کی نیت کرے، باقی نماز اگر خشوع سے خالی ہو تو اگرچہ اتنی نماز کا ثواب اسے نہیں ملے گا لیکن فقہ کی رو سے وہ تارک صلوٰۃ نہیں کہلائے گا اور نہ اس پر تعزیری احکام مرتب ہونگے جو تارک صلوٰۃ پر لگتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خشوع ایک باطنی کیفیت ہے اور فقہا صرف اعضاء ظاہرہ کے اعمال پر ظاہری احکام بیان کرتے ہیں اس لیے انھوں نے خشوع کو پوری نماز میں شرط قرار نہیں دیا، اس کے ادنیٰ مرتبہ کو شرط کہا، نیز تکلیف مالایطاق سے بچنے کے لیے پوری نماز کے بجائے صرف ابتداء صلوٰۃ

www.toobaaelibrary.com

میں خشوع کو شرط قرار دیا گیا، آخر میں فرماتے ہیں کہ خشوع کے بغیر بھی نماز بالکل بے فائدہ نہیں، ہمیں اللہ سے یہی امید ہے، کیونکہ اس نے ادائے فرض کا اقدام تو کیا اور تھوڑی دیر کے لیے کم از کم بوقت نیت اللہ کے لیے قلب کو فارغ کیا، کم از کم فائدہ یہ ہوا کہ بے نمازیوں کی فہرست سے نکل گیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ معاملہ بیم ورجا کا ہے خوف عذاب بھی ہے اور بخشش کی امید بھی ہے اپنے مقدور بھر خشوع کی کوشش کرتے رہنا چاہیے، وَمَا تَوْفِیْقُنَا اِلَّا بِاللّٰہِ.

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ
عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ
فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ
لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذْ
اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ
الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝
وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا
ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا ھٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ
سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَھُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَي
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

"اے اولاد یعقوب! (علیہ السلام) کی تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو (تاکہ شکر واطاعت کی تحریک ہو) جو میں نے تم کو انعام میں دی تھی، اور اس (بات) کو (یاد کرو) کہ میں نے تم کو (خاص خاص برتاؤ میں) تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی تھی، (اور ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "میں نے تم کو ایک بڑے حصۂ مخلوق پر فوقیت دی تھی" مثلاً اس زمانہ کے لوگوں پر۔ اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ (جس میں) نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کرسکتا ہے، اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوسکتی ہے، (جبکہ خود اس شخص میں ایمان نہ ہو جس کی سفارش کرتا ہے) اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا

www.toobaaelibrary.com

جا سکتا ہے، اور نہ ان لوگوں کی طرف داری چل سے گی۔ (اوپر جن خاص برتاؤوں کا حوالہ دیا ہے اب یہاں سے ان کی تفصیل بیان کرنی شروع کی، پہلا معاملہ تو یہ ہے کہ) اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب کہ رہائی دی ہم نے تم (لوگوں کے آباء واجداد) کو متعلقین فرعون سے جو فکر میں لگے رہتے تھے تمہاری دل آزاری کے، گلے کاٹتے تھے تمہاری اولاد (ذکور کے) اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں کو (لڑکیوں کو کہ زندہ رہ کر بڑی عورتیں ہو جائیں) اور اس (واقعہ) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا ایک بڑا بھاری امتحان تھا: اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب کہ شق کر دیا ہم نے تمھارے (رستہ دینے کی) وجہ سے دریائے شور کو پھر ہم نے (ڈوبنے سے) بچالیا تم کو اور غرق کر دیا متعلقین فرعون کو مع فرعون کے) اور تم (اس کا) معائنہ کر رہے تھے، اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے (توریت دینے کا ایک مدت گذرنے پر جس میں دس رات کا اضافہ ہو کر) چالیس رات کا (زمانہ ہو گیا تھا) پھر تم لوگوں نے (پرستش کے لئے) تجویز کر لیا گوسالہ کو موسیٰ (علیہ السلام) کے (جانے کے) بعد اور تم نے (اس تجویز میں صریح) ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی (کہ ایسی بے جا بات کے قائل ہو گئے تھے)۔ پھر بھی ہم نے (تمہاری توبہ کرنے پر) درگذر کیا، تم سے اتنی بڑی بات ہوئے پیچھے اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے، اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (توریت) دی اور فیصلہ کی چیز، اس توقع پر کہ تم راہ چلتے رہو، اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم بے شک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اس گوسالہ (پرستی) کی تجویز سے، سو تم اب اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو، پھر بعض آدمی (جنھوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی) بعض آدمیوں کو (جنھوں نے گوسالہ پرستی کی) قتل کرو، یہ (عمل درآمد) تمہارے لیے بہتر ہو گا تمہارے خالق کے نزدیک، پھر (اس عمل درآمد کرنے سے) حق تعالیٰ تمہارے حال پر (اپنی عنایت سے) متوجہ ہوئے، بے شک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں۔ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب تم لوگوں نے (یوں) کہا کہ اے موسیٰ ہم تمہارے کہنے سے ہرگز نہ مانیں گے (کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے) یہاں تک کہ ہم (خود) اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر دیکھ لیں، سو (اس گستاخی پر) تم پر کڑک بجلی کی آپڑی، اور تم (اس بجلی کا آنا) آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے) تم کو زندہ کر اٹھایا تمہارے مرجانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے۔ اور سایہ فگن کیا ہم نے تم پر ابر کو (میدان تیہ میں) اور (خزانہ غیب سے) پہنچایا ہم نے تمہارے پاس ترنجبین

www.toobaaelibrary.com

اور بیشرمیں ہے (اور تم کو اجازت دی کہ) کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہے۔ (مگر وہ لوگ اس میں بھی خلاف بات کر بیٹھے) اور (اس سے) انھوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، لیکن اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے حکم کیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس (کی چیزوں میں) سے جس جگہ تم رغبت کرو بے تکلفی سے، اور (یہ بھی حکم دیا کہ جب اندر جانے لگو تو) دروازہ میں داخل ہونا (عاجزی سے) جھکے جھکے اور (زبان سے یہ) کہتے جانا کہ توبہ ہے (توبہ ہے) ہم معاف کر دیں گے تمہاری (پچھلی) خطائیں (تو سب کی) اور مزید برآں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو، سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس (کے کہنے) کی ان سے فرمائش کی گئی تھی، اس پر ہم نے نازل کی ان ظالموں پر ایک سماوی آفت اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے۔

تلخیص معارف ومسائل

باپ دادا پر احسان واکرام کے فوائد اولاد کو بھی پہنچتے ہیں اس لیے۔

آیت: ۴۷: میں مخاطب پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ کے یہودیوں کو سمجھا جاسکتا ہے۔

آیت: ۴۸: میں یوم سے یوم قیامت مراد ہے، مطالبہ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی کے ذمہ نماز روزہ کا مطالبہ ہو اور دوسرا کہہ دے کہ میری نماز، روزہ لے کر اس کا حساب بے باق کر دیا جائے، معاوضہ کا مطلب یہ ہے مال وغیرہ دے کر بچالانا، پس قیامت میں یہ دونوں باتیں نہ ہونگی، اور بے ایمان کے سفارش قبول نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ایسوں کی سفارش ہی نہ ہوگی جو قبول کی گنجائش ہو، اور کوئی زور زبردستی کی حمایت بھی نہ چلے گی۔

آیت: ۴۹: کسی نے فرعون سے یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل کے ایک لڑکے کے ہاتھوں تمہاری سلطنت کی تباہی ہوگی اس لیے اس نے یہ عمل شروع کیا، لڑکیوں سے کوئی اندیشہ بھی نہ تھا نیز ان سے اپنی خدمت گاری کا کام بھی لیتا تھا اس لیے ان سے تعرض نہیں کیا۔

آیت: ۵۰: یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری کے بعد کا ہے، آپ فرعون کو مدتوں سمجھاتے رہے جب وہ کسی طرح نہ مانا تو بنی اسرائیل کو خفیہ طور پر لیکر چلے جانے کا حکم ہوا، راستہ میں دریا حائل ہوا، پیچھے سے فرعون بھی مع لشکر آپہنچا، بحکم خدا دریا شق ہوا اور بنی اسرائیل کو گذر جانے کا راستہ مل گیا، مگر جب فرعون تعاقب میں دریا میں گھسا تو دریا اپنی سابقہ حالت پر ہو گیا اور فرعون مع ساتھیوں کے غرق ہو گیا۔

www.toobaaelibrary.com

آیت:۵۱:فرعون کے غرق ہوجانے کے بعد جب بنی اسرائیل بقول بعض مصر میں یا کسی اور مقام میں واپس آ کر رہنے لگے اور مطمئن ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دستور العمل بنانے کے لیے شریعت کی درخواست کی، موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ ایک ماہ کوہ طور پر ہماری عبادت میں مشغول رہو، آپ نے ایسا ہی کیا اور تورات آپ کو مل گئی، مگر ایک ماہ روزہ رکھ کر چونکہ آپ نے افطار کر لیا تھا، جس سے منہ کا رائحہ جو خلو معدہ کی تغیر سے پیدا ہوجاتا ہے ختم ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے اس لیے دس روزے کا اور حکم ہوا، اس دوران میں سامری نامی ایک شخص نے سونے یا چاندی کا ایک بچھڑے کا قالب بنا کر اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی (جو محفوظ کر رکھی تھی) ڈالدی، اس بچھڑے میں جان پڑگئی، جہلاء بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی۔

آیت:۵۲: لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اس موقع پر کہ تم احسان مانو گے، اس توقع کا مطلب نعوذ باللہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شک تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ درگذر کرنا ایسی خبر ہے کہ دیکھنے والوں کو شکر گذاری کی توقع کا گمان ہو سکتا ہے۔

آیت:۵۳: فیصلہ کی چیز سے مراد تورات کے احکام شرعیہ ہیں کیونکہ اس سے تمام اختلافات کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔ یا معجزے مراد ہیں کہ ان سے بھی سچے اور جھوٹے دعوے کا فیصلہ ہوتا ہے، یا خود تورات ہے کہ اس میں کتاب ہونے اور فیصل ہونے، دونوں کی صفت ہے۔

آیت:۵۴: میں اس طریق کا بیان ہے جو ان کی توبہ کے لیے تجویز ہوا، اور یہ ہماری شریعت میں بھی ہے کہ بعض گناہوں کی سزا توبہ کے باوجود قتل مقرر ہے مثلاً قتل عمد کے عوض قتل اور ثبوت زنا بالشہادۃ پر رجم۔

آیت:۵۵: کتاب تورات پیش کیے جانے پر بعض گستاخوں نے یہ کہا کہ ہمیں تو جب یقین آئے گا کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے، باذن الٰہی یہ بھی ہو گیا، بنی اسرائیل نے ستر آدمی منتخب کر کے روانہ کیے، انھوں نے خود سنا، اس کے بعد دوسرا رنگ بدلے، کہنے لگے، نہ جانے کون بول رہا ہوگا، علانیہ دیکھ لیں تو بے شک مان لیں، چونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا اس لیے گستاخی پر ان پر بجلی آ پڑی اور سب ہلاک ہو گئے،

آیت:۵۶: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یہ بدگمان ہو کر کہیں گے کہ میں نے انھیں کہیں کسی تدبیر سے ہلاک کر دیا ہوگا، مجھے اس تہمت سے محفوظ رکھئے، اللہ تعالیٰ نے اپنی

www.toobaaelibrary.com

رحمت سے انھیں پھر زندہ کر دیا۔

آیت: ۵۷: بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملک شام ہے، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں مصر آ گئے تھے، ملک شام میں عمالقہ نامی قوم کا تسلط ہو گیا، فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد جب یہ مطمئن ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے عمالقہ سے جہاد کا حکم فرمایا کہ اپنا اصلی ملک ان کے قبضے سے چھڑا لیں، بنی اسرائیل اس ارادہ سے چلے تو مگر عمالقہ کی طاقت و قوت معلوم کر کے ہمت ہار کر جہاد سے انکار کر بیٹھے، اس انکار کی انھیں یہ سزا ملی کہ مصر و شام کے درمیان تقریباً دس میل کے رقبہ کے ایک چٹیل میدان میں جہاں قیام وطعام اور زندگی گذارنے کی کوئی شے نہ تھی چالیس برس تک سرگرداں اور حیران پھرتے رہے، مصر اپنے وطن جانے کے لیے دن بھر سفر کرتے رات میں کسی منزل پر اترتے، صبح کو دیکھتے کہ جہاں سے چلے تھے وہیں ہیں، اسی لیے اس میدان کو تیہہ کہا جاتا ہے جس کے معنی سرگرداں اور پریشانی کے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ کے اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرمادیا، دھوپ کی شکایت پر ابر کو سایہ فگن کر دیا، بھوک کا تقاضہ ہوا تو من وسلویٰ نازل فرمادیا، درختوں پر ایک میٹھی شے ترنجبین بکثرت پیدا کر دی یہ اسے جمع کر لیتے بٹیریں ان کے پاس جمع ہو جاتیں جو ان سے بھاگتی نہ تھیں یہ انھیں پکڑ کر ذبح کر کے کھاتے، یہ دونوں چیزیں خلاف معمول ہونے کے باعث خزانہ غیب سے قرار دی گئیں پانی کی ضرورت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر پر عصا مارنے کا حکم دیا گیا جس سے چشمے پھوٹ پڑے۔ اگلی آیتوں میں ذکر آ رہا ہے۔ تاریکی کی شکایت پر ان کے محلّہ کے درمیان عمودی شکل کی ایک روشنی قائم فرمادی، لباس کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بطور اعجاز یہ صورت کر دی کہ کپڑے نہ میلے ہوں، نہ پھٹیں اور بچوں کے کپڑے ان کی بدن کے ساتھ ساتھ اسی مقدار سے بڑھتے رہیں۔ (تفسیر قرطبی)

انھیں یہ حکم بھی تھا کہ بقدر خرچ اور ضرورت لیا کریں جمع کر کے نہ رکھیں مگر حرص کے مارے اس میں بھی خلاف ورزی کی تو رکھا ہوا گوشت سڑنے لگا اسی کو فرمایا گیا کہ ''اپنا ہی نقصان کرتے تھے''۔

آیت: ۵۸: بقول شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ وادی تیہہ کے زمانے کا ہے کہ جب من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے اور معمولی کھانے کی درخواست کی تو انھیں ایک ایسے ہی شہر میں جانے کا حکم ہوا تھا جہاں یہ معمولی چیزیں ملیں گی، اس شہر میں داخلے کے قولی اور فعلی ادب کے متعلق بیان کیا گیا، اور اندر جا کر کھانے پینے کی توسیع کی گئی۔

www.toobaaelibrary.com

یہ درخواست اگرچہ گستاخی تھی لیکن خیر، اب اگر اس ادب کو بجالائے تو معاف کردیں گے۔

آیت:۵۹: مگر انھوں نے اس کلمۂ ادب حِطَّةٌ کو بدل کر اس کے برخلاف از راہِ مذاق اس کی جگہ حِنطَةٌ کہنا شروع کیا پھر ان پر آفت سماوی (طاعون) کا نزول ہوا جس سے بہت سے ہلاک ہوگئے، بعضوں نے ہلاک شدگان کی تعداد ستر ہزار تک بتائی ہے (قرطبی)

معلوم ہوا کہ الفاظ کی ایسی تبدیلی جو کلمہ ماموربہا سے متعلق نہ ہو، خواہ قرآن میں ہو یا حدیث میں یا اور کسی امر الٰہی میں بالاتفاق حرام ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا استہزا اور تحریف ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ بعض ایسے کلمات اور اقوال میں جن میں معنی کی طرح الفاظ بھی مقصود اور ادائے عبارت کے لیے ضروری ہوں، ان میں لفظی تبدیلی بھی جائز نہیں جیسے الفاظ اذان، نماز میں دعاؤں کے منقول الفاظ اور اسی طرح تمام قرآن کریم کے الفاظ کا یہی حکم ہے۔

اگر کوئی، دوسرے الفاظ سے تلاوت قرآن کرے خواہ معنی بالکل محفوظ ہوں اصطلاح شریعت میں اسے تلاوت قرآن نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اس پر موعود ثواب حاصل ہوگا، کیونکہ قرآن نازل شدہ الفاظ اور معنی کے مجموعے کا نام ہے۔

احادیث رسولؐ کی روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں؟

محدثین کی ایک جماعت جیسے محمد ابن سیرینؒ، قاسم ابن محمدؒ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز نہیں، ان حضرات کا مستدل وہ روایت ہے جس میں پیغمبر علیہ السلام نے ایک شخص کو سونے کے وقت یہ دعا تلقین فرمائی تھی "اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ" اس شخص نے نَبِيِّكَ کی جگہ رَسُوْلِكَ پڑھ دیا، آپؐ نے مکرر نَبِيِّكَ کی ہدایت فرمائی، جس سے معلوم ہوا کہ لفظی تبدیلی بھی جائز نہیں، اسی طرح کی دوسری حدیث "نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَبَلَّغَهَا كَمَا سَمِعَهَا" (یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شادات رکھے جس نے میرا کوئی کلام سنا اور پھر امت کو اسی طرح پہنچا دیا جس طرح سنا تھا)

مگر جمہور محدثین اور فقہا جیسے امام مالک، امام شافعی، امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہ کے نزدیک اگرچہ اولیٰ اور افضل تو یہی ہے کہ حتی الامکان بالقصد الفاظ میں تبدیلی نہ کرے، لیکن اگر وہ الفاظ پوری طرح یاد نہیں رہے تو اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں نقل کر دینا بھی جائز ہے، اور کما سمعها والی حدیث کا مطلب یہ بھی ممکن ہے کہ مضمون بعینہٖ نقل کردے، مفہوم میں فرق نہ آئے، اس کی تائید اس سے ہے کہ

www.toobaaelibrary.com

خود اس حدیث کی روایت بھی مختلف الفاظ سے پہنچی ہے (قرطبی)

اور پہلی حدیث میں لفظ نَبِیّکَ ہی پڑھنے کا امر اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ نبی میں صفت مدح زیادہ ہے اور یہ خاص ہے اسی منصب کے لیے جبکہ رسول بمعنی قاصد بھی بولا جاتا ہے، نیز دعاؤں میں الفاظ منقولہ کا اتباع خواص و آثار کے اعتبار سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، (قرطبی) واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم !!

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۞ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۞

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور (وہ زمانہ یاد کر) جب (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے پانی کی دعا مانگی، اپنی قوم کے واسطے، اس پر ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو (اس سے پانی نکل آوے گا) بس (عصا پتھر پر مارنے کی دیر تھی) فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، (اور بنی اسرائیل کے بھی بارہ ہی خاندان تھے، (چنانچہ) ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا (اور ہم نے نصیحت کی کہ کھانے کو) کھاؤ اور (پینے کو) پیو، اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد (اعتدال) سے مت نکلو، فساد (فتنہ) کرتے ہوئے سرزمین میں۔

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب تم لوگوں نے (یوں) کہا کہ اے موسیٰ (روز کے روز) ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے۔ (یعنی من وسلویٰ پر) آپ ہمارے واسطے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اُگا کرتی ہیں، ساگ (ہوا) ککڑی (ہوئی) گیہوں (ہوا) مسور (ہوئی) پیاز (ہوئی) آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو، ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے، (اچھا اگر نہیں مانتے تو) کسی شہر میں (جا کر) اترو (وہاں) البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو اور (ایسی ایسی گستاخیوں سے ایک زمانہ میں جا کر نقش کی طرح) جم گئی اُن پر ذلت (کہ دوسروں کی نگاہ میں قدر نہ رہی) اور پستی (کہ خود ان کی طبائع میں اولو العزمی نہ رہی) اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے (اور) یہ (ذلت و غضب) اس وجہ سے (ہوا) کہ وہ

www.toobaaelibrary.com

لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو (کہ وہ قتل خود ان کے نزدیک بھی) ناحق (ہوتا تھا) اور (نیز) یہ (ذلت و غضب) اس وجہ سے (ہوا) کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی، اور دائرۂ (اطاعت) سے نکل نکل جاتے تھے۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۶۰: سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے، ہر اولاد کا ایک ایک خاندان تھا، سب انتظامی امور میں الگ الگ ہی رکھے جاتے تھے، سب کے منتظم بھی جدا جدا تھے اس لیے چشمے بھی بارہ ہی نکلے، نافرمانی اور ترک احکام کو فتنہ فساد سے تعبیر فرمایا، خوارق اور معجزات کا انکار بڑی غلطی ہے جو لوگ ایسے امور کو محال کہتے ہیں وہ درحقیقت محال کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھے۔ معلوم ہوا کہ استسقا کی اصل صرف دعاء ہے جو بصورت نماز ہو یا بغیر نماز کے صرف دعاء پر اکتفا کیا جائے، احادیث میں دونوں طرح دعا کا طریق ملتا ہے مگر بہر حال دعاء کے موثر ہونے کے لیے گناہوں سے توبہ اور اپنے فقر و مسکنت اور عبودیت کا اظہار ضروری ہے اس کے بغیر تاثیر دعا کا انتظار کا کسی کو حق نہیں یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کے بغیر بھی قبول فرمالیں۔

آیت: ۶۱: یہ واقعہ بھی وادی تیہ کا ہے، یہ شہر اسی میدان کے حدود میں آباد تھا۔

اور منجملہ ذلت و مسکنت کے یہ بھی ہے کہ یہودیوں سے قرب قیامت تک کے لیے سلطنت چھین لی گئی۔ البتہ بالکل قیامت کے قریب بے ضابطہ طور پر لٹیروں کی طرح کا تھوڑا سا زور شور دجال یہودی کا کل چالیس دن کے لیے ہو جائے گا، مگر اسے کوئی عقلمند سلطنت نہیں کہہ سکتا مذکورہ بیان سے قلب عرب میں اسرائیل کی موجودہ حکومت سے شبہ نہ ہو کیونکہ اس کی حیثیت امریکہ اور برطانیہ کے غلام سے زیادہ کچھ نہیں دائمی ذلت و مسکنت کا مفہوم جو ائمہ تفسیر سے منقول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہیں گے ان کو ٹیکس وغیرہ ادا کرتے رہیں گے خود انھیں کوئی قومیت واقتدار حاصل نہ ہوگا۔

سورہ آل عمران کی آیت میں اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کی زیادتی کے ساتھ یہی مضمون ہے، اللہ کے ذریعہ کا مطلب یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے قانون میں امن دیدیا ہو جیسے نابالغ بچے، عورتیں یا نہ لڑنے والے عبادت گذار لوگ، اور آدمیوں کے ذریعہ سے مراد معاہدۂ صلح ہے، خواہ مسلمانوں سے ہو یا غیر مسلموں سے ہو، انھیں دو سہاروں سے وہ ذلت و خواری سے محفوظ رہ

www.toobaaelibrary.com

سکتے ہیں، اور یہ بھی ایک پردہ ہے ورنہ اپنی قومی حیثیت سے تو وہ ذلیل وخوار ہی رہیں گے۔

وانھیں خوب جانتے ہیں کہ اسلامی بلاک کو کمزور کرنے کے لیے امریکہ اور برطانیہ نے قلب عرب میں اپنی ایک چھاؤنی بنائی ہے ایک فرمانبردار غلام سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں ہے، اپنی ذاتی طاقت سے ایک مہینہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

نیز یہاں ایک چیز یہ قابل غور ہے کہ نصاریٰ اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ قدیم شریعت یہود کی ہے، اگر پوری دنیا میں ایک قصبہ کے برابر اس کا تسلط ہو گیا جو پوری دنیا کے نقشہ میں ایک نقطہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، اس کے بالمقابل نصاریٰ اور دورِ تنزل کے باوجود مسلمانوں کی سلطنتیں، مشرکوں اور لا مذہبوں کی سلطنتیں مشرق سے مغرب تک جگہ جگہ پھیلی ہوئی ہیں، ان کے مقابلہ میں فلسطین اور وہ بھی آدھا، اور اس پر بھی امریکہ، برطانیہ کے زیر سایہ اس تسلط کی کیا حیثیت ہے؟ اس سے پوری قوم یہود پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لگائی ہوئی دائمی ذلت کا کوئی جواب بن سکتا ہے؟

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ
خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ
لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۚ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۚ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ
الْجَاهِلِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ
عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ
يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ
الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ
وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا
يَفْعَلُونَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر اس مقام پر یہودیوں کی شرارت کا حال معلوم کر کے سامعین کو یا خود یہود کو یہ خیال گذر سکتا ہے کہ ان حالات میں اگر عذر پیش کر کے

www.toobaaelibrary.com

ایمان لانا بھی چاہیں تو غالباً وہ اللہ کے نزدیک قبول نہ ہو، اس خیال کو دفع کرنے کے لیے اس آیت میں ایک قانون اور ضابطہ کا ذکر فرمایا کہ مسلمان، یہودی اور نصاریٰ اور فرقۂ صابئین ان سب میں جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات) پر اور قیامت پر اور کارگذاری اچھی کرے (موافق قانون شریعت کیے) ایسوں کے لیے ان کا حق الخدمت بھی ہے ان کے پروردگار کے پاس (پہنچ کر) اور (وہاں جاکر) کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں، ان پر، اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا (کہ توراۃ پر عمل کریں گے) اور (اس قول وقرار لینے کے لیے) ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر (محاذات میں) معلق کر دیا، (اور اس وقت کہا) کہ (جلدی) قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے (یعنی توراۃ) مضبوطی کے ساتھ، اور یاد رکھو جو احکام اس (کتاب) میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر تم اس قول وقرار کے بعد بھی (اس سے) پھر گئے، سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم نہ ہوتا (تو اس عہد شکنی کا مقتضا تو یہ تھا کہ) ضرور تم (فوراً) تباہ (اور ہلاک) ہو جاتے، (مگر ہماری عنایت ورحمت عامہ ہے کہ حیات مستعار کے ختم ہونے تک مہلت دے رکھی ہے، لیکن کہتک؟ آخر بعد از مرگ وبال اعمال میں مبتلا ہو گے۔ اور تم جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنھوں نے تم میں سے (حد شرع سے) تجاوز کیا تھا در بارہ (اس حکم کے جو) ہفتہ کے دن کے (متعلق تھا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کریں) سو ہم نے ان کو (اپنے حکم قہری تکوینی سے مسخ کرنے کے لیے) کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ (چنانچہ وہ بندروں کے قالب میں مسخ ہو گئے) پھر ہم نے اس کو ایک (واقعہ) عبرت (انگیز) بنا دیا، ان لوگوں کے لیے بھی جو اس قوم کے معاصر تھے، اور ان لوگوں کے لیے بھی جو مابعد کے زمانے میں آتے رہے، اور (نیز اس واقعہ کو) موجب نصیحت (بنایا، خدا سے) ڈرنے والوں کے لیے۔ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ (اگر اس لاش کے قاتل کا پتہ لگانا چاہتے ہو) تو تم ایک بیل ذبح کرو، وہ کہنے لگے کہ آیا آپ ہم کو مسخرہ بناتے ہیں (کہاں قاتل کی تحقیق کہاں جانور کا ذبح کرنا) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نعوذ باللہ، جو میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں، (کہ احکام خداوندی میں تمسخر کرنے لگوں) وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ درخواست کیجئے ہمارے لیے اپنے رب سے ہم سے بیان کر دیں کہ اس (بیل) کے کیا اوصاف ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ (میری درخواست کے جواب میں) یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل ہو کہ نہ بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو (بلکہ) پٹھا ہو، دونوں عمروں

www.toobaaelibrary.com

کے اوسط میں سواب (زیادہ حجت مت کیجیو، بلکہ) کرڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے، کہنے لگے کہ (اچھا یہ بھی) درخواست کر دیجئے ہمارے لیے اپنے رب سے ہم سے یہ (بھی) بیان کر دیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ آپ نے فرمایا کہ (اس کے متعلق) حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہو جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو، کہنے لگے کہ (اب کی بار اور) ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ (اول بار کے سوال کا جواب ذرا اور واضح) ہم سے بیان کر دیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں، کیونکہ ہم کو اس بیل میں (قدرے) اشتباہ (یہ باقی) ہے (کہ وہ معمولی بیل ہوگا یا کوئی اور عجیب وغریب جس میں تحقیق قاتل کا خاص اثر ہو) اور ہم ضرور انشاء اللہ تعالیٰ (اب کی بار) ٹھیک سمجھ جاویں گے، موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ (کوئی عجیب وغریب جانور نہیں ہے یہی معمولی بیل ہے، البتہ عمدہ ہونا چاہئے کہ اوصاف مذکور کے ساتھ) نہ تو ہل میں چلا ہوا ہو، جس سے زمین جوتی جاوے، اور نہ (کنویں میں جوڑا گیا ہو کہ) اس سے زراعت کی آبپاشی کی جاوے، (غرض ہر قسم کے عیب سے) سالم ہو اور اس میں (کسی طرح کا) کوئی داغ نہ ہو، (یہ سن کر) کہنے لگے کہ (ہاں) اب آپ نے پوری (اوصاف) بات فرمائی، (القصہ جانور تلاش کر کے خریدا) پھر اس کو ذبح کر دیا، حالانکہ بظاہر کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۶۲: حاصل یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں ہے، اگر ان شرارتوں کے بعد بھی پوری طرح مسلمان ہو جائیں تو ہم سب معاف کر دیں گے، صابئین ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات اور طرز عمل کے بارے میں صحیح تحقیق نہ ہو سکی، اس لیے مختلف اقوال ہیں، اللہ اعلم۔

اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی ضرورت نہ تھی وہ تو موافق اور مطیع تھے ہی، لیکن، اس طرز بیان سے ایک خاص بلاغت اور مضمون میں خاص وقعت پیدا ہو گئی۔ یعنی ہماری عنایت کا مدار صفت موافقت پر ہے، جو بھی اس صفت کو اختیار کر لے۔

آیت: ۶۳: (قصہ ماسبق میں گذر چکا ہے) کوہ طور سے واپسی کے بعد ان ستر آدمیوں میں نے آمیزش کے ساتھ شہادت دی کہ "اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ فرمایا تھا کہ تم سے جس قدر عمل ہو سکے کرنا جو نہ ہو سکے معاف ہے" کچھ تو جبلی شرارت، کچھ احکام کی مشقت اور کچھ اس آمیزش کا حیلہ غرض صاف کہہ دیا کہ ہم سے تو اس کتاب پر عمل نہیں ہو سکتا۔

www.toobaaelibrary.com

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ کوہِ طور کا ایک بڑا ٹکڑا اٹھا کر ان کے سروں پر معلّق کردو، کہ یا تو مانو ورنہ گرا، آخر کار ناچار ماننا پڑا۔

یہاں اکراہ کا شبہ نہ ہو، کیونکہ مسئلہ ایمان لانے کا نہ تھا، بلکہ بخوشی ایمان واسلام قبول کرنے کے بعد بغاوت کی وجہ سے یہ اکراہ تھا، باغیوں کے لیے ساری دنیا میں دو ہی راستے ہیں اطاعت، یا موت! اسی لیے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے، کفر کی سزا قتل نہیں ہے۔

آیت: ۶۴: حق تعالیٰ کی رحمت عامہ دنیا میں مؤمن و کافر سب پر ہے، رحمت خاصہ کا ظہور بشکل نجات وقرب خداوندی آخرت میں ہوگا۔

حضور ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو بھی عہد شکنوں میں شامل کر کے مثالاً فرمایا گیا، کیونکہ پیغمبر ﷺ پر ایمان نہ لانا بھی عہد شکنی ہے، یہ محض خدا کی رحمت ہے کہ پہلے عہد شکنوں اور بے ایمانوں کی طرح دنیا میں تم پر عتاب نہیں نازل کیا، اوراب پیغمبر علیہ السلام کی برکت سے عذاب نہ آئے گا اس لیے بعض مفسرین فضل ورحمت کی تفسیر بعثتِ محمد یہ سے کرتے ہیں۔

آیت: ۶۵-۶۶: ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ممنوع تھا، یہ دن معظم تھا عبادت کے لیے تھا، مگر اس حکم کو نہ مانا اس پر مسخ صورت کا عذاب نازل ہوا، تین دن کے بعد سب مرگئے، یہ واقعہ بنی اسرائیل کا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوا تھا، بطور تائید کے یہ واقعہ بیان ہوا، نافرمانوں کے لیے توبہ کرانے والا تھا اس لیے اس واقعہ کو نکال فرمایا، فرمانبرداروں کے لیے اطاعت پر قائم رکھنے والا تھا اس لیے موعِظۃً فرمایا۔

حکم شرعی میں کوئی ایسا حیلہ جس سے اصل حکم شرعی باطل ہوجائے حرام ہے، یہود مچھلی کی دم میں ڈورا باندھ کر زمین پر کسی چیز سے باندھ دیا کرتے اگلے روز اتوار کو پکڑ کر کھالیا کرتے، یہ ایک ایسا حیلہ ہے جس میں حکم شرعی کا ابطال بلکہ استہزاء ہے۔

مگر اس سے ان فقہی حیلوں کی حرمت ثابت نہیں ہوئی جن میں سے بعض خود پیغمبر علیہ السلام نے بتلائے ہیں۔

قرطبی فرماتے ہیں کہ یہود اولاً حیلہ کرتے تھے مگر پھر عام طور پر شکار کھیلنے لگے، تو ان میں جماعتیں ہوگئیں، ایک ان میں علماء وصلحا کی تھی جنھوں نے انھیں اس عمل سے روکا، باز نہ آنے پر ان سے برادرانہ تعلقات منقطع کر کے بالکل الگ ہو گئے، بستی کے دو حصے ہو گئے، ایک روز انھیں

www.toobaaelibrary.com

نافرمانوں کی بستی میں سناٹا محسوس ہوا، جا کر دیکھا تو سب کے سب بندروں کی صورتوں میں مسخ ہو گئے تھے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جوان تو بندر بنا دیے گئے تھے اور بوڑھے خنزیر مسخ شدہ بندر اپنے رشتہ دار انسانوں کو پہچانتے تھے، ان کے قریب آ کر روتے تھے۔

ممسوخ قوم کی نسل نہیں چلتی

بعض لوگوں نے اپنے زمانے کے بندروں اور خنزیروں کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا یہ وہی ممسوخ یہودی ہیں؟ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ممسوخ قوم کی نسل نہیں چلتی، (وہ چند روز میں ہلاک ہو جاتے ہیں) بندر اور خنزیر دنیا میں پہلے سے بھی موجود تھے، اور آج بھی ہیں، (مسلم)

آیت: ۶۷-۷۱: کسی نے مقتول شخص کی لڑکی سے شادی کی درخواست کی تھی، اس نے انکار کر دیا، اس شخص نے اسے قتل کر دیا، قاتل لاپتہ تھا، بنی اسرائیل نے قاتل کا پتہ چلانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا، آپ نے بحکم خداوندی ایک بیل ذبح کرنے کا حکم فرمایا، انھوں نے اپنی جبلت اور عادت کے مطابق اس میں حجت بازی شروع کر دی، اگلی آیات میں جس کی تفصیل ہے۔

حدیث میں وارد ہے اگر یہ اتنی حجتیں نہ کرتے تو اتنی قیدوں میں نہ گھرتے، جو بھی بقرہ ذبح کر دیتے کافی ہو جاتا۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ
كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ
ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا
يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝
أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن
بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ
قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ أَوَلَا يَعْلَمُونَ
أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ
إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِندِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ
فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ
أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً

www.toobaaelibrary.com

وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب تم لوگوں (میں سے کسی) نے ایک آدمی کا خون کر دیا، پھر (اپنی برات کے لیے) ایک دوسرے پر ڈالنے لگے، اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جس کو تم ((میں کے مجرم و مشتبہ لوگ) مخفی رکھنا چاہتے تھے، اس لیے (ذبح بقرہ کے بعد) ہم نے حکم دیا کہ اس (مقتول کی لاش) کو اس (بقرہ) کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو (چنانچہ چھوانے سے وہ زندہ ہو گیا، آگے اللہ تعالیٰ بمقابلۂ منکرین قیامت کے اس قصہ سے استدلال اور نظیر کے طور پر فرماتے ہیں کہ) اسی طرح حق تعالیٰ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائرِ (قدرت) تم کو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو (اور ایک نظیر سے دوسری نظیر کے انکار سے باز آؤ، گزشتہ واقعات سے متاثر نہ ہونے پر شکایت کے طور پر ارشاد ہوتا ہے) ایسے ایسے واقعات کے بعد (چاہئے تھا کہ تم لوگوں کے دل بالکل نرم اور حق تعالیٰ کی عظمت سے پر ہو جاتے، لیکن) تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو (یوں کہئے کہ وہ) سختی میں ان سے (بھی) زیادہ (ہیں) اور (زیادہ سخت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ) بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے (بڑی بڑی) نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں، اور انہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں کہ جو شق ہو جاتے ہیں، پھر ان سے (اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی) پانی نکل آتا ہے، اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں، (اور تمہارے قلوب میں کسی قسم کا اثر ہی نہیں ہوتا) اور (اس قساوت سے جو اعمال بد صادر ہوتے ہیں) حق تعالیٰ تمہارے (ان) اعمال سے بے خبر نہیں ہیں (بہت جلد تم کو سزا کو پہنچا دیں گے۔ مسلمان یہودیوں کو مومن بنانے کی جو کوشش کر رہے تھے اور اس میں کلفت اٹھاتے تھے تو یہود کے حالات و واقعات بتا اور سنا کر مسلمانوں کی امید کا انقطاع کر کے ان کی کلفت اس آیت کے ذریعہ دفع فرماتے ہیں، اے مسلمانو!) کیا (یہ سارے قصے سنکر) اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہارے کہنے سے ایمان لے اویں گے، حالانکہ (ان سب مذکورہ قصوں سے بڑھ کر ایک اور بات بھی ان سے ہو چکی ہے کہ) ان میں کچھ لوگ ایسے گزرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر جانتے تھے (کہ ہم برا کر رہے ہیں، محض اغراض نفسانیہ اس کارروائی کا باعث ہوتیں) اور جب ملتے ہیں (منافقین یہود) مسلمانوں سے تو (ان سے تو) کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں

www.toobaaelibrary.com

اور جب تنہائی میں جاتے ہیں یہ بعضے (منافق یہودی) دوسرے بعضے (علانیہ) یہودیوں کے پاس (تو ان سے ان کی معیت وہم مشربی کے مدعی ہوتے ہیں اس وقت) وہ (دوسرے یہودی) ان سے کہتے ہیں کہ تم (یہ) کیا (غضب کرتے ہو کہ) مسلمانوں کو (خوشامد میں) وہ باتیں بتلا دیتے ہیں جو (ان کے مفید مذہب) اللہ تعالیٰ نے (توریت میں) تم پر منکشف کردی ہیں (مگر ہم بمصلحت پوشیدہ رکھتے ہیں) نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت میں مغلوب کردیں گے کہ (دیکھو) یہ مضمون اللہ کے پاس (سے تمہاری کتاب میں آیا) ہے کیا تم (اتنی موٹی سی بات) نہیں سمجھتے۔ کیا ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے ان چیزوں کی بھی جن کو وہ مخفی رکھتے ہیں اور ان کی بھی جن کا وہ اظہار کرتے ہیں (تو اگر منافقین نے مؤمنین سے اپنا کفر چھپایا تو کیا اور ان ملامت گروں نے حضور ﷺ کی بشارت وغیرہ کے مضامین چھپائے تو کیا، اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مضامین سے مسلمانوں کو جابجا مطلع فرمادیا ہے) اس آیت میں تو یہودیوں کے خواندہ لوگوں کا ذکر تھا، آگے ان کے ناخواندہ لوگوں کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں کہ: اور ان (یہودیوں) میں بہت سے ناخواندہ (بھی) ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے، لیکن (بلاسند) دل خوش کن باتیں (بہت یاد ہیں) اور وہ لوگ کچھ اور نہیں، (ویسے ہی بے بنیاد) خیالات پکالیتے ہیں (اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ تو ان کے علماء کی تعلیم ناقص اور مخلوط ہے، اور پھر اوپر سے ان میں فہم کی کمی ہے، ایسی صورت میں بجز بے بنیاد خیالات کے حقائق واقعیہ کی تحقیق کہاں نصیب ہوسکتی ہے بقول شخصے "کریلا اور نیم چڑھا" اس میں مٹھاس کہاں۔ اور چونکہ ان کی اس توہم پرستی میں ان کے علماء کی خیانت بڑا سبب ہے، اس لیے جرم میں بھی وہ اپنے عوام سے زیادہ ہوئے، اسی کا بیان اب یہاں کرتے ہیں۔ (جب عوام مذکورین قابل زجر وتوبیخ ہیں اور ان کے جہل کا اصلی سبب ان کے علماء ہی ہیں) تو بڑی خرابی ان کی ہوگی جو لکھتے ہیں (بدل سدل کر) کتاب (توریت) کو اپنے ہاتھوں سے (اور) پھر (عوام سے) کہہ دیتے ہیں کہ یہ (حکم) خدا کی طرف سے (یوں ہی آیا) ہے (اور) غرض (صرف) یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کرلیں، سو بڑی خرابی (پیش) آوے گی ان کو اس (تحریف کتاب) کی بدولت (بھی) جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی ہوگی ان کو اس (نقد) کی بدولت (بھی) جس کو وہ وصول کرلیا کرتے تھے اور یہودیوں نے (یہ بھی) کہا کہ ہرگز ہم کو آتش (دوزخ) چھوئے گی (بھی تو) نہیں، (ہاں) مگر (بہت) تھوڑے روز جو (انگلیوں پر) شمار کرلیے جاسکیں (اے محمد ﷺ) آپ ﷺ (ان سے)

www.toobaaelibrary.com

یوں فرما دیجئے کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے (اس کے متعلق) کوئی معاہدہ لے لیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے، یا (معاہدہ نہیں لیا، بلکہ ایسے ہی) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو، جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے۔ خلود فی النّار کا ضابطہ:- (بجز چند روز کے تم کو آتش دوزخ) کیوں نہیں (لگے گی، بلکہ ابدالآباد تک اس میں رہنا ضروری ہے، کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ) جو شخص قصداً بُری باتیں کرتا رہے اور اس کو اس کی خطا (وقصور اس طرح) احاطہ کر لے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے، اور جو لوگ (اللہ ورسول پر) ایمان لاویں اور نیک کام کریں ایسے لوگ اہل بہشت ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۷۳: بغیر شرعی شہادت کے صرف مقتول کا بیان اس لیے کافی سمجھا گیا کہ حضرت موسیٰ کو بذریعہ وحی مقتول کے سچ بولنے کا علم ہو گیا تھا، نیز اس طرح کا سامان کیے جانے میں اللہ تعالیٰ کی ضرورت نہیں بلکہ حکمت ومصلحت تھی جسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، طریق اسلم تسلیم وسکوت ہے۔

آیت: ۷۴: تین قسم کے پتھروں کے ذکر میں ترتیب نہایت لطیف وبلیغ ہے یعنی ان یہودیوں کے دل ایسے سخت ہیں کہ کم سے کمتر درجے کے پتھروں سے بھی گئے گذرے ہیں کہ ہر جذبۂ انفعال وتاثر سے خالی ہیں يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، خوف کے لیے عقل کی ضرورت نہیں کیونکہ حیوانات لا یعقل میں خوف کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، البتہ حس کی ضرورہوتی ہے، پتھروں میں ممکن ہے کہ لطیف حس ہو جس کا ہم ادراک نہ کر سکتے ہوں، جیسا کہ جوہر دماغ کے احساس کا ادراک محض دلائل طبیہ سے عقلاء قائل ہوتے ہیں تو ظاہر نص قرآنی کی دلالت اور قوت دلائل طبیہ سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ پھر یہ دعویٰ بھی نہیں کہ پتھر کے گرنے کی علت ہمیشہ خوف ہی ہو، ارشاد ہے بعض پتھر اس وجہ سے گر جاتے ہیں۔

آیت: ۷۵: مسلمانوں کی اس ضیق وکلفت کو دفع کرنا ہے جو یہودیوں کو مومن بنانے کے کوشش میں اٹھاتے تھے کہ یہ ایسے بیباک اور اغراض نفسانی کے اسیر ہیں کہ یہ کسی کے کہنے سننے سے باز آنے والے نہیں ہے، كَلَامَ اللّٰهِ، یعنی تورات، سماع یعنی بواسطۂ انبیاء تحریف الفاظ، یا معانی کو بدل ڈالنا یا کلام سے مراد وہ کلام ہے جو ان ستر آدمیوں نے بطور تصدیق کو طور پر بلا واسطہ سنا تھا، پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ کے یہود بھی اپنے اسلاف کے ان اعمال پر نفرت وانکار نہ کرتے تھے اس لیے حکایۃً یہ بھی ویسے ہی ہوئے۔

www.toobaaelibrary.com

آیت: ۷۶-۷۷: توریت میں پیغمبر علیہ السلام اور قرآن کے متعلق بشارت اور خبریں جو مذکور ہیں، ان کے چھپانے سے کیا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے۔

آیت: ۷۸: کیونکہ ناقص اور مخلوط تعلیم اور فہم کی کمی سے بجز بے بنیاد خیالات کے حقائق واقعیہ کی تحقیق کہاں نصیب ہو سکتی ہے، ''کریلا اور نیم چڑھا اس میں مٹھاس کہاں''۔

آیت: ۷۹: غلط مسائل بتا کر نفقدی وصول کرنے اور توریت میں لفظی و معنوی ادل بدل کرنے کی وعید سنائی گئی۔

آیت: ۸۰: عذاب جہنم سے نجات کے لیے ایمان شرط ہے، یہود کا یہ خیال تھا کہ دین موسوی منسوخ نہیں ہے، یہ بھی مؤمن ہیں مگر یہ خیال و دعویٰ بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ لہٰذا انکار مسیحیت و محمدیت کے سبب وہ لوگ کافر ہوگئے اور کفار کے لیے دوزخ سے نجات کسی آسمانی کتاب میں نہیں جسے عہد سے تعبیر فرمایا گیا، پس دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ خلاف دلیل ہے۔

آیت: ۸۱-۸۲: احاطۂ خطایا اس معنی کے ساتھ کفار کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ کفر کی وجہ سے کوئی بھی عمل صالح مقبول نہیں، جس کی جزا ابدی جہنم ہے، بخلاف اہل ایمان کے کہ اول تو انکا ایمان خود بہت بڑا عمل صالح ہے دوسرے اعمال فرعیہ ان کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے رہتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِذْ
اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْتُمْ
هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ؗ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ
يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ
مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول وقرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے، اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا، اور اہل قرابت کی بھی، اور بے باپ کے بچوں کی بھی، اور غریب

www.toobaaelibrary.com

محتاجوں کی بھی، اور عام لوگوں سے (جب کوئی) بات (کہنا ہوتو) اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ، پھر تم (قول و قرار کر کے) اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے، اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا۔ اور پر جو عہد میثاق لیا گیا تھا اس آیت میں اس کا تتمہ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تم سے یہ قول و قرار (بھی) لیا کہ (خانہ جنگی کر کے) باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا، پھر (ہمارے اس اقرار لینے پر) تم نے اقرار بھی کر لیا اور اقرار بھی (ضمناً نہیں، بلکہ) ایسا جیسے تم (اس پر) شہادت (بھی) دیتے ہو۔ تتمہ میثاق میں جو حکم ان کو دیا گیا ہے اس کے متعلق عہد شکنی کا بیان اس آیت میں فرمایا ہے۔ پھر (اس اقرار صریح کے بعد) تم (جیسے ہو) یہ (آنکھوں کے سامنے) موجود (ہی) ہو کہ باہم قتل و قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو ترک وطن بھی کراتے ہو، (اس طور پر کہ) ان اپنوں کے مقابلہ میں (ان کی مخالف قوموں کی) امداد کرتے ہو، گناہ اور ظلم کے ساتھ (سو ان دونوں حکموں کو تو یوں غارت کیا) اور (ایک تیسرا حکم جو سہل سا سمجھا اس پر عمل کرنے کو خوب تیار رہتے ہو کہ) اگر ان لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ خرچ کرا کر رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات (بھی معلوم) ہے کہ تم کو ان کا ترک وطن کرا دینا (اور قتل تو اور بھی بدرجہ اولیٰ) نیز ممنوع ہے کیا تو (بس یوں کہو کہ) کتاب (توریت) کے بعض (احکام) پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض (احکام) پر ایمان نہیں رکھتے تو اور کیا سزا ہو (نا چاہئے) ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے بجز رسوائی کے دنیوی زندگانی میں اور روز قیامت کو بڑے سخت عذاب میں ڈال دیئے جاویں گے اور اللہ تعالیٰ (کچھ) بے خبر نہیں ہیں تمہارے اعمال (زشت) سے (اور وجہ سزا ان کے لیے یہ ہے کہ) یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے (احکام کی مخالفت کر کے) دنیاوی زندگانی (کے مزوں) کو لے لیا ہے، بعوض (نجات) آخرت کے (جس کا ذریعہ اطاعت ہے) سو نہ تو (سزا دینے والے کی طرف سے) ان کی سزا میں (کچھ) تخفیف دی جاوے گی اور نہ کوئی (وکیل مختار یا دوست رشتہ دار) ان کی طرفداری (پیروی) کرنے پاوے گا۔

تلخیص معارف ومسائل

فائدہ: یہ معدودے چند توریت کے پورے پابند ہے، توریت کے منسوخ ہونے کے بعد شریعت محمدیہ [illegible] کے متبع ہو گئے۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ احکام مذکورہ اسلام اور سابقہ شریعتوں میں مشترک ہیں۔ قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا تعلیم و تبلیغ میں سخت کلامی کافر سے بھی درست نہیں، البتہ دین کے معاملے میں مداہنت اور حق

www.toobaaelibrary.com

پوشی نہ کرے، حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو یہ ہدایت نامہ دیا کہ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا، معلوم ہونا چاہیئے کہ آج کلام کرنے والا حضرت موسیٰ سے افضل نہیں اور مخاطب کتنا ہی بڑا ہو فرعون سے زیادہ خبیث اور برا نہیں، جب قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا، میں یہودی ونصرانی بھی داخل ہیں، تو مسلمان خواہ کیسا ہی ہو وہ کیوں نہ داخل ہوگا (قرطبی)

آیت: ۸۴: ترک وطن کرانے کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو آزار پہنچا کر اتنا تنگ مت کرنا کہ بے چارہ ترک وطن پر مجبور ہو جائے۔

آیت: ۸۵: آیت سابقہ میں جو حکم دیا گیا ہے اس کے متعلق عہد شکنی کا بیان اس آیت میں فرمایا ہے۔ اسی باب میں ان پر تین احکام لازم تھے، (۱) قتل نہ کرنا، (۲) اخراج یعنی ترک وطن نہ کرانا، (۳) اپنی قوم میں سے کسی کو قید و بند میں گرفتار دیکھیں تو روپیہ خرچ کر کے چھڑا دینا، انھوں نے اول کے دو حکم کو چھوڑ دیا، اور تیسرے کا اہتمام کرنے لگے، کوئی پوچھتا کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو کہتے کہ اس کو رہا کرا دینا ہم پر واجب ہے، اور قتل وقتال پر معین و مددگار رہنے پر کوئی اعتراض کرتا تو کہتے کہ کیا کریں کہ دوستوں کا ساتھ نہ دینے سے عار آتی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی شکایت فرمائی ہے اور ان کی حیلہ سازیوں کا پردہ چاک فرمایا ہے، جن مخالف قوموں کی امداد کا ذکر ہے اس سے مراد اَوس وخزرج ہیں، اَوس، بنو قریظہ کے موافق تھے اور بنو نضیر کے مخالف، اور خزرج بنو نضیر کے موافق اور بنو قریظہ کے مخالف تھے، بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" لفظ لانے سے اشارہ ہے کہ اس میں دو حق ضائع ہوتے ہیں حق اللہ، اور آزار پہنچا کر حق العباد۔

وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ بعض احکام پر عمل نہ کرنے کو جو اس کی شدت کے پیش نظر کفر سے تعبیر فرمایا گیا، محاورات بھی شاہد ہیں، مقصود شدت نفرت وقباحت کا اظہار ہے، اور یہی معنی ہیں حدیث مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ وغیرہ کے۔

دو سزاؤں میں سے پہلی سزا تو دنیا میں یوں واقع ہوئی کہ پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں معاہدے کی خلاف ورزی کے سبب بنو قریظہ قتل و قید کیے گئے، اور بنو نضیر ملک شام کی طرف بہزار ذلت وخواری نکال دیے گئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ، وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ. اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ، وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○

www.toobaaelibrary.com

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ
عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَن يُنَزِّلَ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَىٰ مَن
يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا
نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ
اللَّهِ مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَقَدْ جَاءَكُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ
ظَالِمُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۖ قَالُوا
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ قُلْ
إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَن
يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ
وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ ۗ
وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اور ہم نے (اے بنی اسرائیل تمہاری ہدایت کے لیے ہمیشہ سے بڑے بڑے سامان کئے، سب سے اول) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توراۃ) دی اور (پھر) ان کے بعد (درمیان میں) یکے بعد دیگرے (برابر مختلف) پیغمبروں کو بھیجتے رہے، اور (پھر اس خاندان کے سلسلہ کے اخیر میں) ہم نے (حضرت) عیسیٰ بن مریم کو (نبوت کے) واضح دلائل (انجیل اور معجزات) عطا فرمائے اور ہم نے ان کو روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) سے (جو) تائید دی (سو الگ جو بجائے خود ایک دلیل واضح تھی تو) کیا (تعجب کی بات نہیں کہ اس پر بھی تم سرکشی کرتے رہے اور) جب کبھی (بھی) کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمہارا دل نہ چاہتا تھا، (جب ہی) تم نے (ان پیغمبروں کی اطاعت سے) تکبر کرنا شروع کر دیا، سو (ان پیغمبروں میں سے) بعضوں کو تو (نعوذ باللہ) تم نے جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو (بے دھڑک) قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ اور وہ (یہودی طنزیہ طور پر) کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب (ایسے) محفوظ ہیں (کہ اس میں مخالف مذہب کا جو اسلام ہے اثر ہی نہیں ہوتا، تو مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ محفوظی اور پختگی نہیں ہے) بلکہ ان کے کفر کے سبب ان پر خدا کی مار ہے (کہ اسلام جو مذہب حق

www.toobaaelibrary.com

ہے اس سے نفور اور منسوخ مذہب پر مصر ہیں) سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں (اور تھوڑا ایمان مقبول نہیں، پس وہ کافر ہی ٹھہرے) اور جب ان کو (ایک) ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن مجید) جو منجانب اللہ ہے، (اور) اس (کتاب) کی (بھی) تصدیق کرنے والی ہے، جو (پہلے سے) ان کے پاس ہے، (یعنی توراۃ) حالانکہ اس کے قبل (خود) بیان کرتے تھے (اور) کفار سے (یعنی مشرکین عرب سے کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور ایک کتاب لانے والے ہیں، مگر) پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ (خوب جانتے) پہچانتے ہیں تو اس کا (صاف) انکار کر بیٹھے سو (بس) خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر (کہ جان بوجھ کر محض تعصب کے سبب انکار کریں) وہ حالت (بہت ہی) بری ہے جس کو اختیار کر کے (وہ بزعم خود) اپنی جانوں کو (عقوبت آخرت سے) چھڑانا چاہتے ہیں، (اور وہ حالت یہ (ہے) کہ کفر (انکار) کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالیٰ نے (ایک سچے پیغمبر پر) نازل فرمائی (یعنی قرآن، اور وہ انکار بھی) محض (اس) ضد پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر اس کو منظور ہو، (یعنی محمد ﷺ پر، کیوں) نازل فرماوے سو (اس حسد بالائے کفر سے) وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور (آخرت میں) ان کفر کرنے والوں کو ایسی سزا ہو گی جس میں (تکلیف کے علاوہ) ذلت (بھی) ہے۔ اور جب ان (یہودیوں) سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ ان تمام کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے (متعدد پیغمبروں پر) نازل فرمائی ہیں، (اور ان تمام کتابوں میں قرآن بھی ہے) تو (جواب میں) کہتے ہیں کہ ہم (تو صرف) اس (ہی) کتاب پر ایمان لاویں گے جو ہم (لوگوں) پر (بواسطۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے) نازل کی گئی ہے (یعنی توراۃ) اور (باقی) جتنی (کتابیں) اس کے علاوہ ہیں (جیسے انجیل اور قرآن) ان (سب) کا وہ انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ (توراۃ کے ماسوا کتابیں) بھی (فی نفسہٖ) حق (اور واقعی) ہیں، اور (فی نفسہٖ حق ہونے کے علاوہ) تصدیق کرنے والی بھی ہیں، اس (کتاب) کی جو ان کے پاس ہے (یعنی توراۃ کی) آپ (یہ بھی) کہئے کہ (اچھا تو) پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو اس کے پہلے زمانہ میں اگر تم (توراۃ پر) ایمان رکھنے والے تھے، اور (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) تم لوگوں کے پاس صاف صاف دلیلیں (توحید و رسالت کی) لائے (مگر) اس پر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو (معبود) بنا لیا، موسیٰ (علیہ السلام) کے (طور پر جانے کے) بعد اور تم (اس تجویز میں) ستم ڈھا رہے تھے۔ اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا، (اس قول و قرار لینے کیلئے) طور کو تمہارے (سروں کے) اوپر لا کھڑا کیا تھا (اور اس وقت حکم دیا تھا

www.toobaaelibrary.com

کہ) لو جو کچھ (احکام) ہم تم کو دیتے ہیں ہمت (اور پختگی) کے ساتھ لیلو اور (ان احکام کو دل سے) سنو (اس وقت) انھوں نے (ڈر کے مارے زبان سے تو) کہہ دیا کہ ہم نے (قبول کرلیا اور) سن لیا اور (چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی، اس لیے گویا بزبان حال یوں بھی کہہ رہے تھے کہ) ہم سے عمل نہ ہوگا، اور (وجہ ان کی اس بددلی کی یہ تھی کہ) ان کے قلوب (کے ریشہ ریشہ) میں وہی گوسالہ پیوست ہو گیا تھا، ان کے کفر (سابق) کی وجہ سے (جب کہ دریائے شور سے اُتر کر انھوں نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے کوئی ایسا ہی مجسم معبود تجویز کر دیا جائے) آپؐ فرما دیجئے کہ (دیکھ لیا تم نے اپنے ایمان مزعوم کے افعال کو سو) یہ افعال تو بہت بُرے ہیں، جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے، اگر تم (بزعم خود بھی) اہل ایمان ہو (یعنی یہ ایمان نہیں ہے)۔ (بعض یہودی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ آخرت کی نعمتیں خالص ہمارا ہی حق ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس دعوے کو باطل کرنے کے لیے فرمایا کہ اے محمدؐ) آپؐ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر (بقول تمہارے) عالمِ آخرت محض تمہارے ہی لیے نافع ہے بلا شرکت غیرے تو تم (اس کی تصدیق کے لیے ذرا) موت کی تمنا کر کے دکھلا دو اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو، اور (ہم ساتھ ہی یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ) یہ لوگ ہرگز کبھی اس (موت) کی تمنا نہ کریں گے، بوجہ (خوف سزا) ان اعمال (کفریہ) کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کے حال) کی (جب مقدمہ کی تاریخ آئے گی فرد قرار داد جرم سنا کر سزا کا حکم کر دیا جائے گا۔ اور (وہ لوگ موت کی تمنا کیا خاک کرتے) آپ (تو) ان کو حیات (دنیویہ) کا حریص (اور عام) آدمیوں سے (بھی) بڑھ کر پائیں گے، اور (اوروں کا تو کیا ذکر حیرت تو یہ ہے کہ بعض) مشرکین سے بھی (بڑھ کر آپ ان کو حیات کا حریص دیکھیں گے، اور ان کی کیفیت یہ ہے کہ) ان میں کا ایک ایک (شخص) اس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے اور (بھلا بالفرض اگر اتنی عمر ہو بھی گئی تو کیا) یہ امر عذاب سے تو بچا نہیں سکتا، کہ (کسی کی بڑی) عمر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے سب پیش نظر ہیں ان کے اعمال (بد جس پر ان کو عذاب ہونے والا ہے)

فوائد: آیت: ۸۷: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید بواسطہ جبرئیل علیہ السلام کئی طریقوں سے ہوئی، بوقت ولادت مس شیطان سے حفاظت، ان کے دم سے حمل عیسیٰ قرا۔ پایا، یہود کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ انتہائی مخالفت کے باعث بغرض حفاظت حضرت جبرئیل علیہ السلام ساتھ ساتھ رہتے تھے، حتیٰ کہ ان کے ذریعہ آسمان پر اٹھوا لیے گئے۔

www.toobaaelibrary.com

یہود نے بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی، حضرت ذکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل بھی کیا۔

آیت: ۸۸: مذہب یہود اور اسلام میں بعض امور مشترک ہیں جیسے خدا اور قیامت کا قائل ہونا، مگر یہ نبوت محمدیہ اور قرآن کے منکر تھے لہٰذا ایمان پورا نہ تھا، یہ لغۃً ایمان تھا، شرعاً ایمان معتبر وہ ہے جو تمام امور واردفی الشرع کے یقین کے ساتھ ہو۔

آیت: ۸۹ تورات کا ماننے والا تو قرآن اور صاحب قرآن کی تکذیب کر ہی نہیں سکتا، ورنہ تورات کی تکذیب لازم آئے گی، کیونکہ تورات میں ان کے بارے میں پیشن گوئیاں موجود تھیں، اور یہ معلوم ہے کہ ایمان جاننے کے ساتھ ماننے کا نام ہے۔

آیت: ۹۰: غضب بالائے غضب یعنی ایک غضب کفر پر دوسرا حسد پر، عذاب مہین کفار کے ساتھ خاص ہے، مؤمن کے لیے برائے تطہیر ہوگا نہ کہ برائے ذلت۔

آیت: ۹۱: اس آیت سے یہود کا حسد مترشح ہوتا ہے، حالانکہ جب اور کتابوں کی حقانیت اور واقعیت دلیل قطعی سے ثابت ہے تو پھر وجہ انکار؟ نیز حضرات انبیاء کا قتل تو تمام کتب آسانی کی رو سے کفر ہے، پھر تمہارے گروہ کے لوگوں نے جو کئی نبیوں کو قتل کیا یہ تو براہ راست تورات کے ساتھ کفر ہے۔

آیت: ۹۲: اَلْبَیِّنٰتِ یعنی وہ دلائل جو تورات ملنے سے پہلے قائم ہو چکے تھے مثلاً عصا، ید بیضا، دریا کا پھٹنا وغیرہ۔

پیغمبر ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کے ساتھ تو گوسالہ کا معاملہ نہیں پیش آیا تھا مگر چونکہ یہ اپنے اجداد کے طرفدار رہتے تھے، اس لیے فی الجملہ رد میں یہ بھی شامل ہیں، یہ بات بھی نکلی کہ ان کے اسلاف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو اگر یہ پیغمبر علیہ السلام کے منکر ہوں تو کیا تعجب ہے؟۔

آیت: ۹۳: دریا شور پار ہو کر ان سے ایک کلمۂ کفر کا صدور ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ڈانٹ پھٹکار پر اگرچہ توبہ کر لی، مگر وہ توبہ ضعیف تھی جو گوسالہ پرستی کا سبب بن گئی، پھر اس کی توبہ میں بعضوں کو قتل ہونا پڑا، بہر حال ضعف توبہ یا کفر سے نفرت نہ ہونے کے آثار باقی رہنے سے دلوں میں دین سے سستی پیدا ہوئی جس سے اخذ میثاق میں کوہ طور کو ان پر معلق کرنے کی نوبت آئی۔

آیت: ۹۴-۹۵: اس آیت سے اور بعض دوسری آیتوں سے بعض یہود کا یہ دعویٰ کہ آخرت کی نعمتیں خاص ہمارا ہی حق ہیں، اس دعویٰ کے باطل کرنے کے لیے ایک خاص طریقہ ذکر کیا گیا، کہ زیادہ

www.toobaaelibrary.com

بحث ودلائل کی ضرورت نہیں آؤ صرف زبان سے یہ کہہ دو کہ "ہم موت کی تمنا کرتے ہیں" اگر تم سچے ہو، یہود کو پیغمبر علیہ السلام سے جس درجے کی عداوت تھی اس کے پیش نظر انھیں جوش میں آ کر یہ کلمات کہہ دینا چاہیے تھا مگر اپنی گمراہی اور کفر اور پیغمبر علیہ السلام اور مؤمنین کا حق پر ہونا خوب واضح تھا، یقین تھا کہ منہ سے نکالا کہ موت نے آ دبوچا، اور پھر سیدھے جہنم رسید ہوئے۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دل سے بھی تمنا نہ کر سکے، ورنہ زبان سے اس کا اظہار ضرور کرتے، اور یہ شبہ بھی نہ ہو کہ ممکن ہے تمنا تو کی ہو مگر اس کی شہرت نہ ہوئی ہو، کیونکہ معاندین ومخالفین ہمیشہ تعداد میں زیادہ رہے ہیں تو خود ہی اسے اچھالتے۔

آیت: ۹۶: مشرکین کے لیے تو دنیا ہی سب کچھ ہے وہ طول عمر کی تمنا کریں تو کریں، مگر یہود تو آخرت کے نہ صرف قائل بلکہ بزعم خود آخرت کی نعمتوں کے خود ہی مستحق بنتے تھے ان کا دنیا میں رہنے کو تمنا کرنا حیرت وتعجب کی بات ہے، اصل یہ ہے کہ جانتے تھے کہ ٹھکانہ جہنم ہے لہٰذا جب ہی تک بچے رہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى
وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَإِنَّ اللّٰهَ
عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ إِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝
أَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ
ظُهُوْرِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ
سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ
وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۚ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ
بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ
وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۟ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

(بعض یہود نے حضور ﷺ سے یہ سن کر کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے ہیں کہا کہ ان سے تو ہماری عداوت ہے، ہماری قوم پر واقعات ہائلہ اور احکامات شاقہ انہی کے ذریعے آتے رہے ہیں، میکائیل خوب ہیں کہ بارش اور

www.toobaaelibrary.com

رحمت ان کے متعلق ہے، اگر وہ وحی لایا کرتے تو ہم مان لیتے، اس پر حق تعالیٰ رد فرماتے ہیں کہ اے محمدؐ) آپؐ (ان سے) یہ کہیئے کہ جو شخص جبرئیلؑ سے عداوت رکھے (وہ جانے لیکن اس امر کو قرآن کے نہ ماننے میں کیا دخل؟ کیونکہ اس میں تو وہ سفیر محض ہیں) سو (سفارت کے طور پر) انھوں نے یہ قرآن پاک آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے (تو لانے والے کی خصوصیت کیوں دیکھی جاتی ہے؟ البتہ خود قرآن کو دیکھو کہ کیسا ہے سو) اس کی (خود) یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی (آسمانی) کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے (مصالح ضروریہ کی) خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو (اور کتب سماویہ کی یہی شان ہوتی ہے، پس قرآن ہر حال میں کتاب سماوی اور قابل اتباع ٹھیرا، پھر جبریل علیہ السلام کی عداوت سے اس کو نہ ماننا نری حماقت ہے، اب رہا خود مسئلہ عداوت جبریلؑ کا، سو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک خود اللہ تعالیٰ سے عداوت رکھنا یا اس کے دوسرے ملائکہ سے یا اس کے رسولوں سے، یا خود میکائیلؑ سے، جن کی دوستی کا دم بھرتے ہیں، ان سب سے عداوت رکھنا اور جبرئیلؑ سے عداوت رکھنا، یہ سب ہم پلّہ شمار کیے جاتے ہیں، اور ان سب عداوتوں کا قانون یہ ہے کہ) جو (کوئی) شخص خدا تعالیٰ کا دشمن ہو (تو) اور فرشتوں کا ہو (تو) اور پیغمبروں کا ہو (تو) اور جبریل کا (ہو تو) اور میکائیل کا (ہو) تو (ان سب کا وبال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ دشمن ہیں ایسے کافروں کا اور (بعض یہود نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ آپ پر کوئی ایسی دلیل واضح نازل نہ ہوئی جس کو ہم بھی جانتے پہچانتے، اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ تو ایک ہی واضح دلیل کو لیے پھرتے ہیں) ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائل واضحہ نازل کیے ہیں، (جن کو وہ بھی خوب جانتے پہچانتے ہیں، سو ان کو انکار نہ جاننے کی بناء پر نہیں، بلکہ یہ انکار عدول حکمی کی عادت کی وجہ سے ہے) اور (قاعدۂ کلیہ ہے کہ) کوئی انکار نہیں کیا کرتا (ایسے دلائل کا) مگر صرف وہ ہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں۔ (بعض یہود کو جو وہ عہد یاد دلایا گیا جو ان سے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے باب میں توراۃ میں لیا گیا تھا، تو انھوں نے خود عہد لینے سے صاف انکار کر دیا، اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ) کیا (اس عہد لینے سے ان کو انکار ہے) اور (ان کی تو یہ حالت ہے کہ انھوں نے اپنے مسلّم عہدوں کو بھی کبھی پورا نہیں کیا، بلکہ) جب کبھی بھی ان لوگوں نے (دین کے متعلق) کوئی عہد کیا ہوگا (ضرور) اس کو ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر دیا ہوگا، بلکہ ان (تعمیل عہد نہ کرنے والوں) میں زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے جو (سرے سے اس عہد کا) یقین

www.toobaaelibrary.com

ہی نہیں رکھتے (سو تعمیل نہ کرنا تو فسق تھا ہی، یہ یقین نہ کرنا اس سے بڑھ کر کفر ہے) (اس آیت میں ایک خاص عہد شکنی کا ذکر فرماتے ہیں، جس میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لانے میں کلام تھا، ارشاد ہوتا ہے) اور جب ان کے پاس ایک (عظیم الشان) پیغمبر آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو (رسول ہونے کے ساتھ تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے (یعنی توراۃ کی، کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی نبوت کی خبر ہے، تو اس حالت میں آپؐ پر ایمان لانا عین توراۃ پر عمل تھا، جس کو وہ بھی کتاب اللہ جانتے ہیں، مگر باوجود اس کے بھی) ان اہل کتاب میں کے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو (اس کے مضمون کا یا کتاب اللہ ہونے کا) گویا اصلاً علم ہی نہیں اور (یہودی ایسے بے عقل ہیں کہ) انھوں نے (کتاب اللہ کا تو اتباع نہ کیا اور) ایسی چیز کا (یعنی سحر و جادو کا) اتباع (اختیار) کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین، (یعنی خبیث جن) حضرت سلیمان علیہ السلام کے (عہد) سلطنت میں اور (بعضے بیوقوف جو حضرت سلیمان علیہ السلام پر گمانِ سحر رکھتے ہیں بالکل ہی لغو بات ہے، کیونکہ سحر تو اعتقاداً یا عملاً کفر ہے اور) حضرت سلیمان علیہ السلام نے (نعوذ باللہ کبھی) کفر نہیں کیا مگر (ہاں) شیاطین (یعنی خبیث جن بے شک) کفر (کی باتیں اور کام یعنی سحر) کیا کرتے تھے، اور حالت یہ تھی کہ (خود تو کرتے ہی اور آدمیوں کو بھی (اس) سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے (سو وہی سحر متوارث چلا آرہا ہے اس کا اتباع یہ یہودی کرتے ہیں) اور (اسی طرح) اس (سحر) کا بھی (یہ لوگ اتباع کرتے ہیں) جو کہ ان دونوں فرشتوں پر (ایک خاص حکمت کے واسطے) نازل کیا گیا تھا (جو شہر) بابل میں (رہتے تھے) جن کا نام ہاروت و ماروت تھا، اور وہ دونوں (وہ سحر) کسی کو نہ بتلاتے جب تک (احتیاطاً پہلے) یہ (نہ) کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی (لوگوں کے لیے) ایک امتحان (خداوندی) ہے (کہ ہماری زبان سے سحر پر مطلع ہو کر کون پھنستا ہے اور کون بچتا ہے) سو تو (اس پر مطلع ہو کر) کہیں کافر مت بن جائیو (کہ اس میں پھنس جاؤ) سو (بعضے) لوگ ان دونوں.... (فرشتوں) سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ سے (عمل کر کے) کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے اور (اس سے کوئی وہم اور خوف میں نہ پھنس جاوے کہ جادوگر جو چاہے کر سکتا ہے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ) یہ (ساحر) لوگ اس (سحر) کے ذریعہ سے کسی کو (ذرہ برابر) بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے (تقدیری) حکم سے اور (ایسا سحر حاصل کر کے بس) ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو (خود) ان کو

www.toobaaelibrary.com

(بوجہ گناہ کے) ضرر رساں ہیں اور (کسی معتد بہ درجہ میں) ان کو نافع نہیں ہیں (تو یہودی بھی اتباع سحر سے بڑے ضرر میں ہوں گے) اور (یہ بات کچھ ہمارے ہی کہنے کی نہیں بلکہ) ضرور یہ (یہودی) بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس (سحر) کو (کتاب اللہ کے عوض) اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ (باقی) نہیں، اور بے شک بُری ہے وہ چیز (یعنی جادو وکفر) جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں کاش ان کو (اتنی) عقل ہوتی، اور اگر وہ لوگ (بجائے اس کفر و بد عملی کے) ایمان اور تقویٰ (اختیار) کرتے تو خدا تعالیٰ کے یہاں کا معاوضہ (اس کفر و بد عملی سے ہزار درجے) بہتر تھا، کاش! (اتنی) عقل ہوتی۔

فائدہ: یہود نے حضور ﷺ سے یہ سن کر کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے ہیں کہا کہ ان سے تو ہماری عداوت ہے، ہماری قوم واقعات ہائلہ اور احکامات شاقہ انہی کے ذریعہ آتے رہے ہیں میکائیل خوب ہیں کہ بارش اور رحمت ان کے متعلق ہے، اگر یہ وحی لایا کرتے تو ہم مان لیتے۔

آیت: ۹۷: میں اسی کے متعلق ارشاد ہے، جبرئیل علیہ السلام تو سفیر محض ہیں، ان کی عداوت سے قرآن کو نہ ماننا نری حماقت ہے قرآن تو بہرحال آسمانی کتاب ہے، قابل اتباع ہے، باقی رہی بات جبرئیل علیہ السلام یا کسی فرشتے اور رسول سے عداوت کا مقابلہ، تو اللہ تعالیٰ خود ایسے کافروں کا دشمن ہے۔

آیت: ۹۸: میں یہی ارشاد ہے۔

آیت: ۹۹: یہود کا انکار لاعلمی کی بناء پر نہیں ہے بلکہ عدول حکمی تو ان کی عادت ہے، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر پر ایک دلیل نہیں بلکہ دلائل واضحہ نازل فرمائے ہیں۔

آیت: ۱۰۰: پیغمبرؐ پر ایمان کے عہد ہی سے سرے سے انکار کر دیا، عدم تعمیل تو فسق تھا، مگر یقین نہ کرنا تو کفر ہے، مگر بعضے ان عہود کو پورا بھی کرتے تھے اس لیے فَرِيقٌ مِّنْهُم فرمایا۔ آیت ۱۰۱ میں خاص عہد شکنی کا ذکر ہے۔

تلخیص معارف ومسائل

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ۔ یہ یہودی جادو کی نسبت جو اعتقادًا اور عملاً کفر ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے درمیان آیت میں ان کی براءت کر دی، جس علم پر عمل اور تدبر نہ ہو، جہل ہے اس لیے فرمایا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کاش ان کو علم و عقل ہوتی۔

جادو جس کا خاص طور پر بابل میں بہت چرچا تھا، اس کے عجیب وغریب اثرات دیکھ کر جاہلوں

www.toobaaelibrary.com

کے لیے اس کی حقیقت اور معجزات انبیاء میں اشتباہ ہونے لگا، جادوگروں کو مقدس اور قابل اتباع سمجھا جانے لگا، بعض جادو کو کار نیک سمجھ کر سیکھنے اور اس پر عمل کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے اس اشتباہ اور غلطی کے رفع کرنے کے لیے بابل میں دو فرشتے ہاروت ماروت نام کے بھیجے۔

فرشتوں نے بطور احتیاط اور بنظر اصلاح و تبلیغ یہ التزام کیا کہ سحر کے اصول وفروع بتانے سے پہلے یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ دیکھو ہمارے یہ بتانے اور سکھانے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی آزمائش بھی مقصود ہے کہ اس سے واقف ہو کر کون اپنے دین کی اصلاح کرتا ہے، اور کون خود اس میں مبتلا ہو جاتا ہے، چنانچہ بعض تو عہد کر کے اس پر قائم رہے، اور بعض عہد شکنی کر کے فاجر کافر بن گئے۔

اس فرض کی تکمیل کے بعد غالباً وہ فرشتے آسمان پر بلالئے گئے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال (بیان القرآن)

انبیاء کرام ایک حیثیت سے گویا جادوگروں کے مقابلے میں ایک فریق کا درجہ رکھتے تھے اور جادوگروں اور انبیاء کے درمیان فصل وامتیاز بھی مقصود تھا اس لیے فریقین کے علاوہ کوئی اور ثالث اور حکم ہونا چاہئے نیز نقل کفر، کفر نباشد کے مسلمہ قاعدہ کے مطابق جادو کے الفاظ کی نقل و حکایت انبیاء کرام بھی کر سکتے تھے مگر چونکہ انبیاء کرام مظہر ہدایت ہوتے تھے اس لیے ان سے یہ کام لینا مناسب نہ سمجھتے ہوئے فرشتوں کو اس کام کے لیے تجویز کیا گیا کیونکہ اس کارخانۂ تکوین میں خیر و شر ہر قسم کے کام فرشتوں سے لیے جاتے ہیں، البتہ کلیات شرعیہ سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ بھی اس مقصود کی تکمیل کر دی گئی۔

سحر کی حقیقت

سحر بکسر السین لغت میں یہ ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو (قاموس) اس کی اقسام بہت ہیں عرف عام میں عموماً جادو ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن میں جنات وشیاطین کے عمل کا دخل ہو، یا قوت خیالیہ مسمریزم کا یا کچھ کلمات والفاظ کا، کیونکہ یہ مسلم ہے کہ حروف وکلمات میں بھی بالخاصہ کچھ تاثیرات ہوتی ہیں ٹونا ٹوٹکا بھی جادو میں شامل ہے۔

اصطلاح قرآن وسنت میں سحر ہر ایسے امر عجیب کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو۔

سحر کے اقسام

ایک قسم محض نظر بندی اور تخیل ہے، جس کی کوئی واقعی حقیقت نہیں ہوتی، قرآن میں فرعونی ساحروں کا سحر اسی نوع کا ہے، سَحَرُوْا اَعْیُنَ النَّاسِ انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا" نیز یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ان کے سحر سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یہ آنے لگا کہ یہ رسیوں کے سانپ دوڑنے لگے۔

www.toobaaelibrary.com

اس تخیل ونظر بندی کی دوسری قسم وہ ہے جو شیاطین کے اثر سے ہوتی ہے جو اس ارشاد قرآنی سے معلوم ہوتی ہے۔ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ، تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۔ کیا میں تم کو بتلاؤں کس پر شیاطین اترا کرتے ہیں،؟ (سنو) ایسے شخصوں پر اترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار اور بدکردار ہوں، تیسری قسم یہ ہے کہ سحر کے ذریعہ شے کی حقیقت ہی بدل جائے، جیسے انسان کو پتھر بنا دینا وغیرہ، جمہور علماء کے نزدیک انقلاب اعیان ممکن ہے، اس امکان اور جواز میں حضرت کعب احبار کی اس روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو المؤطا (باب التعوذ عند النوم ص ۳۷۸) میں ہے، بہرحال سحر کی یہ تینوں قسمیں ممکن الوقوع ہیں۔

سحر اور معجزہ میں فرق

اصل حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں فرق یہ ہے کہ سحر سے ظاہر ہونے والے تمام آثار اسباب طبعیہ خفیہ کے ماتحت ہوتے ہیں کہ اسباب کے مخفی ہونے کے باعث لوگوں کو خرقِ عادت کا مغالطہ ہوجاتا ہے۔

معجزہ اسباب طبعیہ کے واسطہ کے بغیر براہ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جیسے آتش نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ایسی ٹھنڈی ہوئی کہ جس سے تکلیف بھی نہ ہو، سلامتی حاصل ہو، بدن پر دوا لگا کر آج بھی لوگ آگ میں چلے جاتے ہیں مگر یہ معجزہ نہیں، دواؤں کا اثر ہوتا ہے دواؤں کے مخفی ہونے سے خرق عادت کا دھوکہ ہوتا ہے، معجزہ بتصریح قرآنی ثابت ہے ارشاد ربانی ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اور آپ نے (خاک کی مٹھی) نہیں پھینکی، جس وقت آپ نے پھینکی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ (جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا)

ظاہری فرق یہ ہے کہ معجزہ یا کرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتی ہے جن کا تقویٰ طہارت، پاکیزگی اخلاق واعمال کا سب مشاہدہ کرتے ہیں، اس کے برعکس جادو کا اثر صرف ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو گندے، ناپاک اللہ کے نام اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں ہر انسان (اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دونوں میں فرق سمجھ سکتا ہے، نیز یہ بھی ہے کہ نبوت اور معجزہ کے دعویٰ کے ساتھ جادو چلتا نہیں، اس کے بغیر تو چل جاتا ہے۔

انبیاء پر جادو کا اثر

سحر چونکہ اسباب طبعیہ کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء بھی اسباب طبعیہ کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اس لیے جادو کا اثر ہوسکتا ہے، اور یہ تاثر شان نبوت کے منافی نہیں ہے، احادیث صحیحہ سے جادو کے اثرات ثابت ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام

www.toobaaelibrary.com

کا تاثر قرآن سے ثابت ہے جو ابھی اوپر گذرا۔

سحر کے احکام شرعیہ | جس سحر میں کوئی عمل کفر اختیار کیا گیا ہو جیسے شیاطین سے استغاثہ اور استمداد، یا کواکب کی تاثیر کو مستقل ماننا یا سحر کو معجزہ قرار دے کر اپنی نبوت کا دعویٰ کرنا وغیرہ یہ باجماع کفر ہے، اور جس میں یہ افعال کفر نہ ہوں مگر معاصی کا ارتکاب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

مسئلہ: اس کا سیکھنا سکھانا، اس پر عمل کرنا سب حرام ہے، البتہ اگر مسلمانوں سے دفع ضرر کے لیے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔ (شامی، عالم گیری)

مسئلہ: جس تعویذ اور گنڈے میں شیاطین سے استمداد کا احتمال ہو وہ بھی حرام ہے، سحر کی ہر وہ قسم جن میں کفر و شرک کا ارتکاب ہو حرام ہے۔

مسئلہ: اور اگر صرف قرآن وحدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لیے استعمال کریں تو وہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں، شامی)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مَا يَوَدُّ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ
مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ
أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِنْ
دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ
يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ
كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ
بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ
عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ
تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر | (بعض یہودیوں نے ایک شرارت ایجاد کی، کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں آکر لفظ راعنا سے آپ ؐ کو خطاب کرتے،

www.toobaaelibrary.com

جس کے معنی ان کی عبرانی زبان میں ایک بددعا کے ہیں، اور وہ اسی نیت سے کہتے تھے، مگر عربی زبان میں اس کے معنی "ہماری مصلحت کی رعایت فرمایئے" کے ہیں، اس لیے عربی داں اس شرارت کو نہ سمجھ سکتے تھے، اور اس اچھے معنی کے قصد سے بعضے مسلمان بھی حضور ﷺ کو اس کلمہ سے خطاب کرنے لگے، اس سے ان شریروں کو اور گنجائش ملی، آپس میں بیٹھ کر ہنستے تھے، کہ اب تک تو ہم ان کو خفیہ ہی بُرا کہتے تھے، اب علانیہ کہنے کی تدبیر ایسی ہاتھ آگئی کہ مُسلمان بھی اس میں شریک ہوگئے، حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے قطع کرنے کو مسلمانوں کو حکم دیا کہ) اے ایمان والو تم (لفظ) راعنا مت کہا کرو اور (اس کی جگہ لفظ) انظرنا کہہ دیا کرو (کیونکہ اس لفظ کے معنی اور راعنا کے معنی عربی زبان میں ایک ہی ہیں، راعنا کہنے میں یہودیوں کی شرارت چلتی ہے، اس لیے اس کو ترک کرکے دوسرا لفظ استعمال کرو،) اور (اس حکم کو اچھی طرح) سن لیجیو، (اور یاد رکھیو) اور (ان) کافروں کو (تو) سزائے دردناک ہو (ہی) گی (جو پیغمبر ﷺ کی شان میں ایسی گستاخی اور وہ بھی چالاکی کے ساتھ کرتے ہیں) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہود کا جو برتاؤ تھا، وہ اوپر کی آیت میں بیان کیا گیا، اب اس آیت میں یہود کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ (بعضے یہودی بعض مسلمانوں سے کہنے لگے کہ بخدا ہم دل سے تمہارے خیر خواہ ہیں، اور ہزار جان سے پسند کرتے ہیں کہ تم کو دینی احکام ہمارے دینی احکام سے بہتر عنایت ہوں تو ہم بھی ان کو قبول کریں، مگر کیا کیا جائے کہ تمہارا دین ہمارے دین سے اچھا ثابت نہیں ہوا، حق تعالیٰ اس دعویٰ خیر خواہی کی تکذیب فرماتے ہیں کہ) ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ (خواہ) ان اہل کتاب میں سے (ہوں) اور (خواہ) مشرکین میں ہے، اس امر کو کہ تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے کسی طرح کی بہتری (بھی) نصیب ہو اور (ان کے حسد سے کچھ بھی نہیں ہوتا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (وعنایت) کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرمالیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل (کرنے) والے ہیں۔ (تبدیل قبلہ کا واقعہ جب ہوا تو یہود نے اس پر طعن کیا، اور مشرکین بھی) بعض احکام کی منسوخی پر زبان طعن دراز کرتے تھے حق تعالیٰ ان کے طعن اور اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ) ہم کسی آیت کا جو حکم موقوف کردیتے ہیں (گو آیت قرآن میں یا ذہنوں میں باقی رہے) یا اس آیت (ہی) کو (ذہنوں سے) فراموش کردیتے ہیں تو (یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں، کیونکہ اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے، چنانچہ) ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل (بجائے اس کے دوسری چیز) لے آتے ہیں، (اے معترض) کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت

www.toobaaelibrary.com

رکھتے ہیں، (پس ایسے قادر کو مصالح کی رعایت کیا مشکل ہے اور) کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص انہی کی سلطنت آسمانوں اور زمین پر ہے، (جب ان کی اس قدرت و سلطنت میں کوئی شریک و سہیم نہیں ہے تو ان مصلحتوں کی رعایت کر کے دوسرا حکم دیدینے میں کون مزاحمت کر سکتا ہے، غرض حکم ثانی کی تجویز سے بھی کوئی مانع نہیں، اور اس حکم کے جاری کر دینے میں بھی کوئی مانع نہیں،) اور (یہ بھی سمجھ رکھو کہ) تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار بھی نہیں، (پس جب وہ یار ہیں تو احکام میں مصلحت کی ضرور رعایت کریں گے، اور جب مددگار ہیں تو ان احکام پر عمل کرنے کے وقت تمہارے مخالفین کی مزاحمت سے بھی ضرور محفوظ رکھیں گے البتہ اگر اس ضرر سے بڑھ کر کوئی نفع اخروی ملنے والا ہو تو ظاہراً مخالف کا مسلط ہو جانا اور بات ہے) (بعض یہود نے حضور ﷺ کی خدمت میں عناداً عرض کیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر ایک ہی دفعہ توراۃ نازل ہوئی اسی طرح آپ قرآن مجموعی طور پر لائیے، اس پر ارشاد ہوتا ہے کہ) ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول (وقت) سے (بیجا بیجا) درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل (تمہارے بزرگوں کی طرف سے حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے بھی (ایسی ایسی) درخواستیں کی جا چکی ہیں، (مثلاً خدا تعالیٰ کو اعلانیہ دیکھنے کی درخواست کی تھی، اور ایسی درخواستیں جن سے صرف رسولؐ پر اعتراض کرنا اور مصالح الٰہیہ میں مزاحمت کرنا ہی مقصود ہو، اور ایمان لانے کا پھر بھی ارادہ نہ ہو نری کفر کی باتیں ہیں، اور) جو شخص ایمان لانے کی بجائے کفر (کی باتیں) کرے، بلاشک وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا۔ (بعض یہود شب و روز مختلف تدبیروں سے دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، اور باوجود ناکامی کے اپنی دھن سے باز نہ آتے تھے، حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس پر متنبہ فرما دیا کہ) ان اہل کتاب (یعنی یہود) میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں، (اور یہ چاہنا کچھ خیر خواہی سے نہیں، جیسا کہ وہ اظہار کرتے ہیں، بلکہ) محض حسد کی وجہ سے جو کہ (تمہاری جانب سے کسی امر کے سبب پیدا نہیں ہوا، بلکہ) خود ان کے دلوں ہی سے (جوش مارتا) ہے، (اور یہ بھی نہیں کہ ان کو حق واضح نہ ہوا ہو، بلکہ) حق واضح ہوئے پیچھے (یہ حالت ہے، اب اس پر مسلمانوں کو ان پر غصہ آنے کا محل تھا، اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ خیر (اب تو) معاف کرو اور درگذر کرو جب تک حق تعالیٰ (اس معاملہ کے متعلق) اپنا حکم (قانون جدید) بھیجیں، (اشارۃً بتلا دیا کہ ان کی شرارتوں کا علاج قانون انتظام امن عام یعنی قتال و جزیہ سے ہم جلد کرنے والے ہیں، اس

www.toobaaelibrary.com

پر مسلمانوں کو اپنا ضعف اور ان کی قوت دیکھ کر اس قانون کے اجراء کے متعلق تعجب ہو سکتا تھا، اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ تم تعجب کیوں کرتے ہو) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر (خواہ وہ معمولی ہو خواہ عجیب ہو) قادر ہیں، اور (سردست صرف) نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور (جن پر زکوٰۃ فرض ہے) زکوٰۃ دیئے جاؤ، (اور جب وہ قانون آجائے گا ان اعمال صالحہ کے ساتھ اس کو بھی اضافہ کر لینا) اور (یہ سمجھو کہ جب تک جہاد کا حکم نہ آوے صرف نماز روزہ سے کچھ ثواب میں کمی رہے گی، نہیں، بلکہ) جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے جمع کرتے رہو گے، حق تعالیٰ کے پاس (پہنچ کر) اس کو (پورا پورا مع صلہ کے) پالو گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں، (ان میں کا ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہونے پائے گا) اور یہود نصاریٰ (یوں) کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پاوے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں (یہ تو یہود کا قول ہے) یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہوں (یہ نصاریٰ کا قول ہے، حق تعالیٰ ان کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ) یہ (خالی) دل بہلانے کی باتیں ہیں (اور حقیقت کچھ بھی نہیں) آپؐ (ان سے یہ تو) کہئے کہ (اچھا) اپنی دلیل لاؤ اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو، (سو وہ تو کیا دلیل لاویں گے، کیونکہ کوئی دلیل ہے ہی نہیں، اب ہم اس کے خلاف پہلے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ) ضرور دوسرے لوگ (بھی جنت میں) جاویں گے (پھر اس پر دلیل لاتے ہیں کہ ہمارا قانون جو باتفاق سماوی ملتوں کے ماننے والوں کے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے یہ ہے کہ) جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے (یعنی اعمال وعقائد میں فرمانبرداری اختیار کرے) اور (اس کے ساتھ) وہ مخلص بھی ہو (کہ فرمانبرداری دلی طور پر اختیار کی ہو، محض مصلحت سے ظاہرداری نہ ہو) تو ایسے شخص کو اس (کی فرمانبرداری) کا عوض ملتا ہے پروردگار کے پاس پہنچ کر، اور ایسے لوگوں پر (قیامت میں) نہ کوئی اندیشہ (ناک واقعہ پڑنے والا) ہے، اور نہ ایسے لوگ (اس روز) مغموم ہونے والے ہیں، (کیونکہ فرشتے ان کو بشارتیں سنا کر بےفکر کر دینگے)

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۰۴: بعضے یہودیوں نے ایک شرارت ایجاد کی کہ پیغمبر علیہ السلام کے حضور میں آکر رَاعِنَا سے آپ کو خطاب کرتے جس کے معنی ان کی عبرانی زبان میں بدی (بددعا کے) ہیں اور وہ اس نیت سے کہتے اور عربی میں اس کے معنی بہت اچھے ہیں (ہماری مصلحت کی رعایت فرمایئے) اور اس اچھے معنی کے قصد سے بعضے مسلمان بھی حضورؐ کو اس کلمہ سے خطاب کرنے لگے، اس سے ان شریروں کو اور

www.toobaaelibrary.com

گنجائش ملی کہ اب علانیہ بھی برا کہنے کی ایسی تدبیر ہاتھ آگئی کہ مسلمان بھی اس میں شریک ہو گئے، اس آیت میں اس گنجائش کو ختم کرنے کا حکم دیا معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز فعل سے دوسروں کے لیے ناجائز کاموں کی گنجائش نکل رہی ہو تو یہ جائز فعل بھی اس کے لیے جائز نہیں رہتا، بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو، اس کی مثال قرآن وسنت میں بہت ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر، بناء ابراہیمی کی تعمیر کے خلاف دیکھ کر پیغمبر علیہ السلام نے منہدم کر کے اس کے مطابق کر دینا چاہا مگر عوام کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کے خطرہ کے باعث ایسا نہیں کیا اصول فقہ میں ایسے احکام کو سدِ ذرائع کہتے ہیں (قرطبی)

آیت: ۱۰۵: یہودیوں کے دو دعوے تھے، اول یہودیت کا اسلام سے بہتر ہونا، مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، واضح طور پر غلط ہے کیوں کہ ناسخ کے آنے سے منسوخ متروک ہوتا جاتا ہے اس کا جواب یہاں نہیں ذکر کیا گیا، دوسرا دعویٰ خیر خواہی کا ہے اسی کی تکذیب اس آیت میں ہے، مشرکین کا ذکر مضمون کو مؤکد کرنے کے لیے ہے۔

آیت: ۱۰۶-۱۰۷: تحویل قبلہ پر یہود اور بعض احکام کی منسوخی پر مشرکین کے زبانِ طعن دراز کرنے پر ان کے اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، انکا نہ کوئی مزاحم ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مانع۔ جب وہ یار اور مددگار ہیں تو مصالح کی رعایت بھی ضرور کریں گے اور مزاحمت اور ضرر سے حفاظت بھی کریں گے۔

آیت مَا نَنْسَخْ میں نَسْخ کی ہر صورت کو جمع کر دیا ہے، نسخ کے معنی لغۃً زائل کرنا، لکھنا ہیں، یہاں مراد ہے کسی حکم کا زائل کرنا، اصطلاح کتاب وسنت میں نسخ ایک حکم کے بجائے کوئی دوسرا حکم جاری کرنے کو کہا جاتا ہے، خواہ دوسرا حکم یہ ہو کہ سابق حکم بالکل ختم کر دیا جائے یا یہ ہو کہ اس کی جگہ دوسرا عمل بتلایا جائے کسی حکم کی منسوخی اور اس کی جگہ دوسرے حکم کا اجراء دنیاوی اداروں اور حکومتوں میں معروف ہے مگر اس کی حقیقت میں فرق یہ ہے کہ انسانی احکام کی منسوخی کبھی غلط فہمی کے باعث ہوتا ہے، اور کبھی وقت اور حالات کا غلط اندازہ لگانے کے باعث ہوتا ہے، ایک تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے سے یہ معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے اور اس وقت اس موجودہ حکم کے بجائے دوسرا حکم دینا ہوگا اس طور پر نسخ اور تغیر احکام میں، ہوا، جیسا کہ ماہر اور حاذق حکیم دواؤں کی تجویز میں کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام میں نسخ کی یہی آخری صورت ممکن ہے اور یہی ہوتی رہی ہے، مسلم شریف کی

www.toobaaelibrary.com

روایت ہے: لم تکن نبوّۃ قطّ اِلّا تنا سخت، یعنی کبھی کوئی نبوت نہیں آئی جس نے احکام میں نسخ اور ردوبدل نہ کیا ہو۔

فرقۂ معتزلہ مخالفین کے اس اعتراض اور طعن سے بچنے کے لیے قرآن میں نسخ کے امکان کو تو مانتے ہیں مگر اس کے وقوع کا انکار کیا ہے (کما قال ابو مسلم اصفہانی) مگر علماء امت نے اصفہانی کا رد فرمایا ہے۔ (روح المعانی ج ۱ص ۳۵۲)

علم ناسخ والمنسوخ تفسیر قرآن کے لیے بیحد ضروری اور اہم ہے، اس کا انکار کرنے والا جاہل اور بے وقوف ہے، (قرطبی: ج: ۱، ص: ۵۵) حضرت علیؓ نے ایک ایسے ہی واعظ کو جو اس علم سے کورا تھا، وعظ گوئی سے منع فرمایا اور مسجد سے نکالدیا، نسخ کے وجود و وقوع سے متعلق صحابہ اور تابعین کے آثار و اقوال اتنے کثیر ہیں کہ یہاں کا نقل کرنا مشکل ہے۔

حضرات متقدمین کے نزدیک قرآن میں آیات منسوخہ پانچ سو تک شمار کی گئی ہیں، متاخرین نے جس جگہ تطبیق کو ناممکن دیکھا وہیں نسخ مانا اس طرح آیات منسوخہ کی تعداد بہت گھٹ گئی، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے صرف بیس آیات کو منسوخ قرار دیا، اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کر کے صرف پانچ آیتوں کو منسوخ فرمایا ہے جن میں کوئی تطبیق بغیر تاویل بعید کے ممکن نہیں تھی، یہ امر اس لحاظ سے تو مستحسن ہے کہ احکام میں اصل، بقاء حکم ہے، نسخ خلاف اصل ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسئلہ نسخ، اسلام یا قرآن پر کوئی عیب تھا جس کے ازالہ کی سعی چودہ سو برس تک چلتی رہی، اور اب اس کا انتظار ہو کہ کوئی جدید محقق ان پانچ کا بھی خاتمہ کردے (مولانا عبد الصمد رحمانیؒ نے اپنی کتاب ''قرآن محکم'' میں ان پانچ کو بھی ختم کر دیا ہے، فوَاجِعْہ (تلخیص کار) مسئلہ نسخ کی تحقیق میں ایسا رُخ اختیار کرنا اسلام اور قرآن کی کوئی صحیح خدمت نہیں ہے اور نہ ہی متقدمین کی تحقیقات کو اس سے دھویا جاسکتا ہے اور نہ مخالفین کی زبانِ طعن اس سے بند ہوسکتی ہے۔

اور اگر یہ دروازہ کھلا تو معاذ اللہ قرآن اور شریعت سے امن اٹھ جائے گا۔

صحابہ کرامؓ نے وقوع نسخ کو مان کر متعدد واقعات بھی شمار کرائے ہیں، (ابن کثیر، ابن جریر وغیرہ) اسی وجہ سے متقدمین اور متاخرین میں سے کسی نے وقوع نسخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا ہے، خود شاہ صاحب نے تطبیق کر کے تعداد تو ضرور کم بتلائی مگر انکار آپ بھی نہیں کرتے، اور بعد میں بھی بلا استثنا سبھی اکابر علماء دیوبند وقوع نسخ کو مانتے چلے آئے ہیں۔

www.toobaaelibrary.com

نسخ آیت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ آیت پیغمبر علیہ السلام اور تمام صحابہ کے ذہنوں سے بالکل بھلادی جائے مقصد یہی ہوتا ہے کہ آئندہ اس پر عمل کرانا مقصود نہیں۔

آیت: ۱۰۸: بعض یہود نے عناداً یہ عرض کیا کہ توراۃ کی طرح قرآن بھی آپ مجموعی طور پر یک دفعہ لائیے، اس درخواست کو اس لیے بیجا کہا گیا کہ ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کی الگ الگ مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں، اس میں کسی کو تعیین طریق کا کوئی حق نہیں، یہ بیجا درخواستیں یہ پہلے بھی کر چکے ہیں مثلاً علانیہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا وغیرہ۔

آیت: ۱۰۹-۱۱۰: بعض یہود شب و روز دوستی اور خیر خواہی کے پیرائے میں مسلمانوں کو حسد کی وجہ سے اسلام سے پھیرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے، مسلمانوں کو اس پر غصہ آنے کا محل تھا، ارشاد ہوا کہ اب تو ان سے درگذر کرو اور سردست صرف نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی پابندی سے کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے رہو گے اس کا پورا پورا صلہ پاؤ گے۔

اس وقت یہی مقتضا تھا، بعد میں جہاد کی آیات نازل فرما کر اپنے وعدے کو پورا فرمایا اور ناشائستہ لوگوں کے ساتھ حسب حیثیت ان کے فساد کے بدلے قتل یا جلا وطنی یا جزیہ پر عمل درآمد کیا گیا۔

آیت: ۱۱۱-۱۱۲: یہود و نصاریٰ کا یہ قول ہے کہ جنت کے مستحق صرف ہم ہیں، یہ میرا دعویٰ ہے، کیونکہ فرمانبرداروں کے لیے جنت ہے اور یہود و نصاریٰ حکم سابق جو منسوخ ہو چکا ہے اسی پر عامل ہیں، یہ نافرمانی ہے، جنت میں داخل ہونے والے تو نبوت و شریعت محمدیہ کو قبول کرنے والے لوگ ہیں، مخلصین کی (وَهُوَ مُحْسِنٌ) قید سے منافقین خارج ہو گئے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ
كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ
يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ
فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ
بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا
قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ
تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ

www.toobaaelibrary.com

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝
وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ
وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ
فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

حاصل استدلال کا یہ ہوا کہ جب یہ قانون مسلّم ہے تو اب صرف یہ دیکھ لو کہ یہ بات کس پر صادق آتی ہے سو ظاہر ہے کہ کسی حکم سابق کو منسوخ ہو جانے کے بعد اس پر عمل کرنے والا کسی بھی طور پر فرمانبردار نہیں کہلا سکتا، لہٰذا یہود و نصاریٰ فرمانبردار نہ ہوئے، بلکہ حکم ثانی پر عمل کرنا فرمانبرداری سمجھی جائے گی، اور یہ شان مسلمانوں کی ہے، کہ نبوت و شریعت محمدیہؐ کو قبول کر لیا، چنانچہ یہی جنت میں داخل ہونے والے شمار ہوئے اور مخلصین کی قید سے منافقین نکل گئے، کیونکہ وہ بھی شرعاً کفار ہی میں داخل اور مستحق جہنم ہیں) اور (ایک بار کچھ یہودی اور کچھ نصرانی جمع ہو کر مذہبی مباحثہ کرنے لگے تو یہود تو اپنے عقیدہ کے موافق نصاریٰ کے دین کو باطل بتاتے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے، مگر نصاریٰ بھی ضد و تعصب میں آ کر دین یہود کو بے اصل و باطل کہنے لگے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور توریت کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کرنے لگے، اللہ تعالیٰ اس قصہ کو نقل فرما کر بطور تردید فرماتے ہیں کہ) یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ (کا مذہب) کسی بنیاد پر (قائم) نہیں، (یعنی سرے سے غلط ہے) اور (اسی طرح) نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود (کا مذہب) کسی بنیاد پر (قائم) نہیں (یعنی سرے ہی سے غلط ہے) حالانکہ یہ سب (فریقین کے لوگ آسمانی) کتابیں (بھی) پڑھتے (پڑھاتے) ہیں (یعنی یہودی توریت کو اور عیسائی انجیل کو پڑھتے اور دیکھتے ہیں اور دونوں کتابوں میں دونوں رسولوں اور دونوں کتابوں کی تصدیق موجود ہے، جو کہ دونوں مذہبوں کی اصل بنیاد ہے، گو منسوخ ہو جانے کی بنا پر قابل عمل نہ ہو یہ اور بات ہے۔ اور اہل کتاب تو ایسے دعوے کرتے ہی تھے، ان کی دیکھا دیکھی مشرکین کو بھی جوش آیا اور اسی طرح سے یہ لوگ (بھی) جو کہ (محض) بے علم ہیں، ان (ہی اہل کتاب) کا قول دُہرانے لگے (کہ ان یہود و نصاریٰ سب کا دین بے بنیاد ہے، حق پر بس ہم ہی ہیں) سو (یہاں سب اپنی اپنی ہانک لیں) اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان (عملی) فیصلہ کر دیں

www.toobaaelibrary.com

گے، قیامت کے دن ان تمام مقدمات کا جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے، (اور وہ عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل باطل کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا، عملی فیصلہ کی قید اس لیے لگائی کہ قولی اور بُرہانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی ہو چکا ہے) (یہود تو قبلہ کا حکم بدلنے کے وقت طرح طرح کے اعتراض کر کے کم سمجھ لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرتے تھے، اگر وہ شبہات عام طور پر قلوب میں اثر کرتے تو ان کا لازمی نتیجہ انکار رسالت اور ترک نماز نکلتا، اور ترک نماز سے مسجد کی ویرانی لازم ہے، تو گویا یہ یہودی اس طور سے ترک نماز اور ویرانی مساجد خصوصاً مسجد نبوی میں بھی کوشاں تھے، اور روم کے بعض سلاطین جو نصاریٰ کے اسلاف تھے، اور نصاریٰ ان کے افعال کا انکار بھی نہ کرتے تھے، گو وہ نصرانی ہوں، کسی زمانے میں یہودی شام پر چڑھ آئے تھے، قتل وقتال بھی ہوا، اور اس وقت بعض جہلاء کے ہاتھ سے مسجد بیت المقدس کی بے حرمتی بھی ہوئی، اور بد امنی کی وجہ سے اس میں نماز وغیرہ کا اہتمام بھی نہ ہوا، اس طور پر نصاریٰ کے اسلاف ترک نماز اور ویرانی مسجد کے بانی ہوئے، اور نصاریٰ پر بوجہ عدم انکار اس کا الزام دیا گیا، اس بادشاہ کا نام طیطلس تھا، اور نصاریٰ کو یہ قصہ اس لیے ناگوار نہ تھا کہ اس میں یہودیوں کی تذلیل ہوئی تھی، اور یہ یہود سے عداوت رکھتے تھے، اور جناب رسول اللہ نے فتح مکہ سے پہلے جب مکہ معظمہ میں داخل ہو کر مسجد الحرام کا طواف اور نماز ادا فرمانی چاہی تو مشرکین مکہ نے آپ کو نہ جانے دیا، یہاں تک کہ آپؐ اس سال واپس تشریف لے آئے، تو اس طرح یہ مشرکین بھی مسجد حرام کی ویرانی میں کوشاں ہوئے، اس لیے حق تعالیٰ نے صیغۂ عموم سے اس کی قباحت اور برائی ظاہر فرمائی، یعنی) اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں (جس میں مکہ کی مسجد حرام، مدینہ کی مسجد، بیت المقدس کی مسجد اور سب مسجدیں آ گئیں) ان کا ذکر (اور عبادت) کئے جانے سے بندش کرے، اور ان (مساجد) کے ویران (اور معطل) ہونے (کے بارے) میں کوشش کرے، ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت (اور بیباک) ہو کر ان (مساجد) میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا، (بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت وحرمت وادب سے جاتے جب بیباک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اس کی ہتک حرمت کا حق کب حاصل ہے، اسی کو ظلم فرمایا گیا) ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی (نصیب) ہوگی، اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔ (یہود نے تبدیل قبلہ کے حکم پر اعتراض کیا تھا کہ مسلمان اس جہت سے دوسری جہت کی طرف کیوں پھر گئے، اس کا اجواب حق تعالیٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں، یعنی) اور اللہ ہی کی مملوک ہیں (سب جہتیں) مشرق

www.toobaaelibrary.com

بھی اور مغرب بھی (اور وہ اس کا مکان نہیں) پس جب وہ مالک ہیں جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کردیں، کیونکہ حکمت تعیین قبلہ میں مثلاً عابدین کا اتفاق ہیئت اور اجتماع خاطر ہے، اور یہ حکمت ہر جہت سے حاصل ہوسکتی ہے، جس کا حکم دیدیں وہی متعین ہو جائے گی، ہاں البتہ اگر معبود کی ذات نعوذ باللہ کسی جہت خاص کے ساتھ مقید ہوتی تو ضرورت کی وجہ سے اسی جہت میں قبلہ عبادت بننے کا انحصار ہوجاتا، لیکن وہ ذات پاک کسی جہت کے ساتھ مقید و محدود نہیں جب یہ بات ہے) تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر (ہی) اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک) کا رُخ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ (خود تمام جہات اور اشیاء کو) محیط ہیں (جس طرح کا حاطہ ان کی شان کے لائق ہے، لیکن باوجود محیط و غیر محدود ہونے کے پھر بھی جہت عبادت کو متعین اس لیے فرمایا کہ وہ) کامل العلم ہیں، (کہ ہر شے کے مصالح کو خوب جانتے ہیں، چونکہ ان کے علم میں یہ تعیین بعض مصالح سے تھی، اس لیے اس کا حکم دیدیا، بعض یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اور مشرکین عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں، جیسا مختلف آیات میں ان اقوال کی خبر دی گئی ہے، حق تعالیٰ اس قول کی قباحت اور بطلان کا بیان فرماتے ہیں، یعنی) اور یہ لوگ (مختلف عنوان سے) کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ (کیا مہمل بات ہے) بلکہ (ان کے تو اولاد ہونا عقلاً ممکن نہیں، کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو اولاد وہ غیر جنس ہوگی اور یا ہم جنس ہوگی، اگر غیر جنس ہو تب تو نا جنس اولاد ہونا عیب ہے، اور حق تعالیٰ عیب سے پاک ہیں، عقلاً بھی جیسا مسلّم ہے، اور نقلاً بھی جیسا سبحانہ مذکور کا بھی مدلول ہے، اور اگر ہم جنس ہو تو اس لیے باطل ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی، ہم جنس نہیں، کیونکہ جو صفات کمال لوازم ذات واجبہ سے ہیں وہ اللہ کے ساتھ مخصوص ... اور غیر اللہ میں معدوم ہیں، اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کی دلیل ہے، اس لیے غیر اللہ ذات واجب نہ ہوگا، اور وجوب خود عین حقیقت یا لازم حقیقت ہے، پس کوئی غیر اللہ، اللہ کے ساتھ حقیقت میں شریک نہ ہوا، لہٰذا ہم جنس ہونا بھی باطل ہوگیا، اب صفات کمال صرف حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مختص ہونے کی دلیلیں مذکور ہوتی ہیں، اوّل یہ کہ) خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں، جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں (موجودات) ہیں (اور دوسرے یہ کہ مملوک ہونے کے ساتھ) سب ان کے محکوم (بھی) ہیں (بایں معنی کہ ان کے تصرفات قدرت جیسے مارنا، جلانا وغیرہ کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، گو احکام شرعیہ کو کوئی ٹال دے، اور تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ) موجد (بھی) ہیں آسمانوں اور زمین کے اور (چوتھے یہ کہ ایجاد کی بھی قدرت ایسی عظیم و عجیب ہے کہ) جب کسی کام کا (مثلاً پیدا کرنا ہی ہے) پورا

www.toobaaelibrary.com

کرنا چاہتے ہیں تو بس (اتنی بات ہے کہ) اس کو (اتنا) فرمادیتے ہیں کہ ہو جا، بس وہ (اسی طرح) ہو جاتا ہے، (ان کو آلات واسباب اور صناعوں اور معینوں کی ضرورت نہیں پڑتی، اور یہ چاروں امر بجز حق تعالیٰ کے کسی میں نہیں پائے جاتے، اور یہ مدّعیان اولاد کے بھی مسلمات سے تھا پس دلیل سے مقدمۂ اختصاص بھی ثابت ہو کر حجت تمام ہوگئی) اور (بعضے) جاہل (یہود و نصاریٰ اور مشرکین رسول اللہؐ کے مقابلہ میں) یوں کہتے ہیں کہ (خود) اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتے (خواہ فرشتوں کے بغیر، جیسے خود فرشتوں سے کلام فرماتے ہیں، یا فرشتوں کے واسطے سے، جیسے پیغمبروں سے بطور وحی بات کر تے ہیں، اور اس کلام میں یا تو خود ہم کو احکام بتادیں، کہ دوسرے رسول کی ہم کو ضرورت ہی نہ رہے، یا کم از کم اتنا ہی کہہ دیں کہ محمدؐ رسول ہیں، تو ہم ان کی ہی رسالت کے قائل ہو کر ان کی اطاعت کرنے لگیں یا (کلام نہیں کرتے تو) ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل (ثبوت رسالت کی) آجائے (حق تعالیٰ اوّلاً اس بات کا جاہلانہ رسم ہونا بتلاتے ہیں کہ) اس طرح وہ (جاہل) لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں، جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں، ان ہی کا سا (جاہلانہ) قول (سو معلوم ہوا کہ یہ قول کوئی باوقعت اور باریک بینی پر مبنی نہیں، یوں ہی ہانک دیا جاتا ہے، پھر ثانیاً اس قول کا منشار اور سبب بیان فرماتے ہیں کہ) ان سب (اگلے پچھلے جاہلوں) کے قلوب (کج فہمی میں) باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں (اس لیے سب سے بات بھی ایک ہی سی پیدا ہوئی پھر ثالثاً اس قول کا جواب دیتے ہیں، اور چونکہ اس قول کا جزو اوّل حماقت محض تھا، کہ اپنے کو اس لیاقت پر ہم پلۂ ملائکہ اور انبیاء کا بنانا چاہتے تھے، جو بالکل ہی بدیہی البطلان ہے، اس لیے اس احمقانہ بات کو نظر انداز کر کے صرف دوسرے جز کا جواب ارشاد ہوتا ہے کہ تم تو ایک دلیل کو لیے پھرتے ہو) ہم نے تو بہت سی دلیلیں (رسالت محمدیہؐ کے ثبوت میں) صاف صاف بیان کردی ہیں (مگر وہ) ان لوگوں کے لیے (نافع و کافی ہو سکتی ہیں) جو یقین (اور اطمینان حاصل کرنا) چاہتے ہیں (اور چونکہ معترضین کو محض ضد اور کد ہی مقصود ہے اس لیے حق طلبی کی نظر سے ان کو تحقیق ہی منظور نہیں، سوایسوں کو تسلی و تشفی کا کون ذمہ دار بنے)۔ (چونکہ رسول اکرم ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین کا تقاضا یہ ہو سکتا تھا کہ آپؐ کو اس جہالت اور عناد کی بدولت دل تنگی پیش آتی، اور ان کے ایمان نہ لانے کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آنے کے سبب آپؐ ملول و آزردہ خاطر ہو جاتے، اس لیے اللہ تعالیٰ آپؐ کی تسلی کے لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے رسولؐ) ہم نے آپؐ کو ایک سچا دین دے کر (خلق کی طرف) بھیجا ہے کہ (ماننے والوں کو) خوش خبری سناتے رہیے اور (نہ ماننے والوں کو سزا سے)

www.toobaaelibrary.com

ڈراتے رہئے، اور آپؐ سے دوزخ میں جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی، (کہ ان لوگوں نے کیوں نہیں قبول کیا، اور کیوں دوزخ میں گئے، آپ اپنا کام کرتے رہئے، آپؐ کو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی کوئی فکر نہیں کرنی چاہئے) اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپؐ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاریٰ، جب تک کہ آپؐ (خدا نخواستہ) ان کے مذہب کے (بالکل) پیرو نہ ہو جائیں (اور یہ محال ہے، پس ان کا راضی ہونا محال ہے، اور اگر کبھی اس قسم کی بات ان کی زبان یا حال سے مترشح ہو تو) آپ (صاف) کہہ دیجئے کہ (بھائی) حقیقت میں ہدایت کا تو وہی راستہ ہے جس کو خدا نے (ہدایت کا راستہ) بتلایا ہے، (اور دلائل سے ایسا راستہ صرف اسلام ہونا ثابت ہو چکا ہے، پس راہ ہدایت وہی رہا) اور (یہ امر کہ آپؐ نعوذ باللہ ان کے مذہب کے پیرو ہو جائیں محال اس لیے ہے کہ اس سے ایک محال لازم آتا ہے، کیونکہ) اگر آپؐ ان کے غلط خیالات کا اتباع کرنے لگیں (جس کو وہ اپنا مذہب سمجھتے ہیں مگر کچھ تحریف سے اور کچھ منسوخ ہو جانے سے اب وہ محض چند غلط خیالات کا مجموعہ رہ گیا ہے، اور پھر اتباع بھی کیسی حالت میں کہ) علم (قطعی ثابت بالوحی) آ چکنے کے بعد تو (ایسی حالت میں تو) آپؐ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار نکلے نہ مددگار (بلکہ توبہ توبہ نتیجہ قہر میں گرفتار ہو جانا لازم آوے، اور یہ لازم محال ہے، کیونکہ دلائل قطعیہ سے دوام رضائے حق تعالیٰ آپؐ سے ثابت ہے، پس غضب محال ہے، اور اتباع مذکور سے یہ لازم آیا تھا، اس لیے اتباع مذکور بھی محال اور بدون اتباع کے ان کا راضی ہونا غیر ممکن، تو ایسے امر کی امید کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، اس لیے اس سے دل کو خالی کر لینا چاہئے اس آیت سے پہلے کی آیت میں معاندین اہل کتاب کا ذکر اور جانشین کے ایمان سے کلی مایوسی کا بیان تھا، اس کے بعد حسب عادت قرآن انصاف پسند اہل کتاب کا بیان ہے، جنھوں نے حق واضح ہو جانے کے بعد جناب رسول مقبولؐ کی تصدیق کی، اور آپؐ کا اتباع اختیار کر لیا، پس ارشاد ہے) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات وانجیل) دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت (اس طرح) کرتے رہے جس طرح تلاوت کا حق ہے، (کہ قوت علمیہ کو فہم مضامین میں صرف کیا، اور قوت ارادیہ کو عزم اتباع حق میں استعمال کیا) ایسے لوگ (البتہ آپؐ کے) اس (دین حق اور علم وحی) پر ایمان لے آتے ہیں، اور جو شخص نہ مانے گا (کس کا نقصان کرے گا) خود ہی ایسے لوگ خسارہ میں رہیں گے (کہ ایمان پر جو ثمرات عطا ہوتے ہیں ان سے محروم رہیں گے)

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۱۳: اس میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلافات، ایک دوسرے پر رد کا ذکر فرما کر

www.toobaaelibrary.com

ان کی نادانی اور اس اختلاف کے مضر اثرات کا بیان، پھر اصل حقیقت کا اظہار فرمایا، مذہب کی اصل حقیقت کو فراموش کر کے مذہب کے نام پر انہوں نے قومیت بنائی تھی اور ہر ایک اپنی ہی قوم کے جنتی ہونے اور اپنے سوا تمام اقوام عالم کے جہنمی اور گمراہ ہونے کا معتقد تھا، اس کے نتیجے میں مشرکین کو بھی یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ یہ دونوں بے اصل و بے بنیاد، پس حق و صحیح ہماری بت پرستی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محض مذہب کے نام کی قومیت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں جنت میں جانے کے اصل سبب سے غافل ہیں، کوئی بھی مذہب ہو سب کی اصل روح دو چیزیں ہیں، (۱) بندہ دل و جان سے خود کو خدا کے سپرد کر کے مکمل اطاعت کو اپنا عقیدہ و مذہب سمجھے، اور (۲) اطاعت و امتثال امر کے طریقے بھی پیغمبر کے بتائے اور متعین کئے ہوئے ہی کو اختیار کرے، اسی کو بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ اور وَھُوَ مُحْسِنٌ میں واضح کیا گیا ہے۔

فَاللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ یعنی عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ اہل حق کو جنت اور اہل باطل کو جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔

قرآن میں اس اختلاف اور فیصلہ کا ذکر مسلمانوں کو سنانے اور متنبہ کرنے کے لیے ہے کہ کہیں وہ اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ ہم تو پشتینی مسلمان ہیں، نسلی مسلمان ہو یا یہودی و نصرانی، اللہ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے (سنت کے طریق پر عمل کی درستگی)

مگر افسوس کہ قرآن کی اس واضح تنبیہ کے باوجود بہت سے مسلمان اسی یہودی اور نصرانی غلطی کا شکار ہو گئے، اور فلاح دارین کے وہ وعدے جو قرآن و حدیث میں کئے گئے ہیں جب وہ وعدے پورے ہوتے نظر نہیں آتے تو قرآن و حدیث کے وعدوں میں شک کرنے لگے یہ نہیں دیکھتے کہ یہ وعدے نسلی نہیں اصلی مسلمانوں کے لیے کئے گئے ہیں جب آنوے کا آنواں ہی بگڑا ہوا ہے، اور وضع میں ہم نصاریٰ اور تمدن میں یہود بنے ہوئے ہیں بلکہ ہمیں دیکھ کر تو یہود بھی شرمائیں، بایں صورت حال ہمیں کیا حق ہے کہ ان موعود نعماءِ دارین کا انتظار کریں۔

اب رہا یہ سوال کہ ہم کچھ بھی سہی، اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام لیوا تو ہیں، اور کفار تو کھلے باغی ہیں مگر یہ ہر طرح پھل پھول رہے ہیں انھیں تو بہرحال سزا ملنی چاہئے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ دوست اور دشمن کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں ہوا کرتا، مسلمان جب تک اسلام کا دم بھرتا ہے دوستوں کی فہرست میں داخل ہے اس کے برے اعمال کی سزا عموماً دنیا ہی میں دیدی جاتی ہے، تاکہ آخرت کا بار ہلکا ہو جائے، بخلاف کافر کے کہ دنیا کی ہلکی سزاؤں سے انکا بار عذاب ہلکا نہیں کیا جاتا، انھیں یک لخت عذاب میں پکڑا جائے گا، ارشاد رسالت پناہ کا یہی مطلب ہے کہ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔

www.toobaaelibrary.com

پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کا جداگانہ خاصہ رکھا ہے، کفار کی ترقی، اور مسلمان کے تنزل کا سبب ان کا کفر و اسلام نہیں ہے بلکہ کفار نے تجارت صنعت زراعت اور حکومت کے مفید راستوں کو اختیار کیا تھیں ترقی مل گئی، صرف مذہب کا نام لے کر بیٹھ رہتے تو ہماری طرح وہ بھی ملک و دولت سے دور ہی رہتے، اور یہ بھی واضح رہے کہ صحیح ایمان و اسلام کا خاصہ اور نتیجہ نجات آخرت اور جنت کی دائمی راحت ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ ہم نے اغیار کے اختلاط سے ان کا کفر، آخرت سے غفلت، بے حیائی اور بداخلاقی تو سیکھی مگر دنیا میں کامیابی اور ترقی کے اعمال اور طریقے نہ سیکھے تو پھر قصور ہمارا ہے یا اسلام کا؟

آیت ۱۱۴: مساجد خصوصاً تحویل قبلہ کے حکم پر یہود کے اعتراض کا لازمی نتیجہ انکار رسالت اور ترک نماز نکلتا اور ترک نماز سے مسجد کی ویرانی لازم آتی اس طرح گویا یہودی مسجد نبوی کی ویرانی میں کوشاں تھے۔

زمانۂ اسلام سے قبل یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تھا، روم کے نصاریٰ نے ان سے انتقام لینے کی غرض سے عراق کے ایک مجوسی بادشاہ (بخت نصر مگر معروف بخت نصر نہیں) کی مدد سے اپنے بادشاہ طیطوس کی سرکردگی میں شام کے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ان کو قتل و غارت کیا، توراۃ کے نسخے جلا ڈالے بیت المقدس کی انتہائی بے حرمتی کی، عمارت کو خراب و ویران کیا، پیغمبر علیہ السلام کے عہد تک بیت المقدس اسی طرح ویران و منہدم پڑا رہا، رومی نصاریٰ کی اس گستاخ حرکت پر یہ آیت نازل ہوئی، (حضرت ابن عباسؓ) اور حضرت ابن زید وغیرہ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے وقت مسجد حرام میں داخلے اور طواف سے مشرکین نے روک دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے پہلی روایت کو اور ابن کثیر نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے، بہرحال قرآن نے اسے عام لفظوں میں ایک مستقل ضابطہ اور قانون کے انداز میں بیان کیا ہے تاکہ تمام اقوام عالم کے لیے عام رہے اسی لیے عام لفظ "مَسٰجِدَ اللّٰہِ" فرما کر تمام مساجد پر اس حکم کو عام کر دیا گیا، کہ جو شخص کسی بھی مسجد کی ویرانی کا باعث بنے وہ بہت بڑا ظالم ہے۔

ویرانی مساجد میں کوشاں گروہ کی دنیا میں تو یہ رسوائی ہوئی کہ یہ ساری قومیں اسلامی سلطنت کی رعایا اور باج گذار ہوئیں، اور عذاب آخرت تو کفر کے باعث ظاہر ہے، اور ویرانی مساجد سے تو یہ عذاب اور شدید ہوگا، بہرحال ایسے افعال کر کے صاحب حق ہونے کا دعویٰ، بڑے شرم کی بات ہے۔

تعیین جہت سے "کعبہ پرستی" کا اعتراض غلط ہے، عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن عبادت کے وقت قلب کی یکسوئی ضروری ہے نیز عابدین کی ہیئت اجتماعیہ کو بھی اس یکسوئی میں دخل ہے اس لیے

www.toobaaelibrary.com

تعیین جہت مشروع ہوئی، اور اس تعیین وتحدید کے لیے غیر منسوخ شریعت کا حکم پیش کرنا ضروری ہے، اور یہ اہل اسلام کے سوا بجز دوسروں کے پاس مفقود ہے۔

احکام خداوندی میں حکمتوں اور مصلحتوں کا کوئی استیعاب نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس کی صفات کی حقیقت فہم سے خارج ہے، ان میں زیادہ کھود کرید نہ کرنی چاہئے، سب پر ایمان لانے والے کا انسان مکلف ہے۔

مساجد میں عظمت اور خشوع وخضوع کے ساتھ داخل ہونا چاہئے، آداب مساجد کے لحاظ سے دنیا کی ساری مساجد برابر ہیں کسی بھی مسجد کی بے حرمتی کا ایک ہی حکم ہے، ان مساجد ثلاثہ یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس کی بزرگی اور عظمت خاص ہے، ان کے علاوہ اور کسی مسجد میں نماز کے لیے افضل جان کر دور دراز سے سفر کر کے آنے کو پیغمبر علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔

مسجد میں شور شغب، اس کے قریب باجا گاجے بجا کر ذکر ونماز وغیرہ خلل ڈالنا یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے، اسی طرح اوقات نماز میں جب کہ لوگ اپنی نوافل یا تسبیح وتلاوت میں مشغول ہوں بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر بھی خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے ذکر کو روکنے کی صورت ہے، یہ بھی ممنوع ہے، اسی طرح نماز وتسبیح میں مشغولی کے وقت مسجد میں سوال کرنا یا چندہ کرنا ممنوع ہے۔ یہ بھی مسجد کی ویرانی میں داخل ہے کہ لوگ نماز کے لیے نہ آئیں یا کم ہو جائیں، مسجد کی آبادی اصل ذکر الٰہی کرنے والوں سے ہے کہ در ودیوار کے نقش ونگار سے ارشاد ربانی ہے، اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِا للّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ا مسجد میں حاضر ہونے والے نمازی کا کم ہونا اور ظاہری نقش ونگار اور تزئین قرب قیامت کی علامت بتائی گئی ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں شرافت وانسانیت کے چھ کام ہیں، تین حضر کے، تین سفر کے، حضر کے تین یہ ہیں تلاوت قرآن، مسجدوں کو آباد کرنا، دینی کاموں میں مددگار دوستوں کی جمعیت بنانا، سفر کے تین کام، اپنے توشہ سے غریب ساتھیوں پر خرچ کرنا، حسن خلق سے پیش آنا، رفقاء سفر کے ساتھ خوش طبعی کا طرز عمل رکھنا۔

آیت: ۱۱۵: اس آیت میں پیغمبر علیہ السلام اور صحابۂ کرام کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر چہ آپ کو مکہ اور بیت اللہ سے ہجرت کرنا پڑا اور سولہ سترہ ماہ آپ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا لیکن اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں اور نہ ہی غم کی کوئی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہیں، اس

www.toobaaelibrary.com

کے لیے تمام جہات یکساں ہیں، کعبہ ہو یا بیت المقدس کسی کی کوئی ذاتی خصوصیت نہیں ہے بلکہ امر الٰہی کی تعمیل ہی دونوں جگہ سبب فضیلت ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی خاص سمت یا جگہ کی کے ساتھ مقید نہیں تو اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ ہر شخص کو اختیار ہو کہ جس طرف چاہے رخ کر کے نماز پڑھے بایں صورت ایک تشتت اور افتراق کا منظر نظر آئے گا، دوسرے یہ کہ سب کے لیے کوئی خاص سمت متعین کر دی جائے، اس صورت میں تنظیم واتحاد کا عملی سبق ملتا ہے ان حکمتوں کی بناء پر سارے عالم کا قبلہ ایک ہی چیز کو بنانا زیادہ مناسب ہے۔

سفر میں کوئی شخص کسی سواری مثلاً اونٹ گھوڑے وغیرہ پر سوار ہو تو اس کو اجازت ہے کہ سواری پر بیٹھے ہوئے اشارے سے جس طرف سوری چل رہی ہے اس طرف رخ کر لینا کافی ہے (ایسی سواری مراد ہے جن پر قبلہ رخ ہونا دشوار ہے)

نماز کی حالت میں ریل یا جہاز کا رُخ مڑ جائے اور نمازی کے لیے گنجائش نہ ہو کہ وہ بھی قبلہ رخ پھر جائے تو اسی حالت میں نماز پوری کر لے۔

آیت: ۱۱۶: اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا عقلاً بھی محال ہے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، ایک یہ کہ اولاد غیر جنس سے ہوگی تو یہ خود ایک عیب ہے اور اللہ تعالیٰ تمام عیوب سے پاک ہیں، دوسرے یہ اولاد کو ہم جنس ماننا باطل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں کیونکہ تمام صفات کمالیہ اللہ ہی کے ساتھ لازم اور خاص ہیں، غیر اللہ میں معدوم ہیں، اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کی دلیل ہے۔

آیت: ۱۱۷: خاص خاص امور کے لیے خاص ملائکہ کا مقرر کیا جانا حکمت خداوندی پر مبنی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کسی معین کا محتاج نہیں۔

آیت: ۱۱۸: ان جاہلوں کی یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ خود کو لیاقت میں ملائکہ اور انبیاء کا ہم پلہ بنانا چاہئے تھے اور دلائل کی کثرت ہوتے ہوئے انکار کیے جانا جہالت نہیں تو کیا ہے۔

آیت: ۱۱۹: پیغمبر علیہ السلام کی تسلی کے لیے ارشاد ہوا کہ آپ ان کی جہالت اور عناد اور ان کے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے آزردہ خاطر نہ ہوں، جہنم میں جانے والوں کی باز پرس آپ سے نہ ہوگی، آپ بس اپنا کام کرتے رہئے۔

آیت: ۱۲۰: مَالَكَ الخ یعنی آپ کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ نتیجۂ قہر میں گرفتار ہو جانا لازم آوے گا، مگر یہ لازم محال ہے، کیونکہ دلائل قطعیہ سے دوام رضائے حق تعالیٰ آپ ؐ سے ثابت ہے لہٰذا

www.toobaaelibrary.com

غضب محال ہے، اور اتباع مذکور سے یہ لازم آیا تھا لہٰذا اتباع مذکور بھی محال، اور بغیر اتباع کے اس کا راضی ہونا غیر ممکن نہیں تو ایسے امر کی امید کرنے کی گنجائش نہیں، اس لیے اس سے دل کو خالی کر لینا چاہیے۔

آیت: ۱۲۱: يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ یعنی قوت علمیہ کو فہم مضامین میں صرف کرتے ہیں اور قوت ارادیہ کو عزم اتباع حق میں استعمال کرتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا
يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ
يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَـمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ
وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ
لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ
اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى
عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠
وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اوپر کی آیت تک بنی اسرائیل کے متعلق جن خاص مضامین کا بیان کرنا مقصود تھا وہ تو ختم ہوئے، اب ان مضامین کی ابتدائی تمہید جس کے اجمال کے یہ سارے مضامین تفصیل تھے، اس کو دوبارہ پھر بیان کرتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ تمہید کا مضمونِ خاص یعنی ترغیب کے لیے انعام عام وخاص کا یاد دلانا، اور ترہیب کے لیے قیامت کو پیش نظر کر دینا بوجہ تکرار خوب ذہن نشین ہو جائے، کیونکہ مقصودِ اعظم کلیات ہوتے ہیں، جن کا خود استحضار ان کے اختصار کی وجہ سے سہل اور آسان ہوتا ہے، اور بوجہ جامعیت اور انطباق کے ان کے ذریعہ سے ان کے جزئیات کا محفوظ رکھنا آسان ہوتا ہے، اور محاورات میں یہ طرز بلیغ بھی اعلیٰ درجہ کا سمجھا جاتا ہے کہ مفصّل اور مطوّل بات کرنے سے پہلے ایک مجمل عنوان سے اس کی تقریر کر دی جائے، جس کا قدر مشترک تمام تفاصیل کے سمجھنے میں معین ومددگار ہو، اور آخر میں بطور خلاصہ اور نتیجہ

www.toobaaelibrary.com

تفصیل اسی مجمل عنوان کا پھر اعادہ کر دیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ تکبر بڑی مضر خصلت ہے، اس میں ایک ضرر یہ، دوسرا یہ، تیسرا یہ، دس بیس مضرتیں گنوا کر پھر آخر میں کہہ دیا جائے کہ غرض تکبر بڑی مضر خصلت ہے، اسی طور پر اس آیت یا بنی اسرائیل کا اعادہ فرمایا گیا ہے اے اولاد یعقوب (علیہ السلام) میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر (وقتاً فوقتاً) انعام کیا، اور اس کو (بھی یاد کر) کہ میں نے تم کو بہت لوگوں پر (بہت سی باتوں میں) فوقیت دی اور تم ڈرو ایسے دن سے (یعنی روز قیامت سے) جس میں کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ (اور حق واجب) ادا کرنے پاوے گا، اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ (بجائے حق واجب کے) قبول کیا جاویگا اور نہ کسی کی کوئی سفارش (جبکہ ایمان نہ ہو) مفید ہوگی اور نہ ان لوگوں کو کوئی (بزور) بچا سکے گا۔ اور جس وقت امتحان کیا حضرت ابراہیم کا ان کے پروردگار نے چند باتوں میں (اپنے احکام میں سے) اور وہ ان کو پورے طور سے بجالائے، (اس وقت) حق تعالیٰ نے (ان سے) فرمایا کہ میں تم کو (اس کے صلہ میں نبوت دے کر یا امت بڑھا کر) لوگوں کا مقتدا بناؤں گا، انھوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کسی کو (نبوت دیجئے) ارشاد ہوا کہ (آپ کی درخواست منظور ہے، مگر اسکا ضابطہ سُن لیجئے کہ) میرا (یہ) عہدہ (نبوت) خلاف ورزی (قانون) کرنے والوں کو نہ ملے گا، (سو ایسے لوگوں کو تو صاف جواب ہے، البتہ اطاعت کرنے والوں میں سے بعض کو نبوت دی جائیگی، اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ) جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور (مقام) امن (ہمیشہ سے) مقرر رکھا اور (آخر میں امت محمدیہؐ کو حکم دیا کہ برکت حاصل کرنے کے لیے) مقام ابراہیم کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو، اور ہم نے (بناء کعبہ کے وقت) حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی طرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو خوب پاک (صاف) رکھا کرو، بیرونی اور مقامی لوگوں کی (عبادت کے) واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے (دعاء میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس (موقع) کو ایک (آباد) شہر بنا دیجئے (اور شہر بھی کیسا) امن (امان) والا اور اس کے بسنے والوں کو پھلوں (کی قسم) سے بھی عنایت کیجئے (اور میں سب بسنے والوں کو نہیں کہتا بلکہ خاص) ان کو (کہتا ہوں) جو ان میں اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں، (باقیوں کو آپ جانیں) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (کہ چونکہ رزق ہمارا خاص نہیں ہے، اس لیے ثمرات سب کو دوں گا مؤمن کو بھی) اور اس شخص کو بھی جو کافر رہے (البتہ نجات آخرت

www.toobaaelibrary.com

چونکہ اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے) سو (اس واسطے) ایسے شخص کو (جو کہ کافر رہے) تھوڑے روز (یعنی دنیا میں) تو خوب آرام برتاؤں گا (لیکن) پھر (بعد مرگ) اس کو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچادوں گا اور ایسی پہنچنے کی جگہ تو بہت بُری ہے (اللہ بچاوے، اور وہ وقت بھی یاد کرنے قابل ہے) جبکہ اٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانہ کعبہ کی اور (ان کے ساتھ) اسمٰعیل علیہ السلام بھی (اور یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے، جاننے والے ہیں (ہماری دعا کو سنتے ہیں ہماری نیتوں کو جانتے ہیں) اے ہمارے پروردگار اور (ہم دونوں یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ) ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنالیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کیجئے، جو آپ کی مطیع ہو اور (نیز) ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر (مہربانی کے ساتھ) توجہ رکھئے اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے، مہربانی کرنے والے اے ہمارے پروردگار اور (یہ بھی دعا ہے کہ) اس جماعت کے اندر (جس کے پیدا ہونے کی دعا اپنی اولاد میں سے کر رہے ہیں) انہی میں کا ایک پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو (آسمانی) کتاب (کے مضامین) کی اور (اس میں) خوش فہمی (کا سلیقہ حاصل کرنے کی) کی تعلیم دیا کریں اور ان کو (اس تعلیم وتلاوت کے ذریعہ جہالت کے خیالات اور اعمال سے) پاک کریں، بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرت کامل الانتظام۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۲۲-۱۲۳: اس سے اوپر کی آیات میں بنی اسرائیل سے متعلق خاص مضامین تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے، اب ان مضامین کی ابتدائی تمہید کو مکرر بیان کیا جارہا ہے، کہ تمہید کا مضمون خاص ترغیب اور ترہیب خوب ذہن نشین ہوجائے۔

آیت: ۱۲۴: اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مختلف امتحانات، ان میں انکی کامیابی اور پھر ان کے انعام اور صلہ کا بیان ہے۔

امتحانات اور مضامین امتحان

واضح ہو کہ یہ امتحان وابتلا کسی جرم کی پاداش یا نا معلوم قابلیت کا علم حاصل کرنے کے لیے نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہیں، ان پر کچھ مخفی نہیں، بلکہ ان آزمائشوں کے ذریعے اپنے خلیل کی تربیت کرکے ان کے درجات ومقامات تک پہنچانا مقصود ہے، جو لفظ رَبُّہٗ سے خود واضح ہے، نیز عبارت میں مفعول کو مقدم کر

www.toobaaelibrary.com

کے حضرت خلیل اللہ کی جلالتِ شان کو اور نمایاں کیا گیا،

یہ مضامین مدارس کے امتحانات کی طرح فنی مسائل اور ان کی تحقیقات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عملی ثابت قدمی اور اخلاقی برتری کی قیمت ہے اور انہیں کی جانچ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خلّت کا خلعتِ خاص عطا فرمایا جائے اس لیے ان کو سخت امتحانات سے گذارا گیا، آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بت پرست قوم کی تبلیغ کے لیے پیغمبرانہ جرأت وہمت کے ساتھ میدان میں آگئے، نمرود جیسے بادشاہ وقت نے آپ کو آگ میں ڈال کر زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا آپ نے اللہ کی رضا کے لیے بے خوف وخطر خود کو پیش کر دیا، اللہ تعالیٰ نے جب امتحان میں کامیاب پایا تو آگ کو حکم دیا "قُلْنَا یا نَارُ کُونِیْ بَرْدًا وَسَلَامًا عَلیٰ اِبْرَاهِیمَ" ہم نے حکم دیا "اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور ذریعۂ سلامتی بن جا" اس حکم کے عام الفاظ کی وجہ سے پوری دنیا کی آگ اپنی اپنی جگہ ٹھنڈی ہوگئی، دوسرا امتحان یہ لیا گیا کہ اپنے وطن اصلی کو چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت کر جائیں آپ مع اہل وعیال کے ہجرت کر کے شام چلے آئے، تیسرا امتحان یہ ہوا کہ اس ہجرت کے بعد ہی حکم ہوا کہ بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور شیر خوار بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لیکر یہاں سے بھی کوچ کریں (ابن کثیر) اس طرح آپ کو جبرئیل امین کے ذریعہ سرسبز وشاداب مقامات کو چھوڑ کر ایک ریگستان میں اتار دیا جاتا ہے، آپ یہیں ٹھہر جاتے ہیں مگر اسی پر بس نہیں، آپ کو حکم ہوتا ہے کہ بیوی اور بچے کو تو یہیں چھوڑیں اور خود ملک شام کی طرف روانہ ہو جائیں، تعمیل حکم میں اتنی تاخیر بھی گوارا نہیں کہ کم از کم بیوی کو اطلاع ہی دیدیں کہ مجھے اللہ کو ایسا ہی حکم ہوا، بیوی کے بار بار پکارنے پر بھی جواب نہیں دیتے، مگر بیوی بھی آخر کس کی بیوی، ماجرا سمجھ گئیں، کہنے لگیں کیا اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں، اب حضرت ہاجرہ نہایت اطمینان کے ساتھ فرماتی ہیں کہ جائیے جس نے آپ کو یہ حکم دیا ہے، وہ ہمیں بھی ضائع نہیں کریگا۔

حضرت ہاجرہ شیر خوار بچے کی پیاس کی شدت سے مجبور ہو کر صفا ومروہ کے درمیان پہاڑی پر پانی کی تلاش میں بار بار (سات بار) چڑھتی اترتی ہیں (سعی بین الصفا والمروۃ اس کی یادگار ہے) آخر کار رحمتِ خداوندی کو جوش آتا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ اس ریگستان میں پانی کا چشمہ نکال دیتے ہیں، جس کا نام زمزم ہے، اللہ کی مرضی، پانی کو دیکھ کر پہلے جانور آجاتے ہیں، پھر جانوروں کو دیکھ کر انسان پہنچتے ہیں اس طرح مکہ کی آبادی کا سامان ہو جاتا ہے، باشارات ربانی گاہ بگاہ

www.toobaaelibrary.com

حضرت ابراہیم، بیوی اور نومولود بچہ کو آ کر دیکھ جاتے ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نشو نما پاتے ہیں، اور کام کاج کے قابل ہو جاتے ہیں اس وقت پھر اللہ تعالیٰ اپنے خلیل کا تیسرا امتحان لیتے ہیں، بے کسی، بے سروسامان باپ کی تربیت اور شفقت سے محروم پروان چڑھے ہوئے اس بچے کے بارے میں بظاہر یہ حکم ملتا ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کر دو۔ (سورۂ الصّٰفّٰت آیت ۱۰۲)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بڑے امتحان میں پورے اترے (" آیت ۱۰۴، ۱۰۵ اور ۱۰۶) تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے اس کا فدیہ نازل فرما کر اس کی قربانی کا حکم دے دیا، (" آیت ۱۰۷) یہ سنت ابراہیمی دائمی سنت بن گئی۔

ان سخت امتحانات سے آپ کو گذارا گیا، نیز بہت سے اعمال واحکام کی پابندیاں آپ پر کی گئیں، جن میں سے دس خصائل فطرت کے نام سے موسوم ہیں جن کا تعلق بدن کی صفائی ستھرائی پاکیزگی سے ہے اور آنے والی تمام امتوں کے لیے بھی مستقل احکام بن گئے۔

مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کیا ہے کہ پورا اسلام تیس حصوں میں دائر ہے، جن میں دس سورۂ براءۃ کی آیت ۱۱۲ میں مذکور ہیں، اور دس سورۂ مومنون کی آیات ا سے ۱۱ تک بیان کی گئی ہیں، اور دس صفات سورۂ احزاب آیت ۳۵ میں مذکور ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے مذکورہ ارشاد سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لیے جتنی علمی، عملی، اخلاقی صفات مطلوب ہیں وہ ان تینوں سورتوں کی مذکورہ آیات میں جمع کر دی گئی ہیں، اور یہی صفات وہ کلمات ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا گیا اور آیت وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ میں انہی صفات کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سند کامیابی عطا فرمائی، ارشاد ہے: وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى (النجم ۳۷) اور ابراہیم، جنھوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی، یعنی وہ ہر امتحان میں صدفی صد کامیاب رہے، اس کامیابی پر آپ کو صلے میں امامت خلق اور پیشوائی کا انعام ملا، ارشاد ہے قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔

معلوم ہوا کہ خلق خدا کے امام ومقتدا کے لیے ان تیس اخلاقی اور عملی صفات میں کامل اور مکمل ہونا شرط ہے، ان تیس کا جوہری خلاصہ دو لفظوں میں یہ ہے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔ اس آیت میں امامت و پیشوائی کے لیے تیس صفات کا خلاصہ دو لفظوں میں کر دیا

www.toobaaelibrary.com

گیا ہے یعنی صبر و یقین ایقین علمی اور اعتقادی کمال ہے اور صبر عملی اور اخلاقی کمال ہے۔

واضح ہو کہ امامت اور پیشوائی گویا اللہ تعالیٰ کی خلافت ہے، یہ کسی باغی اور نافرمان کو نہیں دی جا سکتی، مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنا نمائندہ یا امیر کسی باغی اور نافرمان کو نہ مقرر کریں۔

آیت: ۱۲۵/۱۳۶ ر مَثَابَةً باب نصر سے لوٹنے کے معنی میں ہے، یعنی رَجَعَ جہاں آدمی بار بار لوٹ کر جائے، اس آیت میں کعبۃ اللہ کی تاریخ کی طرف اشارہ ہے اور اس کی تعمیر جدید، نیز بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کی چند خصوصیات کا ذکر اور بیت اللہ کے احترام سے متعلقہ احکام مذکور ہیں، یہ مضمون مختلف سورتوں کی متعدد آیات میں پھیلا ہوا ہے۔

بناءِ بیت اللہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظر جب راستے میں کسی بستی یا کسی شاداب جگہ پر پڑتی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے، کیا ہماری منزل یہی ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے، نہیں، آگے ہے حتی کہ مکہ مکرمہ کی جگہ سامنے نظر آئی جس میں کانٹے دار جھاڑیاں اور ببول کے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا، اس خطہ، زمین کے آس پاس کچھ لوگ بستے تھے جن کو عمالیق کہا جاتا تھا، بیت اللہ اس وقت ایک ٹیلہ کی شکل میں تھا، یہاں پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ کیا ہماری منزل یہ ہے، تو فرمایا، ہاں!

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام، بیوی اور شیر خوار بچے کو یہاں چھوڑ کر چل کھڑے ہو، اور راستہ کے اس موڑ پر پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہ نہ دیکھ سکیں تو ٹھہر گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائی رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ (ابراہیم) یعنی اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا دیجئے اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھئے۔

پھر دعاء میں عرض کیا: رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ یعنی اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے محترم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں، آباد کرتا ہوں اے ہمارے رب تا کہ وہ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کو پھل کھانے کو دیجئے تا کہ یہ لوگ شکر کریں۔

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ (سورۂ حج آیت ۲۶) پاک صاف رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی نجاستوں سے پاک رکھا جائے، یعنی شرک و بت پرستی سے بھی ناپاک رکھا جائے، نیز جب

www.toobaaelibrary.com

بیت اللہ کی تعظیم و تکریم کا حکم ہوا تو یہ احتمال بھی تھا کہ آئندہ کوئی ناواقف بیت اللہ ہی کو معبود نہ بنا لے، اور شرک میں مبتلا ہو جائے اس لیے یہ دعا فرمائی!

سورۂ حج کی مذکورہ آیت کے اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں اور بیٹے کے ذریعہ اس جگہ کو صرف آباد کرنا مقصود تھا، اور اس کے مخاطب صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ابھی شیر خوار بچے تھے، اس وقت بیت اللہ کی تعمیر جدید کا حکم نہ ملا تھا، مگر سورۂ بقرہ کی اس آیت: ۱۲۵، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو شریک کر لیا گیا ہے اور یہ حکم اس وقت کا ہے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان اور متاہل ہو چکے تھے اور اس وقت دونوں کو بناء بیت اللہ کا حکم دیا گیا۔

ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بیٹے کی ملاقات کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تو دیکھا کہ اسماعیل علیہ السلام ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر بنا رہے ہیں، والد ماجد کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر سے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم سنا کر اپنی مدد کے لیے پوچھا، لائق فرزند نے لبیک کہتے ہوئے بسر و چشم خود کو حاضر کر دیا، بہر حال دونوں بزرگ اس کام میں لگ گئے تو بیت اللہ کی قدیم بنیادیں نکل آئیں جو طوفان نوح کے وقت منہدم ہو گیا تھا یا اٹھا لیا گیا تھا، صرف بنیادیں موجود تھیں، اس سے پتہ چلا کہ یہ دونوں بزرگ کعبہ کے بانی اول نہیں بلکہ معمار جدید ہیں، بہر حال اسی کا بیان اگلی آیت: ۱۲۷، میں ہوا ہے۔

حرم محترم مَثَابَةً سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو ایک خاص فضیلت بخشی ہے کہ وہ ہمیشہ مرجع خلائق بنا رہے گا، لوگ ہمیشہ اس کے آرزومند رہیں گے، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، "کوئی آدمی اس کی زیارت سے کبھی سیر نہیں ہوتا" (قرطبی) حج کی قبولیت کی علامت میں بتایا جاتا ہے کہ لوٹنے کے بعد پھر وہاں جانے کا دل میں شوق پائے، اور ہر بار زیارت کے بعد یہ شوق بڑھتا جاتا ہے، یہ معجزہ بیت اللہ ہی کی خصوصیت ہے، وہاں ظاہری اور دنیاوی کشش کا کوئی ایسا ماحول دستیاب نہیں مگر لوگ بہ ہزار مشقت وہاں پہنچنے کے مشتاق رہتے ہیں۔

الْبَيْتَ سے مراد صرف "خانۂ کعبہ" نہیں بلکہ پورا حرم ہے، اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں، جیسے هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ اور "جائے امن" سے یہ حکم دینا ہے کہ حرم محترم کو عام قتل و قتال اور انتقام سے بالاتر رکھیں، (ابن عربی) چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا احترام باقی تھا، اور شریعت اسلام میں

www.toobaaelibrary.com

بھی اس کا حکم اسی طرح باقی رکھا گیا، فتح مکہ کے وقت چند گھنٹوں کے لیے پیغمبر علیہ السلام کے واسطے، جائز کر دیا گیا تھا مگر پھر اسی وقت ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔ (بخاری)

اب اگر کوئی حرم کے اندر ایسا جرم کرے جس پر حدود و قصاص عائد ہوتا ہو تو حرم اسے امن نہیں دے گا، اس پر باجماع امت حدود قصاص جاری کیے جائیں گے، ارشاد ہے: فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، البتہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ کوئی باہر سے جرم کر کے حرم میں پناہ لے تو کیا معاملہ کیا جائیگا؟ بعض ائمہ حرم کے اندر ہی اسے حدود و قصاص جاری کرنے کا حکم دیتے ہیں، امام اعظمؒ کے نزدیک اسے چھوڑا تو نہ جائے گا کیونکہ اس سے عالم میں فساد برپا ہو جائے گا البتہ حرم کے احترام میں اس کے اندر سزا نہ دی جائے گی بلکہ اسے باہر نکلنے پر مجبور کر کے باہر ہی سزا دی جائے گی۔

مقام ابراھیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا بطور معجزہ نشان پڑ گیا تھا، اور جسے بوقت تعمیر آپ نے استعمال کیا تھا، (بخاری) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پورا حرم مقام ابراہیم ہے اس سے مراد ممکن ہے، یہ ہو کہ طواف کی دو رکعات کی تعمیل پورے حرم میں سے کسی جگہ پڑھ لینے سے ہو جائیگی، اس میں فقہاء امت کا اتفاق ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى یعنی مقام ابراہیم کے پیچھے اس طرح دو رکعت نماز پڑھی جائے کہ مقام ابراہیم کو درمیان میں رکھتے ہوئے بیت اللہ کا استقبال ہو جائے (پیغمبر علیہ السلام نے اسی طرح پڑھی اور یہ آیت تلاوت فرمائی، (مسلم) نیز معلوم ہوا کہ طواف کے بعد دو رکعتیں واجب ہیں، (جصاص، ومناسک ملا علی قاری) اور مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا سنت ہے، اور بضرورت حرم میں کہیں بھی ادا کرے۔

یا حرم سے باہر بھی بضرورت ادا کرے تو واجب ادا ہو جائے گا اور کوئی دم بھی واجب نہ ہوگا، حجۃ الوداع میں حضرت ام سلمہؓ کو ایسا ہی اتفاق ہوا، صرف امام مالک دم کے قائل ہیں (مناسک علی قاری)

بَیْتِیَ سے حکم تمام مساجد کے لیے عام ہے، ساری مساجد بیوت اللہ ہیں، لہٰذا تمام مساجد کو پاک وصاف رکھیں اور مسجد میں آنے سے پہلے تمام نجاست اور بدبو سے خود کو اور کپڑوں کو پاک وصاف رکھیں، نیز شرک وکفر اور تمام اخلاقِ رذیلہ سے پاک کر کے داخل ہوں۔

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ معلوم ہوا کہ بناء بیت اللہ کا مقصد طواف، اعتکاف اور نماز ہے، دوسرے یہ کہ نماز سے مقدم طواف ہے، تیسرے یہ کہ اطراف عالم سے جانے

www.toobaaelibrary.com

والے حجاج کے لیے طواف بہ نسبت نماز کے افضل ہے، چوتھے یہ کہ اس کے اندر نماز مطلقاً جائز ہے، فرض ہو یا نفل (جصاص)

دعاءِ ابراہیمی آیت: ۱۲۸: لفظ رب سے دعا کے آغاز سے دعا کا سلیقہ سکھایا ہے، کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی رحمت ولطف وکرم کو متوجہ کرنے کے لیے بہت موثر ہے یہاں لفظ بَلَدًا نکرہ ہے، سورۂ ابراہیم (آیت:۳۵) میں اَلْبَلَدَ معرفہ ہے، فرق کی وجہ غالباً یہ ہے کہ یہ دعاء مکہ کی آبادی سے پہلے کی گئی جبکہ وہ چٹیل میدان تھا، اور سورۂ ابراہیم والی دعاء مکہ کی بستی بس جانے کے بعد جب کہ وہ شہر معروف بن گیا، قرینہ یہ ہے کہ اسی دعاء کے آخر میں وَاِسْحٰقَ بھی ہے، اور حضرت اسحٰق حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے (ابن کثیر) دوسری دعاء بلد امین کی تھی یہ بھی مقبول ہوئی کہ یہ شہر مامون ہو گیا، کسی مخالف قوم کا اس پر تسلط نہیں ہو سکا، جس نے ارادہ بھی کیا وہ تباہ ہوا، اصحاب فیل کا واقعہ خود قرآن میں مذکور ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی اس کی تعظیم وتکریم کو مذہبی فریضہ جانا جاتا تھا، بلکہ سکان حرم کی بھی تعظیم عرب میں عام تھی حتی کہ خود جانور بھی حدود حرم میں اپنی محفوظیت کا احساس رکھتے ہیں، کسی سے گھبراتے نہیں، ان تعظیمی احکام کو اسلام نے اور زیادہ نکھارا، حجاج ابن یوسف اور قرامطہ کا ظلم وستم خود اسلام کے نام لیواؤں کے ہاتھوں ہوا، جو منافی امن نہیں، نیز یہ شاذ واقعات ہیں کہ ہزاروں سال کی مدت میں گنے چنے ہیں (نیز ایسا کرنے والوں کا انجام بد بھی سب کے سامنے آ گیا) حتی کہ دجال کو بھی حرم میں داخلے کی قدرت نہ ہوگی پھلوں کی رزق کی دعا فرمائی مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں آج کس نوع کے پھل نہیں دستیاب ہیں، خود طائف کو بکثرت پھل پیدا کرنے والا خطہ بنا دیا۔

حکمت ابراہیمیؑ دعا کے الفاظ پر غور کیجئے، یہ نہ کہا کہ اس سرزمین کو گلزار اور قابل کاشت بنا دیجئے، کیونکہ منشاء آبادی لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ سے ظاہر ہے، حکمت یہ تھی کہ اولاد باغبانی اور کاشت کاری میں نہ مشغول ہو ورنہ قدرت خداوندی سے کیا بعید تھا کہ مکہ مکرمہ کو ایسا گلزار بنا دیتے کہ رشکِ دمشق وکشمیر ہوتا۔

رزقِ ثمرات تمام ضروریات زندگی کو شامل ہے سورۂ قصص آیت: ۵۷، کے الفاظ یُجْبٰۤی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ میں دو باتیں قابل غور ہیں، لفظ یجبی کا مفہوم بتلا رہا ہے کہ خود مکہ میں پھل پیدا کرنے کا وعدہ نہیں دوسرے یہ کہ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَجَرٍ نہیں "شَیْءٍ" فرمایا جو عرف عام میں ہر چیز سے حاصل شدہ

www.toobaaelibrary.com

پیداوار اور نتیجہ کہلاتی ہے، یعنی مشینوں سے حاصل ہونے والے سامان بھی مشینوں کے ثمرات ہیں، دستکاریوں کے سامان دستکاریوں کے ثمرات ہیں، اب اس تناظر میں دیکھئے، دنیا بھی کی ہر نوع کی کون سی چیز اور سامان ہے جو یہاں نہیں ملتا، جب کہ ارض مکہ نہ صنعتی ہے نہ قابل کاشت!

دعاء میں احتیاط حضرت ابراہیم علیہ السلام جو مقام خلّت پر فائز تھے اور خشیۃ اللہ سے لبریز، دعا میں یہ قید لگائی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ! یعنی یہ دعاء مومنین کے لیے کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ خوشحالی کافروں کو بہت قلیل ہوگی اور آخرت میں عذاب ہی عذاب ہے۔

اپنے نیک عمل پر بھروسہ نہ کرنے کی تعلیم یہ موقع ایسا تھا کہ ایسے مجاہدے کرنے والے کے دل میں عُجب پیدا ہوتا اور اپنے عمل کو قابل قدر سمجھتا مگر یہاں حضرت خلیل اللہ کی ذات ہے جو بارگاہِ عزت وجلال کی شناسا ہے، فرماتے ہیں، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، ضرورت ہے کہ بڑے سے بڑا عمل کرے تو اس پر ناز نہ کرے، قبولیتِ عمل کی الحاح وزاری کے ساتھ دعاء کرے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ یہ بھی معرفت وخشیت کا نتیجہ ہے، معرفت جتنی بڑھے گی خشیت بھی اتنی ہی بڑھے گی یہ احساس بڑھتا جائے گا کہ ہم وفاداری اور فرمانبرداری کا پورا حق ادا نہیں کر رہے ہیں، مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ ، مَا عَرَفْنٰکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ!

وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا: اللہ کے مقبول بندے اپنی اولاد کی جسمانی اور دنیوی سے زیادہ روحانی اور اُخروی کی فکر فرماتے ہیں، اس لیے دعاء فرمائی کہ میری اولاد میں سے ایک جماعت کو پورا فرمانبردار بنادیجئے، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی یہ دعاء بھی مقبول ہوئی، ایامِ جاہلیتِ عرب میں بھی جبکہ ساری دنیا خصوصاً عرب شرک وبت پرستی میں گھرا تھا اس وقت اولادِ ابراہیم میں ہمیشہ کچھ لوگ عقیدۂ توحید وآخرت کے سچے معتقد اور اطاعت شعار رہے ہیں جیسے زید بن عمرو بن نُفیل اور قُس ابن ساعدہ اور پیغمبر علیہ السلام کے جدامجد حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے متعلق بھی یہی روایت ہے۔ (بحر محیط)

"وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا" اعمالِ حج اور مقاماتِ حج کو بھی مناسک کہا جاتا ہے، حاصل دعاء یہ ہے کہ ہمیں اعمالِ حج اور مقاماتِ حج پوری طرح سمجھا دیجئے، "وَاَرِنَا" فرمایا، چنانچہ مقاماتِ حج کو بذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام دکھلا کر متعین کر دیا گیا، اور احکامِ حج کی واضح تعیین وتعلیم فرمادی گئی۔

www.toobaaelibrary.com

آیت: ۱۲۹: تلاوت کے معنی اتباع اور پیروی کرنے کے ہیں اصطلاح قرآن وسنت میں صرف کتب سماوی کے پڑھنے کے لیے مستعمل ہے کیونکہ اس کلام کے پڑھنے والے کو اس کا پورا اتباع کرنا لازم ہے ٹھیک اسی طرح پڑھنا ضروری ہے جس طرح یہ نازل ہوا، کسی لفظ و حرکت میں ذرا بھی کمی بیشی یا تغیر کی اجازت نہیں اَلْکِتٰبَ سے مراد کتاب اللہ ہے اَلْحِکْمَۃَ لغت میں کئی معنی کے لیے آتا ہے، اس آیت میں حکمت سے مراد مفسرین صحابہ اور تابعین نے مختلف بتائے ہیں مگر سب کا خلاصہ ایک ہے یعنی حدیث وسنت رسول اللہ ﷺ، امام تفسیر ابن کثیر اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے یہی نقل کی ہے، وَيُزَكِّيهِمْ زکوٰۃ سے ہے بمعنی طہارت و پاکی، یہ ظاہری اور باطنی ہر طرح کی پاکی کے لیے بولا جاتا ہے۔

پیغمبر ﷺ کی ولادت باسعادت کی خصوصیات

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین اس وقت تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر بھی تیار نہیں ہوا تھا میرے معاملہ کی ابتداء یہ ہے کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کا مظہر ہوں۔

نوید مسیحا سے مراد ان کا یہ قول ہے: مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ، والدہ ماجدہ نے بحالت حمل یہ خواب دیکھا تھا کہ میرے بطن سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات جگمگا اٹھے، قرآن میں آنجناب ﷺ کی بعثت کا تذکرہ جو یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء میں مذکور ہے قرآن میں آل عمران آیت: ۱۶۴ اور سورہ جمعہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا گیا ہے، اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس رسول ﷺ کی بعثت کی دعاء کی تھی وہ آنحضور ﷺ ہی ہیں، کیونکہ پیغمبر علیہ السلام بنی اسماعیل سے ہیں اور دعاء دونوں حضرات نے کی ہے اور مراد وہی جماعت ہوسکتی ہے جو دونوں کی اولاد ہو، اور پیغمبر کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ وہ اس جماعت سے ہوں تو وہ جماعت بنی اسماعیل ہوئی اور پیغمبر آپ ﷺ ہوئے۔

بعثتِ رسول کی تین مقاصد

یہاں اور آل عمران اور جمعہ میں عہدۂ نبوت و رسالت کے تین فرائض منصبی بیان کئے گئے ہیں ایک تلاوت آیات دوسرے تعلیم کتاب وحکمت، تیسرے لوگوں کا تزکیہ اخلاق وغیرہ۔

تلاوتِ آیات

واضح ہو کہ تلاوت کا تعلق الفاظ سے ہے اور تعلیم کا معانی سے یہاں تلاوت و تعلیم کو الگ الگ بیان کرنے سے یہ حاصل ہوا کہ قرآن کریم میں جس طرح

www.toobaaelibrary.com

معانی مقصود ہیں، اس کے الفاظ بھی مستقل مقصود ہیں ان کی تلاوت وحفاظت فرض اور اہم عبادت ہے۔

پیغمبر علیہ السلام کے خاص مخاطب کی زبان عربی فصیح وبلیغ اور اس کے وہ خطیب وشاعر بھی تھے، ان کے سامنے قرآن کا پڑھ دینا تعلیم کے لیے کافی تھا، الگ سے ترجمہ وتفسیر کی ضرورت نہ تھی، پھر تلاوت وتعلیم کے الگ الگ مقاصد رسالت قرار دینے کی ضرورت کیا تھی، معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کریم ان کتابوں کی طرح نہیں جن میں صرف معانی مقصود ہوتے ہیں اور الفاظ ایک ثانوی حیثیت رکھتے ہیں ان میں معمولی تغیر کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا، معنی سمجھے بغیر الفاظ پڑھتے رہنا لغو وفضول ہے، قرآن کریم میں الفاظ ومعانی دونوں مقصود ہیں، الفاظ قرآن کے ساتھ خاص خاص احکام شرعیہ بھی متعلق ہیں، اصول فقہ میں قرآن کی تعریف یہ ہے هو النظم والمعنیٰ جميعًا، چنانچہ الفاظ قرآن دوسری زبان میں لکھے جانے سے وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں، خواہ معانی بالکل صحیح ہوں، یہ معانی کسی دوسرے الفاظ میں نماز کے اندر پڑھے جائیں تو نماز نہ ہوگی، وہ تمام احکام جو قرآن سے متعلق ہیں اس پر عائد نہیں ہوں گے، بدلی ہوئی زبان یا الفاظ میں تلاوت پر احادیث صحیحہ میں وارد ثواب بھی مرتب نہ ہوگا، چنانچہ فقہاء امت نے صرف ترجمہ قرآن بغیر متن کے لکھنے اور چھاپنے کو منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں معانی کی طرح الفاظ مستقلاً مقصود ہیں، کیونکہ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے، معانی کی نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ نزولِ قرآن کا اصل مقصد اس کے بتائے ہوئے نظامِ زندگی پر عمل کرنا ہے، تعلیمات کو سمجھنا سمجھانا ہے لیکن، اسی کے ساتھ یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ معانی سمجھے بغیر الفاظ کو طوطے کی طرح پڑھنا فضول ہے۔

چنانچہ پیغمبر علیہ السلام اور صحابۂ کرامؓ نے صرف معانی قرآن سمجھ لینے اور عمل کر لینے کو کافی نہ سمجھا بلکہ ساری عمر تلاوت قرآن کو حرز جان بنائے رکھا، بعض صحابہ روزانہ ایک، بعض دو دن میں اور اکثر حضرات تین دن میں ختم قرآن کے عادی تھے، اور ایک ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کا تو پوری امت کا معمول رہا ہے، قرآن کی سات منزلیں اسی کی علامت ہیں، اس عمل سے واضح ہے کہ الفاظ کی تلاوت بھی بجائے خود ایک اعلیٰ عبادت، موجب انوار وبرکات اور سرمایۂ سعادت ونجات ہے، اس لیے پیغمبر علیہ السلام کے فرائض منصبی میں تلاوت آیات کو ایک مستقل حیثیت دی گئی، اور اس سے اسبات پر تنبیہ کردی گئی ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت، ان کی حفاظت اور ان کو ٹھیک اسی لب ولہجہ میں پڑھنا

www.toobaaelibrary.com

جس پر وہ نازل ہوئے ہیں ایک مستقل فرض ہے۔

تعلیم کتاب رسول کے فرائض میں تلاوتِ آیات کو ایک مستقل فرض قرار دینے کے بعد تعلیم کتاب کو جداگانہ فرض قرار دے کر بتلا دیا کہ محض تلاوت آیات کا سن لینا فہم قرآن کے لیے عربی زبان جاننے والوں کے واسطے بھی کافی نہیں، بلکہ تعلیم رسول ہی کے ذریعہ صحیح علم حاصل ہو سکتا ہے، قرآن کو تعلیماتِ رسولؐ سے جدا کر کے خود سمجھنے کی فکر خود فریبی کے سوا کچھ نہیں، اگر مضامین قرآنی کو سکھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو رسولؐ کو بھیجنے ہی کی حاجت نہ تھی، کتاب اللہ انسانوں تک کسی بھی ذریعے سے پہنچائی جا سکتی تھی، پھر یہ کہ ان مضامین کا استاذ نبی اور رسول ہی ہو سکتا ہے جس کو حق تعالیٰ سے بذریعہ وحی شرف ہم کلامی حاصل ہو، ارشادِ ربانی ہے: لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ یعنی ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ کی نازل کردہ آیات کے مطالب بیان فرمائیں۔

تعلیم حکمت تعلیم کتاب کے ساتھ کے آپ فرائض میں تعلیم حکمت بھی ہے، حکمت کی تفسیر ہے سنتِ رسول اللہؐ یعنی "پیغمبر علیہ السلام کے ذمہ جس طرح معانی قرآن کا سمجھانا اور سکھانا فرض ہے اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول و آداب جن کا نام سنت ہے ان کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔

تیسرا مقصد تزکیہ تیسرا فرض منصبی تزکیہ ہے، جس کے معنی ہیں ظاہری اور باطنی نجاسات سے پاک کرنا، ظاہری نجاسات تو ظاہر ہیں، باطنی نجاسات کفر و شرک غیر اللہ پر اعتمادِ کلی، اعتقاد فاسد، تکبر، حسد، بغض، حبِّ دنیا وغیرہ ہیں، قرآن و سنت کی تعلیم میں اگرچہ ان چیزوں کا بیان آ گیا ہے لیکن تزکیہ کو جداگانہ فرض قرار دینا اشارہ ہے کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوتا اسی طرح نظری وعلمی طور پر فن حاصل ہو جانے سے اس کا کمال اور استعمال حاصل نہیں ہوتا جب تک کسی مربی کے زیر نظر اس کی مشق کر کے عادت نہ ڈالے۔ سلوک و تصوف میں کسی شیخ کامل کی تربیت کا یہی مقام ہے کہ قرآن و سنت میں جن احکام کو عملی طور پر بتلایا گیا ہے ان کی عادت ڈالی جائے۔

ہدایت واصلاح کے دو سلسلے کتاب اللہ اور رجال اللہ اسی لیے اللہ نے ابتداء آفرینش سے خاتم الانبیاء تک انسانوں کی ہدایت واصلاح کیلئے ہمیشہ دو سلسلے جاری رکھے ہیں، ایک کتاب اللہ کا

www.toobaaelibrary.com

دوسرے اس کی تعلیم کے لیے رسولوں کا، نہ محض کتاب کو کافی سمجھا اور نہ صرف رسول اور مربی انسانوں کو، کہ ایک طرف آسمانی ہدایت اور قانونِ الٰہی کی ضرورت (یعنی قرآن و کتاب) ہے تو دوسری طرف ایک معلم اور مربی انسان کی جو اپنی تعلیم و تربیت سے عام انسان کو آسمانی ہدایات سے روشناس کر کے ان کا خوگر بنائے، کیونکہ انسان کا اصلی معلم انسان ہی ہو سکتا ہے، کتاب نہیں البتہ یہ معین و مددگار ضرور ہے۔

چنانچہ دونوں کے امتزاج نے ایک صحیح اور اعلیٰ مثالی معاشرہ دنیا میں پیدا کر دیا، اسی طرح آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک طرف شریعت مطہرہ اور دوسری طرف رجال اللہ کا سلسلہ رہا، قرآن کریم میں جابجا اس کی ہدایتیں ہیں، ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (توبہ ۱۱۹) دوسری جگہ صادقین کی تعریف کا ذکر ہے، اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ سورۂ فاتحہ جو خلاصہ قرآن ہے اور اس کا خلاصہ صراط مستقیم کی ہدایت ہے، یہاں بھی صراط مستقیم کا پتہ دینے کے لیے بجائے صراط القرآن یا صراط السنہ یا صراط الرسول کے کچھ رجال اللہ کا پتہ دیا گیا جن سے صراط مستقیم حاصل کی جائے، ارشاد ہے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ مزید تعیین و توضیح، فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔ (نساء ۶۹)

پیغمبر علیہ السلام کی ہدایات اس بارے میں: اے لوگو! میں تمہارے لیے اپنے بعد میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں، انھیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو تم گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب اللہ دوسرے میری اولاد اور اہل بیت (ترمذی) نیز میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کا اتباع کرو (بخاری) نیز میرے طریقہ کو اختیار کرو اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو۔

اور یہ اصول تعلیم و تربیت کچھ دین اور دینیات ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام علوم وفنون کی صحیح تحصیل اسی پر دائر ہے، اور ہر علم و فن کی ترقی و تکمیل کے یہی دو بازو ہیں، اور افراط و تفریط سے بچتے ہوئے ان دونوں بازؤوں سے استفادہ کرنا چاہئے یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ کو نظر انداز کر کے صرف علماء و مشائخ کو قبلۂ مقصود نہ بنالینا چاہئے، اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یہ راستہ شرک و کفر کا ہے، اور بعض ایسے ہیں جو صرف کتاب اللہ کو کافی سمجھتے ہیں، یہ دوسری گمراہی ہے۔

جب قرآن فہمی کے لیے تعلیم رسول ضروری ٹھہری تو یہ بھی ضروری ہوا کہ تعلیمات رسول بھی مجموعی حیثیت سے قیامت تک باقی اور محفوظ رہیں، جنھیں سنت یا حدیث رسول کہا جاتا ہے اور بحمد اللہ یہ

www.toobaaelibrary.com

بھی آج تک محفوظ چلی آتی ہیں، اور قیامت تک باقی رہیں گی، ارشادِ رسالت ہے کہ میری امت میں قیامت تک ایسی جماعت اہلِ حق اور اہلِ علم کی قائم رہے گی جو قرآن اور حدیث کو صحیح طور پر محفوظ رکھے گی اور اس میں ڈالے گئے ہر رخنے کی اصلاح کرتی رہے گی، خلاصہ یہ ہے کہ عمل کی ہمت و توفیق کسی کتاب کے پڑھنے یا سمجھنے سے پیدا نہیں ہوتی، اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اور ان سے ہمت کی تربیت حاصل کرنا، اسی کا نام تزکیہ ہے، اسلام نے تعلیم کے ساتھ تزکیہ کا ضمیمہ لگا کر تعلیم کے اصل مقصد کو پورا کر دکھایا۔

ان فرائضِ منصبی کو پیغمبر علیہ السلام نے کس حد تک پورا فرمایا؟

اس کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے پہلے تلاوت آیات کا یہ درجہ ہو گیا تھا کہ تقریباً پورے جزیرۃ العرب میں ہزاروں اس کے حافظ تھے سیکڑوں ایسے تھے جو روزانہ یا تیسرے روز پورا قرآن ختم کرتے تھے، تعلیم کتاب وحکمت کا یہ مقام تھا کہ دنیا کہ سارے فلسفے قرآن کے سامنے ماند ہو چکے تھے، توراۃ وانجیل کے تحریف شدہ صحائف افسانہ بن چکے تھے، قرآنی اصول کو عزت وشرف کا معیار مانا جاتا تھا، تزکیہ کا یہ عالم تھا کہ ساری بد اخلاقیوں کے مرتکب افراد تہذیب اخلاق کے معلم بن گئے بداخلاقیوں کے مریض صحت یاب ہو کر کامیاب معالج اور مسیحا بن گئے، رہزن، رہبر بن گئے بت پرست لوگ ایثار و ہمدردی کے مجسمے، اور چور ڈاکو، لوگوں کے اموال کے محافظ بن گئے۔

الغرض حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن مقاصد کے لیے دعا فرمائی اور رسول کریمؐ کو ان کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا تھا وہ تینوں مقاصد آپؐ کے عہد مبارک ہی میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئے، پھر آپ کے بعد آپ کے اصحاب کرامؓ نے تو ان کو مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک ساری دنیا میں عام کر دیا، فصلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

www.toobaaelibrary.com

إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ
عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ قُلْ اَتُحَاۗجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ
وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً
عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ
عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو، اور (ایسی ملت کے تارک کو کیوں کر احمق نہ کہا جائے جس کی یہ شان ہو کہ اسی کی بدولت) ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو (عہدۂ رسالت کے لیے) دنیا میں منتخب کیا اور (اسی کی بدولت) وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں (جن کے لیے سب ہی کچھ ہے، اور یہ انتخاب عہدۂ رسالت کے لیے اس وقت ہوا تھا) جب کہ ان سے ان کے پروردگار نے (بطور الہام کے) فرمایا کہ تم (حق تعالیٰ کی) اطاعت اختیار کرو، انھوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی (پس اسی اطاعت کے اختیار کرنے پر ہم نے ان کو شرف نبوت دیدیا، خواہ اسی وقت ہو یا بعد چندے) اور اسی (ملت موصوفہ پر قائم رہنے) کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوب علیہ السلام بھی (اپنے بیٹوں کو جس کا یہ مضمون تھا کہ) میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین (اسلام واطاعت حق) کو تمہارے لیے منتخب فرمایا ہے، سو تم (دم مرگ تک اس کو مت چھوڑنا اور) بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا، کیا (تم لوگ کسی معتبر صحیح نقل سے دعویٰ مذکورہ کرتے ہو یا تم خود (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا (اور) جس وقت انھوں نے اپنے بیٹوں سے (تجدید معاہدہ کے لیے) پوچھا کہ تم لوگ میرے (مرنے کے) بعد کس چیز کی پرستش کرو گے، انھوں نے (بالاتفاق) جواب دیا کہ ہم اس

www.toobaaelibrary.com

(ذات پاک) کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرات) ابراہیم و اسماعیل واسحٰق (علیہم السلام) پرستش کرتے آئے ہیں، یعنی وہی معبود جو وحدہٗ لاشریک ہے، اور ہم (احکام میں) اسی کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے، یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو (اپنے زمانہ میں) گذر چکی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا، اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی (اور خالی تذکرہ بھی تو نہ ہوگا، رہا اس سے تم کو نفع پہنچنا یہ تو بڑی دور ہے)

اور یہ (یہودی و نصرانی) لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ (یہ تو یہود نے کہا تھا) یا نصرانی ہو جاؤ (یہ نصاریٰ نے کہا تھا) تم بھی راہ (حق) پر پڑ جاؤ گے (اے محمد ﷺ) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ ہم تو (یہودی یا نصرانی کبھی نہ ہوں گے، بلکہ) ملت ابراہیم (یعنی اسلام) پر رہیں گے، جس میں کجی کا نام نہیں، (بخلاف یہودیت و نصرانیت کے، جس میں علاوہ محرف ہونے کے اس کے منسوخ ہو چکنے کے سبب اب اس میں کجی آ گئی) اور ابراہیم علیہ السلام مشرک بھی نہ تھے، (مسلمانو! یہود و نصاریٰ کے جواب میں جو تم نے اجمالاً کہا ہے کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر رہیں گے، اس ملت کی تفصیل بیان کرنے کے لیے) کہہ دو کہ (اس ملت پر رہنے کا حاصل یہ ہے کہ) ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس (حکم) پر بھی جو ہمارے پاس (بواسطۂ رسول اللہؐ کے) بھیجا گیا اور اس (حکم) پر بھی جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام اور اولاد یعقوب (میں جو نبی گذرے ہیں ان) کی طرف (بواسطۂ وحی کے) بھیجا گیا، اور اس (حکم اور معجزہ) پر بھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا، اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا، ان کے پروردگار کی طرف سے (سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان بھی) اس کیفیت سے کہ ہم ان (حضرات) میں سے کسی ایک میں بھی (دوسرے سے ایمان لانے میں) تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان رکھیں کسی پر نہ رکھیں) ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں (انھوں نے ہم کو یہ دین بتلایا) ہم نے اختیار کر لیا (پس یہ حاصل ہے کہ اس ملت کا جس پر ہم قائم ہیں، جس میں کسی کو اصلاً انکار و سرتابی کی گنجائش نہیں، یعنی جب اوپر طریق اسلام میں دین حق کا منحصر ہونا ثابت ہو چکا) سو اگر وہ (یہود و نصاریٰ) بھی اسی طریق سے ایمان لے آویں جس طریق سے تم (اہل اسلام) ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ (حق) پر لگ جاویں گے، اور اگر وہ (اس سے) روگردانی کریں تو (تم ان کی روگردانی سے کچھ تعجب نہ کرو کیونکہ) وہ لوگ (ہمیشہ سے) برسر مخالفت ہیں ہی (اور اگر ان کی مخالفت

www.toobaaelibrary.com

سے کچھ اندیشہ ہو) تو (سمجھ لیجئے کہ) آپ کی طرف سے عن قریب ہی نمٹ لیں گے ان سے اللہ تعالیٰ، اور اللہ تعالیٰ (تمہاری اور ان کی باتیں) سنتے ہیں (اور تمہارے اور ان کے برتاوے) جانتے ہیں، (تمہارے فکر و غم کی کوئی ضرورت نہیں، اے مسلمانو! کہہ دو کہ ہم نے جو اوپر لوگوں کے جواب میں کہا ہے کہ ہم ملتِ ابراہیم پر رہیں گے اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ) ہم (دین کی) اس حالت پر رہیں گے جس میں (ہم کو) اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے (اور رنگ کی طرح ہمارے رگ و ریشہ میں بھر دیا ہے) اور (دوسرا) کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ (کے رنگ دینے کی حالت) سے خوب تر ہو (جب اور کوئی دوسرا ایسا نہیں تو ہم نے اور کسی کا دین بھی اختیار نہیں کیا) اور (اس لیے) ہم اس کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ آپ (ان یہود و نصاریٰ سے) فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ (اب بھی) ہم سے حجت کئے جاتے ہو حق تعالیٰ کے معاملہ میں (کہ وہ ہم کو قیامت میں نہ بخشیں گے) حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا (سب کا) رب (اور مالک) ہے، (سو ربوبیت میں تو تمہارے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں، جیسا تمہارے بعض دعوؤں سے اختصاص مفہوم ہوتا ہے، مثل نحن ابناء اللہ) اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا (یہاں تک تو تمہارے نزدیک بھی مسلّم ہے) اور (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ) ہم نے صرف حق تعالیٰ کی (خوشنودی) کے لیے اپنے (دین) کو (شرک وغیرہ سے) خالص کر رکھا ہے (بخلاف تمہارے طریقۂ موجودہ کے کہ علاوہ منسوخ ہونے کے خود شرک سے بھی مخلوط ہے جیسا ان کے اقوال عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ سے ظاہر ہے، اور اس میں ہم کو اللہ تعالیٰ نے ترجیح دی ہے، پھر ہم کو نجات نہ ہونے کے کیا معنی) یا (اب بھی اپنے حق پر ہونے کے ثابت کرنے کو یہی) کہے جاتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب (میں جو انبیاء گذرے ہیں یہ سب حضرات) یہود یا نصاریٰ تھے، (اور اس سے بواسطہ موافقت طریق اپنا حق ثابت ہونا کرتے ہو، سو اس کے جواب میں) اے محمد (ایک اتنی مختصر سی بات ان سے کہہ دیجئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ (اور ظاہر ہے کہ خدا ہی زیادہ واقف ہے، اور وہ ان انبیاء کا ملتِ اسلام پر ہونا ثابت کر چکے ہیں، جیسا ابھی اوپر گذر چکا ہے) اور (جانتے ہیں یہ کافر بھی مگر چھپاتے ہیں سو) ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفاء کرے جو اس کے پاس منجانب اللہ پہنچی ہو اور (اے اہل کتاب) اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے سے بے خبر نہیں ہیں، (پس جب یہ حضرات یہود و نصاریٰ نہ تھے، سو تم طریق دین میں ان کے موافق کب ہوئے پھر تمہارا حق پر

www.toobaaelibrary.com

ہونا ثابت نہ ہوا) یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو (اپنے زمانے میں) گذر گئی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آوے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گے، اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی (اور جب خالی تذکرہ بھی نہ ہوگا تو اس سے تم کو کچھ نفع پہنچنا تو درکنار)

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۳۰ / ۱۳۱ / ۱۳۲ / پہلی آیت میں ملت ابراہیمی کی فضیلت اور اسی کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دنیا وآخرت میں شرف اور بزرگی بتلا کر ان کی ملت سے انحراف کو احمقانہ کام بتلایا گیا، کیونکہ ملت ابراہیمی عین دین فطرت ہے کسی سلیم الفطرۃ انسان کے لیے انکار ممکن نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس ملت کا اور فضیلت اس سے ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اسی ملت کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں عزت وبزرگی عطا فرمائی جس کا مشاہدہ ساری دنیا نے کرلیا، کہ سارے نمرودی منصوبے خاک میں مل گئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کے لیے آگ ہی کو گلزار بنادیا، اور دنیا کے سارے مؤمن اور کافر بھی اور بت پرست بھی اس بت شکن کی عزت کرتے چلے آئے، مشرکین عرب بت پرستی کے باوجود بھی آپ کی عزت وعظمت پر جان دیتے تھے، اور انہی کی ملت کی اتباع کا دعویٰ کرتے تھے اور حج وعمرہ مہمان نوازی جیسے آثار انہی کے باقیات صالحات تھے جو ان کے عمل میں موجود تھے، اگر چہ جہالت نے ان کو بھی مسخ کردیا تھا، اور یہ نتیجہ اس انعام کا ہے جس کی رو سے آپ کو امام الناس کا خطاب دیا گیا تھا، (اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا)

یہ تو ذکر تھا دنیاوی شرف وبزرگی کا، آخرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام اس آیت سے واضح کردیا۔

دوسری آیت میں ملّتِ ابراہیمی کے بنیادی اصول کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس ملت کا بنیادی اصول اور پوری حقیقت ایک لفظ اسلام میں مضمر ہے، جس کے معنی ہیں اطاعت حق اور یہی خلاصہ ہے ابراہیم علیہ السلام کے مذہب ومسلک کا، اور یہی اسلام وہ چیز ہے جس کے لیے سارا جہاں بنایا گیا اور جس لیے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور آسمانی کتابیں نازل کی گئیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام ہی تمام انبیاء کا مشترک دین اور نقطۂ وحدت ہے، اور سب نے اسی کی طرف دعوت دی واضح ارشاد ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔ اور سارے ادیان ومذاہب انبیاء اپنے وقت میں اللہ کے نزدیک مقبول تھے لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ

www.toobaaelibrary.com

سب دین، دینِ اسلام ہی ہوں، خواہ نام ان کے کچھ بھی ہوں مگر حقیقت سب کی اسلام ہے جس کا حاصل اطاعت حق ہے، البتہ ملت ابراہیمی کی یہ خصوصیت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ملت کا نام بھی اسلام تجویز کیا اور اپنی امت کو بھی مسلمہ کا نام دیا، دعا میں عرض کیا رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ: اولاد کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ آپ کے بعد یہ خصوصی امتیاز آپ ہی کی تجویز کے مطابق امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو حاصل ہوا کہ اس کا نام امت مسلمہ رکھا گیا، اور اس کی ملت بھی ملتِ اسلامیہ کے نام سے معروف ہوئی، ارشاد ہے: مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا.

کہنے کو تو یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب سب ہی خود کو ملت ابراہیم پر کہتے ہیں، مگر سب غلط، درحقیقت ملت محمدیہ ہی آخری دور میں ملت ابراہیمی اور دین فطرت کے مطابق تھی۔

حقیقی اسلام یہ ہے کہ انسان کو اس کی تلاش ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کس کام میں ہے اور اسے کس انداز سے کیا جائے جس سے وہ مقبول ہو، یہی عبادت و بندگی ہے، اس جذبہ طاعت ومحبت کا کمال انسان کی ترقی کا وہ آخری مقام ہے جہاں پہنچکر حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کا خطاب پاتے ہیں اور سید الرسل ؐ کو عبدنا کا خطاب ملتا ہے، اور اسی عبدیت اور اطاعت کے ذیلی درجات پر امت کے اولیاء، اقطاب وابدال کے درجات دائر ہوتے ہیں، یہی وہ حقیقی توحید ہے جس کے حاصل ہونے پر انسان کے خوف وامید صرف ایک اللہ کے ساتھ وابستہ ہوجاتے ہیں

امید وہراسش نباشد زکس ❁ ہمین است بنیادِ توحید وبس!

وصیت ابراہیمی سے مراد یہ کہ اپنی زندگی میں اسلام اور اسلامی تعلیمات پر پختگی سے عمل کرتے رہو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا خاتمہ بھی اسلام ہی پر فرمادے، اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ جو بندہ نیکی کا قصد کرتا ہے اور اس کے لیے مقدور بھر کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیکی کی توفیق کے ساتھ یہ کام اس کے لیے آسان کردیتے ہیں۔

وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ.... تقدیر کا لکھا ہوا بالآخر غالب آتا ہے.... اس سے اس معاملہ میں شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اس حدیث کے بعض الفاظ میں یہ قید بھی لگی ہوئی ہے کہ فِیْمَا یَبْدُو لِلنَّاسِ یعنی وہ لوگوں کے ظاہر میں اور دیکھنے میں اہل جنت کے، یا اہل دوزخ کے عمل میں مشغول رہا ورنہ معاملہ برعکس تھا اور حقیقت شروع ہی سے وہ دوزخ کے یا جنت کے کام میں تھا (ابن کثیر)

www.toobaaelibrary.com

خلاصہ یہ ہے کہ جو آدمی نیک کام میں مشغول ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور عادت کی بنا پر بھی امید رکھنی چاہئے کہ اس کا خاتمہ بھی نیکی پر ہوگا۔

آیت: ۱۳۳/۱۳۴: اس سے یہ معلوم ہوا کہ اولاد کی محبت اور ان کی بھلائی کا فکر مقام رسالت ونبوت بلکہ مقام خلّت کے بھی منافی نہیں، آیت ۱۳۲ اور اس آیت کا مطلب اور حاصل یہی ہے، فرق اتنا ہے کہ عام انسانوں کی نظروں میں دنیا کی فانی اور ذلیل چیزیں نعمت و دولت ہیں اور ان کی نظر اور حوصلہ بلند ہے، ان کے نزدیک اصلی دولت ایمان اور عمل صالح یا اسلام ہے۔

جس طرح عام انسان موت کے وقت یہ چاہتا ہے کہ جو بڑی سے بڑی دولت اس کے پاس ہے وہ اپنی اولاد کو دے جائے، اسی طرح انبیاء کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کو وہ لازوال دولت سمجھتے ہیں وہ ان کی اولاد کو پوری پوری مل جائے، اس کے لیے وہ دعائیں کرتے ہیں اور کوششیں بھی، اور آخری وقت میں وصیت بھی اسی کی کرتے ہیں، جیسا کہ آیات مذکورہ سے واضح ہے۔

اولاد کے لیے اصلی خیر خواہی یہی ہے کہ ان کے دنیوی آرام وراحت کے انتظام سے زیادہ ان کی نظری، عملی اور اخلاقی تربیت کا فکر کریں، یہ کوئی عقل کی بات نہیں کہ بچہ کو گرمی سردی سے بچانے کے لیے تو ساری توانائی خرچ کردے اور دائمی آگ اور عذاب سے بچانے کے لیے کوئی دھیان نہ دے، اس کے بدن سے پھانس نکالنے میں تو سارے ذرائع اور وسائل استعمال کرے اور بندوق کی گولی کا نشانہ بننے سے اس کو نہ بچائے۔

نیز والدین کا فرض اور اولاد کا حق یہ بھی ہے کہ پہلے ان کی اصلاح اور فلاح کی فکر کی جائے، پھر دوسروں کی طرف توجہ کی جائے، اس میں دو حکمتیں ہیں، اول یہ کہ طبعی اور جسمی تعلق کی بنا پر وہ نصیحت کا اثر جلد اور بآسانی قبول کرسکیں گے، پھر ان کی اس تحریک واصلاحی کوشش میں ان کے دست وبازو بن کر اشاعتِ حق میں ان کے معین ہونگے، دوسرے اشاعتِ حق کا سہل اور مفید راستہ بھی یہی ہے کہ ہر گھر کا ذمہ دار آدمی اپنے اہل وعیال کو حق بات سکھانے اور اس پر عمل کرانے کی سعی میں دل وجان سے لگ جائے، اس طرح اصلاح وتربیت کا دائرۂ عمل سمٹ کر صرف گھروں کے ذمہ داروں تک آجاتا ہے، ان کی تعلیم گویا پوری قوم کی تعلیم ہے قرآن کریم کا ارشاد اسی تنظیمی اصول کے پیش نظر ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورہ تحریم) اور پیغمبر علیہ السلام کو بھی سب سے پہلے اس کا حکم دیا گیا: اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (سورہ شعراء) نیز ارشاد ہوا وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ

www.toobaaelibrary.com

وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا، پیغمبر علیہ السلام نے ہمیشہ اس کی تعمیل فرمائی، اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اہل وعیال اور قریبی خاندان کے لوگ جب اس کے نظریات اور عملی پروگرام میں اس کے ساتھی اور ہمرنگ ہو جاتے ہیں تو اس کی تعلیم وتبلیغ زیادہ مؤثر ہوتی ہے، چنانچہ جب پیغمبر علیہ السلام کے خاندان میں اسلام پھیل گیا اور فتح مکہ کے وقت اس کی تکمیل ہوئی تو اس کا نتیجہ بالفاظِ قرآن یہ ظاہر ہوا کہ: يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (سورہ نصر)

آج کل مسلمانوں میں بے عملی اور بے دینی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر خود دین سے واقف اور دین دار بھی ہیں تو اپنی اولاد کے لیے دینداری اور دائمی راحت کی فکر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی فکر کی توفیق عطا فرمائے، اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے سب سے بڑا سرمایہ ایمان اور عمل صالح کو سمجھ کر اس کی کوشش کریں۔

مسئلہ توریث الجد | اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ میں اشارہ ہے کہ دادا بھی باپ ہی کے حکم میں ہے، اسی لیے حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت سے استدلال کر کے فرمایا میراث میں دادا کا بھی وہی حکم ہے جو باپ کا ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ الخ سے معلوم ہوا کہ آباواجداد کے اعمال نیک وبد کی جزا وسزا اولاد پر نہیں ہوگی، اس سے یہود کے اس عقیدے کی بھی تردید ہوگئی کہ ہم جو عمل چاہیں کرتے رہیں، ہماری مغفرت تو ہمارے اباء واجداد کے اعمال سے ہو جائے گی، اسی طرح آج کل کے بعض سیّد خاندان کے لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ ہم اولادِ رسول ہیں جو چاہیں کرتے رہیں ہماری مغفرت ہی ہوگی، قرآن کریم نے اس مضمون کو مختلف عنوانات سے بار بار بیان فرمایا ہے وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وغیرہ (انعام) اور رسول اللہؐ نے فرمایا:

اے بنی ہاشم: ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز اور لوگ تو اپنے اپنے اعمال صالحہ لے کر آئیں اور تم اعمال صالحہ سے غفلت برتو اور صرف میرے نسب کا بھروسہ لے کر آؤ اور میں اس روز تم سے یہ کہوں کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا'' اور دوسری حدیث میں ہے: مَنْ بَطَّاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ یعنی جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے ڈالا اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا'' اور حدیث یا فاطمة انقذی نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست!

www.toobaaelibrary.com

آیت: ۱۳۶ اولادِ یعقوبؑ کو قرآن کریم نے لفظ اَسْبَاط سے تعبیر فرمایا، یہ سبط کی جمع ہے بمعنی قبیلہ اور جماعت سبط کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے صلبی لڑکے بارہ تھے پھر ان کی ہر اولاد ایک مستقل قبیلہ بن گئی، اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل میں بڑی برکت دی کہ جب حضرت یوسفؑ کے پاس مصر گئے تو بارہ بھائی تھے، اور جب فرعون کے مقابلہ کے بعد موسیٰ کے ساتھ ان کی اولاد بنی اسرائیل نکلے تو ہر بھائی کی اولاد ہزاروں افراد پر مشتمل قبیلے تھے، اور دوسری برکت اولاد یعقوب میں یہ عطا فرمائی کہ دس انبیاء کے علاوہ باقی سب انبیاء اور رسول ان کی اولاد میں پیدا ہوئے، بنی اسرائیل کے علاوہ باقی انبیاء حضرت آدمؑ کے بعد نوح، شعیب، ہود، صالح، لوط، ابراہیم، اسحٰق، اسمٰعیل اور محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

آیت: ۱۳۷/۱۳۸: رسول کریمؐ اور صحابۂ کرامؓ کے ایمان کو ایک مثالی نمونہ قرار دے کر یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و معتبر ایمان صرف اسی طرح کا ہے جو رسول اللہؐ اور صحابہؓ نے اختیار فرمایا جو اس سے سر مو بھی مختلف ہو، مقبول نہیں۔

شریعت اسلام فرشتہ اور رسول کی عظمت و محبت میں اعتدال مطلوب ہے، اور انکار اور غلو دونوں گمراہی ہے، جیسا کہ بعض مشرکین نے کیا ہے، اسی طرح یہود و نصاریٰ کے بعض گروہ نے اپنے پیغمبروں کی اس حد تک نافرمانی کی کہ انھیں قتل بھی کر دیا، اور بعض نے انکی عزت و عظمت کو اتنا بڑھایا کہ خدا، یا خدا کا بیٹا، یا مثلِ خدا بنا دیا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ سے سب کی تردید ہو گئی، آج بھی رسول اللہؐ کو عالم الغیب یا خدا کی طرح ہر جگہ موجود و حاضر و ناظر کہنے والوں کے لیے اس میں سبق ہے، اسی طرح نبی و رسول کی اختراعی قسمیں ظلی، بروزی لغوی سب گمراہی ہے، اسی طرح جن کے قلب و دماغ صرف مادّے اور مادّیات میں کھوئے ہوئے ہیں جب عالم غیب اور عالم آخرت کی چیزیں انھیں مستبعد نظر آتی ہیں تو طرح طرح کی تاویلات باطلہ میں پڑ جاتے ہیں اور ان تاویلات باطلہ کو دین کی خدمت سمجھتے ہیں یہ سب مردود اور باطل ہیں۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ: یہ دوسری آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی طرح ہے کہ آپ مخالفین کی فکر نہ کریں ہم خود ان سے نمٹ لیں گے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ: ملّت کو صِبْغَتْ کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور یہ بتلایا کہ دین درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہے پیغمبر کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے، نیز یہاں اشارۃً نصاریٰ کی ایک رسم کی تردید ہو گئی، ان کی

www.toobaaelibrary.com

عادت یہ ہے کہ بچہ کو پیدائش کے ساتویں روز ایک رنگین پانی میں نہلا کر، بجائے ختنہ کے اسی کو بچہ کی طہارت اور دین نصرانیت کا پختہ رنگ سمجھتے تھے، اس آیت نے یہ بتلایا کہ پانی کا یہ رنگ تو دھل کر ختم ہو جاتا ہے، اور ختنہ نہ کرنے سے جو گندگی اور ناپاکی جسم میں رہتی ہے یہ رنگ اس سے بھی نجات نہیں دیتا، اصلی اور دائمی رنگ دین اور ایمان کا رنگ ہے جو ظاہری اور باطنی پاکی کی بھی ضمانت ہے۔

دوسرے دین وایمان کو رنگ فرما کر اس کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جس طرح رنگ آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے، مومن کے ایمان کی علامات اس کے چہرہ بشرہ اور تمام حرکات وسکنات، معاملات اور عادات میں ظاہر ہوتا جائیں، واللہ اعلم۔

آیت: ۱۳۹: وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ، اس میں امت مسلمہ کی یہ خصوصیت بتلائی ہے کہ وہ اللہ کے لیے مخلص ہے یعنی کسی کو شریک نہ ٹھہرائے جو عمل کرے خالص اللہ کے لیے کرے، بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اخلاص ایک ایسا عمل ہے جسے نہ تو فرشتے پہچان سکتے ہیں اور نہ شیطان، وہ صرف بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک راز ہے۔

[redacted] قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ
عَلٰى عَقِبَيْهِ ۚ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ ١
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّهِمْ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ
وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ
لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

(جب کعبہ قبلۂ نماز مقرر ہو کر یہود کا قبلہ متروک ہو گیا تو بوجہ ناگواری کے) اب تو (یہ) بے وقوف لوگ ضرور ہی کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ سے (کہ بیت المقدس تھا) جس طرف پہلے متوجہ ہوا

www.toobaaelibrary.com

کرتے تھے کس بات نے (دوسری سمت کی طرف) بدل دیا آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ سب (سمتیں خواہ) مشرق (ہو) اور (خواہ) مغرب (ہو) اللہ ہی کی ملک ہیں (خدا تعالیٰ کو مالکانہ اختیار ہے جس سمت کو چاہیں مقرر فرما دیں، کسی کو منصب علت دریافت کرنے کا نہیں ہے، اور سیدھا طریق احکام شرعیہ کے باب میں یہی اعتقاد ہے، لیکن بعضوں کو اس راہ کے اختیار کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، خواہ مخواہ علتیں ڈھونڈتے پھرا کرتے ہیں) جس کو خدا ہی (اپنے فضل سے) چاہیں (یہ) سیدھا طریق بتلا دیتے ہیں۔ اور (اے متبعان محمدؐ) اسی طرح ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنا دی ہے، جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے، تاکہ (دنیا میں شرف وامتیاز حاصل ہونے کے علاوہ آخرت میں بھی تمہارا ایسا شرف ظاہر ہو کہ) تم (ایک بڑے مقدمہ میں جس میں ایک فریق حضرات انبیاء علیہم السلام ہوں گے، اور فریق ثانی ان کی مخالف قومیں ہوں گی ان مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ (تجویز) ہو اور (شرف بالائے شرف یہ ہوا کہ) تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے) کے لیے رسول اللہؐ گواہ ہوں (اور اس شہادت سے تمہاری شہادت معتبر ہونے کی تصدیق ہو، پھر تمہاری شہادت سے اس مقدمہ کا حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں فیصلہ ہو اور مخالفین مجرم قرار پا کر سزایاب ہوں، اور اس امر کا اعلیٰ درجہ کی عزت ہونا ظاہر ہے۔ (اور اصل میں تو شریعت محمدیہؐ کے لیے ہم نے کعبہ ہی قبلہ تجویز کر رکھا تھا) اور جس سمت قبلہ پر آپ (چند روز قائم) رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس (مصلحت کے) لیے تھا کہ ہم کو (ظاہری طور پر بھی) معلوم ہو جاوے کہ (اس کے مقرر ہونے سے یا بدلنے سے یہود اور غیر یہود میں سے) کون تو رسول اللہؐ کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹا جاتا ہے (اور نفرت اور مخالفت کرتا ہے اس امتحان کے لیے اس عارضی قبلہ کو مقرر کیا تھا، پھر اصلی قبلہ سے اس کو منسوخ کر دیا) اور یہ قبلہ کا بدلنا (منحرف لوگوں پر) ہو ابڑا ثقیل (ہاں) مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے (سیدھے طریق کی) ہدایت فرمائی ہے (جس کا بیان اوپر آ چکا ہے کہ احکام الٰہیہ کو بے چوں وچرا قبول کر لینا ان کو کچھ بھی گراں نہیں ہوا، جیسا پہلے اس کو خدا کا حکم سمجھتے تھے اب اس کو سمجھنے لگے) اور (ہم نے جو کہا ہے کہ بیت المقدس قبلہ غیر اصلی تھا، اس سے کوئی شخص یہ وسوسہ نہ لاوے بس تو جتنی نمازیں ادھر پڑھی ہیں ان میں ثواب بھی کم ملا ہوگا، کیوں کہ اصلی قبلہ کی طرف نہ تھیں، سو اس وسوسہ کو دل میں نہ لانا، کیوں کہ) اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کہ تمہارے ایمان (کے متعلق اعمال مثلاً نماز کے ثواب) کو ضائع (اور ناقص) کر دیں (اور) واقعی اللہ تعالیٰ تو

www.toobaaelibrary.com

(ایسے) لوگوں پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہیں (تو ایسے شفیق مہربان پر یہ گمان کب ہوسکتا ہے، کیوں کہ کسی قبلہ کا اصلی یا غیر اصلی ہونا تو ہم ہی جانتے ہیں، تم نے تو دونوں کو ہمارا حکم سمجھ کر قبول کیا، اس لیے ثواب بھی کسی کا کم نہ ہوگا، آپ جو دل سے کعبہ کے قبلہ ہونے کی خواہش رکھتے ہیں، اور امید وحی میں بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھتے ہیں کہ شاید فرشتہ حکم لے آوے سو) آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ (اور چوں کہ ہمیں آپ کی خوشی پوار کرنا منظور ہے) اس لیے (ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کردیں گے، جو آپ کو پسند ہے (لو پھر ہم حکم ہی دیئے دیتے ہیں، کہ) اب سے اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام کی طرف کیا کیجیے (اور یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص نہیں بلکہ سب لوگ پیغمبر بھی اور امتی بھی) جہاں کہیں موجود ہو (خواہ مدینہ میں یا اور جگہ، یہاں تک کہ خود بیت المقدس میں بھی) اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو (اور اس قبلہ کے مقرر ہونے کے متعلق) یہ اہل کتاب بھی (بالعموم اپنی کتابوں کی پیشین گوئی کی وجہ سے کہ نبی آخر الزماں کا قبلہ اس طرح ہوگا) یقیناً جانتے ہیں کہ یہ حکم بالکل ٹھیک ہے (اور) ان کے پروردگار ہی کی طرف سے ہے (مگر عناداً مانتے نہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کی کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہے۔ اور (باوجود ان لوگوں کے سب کچھ سمجھنے کے ان کی ضد کی یہ حالت تھی کہ) اگر آپ (ان) اہلِ کتاب کے سامنے تمام (دنیا بھر کی) دلیلیں (جمع کرکے) پیش کردیں جب بھی یہ (کبھی) آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں اور (ان کی موافقت کی امید اس لیے نہ رکھنی چاہیے کہ آپ کا قبلہ بھی منسوخ ہونے والا نہیں، اس لیے) آپ بھی ان کے قبلہ کو قبول نہیں کرسکتے (پس کوئی صورت موافقت کی باقی نہیں رہی) اور (جیسا ان اہلِ کتاب کو آپ سے ضد ہے ان میں باہم بھی موافقت نہیں کیوں کہ) ان کا کوئی (فریق) بھی دوسرے (فریق) کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا، (مثلاً یہود نے بیت المقدس لے رکھا تھا اور نصاریٰ نے مشرق کی سمت کو قبلہ بنا رکھا تھا) اور (خدانخواستہ آپ تو کسی طرح ان کے قبلہ منسوخہ غیر مشروعہ کو لے ہی نہیں سکتے، کیوں کہ) اگر آپ ان کے (ان) نفسانی خیالات کو (گو وہ اصل میں حکم آسمانی رہے ہوں لیکن اب بوجہ منسوخ ہونے کے ان پر عمل کرنا محض نفسانی تعصب ہے، سو اگر آپ ایسے خیالات کو) اختیار کرلیں (اور وہ بھی) آپ کے پاس علم (قطعی یعنی وحی) آئے پیچھے، تو یقیناً آپ (نعوذ باللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں، (جو کہ تارکینِ حکم ہیں، اور آپ کا ظالم ہونا بوجہ معصوم ہونے کے محال ہے، اس لیے یہ بھی محال ہے کہ آپ ان کے

www.toobaaelibrary.com

خیالات کو جن میں سے ان کا قبلہ بھی ہے قبول کرلیں) اس سے پہلی آیت میں اہل کتاب کا قبلہ مسلمین کو دل میں حق جاننے اور زبان سے نہ ماننے کا ذکر تھا، اس آیت میں انہی اہل کتاب کا صاحب قبلہ یعنی رسول اللہؐ کو اسی طرح دل میں حق جاننے اور زبان سے نہ ماننے کا بیان ہے۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ وانجیل) دی ہے، وہ لوگ رسول اللہؐ کو (توراۃ وانجیل میں آئی ہوئی... بشارت کی بناء پر بحیثیت رسالت) ایسا (بے شک وشبہ) پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو (ان کی صورت سے) پہچانتے ہیں، (کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر ہی شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کون شخص ہے، مگر پہچان کر بھی سب مسلمان نہیں ہوتے، بلکہ بعض تو ایمان لے آئے) اور بعضے ان میں سے (ایسے ہیں کہ اس) امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں (مگر) اخفاء کرتے ہیں (حالاں کہ) یہ امر واقعی من جانب اللہ (ثابت ہو چکا) ہے سو (ایسے امر واقعی ثابت من اللہ میں ہر ہر فرد کو کہا جاسکتا ہے کہ) ہرگز شک وشبہ لانے والوں میں شمار نہ ہونا۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۴۲: اس آیت میں تحویل قبلہ کے بارے میں مخالفین کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے، ہجرتِ مدینہ سے سولہ سترہ مہینے بعد دوبارہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ کو بنایا گیا، اس پر یہود بعض مشرکین ومنافقین یہ اعتراض کرنے لگے کہ ان کے دین کا بھی کوئی ٹھکانا نہیں، ان کا قبلہ بھی روز بدلتا رہتا ہے۔ جواب کا انداز یہ اختیار کیا کہ یہ اعتراض احمقانہ ہے۔

سمت توجہ کو قبلہ کہتے ہیں۔ یعنی جس طرف رخ کیا جائے، بوقت عبادت مومن کا رخ صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف ہوتا ہے اور وہ ذات سمتوں اور جہتوں سے بالاتر ہے، اس کا نتیجہ یہی ہوتا کہ عبادت گذار کسی خاص رخ کا پابند نہ ہوتا، جس کا جب جی چاہتا نماز میں اس طرف کرتا، اور کبھی کسی طرف اور کبھی کسی طرف! اور یہ ظاہر ہے کہ انفرادیت اور تشتت نظام اجتماعی کے سم قاتل ہے، اور نماز وحج اجتماعی عبادات میں سے ہیں اس لیے حکمت الٰہیہ اسی کی مقتضی ہوئی کہ عبادت گذاروں کا رخ ایک ہی طرف ہو، قوموں نے نسل ونسب، رنگ وزبان اور وطن وجغرافیائی خصوصیات کو نقطۂ وحدت قرار دیا، لیکن یہ غیر اختیاری چیزیں نقطۂ وحدت بنانے کے قابل ہی نہیں افراد انسانی کو کسی ایک مرکز پر جمع نہیں کرسکتیں، دین اسلام نے وحدت کا اصل نقطہ فکر وخیال اور کی وحدت کو قرار دیا، اس لیے کروڑوں خداؤں کی پرستش کے بجائے ایک ذات حق وحدہ لاشریک

www.toobaaelibrary.com

کی عبادت واطاعت کی طرف دعوت دی۔ جس پر مشرق ومغرب اور ہر دور کے تمام افراد انسانی جمع ہو سکتے ہیں، پھر اس حقیقی وحدت کو عملی صورت اور قوت دینے کے لیے ظاہری وحدتیں بھی لگائی گئیں مگر ان میں اصول یہ رکھا گیا کہ وہ عملی واختیاری ہوں، جیسے جماعت نماز، صف کی پابندی، اور حج میں لباس اور مسکن کا اشتراک وغیرہ۔

اسی طرح ایک اہم چیز سمت قبلہ کی وحدت بھی ہے، اب وہ سمت وجہت کونسی ہو؟ اگر انسانوں پر اس کا فیصلہ چھوڑا جائے تو یہ چیز خود ایک بڑی بناء اختلاف ونزاع بن جاتی ہے اس لیے ضروری تھا کہ اس کا تعین خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا، حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اتارا گیا تو فرشتوں کے ذریعہ پہلے ہی بیت اللہ کعبہ کی بنیاد رکھ دی گئی تھی، اور آدمؑ اور اولاد آدم کا سب سے پہلا قبلہ یہی بیت اللہ اور خانہ کعبہ بنایا گیا۔ ارشاد ہے اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (آل عمران)

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام تک سب کا قبلہ یہی رہا، ان کے بعد انبیاء بنی اسرائیل کے لیے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا، اور جو حضرات انبیاء بیت المقدس میں نماز پڑھتے تھے وہ بھی ایسا انداز اختیار کرتے تھے کہ صخرۂ بیت المقدس بھی سامنے رہے اور بیت اللہ بھی ہجرت مدینہ کے بعد یا کچھ پہلے آپ کو بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنانے کا حکم ہوا آپ سراپا اطاعت تھے، سولہ سترہ ماہ تک آپ نے اس کی طرف نماز ادا فرمائی (القرطبی) مگر طبعی رغبت آپ کی یہی تھی کہ کعبۃ اللہ ہی آپ کا پھر قبلہ قرار دیدیا جائے، اور عادۃ اللہ یہی ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں کی خواہش اور مراد کو پوری فرماتے ہیں، آنحضرت ﷺ کو اپنی تمنا کی تکمیل کی امید بھی تھی اسی لیے انتظار وحی میں آپ بار بار آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھتے تھے جس کا ذکر آگے آیت میں آرہا ہے (قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ الخ)

مسئلہ: بلاد بعیدہ کے لیے نماز میں عین بیت اللہ کا استقبال اور محاذات ضروری نہیں، بلکہ سمت بیت اللہ کی طرف رُخ کر لینا کافی ہے البتہ مسجد حرام میں موجود شخص، یا وہ جو سامنے سے دیکھ رہا ہو اس کے لیے خاص بیت اللہ ہی کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، اگر بیت اللہ کی کوئی چیز بھی اس کے چہرے کے محاذات میں نہ آئی تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

اور ممکن ہے کہ قبلہ کے تغیر وتبدل میں یہ بھی حکمت ہو کہ خود قبلہ کوئی... چیز نہیں جس کی پرستش کی جائے بلکہ اصل چیز حکم خداوندی ہے جس کی طرف اشارہ آیت (۱۴۳) میں ملتا ہے۔ آگے آیت:

www.toobaaelibrary.com

۱۷۷، میں واضح اشارہ آرہا ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ الخ

آخر میں ارشاد يَهْدِي مَنْ يَشَآءُ إِلىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ، یعنی سیدھی راہ یہی ہے کہ انسان حکم خداوندی کے لیے کمربستہ رہے اور بفضلہ تعالیٰ یہ سیدھی راہ مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک ارشاد رسالت منقول ہے کہ اہل کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑا حسد تین چیزوں پر ہے ساری امت کو عبادت کے لیے ہفتہ میں ایک دن مخصوص کرنے کا حکم تھا، یہود نے سنیچر کا دن مقرر کرلیا، اور نصاریٰ نے اتوار کا اور حقیقت میں عنداللہ وہ جمعہ کا دن تھا جو مسلمانوں کے انتخاب میں آیا، دوسرے وہ قبلہ جو تحویل کے بعد مسلمانوں کے لیے مقرر کیا گیا اور کسی امت کو اس کی توفیق نہیں ہوئی، تیسرے امام کے پیچھے آمین کہنا۔ ان تینوں خصلتوں سے اہل کتاب محروم ہیں۔

آیت: ۱۴۳: وسط یعنی عدل بمعنیٰ بہترین (ترمذی عن ابی سعید خدریؓ) اس آیت میں امت محمدیہ کی ایک امتیازی خصوصیت اور فضیلت کا ذکر ہے کہ وہ ایک معتدل امت بنائی گئی ہے، ان کی ایک خصوصیت یعنی ایک افضل قبلہ عطا کیے جانے کا ذکر ابھی اوپر گذرا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میدان حشر میں جب سارے انبیاء کی امتیں ان کی ہدایت وتبلیغ سے مکر جائیں گی اس وقت یہ امت محمدیہؐ ان انبیاء کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت ان کو پہنچائیں، مدعی علیہم جرح کریں گے کہ ہمارے زمانے میں تو ان کا وجود بھی نہ تھا، یہ کیسے گواہ ہیں، امت محمدیہؐ یہ جواب دے گی کہ بے شک اس وقت ہم موجود نہ تھے مگر ان کے واقعات وحالات کی خبر ہمیں ہمارے صادق ومصدوق رسولؐ نے اور اللہ کی کتاب نے دی ہے جس پر ہم ایمان لائے، ان کی اس خبر کو ہم اپنے معاینہ اور مشاہدہ سے زیادہ وقیع اور سچا جانتے ہیں، اس وقت پیغمبر ﷺ پیش ہونگے اور ان گواہوں کا تزکیہ اور توثیق کریں گے۔ (بخاری ترمذی وغیرہ)

اعتدال عدل سے مشتق ہے بمعنی برابر ہونا، برابر کرنا | دنیا کے جتنے طریقے جسمانی صحت وعلاج کے لیے جاری ہیں سب اس پر متفق ہیں کہ بدن انسانی کی صحت اعتدال مزاج سے ہے، اخلاط اربعہ خون بلغم سودا، صفرا، جب تک یہ چاروں کیفیات مزاج انسانی کے مناسب حدود کے اندر معتدل رہتی ہیں وہ بدن انسانی کی صحت وتندرستی کہلاتی ہے اور جہاں یہ اعتدال کسی جانب سے خلل پذیر ہو وہی بدن انسانی

www.toobaaelibrary.com

کا مرض ہے اگر اس کی اصلاح اور علاج نہ کیا جائے تو ایک حد میں پہنچ کر وہی موت کا پیام ہو جاتا ہے۔

اس محسوس مثال کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ روحانیت اور اخلاقیات کی بھی یہی مثال ہے کہ ان میں بھی اعتدال اور بے اعتدالی کا یہی طریقہ جاری ہے اعتدال کا نام روحانی صحت اور بے اعتدالی کا نام روحانی اور اخلاقی مرض ہے، اس کا علاج کر کے اسے اعتدال پر نہ لایا جائے تو اس کا نتیجہ روحانی موت ہے۔

واضح ہو کہ وہ جوہر انسانیت جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات اور آقائے کائنات مانا گیا ہے وہ یہ گوشت پوست اور ان کی کیفیات حرارت و برودت سے بالاتر چیز انسان کا وہ روحانی اور اخلاقی کمال ہے جس نے اس کو مخدوم کائنات بنایا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست ❁ آدمیت جز رضائے دوست نیست!

بہر حال انسان کامل کہلانے کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو جسمانی اعتدال کے ساتھ روحانی اور اخلاقی اعتدال بھی رکھتا ہو، یہ کمال تمام انبیاء کرام کو خصوصیت کے ساتھ عطا ہوا ہے، اکمل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو سب سے زیادہ یہ کمال حاصل تھا، اس لیے انسان کامل کے اولین مصداق آپ ﷺ ہی ہیں، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے جسمانی علاج و معالجہ کے لیے ہر جگہ ایک محکم نظام قائم فرمایا ہے اسی طرح روحانی علاج اور قوموں میں اخلاقی اعتدال کے لیے انبیاء علیہم السلام اور آسمانی ہدایات بھیجی گئیں۔

دیکھنے میں وَسطاً ایک مختصر سا لفظ ہے مگر حقیقتاً یہ دنیا میں جتنے کمالات ممکن ہیں سب کو جامع ہے، اس سے یہ بتلا دیا کہ انسان کا جوہر شرافت و فضیلت امت محمدیہ میں بدرجۂ کمال موجود ہے، اور یہ امت ساری امتوں سے ممتاز اور افضل ہے، اس امت کے اس وصف خاص کا بیان مختلف آیتوں میں مذکور ہوا ہے: وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (اعراف ۱۸۱) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران ۱۱۰)

یہ امت لوگوں کی خیر خواہی اور فائدے کے لیے بنائی گئی ہے، لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت کرے، برے کاموں سے روکے، یہ روکنا حسب ضرورت ہر طرح سے ہوگا، کبھی زبان و قلم سے کبھی ہاتھ اور تلوار سے، یہ صفت جس عموم و اہتمام سے امت محمدیہ میں پائی گئی پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اس امت کے توسط اور اعتدال کا ثبوت واقعات سے کیا ہے؟ اس کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اعتقادی اعتدال

پچھلی امتیں لوگوں کے معاملے میں اعتقاد اور محبت میں افراط و تفریط کا شکار ملیں گی، کسی نے اپنے رسول کو خدا کا بیٹا قرار دے کر پرستش شروع

www.toobaaelibrary.com

کردی (وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللهِ (توبہ ۳۰) تو دوسری طرف یہ عالم بھی نظر آئے گا کہ مسلسل معجزات دیکھنے اور برتنے کے باوجود بھی جنگ وجہاد کی دعوت کے جواب میں کہہ دیتے ہیں اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (فائدہ ۲۴) اور کہیں تو اپنے انبیاء کو ایذائیں بھی دیں اور قتل تک کر دیا۔

بخلاف امت محمدیہؐ کے کہ وہ اپنے رسول سے وہ عشق ومحبت رکھتے ہیں کہ اس کے آگے جان ومال اور اولاد وآبرو سب کچھ قربان کر دیتے ہیں تو دوسری طرف اعتدال یہ کہ رسول کو رسول سمجھتے ہیں، خدا نہیں، اور تمام کمالات کے باوجود عبداللہ ورسولہ مانتے اور کہتے ہیں، اور آپؐ کی مدائح ومنقبت میں یہ پیانہ رکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

عملی اور عباداتی اعتدال پچھلی امتوں میں، چند ٹکوں میں احکام شریعت فروخ کر دینا، آسمانی کتابوں میں ترمیم وتحریف، غلط فتوے دینا اور عبادت سے پیچھا چھڑانا ایک طرف یہ سب کچھ ملے گا، دوسری طرف بالکل ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کرنے والے ملیں گے جو اللہ کی حلال نعمتوں سے بھی خود کو محروم کر کے سختیاں جھیلنے ہی کو عبادت وثواب سمجھتے ہیں۔

اس کے برخلاف امت محمدیہؐ نے ایک طرف رہبانیت کو انسانیت پر ظلم قرار دیا اور دوسری طرف احکام شریعت پر مرمٹنے کا جذبہ پیدا کیا اور قیصر وکسریٰ کے تخت وتاج کے مالک بن کر دنیا کو دکھلا دیا کہ دین وسیاست میں کوئی بیر نہیں، مذہب صرف مسجدوں یا خانقاہوں کے گوشوں کے لیے نہیں آیا بلکہ اس کی حکمرانی بازاروں اور دفتروں پہ بھی ہے اور وزارتوں اور امارتوں پر بھی اس نے بادشاہی میں فقیری اور فقیری میں بادشاہی سکھلائی۔

معاشرتی اور تمدنی اعتدال پچھلی امتوں میں یہ بے اعتدالی نظر آئے گی کہ انسانی حقوق کی کوئی پرواہ نہیں اپنی غرض کے خلاف جسے دیکھا کچل دیا۔ قتل وغارت گری، ذرا ذرا سی بات پر سو سو برس تک جنگ جاری (حرب بسوس) انسانوں کو زندہ رہنے کی اجازت نہیں، کہیں بچپن ہی میں زندہ در گور کر دینے کی رسم، کہیں مردہ شوہروں کے ساتھ زندہ عورتوں کو بھی ستی کر کے جلا ڈالنے کا رواج، اس کے بالمقابل دوسری طرف یہ "رحم دلی" کہ کیڑے مکوڑوں کی ہتیا کو حرام سمجھیں خدا کے حلال کیے ہوئے جانوروں سے نفع اٹھانے کو ظلم سمجھیں۔

اس کے برخلاف شریعت محمدیہؐ نے ان ساری بے اعتدالیوں کا خاتمہ کیا، انسانیت کے حقوق

www.toobaaelibrary.com

بتلائے، اور صلح تو صلح عین میدان جنگ میں مخالفین کے حقوق کی حفاظت سکھلائی عورتوں کو مردوں کی طرح حقوق عطا فرمائے، ہر چیز کی حدود مقرر کی۔ اپنے معاملہ میں درگذر و چشم پوشی اور دوسروں کے حقوق کا پورا اہتمام کرنے کے آداب سکھلائے۔

اقتصادی و رمالی اعتدال

آج کل معاشیات کا مسئلہ سب سے اہم ہے اس میں بھی دوسری قوموں میں طرح طرح کی بے اعتدالیاں نظر آئیں گی، ایک طرف سرمایہ داری کا نظام ہے جہاں ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر لینا ہی سب سے بڑی انسانی فضیلت سمجھی جاتی ہے، دوسری طرف اشتراکی نظام ہے جہاں سرے سے شخصی اور انفرادی ملکیت ہی کو جرم قرار دیا جاتا ہے دونوں کا حاصل مال و دولت کی پرستش ہے۔ اس کے برخلاف شریعت محمدیہؐ نے ایک طرف دولت کو مقصد زندگی بنانے سے منع فرمایا، انسانی عزت و شرافت اور عہدہ و منصب کا مدار اس پر نہیں رکھا، دوسری طرف تقسیم دولت کے ایسے پاکیزہ اصول مقرر کئے جن سے کوئی انسان ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے، اور کوئی فرد ساری دولت کو نہ سمیٹ لے، قابل اشتراک چیزوں کو مشترک اور وقف عام رکھا، اور مخصوص چیزوں میں انفرادی ملکیت کا مکمل احترام کیا حلال مال کی فضیلت، اس کے رکھنے اور استعمال کرنے کے صحیح طریقے بتلائے۔

ان چند مثالوں سے واضح ہو گیا کہ امت محمدیہ کو ایک معتدل اور بہترین امت بنایا گیا ہے۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص میں عدل نہیں وہ قابل شہادت نہیں، عدل کا ترجمہ ثقہ (قابل اعتماد) کیا جاتا ہے قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ آیت اجماع امت کے حجت ہونے پر دلیل ہے، اور عمل اس پر واجب ہے اس طرح کہ صحابہؓ کا اجماع تابعین پر، اور تابعین کا اجماع تبع تابعین پر حجت ہے۔ نیز اس امت کے جو افعال و اعمال متفق علیہ ہیں وہ سب محمود و مقبول ہیں (تفسیر مظہری) امام جصاص نے فرمایا کہ اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ ہر زمانے کے مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے، قرن اول یا کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں، کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے، اور قیامت تک آنے والی مسلمان نسلیں سب آپؐ کی امت ہیں، تو ہر زمانے کے مسلمان شہداء اللہ ہو گئے۔

کعبہ کے قبلۂ نماز ہونے کی ابتدا کب ہوئی؟

بوقت فرضیت نماز قبلہ بیت اللہ تھا یا بیت المقدس؟ صحابہ اور

www.toobaaelibrary.com

تابعین کا اس میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ بیت المقدس اول ہی سے قبلہ تھا۔ ہجرت کے سولہ سترہ ماہ بعد بیت اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم نازل ہوا، البتہ پیغمبر علیہ السلام کا عمل مکہ مکرمہ میں اس طرح رہا کہ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کا استقبال رہے چنانچہ آپؐ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان نماز پڑھتے تھے، مگر مدینہ پہنچ کر یہ ممکن نہ رہا اس لیے تحویل قبلہ کا اشتیاق پیدا ہوا (ابن کثیر)

دوسرے حضرات کا قول یہ ہے کہ فرضیت نماز کے وقت ہی سے ابتدائی قبلہ بیت اللہ تھا، پھر ہجرت کے بعد بیت المقدس قبلہ قرار دیا گیا قبائل یہود کو مانوس کرنے کے لیے مگر ان کی ہٹ دھرمی سے اصلی قبلہ بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، جو آپؐ کو طبعاً محبوب تھا، قرطبی نے بحوالہ ابو عمرو اسی کو اصح القولین کہا ہے۔

قول اول کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مشرکین سے امتیاز اور مخالفت کا اظہار مقصود تھا، اور بعد ہجرت مدینہ منورہ میں یہود و نصاریٰ سے امتیاز اور مخالفت کا اظہار مقصود تھا بہر حال اسی اختلاف اقوال کے باعث آیت اَلْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا کی مراد میں اختلاف ہو گیا۔

دونوں صورتوں میں تحویل قبلہ مسلمان متبعین کے لیے ایک امتحان تھا۔ کہ ظاہر ا بھی معلوم ہو جائے کہ کون واقعی مطیع ہے اور کون اپنی رائے کا متبع۔ چنانچہ اس کے بعد بعض ضعیف الایمان یا منافق قسم کے مسلمان اسلام سے پھر گئے۔

احکام متعلقہ | بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا ثبوت صرف احادیث وسنت نبویہ سے ہے، قرآن میں اس کی کہیں تصریح نہیں پس معلوم ہوا کہ کبھی سنت کو قرآن کے ذریعہ بھی منسوخ کیا جاتا ہے (جصاصؒ) نیز سنت سے ثابت شدہ احکام کی شرعی حیثیت کو قرآن تسلیم کرتا ہے، چنانچہ جو نمازیں بامر پیغمبر علیہ السلام بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں وہ بھی عند اللہ معتبر اور مقبول ہیں۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ بعض روایات و اقوال سلف میں ایمان کی تفسیر نماز سے کی گئی ہے تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس میں پڑھی گئی نمازوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں نماز کو ایمان کے لفظ سے تعبیر کر کے واضح کر دیا کہ ان کی نمازیں سب صحیح اور مقبول ہو چکی ہیں۔

حکم قرآنی کا نسخ خبرِ واحد سے | بخاری اور مسلم اور تمام معتبر حدیث میں منقول ہے کہ تحویل قبلہ کے حکم کے بعد پیغمبر علیہ السلام نے عصر (یا ظہر) کی نماز بیت اللہ کی جانب پڑھی اور صحابہ کرام یہاں سے نماز پڑھ کر باہر گئے تو قبیلہ بنی سلمہ کو

www.toobaaelibrary.com

حسب سابق بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو آواز دے کر کہا کہ اب قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو گیا ہے ہم پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ نماز بیت اللہ کی جانب پڑھ کر آئے ہیں، ان لوگوں نے نماز ہی میں اپنا رخ بیت اللہ کی طرف پھر لیا، مگر قبا میں یہ خبر اگلے دن صبح کی نماز میں پہنچی (صحیحین از ابن عمرؓ) اہل قبا نے بھی نماز ہی کے اندر اپنا رُخ بیت اللہ کی طرف پھیر لیا (ابن کثیر وجصاص) جصاص فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگر چہ اصلاً خبر واحد ہے مگر قرائن قویہ کی وجہ سے متواتر کے درجہ میں ہو گئی ہے جو علم یقین کا موجب ہوتا ہے۔

مگر فقہاء حنفیہ کا ضابطہ یہ ہے کہ حکم قطعی خبر واحد سے منسوخ نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ بنوسلمہ اور اہل قبا کو خبر اچانک ایک ہی آدمی نے دی تھی، اس حدیث کی شہرت تو بعد میں ہوئی، انہوں نے کیسے عمل کر لیا؟ جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی رغبت واشتیاق بیت اللہ کے بارے میں صحابہ کو پہلے سے معلوم تھا اس لیے استقبال بیت المقدس کے بارے میں احتمال پیدا ہو گیا تھا اس احتمال کے باعث بجائے قبلہ بیت المقدس ظنی ہو گیا تھا اب اس کے منسوخ کرنے کے لیے یہ خبر واحد کافی ہو گئی۔

بحالت نماز تحویل قبلہ کے مذکورہ بالا واقعہ پر علامہ عینی حنفیؒ نے تحریر فرمایا ہے: فیه جواز تعلیم من لیس فی الصّلوة من هو فیها یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص نماز میں شریک نہیں وہ کسی نماز پڑھنے والے کو تعلیم وتلقین (امر الٰہی) کر سکتا ہے" (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۴۸) البتہ نماز میں غیر اللہ کے امر کا اتباع موجب فساد نماز ہے، نیز جماعت میں شرکت کے لیے پچھلی صف میں تنہا رہ جانے والا، اگلی صف سے کسی کو پیچھے کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے تو چونکہ یہاں بھی اس شخص کے حکم کا اتباع نہیں بلکہ امر الٰہی کا اتباع ہے لہٰذا ایسی صورت بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (درمختار، طحطاوی) نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے جواز کا فیصلہ بھی اسی سے آسان ہو گیا کہ اس آلہ سے امام کے رکوع وسجدہ کا علم ہو جاتا ہے جس سے اتباع امام کا کرتا ہے جو حکم الٰہی ہے کہ جب امام رکوع کرے تو رکوع کرو.... اور یہ کلام اس بنیاد پر ہے کہ اس آلہ کی آواز کو عین امام کی آواز نہ مانی جائے، اور اہل فن اس کی آواز کو عین آواز امام کہتے ہیں اس تحقیق پر کوئی اشکال جواز صلوٰۃ میں نہیں ہے۔

آیت: ۱۴۴: اس آیت کی ابتداء میں آپ کے اشتیاق کعبہ کا ذکر ہے، اشتیاق کی وجوہ کا مختصر بیان ماسبق میں گذر چکا ہے، مقربان بارگاہ الٰہی تاوقتیکہ انہیں اپنی دعاء ودرخواست کی قبولیت کا علم نہ ہو جائے، درخواست پیش نہیں کرتے، آپؐ قبولیت کے امیدوار تھے، بار بار آسمان کی طرف نظر

www.toobaaelibrary.com

اُٹھاتے تھے اآیت میں اس کیفیت کو بیان فرما کر پہلے تو قبولیت کا وعدہ فرمایا، پھر فوراً ہی رخ پھیرنے کا حکم بھی نازل فرمادیا، فلنولینک. فولو جھك اس طرز عمل میں ایک خاص لطف تھا کہ پہلے قبولیت وعدہ کی خوشی حاصل ہو، پھر ایفاء وعدہ کی خوشی، مکرر ہو جائے (قرطبی، جصاص، مظہری)

مسئلہ استقبال قبلہ کعبہ کو قبلہ تجویز کردینے کے بعد الفاظ بجائے "الى الكعبة یا الى بيت الله" کی "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" کے الفاظ اختیار فرمائے، اس لیے لیے کہ بلادِ بعیدہ والوں کے لیے اصل بیت اللہ کے استقبال کی پابندی اور تعمیل بہت دشوار ہوتی، خاص آلات وحسابات کے ذریعہ بھی صحیح سمت کا استخراج مشکل ہوجاتا اور شریعت محمدیہ کا مدار سہولت پر ہے مسجد حرام نسبتاً زیادہ وسیع رقبہ پر مشتمل ہے اس کی طرف رخ کرنا دور دور تک کے لوگوں کے لیے آسان ہے۔

دوسری سہولت بجائے اِلٰی کے لفظ شطر سے دیدی گئی جس کا معنی نصف شے، سمت شے کے ہے یہاں بالاتفاق شطر سے مراد سمت ہے، یعنی خاص مسجد حرام ہی نہیں بلکہ بلادِ بعیدہ والوں کے لیے سمت مسجد حرام درستی نماز کے لیے کافی ہے (بحرمحیط) مثلاً مشرقی ممالک ہندو پاکستان وغیرہ کے لیے مسجد حرام جانب مغرب ہے تو مغرب کی طرف رخ کرلینے سے استقبال قبلہ کا فرض ادا ہو جائے گا، اور فقہاء نے سمت مغرب اسے قرار دیا ہے جو موسم سرما و گرما دونوں مغربوں کے درمیان ہے اور ریاضی کے حساب سے جو ۴۸ ڈگری تک سمت قبلہ ہے یعنی دائیں یا بائیں ۲۴ ڈگری تک میلان ہو جائے تو سمت قبلہ فوت نہیں ہوگی۔ (چغمینی باب:۴، ص:۶۶)

مسجدوں کی سمت قبلہ میں دو چار ڈگری کا معمولی فرق دے کر فسادِ نماز کا فیصلہ کر دینا جہالت اور تفریق وانتشار پیدا کرنا ہے۔ حضورؐ کی ایک حدیث سے جس کے الفاظ یہ ہیں مابین المشرق والمغرب قبلة (ترمذی) یہ ارشاد اہل مدینہ کے لیے تھا کیونکہ ان کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان جانب جنوب واقع تھا، اس لفظ نے شطر المسجد الحرام کے لفظ کی تشریح کردی البتہ بناء مسجد کے وقت ٹھیک بیت اللہ کے رخ کی کوشش بہتر ہے، طریقہ یہی تھا کہ قرب وجوار کی مساجد کا رخ صحابہ کی بنائی ہوئی کسی مسجد سے سیدھا کرلیا، پھر ان کے قرب وجوار کا، اسی طرح تمام عالم کی مساجد کا رخ تجویز کیا گیا ہے اور یہی قابل اتباع ہے، اس میں بلا وجہ شبہات فلسفیہ نکالنا شرعاً محمود نہیں، بلکہ مذموم اور موجب تشویش ہے اور اس میں صحابہ وتابعین کے ساتھ بدگمانی بھی ہوتی ہے آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ابن رجب حنفیؒ اسی بناء پر سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور ترقیات ریاضیہ میں پڑنے کو منع فرماتے ہیں۔

www.toobaaelibrary.com

اور جنگلات یا نو آبادیات میں شرعی طریقہ سنت صحابہؓ وتابعینؒ سے ثابت ہے کہ شمس وقمر اور قطب وغیرہ کے مشہور ذرائع سے اندازہ کر کے سمت متعین کر لی جائے، معمولی انحراف کو نظر انداز کر دیا جائے، کیونکہ بایں صورت تحری سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ کے ہے، اور اسی پر احکام دائر ہیں، جیسے نیند قائم مقام خروج ریح کے اور سفر قائم مقام مشقت کے ہوتا ہے، علامہ بحر العلوم نے رسائل الارکان میں اسی مضمون کو بیان کیا ہے، آخر میں ہے کہ علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ انحراف مفسد صلوٰۃ ہے جس میں مشرق ومغرب کا تفاوت ہو جائے (ص ۵۳)

آیت: ۱۴۵: وما انت بتابع قبلتهم: اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ اب تا قیامت بیت اللہ ہی قبلہ رہے گا یہود ونصاریٰ کے ان خیالات کا قطع کرنا مقصود تھا کہ مسلمانوں کے قبلہ کو تو کوئی قرار نہیں، (بحر محیط) ولئن ۔۔ ت اهواء هُمْ، پیغمبر علیہ السلام سے یہ خطاب بطور فرض محال کے ہے، در اصل سنانا ہے امت محمدیہ کو، کہ یہ خلاف ورزی ایسی چیز ہے کہ بفرض محال خود رسولؐ بھی ایسا کریں تو وہ بھی ظالم قرار پائیں۔

آیت: ۱۴۶-۱۴۷: یعنی صاحب قبلہ کو بھی یہ اہل کتاب یقینی طور پر پہچانتے ہیں، انکار تو محض عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے تشبیہ بیٹوں کی دی گئی، ماں باپ کی نہیں جب کہ آدمی ماں باپ کو بھی عادۃً خوب پہچانتا ہے؟ اس لیے کہ بیٹوں کی پہچان نسبتاً زیادہ ہے کیونکہ انسان اپنے بیٹوں کو ابتداء ہی سے اپنے ہاتھوں میں پالتا ہے، بدن کا کوئی بھی حصہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا، بخلاف ماں باپ کے کہ ان کے اعضاء مستورہ پر اولاد کی نظر کبھی بھی نہیں ہوتی، نیز یہاں پہچاننے سے مراد شکل وصورت سے پہچاننا ہے نہ کہ حقیقی نسبت سے، کیونکہ ممکن ہے بیوی نے خیانت کی ہو۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ڎ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

www.toobaaelibrary.com

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور (دوسری حکمت تحویل قبلہ میں یہ ہے کہ عادۃ اللہ جاری ہے کہ) ہر (مذہب والے) شخص کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے، جس کی طرف وہ (عبادت میں) منہ کرتا رہا ہے (چونکہ شریعت محمدیہ بھی ایک مستقل دین ہے، اس کا قبلہ بھی ایک خاص ہوگیا، جب حکمت سب پر ظاہر ہوچکی) سو (مسلمانو) تم (اب اس بحث کو چھوڑ کر اپنے دین کے) نیک کاموں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو (کیونکہ ایک روز اپنے مالک سے سابقہ پڑنا ہے، چنانچہ) تم خواہ کہیں ہوگے (لیکن) اللہ تعالیٰ تم سب کو (اپنے اجلاس میں) حاضر کردیں گے (اس وقت نیکیوں پر جزا اور اعمال بد پر سزا ہوگی اور) بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں، اور (اس حکمت کا مقتضا بھی یہی ہے کہ جس طرح حضر میں کعبہ کی طرف رخ ہوتا ہے اسی طرح اگر مدینہ سے یا اور کہیں سے) جس جگہ سے بھی (کہیں سفر میں) آپ باہر جاویں تو (بھی) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف رکھا کیجئے، (غرض حضر وسفر سب حالتوں کا یہی قبلہ ہے) اور یہ (حکم عام قبلہ کا) بالکل حق (اور صحیح) ہے (اور) منجانب اللہ (ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے کاموں سے ذرا بے خبر نہیں۔

تحویل قبلہ کی تیسری حکمت

اور (مکرر پھر کہا جاتا ہے کہ) آپ جس جگہ سے بھی (سفر میں) باہر جاویں (اور حضر میں بدرجۂ اولیٰ) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف رکھئے، اور (اسی طرح سب مسلمان بھی سن لیں کہ) تم لوگ جہاں کہیں (موجود) ہو اپنا چہرہ (نماز میں) اسی (مسجد حرام) کی طرف رکھا کرو (اور یہ حکم اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ (ان مخالف) لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں (اس) گفتگو (کی مجال) نہ رہے، (کہ اگر محمد مصطفیٰؐ وہی نبی موعود آخر الزماں ہوتے تو ان کی علامات میں تو یہ بھی ہے کہ ان کا اصلی قبلہ کعبہ ہوگا، اور یہ تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں، یہ تیسری حکمت ہے تحویل قبلہ کی، ہاں) مگر ان میں جو (بالکل ہی) بے انصاف ہیں (وہ اب بھی کٹ حجتی نکالیں گے، کہ یہ کیسے نبی ہیں جو اتنے نبیوں کے خلاف کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں، لیکن جب ایسے مہمل اعتراضوں سے دین حق کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا) تو ایسے لوگوں سے (ذرا) اندیشہ نہ کرو (اور ان کے اعتراضوں کے جواب کی فکر میں مت پڑو) اور مجھ سے ڈرتے رہو (کہ میرے احکام کی مخالفت نہ ہونے پاوے کہ یہی) مخالفت البتہ تم کو مضر ہے) اور (ہم نے ان سب احکام مذکورہ پر عمل کرنے کی توفیق بھی دی) تاکہ تم پر جو (کچھ) میرا انعام (اکرام متوجہ) ہے (تم کو آخر میں داخل بہشت کرکے) اس کی تکمیل کردوں اور تاکہ (دنیا میں) تم راہ (حق)

www.toobaaelibrary.com

پر (یعنی اسلام پر قائم رہنے والوں میں) رہو (جس پر وہ تکمیل نعمت مرتب ہوتی ہے، یعنی ہم نے کعبہ کو قبلہ مقرر کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعاء جو در باب مقبولیت بناء کعبہ تھی اس طرح قبول کی) جس طرح (ان کی دوسری دعاء جو در باب بعثت محمدیہ کے تھی قبول کی کہ) تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا (جو کہ) تم ہی میں سے (ہیں اور وہ) ہماری آیات (واحکام) پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور (خیالات ورسوم جہالت سے) تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں، اور تم کو کتاب (الٰہی) اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی (مفید) باتیں تعلیم کرتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی، (اور نہ کتب سابقہ یا عقل ان کے لیے کافی تھی، اور اس شان کے رسول کے مبعوث ہونے کی ابراہیم علیہ السلام کی دعاء تھی، سو اس کا ظہور ہو گیا) ان (مذکورہ) نعمتوں پر مجھ کو (منعم ہونے کی حیثیت سے) یاد کرو میں تم کو (عنایت سے) یاد کروں گا، اور میری (نعمت کی) شکر گذاری کرو اور (انکار نعمت یا ترک اطاعت سے) میری ناسپاسی مت کرو۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۱۴۸: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا: وِجْهَةٌ سے مراد قبلہ ہے (حضرت ابن عباسؓ) مراد یہ ہے کہ مختلف قوموں کے قبلے مختلف ہوتے چلے آئے ہیں، خواہ منجانب اللہ یا خود اپنے مقرر کردہ تو اگر پیغمبر علیہ السلام کے لیے کوئی خاص قبلہ مقرر کر دیا گیا تو انکار وتعجب کی کیا بات ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ. کوئی ایک دوسرے کے قبلے کو تسلیم نہیں کرتا، لہٰذا مذہبی مسائل میں فضول بحثوں سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنے کام یعنی امور خیر میں مسابقت کرنی چاہیے، اور واضح ہو کہ مسابقت الی الخیر میں سستی عموماً آخرت سے غفلت کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لیے اگلے جملے اینما تکونوا میں آخرت کی یاد دلانے کے لیے ارشاد فرمایا، کہ اعتراضات سے بچنے کی فکر اور ہار جیت کی فضول بحثیں سب چند روزہ ہیں، عنقریب وہ دن آنے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمام اقوام عالم کو یکجا کر کے حساب لیں گے، عقلمندی یہ ہے کہ اپنے اوقات کی فکر کرے، فاستبقوا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادات اور نیک اعمال میں مسارعت کرنی چاہیے بلا وجہ تاخیر کرنے سے کبھی کبھی توفیق سلب ہو جاتی ہے، اس مسارعت الی الخیرات سے بعض فقہاء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ ہر نماز کو اول وقت پڑھنا افضل ہے، اس کی حدیثیں بھی وارد ہوئیں ہیں، امام شافعی کا یہی مسلک ہے، مگر امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ نے دوسری روایات کی بناء پر اس معاملے میں تفصیل کی ہے، مثلاً عشاء کی نماز میں

www.toobaaelibrary.com

تاخیر افضل اور پسندیدہ ہے (بخاری عن انسؓ قرطبی عن ابی ہریرہؓ) اسی طرح گرمی کی ظہر باتاخیر پسندیدہ ہے (بخاری ترمذی عن ابی ذرؓ) مراد یہ ہے کہ جب وقت مستحب ہو جائے تو پھر تاخیر نہ کریں، اور جہاں تاخیر کا حکم نہیں وہاں اول وقت افضل ہے جیسے مغرب۔

بہرحال اس سے یہ بات باتفاق ثابت ہوئی کہ جب نماز کا وقت آجائے تو بغیر ضرورت شرعیہ یا طبعیہ کے تاخیر بہتر نہیں۔

آیت: ۱۴۹—۱۵۰: تحویل قبلہ کے لیے الفاظ مکرر سہ کرر آنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم مخالفین کے لیے شور و شغب کا ذریعہ تھا ہی، خود مسلمانوں کے لیے بھی عبادات کا ایک عظیم انقلاب تھا، اگر یہ حکم تاکیدات کے ساتھ بتکرار نہ لایا جاتا تو قلوب کا اطمینان و سکون آسان نہ ہوتا، نیز یہ اشارہ بھی تھا کہ یہ تحویل آخری اور قطعی ہے، نیز یہ تکرار محض بھی نہیں ہے پہلی مرتبہ کا حکم حالت حضر کا ہے اور حَيْثُمَا كُنْتُمْ کا مفہوم یہ ہوگا کہ وطن اور شہر جہاں بھی ہوں یہ حکم صرف مسجد نبویؐ کے ساتھ مخصوص نہیں، دوسری بار انہی الفاظ کے ساتھ حکم حالت سفر کے لیے ہے، تیسری مرتبہ ان لفاظ کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی کوئی بھی حالت ہو، استقبال مسجد حرام ہی کا کرنا ہے، نیز اس تیسری بار کے اعادہ کی حکمت یہ بھی ہے کہ مخالفین کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ پیغمبر آخرالزماںؐ کا قبلہ تو تورات وانجیل کی تصریحات کے مطابق کعبہ ہونا چاہئے اور یہ رسول بجائے کعبہ کے بیت المقدس کا استقبال کرتے ہیں۔

آیت (۱۵۱/۱۵۲) بحث قبلہ کی تمہید آیت ۱۲۹ر میں بانی کعبہ کی دعا ر میں ضمناً ایک مضمون آیا تھا، اس آیت کو اسی پر ختم فرمایا گیا ہے، اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی بعثت میں بانی کعبہ کی دعا کو بھی دخل ہے۔

كَمَا اَرْسَلْنَا یعنی جس طرح دعار ابراہیمی بسلسلہ قبلہ قبول کی تھی، ان کی دوسری دعار بسلسلۂ بعثت محمدیہؐ بھی قبول کی۔ دوسری توجیہ قرطبیؒ نے یہ اختیار کی ہے کہ كَمَا میں حرف کاف کا تعلق بعد کی آیت فَاذْكُرُوْنِیْ سے ہے یعنی جس طرح پہلی نعمت قبلہ، پھر دوسری نعمت بعثت محمدیہؐ ہے ایسی ہی نعمت ذکراللہ بھی ہے، ان سب نعمتوں کا شکر ادا کرو قرطبی فرماتے ہیں کہ کاف یہاں ایسا ہی ہے جیسے سورۂ انفال میں كَمَا اَخْرَجَكَ میں اور سورۂ حجر کے آخر میں كَمَا اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ آیا ہے۔

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ: ذکر کا تعلق قلب سے ہے، زبان ترجمان قلب ہے، مگر بغیر قلب کی حضوری کے صرف زبان سے ذکر کرنا بھی خالی از فائدہ نہیں، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے

www.toobaaelibrary.com

کہ اس نے ایک عضو یعنی زبان کو اپنی طاعت میں لگالیا۔ (قرطبی)

ذکر اللہ کے بے شمار فضائل ہیں، اور یہ فضیلت بھی کچھ کم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے یاد فرماتے ہیں، اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تم مجھے اطاعت احکام کے ساتھ یاد کرو، میں تمہیں ثواب اور مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا۔ حضرت سعید ابن جبیرؒ نے ذکر اللہ کی تفسیری طاعت دفرمانبرداری سے کی ہے (تفصیل کے لیے فضائل ذکر پر رسائل ذکر اللہ وغیرہ دیکھئے)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰۗىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو! (طبیعتوں میں غم ہلکا کرنے کے بارے میں) صبر اور نماز سے سہارا (اور مدد) حاصل کرو، بلاشبہ حق تعالیٰ (ہر طرح سے) صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں، (اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ، وجہ یہ کہ نماز سب سے بڑی عبادت ہے جب صبر میں یہ وعدہ ہے تو نماز جو اس سے بڑھ کر ہے اس میں تو بدرجہ اولیٰ یہ بشارت ہوگی) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں (یعنی دین کے واسطے) قتل کئے جاتے ہیں ان (کی ایسی فضیلت ہے کہ ان) کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح) مردے ہیں، بلکہ وہ لوگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں، لیکن تم (اپنے موجودہ) حواس سے (اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے، اور (دیکھو) ہم (صفت رضا وتسلیم میں جو کہ مقتضا ایمان کا ہے) تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے (جو کہ ہجوم مخالفین یا نزول حوادث وشدائد سے پیش آوے) فاقہ

سے اور (کسی قدر) مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے (مثلاً مویشی مر گئے یا کوئی آدمی مر گیا، یا بیمار ہو گیا یا پھل اور کھیتی کی پیداوار تلف ہو گئی، پس تم صبر کرنا) اور (جو لوگ ان امتحانوں میں پورے اتر آویں اور مستقل رہیں تو) آپؐ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ (دل سے سمجھ کر یوں) کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال و اولاد حقیقۃً) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں (اور مالک حقیقی کو اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہے، اس سے مملوک کا تنگ ہونا کیا معنی) اور ہم سب (دنیا سے) اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں (سو یہاں کے نقصانوں کا بدلہ وہاں جا کر مل رہے گا، اور جو مضمون بشارت کا ان کو سنایا جاوے گا وہ یہ ہے کہ) ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے (مبذول) ہوں گی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہو گی، اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہو گئی (کہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا مالک اور نقصان کا تدارک کر دینے والا سمجھ گئے۔ صفا و مروہ کی سعی میں کوئی شبہ نہ کرو، کیونکہ) تحقیقاً صفا اور مروہ (اور ان کے درمیان میں سعی کرنا) منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں، سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں (جیسا تم کو شبہ ہو گیا) ان دونوں کے درمیان (سعی کے معروف طریقہ کے مطابق) آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے اور گناہ کیا بلکہ ثواب ہوتا ہے، کیونکہ یہ سعی تو شرعاً امر خیر ہے) اور (ہمارے یہاں کا ضابطہ ہے کہ) جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے تو حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدر دانی کرتے ہیں (اور اس خیر کرنے والے کی نیت و خلوص) خوب جانتے ہیں، (پس اس ضابطہ کی رو سے سعی کرنے والے کو بقدر اخلاص ثواب عنایت ہو گا) جو لوگ اخفار کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں) واضح ہیں اور (دوسروں کے لیے) ہادی ہیں (اور اخفار بھی) اس (حالت) کے بعد کہ ہم ان (مضامین) کو کتاب (الٰہی توراۃ و انجیل) میں (نازل فرما کر) عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہوں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں (کہ اپنی رحمت خاصہ سے ان کو بعید کر دیتے ہیں) اور (دوسرے بہتیرے) لعنت کرنے والے بھی (جن کو اس فعل سے نقصان پہنچتا ہے) ان پر لعنت بھیجتے ہیں (کہ ان پر بددعا کرتے ہیں ہاں) مگر جو لوگ (ان اخفار کرنے والوں میں اپنی اس حرکت سے) توبہ (یعنی حق تعالیٰ کے روبرو گذشتہ سے معذرت) کر لیں اور (جو کچھ ان کے اس فعل سے خرابی ہو گئی تھی، آئندہ کے لیے اس کی) اصلاح کر دیں (اور اس اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ ان اخفار

www.toobaaelibrary.com

کیے ہوئے مضامین کو عام طور پر) ظاہر کر دیں (تا کہ سب کو اطلاع ہو جائے اور پھر لوگوں کو گمراہ کرنے کا بار نہ رہے اور اظہار معتبر عند الشرع یہ ہے کہ اسلام کو قبول کر لیں، کیونکہ اسلام نہ لانے میں نبوت محمد یہ کے متعلق عوام پر بھی حق مخفی رہے گا، وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر نبوت حق ہوتی تو یہ کتاب جاننے والے لوگ کیوں نہ ایمان لاتے، خلاصہ یہ کہ یہ لوگ مسلمان ہو جاویں) تو ایسے لوگوں (کے حال) پر میں (عنایت سے) متوجہ ہو جاتا ہوں (اور ان کی خطا معاف کر دیتا ہوں) اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا، اور مہربانی فرمانا (کوئی توبہ کرنے والا ہونا چاہئے) البتہ جو لوگ (ان میں سے) اسلام نہ لاویں، اور اسی حالت غیر اسلام پر مر جاویں ایسے لوگوں پر (وہ) لعنت (مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں اور آدمیوں کی بھی سب کی (ایسے طور پر برسا کرے گی کہ) وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اسی (لعنت میں) رہیں گے (حاصل یہ کہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے، اور ہمیشہ کا جہنم میں رہنے والا ہمیشہ ہی خدا کی خاص رحمت سے دور بھی رہے گا اور ہمیشہ ملعون رہتا ہی ہے، اور ہمیشگی لعنت کے ساتھ یہ بھی ہے کہ داخل ہونے کے بعد کسی وقت) ان (پر) سے (جہنم کا) عذاب ہلکا (بھی) نہ ہونے پاوے گا اور نہ (داخل ہونے کے قبل) ان کو (کسی میعاد تک) مہلت دی جاوے گی (کیونکہ میعاد اس وقت دی جاتی ہے، جب کہ مقدمہ میں گنجائش ہو، اور گنجائش نہ ہونے پر اول ہی پیشی میں حکم سزا ہو جاتا ہے) اور (ایسا معبود) جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہو وہ تو ایک ہی معبود (حقیقی) ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی رحمٰن ہے، رحیم ہے، (اور کوئی ان صفات میں کامل نہیں، اور بدون کمال صفات معبودیت کا استحقاق باطل ہے پس بجز معبود حقیقی کے کوئی اور مستحق عبادت نہ ہوا)

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۱۵۳: تحویل قبلہ پر اعتراض کے دو اثر تھے، (۱) مذہب اسلام کی حقانیت مشتبہ کی جائے، اس کا جواب ما سبق میں دیا گیا، (۲) دوسرا اثر طبائع اہل اسلام پر کہ مخالفین کے اصرار بیجا سے قلب میں رنج پیدا ہوتا ہے اسی دوسرے اثر کو زائل فرماتے ہیں کہ طبیعتوں میں غم ہلکا کرنے کے بارے میں صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو۔ اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ انسان کی تمام ضروریات وتکالیف کو دور کرنے کا نسخہ اکسیر دو جز سے مرکب ہے، صبر اور نماز، اس نسخہ کی عمومیت کی طرف اشارہ اس طرح ہے کہ استعینوا عام ہے کسی خاص چیز اور کام کا ذکر نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان سے ہر مشکل اور ضرورت میں مدد لی جا سکتی ہے (تفسیر مظہری)

www.toobaaelibrary.com

صبر کی اصل حقیقت

صبر کے تین شعبے ہیں، (۱) اپنے نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا، (۲) طاعات وعبادات کی پابندی پر مجبور کرنا، (۳) مصائب وآفات پر صبر کرنا۔ یعنی ہر مصیبت کو منجانب اللہ سمجھ کر اس پر ثواب کا امیدوار ہونا۔ پھر اگر اظہار تکلیف کا کوئی کلمہ منہ سے نکل جائے تو منافی صبر نہیں (ابن کثیر)

یہ تینوں شعبے صبر کے فرائض میں داخل ہیں، نہ کہ صرف آخری! قرآن وحدیث میں صابرین انہیں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں، اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ سے بھی اسی کا اشارہ ہوتا ہے۔

حقیقتاً نماز اور ساری عبادات صبر ہی کی جزئیات ہیں مگر نماز کا مستقل ذکر اس لیے کیا کہ یہ صبر کا مکمل نمونہ ہے کیونکہ بحالت نماز نفس کو عبادت وطاعت پر محبوس بھی کیا جاتا ہے اور معاصی ومکروہات ہی سے نہیں بلکہ بہت سے مباحات سے بھی بحالت نماز نفس کو روکا جاتا ہے، اس طرح نماز صبر کی عملی تمثیل ہے۔

جس طرح تمام ادویات کو موثر بالخاصہ تسلیم کیا جاتا ہے گو اس کی وجہ اور سبب معلوم نہ ہو اسی طرح نماز تمام انسانی ضروریات کی کفالت اور تمام مصائب سے نجات دلانے میں موثر بالخاصہ ہے بشرطیکہ نماز کو اس کے مکمل آداب اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھا جائے، پیغمبر علیہ السلام کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مہم کو پورا فرما دیتے تھے۔

صبر حل مشکلات اور دفع مصائب کا سبب کیوں نہ ہو کہ انسان کو صبر کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ، جس کے ساتھ اللہ کی معیت اور طاقت حاصل ہو اس کا کون سا کام رک سکتا ہے، اسے کون عاجز کر سکتا ہے۔

آیت: ۱۵۴ - تا - ۱۵۷: ان آیات میں بعض خلاف طبع واقعات کی تفصیل اور اس میں صبر کی ترغیب اور فضیلت کا ذکر ہے، جن میں قتل وقتال مع الکفار کا مضمون مقدم ہے کیونکہ یہ اعظم ہے کہ اعظم پر صابر، اصغر پر بدرجہ اولیٰ صابر ہوگا، نیز مناسب مقام بھی ہے کیونکہ معترض مذکورین کے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا تھا۔

یہ معلوم ہے کہ اسلامی روایات کے اعتبار سے بلا تفریق مؤمن وکافر ہر مرنے والے کو برزخ میں ایک خاص حیات ملتی ہے، جس سے وہ قبر کے عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے، لیکن اس کے درجات

www.toobaaelibrary.com

مختلف ہیں، ایک عام درجہ جو سب کو شامل ہے، ایک خاص جو انبیاء اور صالحین کے لیے ہے ان میں بھی باہمی تفاضل ہے۔ اس مسئلہ پر حضرت تھانویؒ کی تحقیق نہایت بہتر ہے جسے درج کیا جاتا ہے۔

مقتول فی سبیل اللہ کو شہید کہتے ہیں، انہیں اموات کہنا گو جائز ہے لیکن دیگر مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ شہید کو اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز حاصل ہے وہ یہ کہ اس کی یہ حیات، آثار میں اوروں سے قوی ہے، جیسے انگلیوں کے پوروے اور ایڑی کہ انگلیوں میں احساس ایڑی سے زیادہ ہیں، حتیٰ کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا اثر اس کے جسد ظاہری تک پہنچتا ہے کہ اس کا جسم خاک سے متاثر نہیں ہوتا، زندہ جسم کی طرح سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدت شاہد ہیں، اسی امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا ہے، مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں کہ ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے، ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں۔

اور حضرات انبیاء، شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتیٰ کہ حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں کہ نہ ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے نہ ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں آسکتی ہیں۔

البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا کہ کہ بعض اولیاء و صالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں۔

اور اگر کسی شہید کی لاش خاک خوردہ پائی جاوے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ممکن ہے کہ اس کی نیت، جس پر شہادت کا مدار ہے خالص نہ ہو، اور بالفرض وہ مخلص بھی رہا ہو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حدیث میں ہے کہ مٹی ان کے جسم کو خراب نہیں کر سکتی، نہ کہ اجزائے ارضیہ کے علاوہ اور کوئی چیز، کیوں کہ زمین میں مٹی کے سوا اور بھی بہت سے انواع و اقسام کی دھاتیں ہیں اگر ان کی وجہ سے کسی شہید کا جسم متاثر ہو جائے تو اس آیت کے منافی نہیں۔

اور ایک جواب یہ بھی ہے کہ ان کے امتیاز کے لیے یہ کافی ہے کہ دوسری اموات سے زیادہ مدت تک ان کی اجساد خاک سے متاثر نہ ہوں، اور احادیث سے یہی امر مقصود کہا جاوے کہ ان کی محفوظیت بطور خرق عادت ہے اور خرق عادت کی دونوں صورتیں ہیں حفظ مؤبد اور حفظ طویل۔ اور حیات برزخ کا حواس ظاہری سے ادراک نہیں ہوتا اس لیے فرمایا لا تشعرون۔

مصائب پر صبر کے آسان کرنے کی خاص تدبیر یہ ہے کہ ان کی خبر پہلے سے دیدی جائے، اس

www.toobaaelibrary.com

طرح صبر آسان ہو جاتا ہے، ورنہ دفعۃً صدمہ کو سہہ لینا مشکل ہوتا ہے، یہ دنیا دار محن ہے، یہاں کے حوادث کو عجیب نہ سمجھا جاوے گا تو بے صبری نہ ہوگی۔

اور چونکہ نفس عمل صبر میں سب مشترک ہیں اس لیے اس کا صلہ مشترکہ تو عام رحمت ہے، جو موعود ہے، مگر چونکہ ہر صابر کے صبر کی مقدار، شان اور خصوصیت جدا ہے اس لیے ان خصوصیات کا صلہ جدا جدا عنایات سے ہوگا جو ان خاص خصوصیات پر موعود ہیں۔

آخر میں مصیبت پر انا للہ الخ پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، اور اگر اسے سمجھ کر پڑھا جائے تو تسکین قلب کے لیے اکسیر ہے۔

آیت :۱۵۸: ما قبل میں آیت :۱۲۸: میں مناسک سکھانے کی دعا، ابراہیمی کا ذکر ہوا ہے، مناسک میں حج و عمرہ بھی داخل ہے پس جس طرح کعبہ کو بحیثیت قبلہ ظاہر کیا گیا اسی طرح یہاں حج و عمرہ میں بیت اللہ کو مقصد بنا کر اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔

زمانہ جاہلیت میں بھی صفا اور مروہ کے مابین سعی ہوتی تھی اس وقت یہاں کچھ مورتیاں رکھی تھیں بعض مسلمانوں کو رسم جاہلی کا شبہ ہوا کہ یہ موجب گناہ ہو، بعض جاہلیت میں بھی اسے گناہ سمجھتے تھے، اسی شبہ کو دفع کرنا مقصود ہے، پس مضمون سابق میں کعبہ سے متعلق کفار کے اعتراض کو دفع کرنا مقصود تھا اور اس مضمون میں سعی بین الصفا والمروہ پر خود مسلمانوں کے شبہ کا ازالہ مقصود ہے کہ یہ تو اللہ کے شعائر ہیں، گناہ تو کیا، ثواب ہوتا ہے، یہ شرعاً امر خیر ہے۔

شَعَآئِرِ اللّٰهِ، یعنی دین کی علامتیں، قرآن و سنت میں خاص خانۂ کعبہ کا قصد کرنے اور وہاں افعال مخصوصہ کی ادائیگی کو حج کہتے ہیں عمرہ بمعنی زیارت ہے، اصطلاحاً مسجد حرام کی حاضری اور طواف و سعی کو عمرہ کہتے ہیں۔

امام احمدؒ کے نزدیک سعی سنت مستحبہ ہے، امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک واجب ہے، ترک سے ایک بکری ذبح کرنی پڑتی ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ سے یہ شبہ نہ ہو کہ اس میں تو ایک مباح کا ثبوت ہوتا ہے، نہ کہ وجوب کا کیونکہ یہ لفظ یہاں سوال کی مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ پہلے مورتیوں کی وجہ سے یہ عمل سعی حرام ہونا چاہئے جواباً فرمایا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ، یہ دراصل سنت ابراہیمی ہے، یہ فرمانا اس کے واجب ہونے کی منافی نہیں۔

آیت :۱۵۹- تا -۱۶۲: آیت :۱۴۶: میں اہل کتاب کے کتمان حق کا بیان تھا ان آیتوں میں بطور

www.toobaaelibrary.com

تکملہ کے اس کتمان حق پر اصرار کرنے والوں کی وعید اور توبہ کرنے پر معافی کے وعدہ کا ارشاد ہے، واضح ہو کہ ضروری علم دین کی اشاعت و اظہار واجب ہے اور اس کا چھپانا حرام ہے قابل صد ہزار لعنت و ملامت ہے۔

ارشاد رسالت ہے: من سئل عن علم علمه فکتمهٗ الجمه الله یوم القیٰمة بلجام مّن النّار (ابن ماجہ عن ابی ہریرہؓ) یعنی جو شخص دین کے کسی حکم کا علم رکھتا ہے اور وہ حکم دریافت کئے جانے پر اس کو چھپائے گا، تو قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کا لگام ڈالا جائے گا، فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ وعید جب ہے کہ کوئی اور مسئلہ بتانے والا موجود نہ ہو، (قرطبی بصاص) نیز علم سے مراد علم صحیح ہے نیز وہ علوم جو قرآن وسنت میں واضح بیان کئے گئے ہیں جن کی اشاعت ضروری ہے نہ کہ باریک اور دقیق علوم و مسائل جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوں، ایسے مسائل کا نہ بیان کرنا ہی بہتر ہے، آیت میں مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰى سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے، نا قابل فہم اور دقیق مسائل کا بیان باعث فتنہ ہوتے ہیں، (قرطبی)

بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے، معلوم ہوا کہ عالم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ مخاطب کے حالات اور مبلغ فکر کا اندازہ لگا کر کلام کرے، کَلِّمُوْا عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: حکمت کی بات ایسے لوگوں سے نہ روکو جو اس کے اہل ہوں، کیونکہ یہ ان پر ظلم ہوگا، اور نااہل کے سامنے نہ رکھو کیونکہ بایں صورت اس حکمت پر ظلم ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کافر یا مبتدع گمراہ کو جب تک کہ اس کے خیالات کی درستگی کا ظن غالب نہ ہو جائے علم دین سکھانا جائز نہیں (قرطبی)

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر قرآن کی یہ آیت (۱۵۹) نہ ہوتی تو میں تم سے کوئی حدیث نہ بیان کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کے نزدیک حدیث رسولؐ قرآن ہی کے حکم میں ہے کیونکہ کتمان کی وعید قرآن کی ہدایات دینیات سے متعلق ہیں، اس میں حدیث کا صراحۃً ذکر نہیں، مگر صحابہؓ نے اس کے اخفاء کو بھی سبب وعید سمجھا۔

بعض گناہوں کا وبال ایسا ہوتا ہے کہ اس پر ساری مخلوق لعنت کرتی ہے، اللّٰعِنُوْنَ کی عدم تعیین سے اسی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز حتی کہ تمام جانور اور حشرات الارض بھی لعنت کرتے ہیں، (مجاہدؒ، عکرمہؒ) حضرت براء ابن عازبؓ کی حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے (قرطبی بحوالہ ابن ماجہ باسناد حسن)

www.toobaaelibrary.com

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ کسی معین پر لعنت اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو، اور اب چونکہ کسی کے خاتمہ کے علم یقینی کا کوئی ذریعہ نہیں اس لیے کسی کافر کا نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں، البتہ بغیر تعیین کے عام کافروں اور ظالموں پر لعنت درست ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو کسی مسلمان پر یا کسی جانور پر لعنت کیسے جائز ہوسکتی ہے، اور مردود، راندۂ درگاہ اور اللہ مار قسم کے الفاظ بھی لعنت ہی کے حکم میں ہے۔

آیت: ۱۶۳: اللہ تعالیٰ کی توحید متعدد اور مختلف حیثیتوں سے ثابت ہے، مثلاً کائنات میں اس کی نظیر وشبیہ نہیں، نہ اس کا ہم سر اور برابر ہے، وہ ایک ہے استحقاق عبادت میں، وہ ذی اجزاء نہیں، اسکا تجزیہ اور تقسیم نہیں ہوسکتی، نیز اس کا وجود ازلی اور ابدی ہے، لہٰذا واحد کہلانے کا صرف وہی مستحق ہے۔(جصاص)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّأَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں (کے چلنے) میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں (اور اسباب) لے کر، اور (بارش کے) پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا، پھر اس (پانی) سے زمین کو تر وتازہ کیا، اس کے خشک ہوئے پیچھے (یعنی اس میں نباتات پیدا کیے) اور (ان نباتات سے) ہر قسم کے حیوانات اس (زمین) میں پھیلا دیے (کیونکہ حیوانات کی زندگی اور توالد وتناسل اسی غذائے نباتی کی بدولت ہے) اور ہواؤں کی (سمتیں اور کیفیتیں) بدلنے میں (کہ کبھی پروا ہے کبھی پچھوا کبھی گرم ہے کبھی سرد) اور ابر (کے وجود) میں جو زمین

www.toobaaelibrary.com

وآسمان کے درمیان مقید (اور معلق) رہتا ہے (ان تمام چیزوں میں) دلائل (توحید کے موجود ہیں) ان لوگوں کے (استدلال کے) لیے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں۔ اور ایک آدمی وہ (بھی) ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں (اور ان کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں اور) ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا) ضروری ہے، (یہ حالت تو مشرکین کی ہے) اور جو مومن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے، (کیونکہ اگر کسی مشرک کو یہ ثابت ہو جاوے کہ میرے معبود سے مجھ پر کوئی ضرر پڑے گا تو فوراً محبت منقطع ہو جاوے، اور مومن باوجود اس کے کہ نافع وضار حق تعالیٰ ہی کو اعتقاد کرتا ہے، لیکن پھر بھی محبت ورضا اس کی باقی رہتی ہے، ونیز اکثر مشرکین مصیبت شدیدہ کے وقت اپنے شرکاء کو چھوڑ دیتے ہیں، اور مومنین من حیث الایمان مصیبت میں بھی خدا کو نہ چھوڑتے تھے، اور محاورات میں ایسے قضایا باعتبار حالت غالبہ کے بھی صادق ہوتے ہیں) اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم (مشرکین) جب (دنیا میں) کسی مصیبت کو دیکھتے تو (اس کے وقوع میں غور کر کے) یہ سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے۔ (اور دوسرے سب اس کے سامنے عاجز ہیں، چنانچہ اس مصیبت کو نہ کوئی روک سکا نہ ٹال سکا اور نہ ایسے وقت میں اور کوئی یاد رہا) اور (اس مصیبت کی شدت میں غور کر کے) یہ (سمجھ لیا کرتے) کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب (آخرت میں کہ دار الجزاء ہے اور بھی) سخت ہوگا، (تو اس طرح غور کرنے سے تراشیدہ معبودوں کا عجز اور حق تعالیٰ کی قدرت وعظمت منکشف ہو کر توحید وایمان اختیار کر لیتے، وہ سختی عذاب کی اس وقت معلوم ہوگی) جب کہ (ان مشرکین میں سے) وہ (ذی اثر) لوگ جن کے کہنے پر دوسرے (عوام) چلتے تھے، ان (عام) لوگوں سے صاف الگ ہو جاویں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے اور سب (خواص وعوام) عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے (کہ ایک تابع تھا دوسرا متبوع تھا وغیرہ وغیرہ) اس وقت سب قطع ہو جاویں گے (جیسے دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جرم میں سب شریک ومتفق ہوتے ہیں، اور تنقیح مقدمہ کے وقت سب الگ الگ بچنا چاہتے ہیں، حتیٰ کہ باہم دگر شناخت تک کے منکر ہو جاتے ہیں) اور (جب) یہ تابع لوگ (متبوعین کی یہ طوطا چشمی دیکھیں گے تو بڑے جھنجلاویں گے، اور تو کچھ نہ ہو سکے گا مگر جلا کر) یوں کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو (دنیا میں) بس ذرا ایک دفعہ جانا مل جاوے تو ہم بھی ان سے (اتنا بدلہ تو لیلیں کہ اگر یہ پھر ہم کو اپنے تابع ہونے کی ترغیب دیں تو ہم بھی ان سے) صاف (ٹکا سا جواب دے کر) الگ ہو جاویں جیسا یہ ہم سے (اس وقت) صاف الگ ہو بیٹھے (اور

www.toobaaelibrary.com

کہدیں کہ جناب آپ وہی ہیں کہ عین موقع پر بے رخی کی تھی اب ہم سے کیا غرض حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان تجویزوں اور سوچ بچاروں سے کیا ہاتھ آوے گا فقط) اللہ تعالیٰ یوں ہی ان کی بداعمالیوں کو خالی ارمان (کے پیرائے میں) کر کے ان کو دکھلا دیں گے اور ان (تابعین و متبوعین سب) کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا (کیونکہ شرک کی سزا خلود فی النار ہے)

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۱۶۴: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے واحد حقیقی ہونے پر ایسے تکوینی علامات اور دلائل بتلائے گئے ہیں جن کو عالم و جاہل ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

آسمان وزمین کی تخلیق، رات ودن کے دائمی انقلاب، پانی جو ایک دقیق وسیال مادہ ہے مگر اس پر لاکھوں من وزنی جہازوں کا چلنا، پھر انہیں متحرک رکھنے کے لیے ہواؤں کا چلانا اور ان کا رخ بدلتے رہنا ہے، پانی کا مادۂ سیال ہونا بھی ضروری ہے، اور ہواؤں کا چلنا بھی اس کے لیے ضروری ہے ورنہ جہاز کا مسافت طے کرنا ناممکن ہے ارشاد ربانی ہے: اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو ہواؤں کو ساکن کر دیں اور یہ جہاز سمندر کی پشت پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں اسی طرح آسمان سے پانی قطرہ قطرہ نازل ہونے کے بجائے سیلاب کی طرح آتا تو کس قدر نقصان پہنچتا، کوئی آدمی جانور ساز وسامان کچھ نہ رہتا، پھر بارش کے بعد پانی کا زمین پر محفوظ رکھنا کس کے بس کا ہے، اگر کہہ دیا جاتا کہ چھ ماہ کا کوٹہ ہر شخص رکھ لے تو کیا انتظام ہوتا، پھر یہ کہ اس کے سڑنے اور خراب ہوجانے سے کیسے بچاتا، قدرت نے اس کا انتظام خود فرمادیا ارشاد ہے فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ یعنی ہم نے ہی پانی کو زمین کے اندر ٹھہرادیا اگرچہ ہمیں اس کی بھی قدرت تھی کہ بارش کا پانی بہہ کر ختم ہوجاتا" مگر دیکھئے کہیں کھلے تالابوں میں کہیں پہاڑوں میں پھیلی ہوئی رگوں کے ذریعہ زمین کے اندر اتار دیا۔ اور ایک غیر محسوس پائپ لائن ساری زمین میں بچھادی کہ ہر شخص جہاں سے چاہے کھود کے نکال لے، اور پانی کا ایک عظیم ذخیرہ بحر منجمد بنا کر برف کی صورت میں پہاڑوں پر لاد دیا، یہ آہستہ آہستہ پگھل کر زمین کے اندر قدرتی پائپ لائن کے ذریعہ پورے عالم میں پہنچتا ہے۔

یہ سب اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی قدرت کاملہ اور توحید کے واضح دلائل ہیں، عقل سلیم رکھنے والوں کے لیے۔

www.toobaaelibrary.com

آیت: ۱۶۵-تا-۱۶۷: ان میں مشرکین کی غلطی اور وعید کا بیان ہے معبود سے ضرر کو معلوم کر لینے کے بعد مشرک اس سے تعلق ختم کر لیتا ہے مگر مومن کا اعتقاد اور رضا اپنے اللہ سے باقی رہتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

(بعض مشرکین بتوں کے نام جانور چھوڑتے تھے، اور ان سے منتفع ہونے کو باعتقاد ان کی تعظیم کے حرام سمجھتے تھے اور اپنے اس فعل کو حکم الٰہی اور موجب رضائے حق و وسیلۂ تقرب الی اللہ بواسطۂ شفاعت ان بتوں کے سمجھتے تھے، حق تعالیٰ اس باب میں خطاب فرماتے ہیں) اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال پاک چیزوں (کی نسبت اجازت ہے کہ ان) کو کھاؤ (برتو) اور (ان میں سے کسی حلال چیز سے یہ سمجھ کر پرہیز کرنا کہ اس سے اللہ راضی ہوگا یہ سب شیطانی خیالات ہیں تم) شیطان کے قدم بقدم مت چلو، فی الواقع وہ (شیطان) تمہارا صریح دشمن ہے (کہ ایسے ایسے خیالات وجہالات سے تم کو خسران ابدی میں گرفتار کر رکھا ہے اور دشمن ہونے کی وجہ سے) وہ تم کو انہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ (شرعاً) بُری اور گندی ہیں، اور یہ (بھی تعلیم کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کی تم سند بھی نہیں رکھتے (مثلاً یہی کہ ہم کو خدا تعالیٰ کا اس طرح حکم ہے) اور جب کوئی ان (مشرک) لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم (اپنی پیغمبر کے پاس) بھیجا ہے، اس پر چلو تو

www.toobaaelibrary.com

(جواب میں) کہتے ہیں (کہ نہیں) بلکہ ہم تو اسی (طریقہ) پر چلیں گے جن پر ہم نے اپنے باپ داد کو پایا ہے (کیونکہ وہ لوگ اس طریقہ کے اختیار کرنے میں ما مور من اللہ تھے، حق تعالیٰ ان پر رد فرماتے ہیں) کیا (ہر حالت میں یہ لوگ اپنے باپ دادا ہی کے طریقہ پر چلیں گے) اگر چہ ان کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ (کسی آسمانی کتاب کی) ہدایت رکھتے ہوں۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِي (الی قولہ) فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ، اور ان کافروں کی کیفیت (نا فہمی میں) اس (جانور) کی کیفیت کے مثل ہے (جس کا ذکر اس مثال میں کیا جاتا ہے) کہ ایک شخص ہے وہ ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے، جو بجز بلانے اور پکارنے کے کوئی (بامضمون) بات نہیں سنتا (اسی طرح) یہ کفار (بھی ظاہری بات چیت تو سنتے ہیں، لیکن کام کی بات سے بالکل) بہرے ہیں (گویا سنا ہی نہیں) گونگے ہیں (کہ کبھی ایسی بات زبان ہی پر نہیں آتی) اندھے ہیں (کیونکہ نفع نقصان نظر ہی نہیں آتا) سو (جب سارے ہی حواس مختل ہیں تو) سمجھتے (سمجھاتے) کچھ نہیں۔ اوپر اَکل طیبات کے معاملہ میں مشرکین کی غلطی بتلا کر ان کی اصلاح مقصود تھی، آگے اہل ایمان کو اس بات سے متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس غلطی میں مشرکین کی موافقت نہ کرنے لگیں، اسی ضمن میں اہل ایمان کو اپنے انعامات کا ذکر اور اس پر ادائے شکر کی تعلیم بھی ہے۔ اے ایمان والو! (ہماری طرف سے تم کو اجازت ہے کہ) جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ (برتو) اور (اس اجازت کے ساتھ یہ حکم ہے کہ) حق تعالیٰ کی شکر گذاری کرو، (زبان سے بھی ہاتھ پاؤں سے خدمت وطاعت بجالا کر بھی اور دل سے ان نعمتوں کو منجانب اللہ سمجھ کر بھی) اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو (اور یہ تعلق ہونا مسلم اور ظاہر ہے، پس وجوب شکر بھی ثابت ہے) اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف (ان چیزوں کو) حرام کیا ہے (اور ان چیزوں کو حرام نہیں کیا جن کو تم اپنی طرف سے حرام کر رہے ہو، جیسا کہ گذرا یعنی) مردار (جانور) کو (جو باوجود واجب الذبح ہونے کے بلا ذبح شرعی مرجاوے) اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو (ان سب کو بے شک حرام کیا ہے) پھر بھی (اس میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ) جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جاوے، بشرطیکہ نہ تو (کھانے میں) طالب لذت ہو، اور نہ (قدر ضرورت وحاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو (اس حالت میں ان چیزوں سے کھانے میں بھی) اس شخص پر کچھ گناہ

www.toobaaelibrary.com

نہیں ہوتا، واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم (کہ ایسے وقت میں یہ رعایت فرمائی کہ گناہ کی چیز میں بھی گناہ اٹھا دیا) اس سے پہلی آیات میں ان حرام چیزوں کا ذکر تھا جو محسوسات میں سے ہیں، اگلی آیات میں ایسے حرام کاموں کا ذکر جو محسوس نہیں بلکہ وہ باطنی اور ظاہری اعمال شر ہیں، مثلاً علمائے یہود میں یہ مرض تھا کہ عوام سے رشوت لے کر ان کے مطلب کے موافق غلط فتویٰ دیدیتے تھے، اور توریت کی آیات میں تحریف کر کے ان کے مطلب کے موافق بناتے تھے، اس میں امت محمدیہ کے علماء کو بھی تنبیہ ہے، کہ وہ ایسے افعال سے اجتناب کریں، کسی نفسانی غرض سے احکام حق کے اظہار میں کوتاہی نہ کریں۔

دین فروشی کی سزا

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب (کے مضامین) کا اخفاء کرتے ہیں اور اس (خیانت) کے معاوضہ میں (دنیا کی) متاع قلیل وصول کرتے ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے پیٹ میں آگ (کے انگارے) بھر رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو قیامت میں (لطف کے ساتھ) کلام کریں گے اور نہ (گناہ معاف کر کے) ان کی صفائی کریں گے، اور ان کو سزائے دردناک ہوگی، یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے (دنیا میں تو) ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور (آخرت میں) مغفرت چھوڑ کر عذاب (سر پر لیا) سو (شاباش ہے ان کی ہمت کو) دوزخ (میں جانے) کے لیے کیسے باہمت ہیں (اور) یہ (ساری مذکورہ) سزائیں (ان کو) اس وجہ سے ہیں کہ حق تعالیٰ نے (اس) کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا، اور جو لوگ (ایسی ٹھیک ٹھیک بھیجی ہوئی) کتاب میں بے راہی (اختیار) کریں، وہ ظاہر ہے کہ بڑی دور (دراز) کی خلاف (ورزی) میں (مبتلا) ہوں گے (اور ایسی خلاف ورزی پر ضرور ایسی ہی سخت سزاؤں کا استحقاق ہوگا)

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۶۸-۱۶۹: بعض مشرکین بتوں کے نام جانور چھوڑتے تھے، ان سے منتفع ہونے کو باعتقاد ان کی تعظیم کے حرام سمجھتے تھے، اپنے اس فعل کو حکم الٰہی، موجب رضا حق اور ان بتوں کی شفاعت کے واسطہ سے وسیلہ تقرب الی اللہ سمجھتے تھے، اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ خطاب فرمایا ہے

حل بمعنی گرہ کھولنا، یعنی گرہ کھول دی گئی، پابندی ہٹادی گئی، حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ نجات تین چیزوں میں منحصر ہے، (۱) حلال کھانا، (۲) فرائض ادا کرنا (۳) اور اتباع سنت۔

طیب بمعنی پاکیزہ، اور طبعی مرغوب ہونا بھی، خُطُوَاتِ قدمین کا درمیانی فاصلہ، مراد شیطانی اعمال وافعال ہیں، اَلسُّوْء، وہ چیز جسے دیکھ کر عقلمند آدمی کو دکھ ہو، فَحشاء بے حیائی، بعض نے کہا، سوء

www.toobaaelibrary.com

سے مراد مطلق معصیت اور فحشاء سے گناہ کبیرہ مراد ہے اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ یعنی مراد دل میں وسوسہ ڈالنا ہے اس آیت میں ان نامزدہ جانوروں کی حرمت کا بیان نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں کے اس فعل کی حرمت وممانعت مقصود ہے، ان جانوروں کی حرمت کا بیان آگے وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے تحت آرہا ہے، اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے جہالت یا غفلت سے ایسا کیا تو اس کی توبہ بھی ہے کہ اس سے رجوع کر کے اس فعل سے توبہ کرے تو پھر اس کا گوشت حلال ہو جائے گا۔

آیت: ۱۷۰: آیت میں اندھی تقلید آبائی کی مذمت کا ذکر ہے، یعنی باطل عقائد واعمال میں آباء واجداد کی تقلید، عقائد صحیحہ واعمال صالحہ میں تقلید اس میں داخل نہیں بلکہ یہ جائز اور مستحسن ہے اور حق کے معاملہ میں تقلید تو اصول دین میں سے ہے اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے، جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دینی معاملہ میں تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے (قرطبی)

آیت: ۱۷۲-۱۷۳: اہل ایمان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ مشرکین کی طرح وہ یہ غلطی نہ کریں، نیز اس میں انعامات پر ادائے شکر کی تعلیم ہے، دوسری آیت میں یہ مذکور ہے کہ حرام کو حلال مت سمجھو، جیسا کہ مشرکین اس میں مبتلا تھے، نیز یہ بھی بتلا دیا کہ کون کون جانور حرام ہیں۔

واضح ہو کہ یہاں مطلق حلال وحرام کا ذکر نہیں ہے بلکہ اِنَّمَا سے جو حصر ہے وہ اضافی ہے یعنی مشرکانہ عقائد کے بالمقابل مخصوص جانوروں کی حلت وحرمت کا بیان ہے۔

اکلِ حرام سے اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں، عبادت کا ذوق جاتا رہتا ہے دعا قبول نہیں ہوتی، اسی طرح اکل حلال سے نور پیدا ہوتا ہے، اخلاق رذیلہ سے نفرت اور اخلاق حمیدہ فاضلہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے عبادت میں دل لگتا ہے، دعا قبول ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت رسولوں کو بھی فرمائی ارشاد ہے یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔

اِنَّمَا حَرَّمَ، یعنی آیت میں حرام کردہ چیزیں حرام ہیں اس کے سوا کچھ حرام نہیں، مزید صراحت قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْمَاۤ اُوْحِیَ الایہ (انعام) میں ہے۔

حرام کردہ چیزیں چار یہ ہیں (۱) میتہ (مردار) (۲) خون (۳) لحم خنزیر، (۴) وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

میتہ: یعنی وہ جانور جو بغیر ذبح کے خود بخود مرجائے، یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری طرح چوٹ مار کر مار دیا جائے، مگر مچھلی اور ٹڈی میتہ سے مستثنیٰ ہیں حدیث میں ہے کہ ہمارے لیے دو مردار مچھلی اور ٹڈی

www.toobaaelibrary.com

اور دو خون جگر اور طحال حلال کر دیے گئے، ہیں، (ابن کثیر از احمد ابن ماجہ، دار قطنی) البتہ جو مچھلی سڑ جانے کی وجہ سے خود پانی کے اوپر آ جائے وہ حرام ہے (جصاص)

واضح ہو کہ جس طرح میتہ کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے یہی حکم تمام نجاسات کا ہے حتی کہ باختیار خود کسی جانور کو کھلانا بھی جائز نہیں، نیز دوسری آیت کی تشریح عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ (انعام) سے معلوم ہوا کہ وہ میتہ کے اجزاء حرام ہیں جو کھانے کے قابل ہیں۔ ہڈی بال وغیرہ جائز الانتفاع قرار دیے گئے ہیں آیت قرآنی، وَمِنْ اَصْوَافِهَا الخ میں ذبیحہ کی شرط نہیں (جصاص) ایسے ہی کھال دباغت کے بعد نجس نہیں رہ جاتی وہ بھی حلال ہے (جصاص) مردار جانور کی چربی اور اس سے بنی ہوئی چیز بھی حرام ہے، بعض صحابہؓ نے مردار کی چربی کے خارجی استعمال کی اجازت دی ہے، (کھانے کے لیے نہیں)

خون: دم سے مراد دم مسفوح ہے، لہٰذا خون منجمد جیسے گردہ تلی وغیرہ حلال و پاک ہیں، خون کی حرمت میں اس کے استعمال کی تمام صورتیں شامل ہیں انسان کا خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں مگر علاجاً اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے بلا اضطرار کے مسئلہ مختلف فیہ ہے، مزید تفصیل کے لیے رسالہ "اعضائے انسانی کی پیوند کاری" دیکھئے۔

تحریم خنزیر

آیت میں لحم کی قید ہے مگر امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود گوشت کی تخصیص نہیں بلکہ خنزیر کے تمام ہی اجزاء باجماع امت حرام ہیں لفظ لحم سے اشارہ یہ ہے کہ خنزیر دیگر حرام جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ وہ ذبح سے پاک ہو سکتے ہیں، اگرچہ کھانا حرام ہی رہے، کیونکہ خنزیر نجس العین بھی ہے، حرام بھی ہے، صرف چمڑے سینے کے لیے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا ہے (جصاص قرطبی)

مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

یعنی وہ جانور جو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو، اس کی تین صورتیں ہیں (۱) کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اسی غیر اللہ کا نام لیا جائے، یہ باتفاق و باجماع امت حرام ہے، اس کے کسی جزو سے انتفاع جائز نہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ اس طرح کے جانور کے ذبح کے وقت اس پر نام اللہ ہی کا لیا جائے جیسے بہت سے ناواقف مسلمان بزرگوں پیروں کے مزارات پر بکرے مرغے چڑھاتے ہیں، یہ صورت بھی باتفاق فقہاء حرام اور ذبیحہ مردار ہے۔ تخریج دلیل میں کچھ اختلاف ہے، چوں کہ اشتراک علت

www.toobaaelibrary.com

یعنی نیت تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے ما اہل بہ لغیر اللہ کے حکم میں ہے دوسرے آیت وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کا بھی مدلول ہے لہٰذا یہ بھی حرام ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کا کان کاٹ کر یا داغ کر یا اور کوئی علامت لگا کر تقرب الی غیر اللہ کے لیے چھوڑ دیا جائے، نہ اس سے کام لیں اور ذبح کو حرام جانیں، اس قسم کے جانور بَحِيْرَةً یا سائبة وغیرہ کہا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ فعل تو بنص قرآن حرام ہے مگر اس فعل حرام سے اور اس جانور کو حرام سمجھنے کے عقیدہ سے یہ جانور حرام نہیں ہو جاتا مگر شرعی اصول کے مطابق یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوا اب اگر وہ شخص خود اس جانور کو کسی ہاتھ فروخت کر دے یا ہبہ کر دے تو اس کے لیے یہ جانور حلال ہے۔

نذر لغیر اللہ کا مسئلہ غیر اللہ کے نام پر نذر (منّت) کی ہوئی چیزوں کی بھی فقہاء اشتراک علت بمعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے حرام کہا ہے اس کے کھانے، کھلانے، خرید و فروخت سب کو حرام کہا ہے (بحر الرائق وغیرہ)

احکام اضطراری مضطر شرعی وہ ہے جس کی جان خطرے میں ہو تو دو شرطوں کے ساتھ حرام چیزیں کھا لینے کی اجازت دی گئی ہے اول یہ کہ سدّ رمق جان بچانے کے لیے ہو نہ کہ لذت یابی دوسری یہ کہ اتنی ہی مقدار کھائی جائے جتنی سے جان بچ جائے، پیٹ بھرنا زائد از حاجت کھانا حرام ہے۔

فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ، بجائے حرمت سے استثناء کے اس لفظ کا اضافہ فرما کر اس نکتہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ حرام چیز تو اپنی جگہ حرام ہی ہے مگر مضطر سے بوجہ اضطرار استعمال حرام کا گناہ معاف کر دیا گیا۔

دوا، حرام چیزوں کا استعمال آیت مذکورہ کی تصریح و اشارات سے جو قیود و شرائط حاصل ہوئے ان شرائط کے ساتھ ہر حرام اور ناپاک دوا کا استعمال خواہ کھانے پینے میں ہو یا خارجی استعمال میں باتفاق فقہاء امت جائز ہے، ان شرائط کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں (۱) حالت اضطرار کی ہو یعنی جان کا خطرہ ہو، (۲) دوسری کوئی حلال دوا کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو (۳) اس دوا سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو (۴) اس کے استعمال سے لذت یابی مقصود نہ ہو، (۵) قدر ضرورت سے زائد استعمال نہ کیا جائے بلا اضطرار عام بیماریوں میں فقہاء کا اختلاف ہے اکثر فقہاء اس میں بھی ناجائز کہتے ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے حرام میں شفا نہیں رکھی (بخاری) بعض دوسرے فقہاء نے واقعۂ عُرَيْنِيّيْنَ سے

www.toobaaelibrary.com

استدلال کرکے جائز قرار دیا ہے، کچھ گاؤں والے جو مختلف بیماریوں میں مبتلا تھے حاضر خدمت اقدس ہوئے پیغمبر علیہ السلام نے ان کو اونٹ کا دودھ اور پیشاب استعمال کرنے کی اجازت دی جس سے ان کو شفا ہوگئی، مگر اس واقعہ میں متعدد احتمالات ہیں اس لیے اصل حکم تو وہی ہے لیکن فقہاء متأخرین نے موجودہ زمانے میں حرام و ناپاک دواؤں کی کثرت اور ابتلاء عام اور عوام کے ضعف پر نظر کرکے اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کوئی دوسری حلال اور پاک دوا اس غرض کے لیے کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو (درمختار، عالم گیری ج ۵ ص ۳۵۵)

آیت: ۱۷۴: حرام مال کھانے والا گویا اپنے پیٹ میں جہنم کا انگارہ بھر رہا ہے، کیونکہ اس عمل کا انجام یہی ہے، بعض محقق علماء نے فرمایا کہ مال حرام درحقیقت جہنم کی آگ ہی ہے، اگرچہ دنیا میں آگ ہونا محسوس نہیں ہوتا، مرنے کے بعد اس کا یہ عمل آگ کی شکل میں سامنے آجائے گا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ
الْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ
السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ
الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۗ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۗ فَمَنْ
عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۗ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ
رَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۗ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ و خلاصۂ تفسیر

ابوابُ البر، اصول بِرّ | کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو، یا مغرب کو (کرلو) لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ

www.toobaaelibrary.com

کوئی شخص اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات پر) یقین رکھے، اور (اسی طرح) قیامت کے دن (آنے) پر (بھی) اور فرشتوں پر (بھی کہ وہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں، نور سے بنے ہیں، گناہ سے معصوم ہیں، کھانے پینے اور انسانی شہوات سے پاک ہیں) اور (سب) کتب (سماویہ) پر (بھی) اور (سب) پیغمبروں پر (بھی) اور (وہ شخص) مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں (اپنے حاجتمند) رشتہ داروں کو اور (نادار) یتیموں کو (یعنی جن بچوں کو ان کا باپ نابالغ چھوڑ کر مر گیا ہو) اور (دوسرے غریب) محتاجوں کو (بھی) اور (بے خرچ) مسافروں کو اور (لاچاری میں) سوال کرنے والوں کو اور (قیدی اور غلاموں کی) گردن چھڑانے میں (بھی مال خرچ کرتا ہو) اور (وہ شخص) نماز کی پابندی (بھی) رکھتا ہو اور (مقررہ) زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (کہ ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں، جب (کسی امر جائز کا) عہد کرلیں اور (اس صفت کو خصوصیت کے ساتھ کہوں گا کہ) وہ لوگ (ان مواقع میں) مستقل (مزاج) رہنے والے ہوں (ایک تو) تنگدستی میں اور (دوسرے) بیماری میں اور (تیسرے معرکہ) قتال (کفار) میں (یعنی پریشان اور کم ہمت نہ ہوں بس) یہ لوگ ہیں جو سچے (کمال کے ساتھ موصوف) ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو (سچے) متقی (کہے جاسکتے) ہیں، غرض اصلی مقاصد اور کمالات دین کے یہ ہیں نماز میں کسی سمت کو منہ کرنا انہی کمالات مذکورہ میں سے ایک کمال خاص یعنی اقامت صلوٰۃ کے توابع اور شرائط میں سے ہے اور اس کے حسن سے اس میں بھی حسن آگیا، ورنہ اگر نماز نہ ہوتی تو کسی خاص سمت کو منہ کرنا بھی عبادت نہ ہوتا)

حکم اول قصاص

اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے، مقتولین (قتل عمد) کے بارے میں (یعنی ہر) آزاد آدمی (قتل کیا جاوے ہر دوسرے) آزاد آدمی کے عوض میں اور (اسی طرح ہر) غلام (دوسرے ہر) غلام کے عوض میں اور (اسی طرح ہر) عورت (دوسری ہر) عورت کے عوض میں (گو یہ قاتلین بڑے درجہ کے اور مقتولین چھوٹے درجہ کے ہوں، جب بھی سب سے برابر قصاص لیا جاوے گا یعنی قاتل کو سزا میں قتل کیا جاوے گا) ہاں جس (قاتل) کو اس کے فریق (مقدمہ) کی طرف سے کچھ معافی ہو جاوے (مگر پوری معاف نہ ہو) تو (اس سے سزائے قتل سے تو بری ہو گیا، لیکن دیت یعنی خونبہا کے طور پر ایک معین مقدار سے مال بذمہ قاتل واجب ہو جاوے گا تو اس وقت فریقین کے ذمہ ان دو امر کی رعایت ضروری ہے مدعی یعنی وارث مقتول کے ذمہ تو) معقول طور پر (اس مال کا) مطالبہ کرنا (کہ اس کو زیادہ تنگ نہ کرے) اور (مدعا علیہ یعنی قاتل کے ذمہ) خوبی کے

www.toobaaelibrary.com

ساتھ (اس مال کا) اس (مدعی) کے پاس پہنچا دینا (کہ مقدار میں کمی نہ کرے اور خواہ مخواہ ٹالے نہیں) یہ (قانونِ دیت وعفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف ہے اور (شاہانہ) ترحم ہے (ورنہ بجز سزائے قتل کے کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی) پھر جو شخص اس (قانون) کے (مقرر ہوئے) بعد تعدی کا مرتکب ہو (مثلاً کسی پر جھوٹا یا اشتباہ میں دعویٰ قتل کا کردے یا معاف کرکے پھر قتل کی پیروی کرے) تو اس شخص کو (آخرت میں) بڑا دردناک عذاب ہوگا، اور فہیم لوگو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے (کیونکہ اس قانون کے خوف سے ارتکاب قتل سے ڈریں گے، تو کئی جانیں بچیں گی) ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ (ایسے قانونِ امن کی خلاف ورزی سے) پرہیز رکھو گے۔

حکم دوم "وصیت"

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو (آثار سے) موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑ رہا ہو تو (اپنے) والدین اور (دیگر) (دیگر) اقارب کے لیے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ کچھ بتلا جاوے (اس کا نام وصیت ہے) جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری... (کیا جاتا) ہے، پھر (جن لوگوں نے اس وصیت کو سنا ہے ان میں سے) جو شخص (بھی) سن لینے کے بعد اس (کے مضمون) کو تبدیل کرے گا (اور باہمی تقسیم و فیصلہ کے وقت غلط اظہار دے گا، اور اس کے موافق فیصلہ ہونے سے کسی کا حق تلف ہو جاوے گا) تو اس (حق تلفی) کا گناہ انہی لوگوں کو ہوگا جو اس (مضمون) کو تبدیل کریں گے (حاکم عدالت یا ثالث کو یا مرنے والے کو گناہ نہ ہوگا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں (تو تبدیل کرنے والے کے اظہار بھی سنتے ہیں اور حاکم کا بے خبر اور معذور ہونا بھی جانتے ہیں) ہاں (ایک طرح کی تبدیلی کی اجازت بھی ہے وہ یہ کہ) جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے (وصیت کے بارے میں) کسی غلطی کی یا (قصداً قانونِ وصیت کے کسی دفعہ کی خلاف ورزی کے) کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو (اور اس بے ضابطہ وصیت کی وجہ سے اس میت کے پسماندہ مستحقانِ ترکہ و مستحقانِ مالِ وصیت میں نزاع کا خطرہ یا وقوع معلوم ہو) پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرادے (گو وہ مصالحت اس مضمون وصیت کے خلاف ہو جو ظاہراً تبدیل وصیت ہے) تو اس شخص پر کوئی (بار) گناہ نہیں ہے (اور) واقعی اللہ تعالیٰ تو (خود گناہوں کے) معاف فرمانے والے ہیں اور (گناہگاروں پر) رحم کرنے والے ہیں (اور اس شخص نے تو کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ وصیت میں تبدیلی اصلاح کے لیے کی ہے، تو اس پر کیوں نہ رحمت ہوگی)

www.toobaaelibrary.com

تلخیص معارف ومسائل

شروع سورت سے اب تک تقریباً نصف سورۂ بقرہ ہے، زیادہ روئے سخن منکرین کی طرف تھا، کیونکہ اولاً قرآن کی حقانیت کا اثبات کیا اس ضمن میں مومنین اور منکرین کا ذکر کیا، پھر توحید ورسالت کو ثابت کیا، پھر اولاد ابراہیمؑ پر انعامات واحسانات کو وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ تک بیان فرمایا، یہاں سے قبلہ کی بحث چلی، اسے صفا ومروہ کی بحث پر ختم کیا، پھر توحید کے اثبات کے بعد شرک کے اصول وفروع کا ابطال کیا یہاں تک بھی بیان ہوا۔ ان سب مضامین میں زیادہ تر منکرین کو تنبیہ ہے۔ اب آئندہ جو تقریباً بقرہ کا نصف بقیہ ہے اس میں زیادہ تر مسلمانوں کو بعض اصول وفروع کی تعلیم مقصود ہے، گو ضمناً غیر مسلمین کو خطاب ہو جائے جسے شروع کیا گیا ایک مجمل عنوان لفظ "بِرّ" سے بمعنی مطلق خیر، اول آیت میں جامع الفاظ سے کلی اور اصولی تعلیم دی گئی ہے، مثلاً ایمان بالکتاب، وایتاء مال، ووفائے عہد، وصبر حین الباس وغیرہ جس میں تمام احکام قرآنی کے بنیادی اصول آگئے ہیں کیونکہ تمام شرعی احکام کا حاصل تین چیزیں ہیں، عقائد، اعمال اخلاق باقی تمام جزئیات انہیں کلیات کے تحت داخل ہیں اس آیت میں ان تینوں قسموں کے بڑے بڑے شعبے آگئے۔

آگے بِرّ کی تفصیل ہے جس میں بہت سے احکام باقتضائے وقت ومقام مثل قصاص ووصیت، روزہ، جہاد، حج، انفاق، حیض، ایلا، یمین، طلاق، نکاح، عدت، مہر، بکرار ذکر جہاد وانفاق فی سبیل اللہ، وبعض علامات بیع وشراء، شہادت بقدر ضرورت بیان فرما کر بشارت ووعدہ رحمت ومغفرت پر ختم فرمادیا، سبحان اللہ کیا بلیغ ترتیب ہے۔

ان مضامین کا حاصل بِرّ کا بیان ہے، اجمالاً وتفصیلاً، اس لیے اگر اس مجموعہ کا لقب ابواب البر رکھا جائے تو نہایت زیبا ہے۔

آیت: ۱۷۷: بیت اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ کیے جانے کے بعد یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو شدید اعتراضات تھے جس کا ذکر بالتفصیل گذرا۔ اس آیت میں ایک خاص انداز سے یہ بحث ختم کردی گئی ہے کہ تم نے صرف سمت وجہت کو دین کا مقصد بنالیا ہے، گویا شریعت کا اور کوئی حکم ہی نہیں ہے۔

اس آیت کو احکام اسلامیہ کی ایک نہایت جامع آیت کہا گیا ہے، اس آیت میں تمام احکام شرعیہ کا خلاصہ اعتقادات، عبادات معاملات اخلاق کا ذکر آگیا ہے۔ اعتقادات کا ذکر مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ میں مفصل آگیا، عبادات کا ذکر واٰتَی الزَّکٰوۃَ تک آگیا، معاملات کا ذکر والْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ سے

www.toobaaelibrary.com

کیا گیا، پھر اخلاق کا ذکر والصّابِرِیْنَ سے کیا گیا ان تمام احکام کے پیروی کرنے والے کو سچا مومن اور متقی شمار کیا جاسکتا ہے۔

ان احکام کے بیان کرنے میں بہت سے بلیغ اشارات ہیں، انفاق مال میں علٰی حُبِّہٖ کی قید لگادی جس میں تین احتمالات ہیں ایک یہ کہ حُبِّہٖ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہوں یعنی انفاق میں اخلاص کامل ہو۔ یا یہ کہ مرجع مال ہو یعنی محبوب مال ہو، بیکار قسم کا نہ ہو، یا یہ کہ لفظ اتی کے مصدر ایتاء کی طرف راجع ہو یعنی انفاق پردل سے راضی ہو، امام جصاص فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ تینوں چیزیں مراد میں داخل ہوں۔

زکوٰۃ سے پہلے انفاق مال کی دو صورتیں اس لیے بیان کردی گئیں کہ عموما ان حقوق میں غفلت برتی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ صرف زکوٰۃ سے مالی فرض پورا نہیں ہوتا، (جصاص قرطبی) زکوٰۃ تو ایک خاص قانون ہے جسے بہرحال ادا کرنا ہے، دیگر مصارف ضرورت وحاجت پر موقوف ہیں۔

فائدہ: انفاق مال کے مصارف کو تو ایک انداز سے بیان فرمایا مگر وَفِی الرِّقَابِ اس میں حرف فی بڑھا کر اشارہ کردیا کہ مملوک غلاموں کو مال کا مالک بنانا مقصود نہیں بلکہ ان کے مال سے خرید کر انہیں آزاد کرنے پر خرچ کیا جائے، آگے معاملات کے بیان میں اسلوب بدل کر صیغۂ اسم فاعل استعمال کیا اشارہ ہے کہ ایفاء عہد کی عادت دائمی ہونی چاہیے۔ اتفاقی طور پر تو کافر وفاجر بھی کرتا ہے، اس کا اعتبار نہیں۔ نیز ایفاء عہد تمام معاملات کی روح ہے اسی لیے صرف اسی کو ذکر کیا۔ آگے بیان اخلاق میں صرف صبر کو بیان کیا گیا، جیسا کہ گذرا تمام اعمال باطنہ کی اصل روح صبر ہی ہے۔

اسلوب بیان میں ایک تغیر بھی یہ کیا گیا کہ وَالْمُوْفُوْنَ کی طرح وَالصَّابِرُوْنَ کے بجائے والصّابِرِیْنَ فرمایا، مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ مدح مقدر ہے، صابرین اس کا مفعول ہے یعنی تمام نیکوکاروں میں خصوصیت سے قابل مدح صابرین ہیں۔

آیت (۱۷۸ تا ۱۷۹) ان آیتوں سے ابواب البر کے کچھ احکام جزئیہ کا بیان ہورہا ہے۔ قصاص کے معنی مماثلت کے ہیں، اصطلاح شرع میں قتل وزخم کی اس سزا کو جس میں مساوات ومماثلت کی رعایت کی گئی ہو، کسی آہنی ہتھیار سے قتل کا ارادہ ہو جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہہ سکے قصاص ایسے قتل کے جرم کے ساتھ مخصوص ہے۔

آیت اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ الخ ایک خاص واقعہ کی تردید میں نازل ہوئی، زمانہ اسلام سے کچھ پہلے عرب کے دو قبیلوں میں جنگ ہوئی طرفین کے آزاد، غلام، عورتیں قتل ہوئیں، تصفیہ سے پہلے اسلام کا

www.toobaaelibrary.com

زمانہ آگیا یہ دونوں اسلام میں داخل ہو گئے، قصاص کی گفتگو شروع ہوئی تو جو قبیلہ قوت والا تھا اس نے کہا جب تک ہمارے غلام کے بدلے تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جائے ہم راضی نہ ہوں گے، اس جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید میں اَلْحُرّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی نازل ہوئی، اسلام کا عادلانہ قانون یہ ہے کہ جس نے قتل کیا ہے قصاص میں وہی قتل کیا جائے، اس کے برعکس ظلم عظیم ہے۔

اگر قتل عمد میں قاتل کو مقتول کے ورثا مکمل معاف کر دیں تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں، اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً مقتول کے وارث دو میں سے ایک نے معاف نہ کیا تو قصاص سے قاتل بری تو ہو گیا مگر نہ معاف کرنے والو کو نصف دیت (خون بہا) دلایا جائیگا۔ (آج کل تقریباً ۳۶ تولے ۸ ماشے چاندی ہے) مقتول کے جتنے وارث ہیں وہی قصاص یا دیت کے مالک بقدر اپنے حصۂ میراث کے ہوں گے، قصاص ناقابل تقسیم ہے اس لیے کوئی وارث اپنا ادنی حصہ بھی معاف کر دے گا تو دوسرے ورثاء کا حق قصاص بھی معاف ہو جائے گا، مگر دیت کی رقم حسب حصہ ملے گی۔

قصاص کا حق اگر چہ اولیاء مقتول کا ہے مگر باجماع امت خود وصول کرنے کا اختیار نہیں، اس کے لیے حکم سلطان مسلم یا نائب ضروری ہے کیونکہ اس کے مسائل اور جزئیات دقیق ہیں، نیز اولیاء غصہ سے مغلوب ہو کر زیادتی بھی کر سکتے ہیں۔ (قرطبی) جیسے وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ۔

آیت: ۱۸۰-تا-۱۸۲: وصیت عرفاً اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم بعد الموت ہو، خَيْر کے ایک معنی مال کے بھی ہیں یہاں باتفاق مفسرین مراد مال ہے اس حکم وصیت کے تین اجزا ہیں، (۱) ترکہ میں اولاد کے سوا کسی دوسرے وارث کے حصے مقرر نہیں ہے ان کے حصوں کا تعین مرنے والے کی وصیت کی بنیاد پر ہوگا مگر اس حکم کو آیت میراث لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا... مَفْرُوْضًا۔ نے منسوخ کر دیا (ابن کثیر عن ابن عباسؓ) البتہ دوسرے رشتہ دار جن کا میراث میں حصہ مقرر نہیں ان کے لیے حکم وصیت اب بھی باقی ہے۔ (قرطبی)

وصیت کی فرضیت بھی باجماع امت منسوخ ہے اس حدیث متواتر سے جس کا اعلان پیغمبر علیہ السلام نے خطبہ حجۃ الوداع میں ڈیڑھ لاکھ صحابہؓ کے سامنے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اعطى لذى حق حقهٗ فلا وصية لوارث (ترمذی) البتہ دوسرے ورثاء اس وصیت کی اجازت دیدیں تو جائز ہے، یہ حدیث متواتر کے حکم میں ہے (جصاص) اور حدیث متواتر یا مشہور تو وہ بحکم قرآن ہے، لہٰذا یہ ناسخ ہو سکتی ہے۔

www.toobaaelibrary.com

یہ وصیت ایک تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں، میت کے اوپر حقوق واجبہ کی وصیت واجب ہے ارشاد رسالت ہے: جس شخص کے کچھ لوگوں کے حقوق ہوں اس پر دو راتیں ایسی نہ گذرنی چاہئے کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس نہ ہو، (متفق علیہ عن ابن عمرؓ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا
مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ
فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ
اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا ھَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا
لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَاۗىِٕكُمْ ۭ ھُنَّ لِبَاسٌ
لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ
فَالْـــٰٔنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ
الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُـبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي
الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ وَلَا
تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

حکم ۴ صوم

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، اس توقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ (کیونکہ روزہ رکھنے سے عادت پڑے گی نفس کو اس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی اور اسی عادت کی پختگی بنیاد ہے تقویٰ کی سو) تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو (ان تھوڑے دنوں سے مراد رمضان ہے، جیسا اگلی آیت میں آتا ہے) پھر (اس میں بھی اتنی آسانی ہے کہ) جو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو (جس کو روزہ

www.toobaaelibrary.com

رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر میں ہو تو اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، اور بجائے رمضان کے، دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے، اور (دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہو گئی یہ ہے کہ) جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں (اور پھر روزہ رکھنے کو دل نہ چاہے تو) ان کے ذمہ (صرف روزے کا) فدیہ (یعنی بدلہ) ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا (کھلا دینا یا دے دینا) ہے، اور جو شخص خوشی سے (زیادہ) خیر (خیرات) کرے (کہ زیادہ فدیہ دیدے) تو یہ اس شخص کے لیے اور بہتر ہے، اور (گو ہم نے آسانی کے لیے ان حالتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیدی ہے، لیکن) تمہارا روزہ رکھنا (اس حالت میں بھی) زیادہ بہتر ہے اگر تم (کچھ روزے کی فضیلت کی) خبر رکھتے ہو۔ اوپر ارشاد ہوا تھا کہ تھوڑے روزہ رکھ لیا کرو، آگے ان تھوڑے دنوں کا بیان ہے:

تعیین ایام صیام (وہ تھوڑے ایام جن میں روزے کا حکم ہوا ہے) ماہ رمضان ہے جس میں (ایسی برکت ہے کہ اس کے ایک خاص حصہ یعنی شب قدر میں) قرآن مجید (لوح محفوظ سے دنیا پر) بھیجا گیا ہے، (جس کا ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لیے (ذریعہ) ہدایت ہے، اور (دوسرا وصف یہ ہے کہ ہدایت کے طریقے بتلانے میں اس کا جزو جزو) واضح الدلالۃ ہے، (اور ان دونوں وصفوں میں) منجملہ ان کتب (سماویہ) کے (ہے) جو کہ انہی دو وصفوں سے موصوف ہیں یعنی ذریعۂ ہدایت (بھی) ہیں اور (وضوح دلالت کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان) فیصلہ کرنے والی (بھی) ہیں، سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہئے (اور وہ فدیہ کی اجازت جو اوپر مذکور تھی منسوخ و موقوف ہوئی) اور (مریض اور مسافر کے لیے جو اوپر قانون تھا وہ البتہ اب بھی اسی طرح باقی ہے کہ) جو شخص (ایسا) بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر میں ہو تو (اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے ایام رمضان کے) دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب ہے) اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی (کی رعایت) کرنا منظور ہے (اس لیے ایسے احکام مقرر کئے جن کو تم آسانی سے بجا لا سکو، چنانچہ سفر اور مرض میں کیسا آسان قانون مقرر کر دیا) اور تمہارے ساتھ (احکام و قوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں (کہ سخت احکام تجویز کر دیتے) اور (یہ احکام مذکورہ ہم نے خاص خاص مصلحتوں سے مقرر کئے، چنانچہ اولاً روزہ ادا رکھنے کا اور کسی شرعی عذر سے رہ جاوے تو دوسرے ایام میں قضا کرنے کا حکم تو اسی لیے کیا) تاکہ تم لوگ (ایام ادا یا قضا کی) شمار کی تکمیل کر لیا کرو، (تاکہ ثواب میں کمی نہ رہے) اور (خود قضا رکھنے کا حکم اس

www.toobaaelibrary.com

لیے کیا) تا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی (اور ثنا) بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو (ایک ایسا) طریقہ بتلا دیا (جس سے تم برکات و ثمرات صیام سے محروم نہ رہو، ورنہ اگر قضا واجب نہ ہوتی تو کون اتنے روزے رکھ کر ثواب حاصل کرتا) اور (عذر سے خاص رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لیے دیدی) تا کہ تم لوگ (اس نعمت آسانی پر اللہ تعالیٰ کا) شکر ادا کیا کرو (ورنہ اگر یہ اجازت نہ ہوتی تو سخت مشقت ہو جاتی) اور (اے محمدؐ) جب آپؐ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں (کہ میں ان سے قریب ہوں یا دور) تو (میری طرف سے ان سے فرما دیجئے کہ) میں قریب ہی ہوں (اور باستثناء نامناسب درخواست کے) منظور کر لیتا ہوں (ہر) عرضی درخواست کرنے والے کی جب کہ وہ حضور میں درخواست دے، سو (جس طرح میں ان کی عرض معروض کو منظور کر لیتا ہوں) ان کو چاہیے کہ میرے احکام کو (بجا آوری کے ساتھ) قبول کیا کریں (اور چوں کہ ان احکام میں کوئی حکم نامناسب نہیں اس لیے اس میں استثناء ممکن نہیں) اور مجھ پر یقین رکھیں (یعنی میرے ہستی پر بھی میرے حاکم ہونے پر بھی میرے حکیم ہونے پر اور رعایت ومصالح پر بھی اس طرح) امید ہے کہ وہ لوگ رشد (وفلاح) حاصل کر سکیں گے۔

اس آیت میں روزہ کے بقیہ احکام کی کچھ تفسیر مذکور ہے۔

تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا (اور پہلے جو اس سے ممانعت تھی وہ موقوف کی گئی) کیونکہ (بوجہ قرب واتصال کے) وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم ان کے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو، خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم (اس حکم الٰہی میں) خیانت (کر) کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے (مگر) خیر (جب تم معذرت سے پیش آئے تو) اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا، سو (جب اجازت ہو گئی تو) اب ان سے ملو ملاؤ اور جو (قانون اجازت) تمہارے لیے تجویز کر دیا ہے، (بے تکلف) اس کا سامان کرو اور (جس طرح شب صیام میں بی بی سے ہمبستری کی اجازت ہے، اسی طرح یہ بھی اجازت ہے کہ تمام رات میں جب چاہو) کھاؤ (بھی) اور پیو (بھی) اس وقت تک کہ تم کو سفید خط صبح (صادق کی روشنی) کا متمیز ہو جاوے سیاہ خط سے (یعنی رات کی تاریکی سے) تو پھر (صبح صادق سے) رات (آنے) تک روزہ کو پورا کیا کرو۔ صبح کی سفیدی کا سفید خط رات کی تاریکی کے سیاہ خط سے متمیز ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق یقینی طور سے ثابت ہو جائے۔

www.toobaaelibrary.com

حکم پنجم، اعتکاف

اور ان بیبیوں (کے بدن) سے اپنا بدن بھی (شہوت کے ساتھ) مت ملنے دو جس زمانے میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو، (جو کہ) مسجدوں میں (ہوا کرتا ہے) یہ (سب احکام مذکورہ) خداوندی ضابطے ہیں، سو ان (ضابطوں) سے (نکلنا تو کیسا) نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا (اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ احکام بیان کیے ہیں) اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے (اور احکام (بھی) لوگوں (کی اصلاح) کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں، اس امید پر کہ وہ لوگ (احکام پر مطلع ہو کر ان احکام کے خلاف کرنے سے) پرہیز رکھیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ اور ان (کے جھوٹے مقدمہ) کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ (یعنی ظلم) کے کھا جاؤ، جبکہ تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۸۳-۱۸۴: صوم کے لغوی معنی امساک یعنی رکنے کے ہیں اصطلاح شرع میں طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے پینے، عورت کے ساتھ مباشرت سے باز رہنے کا نام ہے، روزہ کو اسلام کا عمود اور شعار کہا گیا ہے۔ پچھلی امتوں کا ذکر، روزے کی خاص اہمیت جتلانے اور مسلمانوں کی دلجوئی کے لیے کیا گیا، کہ اس مشقت میں تم تنہا نہیں ہو، جب بہت سے لوگ شریک ہوتے ہیں تو مشقت ہلکی معلوم ہوتی ہے (روح المعانی) اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ عام ہے حضرت آدمؑ سے خاتم الانبیاء علیہم السلام تک سب کو شامل ہیں، معلوم ہوا کہ روزہ بھی ہر شریعت میں فرض رہا ہے۔ (نصاریٰ کا مراد ہونا مثلاً ہے) خواہ حالات وصفات میں اختلاف ہو سکتا ہے، بلکہ فرق رہا بھی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تقویٰ کی قوت حاصل کرنے میں روزہ کو بڑا دخل ہے، خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ایک ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ مَّرِيْضًا ایسا مریض جسے روزہ سے ناقابل برداشت تکلیف پہنچے یا مرض میں اضافہ کا قوی اندیشہ ہو۔ عَلٰى سَفَرٍ اس سے مراد لغوی سفر نہیں بلکہ شرعی سفر ہے جسے بعد کے فقہا نے اڑتالیس میل لکھی ہے۔ نیز مسافر اس وقت تک رخصت سفر کا مستحق رہتا ہے جب تک سلسلہ سفر جاری رہے معتد بہ قیام جس کی مدت پیغمبر علیہ السلام کے بیان سے پندرہ یوم ثابت ہیں، اس سے سلسلۂ سفر ختم ہو جاتا ہے، اور یہ مدت قیام ایک ہی جگہ ہو، متفرق نہ ہو فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ میں اشارہ ہے کہ روزہ کی قضا اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ مریض صحت کے بعد اور مسافر قیام کے بعد اتنے دنوں کی مہلت پائے جن میں

www.toobaaelibrary.com

قضا کر سکے، اور یہ قضا متفرق طور پر بھی رکھ سکتا ہے، وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ، یہ حکم ابتداء اسلام کا ہے جب لوگوں کو روزے کا خوگر بنانا مقصود تھا، اس کے بعد مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ سے یہ حکم عام لوگوں کے حق میں منسوخ کر دیا گیا، صرف بہت بوڑھے لوگوں یا ایسے بیماروں سے جن کی صحت کی امید نہ رہے، باجماع امت ایسے لوگوں کے حق میں باقی ہے۔ (جصاص، مظہری، دیکھئے بخاری مسلم ابو داؤد ترمذی طبرانی وغیرہ عن مسلم ابن اکوع رضی اللہ عنہ)

روزہ میں تین تغیرات نماز کی طرح روزے میں بھی تین تغیرات ہوئے جب پیغمبر علیہ السلام مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو ہر ماہ میں تین روزے اور ایک روزہ یوم عاشورہ کا رکھتے تھے، پھر رمضان کی فرضیت نازل ہوگئی كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ، اس میں حکم اس اختیار کے ساتھ تھا کہ روزہ رکھے یا فدیہ دیدے، مگر روزہ رکھنا افضل ہے، تیسرا تغیر آیت مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ سے ہوا۔ اور ایک تبدیلی یہ بھی ہوئی کہ ابتداء میں کھانے پینے وغیرہ کی اجازت سونے سے پہلے تک تھی، سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا، اس میں بڑی مشقتیں اور زحمتیں تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے اُحِلَّ لكم لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ الخ نازل فرما کر آسانی عطا فرمادی کہ اگلے دن کی صبح صادق تک سب جائز ہے بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد سحری کھانا مسنون ہوا۔ (بخاری وغیرہ عن براء ابن عازبؓ) فدیہ کی مقدار تقریباً پونے دو سیر گندم ہے، کسی غریب مسکین کو دیدینا، کسی مسجد مدرسہ کی خدمت کا معاوضہ نہ ہو"۔

مسئلہ: ایک روزہ کا فدیہ دو آدمیوں میں تقسیم کرنے یا چند روزوں کا فدیہ ایک ہی شخص کو ایک تاریخ میں دیدینے کی گنجائش ہے مگر یہ صورت احتیاط کے خلاف ہے (امداد الفتاوی ج ۲ ص ۱۴۳) اگر کسی کو فدیہ دینے کی بھی وسعت نہ ہو تو استغفار کرتا رہے، دل میں نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کروں گا۔ (بیان القرآن)

آیت: ۱۸۵: اس آیت میں لفظ مجمل ایاما مَّعْدُوْدَات کا بیان ہے کہ وہ تھوڑے دن ماہ رمضان ہے، نیز اس میں ماہ رمضان کی اعلیٰ فضیلت کا ذکر بھی ہے کہ اس ماہ کو کتب سماوی کے نزول کے لیے منتخب کر رکھا ہے چنانچہ تمام آسمانی کتابیں اور صحائف کی طرح قرآن مجید بھی اسی ماہ میں نازل ہوا، (دیکھئے مسند احمد عن واثلہ بن اسقعؓ) دیگر کتب پوری کی پوری یک دفعہ انبیاء پر نازل کی گئیں، مگر قرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ رمضان کی ایک رات لیلۃ القدر میں پورا کا پورا لوح محفوظ سے آسمان دنیا

www.toobaaelibrary.com

پر نازل کر دیا مگر پیغمبر علیہ السلام پر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا تیئس ۲۳ سال میں نازل ہوا۔

وَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ یعنی تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں حاضر و موجود ہو اس پر پورے مہینے کے روزے رکھنے لازم ہیں، یعنی اس میں روزہ رکھنے کی صلاحیت موجود ہو وہ صلاحیت مسلمان، عاقل، بالغ، ہو حیض و نفاس سے پاک عورت ہو، پس جن میں صلاحیت ذاتی طور پر موجود نہیں وہ اس کے مخاطب ہی نہیں، اور جن میں صلاحیت ذاتی تو موجود ہو مگر وقتی عذر سے مجبور ہو گئے جیسے حیض و نفاس والی عورت، یا مریض و شرعی مسافر تو ان میں حکم تو ثابت ہو گیا، بعد میں قضا لازم ہے، بہر حال جس نے پورا رمضان پالیا تو اس پر پورے روزے اور جس نے کچھ کم پایا اس پر اتنے ہی دن کے روزے فرض ہوئے، مگر مجنون مسلمان بالغ ہونے کے اعتبار سے ذاتی صلاحیت رکھتا ہے وہ اگر رمضان کے کسی حصہ میں ہوش میں آ جائے اسی طرح حیض و نفاس والی عورت وسط رمضان میں پاک ہو جائے تو گذشتہ ایام کی قضا لازم ہو گی۔

مسئلہ: خود چاند نہ دیکھ سکے یا معتبر شہادت نہ آ جائے تو شعبان کے تیس روز پورے کرنے کے بعد رمضان شروع ہو جائے گا، شعبان کی انتیسویں تاریخ ہو اور یوم الشک ہو یعنی چاند کا ثبوت نہ ہو سکے تو اس دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے، ممنوع ہے، تاکہ فرض و نفل میں التباس نہ ہو (جصاص)

جن ممالک میں کئی کئی ماہ کے رات دن ہوتے ہیں وہاں رمضان آتا ہی نہیں اس لیے روزے بھی فرض نہ ہونگے (امداد الفتاویٰ)

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ کا اعادہ اس لیے کیا گیا کہ مریض اور مسافر کی رخصت کی منسوخی کا شبہ نہ ہو۔

آیت (۱۸۶) اس میں اطاعت احکام کی ترغیب دی گئی ہے، ابن کثیرؒ نے ترغیب دعا کی یہ حکمت بتلائی ہے کہ اس میں اشارہ کر دیا کہ روزہ کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس لیے دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔ (ابوداؤد طیالسی عن عبداللہ ابن عمرؓ)

کسی گاؤں والے نے سوال کیا کہ ہمارا رب ہم سے قریب ہے تو آہستہ آواز سے مانگا کریں اور دور ہو تو بلند آواز سے مانگا کریں اس پر نازل ہوا اِنِّي قَرِيبٌ، یعنی دعا آہستہ سے مانگنی چاہئے۔

آیت: ۱۸۷: اس آیت میں روزہ کے کچھ بقیہ احکام مذکور ہیں۔ اُحِلَّ لَكُمْ سے معلوم ہوا کہ جو چیز اس آیت کے ذریعہ حلال کی گئی ہے وہ اس سے پہلے حرام تھی جس کا ذکر روزہ میں تین تغیرات

www.toobaaelibrary.com

کے تحت گذرا۔ وَقۡتُ سے باتفاق اس جگہ اجماع مراد ہے، حکم اول کا فسخ سنت ثابتہ سے ہوا ہے قول رسول بھی بحکم قرآن ہے (جصاص وغیرہ)

سحری کھانے کا آخری وقت

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ الخ اس سے روزہ شروع ہوجانے کا متعین وقت بتلادیا، افراط وتفریط کے احتمالات کو ختم کرنے کے لیے حَتّٰى يَتَبَيَّنَ فرمایا، کھانے پینے اور روزہ کے درمیان حد فاصل صبح صادق کا تعین ہے تیقن سے پہلے تک کھانا پینا درست، تیقن کے بعد حرام اور مفسد روزہ ہے۔

ارشاد رسالت "اذانِ بلالؓ تمہیں سحری کھانے سے مانع نہ ہونی چاہئے الخ (بخاری و مسلم) سے بعض معاصرین کو غلط فہمی ہوئی کہ اذان فجر کے بعد بھی کچھ کھانے پینے میں مضائقہ نہیں! حالانکہ اسی حدیث کے آخر میں واضح طور پر بتلادیا گیا ہے کہ ابن ام مکتومؓ کی اذان پر جو طلوع فجر کے ساتھ ہوتی تھی، کھانے سے رک جانا ضروری ہے۔ (اذان بلالؓ تہجد کے لیے رات سے ہوتی تھی) تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ کے ساتھ ہی فَلَا تَقْرَبُوْهَا فرما کر خاص احتیاط کی تاکید بھی فرمادی۔

مسئلہ: صبح صادق کے مشکوک ہونے کی حالت میں کسی نے کچھ کھا پی لیا اور بعد میں تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ صبح ہوچکی تھی تو اس کے ذمہ قضا لازم ہے (جصاص) یہی صورت بادل کے دن غروب کے گمان پر افطار میں ہے دونوں صورتوں میں گنہگار تو نہ ہوگا مگر قضا اس پر واجب ہے۔

اعتکاف: اعتکاف لغۃً کسی جگہ ٹھہرنے کو کہتے ہیں، شرعاً خاص شرائط کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے اور قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے، فِي الْمَسَاجِدِ سے معلوم ہوا کہ ہر اعتکاف مسجد میں ہوسکتا ہے، اعتکاف صرف اس مسجد میں ہوسکتا ہے جس میں جماعت ہوتی ہے، نہ کہ غیر آباد مسجد میں، یہ شرط در حقیقت مسجد کے مفہوم ہی سے مستفاد ہے کیونکہ مساجد کی بنا کا مقصد اصلی جماعت کی نماز ہے تنہا نماز تو کہیں بھی ہوسکتی ہے۔ اعتکاف مباشرت نساء کے معاملے میں الگ ہے کہ یہ رات میں بھی جائز نہیں۔

احتیاطی حکم: روزہ کی حالت میں کھانے، پینے، مباشرت کے قریب بھی نہ جانا چاہئے کیونکہ حد شکنی کا احتمال ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا۔ اسی طرح کلی کرنے میں مبالغہ اور، منہ کے اندر دوا کا استعمال، بیوی سے بوس وکنار مکروہ ہے، اسی طرح سحری دو چار منٹ پہلے ختم کردینا اور افطار میں دو تین منٹ مؤخر کرنا بہتر ہے۔ اس میں بے پروائی ارشاد خداوندی کے خلاف ہے۔

آیت: ۱۸۸: اس آیت میں حرام طریقوں سے مال حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی ممانعت ہے،

www.toobaaelibrary.com

یہ ممانعت اس مناسبت سے ذکر کی گئی کہ عبادت صوم کا اصل منشاء یہی ہے کہ انسان کچھ عرصہ حلال چیزوں سے بھی صبر کا خوگر ہو جائے گا تو حرام چیزوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔ نیز یہ کہ بوقت افطار مال حلال سے مہیا کرنا چاہیے، جس نے دن بھر روزہ رکھا شام کو مال حرام سے افطار کیا اس کا روزہ عند اللہ قبول نہیں۔

کسب مال کے اچھے برے ذرائع اور اچھائی برائی کا معیار

مال کی ضرورت پر دنیا کی ساری قوم وملت متفق ہے، اس کی تحصیل کے جائز اور ناجائز ذرائع پر بھی اتفاق ہے مگر اس کا صحیح معیار کیا ہو یہ کسی کے پاس نہیں ہے اور نہ ہی ممکن ہے، کیوں کہ اس کا تعلق پورے عالم انسانیت سے ہے، کوئی انسان اپنی قوم، وطن وملت کے لیے کوئی معیار سوچے گا تو وہ دوسری قوموں اور ملتوں سے مختلف ہوگا اور ساری مخلوق کو مطمئن کرنے کا ذریعہ نہیں ہو سکتا، انجام کار جنگ وفساد ہوگا۔

اس کا صحیح اور معقول معیار وہی ہو سکتا ہے جو رب العٰلمین کی طرف سے بذریعہ وحی بھیجا گیا ہو۔

شریعت اسلام نے حلال وحرام اور، جائز وناجائز کا جو قانون بتایا ہے وہ صراحۃً وحی الٰہی سے ہے یا اس سے مستفاد ہے اور وہی ایک ایسا معقول فطری اور جامع قانون ہے جو ہر قوم وملت اور ہر ملک ووطن میں چل سکتا ہے اور دین میں امن عامہ کا ضامن ہو سکتا ہے، کیونکہ اس قانون الٰہی میں قابل اشتراک چیزوں کو مشترک اور وقف عام رکھا گیا ہے جیسے ہوا پانی، خودرو گھاس، آگ کی حرارت، اور غیر مملوک جنگلات اور غیر آباد پہاڑی جنگلات کی پیداوار وغیرہ اور جن چیزوں کے اشتراک میں انسانی معاشرت میں خلل پیدا ہوتا ہے ان میں انفرادی ملکیت کا قانون جاری فرمایا گیا۔

آیت میں لفظ اَمْوَالَكُمْ آیا ہے یعنی اپنے اموال، اشارہ یہ ہے کہ تم جو کسی دوسرے کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہو تو یہ غور کرو کہ دوسرے شخص کو بھی اپنے مال سے ایسا ہی تعلق ہوگا جب تمہیں اپنے مال سے ہے، اگر وہ تمہارے مال میں ایسا ناجائز تصرف کرتا تو تمہیں جو دکھ پہنچتا اس کا اس وقت بھی ایسا ہی احساس کرو، کہ گویا وہ تمہارا مال ہے، نیز کسی شخص کے مال میں ناجائز تصرف درحقیقت اپنے مال میں ناجائز تصرف کے لیے راستہ ہموار کرنا ہے بِالْبَاطِلِ یہ ایک عام لفظ ہے، یعنی غصب، چوری ڈاکہ، ظلم، جبر، سود، رشوت غیر شرعی بیوع، معاملات فاسدہ، یہ سب حرام اور باطل اور ناجائز ہیں، اور صرف کھانا ہی نہیں بلکہ مطلقاً کسی بھی طرح استعمال کرنا ہے۔

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ الخ. یہ آیت خاص واقعہ میں نازل ہوئی، حضرات صحابہ کرام میں

www.toobaaelibrary.com

سے دو صاحبوں کا باہم ایک زمین کا جھگڑا ہوا، مقدمہ دربار رسالت میں پیش ہوا، مدعی کے پاس گواہ نہ تھے، شرعی ضابطہ کے مطابق مدعا علیہ کو حلف کرنے کا حکم دیا وہ حلف پر آمادہ ہو گیا، اس وقت پیغمبر علیہ السلام نے بطور نصیحت ان کو یہ آیت سنائی: اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا الخ جس میں قسم کھا کر کوئی مال حاصل کرنے پر وعید مذکور ہے، صحابی نے جب یہ آیت سنی تو قسم کھانے کو ترک کر دیا اور زمین مدعی کے حوالہ کر دی (روح) وَتُدْلُوْا بِهَا الخ میں خاص طور پر جھوٹا مقدمہ بنانے کی سخت ممانعت اور وعید آئی ہے۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سے یہ معلوم ہوا کہ اگر مغالطہ کی بناء پر عدالت میں دعویٰ دائر کر کے حاصل کرنے کی کوشش کرے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں نیز اگر کوئی امام یا قاضی کسی مغالطہ کی وجہ سے کوئی ایسا فیصلہ کر دے جو حقیقتاً صحیح نہ ہو تو اس عدالتی فیصلہ کی وجہ سے وہ حلال نہیں ہو جاتا اور جس کے لیے حلال ہے حرام نہیں ہو جاتا، اگر فریب و دھوکہ سے بذریعہ عدالت کسی کا مال لے لے تو اس کا وبال اس کی گردن پر رہے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جن معاملات میں کوئی عقد یا فسخ ہوتا ہو اور جن میں قاضی یا جج کو بھی شرعاً اختیارات حاصل ہوتے ہوں، ایسے معاملات میں اگر جھوٹی قسم یا جھوٹی شہادت کی بناء پر بھی کوئی فیصلہ قاضی نے صادر کر دیا تو شرعاً وہ عقد یا فسخ صحیح ہو جائے گا اور حلال و حرام کے احکام اس پر عائد ہو جائیں گے، اگرچہ جھوٹ بولنے اور جھوٹی شہادت دلوانے کا وبال اس کی گردن پر رہے گا۔

پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات کا ایک بہت بڑا حصہ اسی کام کے لیے وقف رہا ہے کہ امت کو حرام سے بچانے اور حلال کے استعمال کرنے کی ہدایتیں دیں، ارشاد رسالت ہے: مَا تَزَالُ قَدَمَا عَبْدٍ یَوْمَ القیمۃ حتی یُسْاَلَ عن اربع، عن عمرہ فیما افناہ، وعن شبابہ فیما ابلاہ، وعن مالہ من این اکتسبہٗ، وفیما انفقہٗ وعن علمہ ما ذا عمل فیہ (بیہقی عن معاذ ابن جبل) دیکھئے مال کے بارے میں دو سوال ہے، کہاں سے حاصل کیا، یہ الگ سوال ہے، اور کہاں خرچ کیا، یہ مستقل سوال ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اکل حرام سے بچائے اور اکل حلال کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ

www.toobaaelibrary.com

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿۱۹۱﴾ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۹۳﴾ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۴﴾ وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

حکم ہفتم اعتبار حساب قمری وحج وغیرہ

(بعضے آدمی) آپؐ سے (ان) چاندوں کے (ہر مہینہ گھٹنے بڑھنے کی) حالت (اور اس میں جو فائدہ ہے اس فائدہ) کی تحقیقات کرتے ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ (فائدہ اس کا یہ ہے کہ) وہ چاند (اپنے اس گھٹنے اور بڑھنے کے اعتبار سے گویا) آلۂ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے (اختیاری معاملات مثل عدت ومطالبہ حقوق کے) لیے اور (غیر اختیاری عبادات مثل) حج (وزکوٰۃ وروزہ وغیرہ) کے لیے۔

حکم ہشتم، اصلاح رسم جاہلیت

(بعض لوگ قبل اسلام کے اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد کسی ضرورت سے گھر جانا چاہتے ہیں تو دروازہ سے جانا ممنوع جانتے تھے، اس لیے پشت کی دیواریں نقب دے کر اس میں سے اندر جاتے تھے، اور اس عمل کو فضیلت سمجھتے تھے، حق تعالیٰ اس کے متعلق بعد ذکر حج کے ارشاد فرماتے ہیں) اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو، ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام

www.toobaaelibrary.com

(چیزوں) سے بچے اور (چونکہ گھروں میں دروازہ کی طرف سے آنا حرام نہیں ہے اس لیے اس سے بچنا بھی ضروری نہیں، سوا گر آنا چاہو تو) گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، اور (اصل الاصول تو یہ ہے کہ) خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو (اس سے البتہ امید ہے کہ تم (دارین میں کامیاب ہو۔

حکم نہم، قتال کفار

(ذی قعدہ ۶ ہجری میں حضورؐ ادائے عمرہ کے قصد سے مکہ معظمہ تشریف لے چلے اس وقت تک مکہ معظمہ مشرکین کے قبضہ اور حکومت میں تھا، ان لوگوں نے حضورؐ اور آپؐ کے ہمراہیوں کو مکہ کے اندر نہ جانے دیا اور عمرہ رہ گیا، آخری بڑی گفتگو کے بعد یہ معاہدہ قرار پایا کہ سال آئندہ تشریف لا کر عمرہ ادا فرماویں، چنانچہ ذی قعدہ ۷ھ میں پھر آپ اسی قصد سے تشریف لے چلے، لیکن آپؐ کے ساتھ مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید مشرکین اپنا معاہدہ پورا نہ کریں، اور آمادۂ مقابلہ ومقاتلہ نہ ہو جاویں، تو ایسی حالت میں نہ سکوت مصلحت ہے، اور اگر مقابلہ کیا جاوے تو ذی قعدہ میں قتال لازم آتا ہے، اور یہ مہینہ منجملہ ان چار مہینوں کے ہے جن کو اشہر حرم کہا جاتا ہے، ان چاروں مہینوں میں اس وقت تک قتل وقتال حرام وممنوع تھا، یہ چار مہینے ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب تھے، غرض مسلمان اس تردد سے پریشان تھے، حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ان خاص معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ بوجہ باہمی معاہدہ کے تم کو اپنی جانب سے ابتداء قتال کرنے کی اجازت نہیں، لیکن اگر وہ لوگ خود عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے کو آمادہ ہو جاویں تو اس وقت تم کسی طرح کا اندیشہ دین میں مت لاؤ) اور (بے تکلف) تم (بھی) لڑو اللہ کی راہ میں (یعنی اس نیت سے کہ یہ لوگ دین کی مخالفت کرتے ہیں) ان لوگوں کے ساتھ جو (نقض عہد کرکے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (از خود عہد معاہدہ) سے مت نکلو، (کہ عہد شکنی کرکے لڑنے لگو،) واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور (جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں تو اس وقت دل کھول کر خواہ) ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور (خواہ) ان کو (مکہ سے) نکال باہر کرو جہاں سے انھوں نے تم کو (تنگ کرکے اور ایذائیں پہنچا کر) نکلنے (اور ہجرت کرنے) پر مجبور کیا ہے، اور (تمہارے اس قتل واخراج کے بعد بھی عقلاً الزام انہیں پر رہے گا، کیونکہ عہد شکنی جو ان سے واقع ہوگی، بڑی شرارت کی بات ہے اور ایسی) شرارت (ضرر میں) قتل (واخراج) سے بھی سخت تر ہے (کیونکہ اس قتل واخراج کی نوبت اس شرارت ہی کی بدولت پہنچتی ہے) اور (علاوہ معاہدہ کے ان کے ساتھ ابتداء قتال کرنے سے ایک اور امر بھی مانع ہے وہ یہ کہ حرم شریف یعنی مکہ اور اس کا گرداگرد ایک واجب الاحترام جگہ ہے، اور اس میں قتال کرنا اس کے احترام کے

www.toobaaelibrary.com

خلاف ہے، اس لیے بھی حکم دیا جاتا ہے کہ) ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب (و نواح) میں (جو حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں، ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو (اس وقت پھر تم کو بھی اجازت ہے کہ) تم (بھی) ان کو مارو (دھاڑو) ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے۔ پھر اگر (بعد شروع قتال کے بھی) وہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ اپنے کفر سے) باز آجاویں (اور اسلام قبول کرلیں) تو (ان کا اسلام بے قدر نہ سمجھا جاوے گا بلکہ) اللہ تعالیٰ (ان کے گزشتہ کفر کو) بخش دے گا اور (مغفرت کے علاوہ بے شمار نعمتیں دے کر ان پر) مہربانی (بھی) فرمادینگے، اور (اگر وہ لوگ اسلام نہ لاویں تو اگرچہ دوسرے کفار کے لیے اسلامی قانون یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب پر رہتے ہوئے بھی اگر اسلامی حکومت کی اطاعت اور جزیہ دینے کا اقرار کرلیں تو ان کا قتل جائز نہیں رہتا، بلکہ ان کے حقوق کی حفاظت اسلامی حکومت پر لازم ہو جاتی ہے، مگر یہ خاص کفار چونکہ اہل عرب ہیں، ان کے لیے قانون جزیہ نہیں، بلکہ ان کے لیے صرف دو راستے ہیں اسلام یا قتل اس واسطے) ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ (ان میں) فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور (ان کا) دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے (اور کسی کا دین و مذہب کا خالصاً اللہ کے لیے ہو جانا موقوف ہے، قبول اسلام پر، تو حاصل یہ ہوا کہ شرک چھوڑ کر اسلام اختیار کرلیں) اور اگر وہ لوگ (کفر سے) باز آجاویں (جس کا ذکر ابھی ابھی ہوا ہے) تو (آخرت میں مغفرت و رحمت کے مستحق ہونے کے ساتھ دنیا میں ان کے لیے تم کو یہ قانون بتلایا جاتا ہے کہ سزا کی) سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی، بجز بے انصافی کرنے والوں کے (جو براہ بے انصافی خدائی احسانات کو بھول کر کفر و شرک کرنے لگیں اور جب یہ لوگ اسلام لے آئے تو بے انصاف نہ رہے) لہٰذا ان پر سزائے قتل کی سختی نہ رہی، اور مسلمانو! تم کو جو یہ خیال ہے کہ کفار مکہ اگر اپنے عہد پر قائم نہ رہے تو شہر حرام یعنی ذی قعدہ میں اُن سے لڑنا پڑے گا، سو اس سے بھی بے فکر رہو، کیونکہ) حرمت والا مہینہ (تم کو قتال کفار سے مانع ہوسکتا) ہے بعوض (اس کے کہ اس) حرمت والے مہینہ کے (سبب وہ بھی تم سے قتال نہ کریں) اور (وجہ یہ ہے کہ) یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں، سو جو تمہاری ساتھ ان حرمتوں کی رعایت کرے تو تم بھی رعایت رکھو اور) جو تم پر (ایسی حرمتوں کی رعایت نہ کرکے) زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو، جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور (ان سب احکام مذکورہ کے بنانے میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ کسی امر میں حد قانونی سے تجاوز نہ ہونے پاوے) اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ (اپنی عنایت و رحمت سے) ان سے ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

www.toobaaelibrary.com

حکم دہم انفاق فی الجہاد

اور تم لوگ (جان کے ساتھ مال بھی) خرچ کیا کرو اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو (کہ ایسے مواقع میں جان و مال خرچ کرنے سے جبن یا بخل کرنے لگو، جس کا نتیجہ تمہارا ضعیف اور مخالف کا قوی ہو جاتا ہے، جو کہ عین تباہی ہے) اور (جو) کام (کرو) اچھی طرح کیا کرو (مثلاً اس موقع پر خرچ کرنا ہے دل کھول کر خوشی سے اچھی نیت کے ساتھ خرچ کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔

گیارھواں حکم متعلق حج وعمرہ

اور (جب حج یا عمرہ کرنا ہو تو اس) حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے (راضی کرنے کے) واسطے پورا پورا ادا کیا کرو (کہ اعمال و آداب بھی سب بجالاؤ اور نیت بھی خالص ثواب ہی کی ہو) پھر اگر (کسی دشمن کی جانب سے یا کسی مرض کے سبب سے حج وعمرہ کے پورا کرنے سے) روک دیئے جاؤ تو (اس حالت میں یہ حکم ہے کہ) قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرے اور حج وعمرہ کی جو وضع، اختیار کر رکھی تھی موقوف کرے اس کو احرام کھولنا کہتے ہیں جس کا طریقہ شرع میں سر منڈانا ہے، اور بال کتا دینے کا بھی یہی اثر ہے) اور (یہ نہیں کہ فوراً روک ٹوک کے ساتھ ہی تم کو احرام کھولنا درست ہو جاوے، بلکہ) اپنے سروں کو (احرام کھولنے کی غرض سے) اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ (وہ) قربانی (کا جانور جس کے ذبح کا اس حالت میں حکم تھا) اپنے موقع پر نہ پہنچ جاوے (اور وہ موقع حرم ہے کہ اس قربانی کا جانور حدود حرم ہی میں ذبح کیا جا سکتا ہے وہاں اگر خود نہ جا سکے، تو کسی کے ہاتھ بھیج کر ذبح کرایا جاوے جب جانور ذبح ہو جاوے اس وقت احرام کھولنا جائز ہوگا) البتہ اگر کوئی تم میں سے (کچھ) بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ (زخم یا درد یا جوؤں وغیرہ کی) تکلیف ہو (اور اس بیماری یا تکلیف کی وجہ سے پہلے ہی سر منڈانے کی ضرورت پڑے) تو (اس کو اجازت ہے کہ وہ سر منڈا کر) فدیہ (یعنی اس کا شرعی بدلہ) دیدے (یعنی خواہ تین) روزے سے یا (چھ مسکینوں کو فی مسکین صدقۂ فطر کے برابر یعنی نصف صاع گیہوں) خیرات (کے طور پر) دیدینے سے یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے پھر جب تم امن کی حالت میں ہو (خواہ تو پہلے ہی سے کوئی خوف و مزاحمت پیش نہیں آیا، یا ہو کر جاتا رہا) تو (اس صورت میں حج وعمرہ کے متعلق قربانی کرنا ہر ایک کے ذمہ نہیں ہے بلکہ خاص) جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر متمتع ہوا ہو (یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو (فقط اس پر واجب ہے کہ) جو کچھ قربانی

www.toobaaelibrary.com

میسر ہو (ذبح کرے اور جس نے صرف عمرہ کیا ہو یا صرف حج کیا ہو اس پر حج یا عمرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر (ایام حج میں حج وعمرہ کو جمع کرنے والوں میں سے) جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو (مثلاً غریب ہے) تو (اس کے ذمہ بجائے قربانی کے) تین دن کے روزے ہیں (ایام) حج میں (کہ آخران ایام کا نویں تاریخ ذی الحجہ ہے) اور سات (دن کے روزے) ہیں، جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آجاوے (یعنی حج کر چکو خواہ لوٹنا ہو یا کہ وہیں رہنا ہو) یہ پورے دس (دن کے روزے) ہوئے (اور یہ بھی یاد رکھو کہ ابھی جو حج وعمرہ کے ملانے کا حکم ہوا ہے) یہ (ملانا ہر ایک کو درست نہیں، بلکہ خاص) اس شخص کے لیے (درست) ہے جس کے اہل (وعیال) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے قرب (نواح) میں نہ رہتے ہوں (یعنی حدود حرم مکہ میں ان کا وطن نہ ہو) اور (ان سب احکام کی بجاآوری میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ کسی امر میں خلاف نہ ہو جاوے) اور (خوب) جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بیباکی اور مخالفت کرنے والوں کو) سزائے سخت دیتے ہیں۔

تلخیص معارف ومسائل حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول کریم علیہ السلام کی ایک خاص شان ہے، عظمت وہیبت کے باعث اپنے رسولؐ سے صرف چودہ سوالات کئے ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں، ایک اوپر وَاِذَا سَئَالَكَ میں گذرا، دوسرا اس آیت میں یہ ہے کہ اور پھر بقرہ ہی میں چھ اور ہیں باقی چھ مختلف سورتوں میں ہیں چاند کے تدریجاً بڑھنے اور گھٹنے کی حقیقت سے متعلق سوال تھا یا اس میں حکمت ومصلحت کیا تھی اس کا سوال تھا، بہرحال احتمال دونوں کا ہے، مگر جواب میں حکمت ومصلحت کا بیان ہے، اور صحابہ کی شان کے اعتبار سے سوال بھی اسی کے متعلق معلوم ہوتا ہے اور جواب میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اجرام سماویہ کے حقائق کی دریافت انسان کے بس میں بھی نہیں نہ اس کے علم پر دینی ودنیوی کام موقوف ہیں، اس لیے حقیقت کا سوال فضول ہے لہٰذا جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ چاند سے تمہاری مصالح وابستہ ہیں کہ اس کے ذریعہ تمہیں اپنے معاملات اور معاہدوں کی میعاد مقرر کرنا اور حج کے ایام معلوم کرنا آسان ہو جائیگا، سورۂ یونس آیت ۵ میں بھی یہی ارشاد ہے، مگر سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۲ میں حساب کا تعلق آفتاب سے بھی بتلایا گیا ہے (روح)

قمری اور شمسی حساب کی شرعی حیثیت مگر قرآن کے استعمال کردہ الفاظ سے واضح اشارہ بھی نکلتا ہے کہ شریعت اسلام میں

www.toobaaelibrary.com

حساب چاند ہی متعین ہے (اگرچہ یہ حساب آفتاب سے بھی معلوم ہو سکتا ہے) خصوصاً خاص جہتوں سے متعلق عبادات مثلاً روزۂ رمضان، حج کے مہینے، ایام حج، شب برات وغیرہ کے احکام رویت ہلال سے متعلق کیے گئے ہیں، شریعت اسلام نے چاند کے حساب کو اس لیے اختیار فرمایا کہ اس کو ہر آنکھوں والا افق پر دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے، بخلاف شمسی حساب کے یہ آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے، عبادات کے معاملہ میں قمری حساب کو بطور فرض متعین کر دیا اور عام معاملات تجارت وغیرہ میں بھی اسی کو پسند کیا، اور ایک طرح یہ اسلامی شعار ہے، مگر شمسی حساب کو ناجائز بھی قرار نہیں دیا، شرط یہ ہے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل ہی نہ بھلا دیں کیونکہ ایسا کرنے میں عبادات میں خلل لازم آتا ہے، آج کل ایسا رواج ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے بھی پورے یاد نہیں رہے، یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرت قومی وملی کا بھی دیوالیہ پن ہے، اگر شمسی کے ساتھ قمری اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائی کا ثواب بھی ہوگا اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔

رسم جاہلی کی اصلاح

اسلام سے پہلے بعض لوگ حج کا احرام باندھنے کے بعد ضرورتاً گھر جانا دروازہ سے ممنوع جانتے تھے، پشت کی دیواریں نقب لگا کر اس میں سے اندر جاتے تھے، اور اس عمل کو فضیلت سمجھتے تھے اسی پر تنبیہ کی گئی لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُھُوْرِھَا. بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غیر ضروری چیزوں کو فرض وواجب کی طرح ضروری سمجھ لیا جاتا ہے یا بعض جائز چیزوں کو حرام وناجائز قرار دیا جاتا ہے اس آیت سے اس کی ممانعت ثابت ہو گئی اور ہزاروں اعمال کا حکم معلوم ہو گیا۔

جہاد وقتال کا حکم

آیت :۱۹۰: یہ متفق علیہ ہے کہ ہجرت مدینہ سے پہلے کفار کی ایذاؤں پر مسلمانوں کو صبر وعفو ہی کی تلقین تھی، ہجرت کے بعد سب سے پہلے اس آیت قتال کفار کا حکم آیا۔ (ربیع ابن انسؓ وا کثر صحابہ وتابعین)

قتال کا حکم انہیں سے ہے جو قتال کے لیے مقابلے پر آویں، پیغمبر علیہ السلام کی ہدایات جو مجاہدین اسلام کو بوقت جہاد دی جاتی تھیں ان میں اس حکم کی واضح تشریحات مذکور ہیں، ارشاد رسالت ہے نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْیَان، یعنی رسول اللہؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے (صحیحین عن ابن عمرؓ) ابوداؤد میں بروایت انسؓ منقول ہے، تم اللہ کے نام پر اور رسول اللہؐ کی ملت پر جہاد کے لیے جاؤ کسی بوڑھے ضعیف کو اور چھوٹے بچے یا کسی

www.toobaaelibrary.com

عورت کو قتل نہ کرو (مظہری) حضرت صدیق اکبرؓ نے جب یزید بن ابی سفیان کو ملک شام بھیجا تو ان کو بھی یہی ہدایت دی، اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبادت گذار اور راہبوں کو اور کافروں کی مزدوری کرنے والوں کو بھی قتل نہ کریں جب کہ وہ قتال میں حصہ نہ لیں، (قرطبی) آیت کے آخر میں وَلَا تَعْتَدُوْا کا بھی جمہور مفسرین کے نزدیک یہی مطلب ہے۔

آیت: ۱۹۱: یہ آیت واقعہ حدیبیہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی ہے جب صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ کرام کے ساتھ اس عمرہ کی قضا کے لیے سفر کا ارادہ کیا (ذی قعدہ ۷ھ) جس سے ایک سال پہلے کفار مکہ نے روک دیا تھا، صحابہ کو اندیشہ تھا کہ کفار کی صلح و معاہدہ کا کچھ بھروسہ نہیں کہیں آمادہ قتال نہ ہو جائیں ایسی حالت میں نہ سکوت مصلحت ہے، نہ قتال کیونکہ یہ (ماہ ذی قعدہ) اشہر حرام میں سے ہے (جن میں قتال ممنوع ہے (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب) مسلمان اس تردد سے پریشان تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم تو ابتدار نہ کرو لیکن اگر وہ عہد شکنی کریں تو تم بغیر کسی اندیشہ کے بے تکلف لڑو، اور جہاں پاؤ قتل کرو، اور ممکن ہو تو مکہ سے باہر نکال کرو،

پوری مکی زندگی میں عفو و صبر کی تلقین سے یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ کسی کافر کو قتل کرنا برا اور ممنوع ہے اس خیال کا ازالہ فرمایا وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ، یعنی عہد شکنی (اور کفر و شرک پر جمے رہنا خود ایک بڑی شرارت ہے جو قتل سے بھی سخت تر ہے، حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ میں جو عموم ہے اس عموم کی ایک تخصیص اگلے جملے میں اس طرح کردی گئی وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ یعنی حرم مکہ میں اس وقت تک قتال نہ کرو جب تک وہ قتال کی ابتدار نہ کریں، اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ حرم محترم میں دفاعی قتال جائز ہے، (دوسرے مقامات پر جیسے دفاعی جہاد ضروری ہے ویسے ہی ابتدائی جہاد و قتال بھی درست ہے۔

ابتدار اسلام میں ۷ھ تک اشہر حرم میں جنگ بندی کا قانون نافذ تھا، مگر اس کے بعد یہ حرمت منسوخ کردی گئی اور باجماع امت عام قتال کی اجازت دیدی گئی مگر افضل اب بھی یہی ہے کہ ان چار مہینوں میں ابتدار بالقتال نہ کی جائے۔

آیت: ۱۹۴: جہاد کے لیے بقدر ضرورت اپنے اموال بھی خرچ کرنا لازم ہے، اس سے یہ مسئلہ بھی نکلا کہ زکوٰۃ فرض کے علاوہ بھی (خواہ دائمی نہ سہی) دوسرے حقوق فرض ہیں، اَلتَّهْلُكَةِ! ہلاکت سے اس جگہ مراد کے بارے میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں اور ان میں کوئی تضاد نہیں، حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے، ہم اس کی تفسیر بخوبی جانتے

www.toobaaelibrary.com

ہیں، بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطا فرما دیا تو ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہے اب ہم اپنے وطن میں ٹھہر کر اپنے مال و جائداد کی خبر گیری کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے یہ بتلا دیا کہ ہلاکت سے مراد اس جگہ ترک جہاد ہے، معلوم ہوا کہ ترک جہاد مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کا سبب ہے، چنانچہ حضرت ابوایوبؓ انصاری نے پوری عمر جہاد میں صرف کر دی حتیٰ کہ آخر میں قسطنطنیہ میں شہید ہو کر وہیں مدفون ہوئے، حضرت ابن عباسؓ حذیفہؓ قتادہؓ، مجاہد ضحاک وائمہ تفسیر سے بھی یہی منقول ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں، گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس ہو جانا، (براء ابن عازب) یا انفاق فی سبیل اللہ میں حد سے تجاوز کرنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہو جائیں، یا ایسی صورت میں اقدام قتال کرنا کہ اندازہ سے ظاہر ہو کہ دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، یہ سب اقوال ہیں جو مراد ہیں ہلاکت سے، جصاصؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب اس آیت سے مستفاد اور مراد ہو سکتے ہیں۔

وَاَحْسِنُوْا، احسان دو طرح کا ہے ایک عبادت میں دوسرے باہمی معاملات و معاشرت میں، عبادت میں احسان کی تفسیر حدیث جبرئیل میں مذکور ہے، معاملات میں احسان کی تفسیر یہ ہے کہ تم سب کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، اور جو اپنے لیے برا سمجھتے ہو وہ دوسرے کے لیے بھی برا سمجھو (مسند احمد عن معاذؓ) (مظہری)

آیت: ۱۹۶: ابواب البر میں گیارہواں حکم حج ہے، اس کا تعلق مکہ مکرمہ اور بیت اللہ سے ہے اس لیے قبلہ کے بیان میں ضمناً آیت: ۱۲۵، سے ۱۲۸: تک، پھر آیت: ۱۵۸، میں سعی بین الصفا والمروۃ میں بیان ہوا ہے اب آیت: ۱۹۶، سے: ۲۰۳، تک مسلسل حج و عمرہ کے احکام و مسائل کا بیان ہے۔

احکام حج و عمرہ

حج ایک اہم رکن اسلامی ہے اس کی تاکید و اہمیت قرآن واحادیث سے ثابت ہے، فرضیت حج ہجرت کے تیسرے سال (سال غزوۂ احد) آل عمران کی آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الخ سے ہوتی ہے (جمہور) یہاں آیت (۱۹۶) میں فرضیت حج نہیں بلکہ حج و عمرہ کے کچھ خاص احکام بتلانا مقصود ہے کیونکہ یہ آیت قصۂ حدیبیہ (۶ھ) میں نازل ہوئی۔

عمرہ کا حکم

ان دونوں آیتوں سے عمرہ کا حکم نہیں معلوم ہوتا صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ شروع کر دینے کے بعد پورا کرنا واجب ہے (جیسا کہ عام نفلی نماز و روزہ کا حکم ہے) پیغمبر علیہ السلام نے حضرت جابرؓ کے سوال پر فرمایا کہ عمرہ واجب تو نہیں لیکن کر لو تو بہتر وافضل ہے (ابن

www.toobaaelibrary.com

کثیر، ترمذی) امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اسی لیے سنت ہے حج وعمرہ نہ ادا کرسکیں کسی مجبوری (دشمن کا حائل ہونا یا کسی بیماری وغیرہ) کی وجہ (احرام باندھ لینے کے بعد) جیسا کہ ماسبق میں صلح حدیبیہ کے موقع پر گذرا، تو احرام کا فدیہ ایک قربانی ہے بکری، گائے، اونٹ وغیرہ جو آسان ہو وَلَا تَحْلِقُوْا مگر احرام کھولنا یعنی حلق راس یا بال کٹوانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک قربانی اپنے موقع (حدود حرم) پر پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے خود ذبح کریں یا کسی سے کرادیں مگر بعد میں قضا واجب ہے، سر منڈانا، احرام کھولنے کی علامت ہے لہٰذا احرام میں سر منڈانا ممنوع ہے مگر کسی بیماری اور مجبوری کی وجہ سے بقدر ضرورت بال منڈانا جائز ہے مگر بدلہ میں فدیہ ادا کرے، روزہ یا صدقہ یا قربانی کی شکل میں، قربانی کی جگہ تو حدود حرم متعین ہے، البتہ روزہ اور صدقہ کہیں بھی ادا کرسکتا ہے، مگر حضرت کعب بن عجرہؓ کے سلسلہ میں ارشاد ہے کہ تین روزے یا چھ مساکین کو آدھا صاع گندم (پونے دوسیر) بطور فدیہ دیدیں (بخاری) یا ان کی قیمت۔

حج وعمرہ جمع کرنے کے احکام

اسلام سے پہلے عرب کا خیال تھا کہ حج کے مہینے میں عمرہ کو جمع کردینا سخت گناہ ہے، اس خیال کی اس طرح اصلاح کردی گئی کہ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کہ جس شخص کا وطن حدود میقات کے اندر نہیں ہے اس کے لیے حج وعمرہ کو اشہر حج میں جمع کرنا جائز ہے البتہ اس حج وعمرہ کے اجتماع کے شکرانہ میں قربانی دے، اگر مالی حیثیت قربانی کے قابل نہیں ہے تو دس روزے اس پر واجب ہیں، تین ایام حج میں (نویں ذی الحجہ تک پورے کردے) باقی سات حج سے فارغ ہو کر جہاں اور جب چاہے رکھ لے، اگر کوئی تین روزے ایام میں نہ رکھ سکا تو اکابر صحابہؓ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قربانی ہی متعین ہے جب قدرت ہو کسی کے ذریعہ حرم میں قربانی کرادے (جصاص)

قران وتمتع

اشہر حج میں دونوں کو جمع کرنے کو قران وتمتع کہتے ہیں صورت یہ ہے کہ میقات ہی سے حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھے اس کو قران کہتے ہیں، اس کا احرام حج کے احرام کے ساتھ کھلتا ہے، دوسرے یہ کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے، مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کے افعال ادا کرکے احرام کھولدے پھر آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ جاتے ہوئے حج کا احرام حرم شریف کے اندر ہی باندھ لے اس کو تمتع کہتے ہیں لفظی اعتبار سے تمتع دونوں صورتوں کو حاوی ہے فَمَنْ تَمَتَّعَ اسی عام معنی میں ہے۔

احکام ومسائل معلوم کرکے ٹھیک ٹھیک بجا آوری کرنی چاہئے احکام میں خلاف ورزی سے ڈرنا

www.toobaaelibrary.com

چاہیے، آخر میں یہی فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ.

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا
تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۝ ثُمَّ اَفِيْضُوْا
مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا
وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي
الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ۝ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۗ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ
تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى
فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ
الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ
رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ
اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

(زمانۂ افعال) حج (کا) چند مہینے ہیں جو (مشہور و) معلوم ہیں (ایک شوال، دوسرا ذی قعدہ تیسرا دس تاریخیں ذی الحجہ کی) سو جو شخص ان (ایام) میں (اپنے ذمہ) حج مقرر کرلے (کہ حج کا احرام باندھ لے) تو (پھر اس شخص کو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے، اور نہ کسی قسم کا نزاع (وتکرار) زیبا ہے، (بلکہ اس کو چاہیے کہ ہر وقت نیک ہی کاموں میں لگا رہے) اور جو نیک کام کروگے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے (سو اس کا ثمرہ تم کو عنایت ہوگا) اور (جب حج کو جانے لگو تو) خرچ ضرور (ساتھ) لے لیا کرو، سب سے بڑی بات (اور خوبی) خرچ

www.toobaaelibrary.com

میں (گداگری سے) بچا رہنا ہے اور اے ذی عقل لوگو (ان احکام کی تعمیل میں) مجھ سے ڈرتے رہو (اور کسی حکم سے خلاف مت کرو) (اور اگر حج میں کچھ اسباب تجارت ہمراہ لیجانا مصلحت سمجھو تو) تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو (تمہاری قسمت میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے (لکھی) ہے، پھر جب تم لوگ عرفات (میں ٹھہر کر وہاں) سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس (یعنی مزدلفہ میں آکر شب کو وہاں قیام کرکے) خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور (یاد کرنے کے طریقہ میں اپنی رائے کو دخل مت دو، بلکہ) اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو (اللہ تعالیٰ نے) بتلا رکھا ہے، اور حقیقت میں قبل اس (بتلانے) کے کہ تم محض ہی ناواقف تھے، پھر (اس میں اور بھی بات یاد رکھو کہ جیسا کہ قریش نے دستور نکال رکھا تھا کہ تمام حجاج تو عرفات میں ہو کر پھر وہاں سے مزدلفہ کو آتے تھے اور یہ مزدلفہ ہی میں رہ جاتے ہیں، عرفات نہ جاتے تھے، یہ جائز نہیں، بلکہ) تم سب کو (خواہ قریش ہوں یا غیر قریش) ضروری ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ، جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں اور (احکام حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے) خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دینگے اور مہربانی فرما دیں گے۔ (جاہلیت میں بعض کی تو یہ عادت تھی کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں جمع ہو کر اپنے آباء و اجداد کے مفاخر و فضائل بیان کیا کرتے، حق تعالیٰ بجائے اس بیہودہ شغل کے اپنے ذکر کی تعلیم کے لیے فرماتے ہیں کہ) پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکا کرو تو حق تعالیٰ کا (شکر و عظمت کے ساتھ) ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا بڑھ کر ہونا چاہئے اور بعضوں کی عادت تھی کہ حج میں ذکر تو اللہ تعالیٰ ہی کا کرتے تھے لیکن چونکہ آخرت کے قائل نہ تھے، لہٰذا تمام تر ذکر ان کا صرف دنیا کے لیے دعاء مانگنا ہوتا تھا، حق تعالیٰ صرف دنیا طلبی کی مذمت بیان فرما کر بجائے اس کے خیر دارین طلب کرنے کی ترغیب دینے کے لیے فرماتے ہیں) سو بعضے آدمی (جو کہ کافر ہیں) ایسے ہیں جو (دعاء میں یوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو (جو کچھ دینا ہو) دنیا میں دیدیجئے (وبس، سو ان کو جو کچھ ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل رہے گا) اور ایسے شخص کو آخرت میں (بوجہ انکار آخرت کے) کوئی حصہ نہ ملے گا، اور بعضے آدمی (جو کہ مؤمن ہیں) ایسے ہیں جو (دعاء میں یوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے، اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے (سو یہ لوگ اوپر کے لوگوں کی طرح بے بہرہ نہیں بلکہ) ایسے لوگوں کو دونوں جہان میں) بڑا حصہ ملے گا، بدولت

www.toobaaelibrary.com

ان کے اس عمل (یعنی طلب خیر دارین) کے اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب لینے والے ہیں (کیونکہ قیامت میں حساب ہوگا، اور قیامت نزدیک آتی جاتی ہے، جب حساب جلدی ہونے والا ہے تو وہاں کی بہتری کو مت بھولو) اور (منیٰ میں خاص طریقہ سے بھی) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، کئی روز تک (وہ خاص طریقہ کنکریوں کا خاص تین پتھروں پر مارنا ہے، اور وہ کئی روز دسویں گیارہویں بارہویں تاریخیں ذی الحجہ کی ہیں، یا تیرہویں بھی کہ ان میں کنکریاں ماری جاتی ہے، پھر جو شخص (کنکریاں مارکر دسویں تاریخ کے بعد) دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص (ان) دو دن میں (واپسی مکہ میں) تاخیر کرے (یعنی بارہویں کو نہ آوے، بلکہ تیرہویں کو اوے) اس پر بھی کچھ گناہ نہیں (اور یہ سب باتیں) اس شخص کے واسطے (ہیں) جو (خدا سے) ڈرے (اور نہ ڈرنے والے کو گناہ ثواب ہی سے غرض نہیں) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔ (کوئی شخص تھا اَخنَسْ بن شُرَیقْ، بڑا فصیح و بلیغ، وہ حضورؐ کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کھا کر دعویٰ اسلام کیا کرتا اور مجلس سے اٹھ کر جاتا تو فساد و شرارت وایذا رسانی خلق میں لگ جاتا، اس منافق کے باب میں فرماتے ہیں) اور بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ آپؐ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے، (کہ اظہار اسلام سے مسلمانوں کی طرح قرب و خصوصیت کے ساتھ رہوں گا، اس کی فصاحت وبلاغت کی وجہ سے) مزہ دار معلوم ہوتی ہے، اور وہ (اپنا اعتبار بڑھانے کو) اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اپنے دل کی سچائی پر، حالانکہ (بالکل جھوٹا ہے، کیونکہ واقع میں) وہ (آپؐ کی) مخالفت میں (نہایت) شدید ہے، اور (جس طرح آپؐ کا مخالف ہے اسی طرح اور مسلمانوں کو بھی ایذا پہنچاتا ہے، چنانچہ) جب (آپؐ کی مجلس سے) پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں (کوئی) فساد کردے اور (کسی کی) کھیتی اور مویشی کو تلف کر دے، (چنانچہ ایک مسلمان کا اس طرح نقصان کردیا) اور اللہ تعالیٰ فساد (کی باتوں) کو پسند نہیں فرماتے، اور (اس مخالفت وایذا کے ساتھ مغرور اس درجہ ہے کہ) جب اس سے کوئی کہتا ہے خدا سے ڈر تو (اور زیادہ) آمادہ کردیتا ہے اس کو غرور گناہ پر، سو ایسے شخص کی کافی سزا ہے جہنم، اور وہ بُرا ٹھکانا ہے، اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے بدلہ میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔ اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو (یہ نہیں کہ کچھ یہودیت کی بھی رعایت کرو) اور (ایسے خیالات میں پڑکر) شیطان کے قدم بقدم

www.toobaaelibrary.com

مت چلو، واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (کہ ایسی پٹی پڑھا دیتا ہے کہ ظاہر میں تو سراسر دین معلوم ہو اور فی الحقیقت بالکل دین کے خلاف) پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں (احکام و شرائع اسلام کی) پہنچ چکی ہیں، (پھر بھی صراط مستقیم سے) لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ (بڑے) زبردست ہیں (سخت سزا دینگے اور کچھ دنوں تک سزا نہ دیں تو اس سے دھوکہ مت کھانا کیونکہ وہ) حکمت والے (بھی) ہیں (کسی حکمت و مصلحت سے کبھی سزا میں دیر بھی کر دیتے ہیں معلوم ہوتا ہے) یہ لوگ (جو کہ بعد وضوح دلائل حق کے کج راہی اختیار کرتے ہیں) صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس (سزا دینے کے لیے) آویں اور سارا قصہ ہی ختم ہو جاوے (یعنی کیا اس وقت امر حق قبول کریں گے جس وقت کا قبول کرنا مقبول بھی نہ ہوگا) اور یہ سارے (جزا و سزا کے) مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جاویں گے (کوئی دوسرا صاحب اختیار نہ ہوگا، سو ایسے زبردست کے ساتھ مخالفت کرنے کا انجام بجز خرابی کے کیا ہو سکتا ہے)

تلخیص معارف و مسائل

آیت:۱۹۷: عمرہ تو جب چاہیں کر سکتے ہیں مگر حج اور اس کے اعمال کے لیے مہینے اور خاص تاریخیں اور اوقات اوقات مقرر ہیں شوال، ذی قعدہ اور دس روز ذی الحجہ کے یہ اشہر حج ہیں، اَشْهُرٌ شَهْرٌ کی جمع ہے بمعنی مہینہ دور جاہلیت سے اسلام تک یہی مہینے مقرر رہے ہیں، شوال سے ابتداء کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے احرام حج باندھنا جائز ہیں اور بعض ائمہ کے نزدیک تو حج ادا ہی نہیں ہو سکتا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے (مظہری)

فَمَنْ فَرَضَ الخ میں مُحرِم کے لیے کچھ متعلق آداب و احکام کا بیان ہے۔ رَفَث ایک جامع لفظ ہے جس میں عورت سے مباشرت اور اس کے مقدمات حتیٰ کہ اس سے کھلی گفتگو بھی داخل ہے، بحالت احرام یہ سب حرام ہیں۔ وَلَا فُسُوْقَ یعنی محظورات احرام، جو چیزیں حالت احرام میں ممنوع ہیں، ایسی چیزیں چھ ہیں (۱) عورت سے مباشرت اور اس کے متعلقات (۲) بری جانوروں کا شکار کرنا یا شکاری کو بتلانا (۳) بال یا ناخن کٹوانا، (۴) خوشبو کا استعمال یہ چاروں چیزیں تو مرد و عورت دونوں میں مشترک ہیں (۵) سلے ہوئے کپڑے پہننا۔ (۶) سر اور چہرے کو ڈھانپنا۔ امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک چہرہ کو ڈھانپنا عورت کے لیے بھی ناجائز ہے۔ مباشرت تو اگرچہ فسوق میں داخل ہے مگر اس کی شدت اہمیت کی وجہ سے مستقل لفظ رفث سے بیان کیا کہ اس سے اجتناب سب سے زیادہ اہم

www.toobaaelibrary.com

ہے، کیونکہ دیگر محظورات کا تو کفارہ بھی ہے مگر مباشرت کی صورتوں میں تو سرے سے حج ہی فاسد ہو جاتا ہے (مثلاً وقوف عرفہ سے پہلے صحبت کر لینا) کہ اس سے جرمانہ بھی دینا اور اگلے سال پھر حج بھی کرنا ہوگا جِدَال سخت قسم کا جھگڑا۔ ایام جاہلیت میں عرب مقام وقوف اور اوقات حج میں اختلاف رکھتے تھے اور پھر ان معاملات میں باہمی نزاعات اور جھگڑے ہوتے تھے قرآن نے لَا جِدَالَ فرما کر ان جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا، اور وقوف اور اوقات حج کا اعلان فرما کر ہر طرح کے نزاع کو ممنوع کر دیا۔

فسوق وجدال تو ہر جگہ مذموم و گناہ ہے مگر بحالت احرام مقدس سرزمین واوقات میں تو یہ اور شدید ہو جاتا ہے، یہ اوقات صرف عبادت کے لیے ہوتے ہیں اور احرام اسی کی یاد دلاتا ہے۔

زمانہ اور مقام حج کے حالات میں انسان کو ان تین چیزوں میں ابتلا کے مواقع بہت پیش آتے ہیں، کہ متعدد مقامات واجتماعات میں مرد وزن کا اختلاط ناگزیر ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں نفس پر قابو پانا آسان نہیں اس لیے اولاً رَفَث کی حرمت کا بیان ہے، اسی طرح اس عظیم الشان اجتماع میں چوری وغیرہ کے مواقع بھی بہت پیش کرتے ہیں اس لیے لَا فُسُوْقَ کی ہدایت ہے، اور رفقاء سفر اور دوسرے لوگوں سے جگہ کی تنگی وغیرہ کی بناء پر جھگڑا ہو جائے اس لیے وَلَا جِدَالَ کا حکم ہے۔

بلاغت قرآن اور قرآن کی بلاغت ہے کہ بجائے نہی کے نفی کے الفاظ لائے اشارہ یہ ہے کہ حج میں ان افعال کی قطعاً گنجائش اور تصور ہی نہیں، اور محظورات سے بچتے ہوئے ذکر اللہ میں لگے رہو تم جو بھی خیر کرو گے وہ اللہ کے علم میں ہے اس پر بڑے انعامات ملیں گے۔

وَتَزَوَّدُوْا ضروریات سفر ساتھ لینا چاہئے، یہی اصلی توکل ہے ورنہ گداگری کرنی ہوگی، خود بھی پریشان ہوں گے، دوسروں کو بھی پریشان کریں گے۔

آیت :۱۹۸: زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نے حج کو تجارت کی نمائش گاہ بنا لیا تھا نیز عجیب وغریب رسمیں شامل کر دی تھیں، اسلام نے ان تمام بیہودہ رسوم کو ختم کر دیا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو رضاء الٰہی اور تعلیمات نبویؐ پر مرمٹنے والے تھے انہیں یہ خیال ہوا کہ ایام حج میں تجارت اور مزدوری کر لینا بھی جاہلیت کی پیداوار ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس میں کچھ گناہ نہیں، مگر اگر اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اخلاص کامل میں فرق آتا ہے۔ اسی لیے بعض علماء نے خاص ان پانچ ایام حج میں تجارت ومزدوری کو منع بھی فرمایا ہے۔

نیز وقوف عرفات اور پھر عرفات سے واپسی میں رات میں مزدلفہ میں قیام اور مغرب وعشاء

www.toobaaelibrary.com

دونوں بیک وقت پڑھنا، اس کا خاص ذکر ہے جو واجب ہے، اور وقوف عرفہ حج کا ایسا اہم ترین فرض ہے اس کے فوت ہونے کا کوئی کفارہ اور فدیہ بھی نہیں۔

عرفات: یعنی یہاں معرفت الٰہی اور تعارف بین المسلمین کا موقع ملتا ہے، مشعر الحرام یعنی یہ پہاڑ شعار اسلام کے اظہار کا مقدس مقام ہے، اس کے آس پس کے میدان کو مزدلفہ کہتے ہیں، وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ آدمی عبادت میں خود مختار نہیں ہے بلکہ خاص آداب کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے۔

آیت: ۱۹۹: قریش عرب جو بیت اللہ کے محافظ و مجاور تھے، فخر و غرور کی وجہ سے خود کو ممتاز رکھنے کے لیے عرفات جانے کے بجائے مزدلفہ (حدود حرم) میں ہی ٹھہر جاتے تھے، حیلہ یہ کرتے کہ ہم مجاور حرم ہیں ہمارا حدود حرم سے باہر جانا مناسب نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ غلط کاری واضح فرما دی اور حکم دیا کہ تم بھی وہیں جاؤ (عرفات میں) جہاں سب لوگ جاتے ہیں پھر وہاں سے سب کے ساتھ واپس آؤ، یہاں انسانی مساوات کا زریں سبق دینا ہے اور اس کی بہترین عملی صورت یہ ہے۔ فرمایا کہ اس سے استغفار کریں۔

آیت: ۲۰۰-۲۰۲: عرب منیٰ میں قیام کرتے تو فضول مجلس اور مشاعرے کرتے، آباو اجداد کے مفاخر اور کارنامے بیان کرتے، اور ان مبارک ایام کو فضولیات میں ضائع کرتے، اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی، حکم دیا کہ ان آباء و اجداد کے مفاخر سے زیادہ اللہ کا ذکر کرو، ان برکات و فضائل کے ایام اور گھڑیوں کو غنیمت جاننا چاہیے، نیز اتنی مشقتوں، روپیوں اور اوقات کو خرچ کر کے تم یہاں آئے اور فرائض حج پورے ہوئے۔ محض یہ اللہ کا فضل ہے جس کا شکر گذار ہونا چاہیے، مقصد حج میں کامیابی کے بعد تو ہر قسم کی فضولیات سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کش ہو جانا چاہیے، بلکہ اپنے باپ کا اتنا محتاج نہیں جتنا ہر حالت میں انسان اللہ کا محتاج ہے، نیز فخر و عزت بھی صرف اللہ کے لیے ہے، اس لیے ذکر اللہ ہی میں لگے رہنا چاہیے۔

اور اس غلطی پر بھی تنبیہ کی گئی کہ موسم حج اور مقامات مقدسہ میں بھی دعا میں اپنی اغراض دنیویہ ہی کو ترجیح دیتے ہیں (جس میں حَسَنَةً کی قید بھی نہیں) یہ بڑی محرومی اور کم نصیبی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا ذکر فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا الخ اس دعا، میں لفظ حسنہ تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں اور بھلائیوں کو شامل ہے، دنیا کی حسنہ میں بدن کی صحت، اہل و عیال کی صحت، رزق حلال میں وسعت و برکت، تمام ضروریات دنیویہ کا پورا ہونا، اعمال صالحہ، اخلاق محمودہ، علم نافع، عزت و وجاہت، عقائد کی درستگی، صراط مستقیم کی ہدایت اور عبادات میں اخلاص کامل سب

www.toobaaelibrary.com

داخل ہیں، یہ نہایت جامع دعاء ہے، پیغمبر علیہ السلام بکثرت یہ دعا مانگا کرتے تھے، أُولٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ میں اسی دوسرے طبقے کی خوش انجامی کا ذکر ہے۔

آیت: ۲۰۳: اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ سے مراد ایام تشریق ہیں، آگے ایک مسئلہ کی وضاحت ہے کہ منیٰ میں قیام اور جمرات کی رمی کب تک ضروری ہے، تو فرمایا کہ بارہویں کو رمی کر کے واپس آجانے اور تیرھویں کو رمی کر کے آنے میں کوئی گناہ نہیں، دونوں فریق جو ایک دوسرے کو گنہگار کہتے ہیں، غلو اور غلطی میں مبتلا ہیں، ویسے افضل یہ ہے کہ تیسرے دن تک ٹھہریں۔ البتہ اگر دوسرے دن آفتاب منیٰ میں غروب ہو گیا تو اب تیسرے دن کی رمی سے پہلے واپسی جائز نہیں یہ رعایت ضرور ہے کہ اس تیسرے دن کی رمی زوال آفتاب سے پہلے صبح کے بعد بھی ہو سکتی ہے، اور ان سارے احکام کی پابندی اور حقیقی حج اسی کا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ" آخر میں فرمایا اِتَّقُوا الخ، یہ جملہ حقیقتاً سب کی روح ہے مطلب یہ ہے کہ ایام حج کے بعد بھی ڈرتے رہو، اپنے حج پر مغرور نہ ہو اگلی زندگی میں مکمل احتیاط رکھو، ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حج سے واپسی کے بعد اتفاقاً ایک گناہ کا وسوسہ پیدا ہوا، مجھے غیب سے (۲ بار) یہ آواز آئی کہ کیا تو نے حج نہیں کیا؟ یہ آواز میرے اور اس گناہ کے درمیان ایک دیوار بن گئی، اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ فرما دیا، ایک ترکی بزرگ جو مولانا جامیؒ کے مرید تھے، ان کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ اپنے سر پر ایک نور کا مشاہدہ کرتے تھے، وہ حج کو گئے اور فارغ ہو کر آئے تو بجائے اضافہ کے یہ کیفیت بالکل سلب ہو گئی، اپنے پیر سے ذکر کیا، جواب میں فرمایا کہ حج سے پہلے تمہارے اندر تواضع اور انکسار تھا، خود کو گنہگار سمجھ کر ہر وقت الحاح وزاری کرتے تھے، حج کے بعد تم اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگے، یہ حج ہی تمہارے لیے غرور کا سبب بن گیا، اسی وجہ سے یہ کیفیت زائل ہو گئی۔ اللهم وفقنا لما تحب وترضى من القول والفعل والنية۔

آیت: ۲۰۴ تا ۲۰۷: اوپر کی دعائیہ آیتوں میں دو قسم کے آدمیوں کا ذکر تھا، اگلی آیتوں میں بھی منافق اور مخلص کا ذکر ہے، اخنس ابن شریق جو بڑا فصیح و بلیغ تھا خدمت اقدس میں تو قسمیں کھا کھا کر دعویٔ اسلام کرتا، مگر اٹھ کر جاتا تو فساد و شرارت و ایذا رسانی خلق میں لگ جاتا آیت: ۲۰۴، میں اسی کے متعلق ارشاد ہے، آخری آیت میں مخلص کا ذکر ہے اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں اس کا نزول ہوا، جب یہ مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کرنے لگے تو راستہ میں کفار قریش کی ایک جماعت نے روک لیا یہ سب ان کی تیر اندازی اور تلوار بازی کے فن سے خوب واقف تھے، ان کے پاس

www.toobaaelibrary.com

تیر وتلوار موجود تھی، حضرت صہیبؓ نے دھمکی دی مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نفع کا سودا چاہو تو میں تمہیں بتاؤں اپنے مال کا پتہ وہ مال لے لو اور میرا ساتھ چھوڑ دو، جماعت قریش اس پر راضی ہوگئی، حضرت صہیبؓ بسلامت خدمت اقدس میں پہنچ کر واقعہ سنایا، پیغمبر ﷺ نے سن کر دو بار فرمایا ربح البیع ابا یحییٰ ربح البیع ابا یحییٰ تمہارا بیوپار نفع بخش رہا، تمہاری بیع نفع بخش رہی، آیت مذکورہ کے نزول نے اس کی تصدیق کردی، (مستدرک حاکم، ابن جریر، مسند ابن ابی حاتم وغیرہ)

آیت: ۲۰۸-تا-۲۱۰: حضرت عبد اللہ ابن سلامؓ جو علماء یہود میں سے تھے، اس مذہب میں یوم السبت معظم تھا اور اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا، اسلام میں اس دن کی بے تعظیمی واجب نہیں اور اونٹ کا گوشت کھانا فرض نہیں تو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے ہیں اور اونٹ کے گوشت کی حلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے، صرف عملاً ترک کردیں، تو شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہوجائے، اور شریعت محمدیہؐ کے بھی خلاف نہ ہوگا، اور اس کے اندر زیادہ اطاعت الٰہی اور دین کی زیادہ رعایت معلوم ہوتی ہے۔

آیت: ۲۰۸: میں اسی خیال کی اصلاح فرمائی گئی ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، تجارت وصنعت، حکومت اور سیاست غرض اس کا تعلق ہر شعبۂ زندگی سے ہے، جب تک اعتقاداً اور عملاً اس کے تمام احکام سچے دل سے قبول نہ کروگے مسلمان کہلانے کے مستحق نہ ہوگے (اس سلسلے میں رسالہ ”آداب معاشرت“ از: حضرت تھانویؒ کا ضرور مطالعہ کیا جائے)

اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا بادل کے سائبانوں میں آنا قیامت میں پیش آئے گا۔ یہ آنا متشابہات میں سے ہے، اس طرح کے مضامین کے حق اور صحیح ہونے کا اعتقاد کرنا چاہئے، اس کی صفات کی حقیقت کے درپے نہ ہونا چاہئے، یہ سب عقل انسانی سے بالاتر ہے۔

سَلْ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۭ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۭ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ

www.toobaaelibrary.com

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ
مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ
عَلِيمٌ ۝ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ
تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

آپؐ (علماء) بنی اسرائیل سے (ذرا) پوچھئے (تو سہی) ہم نے ان کو (یعنی ان کے بزرگوں کو) کتنی واضح دلیلیں دی تھیں (مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ اس سے ہدایت حاصل کرتے اور اُلٹی گمراہی پر کمر باندھی پھر دیکھو سزائیں بھی بھگتیں، مثلاً توراۃ ملی، چاہئے تو یہ تھا کہ اس کو قبول کرتے، مگر انکار کیا، آخر کوہ طور گرانے کی ان کو دھمکی دی گئی، اور مثلاً حق تعالیٰ کا کلام سنا، چاہئے تھا سر آنکھوں پر رکھتے مگر شبہات نکالے آخر بجلی سے ہلاک ہوئے اور مثلاً دریا میں شگاف کر کے فرعون سے نجات دی گئی، احسان مانتے مگر گوسالہ پرستی شروع کی، جن پر سزائے قتل دی گئی، اور مثلاً منّ وسلویٰ نازل ہوا شکر کرنا چاہئے تھا، نافرمانی کی وہ سڑنے لگا، اور اس سے نفرت ظاہر کی تو وہ موقوف ہوگیا، اور کھیتی کی مصیبت سر پر پڑی، اور مثلاً انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ان میں جاری رہا، غنیمت سمجھتے ان کو قتل کرنا شروع کردیا، جس پر یہ سزا دی گئی کہ ان سے حکومت وسلطنت چھین لی گئی، وعلیٰ ہذا بہت سے معاملات اسی سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی مذکور ہو چکے ہیں) اور (ہمارا قانون ہی یہ ہے کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ کی (ایسی بڑی) نعمت (دلائل واضحہ) کو بدلتا ہے، اس کے پاس پہنچنے کے بعد (یعنی بجائے اس کے کہ اس سے ہدایت حاصل کرے اور اُلٹا گمراہ بنتا ہے) تو یقیناً حق تعالیٰ (ایسے شخص کو) سخت سزا دیتے ہیں۔ (دوسری آیت میں مخالفت حق کی اصلی علت اکثر یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ دنیا کی محبت ہے، جس کے آثار میں سے اہل دین کو حقیر سمجھنا بھی ہے، کیونکہ جب دنیا کا غلبہ ہوتا ہے دین کی طلب نہیں رہتی، بلکہ دین کو اپنی دنیوی اغراض کے خلاف دیکھ کر ترک کر بیٹھتا ہے، اور دوسرے طالبانِ دین پر ہنستا ہے، چنانچہ بعض رؤسائے بنی اسرائیل اور جہلائے مشرکین غریب مسلمانوں کے ساتھ باستہزاء پیش آیا کرتے تھے، ان لوگوں کا بیان فرماتے ہیں کہ) دنیوی معاش کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور (اسی وجہ سے) ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں، حالانکہ یہ (مسلمان) جو کفر وشرک سے بچتے ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ (کی حالت) میں ہوں گے قیامت کے روز (کیونکہ کفار جہنم میں ہوں گے اور مسلمان جنت میں) اور (آدمی کو محض معاشی وسعت

پر مغرور نہ ہونا چاہئے، کیونکہ) روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے انداز (یعنی بکثرت) دیدیتے ہیں (پس اس کا مدار قسمت پر ہے نہ کہ کمال اور مقبولیت پر، سو یہ ضرور نہیں کہ جو روزی میں بڑا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی معزز ہو اور بڑی عزت وہی ہے جو اللہ کے نزدیک معتبر ہو، پھر محض اس کے اوپر اپنے کو معزز اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا بے وقوفی ہے۔ (ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق پر تھے (کیونکہ اول دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام مع اپنی بی بی کے تشریف لائے اور جو اولاد ہوتی گئی ان کو دین حق کی تعلیم فرماتے رہے اور وہ ان کی تعلیم پر عمل کرتے رہے، ایک مدت اسی حالت میں گذر گئی، پھر اختلاف طبائع سے اغراض میں اختلاف ہونا شروع ہوا، حتی کہ ایک عرصہ کے بعد اعمال و عقائد میں اختلاف کی نوبت آگئی) پھر (اس اختلاف کے رفع کرنے کو) اللہ تعالیٰ نے (مختلف) پیغمبروں کو بھیجا جو کہ (حق ماننے والوں کو) خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور (نہ ماننے والوں کو عذاب سے) ڈراتے تھے، اور ان (پیغمبروں کی مجموعی جماعت) کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں (اور ان پیغمبروں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل فرمانا) اس غرض سے (تھا) کہ اللہ تعالیٰ (ان رسل و کتب کے ذریعہ سے اختلاف کرنے والے) لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمادیں (کیونکہ رسل و کتب امر واقعی کا اظہار کردیتے ہیں اور امر واقعی کے متعین ہونے سے ظاہر ہے کہ غیر واقعی کا غلط ہوجانا معلوم ہوجاتا ہے، اور یہی فیصلہ ہے، اور ان پیغمبروں کے ساتھ کتاب اللہ آنے سے چاہئے تھا کہ اس کتاب کو قبول کرتے، اور اس پر مدار رکھ کر اپنے سب اختلافات مٹادیتے، مگر بعضوں نے خود اس کتاب ہی کو نہ مانا، اور خود اسی میں اختلاف کرنا شروع کردیا) اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف اور کسی نے نہیں کیا، مگر صرف ان لوگوں نے جن کو (اولاً) وہ کتاب ملی تھی (یعنی اہل علم واہل فہم نے کہ اول مخاطب وہی لوگ ہوتے ہیں، دوسرے عوام ان کے ساتھ لگ لیا کرتے ہیں، اور اختلاف بھی کیسے وقت کیا) بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضحہ پہنچ چکے تھے (یعنی ان کے ذہن نشین ہوچکے تھے، اور اختلاف کیا کس وجہ سے صرف) باہمی...ضد اضدی کی وجہ سے (اور اصلی وجہ ضد اضدی کی حبّ دنیا ہوتی ہے، حبّ مال ہو یا حبّ جاہ، پس مدار علت مخالفت حق کا وہی حبّ دنیا ٹھہری اور یہی مضمون تھا سابق میں) پھر (یہ اختلاف کفار کا کبھی اہل ایمان کو مضر نہیں ہوا، بلکہ) اللہ تعالیٰ نے (ہمیشہ) ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں (مختلفین) اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہ تعالیٰ (رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے کی بدولت) بتلادیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اسی کو

www.toobaaelibrary.com

راہ راست بتلا دیتے ہیں۔ (دوسری بات سنو) کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں (بے مشقت) جا داخل ہو گے، حالانکہ (ابھی کچھ مشقت تو اٹھائی ہی نہیں، کیونکہ) تم کو ہنوز ان (مسلمان) لوگوں کا سا عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں، ان پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور (مصائب سے) ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانہ کے) پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے (بے قرار ہو کر) بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد (موعود) کب ہوگی (جس پر ان کو جواب سے تسلی کی گئی کہ) یاد رکھو! بے شک اللہ تعالیٰ کی امداد (بہت) نزدیک (ہونے والی) ہے۔ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (ثواب کے واسطے) کیا چیز خرچ کیا کریں (اور کس موقع پر صرف کیا کریں) آپؐ فرما دیجئے کہ جو مال تم کو صرف کرنا ہو سو (اس کی تعیین تو تمہاری ہمت پر ہے، مگر ہاں موقع ہم بتلائے دیتے ہیں کہ) ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور جو نسا نیک کام کرو گے (خواہ راہ خدا میں خرچ کرنا ہو یا اور کچھ ہو) سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے (وہ اس پر ثواب دیں گے) جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو (طبعاً) گراں (معلوم ہوتا) ہے، اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی بات کو گراں سمجھو اور (واقع میں) وہ تمہارے حق میں (اور مصلحت) ہو اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور (واقع میں) وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی (کا) ہو اور (ہر شے کی حقیقت حال کو) اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے (اچھے بُرے کا فیصلہ اپنی خواہش کی بنیاد پر نہ کرو جو کچھ اللہ کا حکم ہو جائے، اسی کو اجمالاً مصلحت سمجھ کر اس پر کاربند رہا کرو)

تلخیص معارف و مسائل

آیت: ۲۱۱: اس میں آیت: ۲۰۹: کی دلیل بیان فرما رہے ہیں کہ جیسے بعض بنی اسرائیل کو ایسی ہی مخالفت پر سزا دی گئی: کتنے انعامات و احسانات کئے گئے، مگر ان کی طرف سے مخالفت ہی رہی اور سزاؤں سے دوچار ہوتے رہے، جن کا بیان اسی سورہ کے آغاز میں ہوا۔

آیت: ۲۱۲: مخالفت حق کی اصل علت دنیا کی محبت ہے جس کے آثار میں سے دینداروں کو حقیر سمجھنا اور ان کا مذاق اڑانا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو قیامت میں اولین و آخرین کے مجمع میں رسوا کریں گے، (عن علیؓ) قیامت میں اپنے سارے استہزا کی حقیقت ان کے سامنے آجائیگی۔

آیت: ۲۱۳: اس میں یہ بیان کیا کہ ایک زمانہ ایسا تھا جب کہ تمام افراد انسانی صرف ایک ہی

www.toobaaelibrary.com

عقیدہ یعنی توحید و ایمان اور ایک ہی مذہب و مسلک رکھتے تھے، جمہور مفسرین کے نزدیک یہی راجح ہے، سورۂ یونس میں بھی اسی مضمون کی آیت ہے دیکھئے آیت :۱۹، سورۂ انبیاء آیت :۹۲، سورۂ مومنون آیت :۵۲، ان آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ "وحدت" سے عقیدہ و مسلک کی وحدت اور دین حق توحید و ایمان میں اتحاد مراد ہے۔

اُمَّۃ لغۃً ہر ایسی جماعت کو کہا جاتا ہے جس میں کسی وجہ سے ربط و اتحاد قائم ہو (مفردات القرآن)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ اتحاد کس زمانہ کا ہے؟ کب تک قائم رہا؟ مفسرین صحابہ میں سے حضرت ابی بن کعبؓ، ابن زیدؓ نے فرمایا کہ یہ واقعہ عالم ازل کا ہے۔ اس وقت تمام افراد انسانی ایک ہی عقیدہ حقہ یعنی ایمان و اسلام پر قائم تھے (قرطبی) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام مع اپنی زوجہ محترمہ کے دنیا میں تشریف لائے اور آپ کی اولاد ... پھیلتی گئی، سب کے سب باستثناء قابیل تبع شریعت و فرماں بردار تھے، اور یہ سلسلہ حضرت ادریس علیہ السلام تک یعنی ایک ہزار سال قائم رہا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ وحدت عقیدہ کا زمانہ وہ ہے جب کہ نوح علیہ السلام کی بدعا سے دنیا میں طوفان آیا، اور ان کی کشتی کے سواروں کے علاوہ ساری دنیا غرق ہوگئی تھی ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں، یہ تینوں زمانے ایسے ہی تھے جن میں سارے انسان امت واحدہ بنے ہوئے دین حق پر قائم تھے۔

بعثت انبیاء کا ذکر تو ہوا مگر اس کی علت یعنی اختلاف کا ذکر نہیں ہے، مگر جواب واضح ہے، وہ یہ کہ قرآن حکیم کا اسلوب دیگر کتب تاریخ اور قصہ کہانی کی کتابوں جیسا نہیں ہے کہ سارے قصے اور ان کی ساری تفصیلات بیان کرے بلکہ وہ حصے جو سیاق سے از خود سمجھے جاسکیں درمیان سے حذف کر دیتا ہے، چنانچہ اختلافات کا وقوع تو ساری دنیا جانتی ہے جس امر کے اظہار کی ضرورت تھی اسے کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً سے بیان کر دیا البتہ یہ بتلا دیا گیا کہ ان اختلافات میں راہ حق کی ہدایت کا سامان اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا اس کے متعلق ارشاد ہوا "فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ" پھر یہ ارشاد فرمایا کہ ان دلائل واضحہ کے بعد دنیا دو گروہوں میں منقسم ہوگئی، منکرین و مؤمنین، اور عجیب بات یہ ہے کہ نہ ماننے والے وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہوئے، مزید تعجب یہ کہ یہ کتابیں بے اشتباہ و بے التباس کے تھیں یہ تو جان بوجھ کر محض ہٹ دھرمی سے انکار کیا۔

انبیاء اور کتابوں کے بھیجنے کا منشاء یہ تھا کہ جس طرح پہلے سارے انسان ایک ہی دین حق کے

www.toobaaelibrary.com

پیرو ہو کر ملت واحدہ تھے اسی طرح پھر اسی دین حق پر سب جمع ہو جائیں۔ یہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مذہب کی بناء پر قومیت کی تقسیم مسلم و غیر مسلم کا دو قومی نظریہ عین منشاء قرآنی کے مطابق ہے، آیت فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَّمِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ اس پر شاہد ہے، نیز یہ بھی واضح ہوگا کہ اسلام میں اس دو قومی نظریے کی اصل بنیاد در حقیقت صحیح متحدہ قومیت پیدا کرنے پر ہے جو ابتداء آفرینش میں قائم تھی جس کی بنیاد وطنیت پر نہ تھی بلکہ عقیدۂ حق اور دین حق کی پیروی پر تھی، كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً سے ظاہر ہوا کہ لوگوں نے بعد میں اختلافات پیدا کئے، اور انبیاء نے لوگوں کو اسی وحدت کی طرف بلایا جنھوں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اس متحدہ قومیت سے کٹ گئے اور جداگانہ قوم قرار دیے گئے۔

آیت ۲۱۴: اس آیت سے مسلمانوں کو تسلی دلاتے ہیں کہ تم کو بھی کفار کی ایذاؤں پر صبر کرنا چاہئے۔ اس آیت سے اس ارشاد رسالت پر شبہ نہ ہونا چاہئے جس میں فرمایا گیا ہے کہ بہت سے گنہگار محض فضل خداوندی سے جنت میں جائیں گے ان پر کوئی مشقت بھی نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ مشقت کے درجات مختلف ہیں ادنی درجہ نفس و شیطان سے مزاحمت یا مخالفین دین حق کے ساتھ مخالفت کر کے اپنے عقائد کی درستگی ہے، اور یہ ہر مؤمن کو حاصل ہے، اس طرح محنت و مشقت سے کوئی خالی نہ رہا، آگے اوسط اور اعلیٰ درجات ہیں اسی کے مطابق دخول جنت ہوتا۔

نیز مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ کا قول کسی شک کی وجہ سے نہ تھا، منشاء یہ تھا کہ وعدہ تو فرمایا ہے مگر اس کا وقت و مقام متعین نہیں فرمایا، اضطراراً اس کا مطلب یہ تھا کہ مدد جلد بھیجی جائے، اور ایسی دعاء خلاف توکل یا منصب نبوت کے منافی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی الحاح وزاری کو پسند فرماتے ہیں۔

آیت ۲۱۵: یہاں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کے متعلق کچھ جزئیات کی تفصیل بیان ہوتی ہے جو دیگر معاملات مثلاً نکاح و طلاق وغیرہ سے متعلق ہیں، اور اس لیے یہ بیان خاص نوعیت کا حامل ہے کہ اکثر ان میں سے صحابۂ کرام نے پیغمبر علیہ السلام سے سوال کیا اور براہ راست اللہ تعالیٰ نے بواسطۂ رسول جواب دیا، یا یوں سمجھئے کہ اس استفتار کی مفتی خود اللہ تعالیٰ ہی ہیں، ایک جگہ ارشاد ہے قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِيۡهِنَّ، اس طرح اس نسبت میں کوئی استبعاد نہیں۔

اس سوال میں انفاق کے دو جز ہیں، کیا خرچ کریں؟ اور کہاں خرچ کریں؟ جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوسرے ہی جز کی زیادہ اہمیت ہے اسی لیے اس کو صراحۃً بیان کیا گیا، پہلے جز کا جواب ضمناً دیدینا کافی سمجھا گیا، اور مال کی مقدار کی تعیین نہیں، اپنی ہمت و استطاعت کے موافق خرچ

www.toobaaelibrary.com

کرو، اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر پاؤ گے۔ آگے ایک آیت: ۲۱۹، میں ایک سوال ہے جس میں صرف یہ سوال ہے کہ کیا خرچ کریں اس کا جواب ارشاد ہوا قُلِ الْعَفْوَ۔ یعنی جو کچھ آسان ہو اپنی ضروریات سے زائد ہو وہ خرچ کریں۔

مسائل: ان دونوں آیتوں میں انفاق سے مراد صدقات نافلہ ہیں نہ کہ زکوٰۃ فرض۔ کیونکہ زکوٰۃ فرض کی مقدار مقرر ہے، اور ان آیتوں میں نہ نصاب مال کی قید ہے نہ مقدار کی تعیین۔ اور والدین زکوٰۃ کے مصرف ہیں بھی نہیں، دوسرا مسئلہ یہ نکلا کہ والدین پر خرچ بہ نیت اطاعت الٰہی ہو تو وہ بھی موجب اجر ہے اور انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے، تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ حقوق واجبہ اور اپنی ضروریات سے زائد جو مال ہو وہی خرچ کیا جائے، اہل وعیال کو تنگی میں ڈالنے اور کسی کی حق تلفی میں ثواب نہیں۔ دوسری بات یہ کہ یہ زائد مال کا خرچ کرنا حضرت ابوذر غفاریؓ اور بعض دوسرے حضرات نے حکم وجوبی قرار دیا ہے۔ مگر جمہور صحابہؓ وتابعین اور ائمۂ دین اس پر ہیں کہ یہ وجوبی نہیں اور صحابۂ کرام کے تعامل سے یہی ثابت ہے۔

آیت: ۲۱۶: اچھے برے کا فیصلہ اپنی خواہش کی بنیاد پر نہ کرو، جو کچھ اللہ کا حکم ہو جائے اسی کو لازماً مصلحت سمجھ کر اس پر کاربند رہا کرو، بعض دوسری آیات اور احادیث کے پیش نظر عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے خاص حالات میں فرضِ عین ہو جاتا ہے، فرضِ کفایہ کی صورت میں اولاد کو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز نہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ
حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ
فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَسْــَٔلُوْنَكَ
عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ
وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰي ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى
يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى

www.toobaaelibrary.com

يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا
اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

چودھواں حکم تحقیق قتال در شہر حرام

(حضورؐ کے چند صحابہ کا ایک سفر میں اتفاق سے کفار کے ساتھ مقابلہ ہوگیا، ایک کافر ان کے ہاتھ سے مارا گیا، اور جس روز یہ قصہ ہوا رجب کی پہلی تاریخ تھی، مگر صحابہ اس کو جمادی الاخریٰ کی تیس سمجھے تھے، اور رجب اشہر حُرم میں سے ہے، کفار نے اس واقعہ پر طعن کیا کہ مسلمانوں نے شہر حرام کی حرمت کا بھی خیال نہیں کیا، مسلمانوں کو اس کی فکر ہوئی اور حضورؐ سے پوچھا اور بعض روایات میں ہے کہ خود بعض کفار قریش نے بھی حاضر ہو کر اعتراضاً سوال کیا، اس کا جواب ارشاد ہوتا ہے)

لوگ آپؐ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر (یعنی عمداً) قتال کرنا جرم عظیم ہے (مگر مسلمانوں سے یہ فعل بالقصد صادر نہیں ہوا، بلکہ تاریخ کی تحقیق نہ ہونے کے سبب غلطی سے ایسا ہو گیا یہ تو تحقیقی جواب ہے) (اور (الزامی جواب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کا تو کسی طرح منہ ہی، نہیں مسلمانوں پر اعتراض کرنے کا، کیونکہ اگر چہ شہر حرام میں لڑنا جرم عظیم ہے، لیکن ان کفار کی جو حرکتیں ہیں یعنی) اللہ تعالیٰ کی راہ (دین) سے (لوگوں کو) روک ٹوک کرنا (یعنی مسلمان ہونے پر تکلیفیں پہنچانا کہ ڈر کے مارے لوگ مسلمان نہ ہوں) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے ساتھ کفر کرنا کہ وہاں بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے، اور بجائے خدا کی عبادت کے ان کی عبادت اور طواف کرتے تھے) اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے (یعنی رسول اللہؐ اور دوسرے مؤمنین) ان کو (تنگ اور پریشان کرکے) اس (مسجد حرام) سے خارج (ہونے پر مجبور) کر دینا (جس سے نوبت ہجرت یعنی ترک وطن کی پہنچی، سو یہ حرکتیں شہر حرام میں قتال کرنے سے بھی زیادہ) جرم عظیم ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک (کیونکہ یہ حرکتیں دین حق کے اندر فتنہ پردازی کرنا ہے) اور (ایسی) فتنہ پردازی کرنا (اس) قتل (خاص) سے (جو مسلمانوں سے صادر ہوا) بدرجہا (قباحت میں) بڑھ کر ہے (کیونکہ اس قتل سے دین حق کو تو کوئی مضرت نہیں پہنچی بہت سے بہت اگر کوئی جان کر کرے، خود ہی گنہگار ہوگا اور ان حرکتوں سے تو دین حق کو ضرر پہنچتا ہے کہ اس

www.toobaaelibrary.com

کی ترقی رُکتی ہے) اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ (وجدال کا سلسلہ جاری ہی) رکھیں گے، اس غرض سے کہ اگر (خدانہ کرے) قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین (اسلام) سے پھیر دیں (ان کے اس فعل سے دین کی مزاحمت ظاہر ہے)

انجام ارتداد

اور جو شخص تم میں سے اپنے دین (اسلام) سے پھر جاوے، پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جاوے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں، (اور) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

شہر حرام میں قتال کرنے کے بارے میں مسلمانوں کو جواب مذکور سن کر گناہ نہ ہونے کا تو اطمینان ہو گیا تھا، مگر اس خیال سے دل شکستہ تھے کہ ثواب تو ہوا ہی نہ ہوگا، آگے اس میں تسلی کی گئی۔

وعدہ ثواب براخلاص نیت

حقیقۃً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں، (اور تم لوگوں میں یہ صفات علیٰ سبیل منع الخلو موجود ہیں، چنانچہ ایمان اور ہجرت تو ظاہر ہے، رہا اس جہاد خاص میں شبہ ہو سکتا ہے، سو چونکہ تمہاری نیت تو جہاد ہی کی تھی، لہٰذا ہمارے نزدیک وہ بھی جہاد ہی میں شمار ہے، پھر ان صفات کے ہوتے ہوئے تم کیوں ناامید ہوتے ہو) اور اللہ تعالیٰ (اس غلطی کو) معاف کر دیں گے اور (ایمان و جہاد و ہجرت کی وجہ سے تم پر) رحمت کریں گے۔

پندرھواں حکم متعلقہ شراب وقمار

لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں (چیزوں کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی (پیدا ہو جاتی) ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں اور (وہ) گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں (اس لیے دونوں قابل ترک ہیں)

سولھواں حکم، مقدار انفاق

اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو (کہ اس کے خرچ کرنے سے خود پریشان ہو کر دنیوی تکلیف میں یا کسی کا حق ضائع کر کے اُخروی تکلیف میں نہ پڑ جائیں) اللہ تعالیٰ اس طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم (کو ان کا علم ہو جائے اور اس علم کی وجہ سے ہر عمل کرنے سے پہلے) دنیا و آخرت کے معاملات میں (ان احکام کو) سوچ لیا کرو (اور سوچ کر ہر معاملہ میں ان احکام کے موافق عمل کیا کرو)

www.toobaaelibrary.com

سترہواں حکم، مخالطتِ یتیم

(چونکہ ابتداء میں مثل ہندوستان کے عرب میں بھی یتیموں کا حق دینے میں پوری احتیاط نہ تھی، اس لیے یہ وعید سنائی گئی کہ یتیموں کا مال کھانا ایسا ہے جیسا دوزخ کے انگارے پیٹ میں بھرنا، تو سننے والے، ڈر کے مارے اتنی احتیاط کرنے لگے کہ ان کا کھانا بھی الگ پکواتے اور الگ رکھواتے، اور اتفاقاً اگر بچہ کم کھاتا تو کھانا بچتا اور سڑتا تھا، کیونکہ اس کا استعمال نہ ان لوگوں کے لیے جائز تھا، اور نہ یتیم کے مال کو صدقہ کر دینے کا اختیار تھا، اس طرح تکلیف بھی ہوتی اور یتیم کا نقصان بھی، اس لیے آنحضرتؐ سے عرض کیا گیا، اس کے متعلق آیت میں یہ ارشاد آیا) اور وہ لوگ آپ سے یتیم بچوں (کے خرچ علیحدہ یا شامل رکھنے) کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ (اصل مقصود ہمارا ان کے اموال کھانے کی ممانعت سے یہ ہے کہ ان کی مصلحت کو ضائع نہ کیا جائے، اور جب خرچ شامل رکھنے میں ان کی مصلحت ہے تو) ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا (علیحدہ خرچ رکھنے سے جو خلاف مصلحت ہے) زیادہ بہتر ہے اور تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو (کچھ ڈر کی بات نہیں کیونکہ) وہ (بچے) تمہارے (دینی) بھائی ہیں (اور بھائی بھائی شامل رہا ہی کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (الگ الگ) جانتے ہیں (اس لیے کھانے پینے میں اشتراک ایسا نہ ہونا چاہئے جس میں یتیم کی مصلحت ضائع ہو جائے اور بلا علم و بلا قصد کچھ کمی بیشی ہو بھی جائے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی نیک نیتی معلوم ہے اس لیے اس پر مواخذہ نہ ہوگا) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو (اس معاملہ میں سخت قانون مقرر کر کے) تم کو مصیبت میں ڈال دیتے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (مگر قانون سہل اس لیے مقرر فرمایا کہ وہ) حکمت والے (بھی) ہیں (ایسا حکم نہیں دیتے جو نہ ہو سکے)

اٹھارہواں حکم مناکحتِ کفار

اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جاویں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے (چاہے وہ آزاد بی بی ہی کیوں نہ ہو) گو وہ (کافر عورت بوجہ مال یا جمال کے) تم کو اچھی معلوم ہو (مگر پھر واقع میں مسلمان عورت ہی اس سے اچھی ہے) اور (اسی طرح اپنے اختیار کی) عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جاویں اور مسلمان مرد (چاہے) غلام (ہی کیوں نہ ہو ہزار درجہ) بہتر ہے کافر مرد سے (چاہے وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو) گو وہ (کافر مرد بوجہ مال یا جاہ کے) تم کو اچھا معلوم ہو (مگر پھر بھی واقع میں

www.toobaaelibrary.com

مسلمان ہی اس سے اچھا ہے، اور وجہ ان کافروں کے بُرا ہونے کی اور وہی اصل سبب ان سے ممانعت نکاح کا ہے یہ ہے کہ یہ (کافر) لوگ دوزخ (میں جانے) کی تحریک دیتے ہیں (کیونکہ کفر کی تحریک کرتے ہیں اور اس کا انجام جہنم ہے) اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت (کے حاصل کرنے) کی تحریک کرتے ہیں اپنے حکم سے (اور اس حکم کا ظہور اس طرح ہوا کہ کفار کے متعلق یہ حکم صادر فرمادیا کہ ان سے نکاح نہ کیا جائے، تاکہ ان کی تحریک کے اثر سے پوری حفاظت رہ سکے، اور اس سے محفوظ رہ کر جنت اور مغفرت حاصل ہو جاوے) اور اللہ تعالیٰ اس واسطے اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں (اور مستحق جنت و مغفرت ہو جاویں)

تلخیص معارف و مسائل

اشہر حرم میں حرمت قتال کا حکم آیت براءۃ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ میں بصراحت اشہر حرم میں قتال کی ممانعت ہے ارشاد رسالت ہے، منها اربعة حرم ثلاث متواليات ورجب مضر، (رجب، شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ) اور یہ حرمت دائمی ہے حضرت عطا ابن ابی رباح قسم کھا کر فرماتے تھے کہ یہ دائمی حکم ہے، اور بھی متعدد حضرات تابعین اسے غیر منسوخ کہتے ہیں، مگر جمہور فقہاء کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے، اور آیت براءۃ کو ناسخ کہتے ہیں، نیز پیغمبر علیہ السلام کے ایک عمل کو بھی پیش کیا جاتا ہے کہ طائف کا محاصرہ اشہر حرم میں فرمایا، غزوۂ اوطاس کے لیے عامر اشعری کو اشہر حرم میں بھیجا۔ روح المعانی نے اس آیت کے تحت میں اور بیضاوی نے برارت پہلی آیت کے پہلے رکوع کی تفسیر میں منسوخ ہونے پر اجماع امت نقل کیا ہے (بیان القرآن) مگر تفسیر مظہری میں مذکورہ دلائل کا جواب یہ دیا ہے کہ اشہر حرم میں حرمت کی تصریح خود آیۃ السیف (برارت اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ الخ) میں موجود ہے (آیت برارۃ ۹: ۳۶، اور یہ آیت قتال میں سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور خطبۂ حجۃ الوداع جو پیغمبر علیہ السلام کی وفات سے اسی روز قبل ہوا ہے اس میں بھی حرمت کی تصریح موجود ہے، اور طائف کا محاصرہ ذی قعدہ میں نہیں شوال میں ہوا ہے، بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ ابتداء قتال ان اشہر حرم میں ہمیشہ کے لیے حرام ہے مگر جب کفار خود حملہ آور ہوں تو مدافعانہ قتال کی اجازت ہے۔

www.toobaaelibrary.com

انجام ارتداد

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ الخ. دنیا میں حبطِ عمل یہ ہے کہ اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے، مرتد کا مورث مسلمان ہو تو مرتد کو اس کی میراث کا حصہ نہیں ملے گا۔ حالت اسلام کی ساری طاعات کالعدم ہو جاتی ہیں، مرنے کے بعد نماز جنازہ نہیں ہے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتا۔ اور آخرت میں ضائع ہونا تو ظاہر ہے۔

اگر مرتد پھر مسلمان ہو جائے تو دوزخ سے بچنے اور دنیا میں احکام اسلام کا اجرا تو یقینی ہے، لیکن حج اگر کر چکا ہے تو پھر بشرط وسعت فرضیت اور آخرت میں پچھلے نماز وروزہ کے ثواب کا عود کرنے نہ کرنے میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ دوبارہ حج کو فرض کہتے ہیں اور گذشتہ کی طاعات پر ثواب کے قائل نہیں ہیں، امام شافعیؒ دونوں امر میں اختلاف کرتے ہیں، اصل کافر کے نیک کام کا ثواب معلق رہتا ہے اگر کبھی اسلام لایا تو سب پر ثواب ملتا ہے، اسلمت علیٰ ما اسلفت من خیر اسی معنی میں وارد ہے، غرض مرتد کی حالت اصلی کافر سے بدتر ہے، کافر اصلی سے تو جزیہ قبول ہو سکتا ہے، مرتد یا تو اسلام لائے یا قتل ہو، اگر عورت ہے تو حبس دوام کیونکہ اس سے اسلام کی اہانت ہوئی ہے اور سرکاری اہانت اسی سزا کے لائق ہے۔

آیت: ۲۱۹: میں شراب اور قمار کے متعلق سوال وجواب ہے، یہ مسائل نہایت اہم ہیں۔

حرمت شراب

ابتداء اسلام میں عام رسوم جاہلیت کی طرح شراب خوری اور قمار بازی بھی عام تھی، عوام کی نظر ان کے ظاہری فوائد پر تھی، ان کے مفاسد کی طرف نظر نہیں تھی، مگر عقلمندوں سے بھی دنیا خالی نہیں رہتی اس معاملہ میں پیغمبر علیہ السلام کا مقام تو بہت ہی بلند تھا، آپ کی طبیعت ہر ایسی چیز سے ابتداء ہی متنفر ہوتی اصحاب کرامؓ میں سے بھی کچھ ایسے حضرات تھے جنھوں نے زمانہ حلت میں بھی اسے ہاتھ نہیں لگایا، ان میں فاروق اعظمؓ، معاذ ابن جبلؓ اور چند انصاری صحابہ زیادہ حساس تھے اسی بناء پر خدمت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ میں حاضر ہو شراب وقمار کے بارے میں عرض کیا کہ حضور کا کیا ارشاد ہے؟ اس سوال کے جواب میں آیت: ۲۱۹، نازل ہوئی، اس سلسلے کی یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اٹھایا گیا، جس میں صرف شراب کی خرابیاں بیان کر دی گئیں صاف طور پر شراب کو حرام نہیں کہا گیا، اس کے ترک کا گویا ایک قسم کا مشورہ دیا گیا، بعض حضرات نے تو اسی وقت ترک کر دیا، بعض ذرا اس اہتمام سے پیتے رہے کہ مفاسد نہ پیدا ہوں مگر ایک روز حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کی ایک دعوت میں شراب بھی پی گئی اسی حالت میں مغرب کی نماز کا

www.toobaaelibrary.com

وقت آ گیا اور نماز پڑھی گئی اور سورۂ الکافرون پڑھتے ہوئے غلط پڑھ گئے، اس پر شراب کی روک کے لیے دوسری آیت نازل ہوئی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى یعنی اے ایمان والو تم حالت نشہ میں نماز کے پاس نہ جاؤ، (نساء ۴۳) اس آیت میں وقات نماز میں قطعی طور پر حرام کر دیا گیا، باقی اوقات میں اجازت رہی، کچھ لوگوں نے اس حکم پر بالکل ہی تارک ہو گئے، کچھ لوگ اوقات نماز کے علاوہ اب بھی پیتے رہے، حتی کہ ایک واقعہ اور پیش آیا، عتبان ابن مالکؓ کی ایک دعوت میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ بھی تھے، حسب دستور شراب کا دور چلا، نشہ کی حالت میں عام عادت کے مطابق شعر و شاعری اور مفاخر کا بیان شروع ہوا حضرت سعدؓ نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار مدینہ کی ہجو اور اپنی قوم کی مدح تھی، اس پر ایک انصاری کو غصہ آ گیا اور اونٹ کی جبڑے کی ہڈی حضرت سعدؓ کے سر پر دے ماری، ایک شدید زخم آ گیا، خدمت اقدسؐ میں حاضر ہو کر شکایت کی، پیغمبر علیہ السلام نے دعا فرمائی: اللهمّ بيّن لنا في الخمر بياناً شافياً، اے اللہ شراب کے بارے میں ہمیں کوئی واضح بیان عطا فرما دیجئے، اس پر تیسری آیت نازل ہوئی جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اِلیٰ آخر الآیتین (سورۂ مائدۃ: آیت: ۹۰-۹۱)

ارشاد الٰہی لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ آیت ۲۸۶) کے مطابق حرمت شراب کی تدریجی احکام میں جذبات انسانی کی رعایت کی گئی رحمت و حکمت کا یہی تقاضا تھا، شراب جن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، عمر بھر کی عادت کا چھوڑ دینا آسان نہ تھا اسی لیے اسلام نے حکیمانہ اصول کے مطابق تین مراحل میں قطعی حرمت کا حکم دیا۔ اسی طرح پوری شدت کے ساتھ تنفیذ بھی حکمت ہی کا تقاضہ تھی چنانچہ اولاً پیغمبر علیہ السلام نے عذاب کی شدید وعید بتلائیں، ارشاد رسالت ہے: یہ ام الخبائث اور ام الفواحش ہے، فرمایا، شراب اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے (نسائی) ترمذی میں حضرت انسؓ سے ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی (۱) نچوڑنے والا، (۲) بنانے والا، (۳) پینے والا، (۴) پلانے والا، (۵) اس کو لاد کر دینے والا (۶) جس کے لیے لائی جائے، (۷) بیچنے والا، (۸) خریدنے والا، (۹) ہبہ کرنے والا، (۱۰) اس کی آمدنی کھانے والا۔ نیز تعلیم و تبلیغ کے ساتھ عملی اور قانونی طور پر اعلان فرمایا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب موجود ہو اس کو فلاں جگہ لا کر جمع کر دے۔

صحابہ میں تعمیل حکم کا بے مثال جذبہ

جانثار اور فرمانبردار صحابۂ کرام کے کان تک پیغمبر علیہ السلام کا یہ حکم جس وقت پہنچا تو جو

جس جگہ اور جس حال میں تھا اس نے وہیں اسی وقت شراب پھینک دیا جام وسبو توڑ دیے گئے حتی کہ اعلان حرمت کے وقت جس کے ہاتھ میں جام شراب لبوں تک پہنچا ہوا تھا اس نے وہیں سے اس کو پھینک دیا، مدینہ کی گلیوں میں اس روز بارش کے پانی کی طرح شراب بہہ رہی تھی، عرصۂ دراز تک یہ حالت رہی کہ جب جب بارش ہوتی تو شراب کی بو اور رنگ مٹی میں نکھر آتا تھا۔

ایک صحابی جو شراب کے تاجر تھے، اس زمانے میں ساری رقم جمع کر کے شراب لینے ملک شام گئے ہوئے تھے، جب مال لیکر واپس ہوئے، مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی انھیں حرمت کی خبر مل گئی، جانثار صحابی نے اپنے پورے سرمائے اور محنت کی نفع بخش حاصلات کو ایک پہاڑی پر ڈال دیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے مال کے متعلق عرض کیا کہ کیا حکم ہے؟ پیغمبر علیہ السلام نے حکم دیدیا کہ سب مشکیزوں کو چاک کر کے شراب بہادو، محبِّ خدا ورسولؐ نے بلا کسی جھجک کے اپنے ہاتھ سے پورا سرمایہ زمین پر بہا دیا۔ اسلام کا یہ بھی ایک معجزہ اور صحابۂ کرام کی حیرت انگیز اور بے مثال اطاعت ہے جو اس واقعہ میں ظاہر ہوئی اس حکم الٰہی اور فرمان نبویؐ نے ان کی عادات میں ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا کہ یہ شراب اور جوئے سے ایسے ہی متنفر ہوئے، جیسے اس سے پہلے ان کے عادی تھے۔

اسلامی سیاست اور عام ملکی سیاست کا فرق عظیم

مسلمانوں کے عمل کا ایک نمونہ سامنے آگیا جسے اسلام کا معجزہ کہو یا پیغمبرانہ تربیت کا بے مثال اثر، یا اسلامی سیاست کا لازمی نتیجہ، آخر وہ کیا چیز تھی جس نے عادت اور مزاجوں کو بدل ڈالا، کہ انتہائی مرغوب ومحبوب شے انتہائی مبغوض اور ناپاک بن گئی۔

اس کے بالمقابل سارے دنیا کی ترقی یافتہ سیاست کی ایک مثال سامنے رکھ لیجئے، خود امریکہ نے شراب کی مہلک خرابیوں کو محسوس کر کے ملک میں شراب نوشی کو قانوناً ممنوع کرنا چاہا تو اس کے لیے نشر و اشاعت کے تمام ہی ذرائع استعمال کیے، لاکھوں کی تعداد میں رسائل واخبارات شائع کیے گئے، دستور میں ترمیم کی، مگر اس کا اثر اور نتیجہ جو کچھ ارباب سیاست کی رپورٹوں سے دنیا کے سامنے آیا وہ یہ کہ اس زمانہ میں عام زمانوں کی نسبت بہت زیادہ شراب استعمال کی گئی بالآخر مجبور ہو کر حکومت کو اپنا قانون منسوخ کرنا پڑا۔ یہ ہے اسلامی سیاست اور عام ملکی سیاست کا فرق عظیم!

تسلیم ہوا کہ صرف قانون سے اصلاح نہیں ہو سکتی، جب تک قوموں کے اندر پہلے افراد سازی کا کام نہ ہوگا، ان کی ذہنی تربیت کے ساتھ عبادت اور فکر آخرت کا جذبہ نہ پیدا کیا جائے گا مزاجوں

www.toobaaelibrary.com

میں انقلاب نہ پیدا کیا جائے گا، اور رگ و ریشے میں فکرِ آخرت نہ سمائی ہوگی، امریکہ نے ذہنوں کو ہموار کرنے کے لیے اپنے بے مثال ذرائع کے استعمال میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی، ان کے سامنے سب کچھ تھا مگر فکرِ آخرت سے خالی، دونوں کے نتائج سامنے ہیں، آج بھی دنیا اسی نسخۂ کیمیا کو استعمال کر کے دیکھ لے، یہ دنیا پھر امن و سکون کا گہوارہ نظر آئے گی۔

شراب کے فوائد اور مفاسد

شراب کے فوائد یہ بتلائے جاتے ہیں کہ اس سے لذت و فرحت حاصل ہوتی ہے اور وقتی طور پر قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے مگر ان حقیر وقتی فوائد کے مقابلے میں مفاسد اتنے کثیر، وسیع اور گہرے ہیں کہ اتنے مفاسد و مضرات کسی دوسری چیز میں نہ ہوں گے، ایک جرمنی ڈاکٹر کا بیان خلاصہ کے طور پر یہ ہے کہ "شراب کے عادی شخص کے بدن کی ساخت بیس سال کی عمر میں ساٹھ سالہ بوڑھے کی سی ہو جاتی ہے" "عین عنفوانِ شباب میں سٹھیا جاتا ہے" اکثر مرض سل کا سبب شراب ہی کو بتایا جاتا ہے۔ یورپ میں آدھی اموات اسی مرض میں اسی شراب کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ تو جسمانی مضرت ہوئی، عقل پر اس کا اثر، یہی نہیں کہ وقتی ہوتا ہے بلکہ تجربہ کار اور ڈاکٹروں کی تحقیق یہ ہے کہ نشہ کی عادت خود قوتِ عاقلہ کو بھی ضعیف کر دیتی ہے۔ اس کی نوبت جنون تک پہنچ جاتی ہے۔ اور وقتی طور پر محض خون میں دفعۃً ہیجان کے باعث ہارٹ فیل بھی ہو جاتا ہے، نیز اس کے برے اثرات اس کی ذات سے آگے بڑھ کر اس کی نسل پر بھی پڑتے ہیں، شرابی کی اولاد کمزور رہتی ہے اور بعض اوقات اس کا نتیجہ قطعِ نسل تک پہنچتا ہے، شراب کا تمدنی مفسدہ سب سے بڑا ہے کہ یہ اکثر لڑائی جھگڑا کا سبب بنتی ہے اور اس کا سلسلہ دراز ہوتا ہے، شریعت میں یہ مفسدہ سب سے بڑا ہے، سورۂ مائدہ والی آیت میں خصوصیت سے اس کا ذکر ہے، اور اکثر مدہوشی کی حالت میں پوشیدہ راز بھی بیان کر ڈالتا ہے، اگر کسی حکومت کا ذمہ دار آدمی ہوا تو تباہ کاری ظاہر ہے، ہوشیار جاسوس ایسے مواقع کے منتظر رہتے ہیں، شراب انسان کو غیر متوازن بنا کر ایک کھلونا بنا دیتی ہے۔

یہ ساری مضرتیں جسمانی ہوئیں، مالی مضرت یہ ہے کہ کسی بستی کا اک شراب خانہ پوری بستی کی دولت کو سمیٹ لیتا ہے، بعض اعداد و شمار لکھنے والوں نے صرف ایک شہر میں شراب کا مجموعی خرچ پوری مملکت فرانس کے مجموعی خرچ کے برابر بتلایا ہے۔

روحانی مضرت تو ظاہر ہی ہے کہ بحالت نشہ نہ نماز ہو سکتی ہے نہ ذکر اللہ نہ کوئی عبادت، ارشاد خداوندی ہے وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ یعنی شراب تم کو ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے۔

www.toobaaelibrary.com

یہ شراب کے دینی دنیاوی، جسمانی اور روحانی مفاسد کی مختصر فہرست ہے جسے پیغمبر علیہ السلام نے ایک کلمہ میں ارشاد فرمایا کہ وہ "ام الخبائث" یاامُّ الفَوَاحِش ہے۔ غرض جس بھلے آدمی نے بھی ٹھنڈے دل سے غور کیا وہ بے اختیار پکار اٹھا کہ یہ رجس ہے، شیطانی عمل ہے، زہر ہے، تباہی کا ذریعہ ہے، اس اُمّ الخبائث سے باز آجاؤ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ.

حرمت قمار | مَیسِر بمعنی تقسیم کرنا، زمانہ جاہلیت میں عرب اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کر کے جوا کھیلتے تھے، کسی کو ایک اور ایک سے زائد حصہ ملتا، کوئی محروم رہ جانے والے کو پورے اونٹ کی قیمت دینی پڑتی تھی، گوشت فقراء میں تقسیم کر دیا جاتا چونکہ اس میں فقراء کا فائدہ اور جواریوں کی سخاوت تھی اس لیے اس کھیل کو باعث فخر سمجھتے اور نہ شریک ہونے والے کو کنجوس اور منحوس سمجھتے تھے۔ تقسیم کی مناسبت سے قمار کو میسر کہا جاتا ہے۔ بہر حال میسر میں قمار کی سب صورتیں داخل ہیں اور سب حرام ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اَلْمُخَاطَرَةُ مِنَ الْقِمَارِ، مخاطرہ کے معنی ہیں ایسا معاملہ کرنا جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو، لاٹری اور معمہ بھی جوا ہے، البتہ اگر صرف ایک جانب سے انعام مقرر ہو مثلاً جو شخص فلاں کام کرے گا اسے یہ انعام ملے گا، اس میں مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اس شخص سے کوئی فیس نہ لی جائے اس میں معاملہ نفع وضرر کے بجائے نفع وعدم نفع کے مابین دائر ہے۔

حدیث میں شطرنج اور چوسر وغیرہ کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے روپیہ ہار جیت کے ساتھ تاش بھی اسی میں داخل ہے۔

ارشاد رسالت ہے نردشیر (چوسر) کھیلنے والا گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگتا ہے۔ (مسلم عن بریدہؓ) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، شطرنج تو نردشیر (چوسر) سے بھی زیادہ بری ہے۔ (ابن کثیر)

شراب کی طرح قمار بھی اسلام میں حلال تھا، سورۂ روم (غُلِبَتِ الرُّوْمُ) نازل ہوئی تو مشرکین نے انکار کیا، صدیق اکبرؓ نے ان سے اسی طرح قمار کی شرط ٹھہرائی، جو مان لی گئی، واقعہ قرآن کی خبر کے مطابق پیش آیا، صدیق اکبرؓ مال وصول کر کے خدمت اقدس میں لائے، پیغمبر علیہ السلام نے اس واقعہ پر اظہار مسرت فرمایا مگر مال کو صدقہ کرنے کا حکم فرما دیا جو چیز حرام ہونے والی تھی اس سے اللہ تعالیٰ نے رسول کو حلال ہونے کے زمانے میں بھی محفوظ فرما دیا تھا، اسی لیے شراب اور قمار سے ہمیشہ اجتناب کیا، خاص خاص صحابہ بھی ان چیزوں سے ہمیشہ محفوظ رہے۔

www.toobaaelibrary.com

قمار کے مفاسد مذکورہ آیت میں قمار کو شراب کے ساتھ جمع کر کے ذکر فرمایا ہے۔ شراب کی طرح قمار میں بھی کچھ منافع ہیں، مگر اس میں بھی نفع سے ضرر بڑھا ہوا ہے منافع تو ظاہر ہیں کہ جیت جائے تو بیٹھے بٹھائے بغیر محنت وکسب کے ایک فقیر و بدحال آدمی ایک ہی دن میں سرمایہ دار بن سکتا ہے مگر اس کے معاشی اجتماعی سماجی اور روحانی مفاسد اور خرابیاں بہت کم لوگ جانتے ہیں، اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ کھیل سارا اس پر دائر ہے کہ ایک شخص کا نفع دوسرے کے ضرر پر موقوف ہے، جیتنے والے کا نفع ہارنے والے کے سراسر نقصان کا نتیجہ ہوتا ہے، اس کھیل سے دولت بڑھتی نہیں وہ اسی طرح منجمد حالت میں رہتی ہے، ایک کی دولت سلب ہو کر دوسرے کے پاس پہنچ جاتی ہے، مجموعی حیثیت سے یہ قوم کی تباہی اور انسانی اخلاق کی موت ہے کہ جس انسان کو مخلوق کی نفع رسانی اور ایثار و ہمدردی کا پیکر ہونا چاہئے وہ ایک خونخوار درندہ کی خاصیت اختیار کر لے کہ دوسرے بھائی کی موت میں اپنی زندگی، اس کی مصیبت میں اپنی راحت اس کے نقصان میں اپنا نفع سمجھنے لگے، بخلاف تجارت کے کہ اس میں دولت بڑھتی ہے اور جانبین کا نفع ہوتا ہے۔

جوئے کا عادی اصلی کمائی، محنت ومشقت سے عادۃً محروم ہو جاتا ہے، میسر رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بآسانی دوسرے کا مال اپنا بن جاتا ہے، جوئے کی بعض نئی قسمیں بھی ایجاد ہوئی ہیں کہ اجتماعی طور پر قوم کا تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع ہوتا ہے اور جو نقصان ہوتا ہے وہ ان سب پر تقسیم ہو کر نمایاں نہیں ہوتا اس کا نقصان قدیم قسم کے قمار سے بھی زیادہ ہے کیونکہ یہ پوری قوم کی بربادی کا سامان ہیں کیونکہ عام افراد کی دولت گھٹتی جائے گی اور چند سرمایہ داروں کے سرمایہ میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پوری قوم کی دولت سمٹ کر محدود افراد میں مرتکز ہو جائے گی۔ اسلامی معاشیات کا اہم اصول یہ ہے کہ ہر ایسے معاملے کو حرام قرار دیا ہے۔ قرآن نے تقسیم دولت کا اصول بیان کیا ہے: كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ.

قمار سے بھی باہم لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں ہارنے والے کو طبعًا جیتنے والے سے نفرت وعداوت پیدا ہوتی ہے، اس سے نماز اور ذکر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ الخ میں اس مفسدہ کا ذکر ہے۔ (مائدہ)

قمار سے دفعۃً ایک لکھ پتی فقیر بن جاتا ہے جس سے اس کا پورا گھرانہ اور خاندان متاثر ہوتا ہے بلکہ پوری قوم متاثر ہوتی ہے کیونکہ اس کی مالی ساکھ کو دیکھ کر اس سے معاہدے اور معاملات کئے ہوئے

www.toobaaelibrary.com

یا قرض دیے ہوئے لوگوں کی بھی اس کے دیوالیہ ہو جانے سے بربادی ہے، یہ تو ایک مختصر فہرست ہے، اسی لیے قرآن نے کہا وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا: ایک نتیجہ اس سے یہ نکل آیا کہ معنوی منافع کے ہوتے ہوئے کسی چیز کا شرعاً حرام قرار دیا جانا اس کے منافی نہیں ہے۔ دنیا کی بری سے بری چیز بھی نفع سے خالی نہیں، زہر، سانپ بچھو اور درندوں میں کتنے فوائد ہیں مگر مجموعی حیثیت سے ان کو مضر کہا جاتا ہے اور ان سے بچنے کی ہدایت کی جاتی ہے، چوری ڈاکہ، زنا، اغواء، دھوکہ، فریب وغیرہ یہ جرائم بھی فائدہ سے خالی نہیں ورنہ کون ذی عقل انسان اس کے قریب جاتا جب کہ ان جرائم میں عموماً وہی لوگ ہوتے ہیں جو ہوشیاری میں معروف سمجھے جاتے ہیں، مگر چونکہ ان کی مضرت فائدے سے زیادہ ہے، اس لیے انہیں کوئی بھی مفید نہیں سمجھتا، شریعت اسلامی نے اسی اصول کے تحت حرام قرار دیا ہے، نیز جلب منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے۔

آیت: ۲۲۰: ہندوستان کی طرح عرب میں بھی ابتداء یتیموں کا حق دینے میں پوری احتیاط نہ تھی اس لیے یہ وعید سنائی گئی کہ یتیم کا مال کھانا گویا دوزخ کے انگارے پیٹ میں بھرنا ہے، اس وعید کے بعد ڈر کے مارے اتنی احتیاط کرنے لگے کہ ان کا کھانا الگ پکواتے اور الگ رکھتے، اگر بچے کا کھانا بچ جاتا تو پڑا سڑتا کیونکہ نہ استعمال جائز اور صدقہ کر دینے کا اختیار، اسطرح تکلیف کے ساتھ نقصان بھی تھا اس لیے خدمت اقدس میں عرض کیا گیا اس کے متعلق یہ ارشاد ہوا۔ ان کے اموال کھانے سے ممانعت کا مقصود تھا کہ ان کی مصلحت نہ ضائع کی جائے، مصلحت کی رعایت رکھی جائے۔

آیت: ۲۲۱: جو قوم اپنی وضع وطرز سے اہل کتاب بھی جاتی ہو لیکن عقائد کی تحقیق سے کتابی ثابت نہ ہوں، اس قوم کی عورتوں سے نکاح درست نہیں، جیسے آج کل عموماً انگریزوں کو عام لوگ عیسائی سمجھتے ہیں، اسی طرح جو مرد ظاہری حلت سے مسلمان سمجھا جائے، لیکن عقائد اس کے کفر تک پہنچے ہوں اس سے مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں، اگر نکاح کے بعد عقائد خراب ہو جائیں، تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا پیام آنے کے وقت پہلے عقائد کی تحقیق کر لیا کریں (بیان القرآن)

مومن و کافر کا ازدواج ممنوع ہے کیونکہ ازدواجی تعلقات باہم محبت مودت اور یگانگت کو چاہتے ہیں جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ ان کے دل میں کفر و شرک کا میلان پیدا ہو کم از کم نفرت دل سے نکل جائے پھر اس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ بھی اسی میں مبتلا ہو جائیں جس کا نتیجہ جہنم ہے۔

www.toobaaelibrary.com

چند قابل غور باتیں

اگر اس آیت میں مشرک سے مطلقاً غیر مسلم مراد ہیں تو اہل کتاب کی غیر مسلم عورتیں، ایک دوسری آیت وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور اگر مشرک کے خاص غیر مسلم مراد ہیں جو اہل کتاب نہیں ہیں تو یہ آیت اپنی جگہ عام ہے ان تمام غیر مسلموں کو جو کسی پیغمبر اور آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔

دوم: اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اختلاف اہل اسلام کے ساتھ دوسرے غیر مسلموں کی بہ نسبت کم اور ہلکا ہے کیونکہ عقائد اسلام کے تین عمود اور ستون، توحید، آخرت، رسالت میں سے دو میں اصل مذہب کے اعتبار سے یہ اہل اسلام کے ساتھ متفق ہیں، اب رہ گیا بنیادی عقیدہ پیغمبر علیہ السلام کی رسالت، تو یہ رسول نہیں مانتے، تو اس اعتبار سے انکا اختلاف کم ہے اس لیے اس میں مفسدہ کا خطرہ زیادہ نہیں۔

سوم: مگر مسلم عورت کا نکاح غیر مسلم اہل کتاب سے پھر بھی جائز نہیں کہ اس میں واضح فرق یہ ہے کہ عورت فطرۃً ضعیف ہے اور شوہر حاکم ہوتا ہے، عورت کا متاثر ہو جانا مستبعد نہیں ہے، اس کے برعکس اصولاً تو مستبعد ہے یہ الگ بات ہے کہ کوئی بے اصول شوہر افراط کا شکار ہو جائے تو یہ اس کا قصور ہے۔

چہارم: یہ امکان کہ غیر مسلم، مسلمان کے عقائد سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لے اس لیے مسلم و غیر مسلم کے ازدواجی تعلقات کو ممنوع نہ کیا جائے؟ یہ خلاف حکمت ہے، نفع و ضرر میں سے ضرر سے بچنا عقل سلیم کا تقاضہ ہے، نفع کی فکر سے زیادہ ضروری ہے فارسی کا حکیمانہ مقولہ ہے کہ "عقلمند تریاق بظنین و زہر بگماں نخورد، اس لیے نفع کی امید کو نظر انداز کیا گیا۔

پنجم: اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کی اجازت کے بھی معنی یہ ہیں کہ نکاح تو صحیح ہو کر اولاد ثابت النسب ہوگی مگر از روئے حدیث یہ نکاح بھی پسندیدہ نہیں، چنانچہ اسی بناء پر حضرت فاروق اعظمؓ کی دور بین نگاہیں ان واقعات کو دیکھ رہی تھیں، جب انہیں خبر پہنچی کہ عراق و شام کے مسلمانوں میں کچھ ایسے ازدواج کی کثرت ہونے لگی تو بذریعہ فرمان ان کو اس سے روک دیا گیا، (کتاب الآثار للامام محمدؒ) مفاسد و خطرات کی تفصیل کے لیے دیکھئے میجر جنرل اکبر کی کتاب "حدیث دفاع"۔

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ؀ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ

www.toobaaelibrary.com

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ○ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ
وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ
وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ○ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ○ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ
وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ
وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ
وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

ترجمہ خلاصۂ تفسیر

حیض میں جماع کی حرمت اور پاکی کی شرائط

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ (الیٰ قولہ) وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ.

اور لوگ آپ سے حیض (کی حالت میں صحبت وغیرہ کرنے) کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ (حیض) گندگی کی چیز ہے، تو حالت حیض میں عورتوں (کے ساتھ صحبت کرنے) سے علیحدہ رہا کرو اور (اس حالت میں) ان سے قربت مت کرو جب تک وہ (حیض سے) پاک نہ ہو جاویں پھر جب وہ (عورتیں) اچھی طرح پاک ہو جاویں (کہ ناپاکی کا شک وشبہ نہ رہے) تو ان کے پاس آؤ جاؤ (یعنی ان سے صحبت کرو) جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے (یعنی آگے سے) یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے (مثلاً اتفاقاً یا بے احتیاطی سے حالت حیض میں صحبت کر بیٹھا پھر متنبہ ہو کر توبہ کر لی) اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے (حالت حیض میں صحبت کرنے سے اور دوسرے منہیات سے بچتے ہیں، اور حالت پاکی میں اجازت صحبت کی دینا پھر اس قید سے اجازت دینا کہ آگے کے موقع میں صحبت ہو، اس لیے ہے کہ) تمہاری بیبیاں تمہارے لیے (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں (جس میں نطفہ بجائے تخم کے اور بچہ بجائے پیداوار کے ہے) سو اپنے کھیت میں جس طرف سے چاہو آؤ (اور جس طرح کھیتوں میں اجازت ہے اسی طرح بیبیوں کے پاس پاکی کی حالت میں ہر طرف سے آنے کی اجازت ہے خواہ کروٹ سے ہو یا پیچھے سے یا آگے بیٹھ کر ہو یا اوپر یا نیچے لیٹ کر ہو، یا جس ہیئت سے ہو، مگر آنا ہو ہر حال میں کھیت کے اندر کہ وہ خاص آگے کا

www.toobaaelibrary.com

موقع ہے، کیوں کہ پیچھے کا موقع کھیت کے مشابہ نہیں اس میں صحبت نہ ہو، اور ان لذات میں ایسے مشغول مت ہو جاؤ کہ آخرت ہی کو بھول جاؤ، بلکہ) آئندہ کے واسطے اپنے لیے کچھ (اعمال صالحہ) کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے (ہر حال میں) ڈرتے رہو، اور یہ یقین رکھو کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور (اے محمدؐ ایسے) ایمان داروں کو (جو نیک کام کریں، خدا سے ڈریں، خدا تعالیٰ کے سامنے جانے کا یقین رکھیں) خوشی کی خبر سنا دیجئے (کہ ان کو آخرت میں ہر طرح کی نعمتیں ملیں گی)۔ اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے ذریعے سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو (یعنی اللہ کے نام کی یہ قسم نہ کھاؤ کہ ہم نیک کام نہ کریں گے) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں (تو زبان سنبھال کر بات کرو، اور دل میں بُرے خیالات مت لاؤ) اللہ تعالیٰ تم پر آخرت میں دار و گیر نہ فرماویں گے تمہاری قسموں میں ایسی بے ہودہ قسم پر جس میں بلا قصد جھوٹ بولا گیا، لیکن دار و گیر فرماویں گے اس جھوٹی قسم پر جس میں تمہارے دلوں نے جھوٹ بولنے کا ارادہ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں (کہ ایسی بیہودہ قسم پر دار و گیر نہ فرمائی) حلیم ہیں (کہ قصداً جھوٹی قسم کھانے کی سزا میں آخرت تک کی مہلت دی) لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ (الیٰ قولہ) سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی جو لوگ (بلا قید مدت یا چار ماہ یا زائد مدت کے لیے) قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں کے پاس جانے سے ان کے لیے چار مہینے تک کی مہلت ہے سو اگر (ان چار مہینے کے اندر) یہ لوگ (اپنی قسم کو توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کر لیں (تب تو نکاح باقی رہے گا اور) اللہ تعالیٰ (ایسی قسم کو توڑنے کا گناہ کفارہ سے) معاف کر دیں گے (اور چونکہ اب بی بی کے حقوق ادا کرنے لگا اس پر) رحمت فرما دیں گے، اور اگر بالکل چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے (اور اس لیے چار ماہ کے اندر قسم توڑ کر رجوع نہیں کیا) تو (چار ماہ گزرتے ہی قطعی طلاق پڑ جاوے گی اور) اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو بھی سنتے ہیں (اور ان کے اس پختہ ارادے کو بھی) جانتے ہیں (اس لیے اس کے متعلق حکم مناسب ارشاد فرمایا)۔

مطلقہ کی عدت اور مدت رجعت کا بیان

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ (الیٰ قولہ) اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا۔ اور طلاق دی ہوئی عورتیں (جن میں اتنی صفتیں ہوں، خاوند نے ان سے صحبت یا خلوت صحیحہ کی ہو، ان کو حیض آتا ہو، آزاد ہوں، یعنی شرعی قاعدہ سے لونڈی نہ ہوں) اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں، تین حیض (ختم ہونے) تک (اور اس کو عدت کہتے ہیں) اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو

www.toobaaelibrary.com

کچھ ان کے رحم (بچہ دان) میں پیدا کیا ہو (خواہ حمل ہو یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں (کیونکہ اس کے پوشیدہ کرنے سے عدت کا حساب غلط ہو جاوے گا) اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتی ہیں (بوجہ اس کے کہ اس یقین کا مقتضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں کہ قیامت میں نافرمانی پر سزا نہ ہو جاوے) اور ان عورتوں کے شوہر (جب کہ ان کو طلاق رجعی ملی ہو جس کا بیان آگے آوے گا) ان کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں، اس عدت کے اندر (اور اس لوٹا لینے کو رجعت کہتے ہیں) بشرطیکہ (رجعت کرنے سے) اصلاح کا قصد رکھتے ہوں (ورنہ تنگ کرنے کے لیے رجعت کرنا لا حاصل ہے، گو رجعت تو ہو ہی جاوے گی، اور (یہ حکم اصلاح کا اس لیے کیا گیا کہ) عورتوں کے حقوق ہیں (مردوں پر) جیسا کہ (نفس وجوب میں) مثل انہی کے حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں (مردوں کے کہ ان کو) قاعدہ (شرعی) کے موافق (ادا کیا جاوے) اور (اتنی بات ضرور ہے کہ) مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے (اس لیے ان کے حقوق کی نوعیت عورتوں کے حقوق کی نوعیت سے بڑھی ہوئی ہے) اور اللہ تعالیٰ زبردست (حاکم) ہیں، (اور) حکیم (بھی) ہیں۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۲۲۲-۲۲۳: مسائل) حالت حیض میں جماع حرام ہے، اگر غلبۂ شہوت سے بحالت حیض صحبت ہوگئی تو خوب توبہ کرنا واجب ہے۔ اور کچھ خیرات دیدے تو زیادہ بہتر ہے، پیچھے کے مواقع میں اپنی بیوی سے بھی صحبت حرام ہے۔

آیت: ۲۲۴: اللہ کے نام کی یہ قسم نہ کھاؤ کہ ہم یہ نیک کام نہ کریں گے، اللہ تعالیٰ سمیع اور علیم ہیں، زبان سنبھال کر بات کرو اور دل میں برے خیالات مت لاؤ۔

آیت: ۲۲۵: غَفُوْرٌ ہیں کہ ایسی بیہودہ قسم پر دارو گیر نہ فرمائی، حَلِیْمٌ ہیں کہ قصداً جھوٹی قسم کھانے کی سزا میں آخرت تک کی مہلت دی۔

یمین لغو اسکے دو معنی ہیں (۱) کسی گذری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ نکل گئی، یا بالارادہ نکلی مگر اپنے گمان میں صحیح سمجھ کر، یا آئندہ کے لیے اس طرح قسم نکل گئی کہ کہنا کچھ چاہ رہا تھا اور بے ارادہ منہ سے قسم نکل گئی، آخرت میں اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا، اور قصداً جھوٹی سمجھ کر کھائی ہو اسے غموس کہتے ہیں اس میں گناہ ہوتا ہے مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفارہ نہیں آتا۔ اس آیت میں انہی دونوں کا بیان ہے، تیسری قسم یمین منعقدہ ہے کہ قصداً کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھا کر اس کے خلاف

www.toobaaelibrary.com

کرے اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔

آیت: ۲۲۶-۲۲۷: بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانے کی چار صورتیں ہیں: (۱) غیر معینہ مدت کے لیے (۲) چار ماہ کی مدت کی قید کے ساتھ، (۳) چار ماہ سے زیادہ مدت کی قید لگا دے، ان تینوں صورتوں کو ایلاء کہتے ہیں جس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر قسم توڑ کر بیوی کے پاس چلا جائے تو کفارہ دے، اور نکاح باقی ہے، اور اگر چار ماہ گذر گئے اور قسم نہ توڑی تو عورت پر قطعی طلاق پڑ گئی اور بلا نکاح رجعت درست نہیں، البتہ حلالہ نہ ہوگا، (۴) چار ماہ سے کم کی مدت کا نام نہ لے، اس کا حکم یہ ہے کہ قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہوگا، اور اگر قسم پوری کرلی جب بھی نکاح باقی ہے (بیان القرآن)

اسلام سے پہلے عورت کا درجہ

آیت (۲۲۸) زمانہ جاہلیت میں عورت کی حیثیت گھریلو استعمال کی چیزوں سے زیادہ نہ تھی، جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی، دنیا کے کسی معاملے میں کوئی اختیار نہ تھا، کسی چیز پر اس کی ملکیت نہ تھی، حتیٰ کہ وہ یورپین ممالک جو آج سب سے زیادہ متمدن سمجھے جاتے ہیں ان میں بعض لوگ تو اس حد کو پہنچے ہوئے تھے کہ عورت کو انسان ہی تسلیم نہ کرتے تھے، اسی طرح دین میں بھی اس کا کوئی حصہ نہ تھا، روما کی بعض مجلسوں نے تو یہ طے کیا تھا کہ عورت ایک ناپاک جانور ہے لڑکی کا قتل بلکہ زندہ درگور کردینا نہ صرف جائز تھا بلکہ عزت و شرافت کا معیار سمجھا جاتا تھا، عورت کے قتل پر قصاص نہ تھا، شوہر کے مرجانے پر عورت کو بے روح اور اس کی لاش کے ساتھ جلا دیا جاتا تو آج بھی دیکھا جاسکتا ہے، ۵۸۶ء میں فرانس نے بڑا احسان کیا اور بڑے اختلافات کے بعد یہ قرارداد پاس کی کہ عورت انسان تو ہے مگر وہ صرف مرد کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے، غرض عورت کے ساتھ برتاؤ کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

اسلام میں عورت کا مقام

مگر قربان جایئے رحمۃ للعالمین ﷺ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین حق کے جس نے دنیا کی آنکھیں کھولیں انسان کو انسان کی قدر کرنا سکھلایا عدل و انصاف کا قانون جاری کیا، عورتوں کے حقوق مردوں پر مردوں ہی جیسے لازم کیے، اسے نکاح طلاق اور اموال میں آزاد و مختار بنایا، میراث میں لڑکوں ہی کی طرح حصہ دیا، اس پر خرچ کرنے، اسے راضی رکھنے کو شریعت محمدیہ ؐ نے ایک عبادت قرار دیا، حقوق واجبہ کی عدم ادائیگی پر شوہر کو اسلامی عدالت کے ذریعہ ادائے حقوق پر ورنہ طلاق پر مجبور کرسکتی ہے۔

www.toobaaelibrary.com

عورت کی آزادی لیکن اسی کے ساتھ عورتوں کو مردوں کی سیادت اور نگرانی سے بالکل آزاد کر دینا بھی فساد عالم کا بہت بڑا سبب ہے کیونکہ نہ اس کی ساخت اس کی متحمل ہے اور نہ گھریلو کاموں کی ذمہ داری اور اولاد کی تربیت کا عظیم الشان کام جو فطرۃً اس کے سپرد ہے وہ اس کا متحمل ہے۔

ایک جامع آیت مرد و عورت کے فرق اور میاں بیوی کے باہمی حقوق و درجات پر ایک جامع آیت وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ہے۔ اور یہ ایک شرعی ضابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

عالم کی بقا اور تعمیر و ترقی اور اس کی رونق کا ذریعہ بلاشبہ عورت (اور دولت) ہے لیکن یہی جب اپنے اصل موقف و مقام سے ہٹ جاتی ہے اور مردوں کی سیادت و نگرانی سے نکل جاتی ہے تو دنیا میں سب سے بڑا زلزلہ بن جاتی ہے، دنیا میں خونریزی اور فتنے اس کی وجہ سے لازمی اور روزمرہ کا مشاہدہ ہے، اسی لیے اس آیت کے آخر میں وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ فرمایا یعنی مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ کا تفوق اور حاکمیت عطا فرمادی ہے اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں، نظام عالم، انسانی فطرت اور خود عورتوں کی مصلحت کا بھی یہی تقاضا تھا، لیکن اس سے سب مردوں کا سب عورتوں سے افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ فضیلت اور ترقی درجات عند اللہ کا تمام تر مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے، یہ درجہ کا تفوق دنیوی معاملات میں ہے۔

زمانہ جاہلیت میں اقوام عالم جس غلطی کا شکار تھیں اب اسلام کی تعلیمات کے زمانہ انحطاط میں جاہلیت اخریٰ کا دور شروع ہوا آزادی نسواں کی سعی مسلسل جاری ہے جس کے نتیجے میں فحاشی اور بے حیائی عام ہوگئی، دنیا جھگڑے فساد کا گھر بن گئی جاہلیت اخریٰ نے جاہلیت اولیٰ کو مات دیدی مشہور مقولہ ہے اَلْجَاهِلُ اِمَّا مُفْرِطٌ اَوْ مُفَرِّطٌ، یعنی جاہل کبھی اعتدال پر نہیں رہتا یا افرط میں مبتلا ہوگا یا تفریط میں، اور یہ فتنے کم نہ ہوں گے، تاوقتیکہ دنیا ارشادات قرآنی کے سامنے نہ جھکے گی۔

مسئلہ: اس آیت میں زوجین کے باہمی حقوق و فرائض بتلائے گئے اشارہ ہے کہ بجائے حقوق کے مطالبہ کرنے کے ہر فریق کو اپنے فرائض پر نظر رکھنی چاہئے، ایسا کرنے میں مطالبۂ حقوق کا قضیہ ہی ختم ہو جائے گا، کیونکہ ایک دوسرے کے فرائض ہی حقوق ہیں، آج دنیا میں جھگڑے اسی کے ہیں کہ ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ تو سامنے رکھتا ہے مگر اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل ہے۔ لیکن قرآن

www.toobaaelibrary.com

کریم کے اس اشارہ نے معاملہ کا رخ یوں بدلا ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے فرائض پورا کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے حقوق کے معاملہ میں مسامحت اور عفو ودرگذر سے کام لے۔

احکام شرعیہ کی جزا وسزا کے بیان میں اگرچہ مرد وعورت بالکل برابر ہیں (الا ماشاء اللہ) لیکن خطاب عام طور پر مردوں کو کیا گیا اور مذکر صیغے استعمال کیے گئے ہیں، یہ قرآن کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے عام طور پر حکومتوں کے قوانین میں بھی صیغے مذکر کے استعمال کیے جاتے ہیں، اس کی وجہ ایک تو وہ فرق ہے جو مرد کو عورت پر تفوق حاصل ہے، نیز یہ بھی مضمر ہو کہ مستورات کے ذکر کے لیے بھی ستر ہی بہتر ہے، لیکن اس انداز بیان سے عورتوں کو خیال ہوا تو حضرت ام سلمہؓ نے پیغمبر علیہ السلام سے اظہار کیا تو سورۂ احزاب کی یہ آیت اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الآیہ نازل ہوئی۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ میں عورتوں کے حقوق کو مقدم اس لیے کیا کہ مرد تو اپنی قوت اور خداداد تفوق کی بنا پر عورت سے اپنے حقوق وصول کر ہی لیتا ہے فکر عورتوں کے حقوق کی ہونی چاہئے نیز مردوں کو عورت کے حقوق کی ادائیگی میں مسابقت کرنا چاہئے۔

بِالْمَعْرُوْفِ یہ لفظ بڑھا کر باہمی جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا، یعنی حقوق کی ادائیگی معروف طریق پر ہو یعنی جو شرعاً بھی ناجائز نہ ہو اور عام عادات اور عرف کے لحاظ سے بھی اس میں کوئی زیادتی نہ ہو، محض ضابطے کی خانہ پری نہ ہو۔ ایذاء اور ضرر پہنچانے کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً بے رخی اور بے التفاتی یہ چیزیں قانونی دفعات میں تو نہیں آسکتیں مگر بالمعروف نے ان کا احاطہ کر لیا۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اس کا ایک مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ مردوں کو زیادہ تحمل سے کام لینا چاہئے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۖ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۗ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ

www.toobaaelibrary.com

عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر (دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد دو اختیار ہیں) خواہ یہ کہ رجعت کر کے عورت کو قاعدہ کے مطابق رکھ لے، خواہ (یہ کہ رجعت نہ کرے، عدت پوری ہونے دے، اور اس طرح) اچھے طریقے سے اس کو چھوڑ دے۔ اور تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ بیبیوں کو چھوڑنے کے وقت ان سے کچھ بھی لو اگرچہ وہ لیا ہوا اسی مال میں سے کیوں نہ ہو جو تم نے ہی مہر میں ان کو دیا تھا، ایک صورت البتہ حلال ہے، وہ یہ کہ کوئی میاں بیوی ایسے ہوں کہ دونوں کو خطرہ ہو کہ دربارۂ حقوق زوجیت وہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے، اگر تم کو (یعنی میاں بیوی کو) یہ خطرہ ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا، (اس مال کے لینے دینے میں) جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑائے، (بشرطیکہ مہر سے زیادہ نہ ہو) یہ سب احکام خدائی ضابطے ہیں، تم ان سے باہر نہ نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں (کو توڑ کر) باہر نکل جائے تو ایسے لوگ اپنا ہی نقصان کرنے والے ہیں، پھر اگر دو طلاقوں کے بعد کوئی تیسری طلاق بھی دے دے تو پھر وہ عورت اس تیسری طلاق دینے کے بعد اس شخص کے لیے حلال نہ ہوگی جب تک وہ اس خاوند کے سوا دوسرے شخص کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح نہ کرے، (اور حقوق زوجیت صحبت کے ادا نہ کرے) پھر اگر یہ دوسرا خاوند اس کو طلاق دیدے (اور اس کی عدت بھی گذر جائے) تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ دوبارہ آپس میں نکاح کر کے بدستور پھر مل جاویں، بشرطیکہ دونوں کو اپنے اوپر یہ اعتماد ہو کہ آئندہ خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے اور یہ خداوندی ضابطے ہیں، حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو دانشمند ہیں۔ اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دی ہو، پھر وہ اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو تم ان کو قاعدہ کے موافق (رجعت کر کے) نکاح میں رہنے دو، یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو، اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت روکو، اس ارادہ سے کہ ان پر ظلم کیا جائے، اور جو شخص ایسا برتاؤ کرے گا تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اور حق تعالیٰ کے احکام کو کھیل نہ بناؤ، اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو، اور خصوصاً کتاب وحکمت کی باتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر (اس حیثیت سے) نازل فرمائی ہیں کہ ان کے ذریعے تم کو نصیحت فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

www.toobaaelibrary.com

تلخیص معارف و مسائل

یہ چند آیتیں طلاق کے معاملہ میں اہم ضابطوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نکاح کی شرعی حیثیت

نکاح کی حیثیت محض ایک معاملہ اور معاہدہ کی نہیں ہے بلکہ باتفاق امت اس سے بالاتر ایک حیثیت عبادت وسنت کی رکھتا ہے، اسی لیے کچھ خاص شرائط بھی اس میں ضروری ہے۔

اول یہ کہ ہر مرد سے یا ہر عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا اس میں ایک مستقل قانون شرعی ہے، نیز نکاح میں گواہوں کا سامنے ہونا شرط ہے، بغیر گواہ کے شرعًا نکاح باطل اور کالعدم ہوتا ہے نیز اعلان مسنون ہے وغیرہ وغیرہ۔

طلاق: نکاح کے معاہدہ کو ختم کرنا طلاق ہے لیکن نکاح کی طرح اسے بھی آزاد نہیں رکھا ہے بلکہ ایک خاص حکیمانہ قانون ہے جس کا بیان آیات مذکورہ میں کیا گیا ہے، اسلامی تعلیمات کا اصل رخ یہ ہے کہ یہ معاہدہ عمر بھر کے لیے ہو کیونکہ طلاق کا اثر صرف فریقین پر نہیں پڑتا بلکہ نسلوں کی بربادی اور خاندانوں کی تباہی تک نوبت پہنچتی ہے، پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔

بہرحال ناموافقت کی صورت میں پہلے افہام وتفہیم کی، پھر زجرو تنبیہ کی، اور پھر بھی کام نہ چلے تو خاندان ہی کے چند افراد کو ثالث بنا کر معاملہ طے کرنے کی قرآن نے تعلیم دی دیکھئے سورۂ نساء آیت (۳۴، ۳۵) خاندان ہی کے افراد کی قید کس قدر حکیمانہ ہے، معاملہ خاندان سے باہر جانے کی صورت میں بات زیادہ بگڑ جانے کا خطرہ ہے۔

لیکن اصلاح حال کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں، اور طرفین کا مل کر رہنا عذاب بن جائے تو پھر تعلق کو ختم کر دینے ہی میں سلامتی رہ جاتی ہے اس لیے شریعت اسلام نے طلاق کا قانون بنایا، چونکہ مرد میں فکر وتدبر اور تحمل کا مادہ عورت سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ طلاق عند اللہ مبغوض اور بہت مکروہ ہے، مجبوری ہی میں اجازت ہے۔ لیکن عورت کو بھی اس حق سے بالکل محروم نہیں رکھا کہ وہ ظالم شوہر کے ظلم سہنے پر مجبور ہو جائے، اسے یہ حق ہے کہ شرعی عدالت میں معاملہ پیش کر کے شکایات کا ثبوت دے کر نکاح فسخ کر سکے یا طلاق حاصل کر سکے۔

دوسری پابندی یہ بھی لگائی کہ طلاق حالت غیظ وغضب میں نہ دی جائے، نیز حالت حیض میں ممنوع قرار دیا اور اس حالت طہر میں بھی جس میں صحبت ہو چکی ہو کیونکہ ان دونوں صورتوں میں عورت کی عدت

www.toobaaelibrary.com

طویل ہو جائے گی اس کو تکلیف ہوگی، ارشاد ہے فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ، کیونکہ جس حالت حیض میں طلاق ہوئی وہ عدت میں شمار نہ ہوگا، اس کے بعد طہر اور پھر طہر کے بعد حیض سے عدت شمار ہوگی، اور جس طہر میں ہم بستری ہو چکی ہے اس میں حمل کا امکان ہے تو عدت وضع حمل تک طویل ہو جائے گی، نیز یہ بھی حکمت ہے کہ اس وقفۂ انتظار میں ممکن ہے غصہ فرو ہو اور طلاق کا ارادہ ہی ختم ہو جائے۔

تیسری پابندی یہ ہے کہ بیع وشراء کے برخلاف معاملۂ نکاح کو قطع کرنے کے لیے اول تو تین درجے تین طلاقوں کی صورت میں رکھے گئے، پھر عدت کی پابندی کہ اس کے پورے ہونے تک معاملۂ نکاح کے بہت سے اثرات باقی رہیں گے، عورت کو دوسرا نکاح حلال نہ ہوگا مرد کے لیے بھی بعض پابندیاں باقی رہیں گی، چوتھی پابندی یہ ہے کہ ایک یا دو طلاقِ صریح دیتے ہی نکاح نہیں ٹوٹتا بلکہ عدت پوری ہونے تک باقی رہتا ہے اگر اس دوران میں طلاق سے رجوع کر لے تو نکاح سابق بحال ہو جائے گا، مگر تیسری طلاق میں رجوع کا اختیار نہیں کیونکہ اس میں عورت پر ظلم کا اندیشہ ہے، نیز یہ کہ اگر دوبارہ نکاح کرنے پر راضی ہو جائیں تو بغیر کسی دوسرے مرد سے نکاح کیے اور حقوق زوجیت ادا کیے دوبارہ آپس میں نکاح حلال نہیں یہ حدود شرعی سے تجاوز کرنے کی سزا ہے اب پھر زوج ثانی طلاق دے یا مر جائے تو بعد عدت پہلے شوہر سے نکاح ہو سکتا ہے۔

آیت: ۲۳۰: میں اسی نظام طلاق کے احکام مذکور ہیں۔

تیسری طلاق کے ذکر سے پہلے ایک اور مسئلہ بیان فرما دیا جو عموماً پیش آتا ہے وہ یہ کہ عورت کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر طلاق دینے کے لیے کچھ مال یا مہر کی معافی یا واپسی کا مطالبہ ہوتا ہے اسے حرام قرار دیا: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا ہاں اگر عورت بھی محسوس کرے کہ وہ حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکتی اور مرد بھی یہی سمجھے تو مہر کی معافی یا واپسی کے بدلے میں طلاق دینا جائز ہے۔

قرآن کے اسلوب بیان پر غور کیجئے اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" فرمایا، بجائے ثَلٰث کے اس تعبیر میں واضح اشارہ ہے کہ تیسری طلاق تک نہیں پہنچنا چاہیے چنانچہ امام مالکؒ اور بہت سے فقہاء اسے طلاق بدعت کہتے ہیں، اس کی اجازت نہیں دی ہے دوسرے فقہاء نے اسے مشروط کر رکھا ہے کہ الگ الگ تین طہروں میں تین طلاقیں دینی چاہیے۔ اسے طلاق سنت کے نام سے تعبیر تو کر دیا ہے (یعنی بدعت نہیں ہے) مگر یہ مطلب نہیں ہے کہ تطلیق ثلاثہ مسنون ومحبوب ہے بلکہ اسلوب قرآنی اور نسائی شریف

www.toobaaelibrary.com

کی روایت جو محمود ابن لبید سے ہے اس کا مبغوض و مکروہ ہونا ثابت ہے۔ (نسائی ج ۲ ص ۹۸)

مجبوراً طلاق کا احسن طریقہ یہ ہے کہ اس طہر میں جس میں مجامعت نہ ہوئی ہو ایک طلاق دی جائے، عدت گذر جانے کے بعد رشتۂ نکاح خود ٹوٹ جائے گا۔ حضرات صحابہؓ نے اسی کو بہتر طریق قرار دیا ہے (مصنف ابن ابی شیبہؒ عن ابراہیم نخعیؒ)

نیز مَرَّتٰنِ میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ دو طلاق بھی بیک دفعہ نہ ہوں، دو الگ الگ طہروں میں ہوں مَرَّتٰنِ کا لفظ ترتیب و تراخی کی طرف مشیر ہے (روح)۔

وتَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ، یہی تیسری طلاق ہے مطلب یہ ہے کہ جو کام انقطاع زوجیت کے لیے تیسری طلاق سے ہوتا وہی کام طرز عمل سے ہو جائے گا عدت کے اندر رجعت نہ کرے نیز جس طرح اِمْسَاكٌ کے ساتھ بِمَعْرُوْفٍ کی قید لگا کر حسن سلوک کے ساتھ روکا جائے اسی طرح تَسْرِيْحٌ کے ساتھ بھی بِاِحْسَانٍ کی قید لگا کر یہ ہدایت دے دی کہ معاملہ نکاح کو شرافت اور حسن سلوک کے ساتھ ختم کیا جائے رخصت کرتے وقت بیوی کو کچھ جوڑا کپڑے کا دے کر رخصت کریں مالی حیثیت کے مطابق۔

تین طلاق کا اثر

اگر کسی نے غیر مستحسن طریقہ سے تین طلاق دیدی تو اس کا اثر وہی ہوگا جو جائز طلاق کا ہوتا ہے، کسی فعل کا جرم و گناہ ہونا اس کے مؤثر ہونے میں کہیں بھی مانع نہیں ہوتا، پیغمبر علیہ السلام کا فیصلہ اس پر شاہد ہے کہ آپ نے تین طلاقوں کو نافذ فرمایا، اسے طلاق رجعی قرار نہیں دیا، نسائی کی روایت جو محمود بن لبید سے ہے اوپر گذری، اسی طرح حضرت عویمر العجلانی کی حدیث میں ہے (تہذیب سنن ابی داؤد مطبوعہ مصر ج ۳ ص ۱۲۹) صحیح بخاری عن عائشہؓ ج ۲ ص ۷۹۱ مسلم ص ۴۹۳، اس موضوع کی تفصیلات کے لیے دیکھئے مولانا سرفراز صفدر کی کتاب عمدۃ الاثاث)

حضرت فاروق اعظمؓ کا واقعہ اور اس پر اشکال و جواب

مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۷ میں مذکور ہے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں طلاق کا یہ طریقہ تھا کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ جلدی کرنے لگے ہیں ایک ایسے معاملہ میں جس میں ان کے لیے مہلت تھی، تو مناسب رہے گا کہ ہم اس کو ان پر نافذ کردیں، تو آپ نے ان پر نافذ کردیا۔

www.toobaaelibrary.com

فاروق اعظمؓ کا یہ اعلان فقہائے صحابہؓ کے مشورہ سے صحابہ اور تابعین کے مجمع عام میں ہوا، کسی سے اس پر انکار یا تردد منقول نہیں، حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانے میں یہ محسوس کیا کہ اب صدق و دیانت کا معیار گھٹ رہا ہے اور آئندہ حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق اور گھٹ جائے گا، نیز دوسری طرف ایسے واقعات کی کثرت ہوگئی کہ تین مرتبہ الفاظ طلاق کہنے والے اپنی نیت صرف ایک طلاق کی بیان کرنے لگے اس لیے یہ قانون بنا دیا کہ اب جو شخص تین مرتبہ لفظ طلاق کا تکرار کرے گا اس کی تین ہی طلاقیں قرار دی جائیں گی حضرت فاروق اعظمؓ کے الفاظ بھی اس پر شاہد ہیں ان الناس قد استعجلوا فی امرٍ کانت لهم فيه اناة فلو امضينا عليهم "یعنی لوگ جلدی کرنے لگے ہیں ایک ایسے امر میں جس میں ان کے لیے مہلت تھی تو مناسب رہے گا کہ ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں" اس فرمان فاروقی پر اجماع صحابہ کی تصدیق روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ایسی طلاق جو تین کے لفظ دی گئی یا تکرار طلاق تین کی نیت سے کہا گیا اس میں عہد رسالت میں بھی تین ہی قرار دی جاتی تھیں ایک قرار دینے کا تعلق ایسی طلاق سے ہے، جس میں ثلاث کی تصریح نہ ہو یا تین طلاق دینے کا اقرار نہ ہو بلکہ تین بطور تاکید کے کہنے کا دعویٰ ہو۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے پیغمبر علیہ السلام کی دی ہوئی سہولت کے بیجا استعمال سے روکا ہے، معاذ اللہ آپ کے کسی فیصلہ کے خلاف کا یہاں کوئی شائبہ نہیں۔

آیت ۲۳۱: رجعت یا انقطاع نکاح دونوں اختیاروں کے ساتھ قرآن میں لفظ بِالْمَعْرُوْفِ سے یہ قید لگا دی کہ رجعت یا انقطاع جس کو بھی اختیار کرے شرعی قاعدے کے موافق کرے، مثلاً رجعت کا خیال ہو جائے تو پچھلے غصہ کو دل سے نکال کر حسن معاشرت اور ادائے گی حقوق کا خیال پیش نظر ہو، عورت کو اپنی قید میں رکھ کر ستانا مقصود نہ ہو وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا دوسرے قاعدۂ رجعت کا ذکر سورۂ طلاق میں ہے "وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ، وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ" یعنی اور آپس میں دو معتبر شخصوں کو گواہ کر لو، پھر اگر گواہی کی حاجت پڑے تو اللہ کے واسطے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔ آئندہ اختلاف کی صورت میں یہ گواہی کام دے گی۔

نیز اگر انقطاع ہی کا فیصلہ ہو تو اسے بھی قاعدہ کے مطابق کریں، اس میں مطلقہ بیوی کے کچھ حقوق تو واجبہ ہیں مثلاً ایام عدت میں اس کو اپنے گھر میں رہنے دے، اس کا پورا خرچ برداشت کرے، قاعدہ کے مطابق مہر ادا کرے، اور کچھ حقوق بطور احسان و سلوک کے ہیں، مثلاً مطلقہ کو رخصت کرتے

www.toobaaelibrary.com

وقت کچھ نقد یا کم از کم ایک جوڑا دے کر رخصت کیا جائے۔

• سبحان اللہ کیا پاکیزہ تعلیم ہے کہ اسباب نزاع و جنگ کو دائمی محبت و مسرت میں بدل دیا گیا۔

قرآن حکیم کا اسلوب، عام دنیاوی قوانین کی طرح تعزیراتی نہیں ہے بلکہ حکیمانہ اور مربیانہ انداز بیان ہے کہ قانون کے پیچھے خوف خدا اور آخرت کا حساب یاد دلایا جاتا ہے کہ کوئی انسان جو انسانیت کے جامے سے باہر نہ ہوا ان جرائم کا اقدام کر ہی نہیں سکتا۔

وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا: اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ متعلقہ حدود و شرائط کی خلاف ورزی کرنا، دوسری تفسیر یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ طلاق دے کر یا غلام آزاد کر کے مکر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے تو مذاقاً کہہ دیا تھا، میری نیت یہ نہ تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نکاح وطلاق (ایسے ہی عتاق بھی) کھیل اور مذاق میں بھی نافذ ہو جائیں گے نیت نہ کرنے کا عذر مسموع نہ ہوگا۔ (حضرت ابوالدرداءؓ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے "ثلاث جدھن جدّ وھزلھن جدّ" یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن کو قصد وارادہ سے کہنا اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا دونوں برابر ہے، ایک نکاح، دوسرے طلاق تیسری رجعت۔ (مظہری)

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞
وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ
رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا
مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا
يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ
فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ
خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا
مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ

www.toobaaelibrary.com

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

ترجمہ خلاصۂ تفسیر اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو اور عورتیں اپنی میعادِ عدت پوری کر چکیں تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے (تجویز کئے ہوئے) شوہروں سے نکاح کرلیں، جب کہ باہم سب رضامند ہوجائیں قاعدہ کے موافق، اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور یومِ قیامت پر یقین رکھتا ہو اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لیے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے، اور اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں کو) جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔ اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں (یہ مدت اس کے لیے ہے) جو شیرخوارگی کی تکمیل کرنا چاہے، اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا کپڑا قاعدہ کے موافق، اور کسی شخص کو کوئی حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق، کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہئے اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ کسی کے باپ کو تکلیف دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور (اگر باپ زندہ نہ ہو تو مثل طریق مذکور کے بچے کی پرورش کا انتظام) اس کے محرم قرابت دار کے ذمہ ہے (جو شرعاً بچے کا وارث ہونے کا حق رکھتا ہے) پھر یہ سمجھ لو کہ اگر دونوں ماں اور باپ دو سال سے کم میں دودھ چھڑانا چاہیں باہمی رضامندی اور مشورے سے تو بھی ان دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم لوگ (ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی کسی مصلحت ضرور یہ سے مثلاً یہ کہ ماں کا دودھ اچھا نہیں بچے کو ضرر ہوگا) اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، جبکہ ان کے حوالے کردو جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے، قاعدہ کے موافق اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں،

شوہر کی وفات ہونے کی صورت میں عدّت کا بیان

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (الیٰ قولہ) وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. اور جو لوگ تم میں وفات پاجاتے ہیں، اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی (عدت کی) میعاد ختم کرلیں تو تم کو (بھی) کچھ گناہ نہ ہوگا، ایسی بات (کے جائز رکھنے) میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لیے کچھ کاروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق ۔۔۔ اگر کوئی بات خلاف قاعدہ شرع کے کریں اور تم باوجود روک سکنے کے نہ روکو تو تم بھی شریک گناہ

www.toobaaelibrary.com

ہو گے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں، اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہو گا جو ان مذکورہ عورتوں کو (جو عدت وفات میں ہیں) پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہہ دو (مثلاً یہ کہ مجھ کو ایک نیک عورت سے نکاح کی ضرورت ہے) یا اپنے دل میں (آئندہ نکاح کرنے کے ارادہ کو) پوشیدہ رکھو (جب بھی گناہ نہیں اور وجہ اس اجازت کی یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا (ضرور) ذکر مذکور کرو گے (سو خیر ذکر مذکور کرو) لیکن ان سے (صاف لفظوں میں) نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو (تو مضائقہ نہیں، اور وہ بات قاعدہ کے مطابق یہی ہے کہ اشارۃً کہو) اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو، یہاں تک کہ عدت اپنے مقررہ وقت پر ختم ہو جائے، اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ کو اطلاع ہے تمہارے دلوں کی بات کی سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو (اور ناجائز امر کا دل میں ارادہ بھی مت کیا کرو) اور (یہ بھی) یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں اور حلیم بھی ہیں۔

تلخیص معارف و مسائل

آیت ۲۳۲: اس کا شان نزول حضرت معقل بن یسارؓ نے اپنی بہن کی شادی ایک شخص سے کر دی تھی، اس نے طلاق دے دی اور عدت بھی گذر گئی اس کے بعد یہ شخص اپنے فعل پر پشیماں ہو کر دوبارہ نکاح کر لینا چاہا، بیوی بھی اس پر آمادہ ہو گئی، لیکن جب اس شخص نے معقل سے ذکر کیا، انہیں غصہ تھا، کہا کہ میں نے تمہارا اعزاز کیا اپنی بہن تمہارے نکاح میں دیدی تم نے اس کی یہ قدر کی کہ اس کو طلاق دیدی، اب پھر تم میرے پاس آئے ہو کہ دوبارہ نکاح کروں، خدا کی قسم اب وہ تمہارے نکاح میں نہ لوٹے گی۔ (بخاری شریف) اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت جابر بن عبداللہ کی چچازاد بہن کا پیش آیا تھا ان واقعات پر آیت مذکورہ نازل ہوئی جس میں معقلؓ و جابرؓ کے اس رویہ کو ناپسند و ناجائز قرار دیا گیا صحابہ کرام اللہ اور اس کے رسولؐ کے سچے عاشق تھے، یہ سنتے ہی سارا غصہ ٹھنڈا ہو گا اور خود جا کر اس شخص سے بہن کا نکاح کر دیا اور قسم کا کفارہ ادا کیا، اس آیت کے خطاب میں طلاق دینے والے شوہر بھی داخل ہیں اور لڑکی کے اولیا بھی۔ اس میں اِذَا تَرَاضَوْا کی شرط ہے یعنی زور زبردستی نہ ہو ورنہ سب کو روکنے کا حق ہے، اور باہمی رضامندی بھی قاعدہ شرعی کے موافق ہو یعنی بلا نکاح نہ ہو، یا تین طلاقوں کے بعد ناجائز طور پر آپس میں

www.toobaaelibrary.com

نکاح نہ کرلیں۔ یا نکاح ثانی ایامِ عدت میں نہ ہو۔ اگر ایسی کوئی بات ہو تو ہر مسلمان کو حسب استطاعت روکنے کا حق ہی نہیں بلکہ واجب ہے، خلاصہ کہ وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ کا مطلب یہ ہے کہ بلاوجہ شرعی روکنا حرام ہے، اسی طرح غیر کفو میں نکاح کرنا چاہے یا مہر مثل سے کم پر جس کا اثر خاندان پر پڑتا ہے تو یہ رضامندی بھی قاعدہ شرعی کے خلاف ہے۔ نیز عاقلہ بالغہ کا نکاح بغیر اس کی رضا کے جائز نہیں۔

جو لوگ احکام شرعیہ کے اتباع میں کوتاہی کرتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ ان کے ایمان میں خلل ہے۔ نیز خلاف ورزی کا نتیجہ گناہوں کی غلاظت میں آلودگی اور فتنہ و فساد ہوگا اور دنیا و آخرت دونوں میں اس کا وبال ہوگا ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَكُمۡ وَاَطۡهَرُ۔ اور ان احکام کے مصالح کا علم تمہیں نہیں صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

یعنی تم جو مصالح اور فوائد سوچتے ہو، اپنی عزت و غیرت کو لیے پھرتے ہو، اگر یہ مطلقہ عورتیں بے قابو ہو گئیں تو ساری عزت خاک میں مل جائے گی اور ممکن ہے ایسے فتنے سر اٹھائیں کہ مال کے ساتھ جان کے بھی لالے پڑ جائیں۔

جیسا کہ اوپر گذرا، قرآن ساری دنیا اور قیامت تک کے لیے اور ہر شعبۂ زندگی کے لیے ایک مکمل نظام حیات ہے، اس میں حدود و تعزیرات کا بیان ہے مگر اس کا اسلوب اور ادا دنیا کے قانون کی کتابوں سے نرالی ہے، اس کا طرز بیان بجائے حاکمانہ کے حکیمانہ اور مربیانہ ہے، ہر قانون اور حکم کے آگے پیچھے ایسے جملے مذکور ہوتے ہیں کہ اس کو دیکھنے سننے کے بعد انسان اس کی پابندی صرف اس خیال سے نہیں کرتا کہ دنیا میں اس کی سزا ملے گی بلکہ اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور آخرت کی سزا کی فکر ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اس لیے اس کی جلوت و خلوت یکساں ہو جاتی ہے۔

آیت: ۲۳۳: عموماً طلاق کے بعد بچوں کی پرورش اور دودھ پلانے کے معاملات زیر نزاع آجاتے ہیں اس لیے اس آیت میں ایسے معتدل احکام بیان فرما دیے گئے جو عورت و مرد دونوں کے لیے مناسب ہیں۔

مسائل: (۱) جب تک عورت نکاح میں ہے بچہ کو دودھ پلانا دیانۃً ماں کے ذمہ واجب ہے، بلا عذر، کسی ضد کی وجہ سے دودھ نہ پلائے تو گنہگار ہوگی، اور دودھ پلانے پر شوہر سے کوئی اجرت و معاوضہ نہیں لے سکتی۔ (۲) مدت رضاعت دو سال ہے، یہ بچے کا حق ہے، یہ مدت پوری کی جائے الآیہ کہ کوئی خاص عذر مانع ہو۔ بعض آیات و احادیث کی بناء پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ مدت ڈھائی سال تک ہے، ان ایام میں احکام رضاعت ثابت ہو جائیں گے، ڈھائی سال کے بعد دودھ پلانا با تفاق

www.toobaaelibrary.com

حرام ہے (۳) ماں کا نان نفقہ اور ضروریات زندگی باپ کے ذمہ ہے جب تک ماں نکاح، یا عدت میں ہے، اور طلاق اور عدت پوری ہو جانے کے بعد نفقہ زوجیت تو ختم ہو جائے گا مگر دودھ پلانے کا معاوضہ پھر بھی باپ کے ذمہ لازم رہے گا (مظہری)

لفظ مَوْلُوْدٌ لَهٗ بجائے والد کے لفظ مَوْلُوْدٌ لَهٗ کا اختیار بھی قرآنِ کا خاص اسلوب اور طرز بیان ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ بچے کی تولید میں اگرچہ والدین کی ضرور شرکت ہے مگر بچہ باپ ہی کا کہلاتا ہے اور نسب بھی باپ ہی سے چلتا ہے، جب بچہ اس کا ہوا تو خرچ کی ذمہ داری بھی اس کو بھاری نہ معلوم ہونی چاہئے۔

نفقہ کس کی حیثیت کا ہونا چاہئے؟ یہ تو متفق علیہ ہے کہ زوجین امیر ہوں ہو تو نفقہ امیرانہ واجب ہوگا اور دونوں غریب ہوں تو غریبانہ واجب ہوگا، دونوں کے مالی حالات مختلف ہوں تو اس صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے، صاحب ہدایہ کا فتوی خصاف کے قول پر یہ ہے کہ عورت غریب اور مرد امیر ہو تو نفقہ درمیانی حیثیت کا ہوگا۔ اور کرخیؒ کے نزدیک شوہر کے حال کا اعتبار ہوگا۔ فتح القدیر میں بہت سے فقہاء کا اس پر فتوی نقل کیا ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۲۲)

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ الخ یعنی بچے کے ماں باپ دودھ پلانے کے معاملے میں باہم ضد اضدی نہ کریں ایک دوسرے کو تکلیف میں ڈالنا جائز نہیں نیز ماں اگر کسی ضرورت کی وجہ سے انکار کرے تو باپ کو مجبور کرنا جائز نہیں، لیکن اگر بچہ کسی دوسری عورت یا جانور کا دودھ نہیں لیتا تو ماں کو مجبور کیا جائے گا یہ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ سے معلوم ہوا۔

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ: یتیم بچے کے دودھ پلوانے کی ذمہ داری اس شخص پر ہے جو بچے کا جائز وارث اور محرم ہو اگر ایسے متعدد وارث ہوں تو ہر ایک پر بقدر میراث یہ ذمہ داری عائد ہوگی، یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ نابالغ بچے کا خرچہ دودھ چھڑانے کے بعد بھی وارثوں پر ہوگا کیونکہ مقصود بچے کا گذارہ ہے، مثلاً ماں اور دادا زندہ ہیں تو ایک تہائی خرچہ ماں کے ذمہ اور دو تہائی دادا کے ذمہ ہوگا۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا: اس میں باہمی مشورے اور رضامندی کی شرط بچے کی مصلحت کے پیش نظر لگائی کہ باہمی جھگڑے کا تختۂ مشق بچے کو نہ بنائیں، ماں کی رضا کے باوجود اگر ماں کا دودھ بچے کے لیے مضر ہو تو کسی انا سے دودھ پلوانا جائز ہے، بشرطیکہ اجرت صفائی سے طے کر کے وقت مقررہ پر سپرد

www.toobaaelibrary.com

بھی کر دیا جائے، ٹال مٹول نہ کی جائے۔

آیت: ۲۳۴-۲۳۵: عدت کے بعض احکام

(۱) جس کا شوہر مر جائے اس عورت کو عدت کے اندر خوشبو لگانا سنگھار کرنا، رنگین کپڑا پہننا درست نہیں۔ نکاح ثانی کیے لیے صریح گفتگو بھی اور دوسرے کے گھر میں رات گذارنا بھی درست نہیں مطلقہ بائنہ کو سخت مجبوری کے بغیر اپنے گھر سے دن کو بھی نکلنا درست نہیں۔

(۲) اگر شوہر کی وفات چاندرات کو ہوئی تو عدت کے مہینے چاند ہی کے حساب سے پورے کیے جاویں گے، البتہ اگر چاندرات کے بعد وفات ہوئی ہے تو یہ سب مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کیے جائیں گے، پس کل ایک سو تیس دن پورے کریں گے۔ اور جس وقت وفات ہوئی جب یہ مدت گذر کر وہی وقت آوے گا عدت ختم ہو جائے گی۔

فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ، قاعدے کے موافق سے یہ مراد ہے کہ تجویز شدہ نکاح شرعاً صحیح اور جائز ہو، تمام شرائط حلت موجود ہوں۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ
وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ
فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ
تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ حَافِظُوا
عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا
أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ
أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ
بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

ترجمہ خلاصہ تفسیر

طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر کے وجوب اور عدم وجوب کا بیان

طلاق قبل الدخول کے معنی یہ ہیں کہ زوجین میں یک جائی اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق کی

www.toobaaelibrary.com

نوبت آجائے، اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو اس نکاح کے وقت مہر مقرر کی مقدار متعین نہیں کی گئی، یا مقدار مہر متعین کردی گئی، پہلی... صورت کا حکم اولاً مذکور ہے۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ (الیٰ قوله) حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ یعنی تم پر (مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہے، (سو اس صورت میں مہر اپنے ذمہ مت سمجھو) اور (صرف) ان کو (ایک) فائدہ پہنچاؤ، صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے، اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے، ایک خاص قسم کا فائدہ پہنچانا جو قاعدہ کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر (یعنی سب مسلمانوں پر، کیونکہ خوش معاملگی کا بھی سب ہی کو حکم ہے، مراد اس سے ایک جوڑا کپڑوں کا دینا ہے) اور دوسری صورت کا حکم یہ ہے: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ (الیٰ قوله) اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. اور اگر تم ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ، اور ان کے لیے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو (اس صورت میں) جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف (واجب) ہے، (اور نصف معاف) مگر (دو صورتیں اس مجموعی حکم سے مستثنیٰ ہیں، ایک صورت تو) یہ کہ وہ عورتیں (اپنا نصف) بھی معاف کر دیں (تو اس صورت میں نصف بھی واجب نہ رہا) یا (دوسری صورت) یہ (ہے) کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق (رکھنا اور توڑنا) ہے (یعنی خاوند پورا مہر ہی اس کو دیدے تو اس صورت میں خاوند کی مرضی سے پورا ہی مہر ادا کرنا ہوگا) اور (اے اہل حق) تمہارا (اپنے حقوق کو) معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (کیونکہ معاف کرنے سے ثواب ملتا ہے، اور ثواب کا کام کرنا ظاہر ہے کہ تقویٰ کی بات ہے) اور آپس میں احسان (اور رعایت) کرنے سے غفلت مت کرو۔ (بلکہ ہر شخص دوسرے کے ساتھ رعایت کرنے کا خیال رکھا کرے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں (تو تم اگر کسی کیساتھ رعایت و احسان کرو گے اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر تم کو دیں گے) (بیان القرآن)

نمازوں کی حفاظت کا بیان

اس سے آگے پیچھے طلاق وغیرہ کے احکام ہیں، درمیان میں نماز کے احکام بیان فرمانا اشارہ اس طرف ہے کہ مقصود اصلی توجہ الی الحق ہے، اور معاشرت اور معاملات کے احکام سے، علاوہ اور مصلحتوں کے اس توجہ کی حفاظت اور ترقی بھی مقصود ہے، چنانچہ جب ان کو خدائی احکام سمجھ کر عمل کیا جاوے گا تو توجہ

www.toobaaelibrary.com

لازم ہوگی، پھر یہ کہ ان احکام میں ادائے حقوق عباد بھی ہے اور حقوق عباد کے اتلاف سے درگاہ الٰہی سے دوری ہوتی ہے، اس کے لوازم میں سے حق و عبد دونوں کی طرف سے بے توجہی ہے، چونکہ نماز میں یہ توجہ زیادہ ظاہر ہے اسلئے اس کے درمیان میں لانے سے اس توجہ کے مقصود ہونے پر زیادہ دلالت ہو گی، تا کہ بندہ اس توجہ کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلٰوتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (الی قوله) مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز (یعنی عصر) کی (خصوصاً) اور (نماز میں) کھڑے ہوا کرو، اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے، پھر اگر تم کو (باقاعدہ نماز پڑھنے میں کسی دشمن وغیرہ کا) اندیشہ ہو، تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے (جس طرح بن سکے خواہ قبلہ کی طرف بھی منہ ہو یا نہ ہو اور رکوع و سجود صرف اشارہ ہی سے ممکن ہو) پڑھ لیا کرو (اس حالت میں بھی اس پر محافظت رکھو اس کو ترک مت کرو) پھر جب تم کو (بالکل) اطمینان ہو جاوے (اور اندیشہ جاتا رہے) تو تم خدا تعالیٰ کی یاد (یعنی ادائے نماز) اس طریق سے کرو جو تم کو (اطمینان کی حالت میں) سکھلایا ہے جس کو تم (پہلے سے) نہ جانتے تھے۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (الی قوله) وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو (ان کے ذمہ لازم ہے کہ) وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیبیوں کے واسطے ایک سال تک (نان ونفقہ اور گھر میں سکونت رکھنے سے) منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں، ہاں اگر (چار مہینے دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد عدت گذار کر) خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں، اس قاعدہ کی بات میں جس کو وہ اپنے بارے میں (تجویز) کریں (جیسے نکاح وغیرہ) اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (ان کے خلاف حکم مت کرو) اور حکمت والے ہیں (کہ تمام احکام میں تمہاری مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں گو تمہاری فہم میں نہ آسکیں) وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ (الی قوله) لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ. اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا (کسی درجہ میں مقرر ہے) قاعدہ کے موافق (اور یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک وکفر سے) پرہیز کرتے ہیں (یعنی مسلمانوں پر خواہ یہ مقرر ہونا وجوب کے درجہ میں ہو یا استحباب کے مرتبہ میں) اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے (عمل کرنے کے) لیے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں اس توقع پر کہ تم (ان کو) سمجھو، (اور عمل کرو)؛

تلخیص معارف و مسائل

آیت: ۲۳۶-۲۳۷: طلاق کی، مہر اور صحبت کے لحاظ سے چار صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) ایک یہ کہ نہ مہر مقرر

www.toobaaelibrary.com

ہو نہ خلوت و صحبت ہوئی ہو (۲) دوسرے یہ کہ مہر تو مقرر ہو مگر خلوت و صحبت کی نوبت نہ آئے، اس آیت میں ان دونوں صورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے، پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ مہر تو کچھ واجب نہیں مگر شوہر پر واجب ہے کہ اپنے پاس سے عورت کو کچھ دیدے، کم از کم یہی کہ ایک جوڑا کپڑے کا دیدے، (ابن عباسؓ، قرطبی) قرآن نے اس عطیہ کی کوئی مقدار متعین نہیں کی مگر یہ بتلادیا کہ مالدار کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہئے، حضرت حسنؓ نے بیس ہزار کا اور قاضی شریحؒ نے پانچ سو درہم کا عطیہ دیا تھا۔

دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ مہر مقرر کا نصف مرد کے ذمہ واجب ہوگا، البتہ اگر عورت معاف کر دے یا مرد پورا دیدے تو اختیاری بات ہے، مرد کے پورا مہر دینے کو بھی معاف کرنے کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا کہ عرب کی عام عادت مہر معجّل کی تھی، بایں صورت نصف واپس لینے کا حقدار ہو گیا، اب اگر رعایتاً نصف واپس نہ لے تو یہ بھی معاف ہی کرنا ہے، اور اس عفو کو افضل اور اقرب الی التقویٰ قرار دیا گیا، کیونکہ یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ طلاق بھی احسان اور حسن سلوک کے ساتھ ہوا جو مقصد شریعت اور ثواب عظیم کا باعث ہے۔

آیت: ۲۳۸-۲۳۹: صلوٰۃ وسطیٰ سے نماز عصر مراد ہے کیونکہ اس کے دونوں طرف دن و رات کی دو، دو نمازیں، ہیں اس کی خصوصیت سے تاکید، اس لیے ہے کہ یہ وقت کام کی مصروفیت کا ہوتا ہے، قٰنِتِیْنَ کی تفسیر حدیث میں سکوت سے آئی ہے، پہلے نماز میں بات کرنا درست تھا اسی آیت سے ممانعت ہوئی ہے۔ نماز کھڑے کھڑے اشارہ سے صحیح ہوگی جب کہ ایک جگہ کھڑا ہو سکے، چلنے سے نماز نہیں ہوگی، یہ ممکن نہ ہو تو نماز قضا کر دی جائے۔

آیت: ۲۴۰: زمانہ جاہلیت میں وفات زوج کی عدت ایک سال تھی، اسلام نے چار ماہ دس دن مقرر کیے مگر اس میں عورت کی اتنی رعایت رکھی گئی تھی کہ چونکہ اس وقت تک میراث کا حکم نازل نہ ہوا تھا بلکہ اوروں کے حق کا مدار صرف مردے کی وصیت پر تھا، اس لیے یہ حکم ہو گیا تا کہ اگر عورت اپنی مصلحت سے خاوند کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو سال بھر تک اس کو رہنے کا حق حاصل ہے اور اسی کے ترکہ سے اس مدت میں اس کو نان نفقہ بھی دیا جائے، اس آیت میں اسی کا بیان ہے اور شوہروں کو اس طرح کی وصیت کر جانے کا حکم ہے۔ اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا، اب یہ خود سے چاہے تو اس کے گھر نہ رہے اور اپنا حق وراثہ کو چھوڑ دے، بشرطیکہ عدت پوری ہو چکی ہو اور نکاح وغیرہ سب درست تھا قاعدہ کی بات سے یہی مراد ہے۔

پھر جب آیت میراث نازل ہوئی گھر بار سب ترکہ میں سے عورت کا حق مل گیا سوا اپنے حصہ

www.toobaaelibrary.com

میں رہے اور اپنے حصہ سے خرچ کرے، یہ آیت منسوخ ہوگئی۔

آیت: ۲۴۱: مہر سے متعلق دو صورتوں کا حکم اوپر گذرا، تیسری اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ مہر بھی مقرر ہو اور صحبت بھی ہوئی تو پورا مقرر مہر دینا ہوگا، اور چوتھی صورت یہ کہ مہر مقرر نہ ہوا ہو اور صحبت ہوئی تو مہر مثل دینا واجب ہوگا۔

یہ متاع بمعنی مطلق فائدہ پہنچانا اس تفصیل سے تو واجب ہے اور اگر متاع سے مراد خاص فائدہ یعنی جوڑا دینا ہی لیا جائے تو ایک مطلقہ کو تو دینا واجب ہے، جس کا ذکر ما قبل میں گذر چکا ہے اور باقی سب اقسام میں مستحب ہے، اور اگر متاع سے مراد نفقہ لیا جاوے تو جس طلاق میں عدت ہے اس میں عدت گذرنے تک واجب ہے۔ خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن، غرض آیت اپنے عام الفاظ سے سب صورتوں کو شامل ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۔ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۔ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى ۔ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۔ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۔ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۔ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۔ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ خلاصہ تفسیر

(اے مخاطب) کیا تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لیے سو اللہ نے ان کے لیے (حکم) فرمادیا کہ مر جاؤ (سب مر گئے) پھر ان کو جلادیا، بے شک اللہ تعالیٰ

www.toobaaelibrary.com

بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں (کے حال) پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (اور اس واقعہ پر غور کرکے) اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے جاننے والے ہیں (جہاد کرنے اور نہ کرنے والوں کی باتیں سنتے اور ہر ایک کی نیت جانتے ہیں، اور سب کو مناسب جزا دیں گے)

جہاد وغیرہ کارِ خیر میں انفاق کی ترغیب

کون شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا (یعنی اخلاص کے ساتھ) پھر اللہ تعالیٰ اس (قرض کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے حصے کردے وے اور (اس کا اندیشہ مت کرو کہ خرچ کرنے سے مال کم ہوجائے گا، کیونکہ یہ تو) اللہ (ہی کے قبضہ میں ہے وہی) کمی کرتے ہیں اور (وہی) فراخی کرتے ہیں (کچھ خرچ کرنے نہ کرنے پر اس کا اصلی مدار نہیں) اور تم اسی کی طرف (بعد مرنے کے) لے جائے جاؤ گے (سو اس وقت نیک کام میں خرچ کرنے کی جزاء اور واجب موقع پر خرچ نہ کرنے کی سزا تم کو ملے گی)

طالوت اور جالوت کا قصہ

(اے مخاطب) کیا تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے، تحقیق نہیں ہوا، (جس سے پہلے ان پر کافر جالوت غالب آچکا تھا، اور ان کے کئی صوبے دبا لیے تھے) جب کہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کردیجئے کہ ہم (اس کے ساتھ ہوکر) اللہ کی راہ میں (جالوت سے) قتال کریں، اس پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے کہ تم (اس وقت) جہاد نہ کرو، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کونسا سبب ہوگا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں، حالانکہ (جہاد کے لیے ایک محرک بھی ہے، وہ یہ کہ) ہم (ان کافروں کے ہاتھوں) اپنی بستیوں اور اپنے فرزندوں سے بھی جدا کردیئے گئے ہیں (کیونکہ ان کی بعض بستیاں بھی کافروں نے دبالی تھیں اور ان کی اولاد کو بھی قید کرلیا گیا تھا) پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو باستثناء ایک قلیل مقدار کے (باقی) سب پھر گئے (جیسا کہ آگے جہاد کی غرض سے بادشاہ کے مقرر ہونے کا اور ان لوگوں کے پھر جانے کا تفصیلاً بیان آتا ہے) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو (یعنی خلاف حکم کرنے والوں کو) خوب جانتے ہیں، (سب کو مناسب سزا دیں گے) اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا، کہنے لگے انکو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہوسکتا ہے، حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں، اور ان کو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی،

www.toobaaelibrary.com

(کیونکہ طالوت غریب آدمی تھے) ان پیغمبر نے (جواب میں) فرمایا کہ (اول تو) اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلے میں ان کو منتخب فرمایا ہے (اور انتخاب کی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں) اور (دوسرے) علم (سیاست و حکمرانی) اور جسامت میں اس کو زیادتی دی ہے (اور بادشاہ ہونے کے لیے اس علم کی زیادہ ضرورت ہے، تا کہ ملکی انتظام پر قادر ہو اور جسامت بھی بایں معنی ہے کہ موافق ومخالف کے قلب میں وقعت وہیبت ہو) اور (تیسرے) اللہ تعالیٰ ... (مالک الملک ہیں) اپنا ملک جس کو چاہیں دیں (ان سے کوئی سوال کا منصب نہیں رکھتا) اور (چوتھے) اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں (ان کو مال دینا کیا مشکل ہے، جس اعتبار سے تم کو شبہ ہوا اور) جاننے والے ہیں (کہ کون لیاقت سلطنت کی رکھتا ہے) اور (جب ان لوگوں نے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر کوئی ظاہری حجت بھی ان کی منجانب اللہ بادشاہ ہونے کی ہم مشاہدہ کرلیں تو اور زیادہ اطمینان ہو جائے) اس وقت ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے (من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (بدون تمہارے لائے ہوئے) آجاوے گا جس میں تسکین (اور برکت) کی چیز ہے، تمہارے رب کی طرف سے (یعنی تورات، اور تورات کا منجانب اللہ ہونا ظاہر ہے) اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں (یعنی ان حضرات کے کچھ ملبوسات وغیرہ، غرض) اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے اس (طرح کے صندوق کے آجانے) میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۲۴۳-۲۴۴: میں بڑے بلیغ انداز میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان ومال کی قربانی پیش کرنے کی ہدایت ہے کہ بیان احکام سے پہلے ایک اہم تاریخی واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ موت وحیات تقدیر الٰہی کے تابع ہے، جنگ وجہاد میں جانا موت کا سبب نہیں اور بزدلی سے جان چھڑانا موت سے بچنے کا ذریعہ نہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ بنی اسرائیل کی تقریباً دس ہزار کی کوئی جماعت ایک شہر میں بستی تھی وہاں کوئی سخت وبا طاعون وغیرہ پھیلا یہ سب موت کے خوف سے گھبرا کر شہر چھوڑ کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان میں مقیم ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان پر اور دنیا کی دوسری قوموں پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ موت سے مفر نہیں، دو فرشتے بھیج دیے جو میدان کے دونوں سروں پر آکھڑے ہوئے اور کوئی ایسی

www.toobaaelibrary.com

آواز دی جس سے سب کے سب مر گئے، آس پاس کے لوگوں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، یہاں پہنچے ہزار انسانوں کے کفن دفن کا انتظام آسان نہ تھا اس لیے ان کے لیے ایک احاطہ کھینچ کر حظیرہ جیسا بنا دیا، ان کی لاشیں حسب دستور گل سڑ گئیں ہڈیاں پڑی رہ گئیں ایک زمانہ دراز کے بعد بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حزقیل اس مقام پر گذرے اس حظیرہ میں جگہ جگہ انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے بکھرے ہوئے دیکھ کر حیرت میں رہ گئے، بذریعہ وحی پورا واقعہ بتلا دیا گیا۔ حضرت حزقیل علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ انہیں پھر زندہ فرما دے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں حکم ہوا کہ ان شکستہ ہڈیوں کو اس طرح خطاب فرمائیں: ''ایتھا العظام البالیه انّ اللّٰه یامرك ان تجتمعی ''یعنی اے پرانی ہڈیو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ہر جوڑ کی ہڈی اپنی جگہ جمع ہو جائے'' پیغمبر کی زبان سے اللہ کا حکم سن کر ان ہڈیوں نے تعمیل کی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کا مطیع ہے ارشاد ربانی ہے اَعْطیٰ كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر اس کو اس کے مناسب حال ہدایت فرمائی، بہرحال پھر حکم ہوا کہ اب ان کو یہ آواز دو: ایتھا العظام انّ اللّٰه یامرك ان تکتسی لحما وعصبا وجلدا، یعنی اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنا گوشت، پٹھے اور کھال پہن کر درست کر لو'' یہ کہنا تھا کہ ہڈیوں کا ہر ڈھانچہ دیکھتے دیکھتے ایک مکمل لاش بن گئی پھر حکم ہوا کہ اب ارواح کو یہ خطاب کیا جائے'' ایتھا الارواح ان اللّٰه یامرك ان ترجع کلّ روح الی الجسد الّذی کانت تعمره، یعنی اے ارواح تمہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اپنے اپنے بدنوں میں لوٹ آئیں جن کی تعمیر وحیات ان سے وابستہ تھی یہ آواز دیتے ہی ان کے سامنے یہ لاشے زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگے، سب کی زبانوں پر تھا۔ سبحانك لا اله الا انت.

یہ واقعہ ہائلہ... منکرین قیامت فلاسفروں اور عقلاء کے لیے دعوت فکر اور حجت قاطعہ ہونے کے ساتھ اس ہدایت پر بھی مشتمل ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اس لیے اس سے فرار کی حرکت فضول ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بھی۔

یہ واقعہ پیغمبر علیہ السلام کے زمانے سے ہزاروں سال پہلے کا ہے، بجائے اَلَمْ تَعْلَمْ کے اَلَمْ تَرَ سے خطاب کا منشاء کیا ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ ایسے تمام مواقع میں رویت سے قلبی رویت مراد ہوتی ہے جس کے معنی ہیں علم و ادراک کے، اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ واقعہ ایسا یقینی ہے جیسے کوئی آج دیکھ رہا ہو اور دیکھنے کے قابل ہو، وَهُمْ اُلُوْفٌ: یہ لفظ جمع کثرت کا ہے جس کا اطلاق دس سے کم پر

www.toobaaelibrary.com

نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ کل تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا یہ حکم بلا واسطہ بھی ہوسکتا ہے اور بواسطۂ فرشتہ بھی۔ یہ واقعہ امت محمدیہ کے لیے درس عبرت بنایا، یہ بھی فضل ہے۔

مسائل متعلقہ معلوم ہوا کہ تدبیر پر تقدیر غالب ہے۔ جس بستی میں کوئی وبا ہو اس میں جانا، یا وہاں سے بھاگ کر کہیں اور جانا دونوں ناجائز ہیں۔ بخاری مسلم میں ہے ان ھذا السقم عذب به الامم قبلکم فاذا سمعتم به فی الارض فلا تدخلوها واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارًا یعنی اس بیماری (طاعون) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے قوموں پر عذاب نازل فرمایا ہے سو جب تم یہ سنو کہ کسی شہر میں طاعون وغیرہ وبائی مرض پھیل رہا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر کسی بستی میں یہ مرض پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک بار ملک شام کا قصد فرمایا، تبوک کے قریب مقام سَرغ میں معلوم ہوا کہ شام میں سخت طاعون پھیلا ہوا ہے، یہ طاعون عمواس (بیت المقدس کے قریب ایک بستی کا نام ہے) کے نام سے مشہور ہے، بہت سے صحابہ اور تابعین اس میں شہید ہوئے فاروق اعظمؓ اس کی شدت کو سن کر ٹھہر گئے اور مشورہ کیا، ان میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے پیغمبر علیہ السلام سے اسکے متعلق کوئی حکم سنا ہو، بعد میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے اس معاملے سے متعلق ارشاد رسالت کی یہ اطلاع دی: انّ رسول اللہ ﷺ ذکر الوجع فقال رجز وعذابٌ عذب به الامم ثم بقی منه بقية فیذھب المرّة ویاتی الاخریٰ فمن سمع به بارض فلا یقدمن علیه ومن کان بارض وقع بها فلا یخرج فرارًا منه' بخاری عن اسامۃؓ بن زید) یہ سن کر فاروق اعظم نے رفقاء کو واپسی کا حکم دیا، حضرت ابوعبیدہؓ یہ سن کر فرمانے لگے افرارً من قدر اللہ، یعنی کیا آپ تقدیر الٰہی سے بھاگنا چاہتے ہیں، فاروق اعظمؓ نے جواباً فرمایا، ابوعبیدہ! کاش یہ بات کوئی اور کہتا اور پھر فرمایا نعم مفرٌ من قدر اللہ الیٰ قدر اللہ، یعنی بے شک ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں، یعنی یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے جسے پیغمبر علیہ السلام نے بیان فرمایا۔

ارشاد رسالت کی حکمتیں مذکورہ ارشاد نبویؐ بڑی دوررس حکمتوں پر مبنی ہے ایک یہ ہے کہ ممکن ہے کہ کسی کی عمر ختم ہوچکی ہو اور وہ اس مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا تو مرنے والے کو یہ گمان ہوسکتا ہے کہ میں یہاں نہ آتا تو زندہ رہتا، دوسروں کو بھی یہ خیال ہوسکتا تھا، تو اس حکم سے مسلمانوں کے عقیدے کو تذبذب سے بچایا گیا دوسرے یہ کہ تقدیر الٰہی پر

www.toobaaelibrary.com

ایمان کامل رکھتے ہوئے احتیاطی تدابیر میں کمی نہ کرے یعنی ایسی جگہ نہ جائے جہاں جان کا خطرہ ہو۔

اسی طرح اس وبائی بستی والوں کو وہاں سے بھاگنے کی ممانعت میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں ایک حکمت تو اجتماعی اور عوامی ہے کہ اگر بھاگنے کا یہ سلسلہ چلا تو امراء اور طاقتور تو بھاگ جائیں گے مگر ضعفاء مرد و عورت کا کیا حشر ہوگا، جو ان میں بیمار ہیں ان کی خبر گیری اور مرنے والوں کی تکفین و تدفین کون کرے گا، دوسری حکمت یہ ہے کہ جو موجود ہیں ان میں اس مرض کے جراثیم اثر کر چکے ہوں بایں حالت وہ سفر کریں گے تو اور زیادہ مصیبتوں اور مشقتوں کے شکار ہوں گے، ابن المدینی نے علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مافرّ اَحَدٌ من الوباء فسلم، یعنی وبا سے بھاگنے والا کبھی سالم نہیں رہتا (قرطبی) تیسری حکمت یہ کہ ان کے بھاگنے سے اس مرض کے جراثیم دوسری بستیوں میں پہنچیں گے، اگر اپنی جگہ صبر و توکل کے ساتھ ٹھہرے رہے تو مرض سے نجات بھی ممکن ہے اور اگر موت مقدر تھی تو صبر و ثبات کی وجہ سے شہادت کا درجہ ملے گا، بخاری شریف کی ایک روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں... فلیس من عبد یقع الطاعون فیمکث فی بلدہ صابرًا یعلم انہ لن یصیبہ الا ما کتب اللہ لہ الا کان لہ مثل اجر شہید (قرطبی ج ۳ ص ۲۳۵) یعنی جو اللہ کا بندہ طاعون پھیلنے کے بعد اپنی بستی میں صبر و سکون کے ساتھ ٹھہرا رہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اس کو صرف وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دی ہے تو ایسے شخص کو شہید کے برابر ثواب ملے گا، وھذا تفسیر لقولہؐ الطاعون شھادۃ والمطعون شھید'' یعنی، یہی تشریح ہے اس حدیث کی جس میں ارشاد ہے کہ طاعون شہادت ہے اور طاعون زدہ شخص شہید ہے۔

استثنائی صورتیں اگر کوئی شخص اپنی کسی دوسری ضرورت سے دوسری جگہ چلا جائے، اسی طرح عقیدہ کی پختگی کے ساتھ محض تبدیلی آب و ہوا کے لیے یہاں سے چلا جائے تو یہ مذکورہ ممانعت اس چلے جانے (اور کہیں سے یہاں آجانے) سے مستثنیٰ ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ مستفاد ہوا کہ بخوف موت جہاد سے بھاگنا بھی حرام ہے، بعض خاص صورتوں کو مستثنیٰ بھی کیا گیا ہے۔

عجوبۂ قدرت قدرت کا کرشمہ دیکھئے سپہ سالار اعظم حضرت سیف اللہ خالد ابن ولیدؓ بیمار ہو کر گھر میں وفات پا رہے ہیں، وفات کے قریب اپنے بستر پر اس طرح اپنے مرنے کا افسوس کرتے ہوئے گھر والوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ! میں فلاں فلاں عظیم الشان

www.toobaaelibrary.com

جنگوں اور جہادوں میں شریک ہوا میرا کوئی عضو ایسا نہیں جس میں تیر یا نیزے یا چوٹ کے زخم کا اثر ونشان نہ ہو مگر افسوس ہے کہ میں اب گدھے کی طرح بستر پر مر رہا ہوں، خدا تعالیٰ بزدلوں کو آرام نہ دے، ان کو میری نصیحت پہنچاؤ۔

مذکورہ بالا قصہ کے ذکر سے اصل مقصود تھا کہ جہاد میں جانے کو موت یا بھاگنے کو نجات نہ سمجھو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کر کے فلاح دارین حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری سب باتیں سننے اور جاننے والے ہیں۔

آیت:۲۴۵: قرض سے مراد نیک عمل کرنا، اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے اس کو قرض مجازاً کہہ دیا ورنہ سب اللہ ہی کی ملک ہے مطلب یہ ہے کہ قرض کے عوض کی طرح انفاق فی سبیل اللہ کا عوض ضرور ملے گا، حدیث میں ہے ایک کھجور جو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ جبل اُحد سے بڑا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کے بندوں کو قرض دیا جائے، ان کی حاجت برآری کی جائے، حدیث میں اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، ارشادِ رسالت ہے، ما من مسلم يقرض مسلما قرضا مرّة الاكان كصدقته مرّتين، یعنی جو مسلمان دوسرے مسلمان کو قرض دیتا ہے یہ قرض دینا اللہ کے راستے میں دو دفعہ صدقہ کرنے کے برابر ہے۔ (مظہری بحوالہ ابن ماجہ)

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو سن کر تین فرقے ہو گئے، ایک نے کہا کہ محمد ﷺ کا رب ہماری طرح محتاج ہے اور ہم غنی ہیں، اس کا جواب قرآن نے دیا لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ۔ دوسرے نے سن کر اس کے خلاف کیا اور بخل کو اختیار کیا، مال کی حرص نے انہیں ایسا باندھا کہ انہیں انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق ہی نہیں ہوئی۔ تیسرا فرقہ ان مخلص مسلمانوں کا ہے جنھوں نے فوراً ہی اس آیت پر عمل کر لیا اور اپنا پسندیدہ مال اللہ کے راستے میں دیدیا، جیسے ابوالدحداحؓ وغیرہ کے واقعات ہیں، (قرطبی)

قرض میں واپسی کے وقت اگر زیادتی کی شرط نہ ٹھہرائی گئی اور اپنی طرف سے قرض سے کچھ زیادہ ادا کر دیا تو یہ پسندیدہ ہے، ارشادِ رسالت ہے، انّ خياركم احسنكم قضاء یعنی تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے حق (قرض) کو اچھے طریقے سے ادا کرے۔

لیکن اگر زیادتی کی شرط ٹھہرائی تو وہ سود ہے حرام ہے۔

www.toobaaelibrary.com

اس مقام پر قتال کی ترغیب مقصود ہے اوپر کا واقعہ اسی کی تمہید تھا، انفاق فی سبیل اللہ کا مضمون اسی کی تائید ہے، آگے طالوت و جالوت کا قصہ بھی اسی کی تاکید ہے، اللہ تعالیٰ نے آگے قبض و بسط کا مشاہدہ بھی کرادیا ہے، یعنی فقیر کو بادشاہ بنادیا اور بادشاہ سے بادشاہت چھین لینا سب اسی کے اختیار میں ہے۔

آیت ۲۴۶: بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ دیا تھا، ان پر کفار عمالقہ مسلط کردیے گئے جب انھیں اصلاح کی فکر ہوئی، نبی کا نام شموئیل مشہور ہے۔

آیت ۲۴۸: اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ. بنی اسرائیل میں ایک بابرکت صندوق چلا آتا تھا، انبیاء بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ اس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے تھے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے فتح یاب فرمادیتا، جب جالوت کو فتح ہوئی تو وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا، جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو پھر یہ ہوا کہ وہ کافر جہاں یہ صندوق لے جاتے وہیں وبا اور بلا آتی اس طرح پانچ شہر ویران ہوگئے، مجبوراً دو بیلوں پر لاد کر اسے ہانک دیا۔ فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا گئے، بنی اسرائیل اس نشانی کو نشانی دیکھ کر طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے، اور طالوت نے جالوت پر فوج کشی کردی، اور موسم نہایت گرم تھا۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

پھر جب (بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ تسلیم کرلیا اور جالوت کے مقابلے کے لیے لوگ جمع ہوگئے اور) طالوت فوجوں کو لے کر (اپنے مقام یعنی بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف) چلے تو انھوں نے (اپنے ہمراہی پیغمبر کی وحی کے ذریعے دریافت کرکے ساتھیوں سے) کہا کہ اب حق تعالیٰ (استقلال و بے استقلالی میں)

www.toobaaelibrary.com

تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر کے ذریعے (جو راہ میں آوے گی اور تم شدّت تشنگی کے وقت اس پر گذرو گے) سو جو شخص اس سے (افراط کے ساتھ) پانی پیوے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں، اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے (اور اصل حکم یہی ہے) وہ میرے ساتھیوں میں ہے، لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو اتنی رخصت ہے، غرض وہ نہر راستے میں آئی، پیاس کی تھی شدّت) سو سب نے اس سے (بے تحاشا) پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے سے آدمیوں نے ان میں سے (احتیاط کی) کسی نے بالکل نہ پیا ہوگا، کسی نے چلو سے زیادہ نہ پیا ہوگا) سو جب طالوت اور جو مؤمنین ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے، (اور اپنے مجمع کو دیکھا تو تھوڑے سے آدمی رہ گئے، اس وقت بعضے آدمی آپس میں) کہنے لگے کہ آج تو (ہمارا مجمع اتنا کم ہے کہ اس حالت سے) ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے کی طاقت نہیں معلوم ہوتی (یہ سن کر) ایسے لوگ جن کو یہ خیال (پیش نظر) تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے (ایسے واقعات ہو چکے ہیں کہ) بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آ گئی ہیں، (اصل چیز استقلال ہے) اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں، اور جب (دیار عمالقہ میں پہنچے اور) جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آ گئے تو (دعا میں حق تعالیٰ سے) کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر (یعنی ہمارے قلوب پر) استقلال (غیب سے) نازل فرمائیے اور (مقابلہ کے وقت) ہمارے قدم جمائے رکھئے، اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے، پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دے دی اور داؤد علیہ السلام نے (جو کہ اس وقت طالوت کے لشکر میں تھے اور اس وقت تک نبوت وغیرہ نہ ملی تھی) جالوت کو قتل کر ڈالا (اور مظفر و منصور واپس آئے) اور (اس کے بعد) ان کو (یعنی داؤد علیہ السلام کو) اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت (یہاں حکمت سے مراد نبوّت ہے) عطا فرمائی اور بھی جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا (جیسے بغیر آلات کے زرہ بنانا اور جانوروں کی بولی سمجھنا، آگے اس واقعہ کی مصلحت عامہ فرماتے ہیں) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کو (جو کہ مفسد ہوں) بعضوں کے ذریعے سے (جو کہ مصلح ہوں وقتاً فوقتاً) دفع کرتے رہا کرتے ہیں (یعنی اگر مصلحین کو مفسدین پر غالب نہ کرتے رہتے) تو سرزمین (تمام تر) فساد سے پر ہو جاتی، ولیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر (اس لیے وقتاً فوقتاً اصلاح فرماتے رہتے ہیں)۔

www.toobaaelibrary.com

چونکہ قرآن کریم کا ایک بڑا مقصد نبی کریمؐ کی نبوت کا اثبات بھی ہے، اس لیے جس جگہ مضمون کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اس کا اعادہ کردیا جاتا ہے، اس موقع پر اس قصہ کی صحیح صحیح خبر دینا جب کہ آپؐ نے نہ کسی سے پڑھا نہ کہیں سنا نہ دیکھا، ایک معجزہ ہے جو آپؐ کی نبوت کی صحیح دلیل ہے، اس لیے ان آیات میں آپؐ کی نبوت پر استدلال فرماتے ہیں:

استدلال: آیت: ۲۵۲: یہ (آیتیں جن میں یہ قصہ مذکور ہوا) اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ) آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

تلخیص معارف ومسائل

قَالَ اِنَّ اللّٰہَ مُبْتَلِیْکُمْ بِنَھَرٍ: ایسے پر جوش مواقع پر بھیڑ بہت ہو جاتی ہے مگر مستقل مزاجوں کی کمی ہوتی ہے، ایسوں کے پاؤں اکھڑ جانے سے اچھے اچھوں کے بھی حوصلے پست ہو جاتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو علیحدہ کردینے کے لیے یہ مناسب امتحان رکھا گیا، قتال میں چونکہ استقلال و جفاکشی کی ضرورت ہوتی ہے سوشدت پیاس میں بے منت پانی ملنے پر صبر وضبط دلیل ہے استقلال کی اور اندھے ہو کر جا گرنا دلیل بے استقلالی کی ہے، نیز خرق عادت کے طور پر زیادہ پینے والے غیبی طور پر بھی از کار رفتہ ہوگئے (روح المعانی)

اس قصے کے احوال واقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تین قسم کے لوگ تھے، (۱) ناقص الایمان جو امتحان میں فیل ہوگئے، (۲) کامل الایمان جو امتحان میں پورے اترے مگر اپنی قلت کی فکر ہوئی، (۳) اکمل الایمان جنہیں یہ بھی فکر نہ ہوئی۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

بعض انبیاء اور امتوں کے کچھ احوال

یہ حضرات مرسلین (جن کا ذکر ابھی اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں آیا ہے) ایسے ہیں کہ

www.toobaaelibrary.com

ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے، (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ (بلاواسطہ فرشتہ کے) ہم کلام ہوئے ہیں، (مراد موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں بہت سے درجوں میں (اعلیٰ مقام سے) سرفراز کیا، اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو کھلے کھلے دلائل (یعنی معجزات) عطا فرمائے، اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) سے فرمائی (ہر وقت یہود سے ان کی حفاظت کرنے کے لیے ساتھ رہتے تھے) اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو (امت کے) جو لوگ ان (پیغمبروں) کے بعد ہوئے ہیں (کبھی دین میں اختلاف کر کے) باہم قتل وقتال نہ کرتے بعد اس کے ان کے پاس (امر حق کے) دلائل (پیغمبروں کی معرفت) پہنچ چکے تھے (جن کا مقتضا اتحاد دین حق کے قبول پر متفق رہنا) لیکن (چونکہ اللہ تعالیٰ کو بعض حکمتیں منظور تھیں، اس لیے ان میں اتفاق مذہبی نہیں پیدا کیا) وہ لوگ باہم (دین میں) مختلف ہوئے، سو ان میں کوئی تو ایمان لایا، اور کوئی کافر رہا، (پھر اس اختلاف میں نوبت قتل وقتال بھی پہنچ گئی) اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل وقتال نہ کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ (اپنی حکمت سے) جو چاہتے ہیں (اپنی قدرت سے) وہی کرتے ہیں۔

تلخیص معارف ومسائل

تلك الرسل الآیہ، اس مضمون میں پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دینی ہے کیونکہ آپ کی رسالت کا انکار محل رنج و افسوس تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اور بھی مختلف درجوں کے پیغمبر گذرے ہیں، لیکن کسی کی امت میں ایمان عام نہیں ہوا، موافقت ومخالفت ہوتی رہی، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں اس کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

اس آیت سے صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام باہم ایک دوسرے سے افضل ہیں جب کہ حدیث میں تفضیل انبیاء کی ممانعت آئی ہے لا تفضلوا بین انبیاء اللہ یعنی انبیاء کے درمیان تفضیل نہ کیا کرو، نیز مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو" "نیز" میں نہیں کہہ سکتا کہ کوئی یونس ابن متی سے افضل ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ بغیر دلیل کے محض اپنی رائے سے فضیلت نہ دو، اگر قرآن وسنت سے بعض انبیاء کی بعض فضیلت معلوم ہوگئی تو اس کے مطابق اعتقاد رکھا جائیگا، اور وہ حدیث بالا اس وقت سے متعلق ہے جب کہ آپ کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں، بعد میں بذریعہ وحی آپ کو یہ بات بتلادی گئی اور صحابہ کرامؓ سے آپ نے اس کا اظہار بھی فرمادیا۔ (مظہری)

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ: یہ ہم کلامی اگرچہ بلاواسطہ فرشتہ کے ہوکر بے حجاب نہ تھی، سورۂ شوریٰ

www.toobaaelibrary.com

میں (آیت ۵۱) میں بے حجاب کلام کی نفی کی گئی ہے اور یہ دنیا کے اعتبار سے ہے، موت کے بعد کلام بے حجاب بھی شرعاً ممکن ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا
شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ
سِـنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا
بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ
كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ
قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ
لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

انفاق فی سبیل اللہ میں تعجیل کرنا

اے ایمان والو خرچ کرلو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دن آجاوے (یعنی قیامت کا دن) جس میں (کوئی چیز اعمال خیر کا بدل نہ ہو سکے گی، کیونکہ اس میں) نہ تو خرید وفروخت ہوگی (کہ کوئی چیز دے کر اعمال خیر کی خرید کرلو) اور نہ (ایسی) دوستی ہوگی (کہ کوئی تم کو اپنے اعمال خیر دے دے) اور نہ (بلا اذن الٰہی کسی کی) کوئی سفارش ہوگی (جس سے اعمال خیر کی تم کو حاجت نہ رہے) اور کافر ہی لوگ ظلم کرتے ہیں (کہ اعمال اور مال کو بے موقع استعمال کرتے ہیں، اس طرح کہ طاعات بدنیہ ومالیہ کو ترک اور معصیت مالیہ وبدنیہ کو اختیار کرتے ہیں تم تو ایسے نہ بنو)۔

اللہ تعالیٰ (ایسا ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، زندہ ہے (جس کو کبھی موت نہیں آسکتی) سنبھالنے والا ہے (تمام عالم کا) نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے اور نہ نیند (دبا سکتی ہے) اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ (بھی) آسمانوں میں (موجودات) ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی) سفارش کرسکے بدون اس کی اجازت کے وہ جانتا ہے ان (تمام

www.toobaaelibrary.com

موجودات) کے تمام حاضر و غائب حالت کو اور وہ موجودات اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لا سکتے مگر جس قدر (علم دینا وہی) چاہے اس کی کرسی (اتنی بڑی ہے کہ اس) نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں (آسمان و زمین) کی حفاظت کچھ گراں نہیں گذرتی وہ عالی شان عظیم الشان ہے۔

دین (اسلام کے قبول کرنے) میں زبردستی (کا فی نفسہٖ کوئی موقع) نہیں (کیونکہ) ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے (یعنی اسلام کا حق ہونا دلائل سے واضح ہو چکا ہے، تو اس میں اکراہ کا موقع ہی کیا ہے، اکراہ تو غیر پسندیدہ چیز پر مجبور کرنے سے ہوتا ہے، اور جب اسلام کی خوبی یقیناً ثابت ہے) تو جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد (یعنی اسلام قبول کرلے) تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں (اقوال ظاہری کے) اور خوب جاننے والے ہیں (احوال باطنی کے)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الیٰ قولہ) خٰلِدُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں (انسی یا جنی) وہ ان کو نور (اسلام) سے نکال کر یا بچا کر (کفر کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، ایسے لوگ (جو اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کریں) دوزخ میں رہنے والے ہیں (اور) یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تلخیص معارف و مسائل

تمام اعمال میں سب سے زیادہ دشوار عمل انسان کے لیے انفاق مال و جان ہے، اور اکثر احکام الٰہی جان و مال کے متعلق ہیں اور انسان کو گناہ میں جان و مال کی محبت ہی مبتلا کرتی ہے۔ گویا یہی گناہوں کی جڑ اور ان سے نجات جملہ طاعات میں سہولت کا منشاء ہے اس لیے ان احکامات کے بیان کے بعد قتال و انفاق کو بیان کیا گیا، اور چونکہ انفاق مال پر عبادات و معاملات کے بہت سے امور موقوف ہیں اس لیے اس کے بیان میں آگے زیادہ تفصیل و تاکید ہے، اور معلوم ہونا چاہئے کہ عمل کا وقت ابھی ہے، آخرت میں نہ تو عمل بکتے ہیں اور نہ وہاں دوستی سے کوئی دیتا ہے اور نہ بلا اذن الٰہی کوئی سفارش چل سکتی ہے۔

آیۃ الکرسی: احادیث میں اس کے بڑے فضائل و برکات مذکور ہیں، یہ قرآن کی عظیم ترین آیت ہے یہ سیدۂ آیات القرآن ہے جس گھر میں پڑھی جائے شیطان اس سے نکل جاتا ہے، جو شخص

www.toobaaelibrary.com

ہر فرض نماز کے بعد اسے پڑھا کرے تو اسے جنت میں داخل ہونے کے لیے بجز موت کے کوئی مانع نہیں یعنی موت کے بعد ہی وہ جنت کے آثار کا مشاہدہ کرنے لگے گا۔

اس آیت میں دس جملے ہیں جس میں اللہ جل شانہٗ کی توحید ذات اور صفاتِ کمال کا مفصل بیان عجیب وغریب انداز میں کیا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا، زندہ ہونا، قیوم یعنی تمام کائنات کو سنبھالنے والا ہونا قیوم اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، کسی کے نام عبدالقیوم کو بگاڑ کر صرف قیوم کہنا گناہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کو سنبھالنے میں کوئی تھکان نہیں اور نہ کوئی تعجب ہے اور اونگھ اور نیند سے بالاتر ہے تمام کائنات کا وہ مالک ہے اور مختار ہے، صاحب عظمت وجلال ہے اس کے آگے اس کے اذن کے بغیر کسی کی سفارش نہیں چل سکتی، کچھ مقبول بندوں کو سفارش کی اجازت ہوگی وہ بھی حدیث میں ہے ارشاد فرمایا کہ محشر میں سب سے پہلے میں ساری امتوں کی شفاعت کروں گا، اسی کا نام مقام محمود ہے جو آپ کی خصوصیات میں سے ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے تمام آگے پیچھے کے حالات وواقعات سے باخبر ہے یعنی پیدا ہونے سے پہلے اور پیدا ہونے کے بعد کے تمام حالات وواقعات، یا یہ مفہوم ہے کہ وہ حالات جو انسان کے لیے کھلے ہوئے ہیں اور مخفی حالات وواقعات، اللہ تعالیٰ کا علم سب چیزوں کا یکساں محیط ہے، کوئی ذرہ اور کوئی قطرہ اس سے باہر نہیں، تمام کائنات کا علم محیط صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے، مگر اللہ تعالیٰ ہی جس کو جتنا حصہ علم عطا کرنا چاہیں بس اتنا ہی اسے علم ہوسکتا ہے، اس کی کرسی اتنی وسیع ہے کہ اس کے اندر ساتوں آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں۔

عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نشست وبرخاست اور حیّز ومکان سے بالاتر ہیں، اس قسم کی آیات کو اپنے اوپر قیاس نہ کرنا چاہئے، انسانی ادراک سے بالاتر ہے، حدیث میں ہے کہ عرش وکرسی ایسے عظیم الشان جسم ہیں جو آسمان وزمین سے بدر جہابڑے ہیں کرسی کے مقابلے میں آسمانوں اور زمینوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں کوئی انگشتری کا حلقہ۔ (ابن کثیر عن ابی ذرؓ)

آسمان وزمین کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ گراں نہیں کیونکہ وہ قادر مطلق ہے، یہ سب اس کے لیے نہایت آسان ہیں۔

دسواں جملہ: مذکورہ نو جملوں میں بیان فرمودہ ذات وصفات وکمالات کو: سمجھنے اور سمجھنے کے بعد ہر عقلمند انسان یہی کہنے پر مجبور ہے کہ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ یعنی ہر عزت وعظمت بلندی وبرتری کی مستحق وہی ذات ہے۔

www.toobaaelibrary.com

آیت: ۲۵۶: اسلام میں جہاد وقتال کی تعلیم لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے معارض نہیں کیونکہ جہاد وقتال، قبول اسلام پر مجبور کرنے کے لیے نہیں ہے ورنہ اسلام میں جزیہ نہ ہوتا، جہاد وقتال دفع فساد کے لیے ہے وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ اللہ تعالیٰ فساد و مفسدین کو پسند نہیں کرتا، اس کی مثال سانپ بچھو، وغیرہ موذی جانوروں کو قتل کی ہے، اسلام نے میدان جہاد میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور اپاہج کو اور جزیہ دینے والوں کو سختی کے ساتھ قتل سے روکا ہے، جہاد وقتال سے ظلم وستم کو مٹا کر دنیا میں عدل وانصاف امن وامان رکھنا چاہتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی اس نے کہا اَنَا عَجُوْزٌ كَبِيْرَةٌ وَالْمَوْتُ اِلَيَّ قَرِيْبٌ یعنی میں ایک قریب المرگ بڑھیا ہوں آخری وقت میں کیا مذہب چھوڑ دوں؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ، اور ایسا ممکن بھی نہیں کیونکہ ایمان کا تعلق قلب سے اور جبر واکراہ کا تعلق اعضاء ظاہری سے اور جہاد وقتال صرف ظاہری اعضا کو متاثر کرتے ہیں، (مظہری، قرطبی)

اسلام کو مضبوط پکڑنے والا ایسا ہے جیسے مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام لے کر گرنے سے مامون رہتا ہے اور یوں کوئی رسی ہی کو چھوڑ دے تو اور بات ہے، (بیان القرآن)

آیت: ۲۵۷: ایمان نعمت عظمیٰ ہے اور کفر مصیبت عظمیٰ اور کافروں کی دوستی میں بھی ظلمت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۚ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰي وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ۭ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰي كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۭ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

www.toobaaelibrary.com

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

(اے مخاطب) کیا تجھ کو۔اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا (یعنی نمرود کا) جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار کے (وجود کے) بارے میں (یعنی تو یہ تو یہ وہ خدا کے وجود ہی کا منکر تھا) اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی (یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ نعمت سلطنت پر احسان مانتا اور ایمان لاتا، اس کے برعکس انکار اور کفر شروع کر دیا اور یہ مباحثہ اس وقت شروع ہوا تھا) جب ابراہیم علیہ السلام نے (اس کے پوچھنے پر کہ خدا کیسا ہے جواب میں) فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے (یعنی زندہ کرنا اور مارنا اس کی قدرت میں ہے وہ کوڑھ مغز جلانے مارنے کا مطلب تو سمجھا نہیں) کہنے لگا کہ (یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں کہ) میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں (چنانچہ جس کو چاہوں قتل کر دوں یہ تو مارنا ہے اور جس کو چاہوں قتل سے معاف کر دوں یہ جلانا ہے) ابراہیم علیہ السلام نے (جب دیکھا کہ بالکل ہی بھدّی عقل کا ہے کہ اس کو جلانا اور مارنا سمجھتا ہے، حالانکہ جلانے کی حقیقت بے جان چیز میں جان ڈال دینا ہے، اسی طرح مارنے کا معاملہ سمجھو، اور قرائن سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جلانے اور مارنے کی حقیقت سمجھے گا نہیں، اس لیے اس ضرورت سے دوسرے جواب کی طرف متوجہ ہوئے اور) فرمایا کہ (اچھا) اللہ تعالیٰ آفتاب کو (روزانہ) مشرق سے نکالتا ہے تو (ایک ہی دن) مغرب سے نکال (کر دکھلا) اس پر متحیر رہ گیا وہ کافر (اور کچھ جواب نہ بن آیا اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ وہ ہدایت کو قبول کرتا، مگر وہ اپنی گمراہی پر جما رہا اس لیے ہدایت نہ ہوئی) اور اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) ایسے بے جا راہ چلنے والوں کو ہدیت نہیں فرماتے۔اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّہِیَ خَاوِیَۃٌ (الی قولہ) اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔ کیا تم کو اس طرح کا قصہ معلوم ہے، جیسے ایک شخص تھا کہ (چلتے چلتے) ایک بستی پر ایسی حالت میں اس کا گذر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے، (یعنی پہلے چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں گر گئیں، مراد یہ ہے کہ کسی حادثہ سے وہ بستی ویران ہو گئی تھی، اور سب آدمی مر مرا گئے تھے، وہ شخص یہ حالت دیکھ کر حیرت سے) کہنے لگا کہ (معلوم نہیں) اللہ تعالیٰ اس بستی کو (یعنی اس کے مردوں کو) اس کے مرنے پیچھے کس کیفیت سے (قیامت میں) زندہ کریں گے (یہ تو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں مردوں کو جلا دیں گے، مگر اس وقت کے جلانے کا جو خیال غالب ہوا تو بوجہ اس امر کے عجیب ہونے کے ایک حیرت سی دل پر غالب ہو گئی، اور چونکہ خدا تعالیٰ ایک کام کو کئی طرح کر سکتے ہیں، اس لیے طبیعت اس کی متلاشی ہوئی کہ خدا جانے جلا دینا کس صورت سے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کو منظور

www.toobaaelibrary.com

ہوا کہ اس کا تماشا اس کو دنیا ہی میں دکھلا دیں، تا کہ ایک نظیر کے واقع ہو جانے سے لوگوں کو زیادہ ہدایت ہو) سو (اس لئے) اللہ تعالیٰ نے اس شخص (کی جان قبض کر کے اس کو) سو برس تک مردہ رکھا، پھر (سو برس کے بعد) اس کو زندہ اٹھایا (اور پھر) پوچھا کہ تو کتنی مدت اس حالت میں رہا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا، یا ایک دن سے بھی کم (کنایہ ہے مدت قلیل سے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ تو (اس حالت میں) سو برس رہا ہے، (اور اگر اپنے بدن کے اندر تغیر نہ ہونے سے تعجب ہو) تو اپنے کھانے پینے (کی) چیز کو دیکھ لے کہ (ذرا) نہیں سڑی گلی (ایک قدرت تو ہماری یہ ہے) اور (دوسری قدرت دیکھنے کے واسطے) اپنے (سواری کے) گدھے کی طرف نظر کر (کہ گل سڑ کر کیا حال ہو گیا ہے، اور ہم عن قریب اس کو تیرے سامنے زندہ کئے دیتے ہیں) اور (ہم نے تجھ کو اس لیے مار کر زندہ کیا ہے) تا کہ ہم تجھ کو (اپنی قدرت کی) ایک نظیر لوگوں کے لیے بنا دیں (کہ اس نظیر سے بھی قیامت کے روز زندہ ہونے پر استدلال کر سکیں) اور (اب اس گدھے کی) ہڈیوں کی طرف نظر کر کہ ہم ان کو کس طرح ترکیب دیئے دیتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں (پھر اس میں جان ڈال دیتے ہیں، غرض یہ سب امور یوں ہی کر دئے گئے) پھر جب یہ سب کیفیت اس شخص کو (مشاہدہ سے) واضح ہو گئی تو (بے اختیار جوش میں آ کر) کہہ اٹھا کہ میں (دل سے) یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اور اس وقت (کے واقعہ) کو یاد کر وجب کہ ابراہیم علیہ السلام نے (حق تعالیٰ سے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو (یہ) دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو (قیامت میں مثلاً) کس کیفیت سے زندہ کریں گے (یعنی زندہ کرنے کا تو یقین ہے، لیکن زندہ کرنے کی مختلف صورتیں اور کیفیتیں ہو سکتی ہے وہ معلوم نہیں، اس لیے وہ معلوم کرنے کو دل چاہتا ہے، اس سوال سے کسی کم سمجھ آدمی کو اس کا شبہ ہو سکتا تھا کہ معاذ اللہ ابراہیم علیہ السلام کو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان و یقین نہیں، اس لیے حق تعالیٰ نے خود یہ سوال قائم کر کے بات کھول دی، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے اس سوال کے جواب میں اول) ارشاد فرمایا کہ کیا تم (اس پر) یقین نہیں لاتے، انھوں نے (جواب میں) عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا، لیکن اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں تا کہ میرے قلب کو (معین صورت زندہ کرنے کی مشاہدہ کرنے سے) سکون ہو جاوے (ذہن دوسرے احتمالات سے چکر میں نہ پڑے) ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو پھر ان کو (پال کر) اپنے لیے ہلا لو، (تا کہ ان کی خوب شناخت ہو جاوے) پھر (سب کو ذبح کر کے اور ہڈیوں

www.toobaaelibrary.com

پروں سمیت ان کا قیمہ سا کر کے اس کے کئی حصے کرو اور کئی پہاڑ اپنی مرضی سے انتخاب کر کے) ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو (اور) (پھر ان سب کو بلاؤ (دیکھو) تمہارے پاس (زندہ ہو کر) دوڑے دوڑے چلے آویں گے اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ حق تعالیٰ زبردست (قدرت والے) ہیں (سب کچھ کر سکتے ہیں پھر بھی بعض باتیں نہیں کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ) حکمت والے (بھی) ہیں، (ہر کام حکمت و مصلحت کے مطابق کرتے ہے)

تلخیص معارف و مسائل

آیت: ۲۵۸: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بضرورت احقاق حق و ابطال باطل کے لیے مناظرہ اور مجادلہ جائز ہے (قرطبی)

نمرود کا دل خدا کے وجود کا قائل تھا یقین تھا کہ یہ پیغمبر ہیں یہ کہہ دیں گے تو سورج مغرب سے بھی اللہ تعالیٰ نکال سکتا ہے اور اگر ایسا ہوا تو اس انقلاب عظیم سے لینے کے دینے پڑ جائیں گے، سب یہ معجزہ دیکھ کر منحرف ہو جائیں گے، یہ ذرا سی میری سلطنت بھی جاتی رہے گی اس لیے یہ جواب نہ دے سکا کہ اگر خدا موجود ہے تو وہی مغرب سے نکال لے اور دوسرا کوئی جواب تھا نہیں، فَبُهِتَ اس لیے حیران رہ گیا (بیان القرآن)

آیت: ۲۵۹: اللہ تعالیٰ قیامت میں مردوں کو جلا دیں گے اس کا تو یقین تھا مگر اس امر عجیب کے باعث دل پر ایک حیرت چھا گئی، اور اللہ تعالیٰ ایک کام کو کئی طرح کر سکتے ہیں اس لیے دل میں یہ آیا کہ جلا دینا کس صورت سے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کو اس کا تماشہ دنیا ہی میں دکھلا دینا منظور ہوا تا کہ لوگوں کے لیے ایک نظیر بن جائے۔

آیت: ۲۶۰: مشاہدہ کی درخواست کسی شک وشبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کی گئی کہ احیاء موتیٰ کی مختلف صورتوں اور کیفیتوں میں ذہنی انتشار واقع نہ ہو کہ قلب کو سکون واطمینان حاصل ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول فرما کر ان کے مشاہدہ کی بھی عجیب صورت تجویز فرمائی۔

چار پرندوں کو پال کر اس طرح خود سے مانوس کر لیں کہ بلانے سے آ جائیں یہ شبہ نہ رہے کہ شاید کوئی پرندہ آ گیا ہو، پھر انہیں ذبح کر کے ان کی ہڈیوں پروں سمیت خوب قیمہ کر لیں ان کے کئی حصے کر کے اپنی تجویز کے مطابق مختلف پہاڑوں پر اس قیمہ کا ایک ایک حصہ رکھ دیں پھر ان کو بلائیں، آپ نے ایسا ہی کیا پھر ان کو پکارا تو فوراً ہڈی سے ہڈی، پر سے پر، خون سے خون، گوشت سے گوشت

www.toobaaelibrary.com

مل ملا کر سب اپنی اپنی اصلی ہیئت میں زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آگئے (روح)۔

یاتِینَکَ سَعْیًا معلوم ہوا کہ اڑ کر نہیں آئیں گے کیونکہ اس طرح نظروں سے اوجھل ہو کر بدل جانے کا شبہ ہو سکتا ہے، زمین پر چل کر آنے میں یہ بالکل سامنے رہیں گے اس واقعہ میں قیامت کے بعد حیات بعد الموت ایسا نمونہ حضرت خلیل اللہ کو دکھلا دیا جس نے منکرین و مشرکین کے سارے شبہات کا ازالہ مشاہدہ سے کرا دیا۔

حیات بعد الموت پر منکرین کا بڑا اشکال یہی ہوتا ہے کہ دنیا کے اطراف بعیدہ میں پھیلے ہوئے ان ذرات اور اجزاء انسانی جمع کر دینا اور پھر ان میں روح ڈال دینا کیونکر ہوگا؟ سطحی نظر رکھنے والے انسان کی سمجھ میں اس لیے نہیں آتا کہ وہ سب کو اپنی قدرت و حیثیت پر قیاس کرتا ہے، حالانکہ وہ ذرا سا اپنے وجود میں غور کر لے تو اسے نظر آجائے کہ اس کا وجود ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء و ذرات کا مجموعہ ہے، جن ماں باپ کے ذریعے انسان کی پیدائش ہوتی ہے جن غذاؤں سے خون اور جسم بنتا ہے وہ خود دنیا کے مختلف گوشوں سے ملے ہوئے ذرات ہوتے ہیں، دودھ جانوروں کے اجزاء ہیں اور ان جانوروں میں یہ اجزاء گھاس دانے سے پیدا ہوئے اور یہ گھاس اور چارے اور دانے نہ جانے کس کس خطۂ زمین کے ہیں، اسی طرح دنیا کا دانہ دانہ، پھل ترکاریاں اور انسان کی غذائیں اور دوائیں ہیں جو اس کے بدن کا جزو بنتی ہیں، بہرحال انسان خود اپنے وجود میں غور کر لے تو سمجھ میں آجائے گا کہ اس کا وجود خود بے شمار اجزاء سے مرکب ہے، کوئی مشرق کا ہے کوئی مغرب کا، کوئی جنوب کا کوئی شمال کا، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اجزاء کو قدرت کے نظام محکم نے اس کے بدن میں جمع فرما دیے ہیں تو مرنے کے بعد دوبارہ جمع فرما دینا اس کی قدرت کاملہ کے لیے کیا دشوار ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان اور اطمینان میں کیا فرق ہے، ایمان اس یقین اختیاری کا نام ہے جو انسان کو رسول کے اعتماد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہو جائے اور اطمینان سکون قلب کا نام ہے جو مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے، حضرت خلیل اللہ کو حیات بعد الموت پر تو کامل ایمان و یقین تھا سوال صرف کیفیت احیاء کے متعلق تھا، جس کا مشاہدہ کرا دیا گیا۔

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال سے کسی کم سمجھ آدمی کو اس کا شبہ ہو سکتا تھا کہ معاذ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حیات بعد الموت کا یقین نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود وہ سوال قائم کر کے بات کھول دی، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں بلیٰ کہا۔

www.toobaaelibrary.com

یہ سوال کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان حاصل نہیں تھا؟ اور اس پر حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کرنا کہ اگر عالم غیب سے پردہ اٹھا دیا جائے تو میرے یقین واطمینان میں کوئی زیادتی نہ ہوگی کیونکہ مجھے ایمان بالغیب ہی سے اطمینان کامل حاصل ہے" تو جب بعض امتی کو یہ درجہ حاصل ہے تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ حضرت خلیل اللہ کو اطمینان کا درجہ حاصل نہ ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اطمینان کے بہت سے درجات ہیں، جس درجہ کا اطمینان حضرت علیؓ کو حاصل تھا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اس سے بھی اعلیٰ درجہ کا اطمینان حاصل تھا اور جس کو طلب فرما رہے ہیں وہ سب سے اعلیٰ مقامِ اطمینان ہے جو خاص خاص انبیاء کو عطا فرمایا جاتا ہے جیسے سید الانبیاء علیہ السلام کو جنت ودوزخ کا مشاہدہ کرا کر اطمینان خاص بخشا گیا۔ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اطمینان کامل جو مشاہدہ سے حاصل ہوا کرتا ہے وہ نہ تھا، یہ درخواست اسی کے لیے تھی، اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ، عَزِیْز کہہ کر قدرت کاملہ کو بیان فرمایا اور حَکِیْم کہہ کر اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ بمقتضائے حکمت ہر ایک کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ نہیں کرایا جاتا، ورنہ پھر ایمان بالغیب کی جو فضیلت ہے وہ قائم نہیں رہ سکتی۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ښ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

جو لوگ اللہ کی راہ میں (یعنی امور خیر میں) اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت (عند اللہ)

www.toobaaelibrary.com

ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے (فرض کرو) سات بالیں جمیں (اور) ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں (اسی طرح خدا تعالیٰ ان کا ثواب سات سو حصہ تک بڑھا تا ہے) اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (بقدر اس کے اخلاص اور مشقت کے) عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (ان کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں وہ سب کو یہ افزونی دے سکتے ہیں مگر ساتھ ہی) جاننے والے (بھی) ہیں (اس لیے اخلاص نیت وغیرہ کو دیکھ کر عطا فرماتے ہیں) جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو (جس کو دیا ہے اس پر زبان سے) احسان جتلاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے اس کو) آزار پہنچاتے ہیں ان لوگوں کو ان (کے عمل) کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس (جا کر) اور نہ (قیامت کے دن) ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے (ناداری کے وقت جواب میں معقول و) مناسب بات کہہ دینا اور (اگر سائل بدتمیزی سے غصہ دلا دے یا اصرار سے تنگ کرے تو اس سے) درگذر کرنا (ہزار درجہ) بہتر ہے ایسی خیرات (دینے) سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ (خود) غنی ہیں (کسی کے مال کی ان کو حاجت نہیں، جو کوئی خرچ کرتا ہے اپنے واسطے پھر آزار کس بنا پر پہنچایا جائے اور آزار دینے پر جو فوراً سزا نہیں دیتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ) حلیم (بھی) ہیں، اے ایمان والو! تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات (کے ثواب بڑھنے) کو برباد مت کرو جس طرح وہ شخص (خود خیرات کے اصل ثواب ہی کو برباد کر دیتا ہے) جو اپنا مال خرچ کرتا ہے (محض) لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر (مراد اس سے بقرینہ نفی ایمان کا منافق ہے) سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے اک چکنا پتھر (فرض کرو اس پر) جب کچھ مٹی (آ گئی) ہو (اور اس مٹی میں کچھ گھاس پھونس جم آیا ہو) پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے سو اس کو (جیسا تھا ویسا ہی) بالکل صاف کر دے (اسی طرح اُس منافق کے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ ہو گیا جو ظاہر میں ایک نیک عمل.... جس میں امید ثواب ہو معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے نفاق نے اس شخص کو ویسا ہی کورا ثواب سے خالی چھوڑ دیا، چنانچہ قیامت میں) ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی (کیونکہ کمائی نیک عمل ہے اور اس کا ہاتھ لگنا ثواب کا ملنا ہے اور ثواب ملنے کی شرط ایمان اور اخلاص ہے اور ان لوگوں میں یہ مفقود ہے، کیونکہ ریاکار بھی ہیں اور کافر بھی ہیں) اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو (قیامت کے روز ثواب کے گھر یعنی جنت کا) راستہ نہ بتلائیں گے (کیونکہ کفر کی وجہ سے ان کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوگا جس کا ثواب

www.toobaaelibrary.com

آخرت میں ذخیرہ ہوتا اور وہاں حاضر ہو کر اس کے صلہ میں جنت میں پہنچائے جاتے) اور ان لوگوں کے خرچ کیے ہوئے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے (جو کہ خاص اس عمل سے ہوگی) اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں (کو اس عمل شاق کا خوگر بنا کر ان) میں پختگی پیدا کریں (تا کہ دوسرے اعمال صالحہ سہولت سے پیدا ہوا کریں پس ان لوگوں کے نفقات وصدقات کی حالت) مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلے پر ہو کہ (اس جگہ کی ہوا لطیف اور بارآور ہوتی ہے اور) اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ (باغ لطافت ہوا اور بارش کے سبب اور باغوں سے یا اور دفعوں سے) دونا (چوگنا) پھل لایا ہو اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار (یعنی خفیف بارش) بھی اس کو کافی ہے (کیونکہ زمین اور موقع اس کا اچھا ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں (اس لیے جب وہ اخلاص دیکھتے ہیں ثواب بڑھا دیتے ہیں) بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں کا اور انگوروں کا (یعنی زیادہ درخت اس میں ان کے ہوں اور) اس (باغ) کے (درختوں کے) نیچے نہریں چلتی ہوں (جس سے وہ خوب سرسبز و شاداب ہوں اور) اس شخص کے یہاں اس باغ میں (علاوہ کھجوروں اور انگوروں کے) اور بھی ہر قسم کے (مناسب) میوے ہوں اور اس شخص کا بڑھاپا آ گیا ہو، (جو کہ زمانہ زیادہ احتیاج کا ہوتا ہے) اور اس کے اہل وعیال بھی ہوں، جن میں (کمانے کی) قوت نہیں (اس صورت میں اہل وعیال سے بھی اس کو توقع خبر گیری کی نہیں ہوگی، بس وجہ معاش صرف وہی باغ ہو) سو (ایسی حالت میں یہ قصہ ہو کہ) اس باغ پر ایک بگولہ آئے جس میں آگ (کا مادہ) ہو پھر (اس سے) وہ باغ جل جائے (ظاہر بات ہے کسی کو اپنے لیے یہ بات پسند نہیں آ سکتی، پھر اسی کے مشابہ تو یہ بات بھی ہے کہ اول صدقہ دیا یا کوئی اور نیک کام کیا جس کے قیامت میں کارآمد ہونے کی امید ہو جو کہ وقت ہوگا غایت احتیاج کا اور زیادہ مدار قبول ہوگا انہی طاعات پر پھر ایسے وقت میں معلوم ہوگا کہ ہمارے احسان جتلانے یا غریب کو ایذا دینے سے ہماری طاعات باطل یا بے برکت ہو گئیں، اس وقت کیسی سخت حسرت ہوگی کہ کیسی کیسی آرزوؤں کا خون ہو گیا پس جب تم مثال کے واقعہ کو پسند نہیں کرتے تو ابطال طاعات کو کیسے گوارا کرتے ہو) اللہ تعالیٰ اسی طرح نظائر بیان فرماتے ہیں تمہارے (سمجھانے کے) لیے تاکہ تم سوچا کرو (اور سوچ کر اس کے موافق عمل کیا کرو)۔

www.toobaaelibrary.com

تلخیص معارف ومسائل

ان آیتوں میں اور آنے والی آیات: ۲۸۳ تک مالیات سے متعلق خاص ہدایات اور ایسے ارشادات ہیں کہ آج دنیا اگر اس پر پوری طرح عامل ہو جائے تو معاشی نظام کا لاینحل مسئلہ خود بخود حل ہو جائے، ان آیات میں اسلام کے معاشی نظام کے ایک اہم پہلو کا بیان ہے جس کے دو حصے ہیں۔

(۱) اپنی ضرورت سے زائد مال اللہ کی رضا کے لیے حاجتمند پر خرچ کرنے کی تعلیم جسے صدقہ وخیرات کہا جاتا ہے (۲) سودی لین دین حرام قرار دے کر اس سے بچنے کی ہدایات شروع کی آیت اول میں انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل کا بیان ہے (۲) اسکے بعد ایسے شرائط کا بیان ہے جسکے ذریعے عنداللہ قابل قبول بن جائے (۳) پھر ان چیزوں کا بیان ہے جو صدقہ وخیرات کو برباد کر دینے والی ہیں، اس کے بعد دو مثالیں بیان کی گئی ہیں جن سے یہ صدقات مقبول ہو جاتے ہیں اور جن سے فاسد ہو جاتے ہیں۔

اس رکوع میں لفظ انفاق اور صدقہ سے عام صدقات ومبرّات مراد ہیں نہ کہ زکوٰۃ واجبہ وفرض۔

پہلی آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کی اک مثال کا بیان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک روپیہ خرچ کرنے والے کا ثواب سات سو روپے خرچ کرنے کے برابر ہے، لیکن اس کے کچھ مثبت شرائط بھی اسی مثال سے معلوم ہوئے وہ یہ کہ (۱) مال پاک اور حلال ہو، (۲) خرچ کرنے والا نیک نیت ہو، (۳) مصرف صحیح ہو۔

دوسری آیت میں صدقہ کرنے کے صحیح اور مسنون طریقہ کا بیان ہے کہ احسان جتلا کر ایذا نہ پہنچائی جائے اس آیت میں دو منفی شرطیں مذکور ہوئیں یعنی احسان نہ جتلائیں اور نہ ذلیل سمجھیں تیسری آیت میں ان دو منفی شرطوں کی وضاحت کی گئی ہے، کہ ناداری کے وقت سائل کو مناسب عذر پیش کر دینا، اور سائل کی کسی بدتمیزی کو درگذر کرنا، یہ ایسی خیرات سے ہزار درجہ بہتر ہے جس میں ایذا پہنچائی جائے، خرچ کرتے وقت یہ سوچے کہ میں اپنے نفع کے لیے خرچ کر رہا ہوں میرا کسی پر احسان نہیں، اگر سائل ناشکری بھی محسوس کرے تو اخلاق الٰہی کے تابع ہو کر حلم ودرگذر سے کام لے وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ.

چوتھی آیت میں دوسری آیت کے مضمون کو دوسرے عنوان سے مزید تاکید کے ساتھ بیان فرمایا، کہ احسان جتلانے اور ایذا پہنچانے سے صدقات باطل ہو جاتے ہیں اس مضمون کو مثال کے ذریعہ سمجھا یا، صدقہ کی قبولیت کی یہ شرط بھی معلوم ہوئی کہ خالص اللہ کی رضا اور ثواب آخرت کی نیت سے خرچ کرے، کیونکہ ریا ونمود کی نیت سے خرچ کرنے والا خواہ مؤمن کیوں نہ ہو ثواب سے محروم رہتا

www.toobaaelibrary.com

ہے اور لا یؤمن باللہ سے یہ اشارہ بھی معلوم ہوا کہ ریاء و نمود کے لیے کام کرنا اس شخص سے متصور ہی نہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، ریا ایمان میں خلل کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور آیات تو سب کے لیے ہیں مگر کافر بجائے ان پر نظر کرنے کے انکا استہزاء کرتے ہیں نتیجتاً توفیق سے محروم کردیے جاتے ہیں اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی ہدایت قبول نہیں کرتے۔

پانچویں آیت میں انفاق مقبول کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ اخلاص نیت اور شرائط مذکورہ کی رعایت کے ساتھ خرچ کرنے کی بڑی فضیلت ہے کہ تھوڑا بھی، کافی ہے اور موجب ثمرات آخرت ہے۔

چھٹی آیت میں خلاف شرائط صدقہ کرنے کو بھی مثال سے بتلایا گیا ہے کہ بظاہر ذخیرۂ آخرت سمجھ رہا ہے مگر عند اللہ کچھ بھی نہیں ہے اس آیت میں جو تین قیود مذکور ہیں وہ قابل غور ہیں یہ شدت احتیاج کو ظاہر کرنے کے لیے لائی گئیں، اول بڑھاپا کہ بعد میں خود کچھ کرنے کے قابل نہیں رہا، دوسرے یہ کہ تنہا بھی ہے کہ تنگی ترشی سے گذارا کرسکے تیسرے یہ کہ یہ عیال بھی بڑے اور جوان نہیں بلکہ چھوٹے اور کمزور بچے، ان حالات میں لگا لگایا پھلدار باغ جل جائے تو صدمہ ظاہر ہے نہایت شدید ہوگا، مرنے کے بعد جب کہ زیادہ محتاج ہوجاتا ہے اس وقت ریا کاری کی وجہ سے اسکے لیے کچھ بھی نہ رہے گا معلوم ہوا کہ عند اللہ صدقہ کی مقبولیت کے لیے اخلاص بڑی شرط ہے، اس طرح مثبت اور منفی شرائط قبولیت کی چھ ہوجاتی ہیں۔

سنت کے مطابق خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اہل وعیال کی حق تلفی بھی نہ ہو، نیز مصرف کا صحیح انتخاب کیا جائے، نیز وہ مصرف شرعاً جائز اور مستحسن بھی ہو محض نیک نیتی ہی کافی نہیں ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا
الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝
الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ
وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا
يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا
الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ لَيْسَ
عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا

www.toobaaelibrary.com

ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُھُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُھُمْ بِسِيْمٰھُمْ ۚ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! (نیک کام میں) خرچ کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور (عمدہ چیز کو) اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے (کام میں لانے کے) لیے زمین سے پیدا کیا اور ردی (ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کردو حالانکہ (ویسی ہی چیز اگر کوئی تم کو تمہارے حق واجب کے عوض یا سوغات میں دینے لگے تو) تم کبھی اس کے لینے والے نہیں، ہاں مگر چشم پوشی (اور رعایت) کر جاؤ (تو اور بات ہے) اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں (جو ایسی ناکارہ چیزوں سے خوش ہوں) تعریف کے لائق ہیں (یعنی ذات وصفات میں کامل ہیں تو ان کے دربار میں چیز بھی کامل تعریف کے لائق ہی پیش کرنا چاہئے) شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے (کہ اگر خرچ کرو گے یا اچھا مال خرچ کرو گے تو محتاج ہو جاؤ گے) اور تم کو بُری بات (یعنی بخل) کا مشورہ دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے (خرچ کرنے پر اور اچھی چیز خرچ کرنے پر) اپنی طرف سے گناہ معاف کردینے کا اور زیادہ دینے کا (یعنی چونکہ نیک جگہ خرچ کرنا طاعت ہے اور طاعت سے معصیت کا کفارہ ہو جاتا ہے، لہٰذا اس سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کسی کو دنیا میں بھی اور آخرت میں تو سبھی کو خرچ کا عوض بھی زیادہ کر کے دیتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں (وہ سب کچھ دے سکتے ہیں) خوب جاننے والے ہیں (نیت کے موافق ثمرہ دیتے ہیں اور یہ سب مضامین بہت ظاہر ہیں، لیکن ان کو وہی سمجھتا ہے جس کو دین کا فہم ہو اور اللہ تعالیٰ) دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی (کیونکہ دنیا کی کوئی نعمت اس کے برابر نافع نہیں) اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں (یعنی جو عقل صحیح رکھتے ہیں) اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو حق تعالیٰ کو سب کی یقیناً اطلاع ہے اور بےجا کام کرنے والوں کا (قیامت میں) کوئی ہمراہی (حمایتی) نہ ہوگا، اگر تم ظاہر کر کے دو صدقات کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفاء کرو اور (اخفاء کے ساتھ) فقیروں کو دیدو تب اخفاء تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (اس کی برکت سے) تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردیں گے اور اللہ تعالیٰ

www.toobaaelibrary.com

تمہارے کئے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں، (چونکہ بہت سے صحابہ کو ایسی مصلحت خیرات نہ دیتے تھے کہ شاید اسی تدبیر سے کچھ لوگ مسلمان ہوجاویں اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی رائے دی تھی اس لیے اس آیت میں دونوں طرح کے خطاب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ) ان (کافروں) کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ (فرض واجب) نہیں (جس کے لیے اتنی دور دراز اہتمام کئے جاویں) ولیکن (یہ تو) خدا تعالیٰ (کا کام ہے) جس کو چاہیں ہدایت پر لے آویں، (آپ کا کام صرف ہدایت کا پہنچا دینا ہے خواہ کوئی ہدایت پر آوے یا نہ آوے اور ہدایت کا پہنچا دینا کچھ اس ممانعت پر موقوف نہیں) اور (اے مسلمانو!) جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدہ کی غرض سے کرتے ہو اور (اس فائدہ کا بیان یہ ہے کہ) تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے بجز رضا جوئی ذات پاک حق تعالیٰ کے (کہ ثواب اس کے لوازم سے ہے اور یہ ہر حاجتمند کی رفع حاجت کرنے سے حاصل ہوتی ہے، پھر مسلمان فقیر کی تخصیص کیوں کی جاوے) اور (نیز) جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب (یعنی اس کا عوض اور ثواب) پورا پورا تم (ہی) کو (آخرت میں) مل جاویگا اور تمہارے لیے اس میں ذرا کمی نہ کی جاوے گی (سو تم کو اپنے عوض سے مطلب رکھنا چاہیئے، اور عوض ہر حال میں ملے گا پھر تم کو اس سے کیا بحث کہ ہمارا صدقہ مسلمان ہی کو ملے کافر کو نہ ملے، صدقات) اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ (یعنی دین کی خدمت) میں، (اور اسی خدمت دین میں مقید اور مشغول رہنے سے) وہ لوگ (طلب معاش کے لئے) کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف ان کو مالدار خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان لوگوں کو ان کے طرز (ہیئت) سے پہچان سکتے ہو (کیونکہ فقر وفاقہ سے چہرے اور بدن میں ایک گونہ اضمحلال ضرور آجاتی ہے اور یوں) وہ لوگ سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے (جس سے کوئی ان کو حاجتمند سمجھے، یعنی مانگتے ہی نہیں، کیونکہ اکثر جو لوگ مانگنے کے عادی ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں) اور (ان لوگوں کی خدمت کرنے کو) جو مال خرچ کرو گے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔ (اور لوگوں کو دینے سے ان کی خدمت کا فی نفسہ زیادہ ثواب دیں گے)

تلخیص معارف ومسائل

اس رکوع میں ماسبق کے رکوع سے متعلق امور کا بیان ہے، بعض لوگ خراب چیزیں لاتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، بعض نے عموم لفظ سے طیّب کی تفسیر "حلال" سے کی ہے کیونکہ حقیقتاً عمدہ جب ہی

www.toobaaelibrary.com

ہوتی ہے جب حلال بھی ہو، اور واضح ہو کہ یہ اس شخص کے لیے ہے کہ عمدہ چیز ہوتے ہوئے بڑی اور ردّی چیز خرچ کرے، مَا كَسَبْتُمْ اور مابعد کے الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں، اور جس کے پاس عمدہ چیز موجود ہی نہ ہو وہ اس ممانعت سے بری ہے اس کی وہ ردّی بھی مقبول ہے لفظ مَا كَسَبْتُمْ سے یہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ والد کا اپنے بیٹے کی کمائی سے کھانا جائز ہے، ارشاد رسالت ہے: اَوْلَادِكُمْ مِنْ طَيِّبِ اَكْسَابِكُمْ فَكُلُوْا مِنْ اَمْوَالِ اَوْلَادِكُمْ: یعنی اولاد تمہاری کمائی کا ایک پاکیزہ حصہ ہے پس تم اپنی اولاد کی کمائی سے مزے سے کھاؤ۔

عشر آراضی کے احکام

مِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ میں لفظ اَخْرَجْنَا سے عشری زمین میں عشر واجب ہونے کی طرف اشارہ ہے، اس آیت کے عموم سے امام ابوحنیفہؒ نے استدلال کیا ہے کہ عشری زمین کی ہر قلیل اور کثیر پیداوار پر عشر واجب ہے، سورۂ انعام کی آیت وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وجوبِ عشر میں بالکل صریح اور واضح ہے، عشر اور خراج شریعت اسلامی کے دو اصطلاحی لفظ ہیں، اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے فرق یہ ہے کہ عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں زیادہ اصلی وہ حیثیت عبادت مالی کی ہے زکوۃ کی طرح اسی لیے اسے زکوۃ الارض بھی کہا جاتا ہے، اور خراج خالص ٹیکس ہے، مسلم سے لیے جانے کو عشر اور غیر مسلم سے وصول کرنے کو ٹیکس کہا جاتا ہے، عملاً زکوۃ اور عشر میں یہ فرق یہ ہے کہ زکوۃ اموال تجارت اور سونا چاندی پر سال بھر گذرنے کے بعد عائد ہوتی ہے اور عشر زمین سے پیداوار حاصل ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے، نیز پیداوار نہ ہونے پر عشر ساقط ہو جاتا ہے اور زکوۃ منافع نہ حاصل ہونے کی صورت میں بھی فرض ہوگی۔

آیت :۲۶۸: خیرات سے اگر افلاس کا خیال آئے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ مضمون شیطان کی طرف سے ہے اور صدقہ وخیرات سے مغفرت اور برکت وترقی مال کا خیال آئے تو جان لینا چاہئے کہ یہ مضمون اللہ کی طرف سے ہے، اس پر خدا کا شکر ادا کرے۔

آیت :۲۶۹: قرآن میں لفظ حکمت بار بار آیا ہے اور ہر جگہ اس کی تفسیر میں مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں، مفسرین کے اقوال تیس بیان کیے جاتے ہیں، بحرِ محیط میں آیت (۲۵۱) بقرہ میں والحکمۃ کے متعلق لکھا ہے: والحكمةُ وضعُ الا مورِ فی محلِّهَا علی الصّواب و کمالُ ذٰلك انما یحصل بالنبوّۃِ یعنی حکمت کے اصلی معنی ہر شے کو اس کے محل میں رکھنے کے ہیں اور اس کا کمال

www.toobaaelibrary.com

صرف نبوت سے ہو سکتا ہے،، یہاں حکمت کی تفسیر نبوت سے کی گئی ہے۔

امام راغب فرماتے ہیں کہ لفظ حکمت جب اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے تو معنی ”تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں“ اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے تو ”موجودات کی صحیح معرفت اور اس کے مطابق عمل مراد ہوتا ہے“ اس کی مختلف تعبیریں کی گئی ہیں، قرآن، حدیث، علم صحیح، عمل صالح، قول صادق، عقل سلیم، فقہ فی الدین، اصابۃ رائے، خشیۃ اللہ، یہ آخری معنی خود حدیث میں بھی مذکور ہیں، راس الحکمۃ خشیۃ اللہ. بعض حضرات فرماتے ہیں کہ زیر نظر آیت میں یہ سب چیزیں مراد ہیں۔ (بحر محیط ج ۲ ص ۳۲۰)

آیت: ۲۷۰: اس کے اندر ہر قسم کا خرچ صحیح ہو یا غلط، اور ہر قسم کی نذر مالیہ ہو یا بدنیہ مطلق ہو یا معلق، ایفاء کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، سب آگئیں یہ اس لیے سنایا گیا تاکہ حدود و شرائط کی رعایت کی ترغیب ہو اور عدم رعایت سے ترہیب ہو، للظّلمین سے مراد ضروری شرائط کی رعایت نہ کرنے والے ہیں۔

آیت: ۲۷۱: صدقات واجبہ ہوں یا نافلہ سب میں اخفا ہی افضل ہے اس میں دینی اور دنیوی دونوں مصالح ہیں، اور یہ افضلیت اخفاء فی نفسہ ہے اور اگر کہیں کسی عارض کی وجہ سے اظہار ہو جاوے تو افضلیت فی نفسہ کے منافی نہیں ہے، اور کفارۂ سیات کچھ اخفاء کے ساتھ خاص نہیں ہے، اخفاء کے ساتھ اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اخفاء میں اگر کوئی ظاہری فائدہ نظر نہ آئے تو منقبض نہ ہونا چاہئے، گناہوں کا معاف ہونا خود عظیم فائدہ ہے۔

آیت: ۲۷۲: چونکہ بہت سے صحابہ کفار کو بایں مصلحت خیرات (یہاں مراد صدقہ سے نافلہ مراد ہیں نہ کہ واجبہ) نہ دیتے تھے کہ شاید اسی تدبیر سے کچھ مسلمان ہو جاویں پیغمبر علیہ السلام نے بھی یہی رائے دی تھی، اس لیے اس آیت میں دونوں طرح کا خطاب ہے، یعنی ان زوائد پر نظر نہ جانی چاہئے کہ یہ نفع خاص اسی طریقہ سے حاصل کیا جائے کہ مسلمان ہی کو صدقہ دیں، کافر کو نہ دیں، لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ الخ.

مسئلہ: نفلی صدقہ ذمی کافر کو بھی دینا جائز ہے، حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں، کافر ذمی کو صدقہ واجبہ یعنی زکوٰۃ وعشر دینا جائز نہیں۔

آیت: ۲۷۳: یہاں فقراء سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جو دینی مشغولیت کی وجہ سے دوسرا کوئی کام نہیں کر سکتے۔ یَحْسَبُهُمُ الخ اگر کوئی فقیر قیمتی کپڑے پہنے ہوئے ہو تو اس کی وجہ سے اس کو غنی نہیں کہا

www.toobaaelibrary.com

جائے گا، ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا بھی صحیح ہے (قرطبی) تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ: علامات کو دیکھ کر حکم لگانا صحیح ہے چنانچہ ایسا کوئی مردہ ہو جس پر زنار ہو اور غیر مختون ہو تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا (قرطبی) لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا: بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ بغیر لپٹے مانگنے کی نفی نہیں کی گئی ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ وہ سوال بالکل نہیں کرتے لأنهم معففون عن المسألة عفة تامة: (قرطبی)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۚ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۞ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۞

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں (یعنی بلا تخصیص اوقات) پوشیدہ اور آشکارا (یعنی بلا تخصیص حالات) سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا (قیامت کے روز) ان کے رب کے پاس (جا کر) اور نہ (اس روز) ان پر کوئی خطرہ (واقع ہونے والا ہے) ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں (یعنی لیتے ہیں) نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان نے خبطی بنا دیا ہو لپٹ کر (یعنی حیران مدہوش یہ سزا اس لیے ہوگی کہ ان (سود خوار) لوگوں نے (سود کے حلال ہونے پر استدلال کرنے کے لیے) کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے، (کیونکہ اس میں بھی مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور بیع یقیناً حلال ہے، پھر سود بھی جو کہ اس کا مثل ہے حلال ہونا چاہئے) حالانکہ (دونوں میں کھلا فرق ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے (جو کہ مالک ہیں احکام کے) بیع کو حلال

www.toobaaelibrary.com

فرمایا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے (اس سے زیادہ اور کیا فرق ہوگا) پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے (اس بارہ میں) نصیحت پہنچی اور وہ (اس سود کے فعل اور اس کفر کے قول سے یعنی حلال کہنے سے) باز آگیا (یعنی حرام سمجھنے لگا اور لینا بھی چھوڑ دیا) تو جو کچھ (اس حکم کے آنے سے) پہلے (لینا) ہو چکا ہے وہ اس کا رہا (یعنی ظاہر شرع کے نزدیک اس کی یہ توبہ قبول ہوگئی، اور لیا ہوا مال اسی کی ملک ہے) اور (باطنی) معاملہ اس کا (کہ وہ دل سے باز آیا ہے یا منافقانہ توبہ کرلی ہے، یہ) خدا کے حوالے رہا، (اگر دل سے توبہ کی ہوگی عند اللہ نافع ہوگی ورنہ کالعدم ہوگی، تم کو بدگمانی کا کوئی حق نہیں) اور جو شخص (نصیحت مذکور سن کر بھی اسی قول اور اسی فعل کی طرف) پھر عود کرے تو (بوجہ اس کے کہ ان کا یہ فعل خود گناہ کبیرہ ہے) یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے (اور بوجہ اس کے کہ ان کا یہ قول کفر ہے اس لیے) وہ اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہیں گے (اور گو سود لینے سے فی الحال مال بڑھتا نظر آتا ہے، لیکن مآل کار) اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں (کبھی تو دنیا ہی میں سب برباد ہوجاتا ہے ورنہ آخرت میں تو یقینی برباد ہے، کیونکہ وہاں اس پر عذاب ہوگا) اور (برخلاف اس کے صدقہ دینے میں گو فی الحال مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے، لیکن مآل کار اللہ تعالیٰ) صدقات کو بڑھاتے ہیں (کبھی تو دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو یقیناً بڑھتا ہے، کیونکہ وہاں اس پر بہت سا ثواب ملے گا جیسا اوپر آیات میں مذکور ہوا) اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا (بلکہ مبغوض رکھتے ہیں) کسی کفر کرنے والے کو (جو کہ قول مذکور کے مثل کلمات کفر منہ سے بکے، اور اسی طرح پسند نہیں کرتے) کسی گناہ کے کام کرنے والے کو (جو کہ فعل مذکور یعنی سود کے مثل کبائر کا مرتکب ہو)، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اور (بالخصوص) نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی، ان کے لیے ان کا ثواب ہوگا ان کے پروردگار کے نزدیک اور (آخرت میں) ان پر کوئی خطرہ (واقع ہونے والا) نہیں ہوگا اور نہ وہ (کسی مقصود کے فوت ہونے سے) مغموم ہوں گے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو (کیونکہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے) پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کے طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تمہارے خلاف جہاد ہوگا) اور اگر تم توبہ کرلو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جاویں گے (اس قانون کے بعد) نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے (کہ تم اصل مال سے زیادہ لینے لگو) اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پاوے گا (کہ تمہارا اصل مال بھی نہ دلایا جاوے) اور اگر (قرض دار) تنگ دست (اور اس لیے میعاد پر نہ

www.toobaaelibrary.com

دے سکے) تو (اس کو) مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک (یعنی جب اس کے پاس ادا کی گنجائش ہو) ور یہ (بات) کہ (بالکل) معاف ہی کردو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے، اگر تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو، اور (مسلمانو!) اس دن سے ڈرو جس میں تم (سب) اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا (یعنی اس کا بدلہ) پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا، (تو تم پیشی کے لیے اپنی کارگذاری درست رکھو، اور کسی قسم کی خلاف ورزی مت کرو)۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۲۷۴: انفاق فی سبیل اللہ کیلئے اوقات وحالات کی کوئی تعیین نہیں، اخلاص شرط ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے چالیس ہزار درہم اس طرح خرچ کیا کہ دس ہزار دن میں، دس ہزار رات میں، دس ہزار خفیہ، دس ہزار علانیہ، بعض مفسرین اس آیت کا شان نزول اسی واقعہ کو لکھا ہے، اس کے شان نزول کے متعلق اور بھی مختلف اقوال ہیں، (روح المعانی)

سود وربا: اس کوع کی چھ آیتوں میں سود کی حرمت اور احکام کا بیان ہے، پہلی آیت کے شروع میں سودخواروں کے انجام بد اور محشر میں ان کی رسوائی کا ذکر ہے، کھڑے ہونے سے مراد حدیث میں محشر میں قبر سے اٹھنا ہے، اس آیت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ شیاطین کے اثر سے انسان بے ہوش اور مخبوط ہو سکتا ہے، اہل تجربہ کے متواتر مشاہدات بھی شاہد ہیں اطبا اور فلاسفہ نے بھی اسے تسلیم کیا ہے، مخبوط الحواس کہنے سے اشارہ یہ ہے کہ سودخوار مجنون اور پاگل کی طرح خاموش (کبھی کبھی) نہیں رہیں گے بلکہ بکواس، ہذیان اور دیگر مجنونانہ حرکتوں کی وجہ سے پہچانے جائیں گے۔ نیز عذاب وتکلیف کا احساس باطل نہ ہوگا بلکہ آسیب زدہ کی طرح پورے طور پر محسوس کرے گا۔

سزا اور جرم میں مناسبت سودخوار ہوس زر میں اس قدر مدہوش ہوتا ہے کہ اسے نہ کسی غریب پر رحم آتا ہے اور نہ کوئی شرم وہ درحقیقت اپنی زندگی میں بیہوش تھا اس لیے محشر میں بھی اسی حالت میں اٹھایا گیا، یا یہ کہ دنیا میں اس نے برعکس عقل بے عقلی کو ظاہر کیا کہ بیع کو مثل سود قرار دیا اس لیے اس کو بے عقل کر کے اٹھایا گیا۔

"سود کھانے" سے مراد مطلقاً سود لینا اور استعمال کرنا، مکمل قبضہ اور تصرف کو "کھا جانے" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اکثر زبانوں کا محاورہ یہی ہے وجہ سزا یہ بیان فرمائی ہے کہ انھوں نے دو جرم کیے (۱) ایک تو سود کا حرام مال کھایا، دوسرے اسے حلال سمجھا، حرام کہنے والوں کے جواب میں

www.toobaaelibrary.com

استہزاءً کہا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا کہ بیع وشراء بھی تو ربٰو ہی کی طرح ہے، مقصود دونوں سے نفع ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہیے، یوں نہیں کہا کہ "ربٰو بھی تو مثل بیع کے ہے" یہ ایک قسم کا استہزاء تھا۔

تیسرے جملے میں ان کے قول کا یہ جواب دیا کہ دونوں برابر نہیں ہیں، ایک کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا، دوسرے کو حرام، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ جواب ان کے عقلی اعتراض کے مقابلہ میں حاکمانہ انداز میں ہے کہ مالک الملک والملکوت اللہ جل شانہٗ ہے، مجموعۂ نظام عالم کی پوری حقیقت اور اس کے نفع وضرر کا احاطہ صرف وہی علیم وخبیر کر سکتا ہے، بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ کسی شخص یا کسی جماعت کے حق میں بظاہر مفید نظر آتی ہیں مگر درحقیقت پوری قوم یا پورے ملک کے لیے اس میں مضرت ہوتی ہے۔

سود کی حرمت کے حکم کے بعد توبہ کر لینے کے بعد سود کی حرمت سے پہلے کی جمع شدہ رقم ظاہر شرع کے حکم سے اسی کی رہی، پھر یہ کہ وہ دل سے باز آیا یا اس کی توبہ منافقانہ ہے یہ معاملہ باطنی ہے خدا کے حوالہ ہے۔ عام لوگوں کو بدگمانی کا حق نہیں ہے، حقیقی توبہ ہوگی تو عند اللہ نافع ہوگی ورنہ کالعدم۔ چونکہ یہ فعل گناہ ہے اور اس کا قول اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا کفر ہے اس لیے دائمی طور پر دوزخ میں رہیں گے۔

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ، سود کے ساتھ صدقات کا ذکر ایک خاص مناسبت سے لایا گیا ہے کہ سود اور صدقہ دونوں کی حقیقت میں بھی تضاد ہے اور نتائج میں بھی اور اس فعل کے کرنے والے کی غرض ونیت بھی متضاد ہوتی ہے۔

حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں بغیر معاوضہ کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے، اپنا مال کم یا ختم کیا جاتا ہے جب کہ سود میں بغیر معاوضہ دے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے اور ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہوتا ہے یہ اس کی نیت ہوئی جب کہ صدقہ کرنے والا صرف اللہ کی رضا جوئی کا فیصلہ کرتا ہے۔

نتائج کا تضاد یہ ہے جو اوپر ارشاد فرمایا اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مال کی ہوس کرنے والے کا مقصد پورا نہیں ہوتا، صدقہ کرنے والا اپنے مال کی کمی پر راضی ہوتا ہے اس لیے مال میں برکت ہوتی ہے، اس کے ثمرات وفوائد بڑھ جاتے ہیں۔

سود کو مٹانے اور صدقات کے بڑھانے کا مطلب آخرت کے اعتبار سے ہے (بعض مفسرین کے نزدیک) کہ آخرت میں سودی مال کچھ کام نہ آئیگا بلکہ اس پر وبال بن جائے گا۔ صدقہ کرنے والوں کا مال آخرت میں ابدی راحتوں کا ذریعہ بنے گا۔ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ آخرت کے لیے تو

www.toobaaelibrary.com

ہے ہی، اس کے کچھ آثار دنیا میں بھی مشاہدہ میں آجاتے ہیں ارشاد رسالت ہے: انّ الربوٰ وان کثر فان عاقبتہ تصیر الیٰ قُلّ (مسند احمد، ابن ماجہ) یعنی سود اگر چہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر انجام کار نتیجہ اس کا قلت ہے۔ سود جس مال میں شامل ہو جاتا ہے بعض اوقات تو وہ مال خود برباد ہو جاتا ہے پچھلے مال کو بھی ساتھ لے جاتا ہے، بے سود کی تجارت میں بھی نقصان کا احتمال ہوتا ہے مگر سودی کاروبار والوں کی طرح نہیں کہ دیوالیہ اور فقیر بن کر پیسہ پیسہ کے محتاج ہو جاتے ہیں، سود کا مال فوری طور پر کتنا ہی بڑھ جائے مگر وہ عموماً پائیدار نہیں ہوتا کہ اس کے فوائد نسلوں تک چلیں اکثر کسی آفت کی نذر ہو جاتے ہیں، حضرت معمرؒ نے فرمایا کہ بزرگوں سے سنا ہے کہ چالیس سال گذرتے گذرتے سود خور کے مال میں محاق (گھاٹا) آجاتا ہے۔

اور مال و دولت کے آخر ثمرات کیا ہیں؟ یہی تو کہ جس سے انسان کی زندگی خوش گوار بن سکے اور یہ راحت و عزت اسکی اولاد اور متعلقین کو بھی حاصل ہو۔ اگر یہ ثمرات حاصل ہیں تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کا مال ایک حیثیت سے بڑھ گیا اگر چہ دیکھنے میں کم نظر آئے، اور یہ فوائد و ثمرات کم حاصل ہوئے تو ایک حیثیت سے اس کا مال گھٹ گیا اگر چہ دیکھنے میں زیادہ نظر آئے۔

سود خور کے مال کا بڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی انسان کا بدن ورم وغیرہ سے بڑھ جائے، یہ زیادتی بھی تو بدن ہی کی زیادتی ہے مگر کون سمجھدار انسان اسے پسند کر سکتا ہے۔ یہ زیادتی تو موت کا پیغام ہے۔

ظاہری عیش و عشرت کے سامانوں سے دھوکہ نہ ہو جائے، سامان راحت اور چیز ہے اور راحت اور چیز ہے، سامان راحت ہر جگہ فیکٹریوں اور بازاروں میں بنتا اور بکتا ہے مگر راحت جس کا نام ہے وہ کسی کارخانہ میں نہ بنتی ہے اور نہ ہی منڈی کی چیز ہے وہ تو ایک ایسی رحمت ہے جو براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نہ چاہیں تو ساری دنیا کے عوض نہیں حاصل ہو سکتی، ایک نیند کی راحت کو دیکھ لیجئے کہ کیا نیند کے سارے سامان موجود ہوتے ہوئے نیند کا آجانا لازمی ہے اس کا جواب ہزاروں انسان نفی میں دیں گے جن کو کسی عارضہ سے نیند نہیں آتی، امریکہ جیسے مالدار اور متمدن ملک کی رپورٹ دیکھئے کہ وہاں پچھتر فی صد لوگ خواب آور گولیوں کے بغیر سو ہی نہیں سکتے اور کبھی کبھی تو یہ گولیاں بھی جواب دے جاتی ہیں۔

یہ سود خور کروڑ کے ڈیڑھ کروڑ بنانے میں شب و روز اس طرح مست نظر آئیں گے کہ انہیں کھانے پینے اور بیوی بچوں کا بھی ہوش نہیں رہتا یہ سب کچھ ہے مگر راحت ہی نہیں ہے، افسوس کہ دیوانوں نے

www.toobaaelibrary.com

سامانِ راحت کا نام راحت سمجھ لیا ہے اور حقیقی راحت سے کوسوں دور ہیں۔

اب ان کی عزت کو دیکھ لیجئے، اپنے اس فعل بد کی وجہ سے یہ سخت دل اور بے رحم ہو جاتے ہیں اس لیے ممکن نہیں کہ لوگوں کے دلوں میں انکی عزت اور وقار ہو، بلکہ غریبوں اور مفلسوں کے دلوں میں ان کی طرف سے بغض و نفرت پیدا ہوتی ہے جس کا نتیجہ قتل و قتال اور جنگ و جدال کی صورت میں ظاہر ہے، ان کے بالمقابل صدقہ وخیرات کرنے والوں کو دیکھئے کہ انہیں کبھی مال کے پیچھے اس طرح سرگرداں اور پریشان نہ پائیں گے، ان کو سامان راحت اگر چہ کم حاصل ہوں مگر اصلی راحت سکون واطمینان قلب سامان والوں سے زیادہ انہیں حاصل ہوگا، ہر انسان ان کو عزت کی نظر سے دیکھے گا۔

جو لوگ سود کو حرام ہی نہ سمجھیں وہ کفر میں مبتلا ہیں اور حرام سمجھتے ہوئے عملاً مبتلا ہیں وہ گنہ گار فاسق ہیں۔ قرآن کا یہ عام اسلوب ہے کہ نافرمانوں کے ذکر کے ساتھ فرمانبرداوں کے ثواب اور درجات آخرت کا ذکر بھی کرتا ہے۔

آیت: ۲۷۸: سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے عرب میں سود کا رواج عام تھا، اس کی ممانعت آئی تو حسب عادت مسلمانوں نے سودی معاملات ترک کر دے لیکن کچھ لوگوں کی بقایا رقموں کے مطالبات دوسرے لوگوں پر تھے، اسی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بنی ثقیف اور بنی مخزوم کے آپس میں سودی معاملات کا سلسلہ تھا، یہ مطالبہ بنی مخزوم کی طرف تھا، یہ مسلمان ہو گئے اس کے بعد انہوں نے سود کی رقم ادا کرنا جائز نہ سمجھا، ادھر بنو ثقیف کے لوگوں نے مطالبہ شروع کیا، کیونکہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر مسلمانوں سے مصالحت کر لی تھی، بہر حال یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ اس وقت مکہ فتح ہو چکا تھا، پیغمبر علیہ السلام کی طرف سے امیر مکہ حضرت معاذؓ (یا حضرت عتاب ابن اُسیدؓ) نے حکم دریافت کرنے کی غرض سے خدمت نبوی میں یہ قضیہ لکھ بھیجا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس اسلامی قانون کے مسلمان تو پابند تھے ہی، جو غیر مسلم قبائل بطور صلح ومعاہدہ اسلامی قانون کو قبول کر چکے تھے وہ بھی اس کے پابند ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود خطبہ حجۃ الوداع میں اس قانون کا اعلان کیا تو اس کا اظہار فرمایا کہ یہ قانون کسی خاص شخص، قوم یا مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر نہیں بلکہ پوری انسانیت کی تعمیر کے لیے جاری کیا گیا ہے اسی لیے سب سے پہلے ہم بہت بڑی سودی رقم چھوڑتے ہیں، انہیں بھی بقایا سودی رقم چھوڑنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہئے ارشاد فرمایا: الا ان کل ربا کان فی الجاھلیۃ موضوع منکم کلہ لکم رؤس موالکم لا تظلمون ولا تُظلمون واول ربا

www.toobaaelibrary.com

موضوع ربا العباس ابن عبد المطلب کله: (ابن کثیر) یعنی زمانۂ جاہلیت کے ساری سودی معاملات کا سود چھوڑ دیا گیا، اب ہر شخص کو اصل رقم ملے گی نہ تم زیادتی وصول کر کے کسی پر ظلم کر سکو گے، اور نہ کوئی اصل راس المال میں کمی کر کے تم پر ظلم کر سکے گا، اور سب سے پہلا جو سود چھوڑا تھا وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے جس کی بہت بھاری رقم غیر مسلموں کے ذمہ بطور سود کے عائد ہوتی تھیں" مذکورہ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ اور بقایا سود چھوڑنے کا حکم مذکور ہے۔

قرآن کا یہ خاص طرز ہے کہ کسی بھی دشوار حکم سنانے سے پہلے اللہ کے سامنے پیشی اعمال اور آخرت کے ثواب وعذاب کا ذکر کر کے مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں کو اس پر عمل کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے، چنانچہ یہاں بھی پہلے اِتَّقُوا اللّٰهَ فرمایا اس کے بعد حکم دیا۔ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا، حکم کے بعد اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے ارشادات ملا دیے گئے۔

آیت: ۲۷۹: میں حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ایسی سخت وعید سنائی گئی ہے کہ کفر کے سوا اور کسی بڑے سے بڑے گناہ پر قرآن میں ایسی وعید نہیں آئی نیز آیت کے آخر میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اگر سود چھوڑنے کا عزم کر کے توبہ نہ کرو گے تو تمہارے اصل، راس المال بھی ضبط ہو جائیں گے اور بصورت توبہ اصل راس المال تمہارے تم کو مل جائیں گے۔

آیت: ۲۸۰: سودخوری کی انسانیت سوز حرکت کے بالمقابل پاکیزہ اخلاق اور ناداروں کے ساتھ مساہلت کی تعلیم دی جارہی ہے، سودخواروں کی عادت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر مدیون (قرضدار) مفلس ہے اور میعاد مقررہ پر قرض ادا نہیں کر سکتا تو سود کی رقم اصل میں جمع کر کے سود در سود کا سلسلہ چلاتے ہیں، اور سود کی مقدار اور بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنا دیا کہ مدیون اگر مفلس ہے تو اسے تنگ کرنا جائز نہیں، اسے مہلت دینی چاہئے، تاوقتیکہ وہ قادر ہو جائے، ساتھ ہی قرض معاف کر دینے کی بھی ترغیب دی، اور اسے خیر فرمایا کہ موجب ثواب عظیم ہوگا، اور قرآن نے خَيْرٌ لَّكُمْ اس لیے فرمایا کہ یہ بہتری دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد مشاہدہ میں آجائے گی جب کہ اس حقیر مال کے بدلے جنت کی دائمی نعمتیں ملیں گی، نیز دنیا میں بھی مشاہدہ ہوگا کہ مال میں برکت ہوگی کہ تھوڑے مال میں زیادہ کام نکل جائیں گے، مال کی مقدار کا بڑھ جانا تو ضروری نہیں ہے البتہ یہ مشاہدہ ہے کہ صدقہ خیرات کرنے والوں کے مال میں بیشمار برکت ہوتی ہے ان کے تھوڑے مال سے اتنے کام نکل جاتے ہیں کہ حرام مال والوں کے بڑے بڑے اموال سے وہ کام نہیں نکلتے، اور بے مقصد چیزوں میں مثلاً دوا علاج، فیس میں بڑی

www.toobaaelibrary.com

بڑی رقمیں خرچ ہو جاتی ہیں اور غریبوں کو اس کا کبھی سابقہ نہیں پڑتا، اللہ تعالیٰ انہیں تندرستی کی نعمت عطا فرماتے ہیں اور کبھی بیماری آئی بھی تو معمولی اخراجات سے تندرستی حاصل ہو جاتی ہے۔

مدیون مفلس کے ساتھ مساہلت کے لیے احادیث صحیحہ میں ارشادات وارد ہوئے ہیں، مثلاً قیامت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ نصیب ہوگا اور ہر روز اتنی رقم کے صدقہ کا ثواب ملے گا اور یہ حساب میعادِ قرض پورا ہونے سے پہلے مہلت دینے کا ہے اور میعاد پوری ہو جائے اور پھر بھی ادائے گی پر قادر نہ ہو اس وقت مہلت دینے پر ہر روز اس کی دگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کی دعا قبول ہو یا اس کی مصیبت دور ہو تو اس کو چاہئے کہ تنگدست مدیون کو مہلت دیدے۔

آیت: ۲۸۱: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نزول کے اعتبار سے یہ سب سے آخری آیت ہے، اس کے اکتیس روز بعد (یا نو روز بعد) پیغمبر علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔

ربا کی حرمت و ممانعت پر سورۂ بقرہ کی یہ سات آیتیں ہیں، ایک آیت آل عمران میں ہے آیت: ۱۳۰، دو آیتیں سورۂ نساء میں ہیں (۱۶۰-۱۶۱) اور ایک آیت سورہ روم میں ہے آیت: ۳۹، مگر اس کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے اسے بھی سود پر محمول فرمایا ہے، بعض حضرات نے سود کی ممانعت پر اس آیت کو محمول نہیں فرمایا ہے یہ دوسری تفسیر راجح ہے، بہرحال ممانعت سود کے مسئلہ میں اس آیت کے علاوہ بھی مذکورۃ الصدر آیات آئی ہیں، آل عمران کی آیت میں اضعاف مضاعف سود کی حرمت بیان کی گئی ہے اور باقی آیات میں مطلق سود کی حرمت کا بیان ہے، الغرض سود ہر طرح کا حرام ہے اور حرام بھی ایسا شدید کہ اس کی مخالفت کرنے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ سنایا گیا ہے۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ! اللهم احفظنا من كل بلاء الدنيا وعذاب الأخرة، اللهم وفقنا لما تحبّ وترضىٰ!

سود کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام کے دس ارشادات

سود کی حرمت چالیس سے زیادہ احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے، یہاں دس ارشادات گرامی درج کئے جاتے ہیں!

(۱) پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ سات مہلک چیزوں سے بچو، صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا! ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ (عبادت میں یا اس کی مخصوص

www.toobaaelibrary.com

صفات میں) کسی غیر اللہ کو شریک کرنا۔ دوسرے جادو کرنا، تیسرے کسی شخص کو ناحق قتل کرنا، چوتھے سود کھانا، پانچویں یتیم کا مال کھانا چھٹے جہاد کے وقت میدان سے بھاگنا۔ ساتویں کسی پاکدامن عورت پر تہمت باندھنا (بخاری، مسلم) (۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے آج رات دو شخصوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے اور مجھے بیت المقدس تک لے گئے پھر ہم آگے چلے تو ایک خون کی نہر دیکھی، جس کے اندر ایک آدمی کھڑا ہوا ہے اور دوسرا آدمی اس کے کنارے پر کھڑا ہے جب یہ نہر والا آدمی اس سے باہر آنا چاہتا ہے تو کنارہ والا آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے جس کی چوٹ سے بھاگ کر پھر وہ وہیں چلا جاتا ہے جہاں کھڑا تھا، پھر وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر یہ کنارہ کا آدمی یہی معاملہ کرتا ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ان دونوں ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے بتلایا کہ خون کی نہر میں قید کیا ہوا آدمی سود کھانے والا ہے (اپنے عمل کی سزا پا رہا ہے) (بخاری) (۳) پیغمبر علیہ السلام نے سود لینے والے اور سود دینے والے پر لعنت فرمائی، اور بعض روایتوں میں سودی معاملہ پر گواہی دینے والے اور اس کا وثیقہ لکھنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، مسلم شریف میں ہے کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں، اور بعض روایات میں شاہد و کاتب پر لعنت اس صورت میں ہے کہ ان کو اس کا علم ہو کہ یہ سود کا معاملہ ہے۔ (۴) پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ چار آدمی ہیں کہ ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ان کو جنت میں نہ داخل کرے اور جنت کی نعمت نہ چکھنے دے، وہ چار یہ ہیں: (۱) شراب پینے کا عادی، (۲) سود خوار، (۳) ناحق یتیم کا مال کھانے والا، (۴) والدین کی نافرمانی کرنے والا۔ (مستدرک حاکم) (۵) پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو آدمی سود کا ایک درہم کھاتا ہے وہ چھتیس مرتبہ بدکاری کرنے سے زیادہ سخت گناہ ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ جو گوشت مال حرام سے بنا ہوا سکے لیے آگ ہی زیادہ مستحق ہے، نیز۔ کسی مسلمان کی آبرو ریزی سود سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے (مسند احمد، طبرانی) (۶) پیغمبر علیہ السلام نے اس بات سے منع فرمایا کہ پھل کو قابل استعمال ہونے سے پہلے فروخت کیا جائے اور فرمایا کہ جب کسی بستی میں بدکاری اور سود کا کاروبار پھیل جائے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اپنے اوپر دعوت دیدی۔ (مستدرک حاکم) (۷) پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں سودی لین دین کا رواج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے، اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جائے تو دشمنوں کا رعب وغلبہ ان پر ہو جاتا ہے (مسند احمد) (۸) پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ شب معراج میں جب ہم

www.toobaaelibrary.com

ساتویں آسمان میں پہنچے تو میں نے اپنے اوپر رعد و برق کو دیکھا، اس کے بعد ہم ایک ایسی قوم پر گذرے جن کے پیٹ رہائشی مکانات کی طرح پھولے اور پھیلے ہوئیں ہیں جن میں سانپ بھرے ہیں جو باہر سے نظر آرہے ہیں میں نے جبریل امین سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ سود خور ہیں (مسند احمد) (۹) پیغمبر علیہ السلام نے عوف ابن مالکؓ سے فرمایا کہ ان گناہوں سے بچو جو معاف نہیں کیے جاتے، ان میں ایک مال غنیمت کی چوری ہے، اور دوسرے سود کھانا (طبرانی) (۱۰) پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کو تم نے قرض دیا ہو اس کا ہدیہ بھی قبول نہ کرو (ایسا نہ ہو اس نے یہ ہدیہ قرض کے عوض میں دیا ہو جو سود ہے اس لیے اس کے ہدیہ قبول کرنے سے بھی احتیاط چاہیے۔

مذکورہ بالا سات آیات اور دس ارشادات نبویہ بیان ہوئے، سوچنے سمجھنے والوں کے لئے،،، اتنا کافی ہے، اس موضوع پر مزید تحقیق کے لیے صاحب معارف القرآن کی مستقل کتاب (مسئلہ سود) دیکھی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ
بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ
فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ
اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْھَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ
فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰي سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا
كَاتِبًا فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ و خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا (خواہ دام اُدھار ہوں یا جو چیزیں خریدنا ہے وہ ادھار ہو جیسے بیع سلم میں) ایک میعاد معیّن تک (کے لئے) تو اس (کی یادداشت و دستاویز) کو لکھ لیا کرو اور یہ ضرور ہے کہ تمہارے آپس

www.toobaaelibrary.com

میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہو وہ) انصاف کے ساتھ لکھے (یعنی کسی کی رعایت کر کے مضمون میں کمی بیشی نہ کرے) اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ خدا نے اس کو (لکھنا) سکھلایا ہے، اس کو چاہئے کہ لکھ دیا کرے اور (کاتب کو) وہ شخص (بتلادے اور) لکھوادے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو (کیونکہ دستاویز کا حاصل اقرار حق کا ہوتا ہے تو جس کے ذمہ حق ہے اسی کا اقرار ضرور ٹھیرا) اور (لکھاتے وقت) اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس (حق) میں سے ذرہ برابر (بتلانے میں) کمی نہ کرے پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر ضعیف العقل (یعنی معتوہ یا مجنون) ہو یا ضعیف البدن (یعنی نابالغ یا پیر فرتوت) ہو یا (اور کسی اتفاقی امر سے) خود (بیان کرنے کی اور) لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو، (مثلاً گونگا ہے اور لکھنے والا اس کا اشارہ نہیں سمجھتا، یا مثلاً دوسرے ممالک کا رہنے والا ہے اور زبان غیر رکھتا ہے اور لکھنے والا اس کی بولی، نہیں سمجھتا) تو (ایسی حالت میں) اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوادے اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ (بھی) کرلیا کرو (اور شرعاً اصل مدار ثبوت دعویٰ کا یہی گواہ ہیں گو دستاویز لکھنا صرف یادداشت کی آسانی کے لیے رہے کہ اس کا مضمون دیکھ کر اور سن کر طبعی طور پر اکثر تمام واقعہ یاد آجاتا ہے، جیسا عن قریب قرآن ہی میں آتا ہے) پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنالی جائیں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم (ان کے معتبر ہونے کی وجہ سے) پسند کرتے ہو (اور ایک مرد کی جگہ دو عورتیں اس لیے تجویز کی گئیں) تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی (شہادت کے کسی حصہ کو خواہ ذہن سے یا شہادت کے وقت بیان کرنے سے) بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلادے (اور یاد دلانے کے بعد شہادت کا مضمون مکمل ہو جائے) اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب (گواہ بننے کے لیے) بلائے جایا کریں (کہ اس میں اعانت ہے اپنے بھائی کی) اور تم اس (دَین) کے (بار بار) لکھنے سے اُکتایا مت کرو خواہ وہ (معاملہ دَین کا) چھوٹا ہو یا بڑا ہو، یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ کے متعلق) کسی شبہ میں نہ پڑو (اس لیے لکھ ہی لینا اچھا ہے) مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام (اور مضرت) نہیں اور (اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ اس کے) خرید و فروخت کے وقت گواہ کرلیا کرو (شاید کل کو کوئی بات نکل آئے مثلاً بائع کہنے لگے کہ مجھ کو دام ہی وصول نہیں ہوئے یا یہ چیز میں نے فروخت ہی نہیں کی، یا مشتری کہنے لگے

www.toobaaelibrary.com

کہ میں نے تو واپسی کا اختیار بھی لے لیا تھا یا ابھی تو مبیع پوری میرے پاس نہیں پہنچی) اور (جس طرح ہم نے اوپر کاتب اور گواہ کو منع کیا ہے کہ کتابت اور شہادت سے انکار نہ کریں اسی طرح ہم تم کو بھی تاکید کرتے ہیں کہ تمہاری طرف سے) کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو (مثلاً اپنی مصلحت کے لیے ان کی کسی مصلحت میں خلل ڈالا جائے) اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا تعالیٰ سے ڈرو (اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے وہ مت کرو) اور اللہ تعالیٰ (کا تم پر احسان ہے کہ) تم کو (احکام مفیدہ کی) تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں (تو وہ مطیع اور عاصی کو بھی جانتے ہیں ہر ایک کو مناسب جزا دیں گے) اور اگر تم (دَین کا معاملہ کرانے کے وقت) کہیں سفر میں ہو اور (دستاویز لکھنے کے واسطے وہاں) کوئی کاتب نہ پاؤ سو (ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ) رہن رکھنے کی چیزیں (ہیں) جو (مدیون کی طرف سے صاحب حق کے) قبضہ میں دیدی جائیں اور اگر (ایسے وقت میں بھی) ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو (اور اس لیے رہن کی ضرورت نہ سمجھے) تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے (یعنی مدیون) اس کو چاہئے کہ دوسرے کا حق (پورا پورا) ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے (اور اس کا حق نہ مارے) اور شہادت کا اخفاء مت کرو اور جو شخص اس کا اخفاء کرے گا اس کا قلب گنہگار ہوگا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں (سو اگر کوئی اخفاء کرے گا اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ضرور ہے سو وہ سزا دیں گے)

تلخیص معارف و مسائل

آیت ۲۸۲: میں معاملات و معاہدات، قرض اور ادھار کے لیے اقرار نامہ لکھنے کی ہدایت ہے اس کے بعد ضابطۂ شہادت کے خاص اصول کا ذکر ہے۔ آج کا دور تو تحریر کا دور ہے اور تحریر زبان کی قائم مقام بن گئی ہے مگر ذرا چودہ سو سال پیچھے مڑ کر دیکھئے، اس وقت دنیا کا سارا کاروبار زبانی ہی ہوتا تھا، دستاویز مہیا کرنے کا اصول سب سے پہلے قرآن نے دیا۔ پہلا اصول تو یہ بتلایا کہ ادھار کے معاملات کی دستاویز لکھنی چاہئے تاکہ بھول چوک میں کام آئے، دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک معینہ میعاد غیر مبہم مقرر کی جائے (اس کے خلاف جائز نہیں) مہینہ اور تاریخ کے ساتھ، نیز لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے، یعنی کاتب کسی فریق کا مخصوص اور جانب دار آدمی نہ ہو، نیز لکھنے کا ہنر اللہ نے دیا ہے تو اس کا شکرانہ یہ ہے کہ انکار نہ کرے، پھر یہ فرمایا کہ یہ دستاویز وہ لکھوائے جس کے ذمہ حق ہے یعنی قرض دار کی طرف سے یہ اقرار نامہ ہوگا، پھر فرمایا لکھوانے میں کمی بیشی نہ کرے اللہ سے ڈرتا رہے۔

www.toobaaelibrary.com

پھر فرمایا کہ اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ قرضدار خفیف العقل یا عمر دراز بوڑھا، یا بچے یا گونگا یا کسی غیر زبان کا آدمی ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی لکھوا دے یا کسی کو وکیل بنادے، لفظ ولی دونوں معنی پر حاوی ہے۔

ضابطہ شہادت دستاویز کی صرف تحریر کافی نہیں، اس پر گواہ بھی بنالیا جائے، محض تحریر حجت شرعی نہیں جب تک کہ اس پر شہادت شرعی موجود نہ ہو، صرف تحریر پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

ضابطہ شہادت کے اہم اصول (۱) گواہ دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں (۲) گواہ مسلمان ہوں (مِنْ رِّجَالِكُمْ) (۳) گواہ ثقہ عادل ہوں (مِمَّنْ تَرْضَوْنَ) اس کے بعد لوگوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ گواہی دینے سے بلا عذر شرعی انکار کرنا گناہ ہے، کیونکہ احیاءِ حق اور جھگڑے چکانے کا یہی ذریعہ ہے۔

پھر تاکید فرمایا کہ کہ چھوٹے بڑے ہر معاملے کو لکھنے اور دستاویز بنانے سے اکتائیں نہیں کیونکہ قیام عدل کا یہ بہترین ذریعہ ہے، البتہ اگر کوئی دست بدست سودا ہو رہا ہو تو خیر، مگر گواہ تو پھر بھی بنالیں۔

قیام عدل کا اہم اصول اگر ایک طرف لوگوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ شہادت سے انکار نہ کریں تو دوسری طرف یہ بھی فرمایا گیا کہ کاتب اور گواہ کو پریشان بھی نہ کیا جائے، ان کی مصلحت میں خلل نہ ڈالا جائے، یہ بھی حرام ہے چنانچہ اگر کاتب مزدوری مانگے یا گواہ آمد و رفت کا خرچ طلب کرے تو یہ اس کا حق ہے، اگر انہیں نقصان و خلل پہنچایا گیا تو یہ گناہ ہے۔ اس طرح اسلام نے اسکا بھی انتظام کر دیا کہ لوگ گواہی سے بچنے پر مجبور نہ ہو جائیں، اسی دو طرفہ احتیاط کا یہ اثر تھا کہ ہر معاملہ میں سچے بے غرض مل جاتے اور فیصلے حق کے مطابق جلد ہو جاتے، اس قرآنی اصول کو نظر انداز کرنے سے آج دنیا کا سارا انتظام عدالت برباد ہو گیا۔

آج کل کی عدالتوں کے مختلف النوع چکر کی وجہ سے کسی معاملہ میں گواہ بننا ایک عذاب ہو گیا ہے، ثقہ اور عادل گواہ ملنے مشکل ہو گئے، قرآن حکیم نے ان بنیادی ضروریات کو اہمیت کے ساتھ بتلا کر ان تمام خرابیوں کا انسداد فرمایا۔

بعض فقہاء نے اس آیت سے بیس اہم فقہی مسائل نکالے ہیں۔ پھر اپنے طرز خاص کے مطابق فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ، وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. یعنی اگر تم کسی ناجائز حیلہ سے

www.toobaaelibrary.com

کوئی خلاف ورزی کرو گے تو خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

آیت: ۲۸۳: میں دو اہم مضامین کا بیان ہے (۱) ایک یہ کہ ادھار کے معاملہ میں اعتماد کے لیے کسی کی کوئی چیز گروی رکھ لینا جائز ہے مگر لفظ مَقْبُوْضَةٌ سے معلوم ہوا کہ شے مرہونہ سے انتفاع جائز نہیں۔ اس کے منافع اصل مالک کا حق ہیں، دوسرا مضمون یہ ہے کہ کسی نزاعی معاملہ کا صحیح علم رکھتے ہوئے شہادت کو چھپانا گناہ ہے، اٰثِمٌ قَلْبُهٗ اس لیے فرمایا کہ اسے محض زبان کا گناہ نہ سمجھا جائے، اولاً ارادہ دل ہی سے ہوا ہے اس لیے اول گناہ دل ہی کا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ
لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا
مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا
فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اللہ ہی کی ملک میں ہیں سب (مخلوقات) جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، (جیسے خود زمین وآسمان بھی اسی کی ملک میں ہیں، اور جب وہ مالک ہیں تو ان کو اپنی مملوکہ اشیاء میں ہر طرح قانون بنانے کا حق ہے، اس میں کسی کو مجال کلام نہ ہونی چاہئے، جیسا کہ ایک قانون یہ ہے کہ جو باتیں (عقائد فاسدہ یا اخلاق مذمومہ یا گناہوں پر پختہ عزم وارادہ کی) تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم (زبان وجوارح سے) ظاہر کرو گے (مثلاً زبان سے کلمۂ کفر کہہ دیا یا اپنے تکبر حسد وغیرہ کا خود اظہار کر دیا یا کسی گناہ جس کا قصد تھا اس کو کر ہی ڈالا) یا کہ (دل ہی میں) پوشیدہ رکھو گے (دونوں حالتوں میں) حق تعالیٰ تم سے (مثل دوسرے معاصی کے ان کا) حساب لیں گے پھر (حساب لینے کے بعد بجز کفر وشرک کے) جس کے لیے (بخشنا) منظور ہوگا بخش دیں گے اور جس کو (سزا دینا) منظور ہوگا سزا، دیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔ اعتقاد رکھتے ہیں رسول اس چیز (کے حق ہونے) کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور (دوسرے) مؤمنین بھی (اس کا

www.toobaaelibrary.com

اعتقاد رکھتے ہیں، آگے قرآن پر اعتقاد رکھنے کی تفصیل ہے کہ کس کس چیز کے عقیدہ رکھنے کو قرآن پر اعتقاد رکھنا کہا جائے گا) سب کے سب (رسولؐ بھی اور دوسرے مؤمنین بھی) عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ (کہ وہ موجود ہے اور واحد ہے اور ذات وصفات میں کامل ہے) اور اس کے فرشتوں کے ساتھ (کہ وہ پیغمبر ہیں اور سچے ہیں اور پیغمبروں پر عقیدہ رکھنا ان کا اس طور پر ہے کہ یہ کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں (عقیدہ رکھنے میں) تفریق نہیں کرتے (کہ کسی کو پیغمبر سمجھیں کسی کو نہ سمجھیں) اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور (اس کو) خوشی سے مانا ہم آپ سے بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف (ہم سب کو) لوٹنا ہے، (یعنی ہم نے جو پہلی آیت میں کہا ہے کہ نفوس کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا اس سے مراد امور غیر اختیاری نہیں بلکہ صرف امور اختیاریہ ہیں، کیونکہ) اللہ تعالیٰ کسی کو (احکام شرعیہ میں) مکلف نہیں بناتا (یعنی ان امور کو واجب یا حرام نہیں فرماتا) مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے (اور جو وسعت سے باہر ہے اس کا مکلف نہیں کیا گیا اور جس کے ساتھ قصد اور ارادہ متعلق نہیں اس کا نہ ثواب ہے نہ عذاب اور وساوس طاقت سے خارج ہیں تو اس کے آنے کو حرام اور ان کے نہ آنے دینے کو واجب نہیں کیا، اور نہ ان پر عذاب رکھا) اے ہمارے رب ہم پر دارو گیر نہ فرمائیے اگر ہم بھول جاویں یا چوک جاویں، اے ہمارے رب (ہماری یہ بھی درخواست ہے کہ) ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے، اے ہمارے رب اور (ہم یہ بھی درخواست کرتے ہیں کہ) ہم پر کوئی ایسا بار (تکلیف کا دنیا یا آخرت میں) نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور درگزر کیجئے ہم سے، اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر آپ ہمارے کارساز ہیں (اور کارساز طرفدار ہوتا ہے) سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۲۸۴: یہ اپنے اوپر کی آیت کا تکملہ ہے، اگر معاملہ کو جان کر چھپایا تو رب علیم وخبیر تم سے حساب لیں گے، حضرت ابن عباسؓ عکرمہؒ اور مجاہدؒ سے یہی تفسیر منقول ہے (قرطبی) اور عموم الفاظ کے اعتبار سے تمام اعتقادات عبادات اور معاملات کو شامل ہے، حضرت ابن عباسؓ کا مشہور قول یہی ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ تمام اعمال کا محاسبہ کریں گے، وہ عمل بھی جو کر گذرے ہوں اور وہ بھی جن کے عمل کی ابھی نوبت نہیں آئی مگر عزم مصمم کر کے چھپا رکھا ہے، یہ احکام آخرت سے متعلق ہے، اس ارشاد

www.toobaaelibrary.com

نبوی ﷺ سے شبہ نہ کیا جائے، جس میں فرماتے ہیں، انّ اللہ تجاوز عن امتی عما حدثت انفسھا مالم یتکلموا او یعملوا بہ! یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت کو معاف کر دیا ہے وہ جو ان کے دل میں آیا جب تک ان کو زبان سے نہ کہا یا عمل نہ کیا ہو" اس روایت سے معلوم ہوا کہ دل کے ارادے پر عذاب و عتاب نہیں، قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث احکام دنیا طلاق، عتاق، بیع، ہبہ، وغیرہ کے متعلق ہے کہ محض دل میں ارادہ کر لینے سے منعقد نہیں ہو جاتے، بعض دوسرے حضرات نے اس شبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث سے مراد وہ وساوس اور غیر اختیاری خیالات ہیں جو بغیر قصد وارادہ کے آجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے، اور آیت مذکور میں جس محاسبہ کا ذکر ہے اس سے مراد وہ ارادے ہیں جو قصد واختیار سے دل میں جما تا ہے اور روبہ عمل لانے کی سعی بھی کرتا ہے، کسی مانع اتفاقی کی بنا پر عمل نہیں کر سکتا۔

چونکہ ظاہر الفاظ آیت میں دونوں قسم کے خیالات داخل ہیں لہٰذا صحابۂ کرامؓ کو سخت فکر لاحق ہوا کہ غیر اختیاری خیالات پر مؤاخذہ ہونے لگا تو کون نجات پائے گا، صحابہؓ نے خدمت اقدس ﷺ میں عرض کیا آپؐ نے وحی کا انتظار کیا، اور صحابہؓ کو تلقین یہ فرمائی کہ حکم ربانی کی تعمیل واطاعت کا پختہ قصد کرو اور کہو: "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" صحابہ کرامؓ نے اس کے مطابق کیا، اس پر یہ جملہ قرآن کا نازل ہوا: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا، جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر اختیاری وساوس وخیالات پر مؤاخذہ نہ ہوگا اس پر صحابہؓ کو اطمینان ہو گیا۔ (مسلم عن ابن عباسؓ، قرطبی)

انسان پر اعمال وفرائض، اور اسی طرح محرمات کچھ تو ظاہری اعضاء وجوارح سے متعلق ہیں، عبادات اور تمام معاملات اسی قسم میں داخل ہیں اور کچھ اعمال واحکام باطن سے تعلق رکھتے ہیں ایمان واعتقاد کے تمام مسائل اسی میں داخل ہیں، کفر وشرک جو سب سے زیادہ حرام وناجائز ہیں انکا تعلق بھی قلب سے ہی ہے۔ اسی طرح اخلاق صالحہ تواضع، صبر، قناعت، سخاوت وغیرہ اسی طرح اخلاق رذیلہ کبر، حسد، بغض، حب دنیا، حرص وغیرہ یہ سب چیزیں ایک درجہ میں حرام قطعی ہیں، انکا تعلق بھی باطن سے ہے۔ (مظہری) اعمال ظاہرہ کی طرح اعمال باطنہ کا بھی حساب ہوگا، خطا پر بھی مؤاخذہ ہوگا۔

یہ آیت سورۂ بقرہ کے آخر میں لائی گئی ہے، اس میں بڑی حکمت ہے، یہ سورۃ ایسی بڑی اور اہم سورۃ ہے جس میں احکام الٰہیہ کا بہت بڑا حصہ آ گیا ہے (دیکھئے ماسبق آیت: ۱۷۷، کے تحت) اسی لیے حدیث میں اس کا نام "سنام القرآن" بھی آیا ہے، یعنی قرآن کا سب سے بلند حصہ، اور یہ معلوم ہو چکا ہے تمام

www.toobaaelibrary.com

اعمال واحکام کی تعمیل میں سب کی روح اخلاص وللہیت ہے، اور اخلاق کا تعلق انسان کے باطن سے ہے، اس لیے آخر سورۃ میں اس آیت کے ذریعہ انسان کو یہ تنبیہ کردی گئی کہ مخلوق کے سامنے تو حیلہ جوئی کے ذریعہ راہ فرار اختیار کی جاسکتی ہے مگر حق تعالیٰ علیم وخبیر ہیں اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، سب کچھ لکھا جارہا ہے سب کا حساب قیامت میں دینا ہے، یہی وہ روح ہے جو قرآن کریم انسانوں میں پیدا کرتا ہے۔

آخری دو آیتوں کے خاص فضائل

آخری دو آیتوں کے احادیث صحیحہ میں بڑے فضائل مذکور ہیں، ارشاد رسالت ﷺ ہے: جس شخص نے رات کو یہ دو آیتیں پڑھ لیں تو یہ اس کے لیے کافی ہیں: اللہ تعالیٰ نے دو آیتیں جنت کی خزائن میں سے نازل فرمائی ہیں جس کو تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا، جو شخص ان کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لے تو وہ اس کے لیے قیام اللیل یعنی تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہیں: اللہ نے سورۂ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو مجھے اس خزانہ خاص سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے اس لیے تم خاص طور پر ان آیتوں کو سیکھو، اور اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ" اسی لیے فاروق اعظمؓ اور علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ کوئی آدمی جس کو کچھ بھی عقل ہو وہ سورۂ بقرہ کی ان دونوں آیتوں کو پڑھے بغیر نہ سوئے گا۔ ان دونوں آیتوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں اکثر احکام شرعیہ اجمالاً وتفصیلاً مذکور ہوئے ہیں۔ آخری دو آیتوں میں سے پہلی آیت میں اطاعت شعار مومنین کی مدح کی گئی ہے، جنھوں نے اللہ جل شانہٗ کے تمام احکام پر لبیک کہا اور تعمیل کے لیے تیار ہو گئے اور دوسری آیت میں ایک شبہ کا جواب دیا گیا جو ان دو آیتوں سے پہلے آیت میں صحابہ کرامؓ کو پیدا ہو گیا تھا، اور ساتھ ہی اپنے فضل ورحمت و بے حساب کا ذکر فرمایا گیا، اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ اس میں پیغمبر علیہ السلام کی مدح فرمائی اور نام مبارک لینے کے بجائے لفظ رسول فرما کر آپ ﷺ کی تعظیم وتشریف کو واضح کر دیا۔ اس کے بعد وَالْمُؤْمِنُوْنَ فرمایا یعنی جس طرح پیغمبر علیہ السلام کا اپنی وحی پر ایمان ہے اسی طرح عام مومنین کا بھی اعتقاد ہے، مومنین کے ایمان کا علیحدہ تذکرہ کیا گیا اس میں اشارہ ہے کہ نفس ایمان میں پیغمبر علیہ السلام اور سب مسلمان شریک ہیں لیکن درجات ایمان کے اعتبار سے بڑا فرق ہے، آپ کا تو علم مشاہدہ اور سماع کی بناء پر ہے اور دوسرے مسلمانوں کا علم ایمان بالغیب آنحضرت ﷺ کی روایت کی بناء پر۔

اس کے بعد اس ایمان مجمل کی تفصیل بتلائی جو آپؐ اور عام مومنین میں شریک تھا۔

www.toobaaelibrary.com

اس کے بعد اس کی وضاحت فرمائی کہ اس امت کے مومنین پچھلی امتوں کی طرح رسولوں میں باہمی تفرقہ ڈالیں کہ بعض کو نبی مانیں اور بعض کو نہ مانیں جیسے یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو نبی مانا مگر خاتم الانبیاء علیہ السلام کو نہ مانا، پھر صحابہؓ کی اس جملہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا الخ کہنے پر تعریف کی گئی۔

بالکل آخیر میں مسلمانوں کو ایک خاص دعاء کی تلقین فرمائی گئی جس میں بھول، چوک اور خطاء کسی فعل کے سرزد ہونے کی معافی طلب کی گئی، "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا" پھر فرمایا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ" اس سے مراد وہ سخت احکام ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد تھے کہ کپڑا پانی سے پاک نہ ہو بلکہ کاٹنا یا جلانا پڑے، اور قتل کے بغیر توبہ قبول نہ ہو، یا یہ مراد ہے کہ دنیا میں ہم پر عذاب نازل نہ کیا جائے جیسا کہ بنی اسرئیل کے اعمال بد پر کیا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان سب دعاؤں کی قبولیت کا اظہار بھی پیغمبر علیہ السلام کے ذریعہ کردیا۔

قراءات سورۂ بقرۃ: وَمَا یَخْدَعُوْنَ حرمین وبصری کے لیے بالالف بعد الخاء مع ضم الیاء وکسر الدال مثل کلمہ اولی ہے باقیین کے لیے بغیر الف مع فتح الیاء ہے یَکْذِبُوْنَ سا (یعنی نافع مکی بصری، آئندہ اس لفظ سے یہی حضرات سمجھے جائیں) شامی کے لیے بضم الیاء وفتح الکاف مع تشدید الذال ہے اور کوفیین (یعنی عاصم، حمزہ کسائی) کے لیے بفتح الیاء وسکون الکاف مع کسر الذال بالتخفیف ہے۔ (قِیْلَ غِیْضَ جِیْٓءَ) ہشام وکسائی کے لیے باشمام کسرۂ اولی بالضم ہر سہ کلمات میں ہر جگہ ہے۔ اور حِیْلَ وَسِیْقَ) میں علاوہ شامی وکسائی کے نافع کے لیے بھی بالاشمام ہے، باقیین کے لیے یہ تمام کلمات بکسرۂ خالصہ ہیں وَهُوَ. فَهُوَ. لَهُوَ. اور وَهِیَ، فَهِیَ. لَهِیَ) قالون، بصری، کسائی کے لیے باسکان الہاء ہیں اور ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. القصص: ع:۷، میں قالون، کسائی کے لیے باسکان الہاء، باقیین کے لیے یہ تمام کلمات بضم الہاء ہیں۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ حمزہ کے لیے بالف بعد الزاء وتخفیف اللام مع الفتح ہے، باقیین کے لیے بغیر الف مع تشدید اللام ہے فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ابن کثیر کے لیے آدم میں نصب وکلمات میں رفع بالتنوین ہے اور باقیین کے لیے آدم میں رفع وکلمات میں نصب بالکسر ہے یہ خلف مرتب ہے لہٰذا خلط اس میں حرام ہے۔ وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ کی، بصری کے لیے بتاء تانیث اور باقیین کے لیے بیاء التذکیر ہے۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا ووَعَدْنَا بصری کے لیے بلا الف بعد الواو ہے باقیین کے لیے بالالف بعد الواو بَارِئِكُمْ معاً وَیَاْمُرُكُمْ وَیَاْمُرُهُمْ وَیَنْصُرُكُمْ وَیُشْعِرُكُمْ دوری بصری کے لیے ان سب کلمات میں دو وجہ اختلاس

www.toobaaelibrary.com

واسکان ہے اور سوسی کے لیے صرف اسکان ہے باقیوں کے لیے ان تمام کلمات کی راء میں حرکت خالصہ ہے
نَغْفِرْ لَكُمْ نافع کے لیے بضم الیاء وفتح الفاء اور شامی کے لیے بضم التاء وفتح الفاء ہے، اور باقیین کے لیے بفتح
النون وکسر الفاء ہے، اور جو اعراف میں ہے اس میں بھی یہی اختلاف ہے، مگر نافع کے لیے اس میں بضم التاء
وفتح الفاء مثل شامی کی قراءت کے ہے النُّبُوَّةَ اور اس کے جملہ مشتقات میں نافع کے لیے مطلقاً بالہمزہ ہے
اور باقیین کے لیے ہر جگہ مشدد بالادغام ہے، لیکن قالون نے وصل میں لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ اور وَلَا
تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا۔ احزاب ع:۶، ۷۔ میں دونوں جگہ مشدد بالادغام پڑھا ہے اور وقف میں مثل
ورش کے بالہمزہ پڑھتے ہیں الصَّابِئِيْنَ وَالصَّابِئُوْنَ نافع کے لیے مطلقاً بلا ہمزہ ہیں اور باقیوں کے لیے مع
الہمز مطلقاً هُزُوًا كُفُوًا حفص کے لیے مطلقاً بالواو، باقیوں کے لیے مطلقاً بالہمزہ لیکن حمزہ کے لیے باسکان
الزاء والفاء اور باقیوں کے لیے بضم الزاء والفاء ہے اور وقف میں حمزہ کے لیے تخفیفاً دو وجہ نقل وحذف اور
ابدال بالواو ہے۔ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اَفَتَطْمَعُوْنَ مکی کے لیے بیاء الغیب اور باقیین کے لیے بتاء الخطاب ہے
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اُولٰٓئِكَ حرمیین وشعبہ کے لیے بیاء الغیب اور باقیین کے لیے بتاء الخطاب ہے خَطِيْٓئَتُهٗ
صرف نافع کے لیے بالجمع ہے باقیوں کے لیے بالتوحید ہے لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ مکی اور اخوین (یعنی حمزہ
وکسائی) کے لیے بیاء الغیب اور باقیین کے لیے بتاء الخطاب ہے لِلنَّاسِ حُسْنًا اخوین کے لیے بفتح الحاء
والسین ہے، باقیین کے لیے بضم الحاء واسکان السین ہے تَظٰهَرُوْنَ اور وَاِنْ تَظٰهَرَا فِي التَّحْرِيْمِ کوفیین
کے لیے بتخفیف الظاء اور باقیین کے لیے بتشدید الظاء ہے اُسٰرٰی حمزہ کے لیے بحذف الالف وبسکون السین
مع فتح الہمزہ اَسْرٰی ہے باقیین کے لیے بالالف بعد السین مع ضم الہمزہ اُسَارٰی ہے تُفْدُوْهُمْ نافع عاصم
کسائی کے لیے بضم التاء والالف بعد الفاء مع فتح الفاء تُفَادُوْهُمْ ہے اور باقیوں کے لیے بفتح
التاء وسکون الفاء مع حذف الف ہے یعنی تَفْدُوْهُمْ اَلْقُدُسِ مکی کے لیے باسکان الدال اور باقیوں کے لیے
بضم الدال ہے يُنْزِلُ وتُنْزِلُ یعنی جب کہ فعل مضارع مضموم الاوّل ہوں تو مکی اور بصری کے لیے بتخفیف
الزاء وسکون النون ہوں گے اور باقیین کے لیے بتشدید الزاء وفتح النون ہیں۔ لیکن مَا نُنَزِّلُ الملئكة اور
وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ سورۂ حجر میں دونوں فعل مضارع بالاتفاق سب کے لیے مشدد ہیں اور نُنَزِّلُ
مِنَ الْقُرْاٰنِ اور حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا۔ اسراء میں صرف بصری کے لیے بالتخفیف ہیں، اور ابن کثیر
کے لیے مثل دیگر قراء کے یہ دونوں بالتشدید ہیں، اور عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً انعام میں صرف ابن کثیر کے لیے
بالتخفیف ہے اور بصری مثل دیگر قراء کے اس کو مشدد پڑھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ سبحان میں بصری اپنی اصل پر
ہیں اور مکی مخالف اصل اور انعام میں مکی بر اصل خود ہیں اور بصری مخالف اصل اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ مائدہ
وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ لقمان والشوریٰ میں علاوہ مکی۔ بصری کے اخوین کے لیے بھی بالتخفیف ہیں اور باقیوں

www.toobaaelibrary.com

کے لیے مشدد جِبْرِئِل اس میں حسب ذیل چار قراءتیں ہیں اوّل بفتح الجیم وکسر الراء واثبات الیاء بغیر الہمز کی کے لیے، دوم بفتح الجیم والراء واثبات ہمزۂ مکسور بعد الراء بغیر یا جَبْرَئِلَ شعبہ کے لیے۔ سوم بفتح الجیم والراء وہمزۂ مکسور ویائے ساکنہ جَبْرَئِیْلَ اخوین کے لیے، چہارم بکسر الجیم والراء ویائے ساکنہ بغیر الہمز جبریل باقیین کے لیے اور وہ نافع وابوعمرو وابن عامر وحفص ہیں۔ اور مِیکَالَ میں تین قراءات ہیں، حفص وابوعمرو کے لیے مِیکَالَ بغیر ہمزہ ویاء کے اور نافع کے لیے بہمزہ مکسورہ بغیر یاء کے مِیکَائِل. تیسرے باقیین کے لیے ہمزۂ مکسورہ ویائے ساکنہ مِیکَائِیْلَ ہے اور وہ ابن کثیر وشامی وشعبہ وحمزہ اور کسائی ہیں وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا اور انفال میں وَلٰکِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ اور وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی. میں شامی واخوین کے لیے تینوں وَلٰکِنِ بکسر النون مع التخفیف ہیں اور ان کے مابعد مرفوع اور باقیین کے لیے بفتح النون مع التشدید ہے اور مابعد منصوب ہیں مَا نَنْسَخْ ابن عامر کے لیے بضم النون وکسر السین ہے، باقیوں کے لیے بفتح النون الاوّل وسکون النون الثانی مع فتح السین ہے اَوْ نَنْسَئْهَا مکی وبصری بالہمزہ مع فتح النون والسین اَوْ نُنْسِهَا ہے اور باقیوں کے لیے بضم النون وکسر السین بغیر الہمز ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ شامی کے لیے بغیر واو، باقیین کے لیے بالواو وَقَالُوْا ہے فَیَکُوْنُ یہاں اور آل عمران میں فَیَکُوْنُ وَنُعَلِّمُهٗ اور نحل ومریم ویٰسین وغافر میں شامی کے لیے یہ لفظ بنصب النون ہے اور کسائی نے بھی نحل ویٰسین میں بالنصب پڑھا ہے، باقیوں کے لیے ہر جگہ بالرفع ہے وَلَا تُسْئَلُ نافع کے لیے بفتح التاء وجزم اللام اور باقیوں کے لیے بضم التاء ورفع اللام ہے وَاتَّخِذُوْا نافع اور شامی کے لیے بفتح الخاء ہے باقیین کے لیے بکسر الخاء لفظ اِبْرٰهِیْمَ. حسب ذیل تینتیس مقامات پر مختلف فیہ ہے، بقرہ میں پندرہ ۱۵ اور نساء میں تین اخیر کے یعنی وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ، وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ، وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ اور انعام میں ایک یعنی دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ اخر الانعام۔ اور توبہ میں دو یعنی وَمَا کَانَ اِبْرٰهِیْمَ اور اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ. (آخر براۃ اور سورۂ اِبْرٰهِیْمَ میں ایک یعنی وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا اور نحل میں دو یعنی اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ کَانَ اُمَّةً وَاَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ اور مریم میں تین یعنی وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ وَاَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ وَمِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرٰهِیْمَ. اور عنکبوت میں ایک یعنی وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِیْمَ. اخیر کا اور سورۂ نجم میں ایک یعنی وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی اور شوریٰ میں ایک یعنی وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖ اِبْرٰهِیْمَ اور ذٰریٰت میں ایک یعنی حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ اور حدید میں ایک یعنی وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ اور ممتحنہ میں ایک یعنی پہلا اور وہ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ ہے، یہ تمام کلمات ہشام کے لیے بالف بعد الهاء میں اِبْرٰهَامَ اور ماسوا ان کلمات کے ہشام کے لیے بھی مثل دیگر قراء کے بالیاء بعد الهاء ہے اور ابن ذکوان کے لیے صرف سورۂ بقرہ جمیع کلمات ابراهیم میں بالالف بعد الهاء مثل ہشام کے ہے، لیکن بالخلاف ہے اور باقیین کے لیے ہر جگہ

www.toobaaelibrary.com

یہ کلمہ بالیاء ہے وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَاَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً. وَاَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ان کلمات میں کی دسوی کے لیے راء ساکن ہے اور باقیین کے لیے بالکسر ہے، اور سورۂ فصلت میں اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا کی راء میں کی، سوسی شامی وشعبہ کے لیے سکون ہے اور باقیوں کے لیے بالکسر ہے نیز دوری بصری کے لیے اَرِنَا وَاَرِنِیْ میں مطلقاً راء کی حرکت میں اختلاس ہے فَاُمَتِّعُهٗ شامی کے لیے تخفیف التاء وسکون المیم اور باقیین کے لیے بتشدید التاء وفتح المیم ہے، وَوَصّٰى بِهَا نافع اور شامی کے لیے بالالف بین الواوین نحو وَاَوْصٰى بِهَا ہے اور باقیوں کے لیے مشدد ہے اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ شامی حفص اور اخوین کے لیے بتاء الخطاب اور باقیین کے لیے بیاء الغیب ہے لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ بصری شعبہ اور اخوین کے لیے بحذف الواؤ اور باقیوں کے لیے بالواؤ ہے عَمَّا يَعْمَلُوْنَ وَلَئِنْ اَتَيْتَ شامی اور اخوین کے لیے بتاء الخطاب اور باقیوں کے لیے بیاء الغیب ہے هُوَ مُوَلِّيْهَا شامی کے فتح اللام والف بعد اللام هو مُوَلَّاهَا ہے اور باقیوں کے لیے بکسر اللام ویائے ساکنہ ہے عَمَّا تَعْمَلُوْنَ وَمِنْ حَيْثُ بصری کے لیے بیاء الغیب اور باقیوں کے لیے بتاء الخطاب ہے وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ اور فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ یہ دونوں فعل اخوین کے لیے بالیاء مع تشدید الطاء وسکون العین ہیں اور باقیوں کے لیے بالتاء مع تخفیف الطاء وفتح العین ہے وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ بقرہ، وتذروہ الریح ۲ بالکہف وتصریف الریح ۳ بالجاثیہ اخوین کے لیے بالتوحید الرِّيْحِ ہے اور باقیین کے لیے بالجمع الرِّيٰحِ ہے وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ ۴ بالنمل وَهُوَ الَّذِیْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ ۵ بالاعراف اور ثانی یعنی اللّٰهُ الَّذِیْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ ۶ بالروم، اور اللّٰهُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ ۷ بالفاطر، مکی، حمزہ اور کسائی کے لیے بالتوحید، باقیین کے لیے بالجمع ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ ۸ لَوَاقِحَ بالحجر صرف حمزہ کے لیے بالتوحید ہے، باقیین کے لیے بالجمع۔ اور اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ ۹ بالشوری. وَاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ ۱۰ بابراہیم صرف نافع کے لیے بالجمع اور باقیین کے لیے بالتوحید ہیں اَرْسَلَ الرِّيٰحَ ۱۱ نُشْرًا بالفرقان صرف مکی کے لیے بالتوحید ہے اور باقیوں کے لیے بالجمع۔ الحاصل: یہ کلمات الریح قراء کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ اور مذکورہ بالا گیارہ مقام پر آئے ہیں اور وہ سب نافع کے لیے بالجمع ہیں اور بصری شامی عاصم کے لیے ابراہیم وشوریٰ کے علاوہ بالجمع ہیں اور حمزہ کے لیے صرف فرقان میں بالجمع ہے، اور کسائی کے لیے حجر وفرقان میں بالجمع ہے اور بقیہ کلمات الریح بالاتفاق مفرد ہیں اور وہ حسب ذیل چھ مقام پر آتے ہیں۔ (۱) قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ. سبحان (۲) وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ. بالانبیاء (۳) تَهْوِیْ بِهِ الرِّيْحُ. بالحج (۴) وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ بسباء (۵) فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ بص (۶) وَالرِّيْحَ الْعَقِيْمَ بالذٰریٰت اور جو کلمات کہ مجرد عن اللام ہیں جیسے وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا تو ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ نافع اور شامی کے لیے بتاء الخطاب ہے اور باقیین کے لیے بیاء الغیب ہے اِذْ يَرَوْنَ

www.toobaaelibrary.com

الْعَذَابَ شامی کے لیے بضم الیاء اور باقیین کے لیے بالفتح ہے۔ خُطُوَاتِ قنبل شامی، حفص اور کسائی کے لیے بضم الطاء اور باقیین کے لیے باسکان الطاء ہے۔

قاعدہ: جب اجتماع ساکنین علی غیر حدہ ہو اور فعل کا تیسرا حرف ضمۂ لازمہ ہو جیسے فَمَنِ اضْطُرَّ. وَاَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ. قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ. اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ. وَقَالَتِ اخْرُجْ وَلَقَدِاسْتُهْزِئَ اور فَتِيْلًا انْظُرْ مُبِيْنِ نِ اقْتُلُوْ ا وغیرہ تو بصری عاصم اور حمزہ کے لیے پہلے ساکن کو کسرہ کی حرکت دیں گے اور دیگر قراء کے لیے ضمہ کی حرکت دی جائے گی لیکن اگر پہلا حرف ساکن لام قُلْ یا واوٗ ہو جیسے قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ. اور اَوِ انْقُصْ تو صرف عاصم حمزہ کے لیے بکسر الاوّل ہوگا، اور بصری مثل دیگر قراء کے بالضم پڑھیں گے۔ اسی طرح اگر پہلا منون ہو تو ابن ذکوان کے لیے بھی مثل بصری عاصم حمزہ کے بالکسر ہوگا۔ ملیکن بِرَحْمَةٍ نِ ادْخُلُوْا اور خَبِيْثَةٍ نِ اجْتُثَّتْ میں ابن ذکوان کے لیے مختلف ہے یعنی کسرہ و ضمہ دونوں درست ہیں، اور اگر ساکن منون نہ ہو تو ابن ذکوان کے لیے بضم الاوّل متعین ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا حفص وحمزہ کے لیے بنصب الراء اور باقیوں کے لیے بالرفع ہے وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى نافع وشامی کے لیے بتخفیف النون والکسر ورفع البرّ دونوں میں اور باقیوں کے لیے بتشدید النون والفتح ونصب البر فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ شعبہ اور اخوین کے لیے بتشدید الصاد وفتح الواؤ ہے، باقیین کے لیے بالتخفیف والسکون ہے فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ نافع اور ابن ذکوان کے لیے بالاضافۃ والجر والجمع اور ہشام کے لیے بالتنوین والجمع اور باقیین کے لیے بالتنوین والتوحید ہے الْقُرْاٰنُ وقراٰنًا وقراٰنہ مکی کے لیے بالنقل والحذف اور باقیین کے لیے بالاثبات والاسکان ہے وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ شعبہ کے لیے بتشدید المیم وفتح الکاف اور باقیین کے لیے بتخفیف المیم وسکون الکاف الْبُيُوْتَ، وَبُيُوْتَ: ورش بصری اور حفص کے لیے بضم الباء مطلقاً اور باقیین کے لیے بکسر الباء ہے وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ: حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فَاِنْ قٰتَلُوْا اخوین کے لیے یہ سب افعال بغیر الف ہیں اور باقیین کے لیے بالالف ہیں فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ مکی بصری کے لیے بالرفع والتنوین ہے، باقیین کے لیے بالنصب بغیر التنوین ہے اور وَلَا جِدَالَ کے نصب بالفتح میں کوئی اختلاف نہیں ہے فِي السِّلْمِ حرمیین وکسائی کے لیے بفتح السین باقیوں کے لیے بکسر السین ہے تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ شامی حمزہ اور کسائی کے لیے بفتح التاء وکسر الجیم ہے مطلقاً اور باقیوں کے لیے بضم التاء وفتح الجیم ہے مطلقاً۔ حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ صرف نافع کے لیے برفع اللام ہے، باقیین کے لیے بنصب اللام ہے اِثْمٌ كَبِيْرٌ اخوین کے لیے بالثاء یعنی كَثِيْرٌ ہے اور باقیین کے لیے بالباء ہے قُلِ الْعَفْوَ صرف بصری کے لیے برفع الواو ہے، باقیوں کے لیے بالنصب ہے لَاَعْنَتَكُمْ بزی کے لیے اس کا ہمزہ باختلاف مسہّل ہے اور باقیین کے لیے محقق ہے، بزی کے لیے بھی یہی طریق ثانی ہے حَتّٰى يَطْهُرْنَ شعبہ اور اخوین کے لیے بفتح الطاء والہاء مع تشدید طاء وہاء ہے۔ باقیین کے لیے باسکان الطاء وضم

www.toobaaelibrary.com

الہاء ہے۔ اِلَّآ اَنْ یَّخَافَا صرف حمزہ کے لیے بضم الیاء اور باقیین کے لیے بالفتح الیاء ہے لَا تُضَآرُّ وَالِدَةٌ مکی
بصری کے لیے برفع الراء اور باقیوں کے لیے بفتح الراء ہے مَآ اٰتَیْتُمْ بالبقرہ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا بالروم مکی کے
لیے بقصر الالف اور باقیین کے لیے بمد الالف ہے تَمَسُّوْهُنَّ دو جگہ اس سورہ میں اور ایک جگہ احزاب میں
اخوین کے لیے بضم التاء والف بعد المیم مع تشدید السین یعنی تُمَاسُّوْهُنَّ ہے اور باقیوں کے لیے بفتح التاء بغیر
الف ہے۔ قَدَرُهٗ وَعَلَی الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ابن ذکوان حفص اور اخوین کے لیے دونوں میں بفتح الدال ہے، اور
باقیین کے لیے باسکان الدال ہے وَصِيَّةً حرمیین شعبہ اور کسائی کے لیے بالرفع اور باقیوں کے لیے بالنصب
ہے فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ بالبقرہ، والحدید اس میں چار قراءتیں ہیں، مکی کے لیے برفع الفاء والتشدید، شامی کے لیے
بنصب الفاء والتشدید، عاصم کے لیے بالنصب والتخفیف، باقیین کے لیے بالرفع والتخفیف، بالتشدید پڑھنے
والوں کے لیے حذف الف ظاہر ہے۔ اور ماسوا ان دونوں سورتوں کے دو قراءتیں ہیں اوّل بالتشدید مکی وشامی
کے لیے، دوم بالتخفیف باقیین کے لیے جیسے فَيُضٰعِفُهٗ لَهٗ وَيُضٰعِفُ وَمُضٰعَفَةً وَيَبْصُطُ بالبقرہ وَبَصْطَةً
بالاعراف میں نافع، بزی، شعبہ، اور کسائی کے لیے بالصاد اور باقیین کے لیے بالسین ہے، لیکن ابن ذکوان
وخلاد کے لیے بالصاد وبالسین دونوں ہے عَسَيْتُمْ بالبقرہ وفی سورۃ محمد ﷺ بکسر السین صرف نافع کے لیے
اور باقیین کے لیے بفتح السین ہے۔ غُرْفَةً شامی اور کوفیین کے لیے بضم الغین باقیوں کے لیے بالفتح الغین
ہے۔ دَفْعُ اللّٰهِ بالبقرہ والحج نافع کے لیے بکسر الدال والف بعد الفاء یعنی دِفَاعُ ہے اور باقیین کے لیے بفتح
الدال وسکون الفاء بغیر الف ہے القدس مکی کے لیے باسکان الدال لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وفی
ابراھیم لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ وفی الطور لَا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ میں مکی بصری کے لیے بالنصب بغیر
التنوین ہے ہر ایک میں اور باقیین کے لیے بالرفع مع التنوین ہیں اَنَا اُحْيٖ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنَا
اُنَبِّئُكُمْ وغیرہ جبکہ انا کے بعد ہمزہ قطعی مضموم یا مفتوح ہو تو نافع کے لیے باثبات الالف فی الحالین اور باقیوں
کے لیے وصل میں بالحذف اور اگر ہمزہ مکسور واقع ہو جیسے اَنَا اِلَّا۔ وَمَآ اَنَا اِلَّا وغیرہ تو بھی قالون کے لیے
بالخلف اثبات الف فی الحالین ہوگا۔ باقی وقف میں بالاتفاق سب کے لیے بالاثبات ہے لَمْ يَتَسَنَّهْ اخوین
کے لیے بحذف الہاء وصلاً فقط اور باقیین کے لیے باثبات الہاء فی الحالین اتباعاً للرسم ہے۔ نُنْشِزُهَا شامی اور
کوفیین کے لیے بزاء المعجمہ ہے باقیوں کے لیے براء المہملہ ہے قَالَ اَعْلَمُ اخوین کے لیے بہمزۂ وصل وجزم
المیم ہے، باقیین کے لیے بہمزۂ قطعی ورفع المیم ہے فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ حمزہ کے لیے بکسر الصاد باقیین کے لیے
بالضم ہے۔ جُزْءًا و جُزْءٌ میں مطلقاً شعبہ کے لیے بضم الزاء اور باقیین کے لیے بالسکون ہے۔ بِرَبْوَةٍ بقرہ،
مومنون، شامی عاصم کے لیے بفتح الراء باقیین کے لیے بضم الراء ہے۔ اُكُلَهَا وَاُكُلُهٗ وَالْاُكُلِ میں مطلقاً
حرمیین وبصری کے لیے بسکون الکاف ہیں لیکن اخیرین میں صرف حرمین کے لیے بسکون الکاف ہے اور اوّل

www.toobaaelibrary.com

میں بصری بھی شریک ہیں اور باقیین کے لیے مطلقاً بضم الکاف ہیں۔ (۱) وَلَاتَیَمَّمُوْا بالبقرہ (۲) وَلَا تَفَرَّقُوْا بآل عمران (۳) اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ بالنساء (۴) وَلَا تَعَاوَنُوْا بالمائدہ (۵) فَتَفَرَّقَ بِكُمْ بالانعام (۶) فَاِذَا هِیَ تَلَقَّفُ بالاعراف وطٰہٰ والشعراء (۷) وَلَا تَوَلَّوْا۔ وَلَا تَنَازَعُوْا بالانفال (۸) قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بالتوبہ (۹) وَاِنْ تَوَلَّوْا۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ لَاتَكَلَّمُ نَفْسٌ بہود (۱۰) مَاتَنَزَّلُ بالحجر (۱۱) اِذْتَلَقَّوْنَهٗ (۱۲) فَاِنْ تَوَلَّوْا بالنور (۱۳) عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ (۱۴) الشَّیٰطِیْنُ تَنَزَّلُ بالشعراء (۱۵) وَلَا تَبَرَّجْنَ وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ بالاحزاب (۱۶) وَلَا تَنَاصَرُوْنَ بالصّٰفّٰت (۱۷) وَلَا تَنَابَزُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا۔ لِتَعَارَفُوْا بالحجرات (۱۸) اَنْ تَوَلَّوْهُمْ بالممتحنہ (۱۹) تَكَادُ تَمَیَّزُ بالملک (۲۰) لَمَا تَخَیَّرُوْنَ بالنون (۲۱) عَنْهُ تَلَهّٰی فی عبس (۲۲) نَارًا تَلَظّٰی باللیل (۲۳) مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ بالقدر مذکورہ بالا افعال کی تاء بزی کے لیے بالاتفاق مشدد ہوگی اور دو جگہ یعنی ۲۴ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ بآل عمران اور فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ فی الواقعہ۔ میں بالخلف مشدد ہوگی۔

باقیوں کے لیے ان تمام کی تاء مخفف ہوگی فَنِعِمَّا هِیَ بالبقرہ وبالنساء ورش۔ مکی اور حفص کے لیے بکسر النون والعین ہے۔ اور قالون بصری، شعبہ کے لیے بکسر النون واختلاس حرکت العین ہے۔ اور ان کے دوسری وجہ اسکان عین مع تشدید المیم بھی مقروء ہے اور باقیین کے لیے بفتح النون وکسر العین مع التشدید ہے وَیُكَفِّرُ عَنْكُمْ مکی بصری وشعبہ کے لیے بالنون ورفع الراء اور حفص وشامی کے لیے بالیاء والرفع۔ باقیین کے لیے بالنون والجزم ہے۔ یَحْسَبُهُمْ وَیَحْسَبُوْنَ وَتَحْسَبُ وَتَحْسَبَنَّ وغیرہ شامی عاصم حمزہ کے لیے جب کہ یہ فعل مضارع ہوں بفتح السین ہیں۔ باقیین کے لیے بالکسر۔ فَاْذَنُوْا شعبہ وحمزہ کے لیے بمد الالف وکسر الذال فَاٰذِنُوْا ہے۔ اور باقیوں کے لیے بقصر الالف مع سکون الہمزہ وفتح الذال فَاْذَنُوْا ہے اِلٰی مَیْسَرَةٍ نافع کے لیے بضم السین اور باقیین کے لیے بالفتح ہے وَاَنْ تَصَدَّقُوْا عاصم کے لیے بتخفیف الصاد باقیوں کے لیے بالتشدید الصاد ہے تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ بصری کے لیے بفتح التاء وکسر الجیم اور باقیین کے لیے بضم التاء وفتح الجیم ہے اَنْ تَضِلَّ حمزہ کے لیے بکسر الہمزہ اِنْ تَضِلَّ ہے باقیین کے لیے بفتح الہمزہ ہے۔ فَتُذَكِّرَ حمزہ کے لیے برفع الراء مع تشدید الکاف اور مکی وبصری کے لیے بنصب الراء مع تخفیف الکاف اور باقیین کے لئے بالنصب مع التشدید ہے۔ تِجَارَةً حَاضِرَةً عاصم کے لیے دونوں بالنصب اور باقیین کے لیے دونوں میں بالرفع ہے۔ فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ مکی بصری کے لیے بضم الراء والہاء بغیر الف ہے۔ اور باقیین کے لیے بکسر الراء وفتح الہاء مع الالف ہے فَیَغْفِرُ وَیُعَذِّبُ شامی عاصم کے لیے برفع الراء والباء اور باقیین کے لیے بجزم الراء والباء ہے وَكُتُبِهٖ اخوین کے لیے بالالف بعد التاء علی التوحید ہے اور باقیین کے لیے بغیر الف بالجمع ہے۔ فقط۔

●●●

www.toobaaelibrary.com

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۝ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ
التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ
شَدِیْدٌ ۝ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ ھُوَ الَّذِیْ
یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ۝ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ
اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ۝ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ
ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ ۝ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ
اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۝ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا
وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً ۝ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ
فِیْہِ ۝ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

سورۂ آل عمران کی ابتدائی پانچ آیتوں میں اس مقصد عظیم کا ذکر ہے، جس کی وجہ سے کفر و اسلام اور کافر و مومن کی تقسیم اور باہمی مقابلہ شروع ہوتا ہے، اور وہ اللہ جل شانہٗ کی توحید ہے، اس کے ماننے والے مومن اور نہ ماننے والے کافر و غیر مسلم کہلاتے ہیں، اس رکوع کی پہلی آیت میں توحید کی عقلی دلیل مذکور ہے، اور دوسری آیت میں نقلی دلیل بیان فرمائی گئی ہے، اس کے بعد کی آیت میں کفار کے کچھ شبہات کا جواب ہے۔ پہلی آیت میں ارشاد ہے الٓمّٓ، اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، اس میں لفظ الٓمّٓ، تو متشابہات قرآنیہ میں سے ہے، جس کے معنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے درمیان ایک راز ہیں، جس کی تفصیل اس رکوع کی آخری آیتوں میں آتی ہے، اس کے بعد اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ میں مضمون توحید کو ایک دعوے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابل معبود بنانے کے نہیں۔ اس کے بعد لفظ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ سے توحید کی عقلی دلیل بیان کی گئی، جس کی تشریح یہ ہے کہ عبادت نام ہے اپنے آپ کو کسی کے سامنے انتہائی عاجز و ذلیل کر کے پیش کرنے کا اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ جس کی عبادت کی جائے وہ عزت و جبروت کے انتہائی مقام کا مالک اور ہر اعتبار سے کامل ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیز خود اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے اپنے وجود اور اس کی بقاء میں دوسرے کی محتاج ہو

www.toobaaelibrary.com

اس کا عزت و جبروت میں کیا مقام ہوسکتا ہے، اس لیے بالکل واضح ہوگیا کہ دنیا میں جتنی چیزیں نہ خود اپنے وجود کی مالک ہیں اور نہ ہی اپنے وجود کو قائم رکھ سکتی ہیں، وہ خواہ پتھر کے تراشیدہ بت ہوں یا پانی اور درخت ہوں یا فرشتے اور پیغمبر ہوں، ان میں کوئی بھی لائق عبادت نہیں، لائق عبادت وہی ذات ہوسکتی ہے، جو ہمیشہ سے زندہ موجود ہے، اور ہمیشہ زندہ و قائم رہے گی، اور وہ صرف اللہ جل شانہٗ کی ذات ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے بعد دوسری آیت میں توحید کی نقلی دلیل بیان فرمائی گئی، ارشاد ہے: نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ. جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی توحید کا مضمون جو قرآن نے بیان کیا ہے یہ کچھ قرآن کی یا پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصیت نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی توراۃ و انجیل وغیرہ کتابیں اور انبیاء اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں، ان سب کا یہی دعویٰ اور یہی کلمہ تھا، قرآن مجید نے آکر ان سب کی تصدیق کی ہے، کوئی نیا دعویٰ پیش نہیں کیا، جس کے سمجھنے یا ماننے میں لوگوں کو کوئی الجھن ہو، تیسری اور چوتھی آیت میں توحید کی دلیل کا تکملہ حق تعالیٰ کی صفات علم و قدرت کے بیان سے کیا گیا ہے کہ جو ذات علم محیط ازلی کی مالک ہے اور جس کی قدرت ہر شے پر حاوی ہے، وہی اس کی مستحق ہے، کہ اس کی عبادت کی جائے، ناقص علم اور محدود قدرت والے کو یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔

مذکورہ چار آیتوں کا ترجمہ اور مختصر تفسیر یہ ہے

اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابل معبود بنانے کے نہیں، اور وہ زندہ (جاوید) ہیں، سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس قرآن بھیجا ہے، واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان (آسمانی) کتابوں کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں اور (اسی طرح) بھیجا تھا توریت اور انجیل کو اس کے قبل کے لوگوں کی ہدایت کے واسطے (اور اسی سے قرآن کا ہدایت ہونا بھی لازم آگیا، کیونکہ ہدایت کا مصدق بھی ہدایت ہے) اور اللہ تعالیٰ نے (انبیاء کی تصدیق کے واسطے) بھیجے معجزات، بے شک جو لوگ منکر ہیں اللہ تعالیٰ کی (ان) آیتوں کے (جو توحید پر دلالت کرتی ہیں) ان کے لیے سزا سخت ہے، اور اللہ تعالیٰ غلبہ (اور قدرت) والے ہیں (کہ بدلہ لے سکتے ہیں اور) بدلہ لینے والے (بھی) ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے (نہ کوئی چیز) زمین میں اور نہ (کوئی چیز) آسمان میں (پس ان کا علم بھی نہایت کامل ہے) وہ ایسی ذات (پاک) ہے کہ تمہاری صورت (شکل) بناتا ہے جس طرح چاہتا ہے

www.toobaaelibrary.com

(کسی کی کیسی صورت اور کسی کی کیسی صورت، پس ان کی قدرت بھی کامل ہے، پس حیات اور قیومیت اور علم اور قدرت جو اُمہات صفات سے ہیں ان میں کامل طور سے بلا شرکت موجود ہیں جس سے ثابت ہوا کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس (ذات پاک) کے (اور) وہ غلبہ والے ہیں (منکرِ توحید سے انتقام لے سکتے ہیں لیکن) حکمت والے (بھی) ہیں (بمصلحت دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے)۔ وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو، جس میں کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ اشتباہِ مراد سے محفوظ ہیں، (یعنی ان کا مطلب ظاہر ہے) اور یہی آیتیں اصل مدار ہیں (اس) کتاب (یعنی قرآن) کا (یعنی جن کے معنی ظاہر نہ ہوں ان کو بھی ظاہر المعنی کے موافق بنایا جاتا ہے) اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ مشتبہ المراد ہیں (یعنی ان کا مطلب مخفی ہے، خواہ مجمل ہونے کی وجہ سے خواہ کسی نص ظاہر المراد کے ساتھ معارض ہونے کی وجہ سے) سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے، (دین میں) شورش ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس (مشتبہ المراد) کے (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے (تا کہ اپنے غلط عقیدہ میں اس سے مطلب حاصل کرے) حالانکہ اس کا (صحیح) مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا (یا اگر وہ خود قرآن یا حدیث کے ذریعہ سے صراحۃً یا اشارۃً بتلا دیں، جیسے لفظ صلوٰۃ کی مراد صراحۃً معلوم ہوگئی، اور استواء علی العرش وغیرہ کی تاویل بعض کی رائے پر قواعد کلیہ سے معلوم ہوگئی، تو بس اسی قدر دوسروں کو بھی خبر ہو سکتی ہے، زیادہ معلوم نہیں ہو سکتا، جیسے مقطعات قرآنیہ کے الف لام میم وغیرہ کے معنی کسی کو معلوم نہیں ہوئے، اور بعض کی رائے پر استواء علی العرش کے معنی بھی معلوم نہیں ہوئے) اور (اسی واسطے) جو لوگ علم (دین) میں پختہ کار (اور فہیم) ہیں وہ (ایسی آیتوں کے متعلق) یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر (اجمالاً) یقین رکھتے ہیں سب (آیتیں ظاہر المعنی بھی خفی المعنی بھی) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں، (پس ان کے جو کچھ معنی اور مراد واقع میں ہوں وہ حق ہیں) اور نصیحت (کی بات کو) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں (یعنی عقل کا مقتضا بھی یہی ہے کہ مفید اور ضروری بات میں مشغول ہو مضر اور فضول قصہ میں نہ لگے) اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے، بعد اس کے کہ آپ ہم کو (حق کی طرف) ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (خاصہ) عطا فرمائیے (وہ رحمت یہ ہے کہ راہِ مستقیم پر قائم رہیں) بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں، ہمارے پروردگار! (ہم یہ دعا کجی سے بچنے کی اور حق پر قائم رہنے کی کسی دنیاوی غرض سے نہیں مانگتے، بلکہ محض آخرت کی نجات کے

www.toobaaelibrary.com

واسطے، کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ) آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو (میدان حشر میں) جمع کرنے والے ہیں اس دن میں جس (کے آنے) میں ذرا شک نہیں (یعنی قیامت کے دن میں اور شک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے آنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف نہیں کرتے وعدہ کو (اس لیے قیامت کا آنا ضرور ہے اور اس واسطے ہم کو اس کی فکر ہے)

ربط: سورۂ بقرہ کے اکثر احکام شرعیہ کے اجمالی اور تفصیلی بیان کے ضمن میں جابجا کفار کی مخالفت اور مقابلہ کا ذکر آیا، آخر میں وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کے جملۂ دعائیہ پر ختم کیا گیا جس کا حاصل تھا کفار پر غلبہ پانے کی دعا اس کی مناسبت سے اس سورۃ میں عام طور پر کفار کے ساتھ معاملات اور ہاتھ اور زبان سے ان کے مقابلہ میں جہاد کا بیان ہے، جو گویا آخری جملہ دعائیہ کی تشریح و تفصیل ہے۔

تلخیص معارف ومسائل

سورۂ آل عمران میں اس مقصد عظیم یعنی توحید کا ذکر ہے جسکی وجہ سے کفر واسلام کی تقسیم اور باہمی مقابلہ شروع ہوتا ہے۔ اس کی پہلی آیت کا پہلا لفظ الٓمّٓ ہے متشابہات قرآنیہ میں سے ہے جس کی تفصیل آیت (۷) میں آرہی ہے، پہلی آیت میں توحید کی عقلی دلیل اور دوسری آیت میں نقلی دلیل مذکور ہے، اس کے بعد کفار کے کچھ شبہات کا جواب ہے۔

الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ سے توحید کی عقلی دلیل بیان کی گئی اس کی کچھ تفصیل ماقبل میں گذری۔

دوسری آیت میں توحید کی نقلی دلیل ہے وہ یہ کہ توحید کی دعوت قرآن یا پیغمبر اسلامؐ کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ سارے انبیاء اور ساری کتب سماوی کا یہی دعویٰ اور کلمہ تھا، قرآن نے سب کی تصدیق کی، پس ہدایت کا مصدق بھی ہدایت ہے۔

اب ذرا بنظر انصاف دیکھئے، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام، صدق وعدل کے انتہائی بلند معیار کے مالک عظیم الشان جماعت، مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں پیدا ہونے والے، جن کے درمیان سیکڑوں، ہزاروں برس کا فاصلہ، ایک کی بات دوسرے تک پہنچنے کا کوئی تحریری ذریعہ بھی نہیں، ایسی عظیم الشان جماعت کا ایک ہی بات پر متفق ہونا ایک انسان کی تصدیق کے لیے کافی ہو جاتا ہے، یقین کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ ان کا کلمہ صحیح اور دعوت حق اور فلاح دنیا و آخرت ہے۔

آیت ۳-۲: میں بھی اسی مضمون توحید کی تکمیل ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان اور قدرت کاملہ اور قادر مطلق ہونے کا بیان ہے کہ اس نے بطن مادر کی تین اندھیریوں میں کیسی حکمت

www.toobaaelibrary.com

بالذات کے ساتھ بنایا، اور ان کی صورتوں اور رنگوں میں کیسی کیسی صنعت کاری فرمائی کہ ہر انسان کی صورت دوسرے سے ممتاز رہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو ذات ان چاراہم مذکورہ صفات کی جامع ہو وہی عبادت کے لائق ہے۔

آیت: ۷: میں توحید کے خلاف بعض شبہات کا جواب ہے، روایات میں اس کا واقعہ یہ ہے کہ نجران کے کچھ نصاریٰ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مذہبی گفتگو شروع کی، آپ ؐ نے ان کے عقیدۂ تثلیث کی مفصل تردید فرما کر توحید باری تعالیٰ کو ثابت فرمایا، آپ ؐ نے انہیں چاروں صفات سے استدلال فرمایا اور یہ سب مقدمات نصاریٰ کو تسلیم کرنے پڑے، اثبات توحید سے عقیدہ تثلیث کا بطلان بھی ثابت ہو گیا۔

ان لوگوں نے قرآن کے ان الفاظ پر اپنے کچھ شبہات پیش کیے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روح اللہ کا یا کلمۃ اللہ ہونا مذکور ہے کہ ان الفاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شرکت الوہیت ثابت ہوتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان شبہات کو ختم فرما دیا کہ یہ کلمات متشابہات ہیں، ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے درمیان ایک راز ہیں عوام کے لیے ان الفاظ کی تحقیق میں پڑنا روا نہیں، بس ان پر اس طرح ایمان لانا ضروری ہے کہ جو کچھ ان سے مراد ہے وہ حق ہے تفتیش کی اجازت نہیں ہے۔

ایک اصول قرآن کریم میں دو قسم کی آیات ہیں۔ (۱) ایک محکمات۔ (۲) دوسری متشابہات۔ محکمات ان آیات کو کہتے ہیں جن کی مراد لغت اور عربیہ کے جاننے والے شخص پر بالکل ظاہر ہو، اور جن آیات کی تفسیر و معانی ایسے شخص پر ظاہر نہ ہوں انہیں متشابہات کہتے ہیں (مظہری ج ۲)

آیات محکمات کو اُمّ الکتاب کہا گیا یعنی ساری تعلیمات کا اصل اصول یہی آیات ہوتی ہیں جن کے مفاہیم اشتباہ سے پاک ہوتے ہیں، متشابہات میں چونکہ متکلم کی مراد مبہم اور غیر متعین ہوتی ہے اس لیے ان کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ انہیں محکمات کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہئے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو محکمات کے مخالف نہ ہو اور مخالف کی قطعاً نفی کی جائے، اور اصول مسلّمہ کے خلاف ہر توجیہ کو غیر صحیح سمجھا جائے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن نے تصریح کر دی کہ "اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ" نیز "اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ" وغیرہما، ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ

www.toobaaelibrary.com

بندے اور اس کی مخلوق ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں الوہیت اور ابنیت کا دعویٰ صحیح نہیں۔ اب اگر کوئی صرف کلمۃ اللہ اور روح اللہ وغیرہ متشابہات سے محکمات کے خلاف معنی ہی کو لینے لگے تو یہ اس کی کجروی اور ہٹ دھرمی ہی ہوگی۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ۔ آیات متشابہات کی صحیح مراد صرف اللہ کو معلوم ہے، یہ اس کا کرم ہے کہ جسے جس قدر آگاہ کرنا چاہے کردے سلیم الفطرت لوگ اس کے بارے میں زیادہ تحقیق نہیں کرتے وہ اجمالاً ایسی آیات پر ایمان لاتے ہیں، اور جن کے دلوں میں کجی اور کھوٹ ہوتا ہے وہ محکمات سے صرف نظر کر کے متشابہات کے چکر میں رہتے ہیں اور ان سے اپنی حسب خواہش معانی نکال کر لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہے، ایسے لوگوں سے دور بھاگنے کا حکم آیا ہے (بخاری ج ۲ عن عائشہؓ) حضورؐ جن تین امور سے اندیشہ فرمایا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ محکمات کو چھوڑ کر امت متشابہات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے الخ (ابن کثیر بحوالہ طبرانی)

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ۔ قول راجح کے مطابق راسخون فی العلم سے مراد اہل سنت والجماعۃ ہیں جو قرآن وسنت کی اسی تعبیر وتشریح کو صحیح سمجھتے ہیں جو صحابہ کرامؓ، سلف صالحین، اور اجماع امت سے منقول ہو، اور قرآنی تعلیمات کا محور ومرکز محکمات کو مانتے ہیں اور متشابہات کے جو معانی فہم وادراک سے باہر ہیں اپنے قصور علمی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو خدا کے سپرد کرتے ہیں، وہ حق سب کو سمجھتے ہیں کیونکہ انھیں یقین ہیں کہ دونوں قسم کی آیات کا سرچشمہ ایک ہی ہے، البتہ وہ محکمات کے معانی ہمارے لیے معلوم کرنے اور ضروری تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے انھیں واضح طور پر بیان فرمادیا اور متشابہات کو اپنی مصلحت سے بیان نہیں فرمایا اس لیے درپے ہونا بھی ضروری نہیں۔ ان پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے۔

آیت: ۸-۹: حق پرست اپنے کمال علمی کے باوجود مغرور نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرتے ہیں، ہدایت وضلالت اللہ ہی کی جانب سے ہے، ارشاد رسالتؐ ہے "کوئی دل ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو۔ وہ جب تک چاہتے ہیں اس کو حق پر قائم رکھتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اس کو حق سے پھیر دیتے ہیں۔"

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ استقامت کی دعا مانگا کرتے تھے، ایک حدیث میں ہے "یا

www.toobaaelibrary.com

مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ" یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ (مظہری ج ۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُـؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ۙ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ فَاِنْ حَاۗجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

بالیقین جو لوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آسکتے، ان کے مال (دولت) اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ذرہ برابر بھی ایسے لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے (ان لوگوں کا معاملہ ایسا ہے) جیسا کہ معاملہ تھا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے والے (کافر) لوگوں کا (وہ معاملہ یہ تھا) کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو (یعنی اخبار واحکام کو) جھوٹا بتلایا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر دار وگیر فرمائی ان کے گناہوں کے سبب اور اللہ تعالیٰ (کی دار وگیر بڑی سخت ہے، کیونکہ ان کی شان یہ ہے کہ وہ) سخت سزا دینے والے ہیں (اسی طرح معاملہ ہوا کہ انھوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، سو ان کو بھی ایسی ہی سزا ہوگی اور) ان کفر کرنے والے لوگوں سے (یوں بھی) فرما دیجئے کہ (تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ دار وگیر صرف آخرت میں ہو

www.toobaaelibrary.com

گی، بلکہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ہوگی، چنانچہ دنیا میں) عنقریب تم (مسلمانوں کے ہاتھ سے) مغلوب کئے جاؤ گے، اور (آخرت میں) جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے اور (جہنم) ہی بُرا ٹھکانا ہے، (بیان القرآن) بے شک تمہارے (استدلال کے) لیے بڑا نمونہ ہے دو گروہوں (کے واقعہ) میں جو کہ باہم (بدر کی لڑائی میں) ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے، ایک گروہ تو (یعنی مسلمان) اللہ کی راہ میں لڑتے تھے اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے (اور کافر اس قدر زیادہ تھے کہ) یہ کافر اپنے (گروہ) کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصے (زیادہ) ہیں (اور دیکھنا بھی کچھ وہم وخیال کا نہیں بلکہ) کھلی آنکھوں دیکھنا (جس کے واقعی ہونے میں شبہ نہیں تھا، لیکن کفار کے باوجود اس قدر زیادہ عدد ہونے کے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب کیا) اور (غالب اور مغلوب کرنا محض قبضۂ خداوندی میں ہے) اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دیدیتے ہیں (سو) بلا شک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے (اور نمونہ) ہے دیکھنے والوں کے لیے، خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجام کار کی خوبی (کی چیز) تو اللہ ہی کے پاس ہے (جو بعد موت کے کام آوے گی جس کی تفصیل اگلی آیت میں آتی ہے) آپ (ان لوگوں سے اور) فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان مذکورہ چیزوں سے (سوسنو) ایسے لوگوں کے لیے جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے باغ ہیں (یعنی بہشت) جن کی پائیں میں نہریں جاری ہیں ان (بہشتوں) میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، (اور ان کے لیے) ایسی بیبیاں ہیں جو (ہر طرح) صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور (ان کے لیے) خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے (بھالتے) ہیں، بندوں (کے حال) کو (اس لیے ڈرنے والوں کو یہ نعمتیں دیں گے، آگے ان ڈرنے والوں کی بعض تفصیلی صفات ذکر کی جاتی ہیں) ایسے لوگ (ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے، اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے (اور وہ لوگ) صبر کرنے والے ہیں اور راستباز ہیں اور (اللہ تعالیٰ کے سامنے) فروتنی کرنے والے ہیں، اور (نیک کاموں میں مال کے) خرچ کرنے والے ہیں، اور اخیر شب میں (اٹھ اٹھ کر) گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔ گواہی دی

www.toobaaelibrary.com

ہے اللہ نے (کتب سماویہ میں) اس (مضمون) کی کہ بجز اس ذات (پاک) کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، اور فرشتوں نے بھی (اپنے ذکر و تسبیح میں اس کی گواہی دی ہے، کیونکہ ان کے اذکار توحید سے بھرے ہوئے ہیں) اور (دوسرے) اہل علم نے بھی (اپنی تقریرات و تحریرات میں اس کی گواہی دی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے) اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ (ہر چیز کا) اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں (اور پھر کہا جاتا ہے کہ) ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں وہ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں، بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور (اس کے حق ہونے میں اہل اسلام کے ساتھ) اہل کتاب نے جو اختلاف کیا (اس طرح سے کہ اسلام کو باطل کہا) تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو (اسلام کے حق ہونے کی) دلیل پہنچ چکی تھی محض ایک دوسرے سے بڑھنے کی وجہ سے، (یعنی اسلام کے حق ہونے میں کوئی وجہ شبہ کی نہیں ہوئی، بلکہ ان میں مادہ دوسروں سے بڑا بننے کا ہے اور اسلام لانے میں یہ سرداری جوان کو اب عوام پر حاصل ہے فوت ہوتی تھی، اس لیے اسلام کو قبول نہیں کیا، بلکہ اُلٹا اس کو باطل بتلانے لگے) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا (جیسا ان لوگوں نے کیا) تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کا حساب لینے والے ہیں (اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے حساب کا انجام عذاب ہوگا، اسلام کے حق ہونے پر دلیل قائم ہونے کے بعد) پھر بھی اگر یہ لوگ آپؐ سے (خواہ مخواہ کی) حجتیں نکالیں تو آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ (تم مانو یا نہ مانو) میں تو اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو تھے وہ بھی (اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکے، یہ کنایہ ہے اس سے کہ ہم سب اسلام اختیار کر چکے، جس میں اعتقاد الوہیت کے اعتبار سے قلب کا رخ خاص اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے، کیونکہ دوسرے مذاہب میں کچھ کچھ شرک ہو گیا تھا) اور (اس جواب کے بعد دریافت فرمانے کے طور پر) کہئے اہل کتاب سے اور (مشرکین) عرب سے کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو سو اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو وہ لوگ بھی راہ (راست) پر آ جائیں گے اور اگر وہ لوگ (اس سے بدستور) روگردانی رکھیں سو (آپ اس کا بھی غم نہ کیجئے، کیونکہ) آپ کے ذمہ صرف (احکام خداوندی کا) پہنچا دینا ہے اور (آگے) اللہ تعالیٰ خود دیکھ (اور سمجھ) لیں گے، (اپنے) بندوں کو (آپؐ سے کوئی بازپرس نہیں)

تلخیص معارف ومسائل

قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ. اس آیت سے دنیا کے سارے کفار کے مغلوب نہ ہونے کا شبہ نہ کیا جائے

www.toobaaelibrary.com

کیونکہ یہاں اس وقت کے مشرکین اور یہود مراد ہیں، چنانچہ انھیں قتل وقید کے ساتھ ساتھ جزیہ اور جلا وطنی کے ذریعہ مغلوب کیا گیا تھا۔

آیت ۱۳: میں کفار کے مغلوب ہونے کی ایک مثال بطور دلیل بیان فرماتے ہیں، اس آیت میں جنگ بدر کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، جس میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے، دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے جن کے پاس کل ستر اونٹ دو گھوڑے چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور تماشہ یہ تھا کہ ہر ایک فریق کو حریف مقابل اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار مسلمانوں سے مرعوب ہو رہے تھے اور مسلمان اور زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو رہے تھے، اور فریقین کا دوگنی تعداد دیکھنا بعض احوال میں تھا ورنہ بعض احوال میں ایک دوسرے کی جمعیت کم محسوس ہوئی (جیسا کہ سورۂ انفال میں آئے گا)

بہر حال ایک قلیل اور بے سروسامان جماعت کی ایسی مضبوط جمعیت کے مقابلے میں اس طرح کامیابی آنکھیں رکھنے والوں کے لیے بڑا عبرت ناک واقعہ ہے (فوائد علامہ عثمانی)

ربط: ان آیتوں میں کفار ومشرکین کی مخالفت اور جہاد کا ذکر تھا اور آنے والی آیت میں تمام بد اعمالیوں کی اصل منشاء کا ذکر ہے اور وہ محبتِ دنیا ہے۔

دنیا کی محبت فطری ہے مگر اس میں غلو مہلک ہے

ارشاد رسالت ہے حُبُّ الدنیا راس کلِّ خطیئۃٍ۔

آیت ۱۴: میں جن چیزوں کا نام لیا گیا ہے وہ عموماً انسانی رغبت ومحبت کا مرکز ہیں، انسان کی تمام دنیاوی فکروں میں اصلی سبب عورت ہے یا اولاد جس کی ضرورت ہے، پھر سونے چاندی (۴/۳) عمدہ گھوڑے مویشی اور کھیتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت انسان کے اندر طبعی طور پر ڈال دی ہیں اس میں ہزاروں حکمتیں ہیں، ایک یہ کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو سارا انتظام عالم درہم وبرہم ہو جاتا، کسی کو کیا غرض تھی کہ کھیتی کی مشقت یا مزدوری وصنعت کی محنت برداشت کرتا، یا تجارت میں اپنا روپیہ اور محنت صرف کرتا، دنیا کی بقا اسی میں مضمر تھی کہ لوگوں کی طبائع میں ان چیزوں کی محبت پیدا کر دی جائے، جنھیں مہیا کرنے اور باقی رکھنے کی فکر میں پڑ جائیں، دنیا کی انھیں مرغوبات کی محبت نے سب کو اپنے اپنے گھروں سے نکالا اور دنیا کے تمدنی نظام کو نہایت مستحکم اصول پر قائم کر دیا ہے، دوسری حکمت یہ ہے کہ انھیں مرغوب کی محبت سے اخروی نعمتوں کا ذائقہ معلوم ہوگا اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کیا ضرورت تھی کہ کوئی

www.toobaaelibrary.com

اعمال نیک کے ذریعے حصول جنت کی کوشش کرے اور اعمال بد سے پرہیز کر کے دوزخ سے بچے۔

تیسری اور بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے انسان کا امتحان لیا جائے، ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا. (کہف: ۷) اور جن آیات میں اس قسم کی تزئین کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسے وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ، ان میں ایسی چیزوں کی تزئین مراد ہے جو شرعاً اور عقلاً بری ہیں یا تزئین کا حد سے بڑھا ہوا درجہ مراد ہے، ورنہ مباحات کا مزین کردینا مطلقاً برا نہیں بلکہ اس میں بہت سے فوائد بھی ہیں، الغرض امتحان مقصود ہے کہ آیا ان چند روزہ دنیا کی سرسری اور ظاہری مرغوبات اور لذائذ میں مبتلا ہو کر اپنے اور ان سب کے خالق ومالک کو یاد رکھتا ہے اور ان چیزوں کو حق تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا ذریعہ بناتا ہے یا انہیں میں الجھ کر اصلی خالق ومالک اور آخرت میں اس کے سامنے پیشی اور حساب وکتاب کو بھلا بیٹھتا ہے۔

پہلا آدمی وہ ہے، جس کے لیے دنیا کی مرغوبات بجائے سنگ راہ بننے کے، سنگ میل بن کر فلاح آخرت کا ذریعہ بن گئیں وہ دنیا سے مستفید بھی ہوا اور آخرت میں بھی کامیاب رہا، دوسرا شخص وہ ہے، جس کے لیے یہی چیزیں حیات آخرت کی بربادی اور دائمی عذاب کا سبب بن گئیں، اور بنظر غائر دیکھئے تو یہ چیزیں دنیا میں بھی عذاب ہی ہیں، ارشاد ربانی ہے: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (توبہ ۵۵) یعنی یہ اموال واولاد دنیا میں بھی رات دن کی فکروں اور مشاغل کے باعث عذاب ہی بن جاتے ہیں۔

بہرحال شریعت کے مطابق اعتدال کے ساتھ ان چیزوں کی طلب اور جمع کرنا دنیا اور آخرت کی فلاح ہے اور خلاف شرع ان کا استعمال یا ناجائز طریقوں میں اتنا غلو اور انہماک کہ آخرت سے غفلت کا سبب بن جائے باعث ہلاکت ہے، مولانا روم فرماتے ہیں۔

آب اندر زیر کشتی پشتی است ٭ آب در کشتی ہلاک کشتی است!

یعنی دنیا کا ساز وسامان مثل پانی کے ہے اور اس میں انسان کا قلب مثل کشتی کے ہے، پانی جب تک کشتی کے نیچے ہے تو مفید اور معین ہے اور اگر پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو یہی اس کی ہلاکت کا سامان بن جاتا ہے، اسی لیے آیت کے آخر میں ارشاد ہے ذلك متاع الحيوة الدنيا والله عنده حسن المآب. یعنی یہ سب چیزیں تو صرف کام چلاؤ ہیں، دل لگانے کے لیے نہیں ہیں۔

آیت: ۱۵: میں اس کی مزید توضیح ہے، آیت (۱۴) میں دنیا کی چھ بڑی نعمتوں کا ذکر ہے، اس

www.toobaaelibrary.com

آیت میں ان کے بالمقابل بظاہر تین چیزوں کا بیان آیا، (۱) جنت کے سرسبز باغات، (۲) پاک صاف عورتیں، (۳) رضاء الٰہی۔

اولاد، سونے چاندی، گھوڑے اور کھیتی کی ضرورت دنیا میں ہوتی ہے، آخرت میں ان سب کی نہ ضرورت ہوگی اور اس کی خواہش اور اگر کسی کو اولاد کی خواہش ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ بھی دیں گے، (ترمذی) اسی طرح آخرت میں کسی خرید و فروخت کی بھی ضرورت نہ ہوگی کہ سونے چاندی کی حاجت ہو، ہر چیز حسب خواہش فوراً مہیا ہو جائے گی، پھر یہ کہ جنت میں سونے چاندی کی کمی نہیں اس لیے آخرت کے لحاظ سے یہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں سمجھی گئی، اسی طرح گھوڑوں کی ضرورت مسافت سفر طے کرنے کے لیے ہوتی ہے، وہاں سفر کی ضرورت ہی نہیں۔ البتہ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے روز اہل جنت کو سواری کے لیے عمدہ گھوڑے پیش کیے جائیں گے جن پر سوار ہو کر اہل جنت اپنے اعزاء اور احباب سے ملنے جایا کریں گے، اسی طرح مویشی کی بھی جنت میں ضرورت نہ ہوگی، مویشی، کھیتی کا یا دودھ کا کام دیتے ہیں۔ ان کے بغیر بھی جنت میں اللہ تعالیٰ نے خود یہ سب چیزیں عطا فرمادی ہیں، اور اگر کسی کو خواہ مخواہ کھیتی ہی سے محبت ہو (جیسا کہ طبرانی کی بعض روایت میں ہے) تو کھیتی کا سارا سامان جمع کر دیا جائے گا، پھر کھیتی کا بونا، اگانا، پکنا، اور کاٹنا سب چند منٹ میں ہو کر سامنے آجائے گا۔ اس لیے نعماء آخرت میں صرف جنت اور جنت کی حوروں کا ذکر کر دینا کافی سمجھا گیا، قرآن کریم میں یہ وعدہ بھی ہے وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ یعنی ان کو ان کی خواہش کی ہر چیز ملے گی، اس جامع اعلان کے بعد کسی خاص نعمت کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی، چند مخصوص نعمتیں یعنی جنت اور حسین و جمیل عورتیں جو ہر جنتی کو بے مانگے ملیں گی ان کے بعد ایک سب سے بڑی نعمت کا ذکر کیا گیا، جس کا عموماً تصور بھی نہیں ہوتا وہ ہے اللہ تعالیٰ کی دائمی رضا۔

چنانچہ جب اہل جنت کی ہر تمنا پوری ہو چکی ہوگی اور وہ مسرور و مطمئن ہو چکے ہوں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ خود ان سے خطاب فرمائیں گے کہ اب میں تم کو ان سب نعمتوں سے بالاتر ایک اور نعمت دیتا ہوں، وہ یہ کہ تم سب کو میری رضا اور قرب دائمی طور پر حاصل ہے اب ناراضی کا کوئی خطرہ نہیں، اس نعمائے جنت کے سلب ہو جانے یا کم ہو جانے کا بھی خطرہ نہیں۔

آیت: ۱۸: میں توحید کا مضمون ایک خاص انداز سے مذکور ہے کہ اس پر تین شہادتوں کا ذکر ہے، (۱) ایک خود اللہ تعالیٰ کی شہادت جو بطور مجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے تمام مظاہر اور

www.toobaaelibrary.com

مصنوعات اس کی کھلی نشانیاں ہیں ۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید ٭ وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید!

نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول اور کتابیں بھی شاہد ہیں (۲) دوسری شہادت فرشتوں کی ذکر کی گئی ہے کہ یہ مقرب فرشتے سب کچھ جان کر دیکھ کر شہادت دیتے ہیں کہ لائق عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (۳) تیسری شہادت اہل علم کی ہے، اس سے مراد انبیاء کرامؑ اور عام علماء اسلام ہیں، بقول امام غزالیؒ اور ابن کثیرؒ اس میں علماء کی بڑی فضیلت ہے کہ انھیں اللہ رب العزۃ نے اپنے اور فرشتوں کے ساتھ ذکر فرمایا۔ نیز وہ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو ضابطے کے تو عالم نہ ہوں مگر علمی اصول پر صحیح نظر کر کے یا کائنات میں غور فکر کر کے اللہ کی وحدانیت کا علم حاصل کر سکیں۔

آیت شَهِدَ اللهُ کے فضائل اس آیت شہادت کی ایک خاص شان ہے امام بغویؒ نے نقل کیا ہے کہ یہود کے بڑے عالم شام سے مدینہ طیبہ میں آئے، مدینہ کی بستی دیکھ کر تذکرہ کرنے لگے کہ یہ تو تورات میں ذکر کردہ پیشین گوئی والی بستی ہے جس میں نبی آخر الزماں ؐ قیام پذیر ہوں گے، پھر انھیں پیغمبر علیہ السلام کی اطلاع ہوئی، حاضر خدمت ہوئے، نظر پڑتے ہی تورات میں بتلائی گئی تمام صفات سامنے آگئیں، عرض کیا، آپ ؐ محمد ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! پھر عرض کیا احمد ؐ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں محمد ہوں، اور احمد ہوں، پھر عرض کیا، ہم آپ سے اک سوال کرتے ہیں، صحیح جواب پر ہم ایمان لائیں گے، انھوں نے سوال کیا، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت شہادت نازل ہوئی آپ ؐ نے پڑھ کر سنادی، یہ دونوں اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

مسند احمد میں ہے کہ عرفات میں پیغمبر علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی تو اس کے بعد فرمایا: وَاَنَا علی ذلك من الشاهدين یا ربِّ۔ (ابن کثیر) امام اعمشؒ کی ایک روایت سے معلوم ہوا کہ اس آیت کی تلاوت کے بعد جو شخص یہ کہے کہ انا علی ذلك من الشاهدين تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرشتوں سے فرمائیں گے کہ میرے بندے نے ایک عہد کیا ہے اور میں عہد پورا کرنے والوں میں سب سے زیادہ ہوں اس لیے میرے بندے کو جنت میں داخل کردو (ابن کثیر)۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث میں ہے کہ ارشاد رسالت ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی، اور آیت شہادت، اور قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الملك سے بغیر حساب تک پڑھا کرے تو

www.toobaaelibrary.com

اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمائیں گے، اور جنت میں جگہ دیں گے، اور اس کی ستر حاجتیں پوری فرمائیں گے، جن میں سے کم سے کم حاجت اس کی مغفرت ہے۔ (روح المعانی بحوالہ دیلمی)

آیت :۱۹: لفظ دین قرآن کی اصطلاح میں ان اصول واحکام کیلئے بولا جاتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء علیہ السلام تک سب انبیاءؑ میں مشترک ہیں، اور لفظ شریعت یا منہاج یا مذہب فروعی احکام کے لیے بولے جاتے ہیں، جو مختلف زمانوں اور امتوں میں مختلف ہوتے چلے آئے ہیں۔

دین سب انبیاء کا ایک ہی تھا یعنی اللہ کی ذات وصفات پر ایمان، وحدانیت، روز قیامت، حساب وکتاب جزاوسزا، جنت ودوزخ اور نبی ورسول اور ان کے لائے ہوئے احکام پر دل سے ایمان اور زبان سے اقرار کرنا۔

اور لفظ اسلام کے اصلی معنی ہیں خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا، اس کے تابع فرماں ہونا اس معنی کے اعتبار سے ہر نبی ورسول پر ایمان لانے والے اور ان کے متبعین سب مسلمان اور مسلم کہلانے کے مستحق تھے، اور ان کا دین دین اسلام تھا۔ اسی معنی کے لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا وَأُمِرْتُ أَنْ أكون من المسلمين (یونس ۷۲) اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود کو اور اپنی امت کو امت مسلمہ فرمایا (بقرہ ۱۸۲) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اسی معنی کے اعتبار سے کہا تھا وَاشْهَدْ بانا مسلمون (آل عمران ۵۲)

اور کبھی یہ لفظ خصوصیت سے شریعت محمدی کے لیے بولا جاتا ہے، اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ صرف دین محمدیؐ اور امت محمدیہ کیلئے مخصوص ہو جاتا ہے اور حدیث جبرئیلؑ میں پیغمبر علیہ السلام نے اسلام کی یہی خاص تفسیر بیان فرمائی ہے، آیت مذکورہ کے "الاسلام" میں بھی دونوں معنی کا احتمال ہے، یعنی ہر نبی کے زمانہ میں انکالایا ہوا دین ہی دین اسلام اور عنداللہ مقبول تھا جو بعد میں یکے بعد دیگرے منسوخ ہوتا چلا آیا، آخر میں خاتم الانبیاء کا دین دین اسلام کہلایا، جو قیامت تک باقی رہے گا۔

اور اگر اسلام کے دوسرے معنی لیے جائیں تو آیت کا مفہوم یہ ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں صرف شریعت محمدی مقبول ہے، پچھلے ادیان کو بھی اگر چہ ان کے اوقات میں اسلام کہا جاتا تھا مگر اب وہ منسوخ ہو چکے ہیں جو امت قرآن کی مخاطب ہے اس کے لیے اسلام کے معنی عام لیے جائیں یا خاص، دونوں کا حاصل یہی ہے کہ بعثت خاتم الانبیاءؐ کے بعد صرف دین اسلام کہلانے کا مستحق وہ ہے جو قرآن اور آنحضرتؐ کی تعلیمات کے مطابق ہو، اور وہی اللہ کے نزدیک مقبول ہے، اس کے علاوہ کوئی ذریعہ

www.toobaaelibrary.com

نجات نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ، (آل عمران ۸۵)

نجات صرف اسلام میں منحصر ہے

ان آیات سے پوری وضاحت کے ساتھ ان ملحدانہ نظریات کا خاتمہ ہو جاتا ہے جس میں اسلام کی رواداری کے نام پر کفر و اسلام کو ایک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ درحقیقت اسلام کے اصول کو منہدم کرنا ہے، جس کا حاصل یہ رہ جاتا ہے کہ اسلام کی کوئی حقیقت نہیں یہ محض ایک خیالی چیز ہے، جو کفر کے ہر جامہ میں کھپ سکتا ہے، آیات قرآنی سے واضح ہو جاتا ہے کہ اندھیرا اور اجالا ایک نہیں ہو سکتا، اطاعت و بغاوت دو الگ الگ چیزیں ہیں، جو شخص اصول اسلام میں سے کسی ایک چیز کا منکر ہے وہ بلاشبہ خدا اور رسول کا باغی ہے خواہ فروعی اعمال اور رسمی اخلاق میں وہ کتنا ہی اچھا نظر آئے قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد ہے، فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (کہف ۱۰۵)

اس آیت میں اور اس سے پہلی آیتوں میں روئے سخن اہل کتاب کی طرف ہے اس لیے آخرت میں ان کی بیوقوفی اور غلط کاری کو اس طرح بیان کیا گیا ہے، وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ الخ یعنی یہ اختلاف بوجہ اشتباہ نہ تھا بلکہ مسلمانوں سے حسد اور حب جاہ و مال نے انہیں اس اختلاف میں مبتلا کیا ہے۔

آیت ۲۰: شروع سورت میں توحید کا اثبات اور تثلیث کا رد کیا گیا تھا ان آیات میں مشرکین و منکرین اہل کتاب کی حجتوں کا جواب دیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ
مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا
مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ
فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ
مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ
اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ

www.toobaaelibrary.com

تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ
اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ
نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

بیشک جولوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ (جیسے یہود کہ انجیل اور قرآن کو نہیں مانتے تھے) اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو (اور وہ قتل کرنا خود ان کے خیال میں بھی ناحق (ہوتا ہے) اور (نیز قتل کرتے ہیں ایسے شخصوں کو جو (افعال واخلاق کے) اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں، سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیا جائے ایک سزائے دردناک کی (اور) یہ وہ لوگ ہیں کہ (مجموعہ افعال مذکورہ کے سبب سے) ان کے سب اعمال (صالحہ) غارت ہوگئے دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) اور (سزا کے وقت) ان کا کوئی حامی ومددگار نہ ہوگا۔ (اے محمدؐ) کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب (سماوی یعنی توراۃ) کا ایک (کافی) حصہ دیا گیا، (کہ اگر ہدایت کے طالب ہوتے تو وہ حصہ اس غرض کی تکمیل کے لیے کافی تھا) اور اسی کتاب اللہ کی طرف اس غرض سے ان کو بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان (مذہبی اختلاف کا) فیصلہ کردے پھر (بھی) ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے (اور) یہ (بے اعتنائی) اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں (اور یہی ان کا اعتقاد ہے) کہ ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک دوزخ کی آگ لگے گی (پھر مغفرت ہوجاوے گی) اور ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کی تراشی ہوئی باتوں نے (جیسے اسی تراشے ہوئے عقیدہ نے ان کو دھوکہ دیا کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں، اس خاندانی بزرگی سے ہماری نجات ضرور ہوجائے گی اس کے نتیجہ میں وہ اور کتاب اللہ سے بے اعتنائی کرنے لگے) سو (ان احوال وافعال واقوال کفریہ کے سبب) ان کا کیا (برا) حال ہوگا، جب کہ ہم ان کو اس تاریخ میں جمع کرلیں گے جس (کے آنے) میں ذرا شبہ، نہیں اور (اس تاریخ میں) پورا پورا بدلہ مل جاوے گا (کہ بے جرم یا زیادہ از جرم سزا ہوجائے) ان آیات میں امت محمدیہؐ کو ایک دعاء ومناجات کی تلقین اس انداز سے کی گئی ہے کہ اس کے ضمن میں امت محمدیہؐ کے کفار پر غلبہ پانے کی طرف اشارہ بھی ہے، جیسا کہ اس کی شان نزول سے ثابت ہے کہ رسول اللہؐ نے روم وفارس فتح ہوجانے کا وعدہ فرمایا تو منافقین ویہود نے استہزاء کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، کما فی روح

www.toobaaelibrary.com

المعانی عن الواحدی عن ابن عباسؓ وانسؓ، (اے محمدؐ) آپ (اللہ تعالیٰ سے) یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک کے (کا جتنا حصہ چاہیں) جس کو چاہیں دیدیتے ہیں اور جس (کے قبضہ) سے چاہیں ملک کا حصہ لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کردیتے ہیں اور جس کو چاہیں پست کردیتے ہیں، آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی، بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، آپ (بعض موسموں میں) رات (کے اجزاء) کو دن میں داخل کردیتے ہیں (جس سے دن (بڑا ہونے لگتا ہے) اور (بعض موسموں میں) دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتے ہیں (جس سے رات بڑھنے لگتی ہے) اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں (جیسے بیضہ سے بچہ) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکال لیتے ہیں (جیسے پرندے سے بیضہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے شمار رزق عطا فرماتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ (ظاہراً یا باطناً) کفار کو دوست نہ بناویں مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کرکے (یہ تجاوز دو صورت سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں سے بالکل دوستی نہ رکھیں، دوسری یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی دوستی ہو اور کفار کے ساتھ بھی دونوں صورتیں ممانعت میں داخل ہیں) اور جو شخص ایسا (کام) کرے گا سو وہ اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں (کیونکہ جن دو شخصوں میں باہم عداوت ہو ایک سے دوستی کرکے دوسرے سے دوستی کا دعویٰ قابل اعتماد نہیں ہوسکتا) مگر ایسی صورت میں (ظاہری دوستی کی اجازت ہے) کہ تم اس سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو (وہاں دفع ضرر کی ضرورت ہے) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتا ہے (کہ اس کی ذات سے ڈر کر احکام کی مخالفت مت کرو) اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اس وقت کی سزا کا خوف کرنا ضرور ہے) آپؐ (ان سے) فرمادیجئے کہ اگر تم (دل ہی دل میں) پوشیدہ رکھوگے اپنا مافی الضمیر یا اس کو (زبان وجوارح سے) ظاہر کردوگے اللہ تعالیٰ اس کو (ہر حال میں) جانتے ہیں اور (اسی کی کیا تخصیص ہے) وہ تو سب کچھ جانتے ہیں، جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے (کوئی چیز ان سے مخفی نہیں) اور (علم کے ساتھ) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں (سو اگر تم کسی امر قبیح کا ارتکاب کروگے خواہ ظاہراً یا باطناً تو وہ تم کو سزا دے سکتے ہیں) جس روز (ایسا ہوگا) کہ ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا، اور اپنے بُرے کئے ہوئے کاموں کو (بھی پائے گا اس روز) اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا جو اس شخص کے اور اس روز کے درمیان دور دراز کی مسافت (حائل) ہوتی (تاکہ اپنے

www.toobaaelibrary.com

اعمال بد کا معائنہ نہ کرنا پڑتا) اور (تم سے پھر مکرر کہا جاتا ہے کہ) خدا تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں (اور یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ) اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں (اپنے بندوں (کے حال) پر (اس مہربانی سے یوں چاہتے ہیں کہ یہ سزائے آخرت سے بچے رہیں، اور بچنے کا طریقہ ہے اعمال بد کا ترک کرنا، اور ترک کرنا عادۃً بدون ڈرانے کے ہوتا نہیں، اس لیے ڈراتے ہیں، پس یہ ڈرانا عین شفقت و رحمت ہے)

ربط آیات: ابتداء سورۃ میں کلام کا زیادہ رخ نصاریٰ کی طرف تھا، آیت بالا اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ کا عنوان نصاریٰ اور یہود دونوں کو شامل تھا اب ان آیات میں یہود کے بعض خاص احوال کا بیان ہے، روح المعانی میں بروایت ابن ابی حاتم اس آیت کی تفسیر میں خود پیغمبر علیہ السلام سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو ایک وقت میں قتل کیا، ان کی نصیحت کے لیے ایک سو ستر بزرگ کھڑے ہوئے، اسی دن ان کا بھی کام تمام کر دیا (بیان القرآن)

تلخیص معارف و مسائل

آیت: ۲۶: کا شان نزول اور غزوۂ خندق کا واقعہ

بدر واحد میں مشرکین کہ مسلسل شکست اور اسلام کی روز افزوں ترقی و اشاعت سے دشمنان اسلام بوکھلا کر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو رہے تھے اور اس کے نتیجے میں مشرکین عرب، اور یہود و نصاریٰ نے ایک متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر یکبارگی حملہ اور فیصلہ کن جنگ کی ٹھان لی اور بے پناہ لشکر مدینہ پر چڑھ آیا جس کا قرآنی نام غزوۂ احزاب اور تاریخی نام خندق ہے۔

خندق کی کھدائی سے متعلق تفصیلات کتب تاریخ میں دیکھئے، خلاصہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام مجاہدین اسلام کے ساتھ سید الانبیاء علیہ السلام بھی ایک فرد کی حیثیت سے اس کھدائی کے کام میں شریک تھے، اتفاقاً خندق کے ایک حصہ میں پتھر کی ایک چٹان نکل آئی جس سے اس حصہ کی کھدائی کرنے والے عاجز آگئے، تو بذریعہ حضرت سلمان فارسیؓ خدمت اقدس میں عرض کیا گیا، آپؐ اسی وقت موقع پر تشریف لائے اور آہنی کدال دست مبارک میں لیکر ایک ضرب لگائی تو اس چٹان کے ٹکڑے ہو گئے، ور آگ کا ایک شعلہ نکلا جس سے دور تک روشنی پھیل گئی، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں حیرہ ملک

www.toobaaelibrary.com

فارس کے محلات اور عمارات دکھلائی گئیں، دوسری ضرب میں یہی صورت پیش آئی تو فرمایا کہ مجھے اس کی روشنی میں رومیوں کے سرخ سرخ محلات وعمارات دکھلائی گئیں، تیسری ضرب لگائی اور روشنی پھیلی تو فرمایا کہ اس میں مجھے صنعاء یمن کے عظیم محلات دکھلائے گئے اور فرمایا کہ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ مجھے جبرئیل امینؑ نے خبر دی ہے کہ میری امت ان تمام ممالک پر غالب آئے گی۔

منافقین مدینہ نے یہ سن کر ان کا تمسخر اور مذاق اڑایا کہ انہیں اپنی جانوں کی حفاظت تو مشکل ہو رہی ہے اور ملک فارس اور روم ویمن کی فتوحات کے خواب دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان بے خبروں کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی، قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ الخ، جن میں مناجات اور دعا کے پیرایہ میں قوموں کے عروج وزوال اور ملکوں کے انقلاب میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان نہایت بلیغ انداز سے کیا گیا ہے اور روم وفارس کی فتوحات کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام کی پیشینگوئی کے پورا ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس میں قوموں کی عروج وزوال سے ناواقف، اور انقلابات امم سے بے خبر، غافل وجاہل دشمنان اسلام کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم ظاہری شان وشوکت کے پرستار یہ نہیں جانتے کہ دنیا کی ساری طاقتیں اور حکومتیں سب ایک ذات پاک کے قبضۂ قدرت میں ہیں عزت وذلت اسی کے ہاتھ میں ہے، اور مختصر یہ کہ آج کے خندق کھودنے والے فقیروں کو کل شام وعراق اور یمن کی حکومت عطا فرما دے۔

عادۃً بری چیزیں نتیجۃً بری، نہیں

بظاہر مقتضائے مقام یہ تھا کہ بِيَدِكَ الْخَيْرُ کے ساتھ الشَّرُّ بھی کہا جاتا لیکن صرف لفظ خیر، سے ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے، وہ یہ کہ کوئی چیز کسی خاص قوم کے لیے برائی، تکلیف یا مصیبت ہوتی ہے مگر درحقیقت مجموعۂ عالم کے اعتبار سے وہ بری نہیں ہوتی مصائب میں فوائد بھی ہوتے ہیں۔ مصائب قوم عند قوم فوائد (متنبی)

پورے عالم کو ایک جسم فرض کر لیا جائے تو اس میں جتنی چیزیں بری سمجھی جاتی ہیں وہ اپنی ذات میں خواہ بری ہوں مگر وہ اس جسم کے چہرہ کے لیے خال اور بال ہیں، بدن سے الگ تو یہ یقیناً بری ہیں مگر ایک حسین چہرہ کا جزو ہونے کی حالت میں وہی چیزیں رونق حسن ہوتی ہیں۔

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں ☆ کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں!

آیت ۲۷: میں آسمانی طاقتوں اور عالم فلکیات پر اور اس کے بعد عالم روحانیت پر اللہ تعالیٰ کی

www.toobaaelibrary.com

قدرت کاملہ اور اس کا احاطہ بیان کیا گیا ہے اس طرح جب کہ آسمان کا سب سے بڑا سیارہ سورج اور چاند ہیں اور رات دن کے چھوٹے بڑے ہونے کا مدار آفتاب کے طلوع و غروب اور اس کی حرکات پر ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت میں ہیں پھر اور باقی عالم عناصر میں کسی شک کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ جیسے بیضہ سے بچہ یا نطفہ سے انسان یا دانہ سے درخت نکال لیتے ہیں، وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ جیسے جانور سے بیضہ اور انسان سے نطفہ اور درخت سے پھل اور دانہ خشک۔ اور اگر اس کے مفہوم کو اور عام کیا جائے تو عالم و جاہل، کامل و ناقص اور مؤمن و کافر سب کو شامل ہو جاتا ہے جس سے اس کی قدرت کاملہ کے تصرفات تمام عالم ارواح پر واضح ہو جاتے ہیں کہ وہ جب چاہیں کافر سے مؤمن یا جاہل سے عالم پیدا کر دیں، اور اس کے برعکس بھی۔ آذر کے گھر میں خلیل اللہ پیدا ہو جائیں اور نوحؑ کے گھر میں انکا بیٹا کافر رہ جائے۔

بیان میں کیسی بلیغ ترتیب ہے کہ پہلے عناصر کی قوتوں کا ذکر ہے، پھر عالم افلاک اور سب کے بعد روح اور روحانیت کا ذکر ہے جو در حقیقت سارے عالم کے ساری قوتوں میں سب سے بالاتر قوت ہے۔

آیت مذکورہ کی مخصوص فضیلت

اوپر آیت شہادت کی فضیلت کے ضمن میں اس کی بھی مختصر فضیلت گذری ہے امام بغویؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس میں مزید یہ ہے کہ آیت شہادت کے ساتھ قُلِ اللّٰهُمَّ اور اس آیت کو بغیر حساب تک ہر نماز کے بعد سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی کے ساتھ پڑھا کرے تو میں اس کا ٹھکانہ جنت میں بنادونگا، اور اس کو اپنے حظیرۃ القدس میں جگہ دونگا اور روزانہ اس کی طرف ستر مرتبہ نظر رحمت کرونگا اور اس کی ستر حاجتیں پوری کرونگا اور ہر حاسد اور دشمن سے پناہ دونگا اور ان پر اس کو غالب رکھونگا۔

ربط: آیت :۲۸: میں مسلمانوں کو کافروں سے ظاہراً و باطناً دوستی نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور بصورت مخالفت سخت وعید ہے، کیونکہ جن دو شخصوں میں باہم عداوت ہو، ایک سے دوستی کر کے دوسرے سے دوستی کا دعویٰ قابل اعتماد نہیں ہوسکتا۔ بصورت ضرر ظاہری دوستی کی اجازت ہے، اس مضمون کی آیتیں مختلف عنوانات کے ساتھ قرآن میں بکثرت آئی ہیں، دیکھئے سورۂ ممتحنہ پ :۲۸، آیت :۱، سورۂ مائدہ :۵۱، سورہ مجادلہ :۲۲۔

کفار کے ساتھ تعلقات کیسے ہونے چاہئیں؟

ان آیات سے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ مذہب اسلام میں

www.toobaaelibrary.com

حسن اخلاق اور غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کی گنجائش نہیں ہے، نیز اس کے بالمقابل دوسری آیات، ارشادات رسالت اور خلفاء اربعہ اور صحابۂ کرامؓ کے تعامل سے جو غیر مسلموں کے ساتھ احسان وسلوک کے واقعات سے متعلق ہیں، ان سے قرآن وسنت کے احکام ارشادات میں باہم تعارض اور تصادم کا احساس نہ ہونا چاہئے یہ خلجان محض طائرانہ نظر اور ناقص تحقیق کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دو شخصوں اور دو جماعتوں میں تعلقات کے مختلف درجات ہوتے ہیں ایک درجہ قلبی موالات اور دلی مودّت ومحبت ہے یہ صرف مومنین کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مومن کے ساتھ قطعاً جائز نہیں (۲) دوسرا درجہ مواسات کا ہے یہ حربی کافروں کے علاوہ (جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہیں) باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، اس کی تفصیل سورۂ ممتحنہ کی آٹھویں آیت میں ہے۔

(۳) تیسرا درجہ مدارات کا ہے یعنی ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ یہ تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جبکہ مقصود اس سے دینی نفع پہنچانا ہو، یا وہ اپنے مہمان ہوں یا ان سے دفع شر مقصود ہو، اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً سے یہی درجہ مدارات کا مراد ہے۔ (۴) چوتھا درجہ معاملات کا ہے کہ ان سے تجارت، یا اجرت وملازمت اور صنعت وحرفت کے معاملات کئے جائیں یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے الا یہ کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو، فقہاء نے کفار اہل حرب کے ہاتھ اسلحہ کی فروختگی کو ممنوع قرار دیا ہے۔

کفار کی موالات سے بشدت کیوں روکا گیا؟

اسلام کی نظر میں انسان کا وجود اس جہان میں ایک مقصد کے تحت ہے دیگر جانوروں اور جنگل کے درختوں کی طرح نہیں ہے، انسان کی زندگی کے سارے ادوار کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا اور جینا مرنا سب ایک مقصد کے تحت ہیں اگر مقصد کے مطابق ہیں تو درست اور صحیح ہے ورنہ سب غلط، دانائے روم فرماتے ہیں۔

زندگی از سر ذکر و بندگی ست ● بے عبادت زندگی شرمندگی ست

اور مقصد سے ہٹا ہوا انسان، انسان ہی نہیں ہے۔

آنچہ می بینی خلاف آدم اند ● نیستند آدم غلاف آدم اند

اسی مقصد کا اقرار قرآن نے یوں کیا ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (انعام:۱۶۲)

www.toobaaelibrary.com

اور جب انسان کا مقصد زندگی اطاعت وعبادت الٰہی ٹھیرا تو دنیا کے سارے کاروبار ریاست وسیاست عائلی اور منزلی تعلقات سب ہی اس کے تابع ٹھہرے فرمایا: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا (فاطر ۶)

اسی طرح جو لوگ شیطانی وساوس کے پیرو اور احکام خداوندی کے مخالف ہیں ان کے ساتھ دلی ہمدردی اور قلبی دوستی اس شخص کی ہو ہی نہیں سکتی جس کی زندگی ایک مقصدی زندگی ہے، صحیحین کی روایت ہے مَنْ اَحبَّ لله وابغض لله فقد استکمل ایمانهٗ، معلوم ہوا کہ مومن کی قلبی موالات اور مودت صرف اسی کے لیے ہوسکتی ہے جو اس مقصد کا ساتھی اور اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان ہے۔

اور چونکہ موالات کا تعلق دل سے ہے اور دل کا حال خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسلئے ممکن ہے کہ کوئی واقع میں تو کفار کی موالات ومحبت میں مبتلا ہو مگر زبانی انکار کرے اس لیے دوسری آیت میں فرمایا کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا
اللّٰهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ
وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ
إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ
رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۖ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي
أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ
وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي
مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۖ
أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ
رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ قَالَ
رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَ
سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ

www.toobaaelibrary.com

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

آپؐ (لوگوں سے) فرما دیجئے کہ اگر تم (بزعم خود) خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو (اور محبت رکھنے کی وجہ سے یہ بھی چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے) تو تم لوگ (اس مقصد کے حاصل کرنے کے طریقوں میں) میرا اتباع کرو (کیونکہ میں خالص اسی تعلیم کے لیے مبعوث ہوا ہوں جب ایسا کرو گے) خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے (کیونکہ میں اس معافی کا طریقہ بھی تعلیم کرتا ہوں، اس پر عمل کرنے سے لامحالہ حسب وعدہ گناہ معاف ہو جائیں گے، مثلاً گناہوں سے توبہ اللہ تعالیٰ کے حقوق جو فوت کئے ہیں ان کو پورا کرنا، حقوق العباد کا ادا کر لینا یا معاف کرا لینا) اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہیں (اور) آپ یہ (بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ کی (کہ اصل مقصود تو وہی ہے) اور (اطاعت کیا کرو) رسول کی (یعنی میری اطاعت اس حیثیت سے کرنا ضروری ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، میری معرفت اپنی اطاعت کے طریقے بتلائے ہیں) پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ (آپ کی اطاعت سے کہ ادنیٰ اس کا اعتقاد رسالت ہے) اعراض کریں سو (وہ لوگ سن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے (اور اس صورت میں یہ لوگ کافر ہوں گے سو ان کو اللہ سے دعوائے محبت کرنا یا ہوس محبوبیت رکھنا محض بے حقیقت ہے) بے شک اللہ تعالیٰ نے (نبوت کے لیے) منتخب فرمایا ہے (حضرت) آدم (علیہ السلام) اور (حضرت) نوح (علیہ السلام) کو اور (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد (میں سے بعضوں) کو (جیسے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور تمام انبیاء بنی اسرائیل کہ اولاد یعقوب علیہ السلام کی ہیں، اور ہمارے رسولؐ کہ اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے ہیں) اور عمران کی اولاد (میں سے بعضوں) کو (اگر یہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہیں، اور اگر یہ عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں، غرض ان حضرات کو نبوت کے لیے) تمام جہان (کی مخلوقات) پر (منتخب فرمایا ہے) بعضے ان میں بعضوں کی اولاد ہیں، (جیسے آدم علیہ السلام کی اولاد سب ہیں، اسی طرح نوح علیہ السلام کی اولاد سب ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اولاد عمران بھی ہے) اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں (کہ سب کے قول سنتے ہیں سب کے احوال کو جانتے ہیں، بس جس کے اقوال

www.toobaaelibrary.com

واحوال مناسب شان نبوت کے دیکھے ان کو نبی بنا دیا، وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ عمران (پدر مریم) کی بی بی نے (حالت حمل) میں (حق تعالیٰ سے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر (یعنی منت) مانی ہے آپ (کی عبادت) کے لیے اس بچے کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ (خانۂ خدا کی خدمت کے واسطے) آزاد (فارغ) رکھا جائے گا (اور میں اس کو اپنے کام میں نہ لگاؤں گی) سو آپ (اس کو) مجھ سے قبول کر لیجیے، بے شک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں (کہ میری عرض کو سن رہے ہیں، اور میری نیت کو جان رہے ہیں) پھر جب (ان بی بی نے) لڑکی جنی (تو ان کو رنج ہوا کہ یہ تو خدمت بیت المقدس کے لائق نہیں، یہ کام تو مردوں کا ہے، اس لیے حسرت سے) کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار! میں نے تو حمل لڑکی جنی (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خیال سے حسرت کر رہی تھیں) حالانکہ خدا تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں (اس لڑکی کی شان) کو جو انھوں نے جنی اور (کسی طرح بھی) وہ لڑکا (جو انھوں نے چاہا تھا) اس لڑکی کے برابر نہیں (ہو سکتا تھا، بلکہ یہ لڑکی ہی افضل ہے کہ اس کے کمالات و برکات عجیب وغریب ہوں گے، یہ ارشاد خداوندی بطور جملۂ معترضہ کے تھا، پھر ان بی بی کا قول ہے) اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی ولاد کو (اگر کبھی اولاد ہو) آپ کی پناہ (اور حفاظت) میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔ (حاصل یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو لے کر مسجد بیت المقدس میں پہنچیں اور وہاں کے مجاورین وعابدین سے جن میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے، جا کر کہا کہ اس لڑکی کو میں نے خاص خدا کے لیے مانا ہے، اس لیے میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتی، سو اس کو لائی ہوں، آپ لوگ رکھئے۔ حضرت عمران اس مسجد کے امام تھے، اور حالتِ حمل میں ان کی وفات ہو چکی تھی، ورنہ سب سے زیادہ مستحق ان کے لینے کے وہ تھے، لڑکی کے باپ بھی تھے اور مسجد بیت المقدس کے امام بھی، اس لیے بیت المقدس کے مجاورین وعابدین میں سے ہر شخص ان کو لینے اور پالنے کی خواہش رکھتا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی ترجیح کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں، اور وہ بمنزلۂ ماں کے ہوتی ہے، اس لیے بعد ماں کے وہی رکھنے کی مستحق ہے، مگر اور لوگ اس ترجیح پر راضی اور متفق نہیں ہوئے، آخر قرعہ اندازی پر اتفاق قرار پایا، اور صورت قرعہ کی بھی عجیب وغریب خلاف عادت ٹھہری، جس کا بیان آگے آئے گا، اس میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کامیاب ہوئے۔ چنانچہ حضرت مریمؑ ان کو مل گئیں، اور انھوں نے بعض روایات کے مطابق ایک انا کو نوکر رکھ کر دودھ پلوایا، اور بعض روایات میں ہے کہ

www.toobaaelibrary.com

دودھ پینے کی ان کو حاجت ہی نہیں ہوئی، غرض وہ خود اٹھنے بیٹھنے لگیں، ان کو مسجد کے متعلق ایک عمدہ مکان میں لا کر رکھا، جب کہیں جاتے اس کو قفل لگا کر جاتے، پھر آ کر کھول لیتے، اسی قصہ کا مختصر ذکر آگے آتا ہے۔ یعنی) پس ان (مریم علیہا السلام) کو ان کے رب نے بطریق احسن قبول فرما کر اور عمدہ طور پر ان کو نشو و نما دیا، اور (حضرت) زکریا (علیہ السلام) کو ان کا سرپرست بنایا جب کبھی (حضرت) زکریا (علیہ السلام) ان کے پاس (اسی) عمدہ مکان میں (جس میں ان کو رکھا تھا) تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے (اور) یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں (جب کہ مکان مقفل ہے، باہر سے کسی کے آنے جانے کا امکان نہیں) وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس (جو خزانہ غیب ہے اس میں) سے آئیں، بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں (جیسا اس موقع پر محض فضل سے بے مشقت عطا فرمایا، حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی تربیت میں غیر معمولی نشانات قدرت دیکھ کر اپنے لیے بھی دعا فرمائی، جن کا بیان یہ ہے) اس موقع پر دعا کی (حضرت) زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد بے شک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے۔ پس پکار کر کہا اس سے فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ (نام بیٹا عطا ہونے) کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور (دوسرے) مقتدائے (دین) ہوں گے اور (تیسرے) اپنے نفس کو (لذات سے) بہت روکنے والے ہوں گے اور (چوتھے) نبی بھی ہوں گے (پانچویں) اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے (حضرت) زکریا (علیہ السلام) نے (جناب باری میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا آ پہنچا، اور میری بی بی بھی (بڑھاپے کی وجہ سے) بچہ جننے کے قابل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے (جواب میں) فرمایا کہ ایسی حالت میں ہی لڑکا ہو جاوے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں، انھوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار (تو پھر) میرے واسطے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے (جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ اب حمل ہو گیا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم، لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے بجز (ہاتھ یا سر وغیرہ کے) اشارہ کے (جب یہ نشانی دیکھو تو سمجھ جانا کہ اب گھر میں امید ہے) اور (اس زمانہ میں

www.toobaaelibrary.com

جب آدمیوں سے گفتگو کرنے کی قدرت نہ رہے ذکر اللہ پر قادر ہو گے سو) اپنے رب کو (دل سے بھی) بکثرت یاد کیجیو اور (زبان سے بھی) تسبیح (تقدیس) کیجیو دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی، (کیونکہ ذکر اللہ کی قدرت اس وقت بھی پوری رہے گی)۔

تلخیص معارف و مسائل

ربط: پچھلی آیتوں میں توحید کا وجوب اور کفر کی مذمت مذکور تھی، آگے، اعتقاد رسالت اور اتباع رسولؐ کے وجوب کا بیان ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ انکار توحید کی طرح انکار رسالت بھی کفر ہے۔

محبت ایک مخفی جذبہ ہے، اس کا اندازہ صرف حالات اور معاملات سے کیا جا سکتا ہے، محبت کے کچھ آثار اور علامات ہیں انہیں سے پہچانا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی محبت کا معیار بتلایا ہے، مالک حقیقی کی محبت کے دعویدار کے لیے اتباع محمدی لازم ہے اسی کسوٹی سے کھرا کھوٹا ہونا معلوم ہو جائے گا، ایک حدیث میں ارشاد ہے جس نے محمدؐ کا اتباع کیا اس نے درحقیقت اللہ کا اتباع کیا اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی (تفسیر مظہری ج ۲)

آیت: ۳۳: جو اطاعت رسولؐ سے گریزاں تھے، جنھیں آپ کیؐ کی نبوت و رسالت ہی میں شک تھا ان کی ہدایت اور رفع شک کے لیے ان آیات میں کچھ نظائر انبیاء سابقین کے بیان فرمائے ہیں، مفصل ذکر دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کرنا ہے حکمت و مصلحت یہ ہے کہ آخر زمانہ میں امت محمدیہؐ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کام کرنا ہے اس لیے ان کی پہچان اور علامات بیان کرنے کا اہتمام قرآن میں سب انبیاء سے زیادہ کیا گیا ہے۔

یہ عمران اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہیں اور اگر یہ حضرت مریم علیہا السلام کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

رَبِّ اِنِّی نَذَرْتُ الخ انبیاء سابقین کی شریعت میں عبادت کا یہ بھی ایک طریقہ تھا، مگر لڑکی کی پیدائش پر یہ خیال کر کے کہ یہ تو کام خدمت کا نہیں کر سکتی افسوس کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی برکت سے اس لڑکی ہی کو قبول فرما لیا اور ساری دنیا کی لڑکیوں سے اس کی شان ممتاز کر دی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ماں کو اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے یک گونہ ولایت حاصل ہے، اور یہ کہ ماں کو بھی حق ہے اپنے بچے کا نام خود تجویز کرے۔ (جصاص)

آیت: ۳۷: حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو لیکر بیت المقدس میں پہنچیں اور اپنی نذر کے

www.toobaaelibrary.com

مطابق مجاورین وعابدین سے کہا جن میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے اس کو آپ لوگ رکھئے، حضرت عمران اس مسجد کے امام تھے، حالت حمل میں ان کی وفات ہو چکی تھی، ورنہ باپ ہونے اور امام ہونے کی وجہ سے احق یہی تھے، غرضیکہ سب ہی مجاورین ان کی پرورش کے خواہشمند تھے، حضرت زکریا علیہ السلام نے وجہ ترجیح یہ بیان فرمائی کہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں اور خالہ بمنزلۂ ماں کے ہوتی ہے، مگر اور لوگ راضی نہ ہوئے، آخر قرعہ اندازی پر اتفاق ہوا اور عجیب وغریب انداز پر قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا چنانچہ حضرت مریم ان کو مل گئیں، ان کو مسجد سے متعلق ایک عمدہ مکان میں رکھا جب کہیں جاتے تو قفل لگا کر جاتے، پھر آ کر کھول لیتے اسی قصہ کا مختصر ذکر اس میں ہے۔

آیت: ۳۸: حضرت زکریا نے حضرت مریم کی تربیت میں غیر معمولی نشانات قدرت دیکھ کر اپنے لیے بھی دعاء فرمائی، حضرت زکریا بوڑھے ہو چکے تھے، کوئی اولاد نہ تھی، قدرت خداوندی پر آپ کو اگرچہ مکمل اعتقاد تھا مگر تا حال خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ایسی عادت کا مشاہدہ نہیں ہوا تھا اس لیے اولاد کے لیے دعاء کی جرأت نہ ہوتی تھی مگر اس وقت جب یہ دیکھ لیا کہ بے موسم حضرت مریم کو میوہ عطا فرمایا ہے تو سوال و دعا کی جرأت ہوئی، کہ وہ قادر مطلق بے موقع اولاد بھی عطا کرے گا۔

معلوم ہوا کہ اولاد کے لیے دعاء کرنا انبیاء اور صالحین کی سنت ہے، نیز پیغمبر علیہ السلام کی طرح انبیاء سابقین کو بھی اولاد عطا کی گئیں، (رعد: ۳۸) واضح ہو کہ اگر کوئی کسی طریقہ سے اولاد کی پیدائش کو روکنے کی کوشش کرتا ہے تو فطرت کے خلاف بغاوت کرتا ہی ہے ساتھ ہی انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت سے ہی محروم ہوتا ہے نکاح اور اولاد کی اہمیت اس ارشاد رسالت سے بھی واضح ہے۔ النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی، وتزوجوا فانی مکاثر بکم الامم)

ایک دوسری آیت میں بیوی اور اولاد کے حصول اور ان کی صالحیت کی دعاء کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ تعریف فرماتے ہیں (سورۂ فرقان ۷۴) قُرَّةَ اَعْيُنٍ آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد یہ ہے کہ اپنی بیوی اور بچوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول دیکھے (حسن بصریؒ)

ایک حدیث میں آتا ہے، حضرت ام سلیم نے پیغمبر علیہ السلام سے درخواست کی آپ اپنے خادم "انس" کے لیے کوئی دعا فرمائیں تو آپؐ نے ان کے لیے یہ دعاء فرمائی اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وولدهٗ وَبارك لهٗ فيما اعطيتهٗ، اسی دعاء کا اثر تھا کہ حضرت انسؓ کی اولاد سو کے قریب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت بھی عطا فرمائی۔

www.toobaaelibrary.com

آیت :۳۹: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ باپ کے واسطہ کے بغیر محض حکم الٰہی سے پیدا کیے گئے۔

حَصُوْرًا لذات سے روکنے میں مباح خواہشوں سے بچنا بھی داخل ہے، مثلاً اچھا کھانا، اچھا پہننا، نکاح وغیرہ اس صفت کو موقع مدح میں بیان فرمانے سے بظاہر اسی کی افضلیت معلوم ہوتی ہے، حالانکہ حدیث سے نکاح کی فضیلت ثابت ہے، تحقیق یہ ہے کہ جس کی حالت حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسی ہو کہ خیال آخرت اس قدر غالب ہو کہ نہ بیوی کی ضرورت محسوس ہو اور نہ حقوق کی دائیگی کی فرصت ہو ایسے شخص کے لیے تو یہی افضل ہے نکاح والی حدیث میں ایک قید بھی مذکور ہے مَنِ استطاعَ منکم الباءۃ یعنی جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو اور حقوق زوجیت ادا کر سکتا ہو۔ (بیان القرآن)

آیت :۴۰: اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ: یہ سوال اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کسی شک کی بناء پر نہ تھا بلکہ سوال سے مقصود کیفیت کا معلوم کرنا تھا یعنی آیا ہم میاں بیوی جو بالکل بوڑھے ہیں، یہی حالت رہے گی یا اس حالت میں تبدیلی کی جاوے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں، تم بوڑھے ہی رہو گے اور اسی حالت میں تمہاری اولاد ہوگی۔ (بیان القرآن)

آیت :۴۱: رَمز اور نشانی معلوم کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ہمیں جلدی خوشی ہو اور پیدائش سے پہلے ہی شکر میں مشغول ہوں، نشانی ایسی تجویز کی گئی کہ بجز اس مقصود شکر کے دوسرے کام ہی کے نہ رہیں گے یہ سو نشانیوں کی ایک نشانی ہو بھی گئی، اور مقصود بدرجۂ اتم حاصل ہو گیا۔ (بیان القرآن)

معلوم ہوا کہ کلام کرنا متعذر ہو تو اشارہ قائم مقام کلام کے سمجھا جائے گا، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایک باندی سے سوال کیا "اَيْنَ اللّٰهُ" "اللہ کہاں ہے، تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ باندی مسلمان ہے (قرطبی)

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۔ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۔ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ

www.toobaaelibrary.com

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ
رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ
وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ
الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ
الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا
الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

(اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ فرشتوں نے (حضرت مریم علیہا السلام سے) کہا اے مریم بلاشک اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب (یعنی مقبول) فرمایا ہے، اور (تمام ناپسندیدہ افعال واخلاق سے) پاک بنایا ہے اور (مقبول فرمانا کچھ ایک دو عورتوں کے اعتبار سے نہیں، بلکہ اس زمانہ کی) تمام جہاں بھر کی بیبیوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے، (اور فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ) اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ (یعنی نماز ادا) کیا کرو اور (نماز میں) رکوع (بھی) کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔ یہ قصے (جو اوپر مذکور ہوئے جناب رسول اللہ ﷺ کے اعتبار سے بوجہ اس کے کہ آپ کے پاس کوئی ذریعہ ظاہری ان کے معلوم کرنے کا نہ تھا) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جن کی وحی بھیجتے ہیں آپ کے پاس (اس کے ذریعہ سے آپ یہ خبریں معلوم کرکے اوروں کو بتلاتے ہیں) اور (ظاہر ہے کہ جو لوگ حضرت مریم علیہا السلام کے رکھنے میں اختلاف کر رہے تھے جس کا فیصلہ آخر میں قرعہ پر قرار پایا تھا) آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے جب کہ وہ (قرعہ کے طور پر) اپنے اپنے قلموں کو (پانی میں) ڈالتے تھے (اور صورت قرعہ نکلنے کی یہ قرار پائی تھی کہ جس کا قلم پانی کی حرکت کے خلاف الٹا بہہ جاوے وہ مستحق سمجھا جاوے، سو قرعہ سے غرض اس امر کا طے کرنا تھا) کہ ان سب میں کون شخص حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت (پرورش) کرے، (پس آپ نہ تو اس وقت موجود تھے) اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب کہ وہ لوگ (قبل قرعہ اس مقدمہ میں) باہم اختلاف کر رہے تھے (جس کے رفع کی ضرورت کے لیے یہ قرعہ قرار پایا، اور ان خبروں کے

www.toobaaelibrary.com

دریافت ہونے کے لیے دوسرے وسائط کا نہ ہونا بھی یقیناً معلوم ہے، پس ایسی حالت میں یہ غیبی خبریں آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہیں۔ (اس وقت کو یاد کرو) جب کہ فرشتوں نے (حضرت مریم علیہا السلام سے یہ بھی) کہا کہ اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا (یعنی ایک بچہ پیدا ہونے کی جو بلا واسطہ باپ کے پیدا ہونے کے سبب کلمۃ اللہ کہلاوے گا) اس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا (ان کے یہ حالات ہوں گے کہ) با آبرو ہوں گے (خدا تعالیٰ کے نزدیک) دنیا میں (بھی کہ ان کو نبوت عطا ہوگی) اور آخرت میں (بھی کہ اپنی امت کے مؤمنین کے باب میں مقبول الشفاعت ہوں گے) اور (جیسے ان میں نبوت وشفاعت کی صفت ہوگی، جس کا تعلق دوسروں سے بھی ہے، اسی طرح ذاتی کمال کے ساتھ بھی موصوف ہوں گے) منجملہ مقربین (عند اللہ) ہوں گے اور (صاحب معجزہ بھی ہوں گے) آدمیوں سے (دونوں حالت میں یکساں) کلام کریں گے، گہوارہ میں (یعنی بالکل بچپن میں بھی) اور بڑی عمر میں (بھی دونوں کلاموں میں تفاوت نہ ہوگا) اور (اعلیٰ درجہ کے) شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے، حضرت مریم علیہا السلام بولیں اے میرے پروردگار کس طرح ہوگا میرے بچہ حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے (صحبت کے طور پر) ہاتھ نہیں لگا یا (اور کوئی بچہ جائز طریق سے عادۃً بدون مرد کے پیدا نہیں ہوتا، تو معلوم نہیں کہ ویسے ہی محض قدرت خداوندی سے بچہ ہوگا یا مجھ کو نکاح کا حکم کیا جائے گا) اللہ تعالیٰ نے (جواب میں فرشتے کے واسطے سے) فرمایا ایسے ہی (بلا مرد کے) ہوگا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں (یعنی کسی چیز کے پیدا ہونے کے لیے صرف ان کا چاہنا کافی ہے، کسی واسطہ یا سبب خاص کی ان کو حاجت نہیں اور ان کے چاہنے کا طریقہ یہ ہے کہ) جب کسی چیز کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ (موجود) ہو جا، بس وہ چیز (موجود) ہو جاتی ہے (پس جس چیز کو بلا اسباب ووسائط موجود ہونے کو کہہ دیا وہ اسی طرح ہو جاتی ہے)۔ (اور اے مریم اس مولود مسعود کی یہ فضیلتیں ہوں گی کہ) اللہ ان کو تعلیم فرمادیں گے، (آسمانی) کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور (بالخصوص) توریت اور انجیل اور ان کو (تمام) بنی اسرائیل کی طرف (پیغمبر بنا کر یہ مضمون دے کر) بھیجیں گے کہ (انی قد جئتکم تا مستقیم یعنی) میں تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لے کر آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے (یقین لانے کے) لیے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں، جیسی پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر اس (مصنوعی شکل) کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ (سچ مچ کا جاندار) پرندہ بن جاتا ہے خدا

www.toobaaelibrary.com

کے حکم سے (ایک معجزہ تو یہ ہوا) اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے (یہ دوسرا تیسرا معجزہ ہوا) اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھا (کھا کر آ) تے ہو اور جو (گھروں میں) رکھ آتے ہو (یہ چوتھا معجزہ ہوا) بلاشبہ ان (معجزات مذکورہ) میں (میرے نبی ہونے کی) کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لیے اگر تم ایمان لانا چاہو، اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے (نازل ہوئی) تھی یعنی توراۃ کی اور اس لیے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے واسطے بعضی ایسی چیزیں حلال کر دوں جو (شریعت موسیٰ علیہ السلام میں) تم پر حرام کر دی گئی تھیں (سو ان کی حرمت میری شریعت میں منسوخ ہوگی) اور (میرا یہ دعویٰ نسخ بلا دلیل نہیں ہے بلکہ میں ثابت کر چکا ہوں کہ) میں تمہارے پاس (نبوت کی) دلیل لے کر آیا ہوں (اور صاحب نبوت کا قول دعویٰ نسخ میں حجت ہے) حاصل یہ کہ (جب میرا نبی ہونا دلائل سے ثابت ہو چکا تو میری تعلیم کے موافق) تم لوگ اللہ تعالیٰ (کی مخالفت حکم) سے ڈرو اور (دین کے باب میں) میرا کہنا مانو (اور خلاصہ میری دینی تعلیم کا یہ ہے کہ) بے شک اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں یہ تو حاصل ہے تکمیل عقیدہ کا) سو تم لوگ (رب) کی عبادت کرو (یہ حاصل ہوا تکمیل عمل کا) بس یہ ہے راہ راست (دین کی جس میں عقائد و اعمال دونوں کی تکمیل ہو اسی سے نجات و وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے۔ غرض بشارت مذکورہ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی شان سے پیدا ہوئے، اور بنی اسرائیل سے مضمون مذکورہ کی گفتگو ہوئی، اور معجزات ظاہر فرمائے، مگر بنی اسرائیل آپ کی نبوت کے منکر رہے) سو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے انکار دیکھا (اور انکار کے ساتھ درپے ایذا بھی، اور اتفاقاً کچھ لوگ ان کو ایسے ملے جو حوارئین کہلاتے تھے) تو (ان حوارئین سے) آپ نے فرمایا کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو (دین حق میں بمقابلہ مخالفین و منکرین کے) میرے مددگار ہو جاویں اللہ کے واسطے (جس سے دعوت دین میں مجھے کوئی ایذا نہ پہونچائے) حوارئین بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے (دین کے) ہم اللہ تعالیٰ پر (حسب دعوت آپ کے) ایمان لائے اور آپ اس (بات) کے گواہ رہئے کہ ہم (اللہ تعالیٰ کے اور آپ کے) فرمانبردار ہیں (پھر زیادت اہتمام و توثیق کے لیے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی کہ) اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ان چیزوں (یعنی ان احکام) پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے (ان) رسول کی سو (ہمارا ایمان قبول فرما کر) ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو (مضامین مذکورہ کی) تصدیق کرتے ہیں (یعنی مومنین کاملین کے

www.toobaaelibrary.com

زمرہ میں ہمارا بھی شمار فرمایئے) اور ان لوگوں نے (جو کہ بنی اسرائیل میں سے آپ کے منکر نبوت تھے آپ کو ہلاک کرنے اور ایذاء پہنچانے کے لیے) خفیہ تدبیر کی (چنانچہ) مکر وحیلہ سے آپ کو گرفتار کر کے سولی دینے پر آمادہ ہوئے) اور اللہ تعالیٰ نے (آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے) خفیہ تدبیر فرمائی (جس کی حقیقت کا ان لوگوں کو بھی پتہ نہ لگا، کیونکہ انھیں مخالفین میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل پر بنادیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا جس سے وہ محفوظ رہے، اور وہ ہمشکل سولی دیا گیا، ان لوگوں کو اس تدبیر کا علم تک بھی نہ ہوسکا اور دفع پر تو کیا قدرت ہوتی) اور اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں، (کیونکہ اوروں کی تدبیریں ضعیف ہوتی ہیں، اور کبھی قبیح اور بے موقع بھی ہوتی ہیں، اور حق تعالیٰ کی تدبیریں قوی بھی ہوتی ہیں اور ہمیشہ خیر محض اور موافق حکمت کے ہوتی ہیں۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت :۴۲: وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ سے مراد اس زمانے میں تمام جہان کی عورتیں ہیں، اس لیے لیے حدیث سیدة نساء اهل الجنة فاطمة اس کے منافی نہیں۔

آیت :۴۳: اِذْ یَكِی کے ساتھ مع الراکعین کی قید سے بظاہر اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ لوگ عموماً رکوع میں اہتمام نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے راکعین کی قید ذکر کر کے لوگوں کو ایک نمونہ بتلا دیا کہ رکوع، کامل رکوع کرنے والوں کی طرح ہونا چاہئے۔

آیت :۴۴: قرعہ ڈالنے کی صورت بھی عجیب وغریب تھی وہ یہ کہ جس کا قلم پانی کی حرکت اور بہاؤ کے خلاف الٹا بہہ جاوے وہ حضرت مریمؑ کی تربیت کا مستحق سمجھا جائے بہر حال اوپر جو واقعہ مذکور ہوا اس کے معلوم کرنے کا ظاہری کوئی ذریعہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس نہ تھا لہٰذا ایسی صورت یہ غیبی خبریں آپ کی نبوت کی دلیل ہیں۔

مسئلہ: مسلک حنفیہ پر قرعہ کا حکم یہ ہے کہ جن حقوق کے اسباب شرع میں معلوم ومتعین ہیں ان میں قرعہ ناجائز اور داخل قمار ہے مثلاً مشترک چیز میں جس کا نام نکل آئے وہ سب لیلے یا جس بچے کے نسب میں اختلاف ہو اس میں جس کا نام نکل آئے وہی باپ سمجھا جائے اور جن حقوق کے اسباب رائے کے سپرد ہوں ان میں قرعہ جائز ہے مثلاً مشترک مکان کی تقسیم میں قرعہ سے زید کو شرقی حصہ دیدینا، اور عمرو کو غربی حصہ دیدینا۔ چونکہ بلا قرعہ بھی شرکین کے اتفاق یا قضائے قاضی سے جائز تھا (بیان القرآن)

www.toobaaelibrary.com

آیت: ۴۶: بچپن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام کرنا تو معجزہ ہے مگر کہولت اور ادھیڑ عمر میں کلام تو سب ہی کیا کرتے ہیں، اسے بطور وصف خاص کے ذکر کرنے کے کیا معنی؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اصل مقصد بچپن ہی کے کلام کا بیان کرنا ہے، بڑی عمر کے کلام کا ذکر اس غرض کے کیا گیا کہ ان کا بچپن کا کلام بھی اور بچوں کے ابتدائی کلام جیسا نہ ہوگا بلکہ عاقلانہ، عالمانہ، فصیح و بلیغ ہوگا جیسے ادھیڑ عمر کے لوگ کیا کرتے ہیں۔

اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی پوری تاریخ پر غور کیا جائے تو اس وصف خاص کے ذکر سے ایک عظیم فائدہ ہو جاتا ہے وہ یہ کہ اسلامی اور قرآنی عقیدہ کے مطابق آپ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے اور اس وقت آپ کی عمر تقریباً تیس پینتیس سال تھی جو عین عنوان شباب کا زمانہ تھا، لہٰذا ادھیڑ عمر میں لوگوں سے کلام جبھی ہو سکتا ہے جب کہ وہ پھر دنیا میں تشریف لائیں لہٰذا بچپن کے کلام کے معجزہ کی طرح ادھیڑ عمر کا کلام بھی معجزہ ہی ہے۔

آیت: ۴۷: اَنّٰى يَكُوْنُ الخ یعنی ویسے ہی محض قدرت خداوندی سے ہو یا مجھ کو نکاح کا حکم کیا جائے۔

آیت: ۴۹: مسئلہ پرندہ کی شکل بنانا تصویر تھا جو اس شریعت میں جائز تھا، ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا۔

آیت: ۵۲: قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ لفظ حَوَارِیْ حَور سے ماخوذ ہے بمعنی سفیدی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں کو جن کی تعداد بارہ بتلائی جاتی ہے ان کے اخلاص اور صفائی قلب کی وجہ سے یا ان کی سفید پوشاک کی وجہ سے اصطلاحاً حواری کا لقب دیا گیا ہے، جیسے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھیوں کو صحابی کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ اور کبھی حواری مطلقاً مددگار کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے اسی معنی میں ارشاد رسالت ہے کہ ہر نبی کا کوئی حواری ہوتا ہے، میرے حواری زبیر ہیں، (تفسیر قرطبی)

فائدہ: مَنْ اَنْصَارِیْ، ابتدا میں منصب نبوت کے کام کی تعمیل میں تنہا ہی کھڑے ہو گئے تھے، کسی پارٹی اور جماعت بنانے کی فکر میں نہیں پڑے، بعد میں حسب ضرورت جماعت بن گئی، غور کیا جائے تو ہر کام ایسے ہی عزم و ہمت کو چاہتا ہے۔

آیت: ۵۴: اس آیت کے الفاظ و معانی میں بعض گمراہ فرقوں نے تحریفات کا دروازہ کھولا ہے، جو حیات و نزول عیسیٰ کے منکر ہیں، اسلئے ان الفاظ کی تشریح و توضیح مناسب ہے، لفظ مَکر بزبان عربی لطیف و خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، اگر برائے خیر ہے تو اچھا ہے ورنہ برا، اسی لیے وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ

www.toobaaelibrary.com

الشَّیئُ میں "سَیِّئ" کی قید لگائی، اردو زبان میں مکر بمعنی سازش اور بری تدبیر کے لیے بولا جاتا ہے، اس سے عربی محاورات پر شبہ نہ کیا جائے، اسی لیے یہاں خدا کو خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ کہا گیا، مطلب یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں شروع کر دیں حتی کہ بادشاہ کے کان بھر دیے کہ یہ شخص (معاذ اللہ) ملحد ہے، تورات کو بدلنا چاہتا ہے وغیرہ اس نے مسیح علیہ السلام کو گرفتاری کا حکم دیدیا، ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر اللہ تعالیٰ کی لطیف اور خفیہ تدبیر ان کا توڑ کر رہی تھی (تفسیر عثمانی)

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

(اور وہ تدبیر اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمائی) جب کہ اللہ تعالیٰ نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب کہ وہ گرفتاری کے وقت متردد اور پریشان ہوئے) فرمایا: اے عیسیٰ (کچھ غم نہ کرو) بے شک میں تم کو (اپنے وقت موعود پر طبعی موت سے) وفات دینے والا ہوں (پس جب تمہارے لیے موت طبعی مقدر ہے تو ظاہر ہے کہ ان دشمنوں کے ہاتھوں دار پر جان دینے سے محفوظ رہو گے) اور (فی الحال) میں تم کو اپنے (عالم بالا کی) طرف اٹھائے لیتا ہوں، اور تم کو ان لوگوں (کی تہمت) سے پاک کرنے والا ہوں جو (تمہارے) منکر ہیں اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں ان کو غالب رکھنے والا ہوں جو (تمہارے) منکر ہیں روز قیامت تک (گو اس وقت یہ منکرین غلبہ اور قدرت رکھتے ہیں) پھر (جب قیامت آجائے گی

www.toobaaelibrary.com

اس وقت) میری طرف ہوگی سب کی واپسی (دنیا و برزخ سے) سو میں (اس وقت) تمہارے (سب کے) درمیان (عملی) فیصلہ کردوں گا ان امور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے کہ (منجملہ ان امور کے مقدمہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا) تفصیل (فیصلہ کی) یہ ہے کہ جو لوگ (ان اختلاف کرنے والوں میں) کافر تھے سو ان کو (ان کے کفر پر) سخت سزا دوں گا (مجموعہ دونوں جہان میں) دنیا میں بھی (کہ وہ تو ہو چکی) اور آخرت میں بھی (کہ وہ باقی رہی) اور ان لوگوں کا کوئی حامی (طرف دار) نہ ہوگا اور جو لوگ مومن تھے اور انھوں نے نیک کام کیے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے (ایمان اور نیک کاموں کے) ثواب دیں گے اور کفار کو سزا ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے (ایسے) ظلم کرنے والوں سے (جو خدا تعالیٰ یا پیغمبروں کے منکر ہوں یعنی چونکہ یہ ظلم عظیم ہے، معافی کے قابل نہیں، اس لیے مبغوض شدید ہو کر سزایاب ہو جاتا ہے) یہ (قصۂ مذکورہ) ہم تم کو (بذریعہ وحی کے) پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جو کہ (آپ کے) منجملہ دلائل (نبوت) کے ہے اور منجملہ حکمت آمیز مضامین کے ہے، بیشک حالات عجیبہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک (یعنی ان کی تجویز ازلی میں) مشابہ حالت عجیبہ (حضرت) آدم (علیہ السلام) کے ہے کہ ان (آدم علیہ السلام) کو (یعنی ان کے قالب کو) مٹی سے بنایا پھر ان (کے قالب) کو حکم دیا کہ (جاندار) ہو جا، پس وہ (جاندار) ہو گئے، یہ امر واقعی (جو اوپر مذکور ہوا) آپ کے پروردگار کی طرف سے (بتلایا گیا) ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے، پس جو آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں (اب بھی) حجت کرے آپ کے پاس علم (واقعی) آئے پیچھے، تو آپ (جواب میں یوں) فرما دیجئے کہ (اچھا اگر دلیل سے نہیں مانتے تو پھر) آجاؤ ہم (اور تم) بلا (کر جمع کر) لیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے تنوں کو پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دعا کریں اس طور پر کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو (اس بحث میں) ناحق پر ہوں، بے شک یہ (جو کچھ) مذکور (ہوا) وہی ہے سچی بات، اور کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے (یہ توحید ذاتی ہوئی) اور بلاشک اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے حکمت والے ہیں (یہ توحید صفاتی ہوئی) پھر (ان سب حجتوں کے بعد بھی) اگر (حق قبول کرنے سے سرتابی کریں) تو (آپ ان کا معاملہ حوالہ بخدا کیجئے، کیونکہ) بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فساد کرنے والوں کو۔

www.toobaaelibrary.com

تلخیص معارف ومسائل

تحقیق لفظی | اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ، لفظ "متوفی" کا مصدر "توفی" اور مادہ وفیٌ ہے، اصلی معنی لفظ پورا پورا لینے کے ہیں چونکہ انسان موت کے وقت اپنی اجل مقدر پوری کر لیتا ہے اور خدا کی دی ہوئی روح پوری لے لی جاتی ہے، اس کی مناسبت سے یہ لفظ بطور کنایہ موت کے معنی میں بھی مستعمل ہے، اور موت کا ایک ہلکا سا نمونہ روزانہ انسان کی نیند ہے، اس کے لیے بھی یہ لفظ قرآن میں مستعمل ہوا ہے اللہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا. (زمر ۴۲) یعنی اللہ لے لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آتی ان کی نیند کے وقت" حافظ ابن تیمیہؒ نے الجواب الصحیح ج۲ ص۸۳ر میں یہی لکھا ہے، اور کلیات ابوالبقاء میں بھی یہی معنی ہے، اور حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ میں پہلا ہی معنی لیا ہے جس سے مطلب واضح ہے، بعض حضرات نے اس کا ترجمہ موت دینے سے کیا ہے جیسا کہ ترجمہ حضرت تھانویؒ میں ہے، اور یہی ترجمہ حضرت ابن عباسؓ سے اسانید صحیحہ کے ساتھ منقول ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی منقول ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ آپ کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو لفظ ارشاد فرمائے (۱) ایک یہ کہ آپ کی موت ان کے ہاتھوں بصورت قتل نہیں، بلکہ طبعی موت کی صورت میں ہوگی، (۲) دوسرے یہ کہ ہم ان کے نرغہ سے نجات دینے کی یہ صورت کریں گے کہ آپ کو اپنی طرف اٹھالیں گے۔

درمنثور میں ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ یعنی رافعك ثم متوفیك فی اٰخر الزمان (ج۲ ص۳۶)

اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ توفی کے معنی موت ہی کے ہیں مگر الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے اور اس طرح کی تقدیم وتاخیر قرآن کریم میں مصالح کے تحت بکثرت آئی ہے کہ جو واقعہ بعد میں ہونے والا ہے اسے پہلے اور پہلے کو بعد میں بیان فرمایا (امام رازی تفسیر کبیر ج۲ ص۴۸۱)

اور متوفیك کی تقدیم کی حکمت ومصلحت آگے ہونے والے اس پورے معاملے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے، یعنی یہ اپنی طرف بلا لینا چند روز کے لیے ہوتا، پھر آپ اس دنیا میں آئیں گے اور دشمنوں پر فتح پائیں گے اور بعد میں طبعی طور پر آپ کی موت واقع ہوگی اس طرح یہ ایک معجزہ بھی تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعزاز واکرام کی تکمیل بھی نیز اس میں عیسائیوں کے عقیدۂ

www.toobaaelibrary.com

الوہیت کا ابطال بھی تھا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرح حیّ قیوم نہیں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت رہی ہے کہ جب کسی نبی کی قوم نے سب کچھ دیکھنے سننے کے بعد بھی ضد و انکار سے کام لیا اور ایمان نہ لائی تو دو صورتوں میں سے ایک صورت کی گئی ہے، یا تو آسمانی عذاب بھیج کر ساری قوم کو فنا کر دیا گیا یا پھر اپنے پیغمبر کو ہجرت کرا کے کسی دوسری طرف منتقل کیا گیا اور وہاں انہیں پھر وہ قوت و شوکت دی گئی کہ پھر اپنی قوم پر فتحیاب ہوئے، حضرت ابراہیمؑ عراق سے شام حضرت موسیٰؑ نے مصر سے شام اور آخر میں خاتم الانبیاءؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے، یہودیوں کے نرغہ سے بچانے کے لیے یہ آسمان پر بلا لینا بھی درحقیقت ایک قسم کی ہجرت تھی، جس کے بعد وہ پھر دنیا میں واپس آکر یہودیوں پر مکمل فتح حاصل کریں گے، آپ کی ہجرت سب سے الگ قسم کی کیوں ہے؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خود فرمایا ہے کہ ان کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ پیدائش کی طرح موت بھی عجیب و غریب طریقہ سے صدہا سال کے بعد دنیا میں آکر ہو گی، تو کیا تعجب ہے کہ ہجرت بھی کسی ایسے عجیب طریقہ سے ہو۔

یہی عجائب قدرت تو جاہل نصاریٰ کے لیے عقیدۂ باطلہ میں مبتلا ہونے کا سبب بن گئے، حالانکہ غور کیا جائے تو انہیں میں ان کی عبدیت و بندگی، اتباع فرمان الٰہی اور بشری خصائص سے متصف ہونے کے دلائل ہیں، آسمان پر اٹھانے سے یہ شبہ (عقیدۂ الوہیت) قوی تر ہو جاتا اس لیے متوفیک کو مقدم کر کے شبہ کا قلع قمع کر دیا، اس آیت میں یہود کی تردید اور انکے عزائم کو خاک میں ملانا تو مقصود ہے ہی ساتھ ہی نصاریٰ کی بھی تردید ہو گئی کہ وہ خدا نہیں جو موت سے بری ہوں وقت موعود پر ان کو بھی موت آئیگی۔

اور واضح ہو کہ عیسیٰ نام صرف روح کا نہیں بلکہ روح مع جسم کا ہے تو رفع سے صرف رفع روحانی مراد لینا بالکل غلط ہے اور حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی یعنی رفع درجات، مراد لینے کی کوئی وجہ نہیں، نیز یہاں الیّ لا کر معنی مجازی کے احتمال کو بالکل ختم کر دیا گیا، ہے، اور سورۂ نساء کی آیت (۱۵۸) میں بھی یہودیوں کے عقیدہ کو رد کرتے ہوئے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ فرمایا، اور اپنی طرف اٹھالینا روح مع جسد کے زندہ اٹھالینے ہی کے لیے بولا جاتا ہے، نیز قتل جسم کو کیا جانا ہے نہ کہ روح کو، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے فرمائے۔

پہلا وعدہ:- یہودی انہیں قتل نہ کر سکیں گے، بلکہ طبعی طور پر وقت موعود پر موت آئے گی صحیح احادیث میں تفصیل موجود ہے۔

www.toobaaelibrary.com

دوسرا وعدہ: عالم بالا کی طرف اٹھا لینے کا تھا یہ اسی وقت پورا کر دیا گیا (نساء آیت ۱۵۸)
تیسرا وعدہ: ان کو دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کرنے کا تھا وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا یہ اس طرح پورا ہوا کہ خاتم الانبیاء علیہ السلام تشریف لائے اور یہود کے سارے غلط الزامات کو صاف کر دیا، مثلاً یہودی ان کے نسب کو مطعون کرتے تھے، ان پر خدائی کے دعوے کا الزام لگاتے تھے قرآن نے دونوں الزامات صاف کر دیئے کہ وہ محض قدرت الٰہی سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے، اور بشریت عیسیٰ کا اقرار فرمایا۔
چوتھا وعدہ: چوتھا وعدہ وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ میں ہے اتباع سے مراد یہاں نبوت عیسیٰ کا اعتقاد و اقرار ہے نہ کہ سب احکام پر ایمان و اعتقاد کی شرط اس طرح نصاریٰ اور اہل اسلام دونوں اس میں داخل ہو گئے، یہ الگ بات ہے کہ صرف اتنا اعتقاد نجات آخرت کے لیے کافی نہیں، بلکہ تمام احکام پر اعتقاد و ایمان پر نجات ہے اور قطعی احکام عیسیٰ میں سے ایک یہ بھی تھا کہ خاتم الانبیاءؐ پر بھی ایمان لائیں، نصاریٰ نے اسے اختیار نہ کر کے نجات آخرت سے محروم رہے، لیکن دنیا میں یہودیوں پر غلبہ کا وعدہ صرف نبوت عیسیٰ پر موقوف تھا جو بمقابلہ یہود نصاریٰ اور مسلمانوں کو ہمیشہ حاصل رہا، اور قیامت تک رہے گا۔
اسرائیل کی موجودہ حکومت سے اس پر کوئی شبہ نہ کرنا چاہئے، اس سلسلے میں کلام سورۂ بقرہ آیت: ۶۱ کے ذیل میں گذر چکا ہے، مراجعت فرمائیں نیز یہ کہ قرب قیامت میں چند روزہ یہود کے غلبہ کی خبر تو خود اسلام کی متواتر روایات میں موجود ہے اگر اس دنیا کو اب زیادہ باقی رہنا نہیں ہے اور قیامت قریب ہی آ چکی ہے تو یہ بھی غلبہ اسلامی روایات کے منافی نہیں اور ایسی چند روزہ شورش کو سلطنت یا حکومت نہیں کہہ سکتے۔
پانچواں وعدہ: قیامت کے روز ان مذہبی اختلافات کا فیصلہ فرمانے کا یہ وعدہ بھی اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہے: ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ.

مسئلہ حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام

دنیا میں صرف یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مغلوب ہو کر دفن ہو گئے، اور پھر زندہ نہیں ہوئے۔ نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب تو ہو گئے مگر پھر دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر اٹھا لیے گئے، قرآن نے آیت: وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ سے اور سورۂ نساء کی آیت وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ سے ان کے اس خیال کی حقیقت کو واضح کر دیا، اور شُبِّهَ لَهُمْ مصداق یہود کی طرح نصاریٰ بھی ہو گئے۔

www.toobaaelibrary.com

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا وہ عقیدہ ہے جو اس آیت اور دوسری کئی آیتوں میں وضاحت سے بیان ہوا ہے، اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے، حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر ص ۳۱۹ ر یہ اجماع نقل کیا ہے، یہاں تفصیلات کا نہ موقع ہے اور نہ ضرورت، علماء امت نے اس مسئلہ کو مستقل کتابوں اور رسالوں میں مکمل واضح فرمایا ہے، مثلاً عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام (عربی) از علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ حیات عیسیٰ علیہ السلام (اردو) از مولانا بدر عالم میرٹھی حیات مسیح علیہ السلام از مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور خود صاحب تفسیر جناب مفتی صاحبؒ کی ایک مستقل کتاب التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ہے جس میں بحکم علامہ کشمیریؒ سو سے زائد احادیث کی روشنی میں مسئلہ کو منقح کیا ہے، ان کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس سورۃ کی گیارہویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین کا ذکر فرماتے ہوئے سب کو ایک ہی آیت میں اجمالاً بیان فرمایا، اس کے بعد تقریباً تین رکوع (بائیس آیات) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کا ذکر اس بسط و تفصیل کے ساتھ کیا گیا کہ خود خاتم الانبیاءؐ جن پر قرآن نازل ہوا ان کا ذکر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ نہیں آیا، آیات کے ایک ایک جز پر غور کیجئے تو صاف معلوم ہو جائے گا، پھر اسی کے ساتھ احادیث متواترہ میں ان کی مزید صفات، شکل و صورت، ہیئت و لباس وغیرہ کی پوری تفصیلات، یہ ایسے حالات ہیں کہ پورے قرآن و حدیث میں کسی نبی و رسول کے حالات اس تفصیل سے نہیں بیان کئے گئے، یہ بات ہر انسان کو دعوت فکر دیتی ہے کہ کیوں اور کس حکمت سے ہوا۔

غور کرنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے، خاتم الانبیاءؐ چونکہ آخری نبی اور رسول ہیں اس لیے آپ نے اپنی تعلیمات میں اس کا بڑا اہتمام فرمایا کہ قیامت تک امت کو پیش آنے والے تمام مراحل سے متعلق ہدایات دیدیں، یعنی آپؐ کے بعد قابل اتباع لوگ کون ہونگے، اصولی طور پر تذکرہ عام اوصاف کے ساتھ بھی بیان فرمایا، اور نام کی تعیین کے ساتھ بھی امت کو اتباع کی تاکید فرمائی، اس کے بالمقابل ان گمراہ لوگوں کا بھی پتہ دیا جن سے امت کے دین کو خطرہ تھا۔

بعد کے گمراہوں میں سب سے بڑا شخص مسیح دجال تھا، اس کے اتنے حالات وصفات بیان فرما دیے کہ اس کے گمراہ ہونے میں امت کو شک کی گنجائش نہ رہے اسی طرح بعد کے آنے والے مصلحین اور قابل اقتدار بزرگوں میں سب سے زیادہ بڑے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جن کو فتنہ

www.toobaaelibrary.com

دجّال میں امت مسلمہ کی امداد کے لیے آسمان میں زندہ رکھا، اور قرب قیامت میں ان کو قتل دجال کے لیے مامور فرمایا، اس لیے ضرورت تھی کہ ان کے حالات وصفات بھی امت کو ایسے واشگاف بتلائے جائیں جن کے بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کسی انسان کو ان کے پہچاننے میں کوئی شبہ نہ رہ جائے، کیونکہ اگر امت کو انہیں پہچاننے ہی میں اشکال پیش آیا تو ان کے نزول کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، امت مسلمہ ان کے ساتھ نہ لگے گی تو وہ امداد و نصرت کس طرح فرمائیں گے۔ یہ بھی واضح رہے کہ وہ بحیثیت خلیفۂ رسولؐ تشریف لائیں گے مگر ذاتی طور پر جو ان کو منصب نبوت و رسالت حاصل ہے اس سے معزول بھی نہ ہوں گے۔

اور جس طرح ان کی نبوت سے انکار پہلے کفر تھا، اس وقت بھی کفر ہوگا، تیسرے یہ کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تو دنیا کی آخری عمر میں پیش آئے گا اگر ان کی علامات اور حالات مبہم ہوتے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی دوسرا آدمی مسیح عیسیٰ ابن مریم کا دعویٰ کر بیٹھے، ان علامات کے ذریعہ اس کی تردید کی جا سکے گی، جیسا ہندوستان میں مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا، اور علماء امت نے انہی علامات کی بناء پر اسے رد کر دیا، صاحب تفسیر کے رسالہ مسیح موعود کی پہچان میں اس مسئلے کی پوری وضاحت ہے، اس سے رجوع کیا جائے۔

آیت: ۶۵: مصائب دنیا کفار کے لیے کفارہ نہیں ہوتے، بخلاف اہل ایمان کے کہ ان کے لیے کفارہ ہو کر مفید ہوتے ہیں۔

آیت: ۵۹: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس بھی حجت شرعیہ سے ہے۔ (مظہری)

آیت: ۶۱: اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو مباہلہ کا حکم دیا ہے۔

مباہلہ کی تعریف

مباہلہ کی تعریف یہ ہے کہ اگر کسی امر کے حق و باطل میں فریقین میں نزاع ہو جائے اور دلائل سے ختم نہ ہو تو پھر ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اس طور پر دعا کرنے کو "مباہلہ" کہتے ہیں اس میں اصل تو خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہو کر دعا کرنا ہے، اعزہ و اقارب کو جمع کیا جائے تو اس سے اور اہتمام بڑھ جاتا ہے۔

واقعۂ مباہلہ اور ردِّ روافض

اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے نجران کے نصاریٰ کی جانب ایک فرمان بھیجا جس میں تین چیزیں بالترتیب مذکور تھیں، اسلام قبول کرو، جزیہ ادا کرو، یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، نصاریٰ نے حسب مشورہ شرحبیل،

www.toobaaelibrary.com

عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن فیض کو خدمت نبویؐ میں بھیجا، انہوں نے مذہبی امور میں گفتگو شروع کی حتیٰ کہ الوہیت عیسیٰ کے ثبوت میں انتہائی بحث و تکرار سے کام لیا، اتنے میں یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی، آپؐ نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی، اور خود بھی حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ، حضرات حسنینؓ کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لیے تیار ہو کر تشریف لائے، شرحبیل نے یہ دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں، اللہ کے نبی سے مباہلہ میں ہماری ہلاکت یقینی ہے اس لیے نجات کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو، اور ساتھیوں کے دریافت پر اس نے کہا کہ میرے نزدیک بہتر صورت یہ ہے کہ نبی کی رائے کے موافق صلح کی جائے، چنانچہ اسی پر اتفاق ہو گیا، آپؐ نے جزیہ مقرر کر کے صلح کر دی، جسے انہوں نے بھی منظور کر لیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱)

اَبْنَاۗءَ نَا سے مراد صرف صلبی اولاد مراد نہیں ہے، بلکہ عام ہے خواہ اولاد ہو، یا اولاد کی اولاد ہو، عرفاً اس کا سب پر اطلاق ہوتا ہے، اور حضرت علیؓ کو خصوصاً اَبْنَاۗءَ نَا میں داخل کرنا اس لیے بھی صحیح ہے کہ آپ نے تو پرورش بھی حضورؐ کی آغوش میں پائی تھی، ایسے بچے پر عرفاً بیٹے کا اطلاق کیا جاتا ہے، لہٰذا روافض کا حضرت علیؓ کو اَبْنَاۗءَ نَا سے خارج کر کے اَنْفُسَنَا میں داخل کرنا اور پھر اس سے آپ کی خلافت بلافصل پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔـا
وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ
وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ
اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ
لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

(اے محمدؐ) آپؐ فرما دیجیے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلّم ہونے میں)

www.toobaaelibrary.com

برابر ہے (وہ) یہ (ہے) کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر (اس کے بعد بھی) وہ لوگ (حق سے) اعراض کریں تو تم (مسلمان) لوگ کہہ دو کہ تم (ہمارے) اس (اقرار) کے گواہ ہو کہ ہم تو (اس بات کے) ماننے والے ہیں (گر تم نہ مانو تو تم جانو) اے اہل کتاب کیوں حجت کرتے ہو (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں (کہ وہ طریق یہودیت پر تھے یا نصرانیت پر تھے) حالانکہ نہیں نازل کی گئی توراۃ اور انجیل، مگر ان کے (زمانہ کے بہت) بعد (اور یہ دونوں طریق ان دونوں کتابوں کے نزول کے بعد سے ظاہر ہوئے پہلے سے ان کا وجود ہی نہ تھا، پھر حضرت ابراہیمؑ ان طریقوں پر کس طرح ہو سکتے ہیں) کیا (ایسی خلاف عقل بات منہ سے نکالتے ہو اور) پھر سمجھتے نہیں ہو، ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں حجت کر ہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی (گو اس میں ایک غلط مقدمہ لگا کر نتیجہ غلط نکالتے تھے مراد اس سے خوارق ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے کہ یہ مطابق واقع کے ہے، البتہ اس میں یہ مقدمہ غلط ملا لیا گیا کہ ایسے خوارق والا اللہ یا ابن اللہ ہوگا لیکن ایک مقدمہ منشاء اشتباہ تو تھا، اس لیے اس کو نا کافی واقفیت کہیں گے، جب اس میں تمہاری غلطی ظاہر ہوگئی) سو ایسی بات میں (پھر) کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو اصلاً واقفیت نہیں، (کیونکہ اس دعوے کے لیے تو کوئی سبب اشتباہ کا بھی تمہارے پاس نہیں، کیونکہ ان کے اور ابراہیم علیہ السلام کے فروع شریعت میں موافقت بھی نہ تھی) اور اللہ تعالیٰ (ابراہیم علیہ السلام کے طریق کو خوب) جانتے ہیں تم نہیں جانتے (جب تم ایسے بے سروپا دعوے کرتے ہو جس سے علم بھی مثل عدم علم کے سمجھا جاتا ہے، تو اب اللہ تعالیٰ سے ان طریق کو سنو کہ) ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، لیکن (البتہ) طریق مستقیم والے (یعنی) صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے (سو یہود اور نصاریٰ کو تو مذہبی طریق کے اعتبار سے ان کے ساتھ کوئی مناسبت نہ ہوئی، ہاں) بلا شبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنھوں نے (ان کے وقت میں) ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (محمدؐ) ہیں، اور یہ ایمان والے (جو نبی کی امت ہیں) اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے (کہ ان کو ان کے ایمان کا ثواب دیں گے)۔ دل سے چاہتے ہیں بعضے لوگ اہل کتاب میں سے اس امر کو کہ تم کو (دین سے حق) گمراہ کر دیں گمراہ نہیں کر سکتے مگر خود اپنے آپ کو (وبال اضلال میں گرفتار کر رہے ہیں) اور

www.toobaaelibrary.com

اس کی اطلاع نہیں رکھتے، اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی (ان) آیتوں کے ساتھ (جو
تورات اور انجیل میں نبوت محمدیہؐ پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ حضورؐ کی نبوت کا انکار کرنا ان آیات کی
تکذیب کرنا ہے جو کفر ہے) حالانکہ تم (اپنی زبان سے) اقرار کرتے ہو (کہ وہ آیات حق ہیں، یہ تو
ملامت ہوئی ان کے ضلال پر، آگے اضلال پر ملامت فرماتے ہیں کہ) اے اہل کتاب کیوں مخلوط
کرتے ہو واقعی (مضمون یعنی نبوت محمدیہؐ) کو غیر واقعی (یعنی عبارت تحریف شدہ یا تفسیر فاسد) سے
اور (کیوں) چھپاتے ہو واقعی بات کو حالانکہ تم جانتے ہو (کہ حق بات چھپا رہے ہو۔

تلخیص معارف ومسائل

تبلیغ ودعوت کے دو اہم اصول

آیت ۶۴: تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ سے تبلیغ ودعوت کا ایک اہم اصول معلوم
ہوتا ہے وہ یہ کہ مختلف عقائد ونظریات رکھنے والی جماعت کو دونوں کے مابین متفق علیہ مسائل پر جمع
ہونے کی دعوت دی جائے، پیغمبر علیہ السلام نے شاہ روم ہرقل کو ایسے ہی مسئلہ متفق علیہ پر دعوت دی،
یعنی اللہ کی وحدانیت پر، وہ دعوت نامہ بخاری شریف میں منقول ہے۔

فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ، اس سے یہ تعلیم دی گئی، ہے کہ دلائل کے واضح ہو جانے
کے بعد بھی اگر حق کو نہ مانے تو اتمام حجت کے لیے اپنا مسلک ظاہر کر کے کلام ختم کر دینا چاہئے۔ مزید
بحث وتکرار مناسب نہیں۔

آیت: ۷۰-۷۱: وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ اور وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ کے الفاظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اگر
وہ اقرار حق نہ کریں یا ان کو علم نہ ہو تو ان کے لیے کفر جائز ہوگا، کیونکہ کفر بذاتہ ایک قبیح فعل ہے، ہر
حالت میں ناجائز ہے، البتہ علم واقرار کے بعد اختیار کرنے میں ملامت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُونَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ أَن يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ
أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ يَخْتَصُّ
بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم
مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي

www.toobaaelibrary.com

الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿﴾ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِينَ ﴿﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا
يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا
يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ
وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ
أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿﴾

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اور بعضے لوگوں نے اہل کتاب میں سے (بطور مشورہ باہم) کہا کہ (مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ایک تدبیر ہے کہ ظاہرا) ایمان لے آؤ اس (کتاب) پر جو نازل کی گئی ہے، (بواسطۂ رسول اللہؐ کے) مسلمانوں پر (مراد یہ کہ قرآن پر ایمان لے آؤ) شروع دن میں (یعنی صبح کے وقت) اور (پھر) انکار کر بیٹھو آخر دن (یعنی شام کو) یعنی عجب کیا (اس تدبیر سے مسلمانوں کو بھی قرآن اور اسلام کے حق میں شبہ پڑ جاوے اور) وہ (اپنے دین سے) پھر جاویں (اور یہ خیال کریں کہ یہ لوگ علم والے ہیں اور بے تعصب بھی ہیں کہ اسلام قبول کر لیا، اس پر بھی جو پھر گئے تو ضرور اسلام کا غیر حق ہونا ان کو دلائل علیہ سے ثابت ہو گیا ہوگا، اور ضرور انھوں نے اسلام میں کوئی خرابی دیکھی ہوگی جب ہی تو اس سے پھر گئے اور اہل کتاب نے یہ بھی باہم کہا کہ مسلمانوں کے دکھلانے کو صرف ظاہری ایمان لانا) اور (صدق دل سے) کسی کے روبرو (دین کا) اقرار مت کرنا، مگر ایسے شخص کے روبرو جو تمہارے دین کا پیرو ہو (اس کے روبرو تم کو اپنے قدیم دین کا اقرار خلوص سے کرنا چاہئے باقی غیر مذاہب والوں کے یعنی مسلمانوں کے روبرو ویسے ہی بہ مصلحت مذکورہ زبانی اسلام کا اقرار کر لینا، حق تعالیٰ ان کی تدبیر کے لچر ہونے کا اظہار فرماتے ہیں کہ) اے محمدؐ آپ کہہ دیجئے کہ (ان چالاکیوں سے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ) یقیناً ہدایت (جو بندوں کو ہوتی ہے وہ) ہدایت اللہ کی (طرف سے ہوتی ہے) ہے (پس جب ہدایت قبضۂ خداوندی میں ہے جس کو ہدایت پر قائم رکھنا چاہیں اس کو کوئی دوسرا کسی تدبیر سے نہیں بچلا سکتا ہے، آگے ان کے اس مشورہ وتدبیر کی علت بتلاتے ہیں کہ اے اہل کتاب تم) ایسی باتیں اس لیے کرتے ہو کہ کسی اور کو بھی

www.toobaaelibrary.com

ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی، (یعنی کتاب اور دین آسمانی) یا وہ اور لوگ تم پر غالب آجاویں (اس دین حق کی تعیین میں جو) تمہارے رب کے نزدیک (ہے، حاصل علت کا یہ ہوا کہ تم کو مسلمانوں پر حسد ہے کہ ان کو آسمانی کتاب کیوں مل گئی، یا یہ لوگ ہم پر مذہبی مناظرہ میں کیوں غالب آجاتے ہیں، اس حسد کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کے تنزل کی کوشش کر رہے ہیں، آگے اس حسد کا رد ہے کہ) اے محمدؐ آپؐ کہہ دیجئے کہ بے شک فضل تو خدا کے قبضہ میں ہے وہ اس سے جسے چاہیں عطا فرمادیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (ان کے یہاں فضل کی کمی نہیں اور) خوب جاننے والے ہیں (کہ کس وقت کس کو دینا مناسب ہے اس لیے) خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت (وفضل) کے ساتھ، جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں (پس اس وقت برعایت حکمت مسلمانوں پر فضل ورحمت فرمادیا اس میں حسد کرنا فضول اور جہل ہے) اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ (اے مخاطب) اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو تو وہ (مانگنے کے ساتھ ہی) اس کو تمہارے پاس لا رکھے اور ان ہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تم کو ادا نہ کرے (بلکہ امانت رکھانے کا بھی اقرار نہ کرے) مگر جب تک کہ تم (امانت رکھ کر) اس کے سر پر (برابر) کھڑے رہو (اس وقت تک تو انکار نہ کرے اور جہاں الگ ہوئے پھر ادا کرنے کا تو کیا ذکر ہے، سرے سے امانت ہی سے انکار ہو جاوے) یہ (امانت کا ادا نہ کرنا) اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر غیر اہل کتاب کے (مال کے) بارے میں (اگر چوری چھپے لیا جاوے مذہبا) کسی طرح کا الزام نہیں (یعنی غیر اہل کتاب مثلاً قریش کا مال چرالینا یا چھین لینا سب جائز ہے اللہ تعالیٰ آگے ان کے اس دعویٰ کی تکذیب فرماتے ہیں) اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں، (کہ اس فعل کو حلال سمجھتے ہیں) اور دل میں وہ بھی جانتے ہیں (اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال نہیں کیا، محض تراشیدہ دعویٰ ہے، خائن پر) الزام کیوں نہ ہوگا ضرور ہوگا، کیونکہ اس کے متعلق ہمارے یہ قانون ہیں، ایک یہ کہ جو شخص اپنے عہد کو (خواہ وہ عہد اللہ تعالیٰ سے ہوا ہو، یا بشرط جواز کسی مخلوق سے) پورا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں (ایسے) متقیوں کو (اور دوسرا قانون یہ ہے کہ) یقیناً جو لوگ معاوضہ (یعنی نفع دنیوی) لے لیتے ہیں بمقابلۂ اس عہد کے جو (انہوں نے) اللہ تعالیٰ سے کیا ہے (مثلاً انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا) اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے (مثلاً حقوق العباد و معاملات کے باب میں قسم کھالینا) ان لوگوں کو کچھ حصۂ آخرت

www.toobaaelibrary.com

میں (وہاں کی نعمت کا) نہ ملے گا اور نہ خدا تعالیٰ ان سے (لطف کا) کلام فرمادیں گے اور نہ ان کی طرف (نظر محبت سے) دیکھیں گے، قیامت کے روز اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کریں گے، اور ان کے لیے دردناک عذاب (تجویز) ہوگا اور بے شک ان میں سے بعضے ایسے ہیں کہ کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (پڑھنے) میں (یعنی ان میں کوئی لفظاً یا کوئی تفسیر غلط ملا دیتے ہیں اور غلط پڑھنا کج زبانی کہلاتا ہے) تا کہ تم لوگ (جو اس کو سنو تو) اس (ملائی ہوئی چیز) کو (بھی) کتاب کا جزو سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں اور (صرف دھوکہ دینے کے لیے اس عملی طریق پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی) کہتے ہیں کہ یہ (لفظاً یا مطلب) خدا تعالیٰ کے پاس سے (الفاظ یا قواعد نازل ہوئے ہیں ان سے ثابت) ہے حالانکہ وہ (کسی طرح) خدا تعالیٰ کے پاس سے نہیں (پس ان کا جھوٹا ہونا لازم آ گیا، آگے تاکید کے لیے اس کی پھر تصریح ہے) اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور (اپنا جھوٹا ہونا دل میں خود بھی) وہ جانتے ہیں، کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ (تو) اس کو کتاب اور (دین کی) فہم اور نبوت عطا فرمادیں (جنمیں ہر ایک کا مقتضا ہے کفر و شرک سے ممانعت اور) پھر وہ لوگوں سے (یوں) کہنے لگے کہ میرے بندے (یعنی عبادت کرنے والے) بن جاؤ، خدا تعالیٰ (کی توحید) کو چھوڑ کر (یعنی نبوت اور امر بالشرک جمع نہیں ہو سکتے) ولیکن (وہ نبی یہ تو) کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ (یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو) بوجہ اس کے کہ تم کتاب (الٰہی اوروں کو بھی) سکھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ (خود بھی اس کو) پڑھتے ہو (اور اس کتاب میں تعلیم ہے توحید کی) اور نہ (وہ بشر موصوف بالنبوۃ) یہ بات بتلائے گا کہ تم فرشتوں کو اور (یا دوسرے) نبیوں کو رب قرار دے لو کیا (بھلا) وہ تم کو کفر کی بات بتلادے گا بعد اس کے کہ تم (اس عقیدۂ خاص میں خواہ فی الواقع یا بزعم خود) مسلمان ہو۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۷۲: مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ایک تدبیر ہے کہ ظاہراً ایمان لاؤ عجب کیا کہ مسلمان یہ خیال کر کے کہ یہ اہل کتاب علم والے ہیں اور بے تعصب، کہ اسلام قبول کر لیا اور اس پر بھی جو پھر گئے تو ضرور اسلام کا غیر حق ہونا ان کو دلائل علمیہ سے ثابت ہو گیا ہوگا اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ ان کی تدبیر کے لچر ہونے کا اظہار فرماتے ہیں۔

آیت ۷۵: اوپر کی آیات میں اہل کتاب کی خیانت فی الدین کا ذکر تھا، اس آیت میں ان کی

www.toobaaelibrary.com

خیانت فی الاموال کا ذکر ہے۔

کسی غیر مسلم کے اچھے اوصاف کی تعریف کرنا درست ہے، نیز اس سے اسلام کے بے تعصبی اور وسیع النظری بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مخالف کے ہنر کی بھی اس کے مرتبہ کے مطابق داد دیتا ہے۔

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا، اس سے امام ابوحنیفہؒ نے استدلال کیا ہے کہ دائن کو یہ حق ہے کہ وہ مدیون سے اپنا حق وصول کرنے تک اس کا پیچھا کرتا رہے (قرطبی)

وَيَقُولُونَ سے اہل کتاب کے دعویٰ کی تکذیب مذکور ہے اگلی آیات اسی تکذیب کی تاکید اور ایفاء عہد کی فضیلت اور نقض عہد کی مذمت کی تصریح ہے۔

عہد کی تعریف عہد اس قول کا نام ہے جو فریقین میں باہمی گفتگو سے طے ہوتا ہے جس پر جانبین کو قائم رہنا ضروری ہوتا ہے، بخلاف وعدہ کے کہ وہ صرف ایک جانب سے ہوتا ہے یعنی عہد عام ہے اور وعدہ خاص ہے۔

ایفاء عہد کی قرآن وسنت میں بہت تاکید آئی ہے، آیت (۷۷) میں عہد کی خلاف ورزی کرنے والے پر پانچ وعیدیں مذکر ہیں، ان کے لیے جنت کی نعمتوں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، ارشاد رسالتؐ ہے جس نے جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق دبایا تو اس نے اپنے لیے آگ کو واجب کر دیا، راوی نے عرض کیا کہ اگر وہ چیز معمولی ہو تب بھی؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا اگر چہ وہ درخت کی سبز ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔ (مسلم بحوالہ مظہری) اللہ تعالیٰ ان سے خوش کن بات نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی طرف قیامت کے دن بنظر رحمت نہیں دیکھیں گے، اللہ ان کے گناہ کو معاف نہیں کریں گے کیونکہ عہد کی حق تلفی ہوئی ہے یہ حق العبد ہے، ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

آیت ۷۹: مَا كَانَ لِبَشَرٍ کا شان نزول یہ ہے کہ نجران کے وفد کی موجودگی میں بعض یہود ونصاریٰ نے کہا تھا کہ اے محمدؐ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری اسی طرح پرستش کرنے لگیں، جسے نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم کو پوجتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! کہ ہم غیر اللہ کی بندگی کریں یا اس کی دعوت دیں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کام کے لیے نہیں بھیجا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

پھر یہ کہ اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ خداوند قدوس نے جس کو منصب کا جان کر بھیجا تھا فی الواقع وہ اس کا اہل نہ تھا، اس سے علم الٰہی کا غلط ہونا لازم آتا ہے، العیاذ باللہ: دنیا کی کوئی حکومت بھی اگر کسی شخص کو کسی ذمہ داری کے عہدے پر مامور کرتی ہے تو پہلے دو باتیں سوچ لیتی ہے ایک یہ کہ وہ شخص حکومت کی

www.toobaaelibrary.com

پالیسی کو سمجھنے اور اپنے فرائض انجام دینے کی لیاقت رکھتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ حکومت کے احکام کی تعمیل اور رعایت کو جادۂ وفاداری پر قائم رکھنے کی کہاں تک اس سے توقع کی جاسکتی ہے، یہ تو ممکن ہے کہ حکومت صحیح اندازہ نہ کرسکے، مگر خداوند قدوس کے یہاں یہ بھی احتمال نہیں، یہیں سے عصمت انبیاء کا مسئلہ واضح ہو جاتا ہے، جب انبیاء علیہم السلام ادنیٰ عصیان سے پاک ہیں تو شرک اور خدا کے مقابلے میں بغاوت کا امکان کہاں باقی رہ سکتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا (حضرات) انبیاء (علیہم السلام) سے جو کچھ تم کو کتاب اور علم (شریعت) دوں (اور) پھر تمہارے پاس کوئی (اور) پیغمبر آوے جو مصداق (اور موافق) ہو اس (علامت) کا جو تمہارے پاس (کی کتاب اور شریعت میں) ہے (یعنی دلائل معتبرہ عند الشرع سے اس کی رسالت ثابت ہو) تو تم ضرور اس رسول (کی رسالت) پر (دل سے) اعتقاد بھی لانا اور (ہاتھ پاؤں سے) اس کی مدد بھی کرنا (پھر یہ عہد بیان کر کے ارشاد) فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور لیا اس (مضمون) پر میرا عہد (اور حکم) قبول کیا وہ بولے کہ ہم نے اقرار کیا، ارشاد فرمایا تو (اپنے

www.toobaaelibrary.com

اس اقرار پر) گواہ بھی رہنا (کیونکہ گواہی سے پھرنے کو ہر شخص ہر حال میں بُرا سمجھتا ہے، بخلاف اقرار کرنے والے کے کہ بوجہ صاحب غرض ہونے کے اس کا پھر جانا زیادہ مستبعد نہیں ہوتا، اسی طرح تم صرف اقراری نہیں بلکہ گواہی کی طرح اس پر قائم رہنا) اور میں (بھی) اس (مضمون) پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے (یعنی واقعہ کی اطلاع اور علم رکھنے والا) ہوں، سو جو شخص (امتوں میں سے) روگردانی کرے گا (اس عہد سے) بعد اس کے (کہ انبیاء تک سے عہد لیا گیا اور امتیں تو کس شمار میں ہیں) تو ایسے ہی لوگ (پوری) نافرمانی کرنے والے (یعنی کافر) ہیں، کیا (دین اسلام سے جس کا عہد لیا گیا ہے روگردانی کرکے) پھر (اس) دین خداوندی کے سوا اور کسی طریقہ کو چاہتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ (کی یہ شان ہے کہ ان) کے (حکم کے) سامنے سب سرافگندہ ہیں جتنے آسمانوں میں (ہیں) زمین میں ہیں بعضے خوشی (اور اختیار سے) اور (بعضے) مجبوری سے اور (اول تو اس عظمت ہی کا مقتضیٰ یہ تھا کہ کوئی ان کے عہد کی مخالفت نہ کرے خاص کر جب کہ آئندہ سزا کا بھی ڈر ہو چنانچہ) سب خدا ہی کی طرف (قیامت کے روز) لوٹائے (بھی) جاویں گے (اور اس وقت مخالفین کو سزا ہوگی) (اے محمدؐ) آپ (دین اسلام کے اظہار کے لیے خلاصہ کے طور پر یہ) فرمادیجئے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس (حکم) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس (حکم) پر جو (حضرت) ابراہیم و اسمٰعیل و یعقوب (علیہم السلام) اور اولاد یعقوب (میں جو نبی گزرے ہیں ان) کی طرف بھیجا گیا اور اس (حکم و معجزہ) پر بھی جو (حضرت) موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے (سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان بھی) اس کیفیت سے کہ ہم ان (حضرات) میں سے کسی ایک میں بھی (ایمان لانے کے معاملہ میں) تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان رکھیں اور کسی پر نہ رکھیں) اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں (اس نے ہی دین ہم کو بتلایا ہم نے اختیار کرلیا)۔ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ (دین) اس (شخص) سے (خدا تعالیٰ کے نزدیک) مقبول و (منظور) نہ ہوگا، اور (وہ شخص) آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا (یعنی نجات نہ پاوے گا۔ اول ان مرتدین کا بیان ہے جو کفر پر قائم رہ کر اس کو ہدایت سمجھتے رہے، چونکہ ان کا اعتقاد یا دعویٰ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اب ہدایت فرمائی، لہٰذا ان کی مذمت میں اس کی نفی بھی فرماتے ہیں کہ بھلا) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہوگئے بعد ایمان لانے (دل سے) اور بعد اپنے اقرار کے (زبان سے) کہ

www.toobaaelibrary.com

رسولؐ (دعویٰ رسالت میں) سچے ہیں، اور بعد اس کے کہ ان کو واضح دلائل (حقانیت اسلام کے) پہنچ چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ ایسے بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتے (یہ مطلب نہیں کہ ایسوں کو کبھی توفیق اسلام کی نہیں دیتے، بلکہ مقصود ان کے اسی دعویٰ مذکورۂ بالا کی نفی کرنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے جو اسلام چھوڑ کر یہ طریق اختیار کیا ہے ہم کو خدا نے ہدایت دی ہے، خلاصہ نفی کا یہ ہوا کہ جو شخص کفر کا بے ڈھنگا راستہ اختیار کرے وہ ہدایت خداوندی پر نہیں، اس لیے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو خدا نے ہدایت دی ہے، کیونکہ ہدایت کا یہ راستہ نہیں ہے بلکہ ایسے لوگ یقیناً گمراہ ہیں اور) ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور (بہتیرے) آدمیوں کی بھی (غرض) سب کی (اور پھر وہ لعنت بھی ایسے طور پر رہے گی کہ) وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اسی (لعنت) میں رہیں گے (اور چونکہ اس لعنت کا اثر جہنم ہے تو حاصل یہ ہوا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور) ان پر سے عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پاوے گا اور نہ (داخل ہونے سے قبل) ان کو (کسی میعاد تک) مہلت ہی دی جاوے گی (آگے ان کا بیان ہے جو پھر مسلمان ہو گئے ان کو اس حکم سے مستثنیٰ فرماتے ہیں یعنی) ہاں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اس (کفر) کے بعد (یعنی مسلمان ہو جاویں) اور اپنے (دل) کو (بھی) سنواریں (یعنی منافقانہ طور پر صرف زبان سے توبہ کافی نہیں) سو بے شک (ایسوں کے لیے) خدا تعالیٰ بخش دینے والے رحمت کرنے والے ہیں، بیشک جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں (یعنی کفر پر دوام رکھا ایمان نہیں لائے) ان کی توبہ (جو کہ اور گناہوں سے کرتے ہیں) ہرگز مقبول نہ ہوگی (کیونکہ توبہ عن المعاصی ایک اطاعت فرعیہ ہے، اور اطاعت فرعیہ کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے) اور ایسے لوگ (اس توبہ کے بعد بھی بدستور پکے گمراہ ہیں) بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر گئے حالت کفر ہی میں، سو ان میں سے کسی کا (بطور کفارہ) زمین بھر سونا بھی نہ لیا جائے گا، اگر چہ وہ معاوضہ میں اس کو دینا بھی چاہے (اور بے دیئے تو کون پوچھتا ہے) ان لوگوں کو سزائے دردناک ہوگی اور ان کے حامی (مددگار) بھی نہ ہوں گے۔

تلخیص معارف ومسائل

اللہ تعالیٰ کے تین عہد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے تین طرح کے عہد لیے ہیں: ایک کا ذکر سورہ اعراف میں "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے تحت کیا گیا ہے

www.toobaaelibrary.com

اس عہد کا مقصد یہ تھا کہ تمام بنی نوع انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ کیونکہ مذہب کی ساری عمارت اسی سنگ بنیاد پر ہے دوسرے کا ذکر اسی سورۃ کی آیت (۱۸۷) کے تحت کیا گیا، یہ عہد صرف علماء اہل کتاب سے لیا گیا تھا کہ وہ کتمان حق نہ کریں، بلکہ صاف اور واضح طور پر بیان کریں۔ تیسرے عہد کا بیان اس آیت (۸۱) میں ہے۔

میثاق کہاں ہوا اور اس سے کیا مراد ہے؟

میثاق یا تو عالم ارواح میں ہوا یا بذریعہ وحی دنیا میں ہوا دونوں احتمال ہیں (بیان القرآن)

میثاق کیا ہیں؟ اس کی تصریح تو قرآن نے کردی ہے، لیکن یہ کس چیز کے بارے میں لیا گیا ہے، اس میں اقوال مختلف ہیں، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی علیہ السلام ہیں، حضرت طاؤسؒ، حسن بصریؒ، اور قتادہؒ، فرماتے ہیں کہ یہ میثاق انبیاء سے اس لیے لیا گیا تھا کہ وہ باہم ایک دوسرے کی تائید و نصرت کریں (تفسیر ابن کثیر) اس قول ثانی کی تائید سورۂ احزاب کی آیت (۷) سے بھی کی جاسکتی ہے (تفسیر احمدی) مگر ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں دونوں ہی مراد ہوسکتی ہیں (تفسیر ابن کثیر)

ایک سوال: جب پیغمبر ﷺ کسی نبی کی موجودگی میں تشریف نہیں لائینگے تو پھر انبیاء کے ایمان لانے کا کیا فائدہ؟ جواب فائدہ ظاہر ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر پیغمبر ﷺ کی ذات والاصفات پر ایمان قبول کرنے کا پختہ ارادہ کریں گے تو اسی وقت سے ثواب پائیں گے۔ (صاوی بحوالہ جلالین)

پیغمبر ﷺ کی نبوت عامہ

آیت :۸۱: کے اس قاعدہ کلیہ سے مکمل واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کے بارے میں بھی اسی طرح کا عہد انبیاء سے لیا ہوگا جیسا کہ علامہ سبکیؒ اپنے رسالہ "التعظیم والمنۃ فی لتؤمنن بہ ولتنصرنہ" میں فرماتے ہیں کہ رسول سے مراد محمدؐ ہیں آگے لکھتے ہیں کہ اگر حضور کی بعثت انبیاء کے زمانے میں ہوتی تو ان سب کے نبی آپ ہی ہوتے اور وہ تمام انبیاء آپ کی امت میں شمار ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی شان محض نبی الامت کی نہیں ہے بلکہ نبی الانبیاء کی بھی ہے خود ارشاد رسالت ہے کہ اگر آج موسیٰ ؑ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا، نیز جب عیسیٰ ؑ نازل ہونگے تو وہ بھی قرآن حکیم اور تمہارے نبی ہی کے احکام پر عمل کریں گے (تفسیر ابن کثیر)

www.toobaaelibrary.com

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت "عامہ اور شاملہ" ہے سابقہ تمام شریعتیں آپ کی شریعت میں مدغم ہیں، اس بیان سے "بُعِثت الی الناس کافۃً" کا صحیح مفہوم بھی نکھر کر سامنے آجاتا ہے وہ یہ کہ آپ کی نبوت کا زمانہ اتنا وسیع ہے کہ آدم علیہ السلام کی نبوت سے پہلے شروع ہوتا ہے، ارشاد ہے، کُنتُ نبیاً وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ، محشر میں شفاعت کبریٰ کے لیے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدم کا آپ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء کی امامت کرنا، حضور کی اسی سیادتِ عامہ اور امامتِ عظمیٰ کے آثار میں سے ہے۔

آیت :۸۵: اصطلاح میں اسلام خاص اس دین کی اطاعت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے کیوں کہ اصول دین ساری شریعتوں میں ایک ہی ہیں، اس جگہ خواہ اسلام کا مفہوم عام مراد لیں یا مخصوص امت محمدیہ کا دین مراد لیں، نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے کہ خاتم الانبیاء علیہ السلام کی بعثت کے بعد صرف وہی دین اسلام کہلائے گا جو آپ کے ذریعہ دنیا کو پہنچا ہے وہی تمام انسانوں کے لیے مدارِ نجات ہے، آیت مذکورہ میں اسی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا، اس مضمون کی تفصیل ماسبق میں آیت (۱۹) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کے تحت گذر چکی ہے۔

آیت :۸۶: کَیْفَ یَهْدِی اللّٰہُ الخ اس آیت سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ارتداد کے بعد ہدایت نصیب نہیں ہوتی حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں جو ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس کی مثال ہمارے محاورات میں ایسی ہے جیسے کسی بدمعاش کو کوئی حاکم اپنے ہاتھ سے سزا دے، اور وہ کہے کہ مجھ کو حاکم نے اپنے ہاتھ سے خصوصیت عنایت فرمائی ہے، اس کے جواب میں کہا جائے کہ ایسے بدمعاش کو ہم خصوصیت کیوں دینے لگے، یعنی یہ امر خصوصیت ہی نہیں، اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایسا شخص کسی طرح قابل خصوصیت نہیں ہوسکتا اگرچہ شائستہ بن جائے۔ (بیان القرآن)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۞ كُلُّ الطَّعَامِ
كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا
بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۞ فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ۞ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۞ اِنَّ اَوَّلَ
بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۞ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۬ۚ وَمَنْ

www.toobaaelibrary.com

دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ
عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ڰ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَاۗءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ
اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ
بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر اس سے پہلی آیت میں کفار ومنکرین کے صدقات وخیرات کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر مقبول ہونا بیان کیا گیا تھا اس آیت میں مؤمنین کو صدقۂ مقبولہ اور اس کے آداب بتلائے گئے ہیں، اس آیت کے الفاظ میں سب سے پہلے لفظ بِر کے معنی اور اس کی حقیقت کو سمجھئے، تا کہ آیت کا پورا مفہوم صحیح طور پر ذہن نشین ہو سکے۔

لفظ بِر کی تشریح لفظ بِر کے لغوی اور حقیقی معنی ہیں کسی شخص کے حق کی پوری ادائیگی اور اس سے کامل سبکدوشی اور احسان اور حسن سلوک کے معنی میں بھی آتا ہے، بَرّ با لفتح اور بار اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے ذمہ عائد ہونے والے حقوق کو پوری طرح ادا کر دے، قرآن کریم میں بَرًّا بِوَالِدَتِي اور بَرًّا بِوَالِدَيْهِ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، ان حضرات کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اپنے والدین کے حقوق کو مکمل طور پر ادا کرنے والے تھے۔

اسی لفظ بَرّ با لفتح کی جمع ابرار ہے، جو قرآن کریم میں بکثرت استعمال ہوئی ہے، ارشاد ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا، اور دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَائِكِ يَنْظُرُوْنَ، اور ایک جگہ ارشاد ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ، اس آخری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "بِر" کا مقابل اور ضد "فجور" ہے۔

امام بخاری کے ادب المفرد میں اور ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ سچ بولنے کو لازم پکڑو، کیونکہ "صدق" "بِر" کا ساتھی ہے، اور وہ دونوں جنت میں ہیں، اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ وہ فجور کا ساتھی ہے۔ اور یہ دونوں دوزخ میں ہیں۔

اور سورۂ بقرہ کی آیت میں مذکور ہے کہ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ

www.toobaaelibrary.com

وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، اس آیت میں نیک اعمال کی ایک فہرست دے کر ان سب کو "بِرّ" فرمایا گیا ہے، مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ اعمال بر میں افضل ترین بِرّ یہ ہے کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے، آیت مذکورہ میں ارشاد ہے کہ تم ہرگز "بِرّ" کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پیاری چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو، تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کی مکمل ادائیگی اور اس سے پوری سبکدوشی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اپنی محبوب اور پیاری چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کریں، اپنی مکمل ادائے گی کو خیر کامل یا نیکی میں کمال یا ثواب عظیم سے ترجمہ کیا گیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ ابرار کی صف میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں قربان کی جائیں۔

(اے مسلمانوں) تم خیر کامل (یعنی اعظم ثواب) کو کبھی حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی (بہت) پیاری چیز کو (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو گے اور (یوں) جو کچھ بھی خرچ کرو گے (گو غیر محبوب چیز ہو) اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں (مطلق ثواب اس پر بھی دیدیں گے، لیکن کمال ثواب حاصل کرنے کا وہی طریقہ ہے، جن کھانے کی چیزوں میں گفتگو ہے یہ) سب کھانے کی چیزیں (حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ہرگز حرام نہیں چلی آرہی ہیں بلکہ یہ چیزیں) نزول توراۃ کے قبل باستثناء اس کے (یعنی گوشت شتر کے) جس کو (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) نے (ایک خاص وجہ سے) اپنے نفس پر حرام کرلیا تھا (اور پھر وہ ان کی اولاد میں بھی حرام چلا آیا باقی سب چیزیں خود) بنی اسرائیل (تک) پر (بھی) حلال تھیں (تو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ان کی تحریم کا دعویٰ کب صحیح ہوسکتا ہے، اور نزول توراۃ کے قبل اس واسطے فرمایا کہ نزول توراۃ کے بعد ان مذکورہ حلال چیزوں میں سے بھی بہت سی چیزیں حرام ہوگئی تھیں، جس کی کچھ تفصیل سورۂ انعام کی آس آیت میں ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ اِلٰى اٰخِرِهَا، اور اگر اب بھی یہود کو تحریم کی قدامت مذکورہ کا دعویٰ ہے تو اے محمدؐ ان سے) فرما دیجئے کہ (اچھا تو) پھر توراۃ لاؤ پھر اس کو (لاکر) پڑھو اگر تم (دعویٰ مذکور میں) سچے ہو (تو اس میں کوئی آیت وغیرہ اس مضمون کی نکال دو، کیونکہ امور منقولہ میں نص کی ضرورت ہے، اور دوسری نصوص یقیناً منفی ہیں، صرف توراۃ باقی ہے، سو اس میں دکھلا دو، چنانچہ اس میں نہ دکھلا سکے تو کذب ان کا اس دعوے میں ثابت ہوگیا، آگے اس پر مرتب کر کے فرماتے ہیں) سو جو شخص اس (ظہور کذب بالدلیل) کے بعد (بھی) اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بات کی تہمت لگائے (جاوے

www.toobaaelibrary.com

کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے گوشت شتر وغیرہ کو حرام فرمایا ہے) تو ایسے لوگ بڑے بے انصاف ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہہ دیا سو (اب) تم (کو چاہئے کہ بعد ثبوت حقیقت قرآن کے) ملت ابراہیم (یعنی اسلام) کا اتباع (اختیار) کرو جس میں ذرا بھی نہیں اور وہ (ابراہیم علیہ السلام) مشرک نہ تھے۔ یقیناً وہ مکان جو سب (مکانات عبادت) سے پہلے لوگوں (کی عبادت گاہ بننے) کیواسطے (منجانب اللہ) مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ (شہر) مکہ میں ہے (یعنی خانہ کعبہ) جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے (کیونکہ اس میں دینی نفع یعنی ثواب ہے) اور (عبادت خاص مثلاً نماز کا رخ بتلانے میں) جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے (مطلب یہ ہے کہ حج وہاں ہوتا ہے اور مثلاً نماز کا ثواب بروئے تصریح حدیث وہاں بہت زیادہ ہوتا ہے، دینی برکت تو یہ ہوئی، اور جو وہاں نہیں ہیں ان کو اس مکان کے ذریعے سے نماز کا رخ معلوم ہوتا ہے یہ رہنمائی ہوئی) اس میں (کچھ تشریعی کچھ تکوینی) کھلی نشانیاں (اس کی افضلیت کی موجود) ہیں (چنانچہ تشریعی نشانیوں میں اس کا مبارک اور ہدی تفسیر مذکور ہونا بیان ہو چکا ہے اور کچھ مقام ابراہیم کے بعد مذکور ہیں یعنی اس میں داخل ہونے والے کا مستحق امن ہو جانا اور اس کا حج بشرائط فرض ہونا جو کہ مطلق مشروعیت مذکورہ سابق پر زائد مفہوم ہے، یہ چار نشانیاں تو تشریعی اس جگہ مذکور ہیں، اب درمیان میں تکوینی کا ذکر فرماتے ہیں کہ) منجملہ ان (نشانیوں) کے ایک مقام ابراہیم (نشانی) ہے، اور (ایک تشریعی نشانی یہ ہے کہ) جو شخص اس (کے حدود متعلقہ) میں داخل ہو جاوے وہ (شرعاً) امن والا ہو جاتا ہے اور (ایک تشریعی نشانی یہ ہے کہ) اللہ کے (خوش کرنے کے) واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا (فرض) ہے (مگر سب کے ذمہ نہیں بلکہ خاص خاص کے) یعنی اس شخص کے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک (پہنچنے) کے سبیل کی اور جو شخص (احکام خداوندی کا) منکر ہو تو (خدا تعالیٰ کا کیا ضرر کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں (کسی کے ماننے پر ان کا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا بلکہ خود اس منکر ہی کا ضرر ہے۔ اے محمدؐ) آپ (ان اہل کتاب سے) فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم (بعد ظہور حجت حقانیت اسلام کے) کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے احکام کا (اصول و فروع اس میں سب آ گئے) حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں (تم کو اس سے بھی ڈر نہیں لگتا، اور اے محمدؐ ان سے یہ بھی) فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب کیوں (ہٹانے کی کوشش کرتے) ہو اللہ کی راہ (یعنی اس کے دین حق) سے ایسے شخص کو جو (اس دین حق کے ہونے پر) ایمان لا چکا اس طور پر کہ کجی (کی باتیں) ڈھونڈتے

www.toobaaelibrary.com

ہو اس راہ کے (اندر پیدا کرنے کے) لیے (جیسا کہ قصہ مذکورہ میں کوشش کی تھی کہ اس کارروائی سے ان کے دین کے اندر بوجہ نااتفاقی کہ گناہ بھی ہے اور اجتماعی قوت کی بربادی بھی، اور یہ کہ ان بکھیڑوں میں پڑ کر دین حق سے بعد ہو جاوے گا) حالانکہ تم خود بھی (اس حرکت کے قبیح ہونے کی) اطلاع رکھتے ہو، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں (وقت معین پر اس کی سزا دیں گے) اے ایمان والو!! اگر تم کہنا مانو گے کسی فرقہ کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے (یعنی اہل کتاب میں سے) تو وہ لوگ تمہارے ایمان لائے پیچھے (اعتقاداً یا عملاً) کافر بنا دیں گے اور (بھلا) تم کفر کیسے کر سکتے ہو (یعنی تمہارے لیے کب روا ہو سکتا ہے) حالانکہ (اسباب مانع کفر کے پورے جمع ہیں کیونکہ) تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام (قرآن میں) پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور (پھر) اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں (اور دونوں قوی ذرائع ہیں ایمان پر قائم رہنے کے پس تم کو چاہئے کہ ان دونوں ذریعوں کی تعلیم تلقین کے موافق ایمان پر اور ایمان کی باتوں پر قائم رہو) اور (یاد رکھو کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے (یعنی ایمان پر پورا قائم رہتا ہے، کیونکہ اللہ کو مضبوط پکڑنا یہی ہے کہ اس کی ذات وصفات کی تصدیق کرے، اس کے احکام کو مضبوط پکڑے، کسی دوسرے مخالف کی موافقت نہ کرے) تو (ایسا شخص) ضرور راہ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے (یعنی وہ راہ راست پر ہوتا ہے، اور راہ راست پر ہونا اصل ہے ہر صلاح وفلاح کی، پس اس میں ایسے شخص کے لیے ہر صلاح وفلاح کی بشارت ووعدہ ہے)۔

ربط: اس سے پہلے کفار ومشرکین کے صدقات وخیرات کا عند اللہ غیر مقبول ہونا مذکور تھا، اس آیت میں مؤمنین کو صدقۂ مقبولہ اور اس کے آداب بتلائے گئے ہیں۔ اوّل تقویٰ، دوسرے باہمی اتفاق واتحاد اور تفرق واختلاف سے بچنا۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت مذکورہ اور صحابہ کا جذبۂ عمل

صحابہ کرامؓ احکام قرآنی کے اولین مخاطب، پیغمبر علیہ السلام کے بلا واسطہ شاگرد اور احکام قرآنی کی تعمیل کے عاشق تھے اس آیت کے نزول میں ہر ایک نے اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی، اور خدمت اقدس میں انہیں خرچ کرنے کی درخواستیں کرنے لگے، انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار حضرت ابو طلحہؓ تھے۔ مسجد نبوی کے بالکل مقابل ان کا ایک بڑا قیمتی زرخیز باغ تھا کہ باغ بیر حاانہیں اپنی جائداد

www.toobaaelibrary.com

میں سب سے زیادہ محبوب تھا، خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپؐ نے ارشاد فرمایا واہ تو عظیم الشان منافع کا باغ ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو آپ اپنے اقربا میں تقسیم کر دیں، انہوں نے اس مشورہ کو قبول کر کے اسے اپنے اقربا اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقات اپنے اہل و عیال اور عزیز رشتہ داروں کو دینا بھی بڑی خیرات اور موجب ثواب ہے، حضرت زید بن حارثہؓ اپنا ایک قیمتی اور محبوب گھوڑا لے کر حاضر خدمت ہوئے، آپ نے اسے قبول فرمالیا اور ان سے لے کر انہیں کے صاحبزادے اُسامہ کو دیدیا، اس پر وہ کچھ دلگیر ہوئے کہ میرا صدقہ تو میرے ہی گھر میں واپس آ گیا، آپؐ نے تسلی کے لیے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول فرمالیا ہے (مظہری بحوالہ ابن جریر طبری وغیرہ)

حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس ایک کنیز سب سے زیادہ محبوب تھی آپ نے لوجہ اللہ اسے آزاد کر دیا، اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی ایک محبوب کنیز کو آزاد کیا۔

مسائل: اول یہ کہ بعض مفسرین نے اس سے صدقات واجبہ زکوٰۃ وغیرہ اور بعض نے نافلہ مراد لیا ہے لیکن جمہور محققین نے اس کے مفہوم کو واجبہ اور نافلہ دونوں میں عام قرار دیا ہے، اور مذکورہ واقعات صحابہ بھی اسی پر شاہد ہیں۔

صدقہ کو تاوان کی طرح سر سے ٹالنے کے لیے فالتو، بیکار اور خراب چیزوں کا انتخاب نہ کرنا چاہئے، سورۂ بقرہ آیت: ۲۶۷، میں اسے اور زیادہ واضح بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خراب چیزوں کا انتخاب کر کے صدقہ کرنا مقبول نہیں، بلکہ صدقہ مقبولہ تو پیاری چیزوں میں سے خرچ کرنے پر حاصل ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ صدقہ میں اعتدال سے کام لے، یعنی تمام ہی محبوب اور پیاری اشیاء خرچ کر دینا مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو کچھ خرچ کریں اچھی ہی خرچ کریں، آیت کے لفظ مِمَّا سے اشارہ ملتا ہے۔ سوم: محبوب چیز سے صرف وہی نہیں ہے جو بہت بڑی قیمت کی ہو بلکہ جو چیز کسی کے نزدیک عزیز اور محبوب ہو خواہ وہ قلیل اور کم قیمت ہی کیوں نہ ہو خواہ کھجور کا ایک دانہ ہی ہو اس سے بھی انسان اس بِرّ اور ثواب عظیم کا مستحق ہو جاتا ہے جس کا وعدہ ہے، اخلاص شرط ہے، چہارم یہ خیر عظیم فقراء اور مساکین کسی دوسرے ذریعے مثلاً عبادت، ذکر اللہ تلاوت قرآن، کثرت نوافل سے بھی حاصل کر سکتے ہیں، مالدار ہونا ہی ضروری نہیں ہے جیسا کہ بعض روایات حدیث میں صراحۃً بھی یہ مضمون آیا

www.toobaaelibrary.com

ہے۔ پنجم مال کے محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اس کے کام آرہی ہو، اس کی اسے حاجت ہو، فالتو اور بیکار نہ ہو، ارشادِ الٰہی ہے: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا (سورۂ دہر آیت ۸) دوسری آیت وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورہ حشر آیت ۹) ششم فالتو سامان اور حاجت سے زائد چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی ثواب سے خالی نہیں، آیت میں ارشاد ہے وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ مطلب یہ ہے کہ مطلق ثواب سے کوئی صدقہ خالی نہیں، البتہ یہ مکروہ اور ممنوع ہے کہ کوئی یہی طریقہ ہی اختیار کرے کہ جب خرچ کرے فالتو اور خراب چیز ہی کا انتخاب کرے۔ آخر میں یہ بتلایا گیا کہ آدمی جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کی حقیقت اللہ پر روشن ہے کہ وہ محبوب شے ہے یا نہیں، اور یہ کہ وہ اخلاص سے خرچ کر رہا ہے یا ریا و شہرت کے لیے۔

آیت ۹۳: اوپر کی آیات میں اہلِ کتاب سے بحث کا سلسلہ ہے، ایک بحث کا بیان اس آیت میں ہے، روح المعانی میں ہے کہ جب پیغمبر ﷺ نے اپنا ملت ابراہیمی پر ہونا اصولاً اور اکثر فروعاً بیان فرمایا تو یہود نے اعتراضاً کہا کہ آپ اونٹ کا گوشت اور دودھ کھاتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھا اور سب تحریمات حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کے وقت سے ہیں حتیٰ کہ ہم تک پہنچی ہیں، پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ نہیں ان پر یہ حلال تھا، بحث کے دوران یہ آیت كُلُّ الطَّعَامِ الخ نازل ہوئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا مرض تھا، آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس سے شفا دیں تو سب سے زیادہ محبوب کھانا چھوڑ دوں گا، انہیں شفا ہوگئی، آپ کو سب سے زیادہ محبوب اونٹ کا گوشت تھا اس کو ترک فرمادیا پھر یہی تحریم جو نذر سے ہوئی تھی بنی اسرائیل میں بحکم وحی باقی رہ گئی، معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شریعت میں نذر سے تحریم بھی ہوجاتی تھی جس طرح ہماری شریعت میں مباح کا ایجاب ہوجاتا ہے۔

آیت ۹۶: اس آیت میں ساری دنیا کے مکانات اور مساجد کے مقابلہ میں بیت اللہ یعنی کعبہ کی افضلیت کا بیان ہے، متعدد وجوہ سے اول اس لیے کہ وہ دنیا کی تمام عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے دوسرے یہ کہ وہ برکت والا ہے، تیسرے یہ کہ وہ پورے جہان کے لیے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہے سب سے پہلا گھر کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلا عبادت خانہ کعبہ ہے، یعنی دنیا میں پہلا گھر عبادت ہی کے لیے بنایا گیا ہو اس سے پہلے نہ کوئی عبادت خانہ ہوا اور نہ کوئی دولت خانہ حضرت ابن عمرؓ، مجاہد، قتادہ سدی وغیرہ صحابہ و تابعین اسی کے قائل ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے رہنے کے لیے

www.toobaaelibrary.com

مکانات پہلے بھی بن چکے ہوں مگر عبادت کے لیے یہ پہلا گھر بنا ہو، حضرت علیؓ سے یہی منقول ہے۔

تاریخ و تعمیر کعبہ پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے ذریعہ ان کو یہ حکم بھیجا کہ وہ بیت اللہ (کعبہ) بنائیں انہوں نے تعلیل حکم کر لی تو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ اول الناس ہیں اور یہ گھر اول بیت وُضع للناس ہے بعض روایات میں ہے کہ یہ تعمیر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک باقی تھی، طوفان نوح میں منہدم ہوئی، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا، پھر ایک بار کسی حادثہ میں منہدم ہوئی تو قبیلۂ جرہم کی ایک جماعت نے اس کی تعمیر کی، پھر منہدم ہوئی تو عمالقہ نے تعمیر کی پھر منہدم ہوئی تو قریش نے پیغمبر علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ میں تعمیر کی، جس میں آپؐ نے حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے قائم فرمایا، لیکن یہ تعمیر بناء ابراہیمی سے کسی قدر مختلف تھی کہ ایک حصہ بیت اللہ کا الگ کر دیا جسے حطیم کہا جاتا ہے اور بناء ابراہیمی میں دو دروازے تھے، ایک داخلہ کا دوسرا پشت کی جانب باہر نکلنے کا، قریش نے صرف مشرقی دروازے کو باقی رکھا، نیز اس دروازے کو سطح زمین سے کافی بلند کر دیا تا کہ ہر شخص بلا اجازت باسانی اندر نہ جا سکے، پیغمبر علیہ السلام نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اس کو بالکل بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دوں، لیکن نو مسلم ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی کے اندیشے سے سردست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں، اس ارشاد کے بعد اس دنیا میں آپؐ حیات زیادہ نہیں رہی، لیکن حضرت بن زبیرؓ اس ارشاد کو سنے ہوئے تھے، مکہ میں اپنے دورِ حکومت میں انھوں نے بیت اللہ کو ارشاد نبویؐ اور بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دیا، مگر آپ کی حکومت مکہ میں چند روزہ تھی، ظالم الامۃ حجاج بن یوسف نے مکہ پر فوج کشی کر کے ان کو شہید کر دیا، اور حکومت پر قبضہ کر کے گوارہ نہ کیا کہ ان کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک ان کی مدح و ثنا کا ذریعہ بنا رہے یہ مشہور کیا کہ ابن زبیرؓ کا یہ فعل غلط تھا، پیغمبر علیہ السلام نے اسے جس حالت پر چھوڑا تھا ہمیں اسی حالت پر اس کو رکھنا چاہئے، اس بہانے سے بیت اللہ کو پھر منہدم کر کے قریش کی تعمیر کے مطابق بنا دی، حجاج بن یوسف کے بعد آنے والے بادشاہوں نے حدیث مذکور کے مطابق پھر بنانے کا ارادہ کیا لیکن اس وقت کے امام حضرت امام مالکؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ آگے آنے والے بادشاہوں کے لیے یہ بار بار کا انہدام بیت اللہ کو ایک کھلونا بنا دے گا اس لیے اب اسے اسی حالت میں چھوڑ دینا مناسب ہے، تمام امت نے اس کو قبول کیا، اس لیے آج تک وہی حجاج بن

www.toobaaelibrary.com

یوسف ہی کی تعمیر باقی ہے البتہ شکست وریخت اور مرمت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے بامر الٰہی کعبہ کی ابتدائی تعمیر نہیں کی بلکہ سابق بنیادوں پر اسی کے مطابق جدید تعمیر کی، بقرہ کی آیت کے لفظ اَلْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے، اور سورہ حج کی آیت (۲۶) سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔

صحیحین کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کعبۃ اللہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد ہے، اس کے بعد بیت المقدس اور ان دونوں کی تعمیر کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے، اس روایت میں بیت اللہ کی بناء جدید ابراہیمی مراد ہے۔

اور ہمیشہ سے اس گھر کی تعظیم وتکریم ہوتی چلی آئی ہے، اور یہ تعظیم کسی خاص جماعت اور قوم کا حصہ نہیں ہے بلکہ عامہ خلائق سب ہی اس کی تعظیم کریں گے وُضِعَ لِلنَّاسِ میں اس کی طرف اشارہ ہے، لفظ بکۃ سے مراد مکہ ہے اس کی نظیریں عرب میں بکثرت ملیں گی کہ میم کو با سے بدل دیا کرتے ہیں یا یہ کہ مکہ کا دوسرا نام بکہ بھی ہے۔

بیت اللہ کی برکات

بیت اللہ کی تاریخ وتعمیر اور اس کی برکات سے متعلق کچھ مضامین سورۂ بقرہ کی آیت (۱۲۵و۱۲۶) کے تحت گزر چکے ہیں، کچھ کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے، آیت مذکورہ میں بیت اللہ کی دوسری فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مبارک ہے، جس کے معنی ہیں بڑھنا، ثابت رہنا۔ ظاہری طور پر مقدار میں بڑھنا، اس نفی میں تو برکت مشاہد ہے کہ مکہ اور اس کے اردگرد وادی غیر ذی زرع ہونے کے باوجود اس میں ہمیشہ ہر موسم میں ہر طرح کے پھل اور ترکاریاں اور تمام ضروریات کی چیزیں اس طرح مہیا رہتی ہیں کہ نہ صرف اہل مکہ کے لیے بلکہ اطراف عالم سے آنے والوں کے لیے بھی کافی ہوجاتی ہیں، آنیوالوں کا حال دنیا کو معلوم ہے کہ خاص موسم حج میں تو لاکھوں انسان جمع ہو جاتے ہیں، اور یہ ہجوم مہینوں رہتا ہے، کہیں نہیں سنا گیا کہ بازار میں ضرورت کی چیزیں کسی وقت بھی ختم ہوگئیں، حتیٰ کہ قربانی کے بکرے جو وہاں پہنچ کر ایک ایک انسان سو، سو بھی کرتا ہے اور اوسطاً فی کس ایک کا تو یقینی ہے، یہ لاکھوں بکرے ہمیشہ وہاں ملتے ہیں، اور انہیں کہیں باہر سے منگانے کا اہتمام بھی نہیں کیا جاتا، یہ تو حال ہے ظاہری برکات کا، اور باطنی اور معنوی برکات تو شمار سے باہر ہیں، بعض اہم عبادات تو بیت اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً حج وعمرہ، اور بعض دوسری عبادات کا بھی مسجد حرام میں ثواب بدرجہا بڑھ جاتا ہے، مثلاً نماز کہ مسجد حرام کا اس کا ثواب

www.toobaaelibrary.com

ایک لاکھ نمازوں کا ہے (ابن ماجہ طحاوی) بیت اللہ کی انہی روحانی اور معنوی برکات کو آیت کے آخر میں ہدیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آیت: ۹۷: بیت اللہ کی تین خصوصیات اس آیت میں کعبہ کی تین خصوصیات اور فضائل کا ذکر ہے ایک یہ کہ اس میں اللہ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں، منجملہ ان کے مقام ابراہیم ہے، دوسرے یہ کہ اس میں داخل ہونے والا مامون ومحفوظ ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں سورہ بقرہ آیت (۱۲۵) کے لفظ مَثَابَةً کے تحت مضمون مختصراً گذر چکا ہے، تیسرے یہ کہ ساری دنیا کے مسلمانوں پر بشرط استطاعت اس کا حج فرض ہے۔

ایک عجیب نشانی ایک عجیب نشانی یہ ہے کہ جمرات پر ہر حاجی سات سات کنکریاں روزانہ تین روز تک پھینکتا ہے، ور ہر سال لاکھوں حجاج جمع ہوتے ہیں، اگر یہ ساری کنکریاں وہاں جمع ہو کر باقی رہیں تو ایک ہی سال میں وہ جمرات کنکریوں کے ڈھیر میں دب جائیں اور چند سال میں تو وہاں ایک پہاڑ بن جائے حالانکہ یہ مشاہدہ ہے کہ حج کے تینوں دن گذرنے کے بعد وہاں کچھ کنکریاں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں جن کی وجہ پیغمبر علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی کہ یہ کنکریاں فرشتے اٹھا لیتے ہیں، صرف ایسے لوگوں کی کنکریاں باقی رہ جاتی ہیں جن کا حج کسی وجہ سے قبول نہیں ہوا۔

اسی وجہ سے علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ حضورؐ کے بعض معجزات وفات کے بعد بھی موجود وقائم ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گے اور ہر شخص ان کا مشاہدہ کر سکے گا، ایک تو قرآن کا بے نظیر ہونا ہے، کہ ہر زمانہ کا مسلمان پوری دنیا کو فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ کا چیلنج کر سکتا ہے، اسی طرح جمرات پر پھینکی ہوئی کنکریاں ہیں کہ حضور کے ارشاد کے مطابق فرشتے نامعلوم طور پر اٹھا لیتے ہیں یہ پیغمبر علیہ السلام کا دائمی معجزہ اور بیت اللہ سے متعلق اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نشانی ہے۔

دوسری بڑی نشانی ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی مقام ابراہیم ہے اسی لیے اسے مستقلاً بیان فرمایا، یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے، بعض روایات میں ہے کہ یہ پتھر تعمیر کی بلندی اور پستی کے ساتھ خود بخود بلند اور پست ہو جاتا تھا، اور قدم مبارک کا گہرا نشان اس پر آج تک موجود ہے، یہ تاثیر کہ موم کی طرح زم ہو کر قدمین کا مکمل نقش اپنے اندر لے لے، اس پتھر کا یہ ادراک اور تاثر آیات قدرت ہیں، یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا، مگر حکم قرآنی وَاتَّخِذُوا وارِد کے بعد طواف کرنے والوں کی

www.toobaaelibrary.com

مصلحت سے اسے اٹھا کر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلہ پر مطاف سے باہر بئیر زمزم کے قریب رکھ دیا گیا، اس سے متعلق مسائل بقرہ آیت (۱۲۵) کے تحت نوٹس ملاحظہ کریں۔

دوسری خصوصیت آیت مذکورہ میں بیت اللہ کی دوسری خصوصیت داخل بیت اللہ کا مامون ہونا ہے۔

سورۂ بقرہ آیت: ۱۲۸: کے ذیل میں مختصر تحریر گزر چکی ہے، وہاں پھر دیکھ لیں، رہا یہ معاملہ کہ پیغمبر علیہ السلام کے بعد حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے خلاف مکہ میں فوج کشی کی اور قتل وغارت گری مچائی تو یہ اس کے خلاف اس لیے نہیں کہ باجماع امت اس کا یہ فعل حرام تھا سب نے اس پر نفرت کا اظہار کیا، اور تکوینی طور پر بھی منافی اس لیے نہیں کہ حجاج خود بھی اپنے اس عمل کے حلال ہونے کا معتقد نہ تھا، اسے سنگین جرم سمجھتا تھا لیکن اس کے سیاسی مصالح نے اسے اندھا کر دیا تھا۔

تیسری خصوصیت تیسری خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ بشرط قدرت واستطاعت بیت اللہ کا حج لازم واجب قرار دیا ہے، مقدرت اور استطاعت کی مزید تفصیلات حج سے متعلق رسائل میں دیکھئے۔

آیت کے آخر میں فرمایا، وَمَنْ كَفَرَ الخ جو شخص صراحۃً فریضۂ حج کا منکر ہے وہ تو اس میں داخل ہے ہی، اس کا کافر ہونا ظاہر ہے اور جو شخص عقیدۃً تو فرض سمجھتا ہے مگر استطاعت وقدرت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ بھی من وجہ منکر ہی ہے، اس پر لفظ وَمَنْ كَفَرَ کا اطلاق تہدیداً تاکید کے لیے ہے، ایسے لوگوں کے لیے اس جملہ میں سخت وعید ہے کہ وہ اپنے اس عمل سے کافروں جیسے ہو گئے، العیاذ باللہ!!

آیت: ۹۸-تا-۱۰۱: **ربط**: اوپر سے اہل کتاب کے عقائدِ فاسدہ اور ان کے شبہات پر کلام کا سلسلہ تھا، درمیان میں بیت اللہ اور حج کا تذکرہ آیا آگے پھر اہل کتاب ہی سے خطاب ہے جس کا تعلق ایک خاص واقعہ سے ہے۔

شانِ نزول: ایک یہودی شاس بن قیس مسلمانوں سے بہت کینہ رکھتا تھا، انصار کے قبیلے اوس وخزرج کو ایک جگہ مجتمع دیکھ کر حسد سے بے چین ہو گیا ان میں تفریق ڈالنے کی فکر میں لگا، ایک شخص سے کہا کہ ان میں جو قبل از اسلام ایک بڑی طویل جنگ رہ چکی ہے اس کے متعلق فریقین کے فخریہ اشعار ان کی مجلس میں پڑھ دیئے جائیں چنانچہ ان کا پڑھنا تھا کہ ایک آگ سی بھڑک اٹھی، حتیٰ کہ لڑائی کا وقت اور جگہ کا تقرر ہو گیا، پیغمبر علیہ السلام خبر پا کر تشریف لائے، فرمایا: کیا اندھیر ہے، میرے ہوتے

www.toobaaelibrary.com

ہوئے مسلمان ہوکر باہم متفق و مانوس ہونے کے بعد یہ کیا جہالت ہے کیا تم کفر کی طرف عود کرنا چاہتے ہو، اس پر سب متنبہ ہوئے اور سمجھا کہ یہ شیطانی حرکت تھی باہم گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی، اس واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا
تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ
عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ
اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَبْيَضُّ
وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ تِلْكَ
اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے (ایسا) ڈرا کرو (جیسا) ڈرنے کا حق ہے (کامل ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شرک وکفر سے بچے ہو، اسی طرح تمام گناہوں سے بھی بچا کرو اور بلا وجہ شرعی لڑنا معصیت ہے تو اس سے بھی بچنا فرض ہے) اور بجز اسلام (کامل) کے (جس کا حاصل وہی ہے جو کامل ڈرنے کا حق تھا) اور کسی حالت پر جان نہ دینا (یعنی اس کامل تقویٰ اور کامل اسلام پر تا دم مرگ قائم رہنا) اور مضبوط پکڑے رہو، اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو (یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو جس میں اصول وفروع سب آگئے) اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو (جس کی اسی دین میں تعلیم بھی ہے) اور باہم نا اتفاقی مت کرو (جس کی اسی دین میں ممانعت بھی ہے) اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام (ہوا) ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم (باہم) دشمن تھے (یعنی قبل اسلام کے چنانچہ اوس وخزرج کے دو قبیلوں میں طویل مدت سے جنگ چلی آتی تھی، اور عام طور پر اکثر عرب کے لوگوں کی یہی حالت تھی) پس اللہ تعالیٰ نے (اب) تمہارے قلوب میں (ایک دوسرے کی) الفت ڈال دی، سو تم خدا تعالیٰ کے (اس) انعام (تالیف قلوب) سے (اب) آپس میں بھائی بھائی (کی طرح) ہوگئے اور (ایک انعام جو انعام مذکورہ کی بھی اصل ہے یہ فرمایا کہ) تم لوگ (بالکل) دوزخ کے

www.toobaaelibrary.com

گڑھے کے کنارے (ہی) پر کھڑے تھے (یعنی بوجہ کافر ہونے کے دوزخ سے اتنی قریب تھے کہ بس دوزخ میں جانے کے لیے صرف مرنے کی دیر تھی) سو اگر (گڑھے) سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی (یعنی اسلام نصیب کیا جس نے جہنم سے نجات دلائی، تو اب تم ان انعاموں کی قدر پہچانو اور آپس میں جدال وقتال سے جو کہ معصیت ہے اللہ کی ان نعمتوں کو زائل نہ کرو، کیونکہ باہمی جنگ وجدال سے پہلا انعام یعنی سب کے قلوب کا باہم مربوط اور مانوس ہونا تو خود ہی زائل ہو جائے گا، اور دوسرا انعام یعنی دین اسلام بھی اس سے مختل اور کمزور ہو جائے گا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ احکام واضح طور پر بیان فرمائے ہیں) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے (اور) احکام (بھی) بیان کر کے بتلاتے ہیں تا کہ تم لوگ راہ (راست) پر قائم رہو۔ اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ (اور لوگوں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور بُرے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ (آخرت میں ثواب سے) پورے کامیاب ہوں گے، اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے (دین میں) باہم تفریق کر لی، اور (نفسانیت سے) باہم اختلاف کر لیا، ان کے پاس واضح احکام پہنچنے کے بعد اور ان لوگوں کے لیے سزائے عظیم ہوگی (یعنی قیامت کے روز) اس روز (یعنی قیامت کے روز) کہ بعضے چہرے سفید (وروشن) ہو جاویں گے، اور بعضے چہرے سیاہ (اور تاریک) ہوں گے، سو جن کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم (ہی) لوگ کافر ہوئے تھے، اپنے ایمان لانے کے بعد تو (اب) سزا چکھو بسبب اپنے کفر کے اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت (یعنی جنت) میں (داخل) ہوں گے، (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ (جو اوپر مذکور ہوئیں) اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تو کو پڑھ کر سناتے ہیں (اس سے تو مضمون بالا کا صحیح ہونا معلوم ہوا) اور اللہ تعالیٰ مخلوقات پر ظلم کرنا نہیں چاہتے (پس جو کچھ کسی کے لیے جزا و سزا تجویز کی ہے، وہ بالکل مناسب ہے اس سے تجویز مذکور کا مناسب ہونا معلوم ہوا) اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے (پس جب سب ان کی ملک ہے تو ان سب کے ذمہ اطاعت واجب تھی، ان سے ان کا مملوک ہونا اور وجوب اطاعت ثابت ہوا) اور اللہ ہی کی طرف سب مقدمات رجوع کئے جاویں گے (کوئی دوسرا صاحب اختیار نہ ہوگا)۔

تلخیص معارف ومسائل

ربط آیات: سابقہ آیات میں مسلمانوں کو اس پر تنبیہ کی گئی تھی کہ اہل کتاب وغیرہ جو تمہیں گمراہی میں

www.toobaaelibrary.com

مبتلا کرنا چاہتے ہیں ان سے باخبر رہ کر بچنے کا اہتمام کریں، مذکورہ دو آیتوں (۱۰۲، ۱۰۳) میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو مضبوط اور ناقابل تسخیر بنانے کے دو اہم اصول بتلائے گئے ہیں، اول تقویٰ دوسرے باہمی اتفاق و اتحاد اور تفرق و اختلاف سے بچنا۔

تقویٰ: تقویٰ کا لفظ عربی میں بچنے کے معنی میں آتا ہے، ڈرنا بھی ترجمہ کیا جاتا ہے کیونکہ جن چیزوں سے بچنے کا حکم ہو وہ ڈرنے ہی کی چیزیں ہوتی ہیں، تقویٰ کے تین درجات ہیں، ادنیٰ درجہ کفر و شرک سے بچنا ہے اس لحاظ سے ہر مسلمان خواہ گناہوں میں مبتلا ہو متقی کہا جا سکتا ہے، قرآن میں اس معنی کے لیے بھی کئی جگہ متقین اور تقویٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے دوسرا درجہ اس چیز سے بچنا جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہیں، یہی درجہ اصل میں مطلوب ہے، تقویٰ کے فضائل و برکات اسی درجہ پر موعود ہیں، تیسرا درجہ وہ اعلیٰ مقام ہے جو انبیاء علیہم السلام اور انکے نائبین خاص اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے، یعنی قلب کو ہر غیر اللہ سے بچانا اور اللہ کی یاد اور اس کی رضا جوئی سے معمور رکھنا۔

حق تقویٰ کیا ہے؟ حق تقاتہ کی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ، قتادہ، ربیع اور حسن بصریؒ نے یہ فرمائی ہے اور مرفوعاً حضورؐ سے منقول ہے: حق تقٰتہٖ هُوان يطاع فلا يعصى ويذكر فلا ينسى ويشكر فلا يكفر (بحر محیط) یعنی حق تقویٰ یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ کی اطاعت کی جائے کوئی کام خلاف اطاعت نہ ہو اس کو ہمیشہ یاد رکھیں کبھی نہ بھولیں، اس کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔ ایک دوسری آیت اِتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ جو ہے تو حضرت ابن عباسؓ اور طاؤس نے فرمایا کہ یہ درحقیقت حق تقاتہ کی ہی تفسیر و تشریح ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے بعد کسی ناجائز میں مبتلا ہو گیا تو وہ حقوق تقویٰ کے خلاف نہیں، آگے ارشاد ہے فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اس سے معلوم ہوا کہ تقوی درحقیقت پورا اسلام ہی ہے، رہا یہ حکم تمہاری موت اسلام ہی پر آنی چاہئے تو یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ موت تو آدمی کے اختیار میں نہیں؟ اسلئے کہ حدیث میں ہے کَمَا تَحْیَوْنَ، تموتون، وكما تَمُوْتون تحشرون اور وہ روایت جس میں آتا ہے کہ ساری عمر اعمال صالحہ میں گذری آخر میں کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے سارے اعمال برباد ہو گئے سو ایسے ہی لوگوں کو پیش آ سکتا ہے جن کے اعمال میں اول و آغاز ہی میں اخلاص نہ تھا، واللہ اعلم۔

باہمی اتفاق واعتصموا بحبل اللہ جمیعا میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت کے دوسرے اصول باہمی اتفاق کو نہایت بلیغ اور حکیمانہ انداز سے بیان فرمایا ہے، اولا وہ

www.toobaaelibrary.com

اصول اور گر بتلایا جو باہم مربوط کرنے کا نسخۂ اکسیر ہے، پھر باہم متفق ہونے کا حکم دیا، اس کے بعد افتراق واختشار باہمی سے منع فرمایا۔

اتفاق واتحاد ایسی چیز ہے جس کے محمود اور مطلوب ہونے پر دنیا کے تمام ہی انسانوں کا اتفاق ہے، لڑائی جھگڑے کو کوئی بھی مفید و بہتر نہیں جانتا اس لیے دنیا کی ساری جماعتیں اور پارٹیاں لوگوں کو متفق کرنے ہی کی دعوت دیتی ہیں، باوجود اس کے دنیا کے حالات کا تجربہ یہ بتلا رہا ہے کہ انسانیت فرقوں، گروہوں اور پارٹیوں میں بٹی ہوئی ہے، پھر ہر فرقہ کے اندر فرقے اور پارٹی کے اندر پارٹیوں کا لامحدود سلسلہ ایسا ہے کہ صحیح معنوں میں دو آدمیوں کا اتحاد و اتفاق بھی ایک افسانہ بن کر رہ گیا ہے۔

غور کرنے سے سبب یہ معلوم ہوگا کہ ہر فرقہ اور شخص دوسرے کو اپنے خود ساختہ پروگرام پر متحد و متفق کرنا چاہتا ہے اس لیے لازمی طور پر ہر دعوت اتحاد کا نتیجہ افتراق واختشار نکلتا ہے اور اختلافات کے دلدل میں پھنسی ہوئی انسانیت کے ہاتھ اس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا کہ ۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس لیے قرآن حکیم نے صرف اتحاد کا وعظ نہیں فرمایا بلکہ اس کے حاصل کرنے اور باقی رکھنے کا ایک ایسا منصفانہ اور عادلانہ اصول بھی بتلا دیا جس کے ماننے سے کسی گروہ کو اختلاف نہیں ہونا چاہئے، انسانی دماغ کے بنائے ہوئے نظام پر اتفاق کر لینا عقل وانصاف کے خلاف اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں، البتہ رب العالمین کا دیا ہوا نظام و پروگرام ضرور ایسی چیز ہے کہ اس پر سب انسانوں کو متفق ہونا ہی چاہئے، اگر اختلاف کی کوئی راہ باقی رہتی ہے تو وہ صرف اسبات کے پہچاننے میں ہو سکتی ہے کہ احکم الحاکمین رب العالمین کا بھیجا ہوا نظام کیا اور کونسا ہے، یہود و نصاریٰ اور مشرکین بھی اپنی اپنی مذہبی کتابوں اور رسوم کو خدا تعالیٰ ہی کی طرف کر کے واجب التعمیل بتاتی ہیں، لیکن اگر انسان اپنے جماعتی تعصب اور آبائی تقلید سے بلند ہو کر اپنی عقل خداداد سے کام لے تو یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ خاتم الانبیاء ﷺ جو خدا کا آخری پیام قرآن کی صورت میں لائے ہیں آج اس کے سوا کوئی نظام اللہ کے نزدیک مقبول نہیں، پھر یہ کہ اس آیت میں مخاطب مسلمان ہیں جن کا اس پر ایمان ہے کہ ان کے لیے تو صرف یہی لائحہ عمل ہے اگر مسلمانوں کی مختلف پارٹیاں نظام قرآنی پر متفق ہو جائیں تو سارے ہی اختلافات یک لخت میں ختم ہو سکتے ہیں، اب اگر کوئی اختلاف رہے گا تو فہم قرآن اور تعبیر قرآن میں رہ سکتا ہے، اور اگر ایسا اختلاف حدود کے اندر رہے بھی تو نہ مذموم ہے اور نہ

www.toobaaelibrary.com

اجتماعی زندگی کے لیے مضر، یہ امر فطری بھی ہے اور اس پر قابو پانا اور حدود کے اندر رکھنا کچھ دشوار نہیں بہر حال آیت مذکورہ میں اسی افتراق کو مٹانے کا نسخۂ اکسیر بتلایا گیا ہے۔

اللہ کی رسّی سے مراد قرآن مجید ہے، حضرت ابن مسعودؓ روای ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کتاب اللہ هو حبل الله الممدود من السماء الى الارض یعنی کتاب اللہ اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔(ابن کثیر)

عربی محاورہ میں حبل سے مراد عہد بھی ہے اور مطلقاً ہر وہ شے جو ذریعہ اور وسیلہ کا کام دے، قرآن ہی وہ رشتہ ہے جو اہل ایمان کو اللہ سے ملاتا ہے اور باہم ایک جماعت بناتا ہے ایک دوسری آیت میں اور وضاحت ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا. (مریم ۹۶)

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم سے تمسک وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں مجتمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کر لیتی ہے، اور اس سے ہٹ کر اجتماعی اور انفرادی دونوں زندگیوں کی خیر نہیں۔

مرکز اتحاد کیا ہو؟ پھر یہ کہ وحدت کا خاص مرکز کیا ہو کیونکہ اس کے بارے میں اقوام عالم کی راہیں مختلف ہیں، کہیں نسلی ونسبی رشتوں کو مرکز وحدت سمجھا گیا، جیسے قبائل عرب، اور کہیں رنگ کا امتیاز اور کہیں وطنی اور لسانی وحدت کو اور کہیں آبائی رسوم ورواج کو وغیرہ وغیرہ قرآن کریم نے ان سب کو چھوڑ کر مرکز وحدت حبل اللہ قرآن کریم کے نظام محکم کو قرار دیا، اور دو ٹوک فیصلہ کر دیا کہ مومن ایک قوم ہے اور کافر دوسری قوم، هو الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ بھی مطلب ہے، جغرافیائی وحدتیں بہت ہی محدود دائرہ میں ہو سکتی ہیں اس لیے مرکز وحدت بنانے کے قابل ہرگز نہیں اور قرآنی نظام حیات کا اختیار کرنا امر اختیاری ہے کوئی بھی ہو، کہیں کا بھی کیسے ہی رنگ کا ہو ہر شخص اس معقول اور صحیح مرکز وحدت کو اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمانوں میں اتفاق کے ایجابی پہلو کی وضاحت کے بعد فرمایا، وَلَا تَفَرَّقُوْا باہم نا اتفاقی نہ کرو، یہ قرآن کا حکیمانہ انداز ہے کہ ایجابی پہلو کے ساتھ سلبی پہلو بھی واضح کرتا جاتا ہے، دوسری آیت انعام (۱۵۳ اور ۱۵۹) میں بھی اسی کی وضاحت ہے، اسی کے ساتھ امم سابقہ کے واقعات کو نقل فرمایا احادیث میں بھی افتراق اور انتشار کی بڑی مذمت آئی ہے۔

کیا ہر اختلاف مذموم ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہر اختلاف مذموم نہیں ہے، وہ اختلاف جو قرآن سے دور رہ کر اپنی خواہشات کلی کی بناء پر سوچا جائے وہ مذموم ہے قرآن پر مجتمع رہتے ہوئے پیغمبر علیہ

www.toobaaelibrary.com

السلام کی تشریح و تفصیل کو قبول کرتے ہوئے اپنی فطری استعداد اور دماغی صلاحیتوں کی بناء پر فروع میں اختلاف فطری ہے اور غیر ممنوع ہے صحابہؓ تابعینؒ اور ائمہ وفقہاء کا اختلاف اسی قسم کا تھا، اور اسی کو رحمت قرار دیا گیا، لیکن اگر انہی فروعی بحثوں کو اصل دین قرار دے کر ان میں اختلاف کو جنگ وجدل اور سب وشتم کا ذریعہ بنالیا جائے تو یہ بھی مذموم ہے۔

ان دونوں پہلوں کی وضاحت کے بعد اس حالت کی طرف اشارہ کیا گیا جس میں اسلام سے پہلے عرب مبتلا تھے، اس آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انہیں بچایا تو وہی نعمت اسلام تھی جس کو وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ الخ میں فرمایا گیا، اور بلاشبہ یہ برادرانہ اتحاد خدا کی اتنی بری نعمت ہے جو روئے زمین کا خزانہ خرچ کر کے بھی میسر نہ آسکتی تھی۔

باہمی اتحاد اطاعت خداوندی پر موقوف ہے

کسی جماعت کے قلوب میں باہمی محبت اور مودت پیدا کرنا خالص انعام الٰہی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انعام الٰہی صرف اس کی اطاعت سے حاصل ہوسکتا ہے لہٰذا اگر مسلمان مستحکم تنظیم واتحاد چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنا شعار بنالیں۔

آیت: ۱۰۴-۱۰۵: ربط: اوپر کی آیت میں جو نظام صلاح وفلاح کا ذکر ہوا، ان دونوں آیتوں میں اسی کا تکملہ ہے، اور اس طرح کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے دوسرے بھائیوں کی اصلاح کی بھی فکر ہو، اسی مضمون کو سورۂ والعصر میں ارشاد فرمایا، یہ دوسرا عمل بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا پہلی اور دوسری آیتوں میں واضح فرمایا گیا، تا کہ اللہ کی یہ رسی ہاتھوں سے چھوٹ نہ جائے، اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی ذمہ داری بقدر قدرت واستطاعت ہر مسلمان پر ڈالنے کے لیے قرآن میں بہت واضح ارشادات ہیں، والعصر کے مضمون کا حوالہ بھی گذرا، اسی سورۃ کے اگلے رکوع کی آیت (۱۱۰ اور ۱۱۴) میں مزید ارشاد ہے اسی طرح پیغمبر علیہ السلام کے ارشادات اس بارے میں بے شمار ہیں دیکھیئے ترمذی اور ابن ماجہ کی روایات، البتہ حسب قدرت واستطاعت ہی امر بالمعروف کا فریضہ عائد ہوگا، مَنْ رای مُنکرًا الخ میں استطاعت پر مدار رکھا گیا ہے۔

پھر واضح ہو کہ قدرت واستطاعت بھی جداگانہ ہوتی ہے پہلی قدرت تو یہ ہے کہ وہ معروف ومنکر اس شخص کو پوری طرح معلوم ہو، اس کے بغیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بجائے معاشرہ میں اصلاح کے فساد اور ہلاکت ہے، دوسری قدرت یہ ہے کہ اپنے آپ کو کوئی نا قابل برداشت ضرر اور شدید

www.toobaaelibrary.com

نقصان پہنچنے کا قوی خطرہ نہ ہو، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ سے یہی مراد ہے، ورنہ زبان سے روکنے کی عدم قدرت کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ اس کی حرکت نہیں کرتی، بایں صورت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ترک پر اس کو گنہگار نہ کہا جائے گا، لیکن اگر پھر بھی کوئی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہے جیسا کہ صحابہ و تابعین وائمہ اسلام میں سے لوگوں نے کیا تو یہ اس کی اولوالعزمی اور بڑی فضیلت کی بات ہے، مگر یہ فرض و واجب نہیں، اور یہ بھی واضح رہے کہ حسب قدرت امر و نہی امور واجبہ میں تو واجب اور امور مستحبہ میں مستحب ہے مثلاً نماز پنجگانہ فرض ہے تو بے نمازی کو نصیحت کرنا واجب ہے، اور نوافل مستحب ہیں، اس کی نصیحت مستحب ہے، نیز یہ ادب بھی ضرور پیش نظر ہے کہ مستحبات میں مطلقاً نرمی سے اظہار کرے، اور واجبات میں اولاً نرمی اور نہ ماننے پر سختی کی بھی گنجائش ہے، نیز ہر شخص پر یہ فریضہ جب عائد ہوگا کہ وہ اپنے سامنے کسی منکر کو ہوتے ہوئے دیکھے ورنہ مجرم کے جرم کی تفتیش و تحقیق ہر شخص کے ذمہ نہیں ہے بلکہ یہ فریضہ اسلامی حکومت کا ہے مَنْ رَاٰى میں اسی طرف اشارہ ہے۔

امر بالمعروف کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت خاص دعوت وارشاد ہی کے لیے قائم رہے، اس آیت میں ایسی جماعت کی ضرورت اور اہمیت کو بتلایا گیا۔ اگر کوئی حکومت یہ فریضہ انجام نہ دے تو تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہوگا کہ وہ ایسی جماعت قائم کریں کیونکہ ان کی حیات ملی کی حفاظت اس پر موقوف ہے اس جماعت کے بعض اہم اوصاف کی طرف اشارہ فرمایا يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ سے یعنی دعوت الی الخیر اس کا اصلی مقصد ہوگا، خیر کی تفسیر میں ارشاد نبویؐ ہے الخیر ھو اتباع القرآن وسنتی یعنی خیر سے مراد قرآن اور میری سنت کا اتباع ہے (ابن کثیر) خیر کی اس سے زیادہ جامع و مانع تعریف ناممکن ہے پورے دین وشریعت کو جامع ہے پھر یدعون بصیغہ مضارع لاکر یہ بتلادیا کہ اس جماعت کا مسلسل، وظیفہ ہی دعوت الی الخیر ہوگا اگر چہ اس وقت منکرات موجود نہ ہوں۔ یا فرض کی ادائیگی کا وقت نہ ہو، مثلاً طلوع آفتاب کے بعد زوال تک اسی طرح روزہ کا وقت نہیں آیا لیکن وہ جماعت اس وقت بھی نماز وروزہ کی تلقین کرتی رہے گی، پھر اس دعوت الی الخیر کے دو درجے ہیں، اول غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت، زبان سے بھی عمل سے بھی سچے مومن کی تعریف ہی یہ کی ہے اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (سورہ حج آیت: ۴۱) اگر آج امت مسلمہ اسے اپنا مقصد بنالے تو اس کی ساری بیماریاں ختم ہوجائیں، کیونکہ جب کوئی اس عظیم مقصد پر مجتمع ہوجائے تو اس کی نااتفاقیاں بھی یکسر ختم ہوجائیں

www.toobaaelibrary.com

گی۔ پیغمبر علیہ السلام اور صحابہؓ کی کامیابیوں کا راز اسی میں مضمر تھا، پیغمبر علیہ السلام نے آیت و لتکن منکم تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا ہم خاصۃ اصحاب رسول اللہؐ ہیں (ابن جریر) یہ مخصوص صحابہ کرام کی جماعت ہے کیونکہ ان کا ہر فرد خود دعوت الی الخیر کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔

دوسرا درجہ خود مسلمانوں کو دعوت خیر دینا ہے، اسمیں ایک تو دعوت الی الخیر عام ہوگی، یعنی تمام مسلمانوں کو ضروری احکام اور اسلامی اخلاق سے واقف کیا جائے، دوسری دعوت خاص ہوگی، یعنی امت مسلمہ میں علوم قرآن و سنت کے ماہرین پیدا کرنا، اس طرف ایک دوسری آیت میں رہنمائی کی گئی فَلَوْلَا نَفَرَ الخ (توبہ آیت ۱۲۲)

اس جماعت کا دوسرا وصف بتلایا یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، معروف یعنی وہ تمام امور خیر جو جانے پہچانے اور معروف ہیں اور منکر میں ساری برائیاں اور مفاسد داخل ہیں۔

اس مقام پر واجبات اور معاصی کے بجائے معروف و منکر کا عنوان اختیار کرنے میں شاید یہ حکمت بھی ہو کہ روک ٹوک کا معاملہ صرف ان مسائل میں ہوگا جو امت میں مشہور و معروف اور متفق علیہ ہیں اجتہادی مسائل میں یہ روک ٹوک کا سلسلہ نہ ہونا چاہئے، افسوس ہے کہ اس حکیمانہ تعلیم سے غفلت کے نتیجے میں اجتہادی مسائل کو میدان جدال بنا کر جماعت مسلمہ کو ٹکرایا جاتا ہے اور اسے بڑی نیکی قرار دیا جاتا ہے۔

آخر میں اس جماعت کے انجام محمود کو ان لفظوں میں یہاں فرمایا، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، اس کا اولین مصداق جماعت صحابہ ہے، جن کی کامیابیوں کی تاریخ کتابوں میں محفوظ ہے۔

دوسری آیت میں مسلمانوں کو باہمی اختلاف و تفرق سے بچانے کی ہدایت فرمائی ہے، مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو تفرق اور اختلاف نے قوموں کو تباہ کر دیا، ان سے عبرت حاصل کرو، یہ آیت وَاعْتَصِمُوْا الخ کا تتمہ ہے۔

آیت میں تفرق کی مذمت سے مراد وہ تفریق ہے جو اصول دین میں ہو، یا فروع میں نفسانیت کے غلبہ کی وجہ سے ہو، اَلْبَيِّنٰتُ واضح قرینہ ہے، لیکن غیر واضح فروع میں رائے و اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہوتا ہے وہ اس آیت کے مفہوم میں داخل نہیں اور اجتہاد میں مُصیب اور مخطی والی صحیحین کی حدیث صحیح اس کی اجازت کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا صحابہؓ اور ائمۂ مجتہدین سے اجتہادی اختلاف کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں، صحابہ کا اختلاف موجب رحمت و رخصت ہے (روح المعانی)

www.toobaaelibrary.com

نیز اجتہاد کے ذریعہ اختیار کردہ جانب میں صواب وخطا کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کے کرنے کا ہے البتہ اپنی فہم وبصیرت کی حد تک دونوں جانبوں میں جس کو اقرب الی القرآن والسنۃ سمجھے اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ میرے نزدیک صواب یہ ہے مگر احتمال خطا کا بھی ہے، اور دوسری جانب خطا ہے مگر احتمال صواب کا بھی ہے یہ وہ بات ہے جو تمام ائمہ فقہاء میں مسلم ہے، معلوم ہوا کہ اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی کہ اس پر نکیر کی جائے، اور غیر منکر پر نکیر خود امر منکر ہے، اس سے پرہیز لازم ہے، اس میں بہت سے اہل علم بھی مبتلا ہیں اور آج کل جو معاملہ اور طرز بحث ومباحثہ کا اختیار کیا جاتا ہے یہ عمل بلاشبہ وَلَا تَفَرَّقُوْا کی کھلی مخالفت اور سنت سلف، صحابہ وتابعین کے بالکل خلاف ہے، اس سے متعلق سنت سلف کے بارے میں ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے یحییٰ ابن سعد فرماتے ہیں اہل فتویٰ ہمیشہ فتویٰ دیتے رہے ہیں ایک شخص غیر منصوص احکام میں ایک چیز کو اپنے اجتہاد سے حلال قرار دیتا ہے، دوسرا احرام کہتا ہے مگر حرام کہنے والا نہ یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے وہ ہلاک اور گمراہ ہوگیا اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ حرام فتویٰ دینے والا ہلاک وگمراہ ہوگیا۔ (ص ۸۰)

ضروری تنبیہ اصول اجتہاد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اجتہاد کے شرائط بھی موجود ہوں، مثلاً قرآن وحدیث اور اس کے متعلق علوم وفنون کی مکمل مہارت، عربی زبان کی مکمل مہارت، صحابہ اور تابعین کے اقوال وآثار کی مکمل واقفیت وغیرہ جس میں یہ شرائط موجود نہ ہوں اس کی بات کا کوئی اثر نہیں پڑتا جیسے آج کل بہت سے پڑھے لکھے ان منصوصات شرعیہ میں بھی رائے زنی کرنے لگے جن میں کسی امام مجتہد کو بھی بولنے کا حق نہیں، اور یہاں تو شرائط اجتہاد کیا نفس علم دین سے بھی واقفیت نہیں ہوتی، العیاذ باللہ!!

آیت ۱۰۶-۱۰۷: چہرے کی سفیدی اور سیاہی کا ذکر اور اس مفہوم سے متعلق متعدد مقامات میں متعدد الفاظ مذکور ہیں (سورۂ زمر، سورۂ عبس، سورۂ قیامہ) جمہور مفسرین کے نزدیک سفیدی سے مراد نور ایمان کی سفیدی ہے اور سیاہی سے مراد کفر کی سیاہی ہے، اور یہ سیاہ سفید چہرے والے لوگ کون ہوں گے؟ اس میں متعدد اقوال ہیں اہل سنت کے چہرے سفید اور اہل بدعت کے سیاہ ہوں گے (ابن عباسؓ) مہاجرین وانصار کے چہرے سفید اور بنوقریظہ اور بنونضیر کے چہرے سیاہ ہوں گے (عطاء) (قرطبی)

امام ترمذیؒ نے حضرت ابوامامہؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے مراد خوارج ہیں اور وہ لوگ

www.toobaaelibrary.com

ہیں جنھیں یہ خوارج قتل کریں گے، حضرت ابوامامہ سوال کے جواب میں شمار کر کے فرماتے ہیں کہ اگر حضورؐ سے میں نے سات مرتبہ یہ حدیث نہ سنی ہوتی تو میں بیان نہ کرتا (ترمذی) حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ سیاہ چہرے ان اہل کتاب کے ہونگے جو آپ کی بعثت سے پہلے تو آپ کی تصدیق کرتے تھے لیکن، بعثت کے بعد تائید ونصرت کرنے کے بجائے، الٹا تکذیب شروع کردی (قرطبی) امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مؤمنین مخلصین کے چہرے ہیں جو سفید ہونگے اور ان لوگوں کے چہرے سیاہ ہونگے جنھوں نے دین میں تغیر وتبدل کیا ہو (تفسیر قرطبی) ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں، سب کا حاصل ایک ہی ہے۔

چند اہم فوائد آیت میں پہلے بیاض کو سوداپر مقدم فرمایا گیا اور بعد میں اس ترتیب کا عکس ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصد تخلیق کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ مقصد اپنی مخلوق پر رحمت کرنا ہے، نہ کہ عذاب، اس لیے اول بیاض کو بیان فرمایا جو مستحق رحمت ہیں، پھر آیت کے خاتمہ پر فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ سے اپنی رحمت عظمیٰ کا بھی اظہار فرمایا، آیت کے شروع اور آخر دونوں میں اہل رحمت کو بیان فرمایا یعنی بنی نوع انسان اس لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ ان کو عذاب کا مظہر بنایا جائے بلکہ اس لیے پیدا کیا گیا کہ وہ میری رحمت بیکراں سے فائدہ اٹھا سکیں۔

رحمت سے مراد اس جگہ جنت ہے (ابن عباسؓ) اس تعبیر میں یہ حکمت ہے کہ جنت میں محض رحمت الٰہی سے ہی جائے گا خواہ کوئی کتنا بڑا عابد وزاہد ہو کیونکہ عبادت کرنا بھی انسان کا ذاتی کمال نہیں بلکہ یہ قدرت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے، (تفسیر کبیر)

دوسرا فائدہ یہ کہ اہل بیاض اللہ کی جس رحمت میں ہونگے وہ عارضی نہیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی، اس کے بالمقابل اہل سواد کے لیے یہ تصریح نہیں فرمائی کہ وہ اس حال پر ہمیشہ رہیں گے فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ یعنی آدمی سزا اپنے ہی گناہوں کی پاتا ہے، اسی پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی عذاب وثواب جو کچھ ہیں عین انصاف ومقتضائے حکمت ورحمت ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا

www.toobaaelibrary.com

إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝
لَيْسُوْا سَوَآءً ۚ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي
الْخَيْرٰتِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ
وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ
رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ
وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ
خَبَالًا ۚ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ
اَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ
وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ
قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ
سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

(اے امت محمدیہؐ) تم لوگ (سب اہل مذاہب سے) اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت (عام) لوگوں کے (نفع ہدایت پہنچانے کے لیے) ظاہر کی گئی ہے، (اور نفع پہنچانا جو اس امت کے خیر اور افضل ہونے کی وجہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ) تم لوگ (بمقتضائے شریعت زیادہ اہتمام کے ساتھ) نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور (خود بھی) اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو (یعنی ایمان پر قائم رہتے ہو، یہاں اللہ پر ایمان میں وہ تمام عقائد و اعمال داخل ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں) اور اگر اہل کتاب (بھی جو تم سے مخالفت کر رہے ہیں، تمہاری طرح) ایمان لے آتے تو ان کے لیے زیادہ اچھا ہوتا (کہ وہ بھی اہل حق کی اسی بہتر جماعت میں داخل ہوتے، مگر افسوس کہ وہ سب مسلمان نہ ہوئے بلکہ) ان میں سے بعض تو مسلمان ہیں (جو رسول اللہؐ پر ایمان لا کر داخل اسلام ہو گئے) اور زیادہ حصہ ان میں سے کافر ہیں (کہ خاتم الانبیاءؐ پر ایمان نہیں لائے اور ان کی بہتر امت میں شامل نہیں ہوئے) وہ (اہل

www.toobaaelibrary.com

کتاب) تم کو ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے، مگر ذرا ہلکی سی اذیت (یعنی زبانی برا بھلا کہہ کر دل دکھانا) اور اگر وہ (اس سے زیادہ کی ہمت کریں اور) تم سے مقاتلہ کریں تو تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر (اس سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ) کسی طرف سے ان کی امداد بھی نہ ہوگی۔ چھاپ دی گئی ہے ان پر ذلت جہاں کہیں بھی پائے جاویں گے مگر ہاں (دو ذریعوں سے وہ اس ذلت سے نجات پا سکتے ہیں) ایک تو ایسے ذریعہ کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہے، اور ایک ایسے ذریعہ کے سبب جو آدمیوں کی طرف سے ہے (اللہ کی طرف کا ذریعہ تو یہ ہے کہ کوئی کتابی غیر مسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنے طریق پر ایسا مشغول و معروف ہو کہ مسلمانوں سے لڑتا بھڑتا نہ ہو، اس کو جہاد میں قتل نہیں کیا جاتا، اگرچہ اس کی کافرانہ عبادت آخرت میں اس کے کام نہ آئے گی اسی طرح اللہ کی طرف کے ذریعہ میں یہ بھی آ گیا کہ وہ کتابی نابالغ، یا عورت، ہو کہ شریعت اسلام کی رو سے ان کو بھی جہاد میں قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور آدمیوں کی طرف کے ذریعہ سے مراد معاہدہ اور صلح ہے، جو مسلمانوں کے ساتھ ہو جاوے کیونکہ شریعت اسلام میں جس شخص سے کوئی معاہدہ صلح کا ہو جائے وہ بھی مامون ہے اس کا قتل جائز نہیں) اور مستحق ہو گئے (یہ لوگ) غضب الٰہی کے، اور جما دی گئی ان پر پستی (کہ ان کے طبائع میں بھی اولو العزمی نہ رہی، نیز جزیہ وخراج مسلمانوں کو ادا کر کے رہنا بھی مسکنت اور پستی میں داخل ہے یہ (ذلت وغضب) اس وجہ سے ہوا کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے، احکام الٰہیہ سے، اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو (اس طرح سے کہ وہ قتل خود ان کے نزدیک بھی) ناحق (ہوتا تھا) اور یہ ذلت وغضب اس وجہ سے بھی ہوا کہ انہوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ اطاعت سے نکل نکل جاتے تھے۔ یہ (اہل کتاب) سب برابر نہیں (بلکہ) ان (ہی) اہل کتاب میں ایک جماعت وہ بھی ہے جو (دین حق پر) قائم ہیں (اور) اللہ کی آیتیں (یعنی قرآن) اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں (اور) اللہ پر اور قیامت والے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں، اور (دوسروں کو) نیک کام بتلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ (اللہ کے نزدیک) شائستہ لوگوں میں (شمار کئے جاتے ہیں) اور یہ لوگ جو نیک کام کریں گے اس (کے ثواب) سے محروم نہ کئے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو خوب جانتے ہیں، (اور یہ لوگ چونکہ اہل تقویٰ ہیں تو حسب وعدہ جزا کے مستحق ہیں) بیشک جو لوگ کافر رہے ہرگز ان کے کام نہ آویں گے ان کے مال اور نہ اولاد اللہ تعالیٰ کے (عذاب کے) مقابلہ میں ذرا بھی اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں

www.toobaaelibrary.com

رہیں گے (کبھی نجات نہ ہوگی) وہ (کفار) جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگانی میں اس کی حالت (برباد و ضائع ہونے میں) اس حالت کے مثل ہے کہ ایک ہوا ہو جس میں تیز سردی (یعنی پالا) ہو (اور) وہ لگ جاوے ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے (بددینی سے) اپنا نقصان کر رکھا ہو پس وہ (ہوا) اس (کھیتی) کو برباد کر ڈالے (اسی طرح ان لوگوں کا خرچ کرنا آخرت میں سب ضائع ہے) اور (اس ضائع کرنے میں) اللہ تعالیٰ نے ان پر (کوئی) ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود (کفر کے ارتکاب سے جو کہ مانع قبول ہے) اپنے آپ کو ضرر پہنچا رہے تھے (نہ وہ کفر کرتے نہ ان کے سب نفقات ضائع ہوتے)۔ اے ایمان والو اپنے (لوگوں کے) سوا (اور مذہب والوں میں سے) کسی کو (محبت کے برتاؤ میں) صاحب خصوصیت مت بناؤ (کیونکہ) وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے (اور دل سے بھی) تمہاری مضرت (دنیوی و دینی) کی تمنا رکھتے ہیں، (دلوں میں تمہاری طرف سے اس قدر بغض بھرا ہے کہ) واقعی (وہ) بغض (بعض اوقات) ان کے منہ سے (بے اختیار بات چیت میں) ظاہر ہو پڑتا ہے، اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے (چنانچہ) ہم (ان کی عداوت کے) علامات (اور قرائن) تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان یقینی علامات سے دیکھ لو) ہاں (سمجھو) تم ایسے ہو ان لوگوں سے محبت (کا برتاؤ) رکھتے ہو، اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے (نہ دل سے نہ برتاؤ سے) حالانکہ تم تمام (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (اس میں ان کی کتابیں بھی شامل ہیں اور وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے مگر وہ تو باوجود اس تمہارے ایمان کے بھی تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم باوجود ان کے اس عدم ایمان کے بھی ان سے محبت رکھتے ہو اور (تم ان کے ظاہری دعویٰ ایمان سے شبہ مت کرنا کہ وہ بھی تو ہماری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ) یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں (صرف تمہارے دکھانے کو منافقانہ طور پر) کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب (تم سے) الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غیظ (وغضب) کے (یہ کنایہ ہے شدت غضب سے) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم مر رہو اپنے غصہ میں (مراد یہ کہ اگر تم مر بھی جاؤ گے تب بھی تمہاری مراد پوری نہ ہوگی) بیشک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو (اسی لیے ان لوگوں کے دلوں میں جو رنج و غبار اور عداوت تمہاری طرف سے بھری ہیں سب بتلا دی اور ان کا یہ حال ہے کہ) اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے (مثلاً تم میں باہم اتفاق ہو، غیروں پر غلبہ ہو جائے) تو ان کے لیے موجب رنج ہوتی

www.toobaaelibrary.com

ہے، (جس کا سبب اشد درجہ کا حسد ہے) اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے (بڑے) خوش ہوتے ہیں (جس سے ان کی شماتت ثابت ہے، سو ان کے جب یہ حالات ہیں تو وہ اس قابل کب ہیں کہ ان سے دوستی یا دوستی کا برتاؤ کیا جاوے، ان کے مذکورہ حالات سننے کے بعد دلوں میں یہ خیال پیدا ہونا بعید نہیں تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو ضرر پہنچانے میں کوئی کسر نہیں رکھیں گے، اس لیے اگلی آیت میں مسلمانوں کی تسلی کے لیے فرمایا، اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی (تم اس سے بے فکر رہو تو دنیا میں تو انکو یہ ناکامی نصیب ہوگی اور آخرت میں سزائے دوزخ ہوگی کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے عمال پر (علمی) احاطہ رکھتے ہیں (کوئی عمل ہم سے مخفی نہیں اس لیے وہاں سزا سے بچنے کے لیے کسی حیلہ حوالے کی گنجائش نہیں)

ربط: امور ماسبق کی مزید تاکید اس آیت میں اس طرح کی گئی ہے کہ امت محمدیہ کے خیر الامم ہونے کی بڑی وجہ ان کی یہی صفات ہیں۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۱۰: امت محمدیہؐ کے خیر الامم ہونے کے سلسلے میں سب سے اہم آیت سورۂ بقرہ آیت: ۱۴۳ ہے اس کی تفصیل وہاں دیکھیے، اس آیت میں اس کی چند وجوہ میں سے یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ وہ خلق اللہ کی نفع رسانی ہی کے لیے وجود میں آئی ہے اور سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ خلق اللہ کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی فکر اس کا منصبی فریضہ ہے اور اس فریضہ کی تکمیل امم سابقہ سے زیادہ اس کے ذریعہ ہوئی ہے، پچھلی امتوں میں جہاد کا حکم نہ تھا، امت محمدیہ میں دل وزبان کے ساتھ تیسرا درجہ ہاتھ کی قوت سے امر بالمعروف کا بھی ہے جس میں جہاد کی تمام اقسام داخل ہیں، نیز امم سابقہ میں غفلت کے باعث دین کے دیگر شعائر کی طرح یہ فریضہ بھی بالکل متروک ہو گیا تھا، اور اس امت کے لیے پیغمبر علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی ہے کہ قیامت تک ایک جماعت اس فریضہ کی انجام دہی پر قائم رہے گی، دوسری امتیازی صفت یہ ہے کہ کمال ایمان میں امت محمدیہؐ کو جو درجہ حاصل ہے وہ امم سابقہ کے مقابلہ میں امتیاز خاص رکھتا ہے، مؤمن اہل کتاب جیسے عبداللہ ابن سلام وغیرہ۔

آیت: ۱۱۱: ماسبق میں اہل کتاب کی مسلمانوں سے دینی ضرر اور دشمنی کی تدبیریں کرنا مذکور تھا، اس میں دنیوی ضرر کا ذکر ہے اس آیت میں قرآن نے اہل کتاب کے غالب نہ آنے کی پیشینگوئی کی ہے اور وہ صحابہؓ پر یقیناً نہ آسکے، ذلیل وخوار ہوئے آیت (۱۱۲) میں اسی مضمون کا تکملہ ہے۔

www.toobaaelibrary.com

آیت: ۱۱۳-تا-۱۱۷: کے مضمون کی تفصیل بقرہ آیت: ۶۱، اور آل عمران آیت: ۳۵، کے تحت گزر چکی ہے، وہاں دیکھے۔

آیت: ۱۱۸-۱۲۰: **شانِ نزول**: اطراف مدینہ کے یہودیوں سے اوس و خزرج کے دوستانہ تعلقات تھے، انفرادی بھی اور قبائلی بھی، اوس و خزرج مسلمان ہونے کے بعد بھی یہ دوستی نبھاتے رہے خلوص کے ساتھ لیکن یہود پیغمبر اسلام اور دین سے عداوت کی بناء پر کسی مسلمان سے مخلصانہ تعلقات رکھنے پر تیار نہ تھے، ظاہراً تو وہی تعلقات تھے، مگر باطناً وہ انصار مدینہ کے دشمن ہو گئے تھے اس ظاہری دوستی سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کی جماعت کو نقصان کے لیے ہر قسم کی سازشیں کرتے، راز معلوم کر کے انہیں ایذا پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے اس آیت میں مسلمانوں کو ان کی منافقانہ روش سے محتاط رہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے لسان المیزان میں بطانۃ کے جو لغوی معنی بیان کئے گئے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ بطانہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو راز دار ولی اور دوست سمجھا جائے اور اس کو اپنے معاملات میں معتمد اور مشیر بنایا جائے۔

اسلام نے اپنی عالمگیر رحمت کے سایہ میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی، مروت، رواداری کی غیر معمولی ہدایات فرمائی اور پیغمبر علیہ السلام نے تمام معاملات میں اس کو عملاً رواج دیا ہے وہیں عین حکمت کے مطابق مسلمانوں کی اپنی تنظیم اور مخصوص شعائر کی حفاظت کے لیے یہ احکام بھی صادر فرمائے کہ باغی اور منکر اسلام سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت نہیں ہے۔

جو غیر مسلم اسلامی مملکت کے باشندے ہیں یا معاہد ہیں ان کی حفاظت سے متعلق پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات اور تاکیدات اسلامی قانون کا جزو ہیں، لیکن ان تمام مراعات کے ساتھ مسلمانوں کو یہ حکم بھی ہے کہ دشمنانِ اسلام کو اپنا معتمد اور راز دار نہ بناؤ حضرت فاروق اعظمؓ سے ایک غیر مسلم کاتب کے امیر منشی بنائے جانے کی فرمائش کی گئی تو آپ نے فرمایا: قَدْ اتخذتُ اِذًا بطانةً من دون المؤمنین (ابن ابی حاتم) یعنی میں اگر ایسا کروں تو مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسری ملت والے کو راز دار بنالوں گا جو نص قرآن کے خلاف ہے امام قرطبیؒ نے بڑی حسرت اور درد کے ساتھ مسلمانوں میں اس تعلیم کی خلاف ورزی اور اس کے نتائج بد کو بیان کیا ہے۔

آج بھی روس و چین اور دیگر غیر مسلم مملکتوں میں غیر نظریات کے آدمی کو معتمد اور مشیر نہیں بنایا جا سکتا، اسلامی مملکتوں کے زوال کے دوسرے اسباب میں ایک سبب اس تعلیم ربانی کی خلاف ورزی

www.toobaaelibrary.com

بھی ہے، سلطنت عثمانیہ کے زوال میں بھی اس کو بڑا دخل تھا۔

غیر مسلم کوئی بھی جماعت ہو مسلمانوں کی حقیقی خیر خواہ نہیں ہوسکتی، ان کی آرزو ہے کہ جماعت مسلمان تکلیف میں رہیں، ان کے دلوں میں پوشیدہ دشمنی تو بہت ہی زیادہ ہے، بسا اوقات غیظ وغضب سے مغلوب ہو کر علانیہ بھی ایسی باتیں کر گذرتے ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا صاف پتہ دیتی ہیں، حسد کے مارے ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی لہٰذا ایسے دشمنوں کو رازدار بنانا عقلمندی کا کام نہیں ہے۔

آیت: ۱۲۰: کے آخر میں مسلمانوں کی تسلی اور منافقین ومخالفین کے کید ومکر اور عناد ومخالفت کے نتائج سے محفوظ رہنے کا آسان نسخہ یہ بیان کیا گیا: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا الخ مسلمانوں کی فتح وکامرانی اور تمام مشکلات میں آسانی کا راز صبر وتقویٰ کی دو صفتوں میں مضمر بتایا گیا ہے، اس کے علاوہ دیگر آیات میں بھی ایک مؤثر علاج کی حیثیت سے بیان فرمایا ہے، اسی سورۃ کی آیت (۱۴۵) میں ذکر ہے نیز اس سورۃ کی آخری آیت میں ہے، سورۂ یوسف میں فرمایا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ صبر وتقویٰ کے مختصر عنوان میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ، عوامی اور فوجی نظم ونسق کا ایک کامیاب ضابطہ بڑی جامعیت کے ساتھ آگیا۔

پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: عن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ انی لا علم آیۃً لو اخذ الناسُ بھا کفتھم وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا الایہ (رواہ احمد) یعنی رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک ایسی چیز جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل اختیار کرلیں تو ان کے دین ودنیا کے لیے وہی کافی ہے وہ آیت یہ ہے، ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستہ نکال دیتے ہیں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ ھَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَھُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

www.toobaaelibrary.com

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جب آپ صبح کے وقت (تاریخ قتال سے پہلے) اپنے گھر سے (اس غرض سے) نکلے (کر) مسلمانوں کو (کفار سے) مقاتلہ کرنے کے لیے (مناسب) مقامات پر جما (نے کے لیے آمادہ کر) رہے تھے (پھر اسی تجویز کے مطابق سب کو ان مقامات پر جمادیا) اور اللہ تعالیٰ (اس وقت کی باتیں) سب سن رہے تھے (اور اس وقت کے حالات) سب جان رہے تھے (اسی کے ساتھ یہ قصہ بھی ہوا کہ) تم (مسلمانوں) میں سے دو جماعتوں نے (کہ وہ بنی سلمہ اور بنی حارثہ ہیں) دل میں خیال کیا کہ ہمت ہار دیں (اور ہم بھی عبداللہ ابن ابی منافق کی طرح اپنے گھر جا بیٹھیں) اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا، (بھلا ان کو کب ہمت ہارنے دیتا، چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان کو اس خیال پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا) اور (ہم آئندہ کے لیے ان جماعتوں اور سب کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب تم مسلمان ہو) پس مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے (اور ایسی کم ہمتی کبھی نہ کرنا چاہئے) اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو (غزوہ) بدر میں منصور فرمایا، حالانکہ تم (محض) بے سروسامان تھے، (کیونکہ مجمع بھی کفار کے مقابلہ میں کم تھا، وہ ایک ہزار تھے، اور مسلمان تین سو تیرہ تھے اور ہتھیار وغیرہ بھی بہت کم تھے) سو (چونکہ یہ منصور ہونا بدولت تقویٰ کے تھا، جس میں استقلال وصبر بھی داخل ہے تو تم پر لازم ہے کہ آئندہ بھی) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو (اسی کا نام تقویٰ ہے) تاکہ تم (اس نعمت نصرت کے) شکر گزار ہو، (کیونکہ شکر گزاری صرف زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ پورا شکر یہ ہے کہ زبان اور قلب بھی مشغول ہو، اور طاعت کی بھی پابندی ہو بالخصوص جب کہ اس طاعت کا اس نعمت میں دخیل ہونا بھی ثابت ہو جائے) اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (الی) وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ کی یہ امداد اس وقت ہوئی تھی) جب کہ آپ (اے محمد) مسلمانوں سے یوں فرمارہے تھے کہ کیا تم کو (تقویت قلب کے لیے) یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ (جو اسی کام کے لیے آسمان سے) اتارے جاویں گے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے درجے کے فرشتے ہوں گے، ورنہ جو فرشتے پہلے سے زمین پر موجود تھے ان سے بھی یہ کام لیا جاسکتا تھا (روح) پھر اوپر کے استفہام کا خود جواب اس طرح ارشاد فرمایا) ہاں! کیونکہ نہیں، (کافی ہوگا، اس کے بعد اس امداد میں مزید زیادتی

www.toobaaelibrary.com

کا وعدہ اس طرح فرمایا کہ مقابلہ کے وقت) اگر مستقل رہو گے اور تقوے پر قائم رہو گے (یعنی کوئی امر خلاف اطاعت نہ کرو گے) اور وہ لوگ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں گے (جس میں عادۃً کسی مخلوق سے مدد پہنچنا مشکل ہوتا ہے) تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع کے بنائے ہوں گے (جیسے عام جنگوں میں اپنی اپنی فوج کی پہچان کے لیے کوئی خاص وردی ہوتی ہے، آگے اس امداد و نصرت کی حکمت کا بیان ہے کہ) اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد (مذکور جو فرشتوں سے ہوئی) محض اس لیے کی کہ تمہارے لیے (غلبہ اور فتح کی) بشارت ہو، اور تمہارے دلوں کو اس سے قرار آئے اور نصرت (وغلبہ) تو صرف اللہ کی طرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں (کہ ویسے بھی غالب کر سکتے ہیں لیکن) حکیم (بھی) ہیں (تو جب مقتضائے حکمت یہ ہوتا ہے کہ اسباب کے ذریعہ دیا جائے تو ویسے ہی اسباب پیدا فرما دیتے ہیں، یہ تو امداد بالملائکہ کی حکمت تھی آگے اس کی حکمت کا بیان ہے کہ یہ فتح وغلبہ تمہیں کیوں عطا کیا گیا، اس کے لیے ارشاد فرمایا گیا) تا کہ کفار میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے (چنانچہ کافروں کے ستر سردار رئیس مارے گئے) یا ان (میں سے بعض) کو ذلیل وخوار کر دے پھر وہ ناکام لوٹ جاویں (یعنی ان میں سے کوئی بات ضرور ہو جائے اور اگر دونوں ہو جاویں تو اور بھی بہتر ہے، چنانچہ دونوں باتیں ہوئیں کہ ستر سردار مارے گئے، ستر قید ہو کر ذلیل ہوئے، باقی ذلیل وخوار ہو کر بھاگ گئے) لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (الی قولہ) غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (اے محمدؐ) آپ کو (کسی کے مسلمان ہونے یا کافر رہنے کے متعلق خود) کوئی دخل نہیں (خواہ علم کا دخل ہو یا قدرت کا بلکہ یہ سب خدا تعالیٰ کے علم اور قبضہ میں ہے آپ کو صبر کرنا چاہیے) یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان پر یا تو (رحمت سے) متوجہ ہو جاویں (یعنی ان کو اسلام کی توفیق دیدیں تو اس وقت صبر فرح اور سرور سے بدل جائے گا) اور یا ان کو (دنیا ہی میں کوئی سزا دیں (تو اس وقت صبر تسکین قلبی میں بدل جائے گا اور سزا دینا کچھ بیجا بھی نہیں) کیوں کہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں (مراد اس سے کفر وشرک ہے، جیسا کہ فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ آگے اس مضمون کی تاکید ہے) اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے وہ جس کو چاہیں بخش دیں (یعنی اسلام نصیب کر دیں جس سے مغفرت ہوتی ہے) اور جس کو چاہیں عذاب دیں (یعنی اسلام نصیب نہ ہو اور اس وجہ سے عذاب دائمی ہو) اور اللہ تعالیٰ تو بڑے مغفرت کرنے والے (اور) بڑے رحمت کرنے والے ہیں (تو بخشنے کا تو ذرا بھی تعجب نہیں، کیوں کہ رحمت تو

www.toobaaelibrary.com

ان کی سابق ہی ہے اس لیے عذاب دینے کی وجہ اور بیان فرمائی، فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ.

ربط: اوپر تمام مشکلات میں آسانی کا راز صبر و تقویٰ میں مضمر بتایا گیا تھا، انہیں دو چیزوں میں بعض حضرات سے کوتاہی کی بنا پر غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کو عارضی شکست اور تکلیف پہنچی مذکورہ آیات میں اسی غزوہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور غزوۂ بدر میں فتح کا ذکر ہے۔

تلخیص معارف ومسائل

غزوہ احد کا پس منظر اور اس کی تفصیلات کتب سیرت وتاریخ میں دیکھئے، یہاں اس واقعہ سے جو اسباق ملتے ہیں ان کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

واقعۂ احد سے چند سبق

مسلمانوں کی یہ عارضی شکست چند اسباب کا نتیجہ تھی، قرآن مجید نے ہر سبب پر جچے تلے الفاظ میں تبصرہ کیا اور آئندہ کے لیے محتاط رہنے کی تلقین فرمائی، اس واقعہ کی تفصیل میں کچھ ایسے واقعات ہیں جو اپنے اندر عظیم سبق لیے ہوئے ہیں۔

(۱) کفار قریش اس جنگ میں عورتوں کو بھی لائے تھے تا کہ وہ مردوں کو پسپائی سے روک سکیں، حضورؐ نے دیکھا کہ عورتیں ہندہ زوجہ ابوسفیان کی سربراہی میں اشعار گا کر مردوں کو جوش دلا رہی ہیں ۔

ان تقبلو انعانق ✽ ونفرش النمارق

اوتد بروا نفارق ✽ فراق وامق

مطلب یہ ہے کہ اگر مقابلہ پر ڈٹے رہے اور فتح پائی تو ہم تم کو گلے لگائیں گے اور تمہارے لیے نرم بستر بچھائیں گے لیکن اگر تم نے پیٹھ موڑی تو ہم تم کو بالکل چھوڑ دیں گے پیغمبر علیہ السلام کی زبان مبارک پر یہ دعائیہ الفاظ جاری تھے۔ اللّٰھم بك اصول وفیك اقاتل حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ اے اللہ میں تجھ ہی سے قوت حاصل کرتا ہوں اور تیری ہی نام سے حملہ کرتا ہوں اور تیرے ہی دین کے لیے قتال کرتا ہوں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بڑا اچھا کارساز ہے۔ اس دعا کا ایک ایک لفظ تعلق مع اللہ کی تاکید اور مسلمانوں کے تمام افعال واعمال حتیٰ کہ جنگ وقتال کو بھی دیگر اقوام کی جنگ وقتال سے ممتاز کر رہا ہے۔

(۲) دوسری چیز قابل غور یہ ہے کہ اس غزوہ میں بعض صحابہؓ مثلاً حضرت ابودجانہؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت انس ابن النضرؓ نے بہادری اور فدائیت کے ایسے نقوش چھوڑے ہیں کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، حضرت انس ابن النضر غزوہ بدر سے غیر حاضر تھے، ان کو اس کا بڑا افسوس تھا

www.toobaaelibrary.com

بڑی آرزو کے بعد پیغمبر علیہ السلام کے رفاقت میں جنگ احد میں اس کا موقعہ آیا، مسلمان جب منتشر ہوئے تھے اور کفار کا سیلاب امنڈ رہا تھا تو یہ اپنی تلوار لیکر آگے بڑھے اتفاقاً حضرت سعدؓ سے ملاقات ہوئی یہ بھی منتشر ہونے والوں میں جارہے تھے، پکار کر کہا! "سعد! کہاں چلے جارہے ہو؟ میں تو اُحد کے دامن میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، یہ کہہ کر آگے بڑھے اور شدید قتال کے بعد اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی (ابن کثیر)

کتب سیرت و مغازی میں اس جانثاری کے اور بھی واقعات دیکھے جاسکتے ہیں۔

(۳) جنگ بدر میں باوجود قلت تعداد کے مسلمانوں کو فتح ہوئی، احد میں تو بدر کی نسبت سے کثرت تھی پھر بھی شکست ہوئی اس میں بھی مسلمانوں کے لیے عبرت ہے کہ مسلمانوں کو بھی ساز وسامان کی کثرت پر نہیں جانا چاہئے بلکہ فتح کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھے اور اسی سے اپنا تعلق مضبوط رکھے۔

جنگ یرموک کے موقعہ سے جب محاذ جنگ سے حضرت عمرؓ کو مزید فوجی کمک پہنچنے کے لیے لکھا گیا اور قلت تعداد کی شکایت کی گئی تو تحریر فرمایا: ترجمہ: میرے پاس تمہارا خط آیا جس میں تم نے زیادہ فوجی مدد طلب کی ہے لیکن میں تم کو ایک ایسی ذات کا پتہ دیتا ہوں جو نصرت کے لحاظ سے سب سے زیادہ غالب اور فوج کے لحاظ زیادہ محفوظ ہے وہ اللہ عزوجل کی ذات ہے لہٰذا تم اسی سے مدد طلب کرو، محمد ﷺ کو بدر میں باوجود قلت عدد سے مدد دی گئی جب میرا یہ خط تم کو پہنچے تو ان پر ٹوٹ پڑو اور مجھ سے اس سلسلہ میں کوئی مراجعت نہ کرو۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم کو یہ خط ملا ہم نے اللہ کا نام لیکر کفار کے لشکر کثیر پر یکبارگی حملہ کیا جس میں ان کو شکست فاش ہوئی، حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ راز معلوم تھا، قرآن کریم نے غزوۂ حنین کے بارے میں اس حقیقت کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا، ارشاد ہے: يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا.

قرآن مجید کا نقل واقعات میں ایک خاص معجزانہ اسلوب ہے کہ وہ عام طور پر کوئی واقعہ پوری تفصیل اور جزئیات کے ساتھ بیان نہیں کرتا مگر جن میں خاص ہدایات مضمر ہوتی ہیں وہ بیان کر دیتا ہے۔ مذکورہ آیت میں خاص جزوی امور کی تصریح ہے مثلاً گھر سے نکلنے کا وقت کیا تھا اس کو لفظ غَدَوْتَ سے بیان فرمادیا (یہ ساتویں شوال ۳ھ کی صبح تھی) اس کے بعد اس سفر کی ابتداء کو بیان کیا لفظ مِنْ اَهْلِكَ سے اشارہ ہوا کہ آپ ﷺ اس وقت اپنے اہل وعیال میں تھے، انہیں وہیں چھوڑ کر نکل کھڑے

www.toobaaelibrary.com

ہوئے اس میں یہ ہدایت مضمر ہے کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں اہل وعیال کی محبت سنگ راہ نہیں ہونی چاہئے۔ اس کے بعد جزوی واقعات کو چھوڑ کر محاذ جنگ کا پہلا کام یہ بیان کیا کہ: تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ، آیت کو ختم کیا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ سے اس سے اس طرف اشارہ کردیا کہ اس وقت مخالفین اور موافقین دونوں جو کچھ اپنی اپنی جگہ کہہ سن رہے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں آچکا اور جنگ کا انجام بھی اس سے مخفی نہیں، اس کے بعد دوسری آیت ہے اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ الخ دونوں جماعتوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور خزرج کے بنی سلمہ ہیں۔ انہیں یہ خیال بھی عبداللہ بن ابی کی مثال دیکھ کر اپنی مادی کمزوری کی بنا پر تھا نہ کہ ضعف ایمان کی بنا پر (ابن ہشام مؤرخ) اور وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا کا جملہ خود ان کے ایمان کامل کا شاہد ہے اس لیے ان کے قبیلے کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ "اگرچہ اس آیت میں ہم پر کچھ عتاب بھی ہے لیکن۔ وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا کی بشارت بھی ہمارے لیے آئی ہے۔" بنو حارثہ اور بنو سلمہ کو کمزوری کا جو وسوسہ پیدا ہوا تھا وہ مادی ضعف کی وجہ سے تھا ان کے اس وسوسہ کا علاج توکل سے بتلایا گیا کہ توکل اور اعتماد ان وساوس کے لیے نسخۂ اکسیر ہے۔

توکل انسان کی اعلیٰ صفات میں سے ہے مگر توکل کے معنی یہ نہیں کہ تمام اسباب ظاہری سے بالکل قطع تعلق کر کے اللہ پر اعتماد کیا جائے، توکل یہ ہے کہ اسباب ظاہری اپنی قدرت کے مطابق جمع اور اختیار کرے اور پھر نتائج اللہ کے سپرد کرے، ان اسباب ظاہری پر فخر و ناز نہ کرے، خود اسی جہاد میں پیغمبر علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، اسی سے مؤمن اور غیر مؤمن میں فرق ہو جاتا ہے، کہ غیر مؤمن کو توکل کی روحانیت نصیب نہیں، اور اس فرق کا ظہور تمام اسلامی غزوات میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔

اس کے بعد اس غزوہ کی طرف ذہن منتقل کیا جا رہا ہے جس میں مسلمانوں نے کامل توکل کا مظاہرہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی اور نصرت سے سرفراز کیا تھا، ارشاد ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔

بدر کی اہمیت توحید و شرک کے درمیان یہیں سب سے پہلا معرکہ جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ ۱۱ مارچ ۶۲۳ء کو پیش آیا تھا اس غزوہ نے دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم انقلاب پیدا کردیا، اسی لیے قرآن نے اسے یوم الفرقان کہا ہے، (انگریز مؤرخوں نے بھی اس کی اہمیت کا اقرار کیا ہے، امریکی پروفیسر ہسٹری آف دی عربین میں کہتا ہے "یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مبین تھی"۔

www.toobaaelibrary.com

آخر میں فرمایا گیا فاتقوا اللہ یہاں صرف تقویٰ پر اکتفا کیا گیا ہے، کیونکہ درحقیقت تقویٰ ایسی جامع صفت ہے کہ صبر بھی اس میں شامل ہے۔ اب اس کے بعد آیت (۱۲۴) اور اس کے بعد کی آیت میں اللہ تعالیٰ کی امداد غیبی کی کچھ تفصیل اور فرشتوں کے بھیجنے کی حکمت کا بیان ہے طبعی طور پر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ ایک ہی فرشتہ پوری بستی کا تختہ الٹ سکتا ہے تو پھر فرشتوں کا لشکر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، اور جب فرشتے میدان میں آئے ہی تھے تو ایک کافر بھی بچنا نہیں چاہئے تھا؟

اس کا جواب خود قرآن نے دیا ہے وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى سے اور وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ سے، اور اس سے زیادہ صریح فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ہے (انفال) اس میں خطاب فرشتوں سے ہے، اس حیثیت قلوب کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ اپنے تصرف سے ان کے قلوب کو مضبوط کردیں، اور دوسرے مختلف طریقوں سے واضح کردیں کہ اللہ کے فرشتے ان کی مدد پر کھڑے ہیں، کبھی سامنے ظاہر ہو کر، کبھی آواز سے، وغیرہ جیسا کہ میدان بدر میں یہ سب طریقے استعمال کیے گے۔

دراصل انکا کام مسلمانوں کی تسلی اور تقویت قلب تھا ان سے میدان جنگ فتح کرانا مقصود نہیں تھا، کیونکہ دنیا میں جنگ و جہاد کے فرائض انسانوں پر عائد کیے گئے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی کہ فرشتوں کے لشکر سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفر و کافر کا نام ہی نہ رہتا مگر یہاں تو کفر و ایمان اور طاعت و معصیت ملے جلے ہی چلتے رہیں گے، ان کے نکھار کے لیے حشر کا دن ہے۔

پھر یہ کہ غزوہ بدر میں سورۂ انفال کی آیت میں ملائکہ بھیجنے کا وعدہ ایک ہزار کا ہے اور اس سورۃ کی مذکورہ آیت میں پہلے تین ہزار کا پھر پانچ ہزار کا وعدہ ہے اس میں حکمت کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ انفال میں مذکور یہ ہے کہ مسلمانوں نے مخالف کی تعداد ایک ہزار دیکھی تو بارگاہ رب العزت میں استغاثہ کیا اس پر ایک ہزار کا وعدہ کیا گیا، اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ الخ. اور آل عمران میں یہ وجہ ہوئی کہ میدان بدر میں مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ کرز بن جابر محاربی اپنے قبیلہ کا لشکر لے کر مشرکین مکہ کی امداد کو آرہا ہے (کذا فی الروح) یہاں دشمن کی تعداد پہلے ہی سے تین گنا زیادہ تھی، مسلمان اس خبر سے کچھ پریشان ہوئے تو تین ہزار فرشتوں کا وعدہ کیا گیا، تاکہ معاملہ برعکس ہو جائے، پھر اسی آیت کے آخر میں اس تعداد کو چند شرطوں کے ساتھ بڑھا کر پانچ ہزار کردیا، وہ شرطیں دو تھیں آیت یہ کہ مسلمان صبر و تقویٰ کے

www.toobaaelibrary.com

اعلیٰ مقام پر قائم رہیں، دوسرے یہ کہ دشمن ان پر یکبارگی حملہ کردے، دوسری شرط واقع نہیں ہوئی، اس لیے پانچ ہزار کا وعدہ نہ رہا، پھر اس میں ائمہ تفسیر وتاریخ کے اقوال مختلف ہیں (روح المعانی)

لَيْسَ لَكَ میں پھر غزوۂ احد کی طرف رجوع ہے، اس غزوہ میں پیغمبر علیہ السلام کا دندان مبارک شہید ہو گیا اور چہرۂ مبارک بھی مجروح ہو گیا، تو آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات آگئے کہ ایسی قوم کو کیسے فلاح ہوگی جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا کیا حالانکہ وہ نبی ان کو خدا کی طرف بلا رہا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، بخاری میں ایک قصہ اور بھی منقول ہے کہ آپ نے بعض کفار کے لیے بددعا بھی فرمائی تھی اس پر یہ آیت نازل فرمائی جس میں پیغمبر علیہ السلام کو صبر وتحمل کی تعلیم دی گئی ہے (بیان القرآن)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ھٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۧ

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو سود مت کھاؤ (یعنی مت لو اصل سے) کئی حصے زائد (کرکے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو (یعنی جنت نصیب ہو اور دوزخ سے نجات ہو) اور اس آگ سے بچو جو (دراصل) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے (اور آگ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ سود وغیرہ حرام کاموں سے بچو)۔ اور خوشی

www.toobaaelibrary.com

سے کہا مانو اللہ کا اور (اس کے) رسول (ﷺ) کا امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے (یعنی قیامت میں) اور دوڑو طرف مغفرت کے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے (نصیب) ہو اور (دوڑو) طرف جنت کے (مطلب یہ ہے کہ ایسے نیک کام اختیار کرو جس سے پروردگار تمہاری مغفرت کر دیں اور تم کو جنت عنایت ہو اور وہ جنت ایسی ہے) جس کی وسعت ایسی (تو) ہے (ہی) جیسے سب آسمان اور زمین (اور زیادہ کی نفی نہیں چنانچہ واقع میں زائد ہونا ثابت ہے اور) وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لیے۔ ایسے لوگ (ہیں) جو کہ (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں (ہر حال میں) فراغت میں (بھی) اور تنگی میں (بھی) اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں (کی تقصیرات) سے درگذر کرنیوالے اور اللہ تعالیٰ ایسے نکوکاروں کو (جن میں یہ خصال ہوں بوجہ اکمل) محبوب رکھتا ہے اور (ایک ان مذکورین کے اعتبار سے دوسرے درجہ کے مسلمان) ایسے لوگ (ہیں) کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں (دوسروں پر) زیادتی ہو یا (کوئی گناہ کر کے خاص) اپنی ذات کا نقصان کرتے ہیں تو (فوراً) اللہ تعالیٰ (کی عظمت اور عذاب) کو یاد کر لیتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے ہیں (یعنی اس طریقہ سے جو معافی کے لیے مقرر ہے کہ دوسروں پر زیادتی کرنے میں ان اہل حقوق سے بھی معاف کرائے اور خاص اپنی ذات کے متعلق گناہ میں اس کی حاجت نہیں، اور اللہ تعالیٰ سے معاف کرانا دونوں میں مشترک ہے) اور (واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو (رہا اہل حقوق کا معاف کرنا سو وہ لوگ اس کا اختیار تو نہیں رکھتے کہ عذاب سے بھی بچالیں اور حقیقی بخشش اسی کا نام ہے) اور وہ لوگ اپنے فعل (بد) پر اصرار (اور ہٹ) نہیں کرتے اور وہ (ان باتوں کو) جانتے بھی ہیں (فلاں کام ہم نے گناہ کا کیا اور یہ کہ توبہ ضرور ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ غفار ہے، مطلب یہ کہ اعمال کی بھی درستی کر لیتے ہیں، اور عقائد بھی درست رکھتے ہیں) ان لوگوں کی جزاء بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے، اور (بہشت کے) ایسے باغ ہیں کہ ان کے (درختوں اور مکانوں کے) نیچے سے نہریں چلتی ہونگی اور ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (اور اسی مغفرت اور جنت کی تحصیل کا شروع آیتوں میں حکم تھا، بیچ میں اس کا طریقہ بتلایا، ختم پر اس کا وعدہ فرمایا) اور (یہ) اچھا حق الخدمت ہے ان کام کرنے والوں کا (وہ کام استغفار اور حسن اعتقاد ہے، اور استغفار کا نتیجہ آئندہ اطاعت کی پابندی ہے، جس پر عدم اصرار دلالت کرتا ہے) بالتحقیق تم سے قبل (زمانوں میں) مختلف طرق (کے لوگ) گذر چکے ہیں (ان میں مسلمان

www.toobaaelibrary.com

بھی تھے اور کفار بھی، اور ان میں اختلاف و مقابلہ و مقاتلہ بھی ہوا، لیکن انجام کار کفار ہی ہلاک ہوئے، چنانچہ اگر تم آثار کا مشاہدہ کرنا چاہو) تو تم روئے زمین پر چلو پھرو، اور دیکھ لو کہ اخیر انجام تکذیب کرنے والوں کا (یعنی کفار کا) کیسا ہوا، (یعنی ہلاک و برباد ہوئے، چنانچہ ان کی ہلاکت کے آثار اس وقت تک بھی باقی تھے، جس کو دوسری آیت میں فرمایا ہے فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً الخ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ الخ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ الخ) یہ (مضمون مذکور) بیان کافی ہے تمام لوگوں کے لیے (کہ اگر اس میں غور کریں تو عبرت حاصل کر سکتے ہیں) اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لیے (یعنی ہدایت اور نصیحت بھی یہی لوگ حاصل کرتے ہیں، ہدایت یہ کہ اس کے موافق عمل کریں) اور تم (اگر اس وقت مغلوب ہو گئے تو کیا ہوا) ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور آخر تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے مومن رہے (یعنی اس کے مقتضیات پر ثابت رہے) اگر تم کو زخم (صدمہ) پہنچ جاوے (جیسا احد میں ہوا) تو (کوئی گھبرانے کی بات نہیں کیونکہ اس میں چند حکمتیں ہیں، ایک تو یہ کہ) .... اس قوم کو بھی (جو کہ تمہارے مقابل تھی یعنی کفار) ایسے ہی زخم (صدمہ) پہنچ چکا ہے، (چنانچہ گذشتہ بدر میں وہ صدمہ اٹھا چکے ہیں) اور (ہمارا معمول ہے کہ) ان ایام کو (یعنی غالب و مغلوب ہونے کے زمانہ کو) لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں، (یعنی کبھی ایک قوم کو غالب اور دوسری کو مغلوب کر دیا، کبھی اس کا عکس کر دیا، سو اسی معمول کے مطابق پارسال وہ مغلوب ہوئے تھے، اب کے تم ہو گئے، ایک حکمت تو یہ ہوئی) اور (دوسری حکمت یہ ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو (ظاہری طور پر) جان لیویں (کیونکہ مصیبت کے وقت مخلص اور نیک کا امتحان ہو جاتا ہے) اور (تیسری حکمت یہ ہے کہ) کہ تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا، (بقیہ حکمتیں آگے آتی ہیں درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ظلم (کفر و شرک) کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے (پس اس کا احتمال نہ کیا جاوے کہ شاید ان کو محبوب ہونے کی وجہ سے غالب فرما دیا ہو ہرگز نہیں) اور (چوتھی حکمت یہ ہے) تاکہ (گناہوں کے) میل کچیل سے صاف کر دے ایمان والوں کو (کیونکہ مصیبت سے اخلاق و اعمال کا تصفیہ ہو جاتا ہے) اور (پانچویں حکمت یہ ہے کہ) مٹا دیوے کافروں کو (یہ اس لیے کہ غالب آ جانے سے ان کی ہمت بڑھے گی، پھر مقابلہ میں آویں گے اور ہلاک ہوں گے، دوسرے یہ کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے قہر خداوندی میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوں گے) ہاں اور سنو! کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت

www.toobaaelibrary.com

میں (خصوصیت کے ساتھ) جاداخل ہوں گے، حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو دیکھا ہی نہیں، جنہوں نے تم میں سے (خوب) جہاد کیا ہو اور جو جہاد میں ثابت قدم رہنے والے ہوں، اور تم تو (شہید ہو کر) مرنے کی (بڑی) تمنا کیا کرتے تھے، موت کے سامنے آنے سے پہلے سو (تمنا کے مطابق) اس (کے سامان) کو کھلی آنکھوں دیکھ لیا (پھر اس کو دیکھ کر کیوں بھاگنے لگے اور وہ تمنا کہاں بھول گئے)۔

تلخیص معارف ومسائل

اَضْعَافًا مُضٰعَفَةً کا ذکر حرمت وممانعت کی قید کے طور پر نہیں بلکہ سود کی قباحت کو واضح کرنے کے لیے ہے کیونکہ مطلقاً حرمت ربوا کا بیان تشدید وتاکید کے ساتھ دوسری آیات میں آیا ہے جس کی تفصیل سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے، اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً سے یہ اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ عادی سود خور خواہ اصطلاحی سود مرکب یعنی سود دَر سود کے معاملہ سے پرہیز بھی کرنے مگر سود سے حاصل شدہ کمائی کو جب پھر سود پر چلائے گا تو وہ لامحالہ اضعاف مضاعف ہوتا چلا جائے گا، حاصل یہ ہے کہ ہر ایک سود انجام کار اضعاف مضاعف ہی ہوتا ہے۔

رسول کی اطاعت کو الگ بیان کرنے کی حکمت

آیت :۱۳۲: رسول کی اطاعت بعینہٖ اللہ اور قرآن کی اطاعت کا نام ہے تو اسے علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت اور حکمت یہ ہے کہ ایک انسان کو اسلام اور ایمان کے بنیادی اصول کی طرف متوجہ کررہے ہیں، کہ ایمان کا پہلا جزء اللہ تعالیٰ کا وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی اطاعت کا اقرار کرنا ہے تو دوسرا جزء رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لیے کتاب بھیجی اور رسول بھی، رسول کے ذمہ یہ کام لگائے کہ وہ قرآن کی آیات ٹھیک اسی صورت اور لب ولہجہ کے ساتھ لوگوں کو پہنچادیں جس صورت سے وہ نازل ہوئیں، ارشاد ہے یتلوا علیھم آیاتہٖ الخ معلوم ہوا کہ رسول کے فرائض منصبی میں تلاوت کتاب کے ساتھ اس کی تعلیم وتبیین بھی ہے، اور تعلیم وتبیین کا مقصد محض الفاظ قرآنی کے لغوی معنی سمجھانا نہیں تھا بلکہ صرف یہی تھا کہ قرآن نے ایک حکم مجمل یا مبہم الفاظ میں بیان کیا، اس کی تفصیل وتشریح رسول کریمؐ نے اس وحی کے ذریعہ سے لوگوں تک پہنچائی جو قرآن کے الفاظ میں نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک میں ڈالی، جس کی طرف اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم) میں اشارہ کیا گیا ہے مثلاً نماز

www.toobaaelibrary.com

اور زکوٰۃ کا حکم قرآن نے فرمایا مگر کہیں نماز کی کیفیت رکوع وسجود وغیرہ اور زکوٰۃ کے مختلف نصاب اور مقدار کا تعین نہیں بتلایا، اس کی تفصیلات سے خاموش ہے، جبرئیل امین نے رسول کریم کو خود آ کر اللہ کے حکم سے ان اعمال صلوٰۃ وزکوٰۃ کی تفصیلی صورت عمل کر کے بتلائی اور آپ نے اسی طرح قولاً وعملاً امت کو پہنچایا۔ اسی طرح اور احکام کو سمجھ لیجئے، جو تمام تفصیلات قرآن میں مذکور نہ ہونے سے احتمال تھا کہ کسی وقت کسی ناواقف کو دھوکہ ہو کہ یہ تفصیلی احکام خدا کے دیے ہوئے نہیں ہیں، اس لیے خدا کی اطاعت میں ان کی تعمیل بھی غیر ضروری ہے، اس لیے سارے قرآن میں رسول کی اطاعت کو بار بار لازم قرار دیا، اور کہیں یہ ارشاد ہے کہ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورہ حشر آیت (۷) یعنی رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے باز آجاؤ، یہ مسئلہ اہم تو تھا ہی اس کے علاوہ دشمنان اسلام کے لیے اسلامی اصول میں گڑبڑی پھیلانے کا بھی ایک موقع تھا، رسول کریمؐ پر غالبًا یہ منکشف ہو گیا تھا کہ ایک زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رسول کی تعلیمات اور تشریحات سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لیے ہی دعویٰ کریں گے کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے، اس لیے ایک حدیث میں صراحۃً ذکر فرمایا جسے ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی اور امام احمد رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے: لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نھیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ. یعنی ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر ونہی کے متعلق یہ کہہ دے کہ ہم اس کو نہیں جانتے، ہمارے لیے تو کتاب اللہ کافی ہے جو کچھ اس میں پاتے ہیں اس کا اتباع کر لیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ رسول کے دیئے ہوئے احکام کو ماننے کی مختلف عنوانات سے ہدایات اسی خطرہ کے پیش نظر ہیں کہ کوئی شخص ذخیرۂ احادیث میں پیغمبر علیہ السلام کی بیان فرمودہ تفصیلات احکام کو قرآن سے الگ اور اطاعت الٰہی سے جدا سمجھ کر انکار نہ کر بیٹھے۔ کیونکہ وہ درحقیقت الگ نہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ❁ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

آیت: ۱۳۳: صحابہ و تابعین سے مغفرت کی تفسیریں مختلف عنوانات سے منقول ہیں، مگر متون اور مضمون سب کا ایک ہے، حضرت علیؓ نے اس کی تفسیر "ادائیگی فرائض" سے، ابن عباسؓ نے "اسلام" سے ابو العالیہ نے "ہجرت" سے انس بن مالکؓ نے "تکبیر اولیٰ" سے سعید بن جبیرؓ نے "ادا اطاعت" سے، ضحاک نے "جہاد" سے، عکرمہ نے "توبہ" سے فرمائی ہے، ان تمام اقوال کا حاصل

www.toobaaelibrary.com

یہی ہے کہ مغفرت سے مراد وہ تمام اعمال صالحہ ہیں جو مغفرت الٰہی کا باعث اور سبب ہوتے ہیں۔

ایک دوسری آیت: لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (نساء آیت ۳۲) سے مراد فضائل غیر اختیار یہ ہیں، جیسے سفید رنگ، یا حسین ہونا، کسی بزرگ خاندان سے ہونا وغیرہ اختیار یہ میں دوسرے کی فضیلت حاصل کرنے کی کوشش بلکہ اس کی تمنا کرنے سے بھی روکا گیا ہے، اس لیے کہ وہ اللہ نے اپنی حکمت کے مطابق مخلوق میں تقسیم کیے ہیں، یہ فضائل تمنا و کوشش سے حاصل تو ہوں گے نہیں اب سوا اس کے کہ دل میں حسد اور بغض کی آگ بھڑکتی رہے اور کوئی فائدہ نہیں، البتہ فضائل اختیار یہ میں مسابقت اور مقابلہ کا حکم دیا گیا، اور وہ متعدد آیات میں آیا ہے، فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ، وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔

مَغْفِرَةٍ کو جنت سے مقدم کیا، ممکن ہے یہ اشارہ ہو کہ انسان کی ساری عمر کی نیکیاں اور معاصی سے کنارہ کشی جنت کی قیمت نہیں ہوسکتی، جنت کا حصول مغفرت اور فضل الٰہی کے بغیر ناممکن ہے، حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا فَاِنَّهٗ لن يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ عمله، قالوا و لا انت يا رسول الله، قال و لا انا الا ان يتغمدني الله برحمته (ترغیب و ترہیب بحوالہ بخاری و مسلم) یعنی راستی اور حق اور درمیانی راہ کو اختیار کرو اور اللہ کے فضل کی) کی بشارت حاصل کرو، کسی شخص کا عمل اس کو جنت میں نہیں پہنچائے گا، لوگوں نے کہا، آپؐ کا بھی نہیں؟ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا نہ میرا عمل جنت میں پہنچائے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔"

لیکن عادۃ اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسی کو نوازتا ہے جو اعمال صالحہ کرتا ہے بلکہ جس کو اعمال صالحہ کی توفیق ہوگی، وہی رضاء الٰہی کی علامت ہے لہٰذا ادائیگی اعمال میں کبھی کوتاہی نہیں کرنا چاہئے، اور مغفرت کی اہمیت کے پیش نظر مطلق مغفرۃ کے بجائے مغفرۃ مِنْ رَّبِّكُمْ فرمایا گیا، اس سے حرو لطف و امتنان کا اظہار مقصود ہے۔

دوسری چیز جنت ہے اس کی وسعت بیان کرنے کے لیے آسمان و زمین کا عرض بیان کیا گیا ہے چونکہ انسان کے دماغ میں آسمان و زمین سے زیادہ وسیع کوئی اور چیز نہیں آسکتی اس لیے سمجھانے کے لیے اس سے تشبیہ دی، پھر جب اس کے عرض کا یہ حال ہے تو طول کا کیا حال ہوگا، خدا ہی جانے، اور عرض کو بمعنی ثمن لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جنت کوئی معمولی شے نہیں ہے اس کی قیمت سارا آسمان و زمین ہے (تفسیر کثیر) لہٰذا ایسی عظیم الشان چیز کے لیے مسابقت اور مسارعت کرو۔

www.toobaaelibrary.com

اُعِدَّتْ سے معلوم ہوا کہ جنت پیدا کی جا چکی ہے، اور قرآن وحدیث کے واضح اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساتویں آسمان کے اوپر ہے گویا ساتواں آسمان اس کی زمین ہے۔

آیت ۱۳۳ تا ۱۳۶: میں اللہ تعالیٰ نے متقین کی خاص علامات اور صفات بتلائی ہیں، دنیا میں ہر گروہ کے اندر اچھے اور برے لوگ ہوا کرتے ہیں، اچھوں کے لباس میں برے بھی ہوتے ہیں اس لیے مقبولین کی خاص علامات بتلا دی گئیں تا کہ دھوکہ نہ ہو، اس کے بعد جنت کے اعلا مقامات بتلایا تا کہ اچھوں کے لیے خوشخبری اور بروں کے لیے نصیحت وترغیب ہو، مقبولین کی صفات میں ابتداء ان صفات کا ذکر ہے جن کا تعلق حقوق العباد اور باہمی معاشرت سے ہے، بعد میں حقوق اللہ والی صفات ہیں، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اگر چہ اصلا حقوق اللہ ہی مقدم ہیں لیکن دونوں میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ اللہ کی ذات بے نیاز ہے، ادائے گی حق سے نہ تو اس کا فائدہ اور نہ ہی عدم ادائیگی میں نقصان نیز وہ ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین ہے اس کے حقوق میں کوتاہی کرنے والا جس وقت بھی نادم ہو کر توبہ کر لے تو ایک دم سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں، حقوق العباد کا معاملہ ایسا نہیں ہے، اس لیے اس کی ایک خاص اہمیت ہے۔ پھر یہ کہ نظام عالم اور انسانی معاشرہ کی اصلاح کا بڑا دارومدار باہمی حقوق کی ادائیگی پر ہے۔

فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ میں یہ ہدایت ہے کہ غریب اور فقیر خود کو انفاق فی سبیل اللہ سے فارغ نہ سمجھیں اور اس سعادت سے محروم نہ ہوں، کیونکہ مالدار کا ہزار روپے میں سے ایک روپیہ خرچ کرنا اور غریب کا ہزار پیسے میں سے ایک پیسہ خرچ کرنا برابر درجے کا ہے نیز یہ کہ تا کہ انفاق کی مبارک خصلت ثانیہ ہو جائے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسی کی برکت سے فراخی بھی عطا فرما دیں، نیز یہ کہ ایسا شخص دوسروں کے حقوق کو غصب کرنے کی فکر میں نہ رہے گا، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگ دوسرے انسانوں کو نفع پہنچانے کی فکر میں رہا کرتے ہیں، خواہ اپنی فراخی ہو یا تنگی، حضرت عائشہؓ نے ایک بار صرف ایک انگور کا دانہ خیرات میں دیا کیونکہ اس وقت یہی تھا حضور کا ارشاد ہے اتقوا النار ولو بشق تمرۃ وردّوا السائل ولو بظلف شاۃٍ یعنی تم جہنم کی آگ سے خود کو بچاؤ اگر چہ ایک کھجور کا ٹکڑا صدقہ میں دے کر ہی ہو، اور سائل کو خالی واپس نہ کرو اور کچھ نہ ہو تو بکری کے پاؤں کی کھر ہی دیدو۔"

بہر حال پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ انفاق فی سبیل اللہ صرف مالداروں ہی کا حصہ نہیں غریب بھی اس صفت کے حامل ہو سکتے ہیں۔

www.toobaaelibrary.com

يُنفِقُونَ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف مال و دولت ہی نہیں بلکہ ہر خرچ کرنے کی چیز داخل ہے مثلاً وقت محنت کا انفاق تنگی اور فراخی کے ذکر میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ان دو حالتوں میں انسان عادۃً خدا کو بھول جاتا ہے، دولت کے فراوانی ہو تو عیش میں اور تنگی اور مصیبت ہو تو اس کی فکر میں غافل ہو جاتا ہے، گویا اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو نہ عیش میں خدا کو بھولتے ہیں اور نہ مصیبت میں۔

اس کے بعد ایک خاص صفت یہ بتائی کہ کسی کے طرف سے اذیت و تکلیف سے غصہ میں مشتعل و مغلوب ہو کر انتقام کے درپے نہیں ہوتے، بلکہ دل سے معاف بھی کر دیتے ہیں بلکہ مزید برآں اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہیں، اسی ایک صفت میں گویا تین صفتیں شامل ہیں، غصہ پر قابو پانا، معاف کر دینا، احسان کا سلوک کرنا۔

بیہقیؒ نے سیدنا علی ابن حسین رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کی ایک کنیز آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت کے اوپر گرا، سارے کپڑے بھیگ گئے، غصہ آنا طبعی امر تھا، کنیز کو خطرہ ہوا اس نے فوراً یہ آیت پڑھی والکاظمین الغیظ یہ سنتے ہی خاندان نبوت کے اس بزرگ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا بالکل خاموش ہو گئے، اس کے بعد کنیز نے دوسرا جملہ والعافین عن الناس پڑھ دیا، تو فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے بھی معاف کر دیا، کنیز بھی ہوشیار تھی اس نے تیسرا جملہ بھی سنا دیا واللہ یحبُّ المحسنین، آپ نے سنکر فرمایا کہ جا میں نے تجھے آزاد کر دیا (روح المعانی)۔

خطاؤں کو معاف کر دینا اخلاق انسانی میں بڑا درجہ رکھتا ہے، اس کا ثواب آخرت بہت اعلیٰ ہے، ارشاد رسالت ہے کہ "قیامت کے روز حق تعالیٰ کی طرف سے منادی ہو گی کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہو وہ کھڑا ہو جائے تو اس وقت کھڑے ہونے والے وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے دنیا میں لوگوں کے ظلم و جور کو معاف کیا ہو گا" ایک حدیث میں ارشاد ہے جو شخص یہ چاہے کہ اس کے محلات جنت میں اونچے ہوں اور اس کے درجات بلند ہوں اس کو چاہئے کہ جس نے اس پر ظلم کیا ہو اس کو معاف کر دے اور جس نے اس کو کبھی کچھ نہ دیا ہو اس کو بخشش و ہدیہ دیا کرے اور جس نے اس سے ترک تعلقات کیا ہو یہ اس سے ملنے میں پرہیز نہ کرے، اور اس خلق عظیم سے تو دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں، ارشاد ربانی ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ارشاد رسالت ہے صِلْ من قطعك واعف عمن ظلمك واحسن الی من اساء الیك.

www.toobaaelibrary.com

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص نے بھرے بازار میں آپ کی شان میں گستاخی کی، گالیاں دیں، آپ نے ضبط فرمایا، اسے کچھ نہ کہا، گھر واپس آ کر ایک خوان میں کافی درہم و دینار رکھ کر اس شخص کے گھر تشریف لے گئے اور اشرفیوں کا یہ خوان اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش فرمایا کہ آج تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا، اپنی نیکیاں مجھے دیدیں، میں اس کے بدلے یہ تحفہ پیش کر رہا ہوں، اس کا اثر ہونا ہی تھا، وہ ہمیشہ کے لیے تائب ہو گیا، معافی مانگی، اور آپ کی صحبت اور خدمت میں علم حاصل کرنے لگا حتی کہ آپ کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت اختیار کر لی۔

گناہوں کی معافی کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں ایک پچھلے گناہوں پر ندامت، اور اس سے معافی اور مغفرت کی دعا کرنا، دوسرے آئندہ کے لیے اس کے پاس نہ جانے کا عزم محکم کرنا۔

آیت: ۱۳۹: غزوۂ احد میں عارضی شکست کے اسباب مسلمانوں کی تین لغزشیں تھیں اوّل آپس کا اختلاف، دوسرا سبب پیغمبر علیہ السلام کے قتل کی خبر مشہور ہو گئی تو مسلمانوں کے قلوب میں کمزوری آگئی، نتیجہ بزدلی اور کم ہمتی کی صورت میں ظاہر ہوا، تیسرا سبب سے اہم سبب یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں اختلاف پیش آیا، اگرچہ یہ شکست انجام کار فتح میں تبدیل ہو چکی تھی، لیکن مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور تھے، ان کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے پڑی تھیں، پیغمبر علیہ السلام کو بھی اشقیاء نے زخمی کر دیا تھا، شدائد و یاس کا ہجوم تھا اور اپنی ان لغزشوں کا بھی صدمہ تھا، گذشتہ باتوں کے رنج و غم کے ساتھ ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ مسلمان آئندہ کے لیے کہیں کمزور نہ ہو جائے، ان دونوں رخنوں کو بند کرنے کے لیے قرآن کا یہ ارشاد آیا، اس کے بعد والی آیت میں ایک دوسرے انداز میں تسلی کے لیے ارشاد ہے، کہ اگر اس جنگ احد میں تم کو زخم پہنچا تو اسی طرح کے حوادث فریق مقابل کو بھی بدر میں پیش آ چکے ہیں اور خود اس لڑائی (احد) میں بھی ابتداء ان کے بہت سے آدمی مقتول ہوئے اس آیت میں ایک اہم ضابطہ کی طرف رہنمائی ہے کہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ وہ سختی نرمی، دکھ سکھ کے دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے ہیں بزدلی کے بجائے شکست کے اسباب کا پتہ لگا کر ان کا تدارک کرنا چاہیے انجام کار فتح جماعت حقہ ہی کو نصیب ہو گی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ

www.toobaaelibrary.com

مِنْهَا، وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝
فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور محمد (ﷺ) نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں جس پر قتل یا موت ممکن نہ ہو) آپؐ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں (اسی طرح آپ بھی ایک روز گذر ہی جائیں گے) سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپؐ شہید ہو جاویں تو کیا تم لوگ (جہاد یا اسلام سے) الٹے پھر جاؤ گے (جیسا کہ اس واقعہ میں بعضے مسلمان میدان جنگ سے بھاگ پڑے تھے اور منافقین ترغیب ارتداد کی دے رہے تھے) اور جو شخص (جہاد یا اسلام سے) الٹا پھر جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا (بلکہ اپنا ہی کچھ کھووے گا) اور خدا تعالیٰ جلدی ہی (نیک) عوض دے گا، حق شناس لوگوں کو (جو ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھ کر اس کی اطاعت پر قائم و مستقل رہتے ہیں، اور قیامت کو ملنا جلدی ہی ملنا ہے، کیونکہ قیامت روزانہ قریب ہی ہو رہی ہے) اور (نیز کسی کے مرنے سے اتنا گھبرانا بھی فضول ہے، کیونکہ اوّل تو) کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں (خواہ طبعاً خواہ عقلاً) بدون حکم خدا کے (پھر جب خدا کے حکم سے ہے تو اس پر راضی رہنا ضرور ہے، دوسرے یہ کہ جس کو موتی آتی بھی ہے تو) اس طور سے کہ اس کی میعاد معین لکھی ہوئی رہتی ہے (جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی، تو پھر ارمان اور حسرت محض بیکار ہے، تو وہ وقت پر ضرور ہوگی، اور وقت سے پہلے ہرگز نہ ہوگی) اور (پھر یہ کہ اس تو حش پر بھاگنے کا آخر نتیجہ کیا، بجز اس کے کہ دنیا میں اور چند روز زندہ رہیں، سو ایسی تدبیر کا اثر سن لو کہ) جو شخص (اپنے اعمال و تدابیر میں) دنیوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کا حصہ (بشرطِ اپنی مشیت کے) دیدیتے ہیں (اور آخرت میں اس کے لیے کچھ حصہ نہیں) اور جو شخص (اپنے اعمال و تدابیر میں) اُخروی نتیجہ چاہتا ہے (مثلاً جہاد میں اس لیے ثابت قدم رہا کہ یہ تدبیر ہے ثوابِ آخرت کی) تو ہم اس کو آخرت کا (حصہ اور ذمہ کر کے) دیں گے، اور بہت جلد (نیک) عوض دیں گے (ایسے) حق شناسوں کو (جو اپنے اعمال میں آخرت کی نعمت چاہیں) اور بہت نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ بہت بہت اللہ والے (کفار کے ساتھ) لڑے ہیں، نہ انہوں نے ہمت ہاری ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اور نہ ان کے (قلب

یا بدن) کا زور گھٹا اور نہ وہ (دشمن کے سامنے) دبے (کہ ان سے عاجزی اور خوشامد کی باتیں کرنے لگیں) اور اللہ تعالیٰ کی ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے (اور افعال میں تو ان سے کیا لغزش ہوتی) ان کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کہ انھوں نے (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں کو حد سے آگے نکل جانے کو بخش دیجئے، اور ہم کو (کفار کے مقابلہ میں) ثابت قدم رکھئے، اور ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے تو (اس استقلال اور دعا کی برکت سے) ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بدلہ بھی دیا (یعنی فتح وظفر) اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دیا (یعنی رضا اور جنت) اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکوکاروں سے محبت ہے۔

تلخیص معارف ومسائل

غزوۂ احد کے واقعات بوجوہ خاص اہمیت کے حامل ہیں اور ان میں جو ہدایات پوشیدہ تھیں ان کا اسی لیے مسلسل بیان ہو رہا ہے، بعض صحابہ کرام کی ایک لغزش پر تہدید آمیز تنبیہ کرتے ہوئے ایک اصولی مسئلہ کی طرف ہدایت کی گئی ہے عارضی شکست آنحضور ؐ کے زخمی ہونے اور آپ کی خبر وفات پھیل جانے اور اس پر بعض صحابہ کی ہمت پست ہو جانے میں یہ راز بھی تھا کہ مسلمان اس اصولی مسئلہ پر عملی طور پر پختہ ہو جائیں۔

وہ مسئلہ یہ تھا کہ جہاں حضور ؐ کی عظمت ومحبت کو جزو ایمان اور اس میں ادنیٰ کمزوری کو کفر کے مرادف قرار دیا گیا ہے وہیں یہ بات بھی اتنی ہی اہم تھی کہ کہیں مسلمان نصاریٰ کی طرح پیغمبر علیہ السلام کی عظمت ومحبت کو پرستش کی حد تک پہنچا دیں اور شریک خدائی ٹھہرا لیں۔

غزوۂ احد میں حضور ؐ کی خبر وفات سے صحابہ کرام ؓ پر جو کچھ گذری اور گذرنی چاہئے تھی اس کا اندازہ کرنا بھی ہر شخص کے لیے آسان نہیں، اس کا اندازہ تو کچھ وہی لگا سکتا ہے جسے صحابہ کرام ؓ کی جاںنثاری اور عشق رسول ؐ کا کچھ اندازہ ہو۔

میدان جنگ گرم ہے، فتح کے بعد شکست کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں، ایسے عالم میں ساری کوششوں اور امیدوں کی محور اور مظہر ہستی کی وفات کی خبر وحشت اثر کا نتیجہ ہی یہ تھی، یہ میدان جہاد سے ہٹنا خدانخواستہ اسلام سے پھر جانے کا کوئی وسوسہ بھی نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ تو اصحاب رسول ؐ کو فرشتہ خصلت جماعت بنانا چاہتا ہے جو دنیا کے لیے نمونہ عمل بنے اس لیے ان کی لغزش بھی سخت قرار دی گئی، ع نزدیکاں را بیش بود حیرانی

اس لیے ایسا خطاب کیا گیا جیسے اسلام چھوڑنے پر کیا جاتا ہے، اور تنبیہ کی گئی، کہ دین وعبادت اور جہاد

www.toobaaelibrary.com

اللہ کے لیے ہیں جو ہمیشہ زندہ اور قائم ہے، اگر بالفرض وفات رسولؐ کی خبر صحیح بھی ہوتی تو بہر حال یہ تو ایک دن ہونا ہی ہے، اس پر ہمت ہار بیٹھنا اور دین کا کام چھوڑ دینا ان حضرات کے شایانِ شان نہیں، اس لیے ارشاد فرمایا: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ الأیۃ۔

اس خبر وفات کی شہرت میں یہ قدرتی راز تھا کہ جو حالات صحابہ کرامؓ پر آپؐ کے بعد پیش آسکتے تھے وہ آپؐ کی دنیوی حیات ہی میں ظاہر کر دیے گئے تا کہ جو لغزش ہو اس کی اصلاح خود زبان مبارکؐ سے ہو جائے، اور آئندہ جب یہ واقعۂ وفات سچ مچ پیش آئے تو یہ عشاقِ رسولؐ از جارفتہ نہ ہو جائیں، چنانچہ آپؐ کی وفات کے وقت اجلۂ صحابہؓ کے ہوش و حواس بجانہ تھے تو صدیق اکبرؓ نے اسی قسم کی آیات قرآنیہ کی سند لیکر ان کو سمجھایا اور وہ سب سنبھل گئے۔

دوسری آیت میں بھی ثابت قدمی کی تعلیم دینے کے لیے ارشاد ہے کہ ہر انسان کی موت لکھی ہوئی ہے تاریخ وقت متعین ہے، نہ اس سے پہلے آسکتی ہے اور نہ اس کے بعد وہ زندہ رہ سکتا ہے پھر کسی کی موت سے ایسے سراسیمہ ہو جانے کے کوئی معنی نہیں۔

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا الخ یاد رہے کہ حقیقت کے اعتبار سے مالِ غنیمت جمع کرنا بھی نری دنیا طلبی نہیں جو شرعاً مذموم ہے، بلکہ یہ بھی ایک جزو جہاد و عبادت ہی ہے، ان حضرات کا اس میں شریک ہونا محض طمع دنیوی کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ انہیں مال غنیمت میں حصہ تو ملتا ہی ہاں کچھ نہ کچھ دنیوی منفعت کا تعلق ضرور تھا اور اس کا طبعی اثر قلوب میں ہونا بھی مستبعد نہ تھا۔ صحابہ کرام کے معیار اخلاق بلند سے بلند کرنے کے لیے ان کے اس عمل کو بھی ارادۂ دنیا سے تعبیر کر دیا، کہ طمع دنیا کا ادنیٰ غبار بھی ان کے قلوب تک نہ جاسکے۔

آیت: ۱۴۶: پچھلی آیتوں کا تکملہ ہے، رِبِّيُّوْنَ حضرت ابن عباسؓ و حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ اس سے مراد علماء و فقہاء ہیں (روح المعانی)

آیت: ۱۴۷: ان دعاؤں کے ضمن میں مسلمانوں کے لیے چند اہم ہدایات ہیں، وہ یہ کہ اپنے کسی نیک عمل پر ناز نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر حال میں اللہ سے مغفرت اور عمل پر قائم و ثابت رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہئے، وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ یعنی آخرت کا بدلہ تو اصل بدلہ اور دائمی راحت ہے جسے کبھی فنا نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ

www.toobaaelibrary.com

اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ
مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ
وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ
اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ
لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ
عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا
مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا
يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ
يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا
يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ
لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا
فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ
اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو (کفر کی طرف) الٹا پھیر دیں گے (مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا اصل مقصد مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانا اور بدگمان کرنا ہے جس کو کبھی صراحۃً بھی کہہ دیتے ہیں، اور کبھی صاف نہیں کہتے مگر انداز ایسا ڈالتے ہیں کہ رفتہ رفتہ ان کے دل سے اسلام کی عظمت ومحبت کم ہوتی چلی جائے) پھر تم (ہر طرح) ناکام ہو جاؤ گے (خلاصہ یہ کہ وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں اگرچہ اظہار دوستی کا کریں) بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا دوست ہے، اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے، (اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں، اسی کی مدد پر بھروسہ کریں، مخالفین اگر تمہاری نصرت وامداد کی کچھ تدبیریں بھی بتلائیں تو اللہ ورسولؐ کے احکام کے خلاف ان پر عمل نہ کرو) ہم ابھی ڈالے دیتے ہیں رعب (ہیبت) کافروں کے دلوں میں، بہ سبب اس کے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایک ایسی چیز کو ٹھیرایا جس (کے قابل شرکت ہونے) پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی (نہ لفظاً اور صراحۃً اور نہ معنیً یعنی ایسی دلیل جس کا شرع میں اعتبار ہو اس میں تمام دلائل عقلیہ قطعیہ داخل

www.toobaaelibrary.com

ہو گئے مطلب یہ ہے کہ یوں تو ہر جاہل اپنی کوئی دلیل پیش کیا ہی کرتا ہے مگر کوئی قابل اعتبار دلیل ان کے پاس نہیں) اور ان کی جگہ جہنم ہے، اور وہ بری جگہ ہے ظالموں کی، (اس آیت میں کفار پر رعب وہیبت طاری کرنے کا جو وعدہ ہے اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ اوّل تو باوجود اس کے کہ شکست مسلمانوں کو ہو رہی تھی، مشرکین عرب بلا کسی ظاہری سبب کے مکہ کی طرف لوٹ گئے، (بیضاوی) پھر جب کچھ راستہ طے کر چکے تو اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگے کہ جب مسلمان دم توڑ چکے تھے تو اس وقت وہاں سے واپس آنا کوئی دانشمندی نہیں تھی، اور پھر مدینہ کی طرف واپسی کا کچھ ارادہ کیا، تو اللہ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ مدینہ کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کسی راہ چلتے گاؤں والے سے کہہ دیا کہ ہم تجھے اتنا مال دیں گے تم مدینہ جا کر مسلمانوں کو ڈرا دو کہ وہ پھر لوٹ کر آ رہے ہیں یہاں یہ سارا واقعہ آں حضرت کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تو رسول اللہ ان کے تعاقب کے لیے مقام حمراء الاسد تک پہنچے مگر وہ بھاگ چکے تھے، یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔ اگلی آیتوں میں غزوۂ اُحد کے اندر مسلمانوں کی عارضی شکست اور مغلوبیت کے اسباب کا بیان ہے، ارشاد ہے) اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنا وعدہ (نصرت کو) سچا کر دکھایا، جس وقت کہ تم (ابتداءِ قتال میں) ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے (اور یہ تمہارا غلبہ آہستہ آہستہ بڑھتا گیا) یہاں تک کہ تم خود ہی (رائے میں) کمزور ہو گئے (اس طرح کہ جو تجویز رسول اللہ نے عقب کے مورچہ پر پچاس سپاہی اور ایک افسر کو بٹھا کر فرمائی تھی اس میں بعض کو غلط فہمی ہو گئی کہ مسلمان فتح پا چکے ہیں، اب یہاں بیٹھے رہنے کی ضرورت ختم ہو گئی، اس لیے ہمیں بھی دشمن کے مقابلہ میں شریک ہو جانا چاہیے) اور باہم (رسول اللہ کے) حکم میں اختلاف کرنے لگے (کہ بعض تو اسی جگہ جمے رہنے کی ہدایت پر قائم رہے، مگر بعض دوسروں نے دوسری تجویز پیش کر دی، انکار و ملامت اسی دوسری تجویز پر ہے کہ) اور تم (رسول اللہؐ کے) کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات (آنکھوں سے) دکھا دی تھی (یعنی مسلمانوں کا غلبہ دکھلایا تھا، اور اس وقت تمہاری یہ حالت تھی کہ) تم میں سے بعض تو وہ تھے جو دنیا (کا لینا) چاہتے تھے (یعنی کفار کا تعاقب کر کے مالِ غنیمت جمع کرنا چاہتے تھے) اور بعض تم میں وہ تھے جو (صرف) آخرت کے طلب گار تھے (اب چوں کہ بعض سے رائے کی کمزوری اور خلاف حکم رسول اللہ دوسری تجویز پیش کرنا اور آپ کے کہنے پر نہ چلنا اور طلب دنیا جیسے بعض امور سرزد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے اپنی نصرت کو بند کر لیا) اور پھر تم کو ان کفار (پر غالب آنے) سے ہٹا دیا

www.toobaaelibrary.com

(باوجودیکہ یہ عارضی شکست تمہارے فعل کا نتیجہ تھی، مگر پھر بھی منجانب اللہ یہ عمل بطور سزا کے نہیں بلکہ اس مصلحت سے ہوا) تاکہ خدا تعالیٰ تمہاری آزمائش (ایمان کی) فرمادے چناں چہ اس وقت منافقین کا نفاق کھل گیا اور مخلصین کی قدر بڑھ گئی) اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا (اب آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا) اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں (کے حال) پر وہ وقت یاد کریں جب تم (بھاگتے ہوئے جنگل کو) چڑھے چلے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول (ﷺ) تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے (کہ ادھر آؤ ادھر آؤ مگر تم نے سنا ہی نہیں) سو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں غم دیا بسبب (تمہارے) غم دینے کے (رسول اللہ ﷺ کو) تاکہ (اس پاداش اور معصیت سے تم میں پختگی پیدا ہو جائے جس سے پھر) تم مغموم نہ ہوا کرو نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جاوے، اور نہ اس پر جو تم پر مصیبت پڑے، اور اللہ تعالیٰ سب خبر رکھتے ہیں تمہارے سب کاموں کی (اس لیے تم جیسا کام کرتے ہو اس کے مناسب پاداش تجویز فرماتے ہیں آگے ازالۂ غم کا بیان ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین (اور راحت) بھیج دی اونگھ (جب کہ کفار میدان سے واپس ہو گئے اس وقت غیب سے مسلمانوں پر اونگھ غالب ہوئی جس سے سب غم غلط ہو گیا) کہ تم میں سے ایک جماعت (یعنی مسلمانوں) پر تو نیند کا غلبہ ہو رہا تھا اور ایک جماعت وہ تھی (یعنی منافقین کی) کہ ان کو اپنی جان ہی کی فکر پڑ رہی تھی (کہ دیکھئے یہاں سے بچ کر بھی جاتے ہیں) وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلاف واقع گمان کر رہے تھے جو محض حماقت کا خیال تھا (وہ خیال آگے ان کے قول سے اور اس کا حماقت و جہالت ہونا اس کے جواب سے معلوم ہوتا ہے، ان کا قول یہ تھا کہ) وہ یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارا اختیار کچھ چلتا ہے (مطلب یہ تھا کہ ہماری رائے کسی نے نہ سنی جو جنگ سے پہلے ہم نے دی تھی خواہ مخواہ سب کو مصیبت میں پھنسا دیا) آپ فرما دیجئے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے (چلتا) ہے (مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری رائے پر عمل بھی ہوتا جب بھی قضاء الٰہی غالب رہتی اور جو افتاد آنے والی تھی آکر رہتی، چنانچہ ان کے قول اور اس کے جواب کا مطلب آگے مفصل آتا ہے) وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو آپ کے سامنے (صراحۃً) ظاہر نہیں کرتے (کیونکہ ظاہر میں ان کے اس قول کا کہ ہمارا کیا اختیار ہے، یہ مطلب سمجھا جا سکتا ہے کہ تقدیر الٰہی کے سامنے بندہ کی تدبیر نہیں چلتی جو کہ عین ایمان کی بات ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جو لطیف جواب دیا گیا اس میں اس معنی کی تصدیق بھی ہے کہ واقعی اختیار اللہ ہی کا غالب ہے، مگر در حقیقت ان کا مطلب

www.toobaaelibrary.com

اس قول سے یہ نہیں تھا، بلکہ وہ یہ بات اس معنی سے) کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کچھ اختیار چلتا (یعنی ہماری رائے پر عمل ہوتا) تو ہم (میں جو لوگ یہاں قتل ہوئے وہ) یہاں مقتول نہ ہوتے (جس کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں اسی لیے آگے ان کے اس قول کی تکذیب اس طرح کی گئی کہ) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لیے قتل مقدر ہو چکا تھا وہ لوگ ان مقامات کی طرف (آنے کے لیے) نکل پڑتے جہاں وہ (قتل ہو ہو کر) گرے ہیں (غرض یہ ہے کہ یہ ظاہری مضرت جس قدر ہوئی وہ تو ٹلنے والی نہ تھی) اور (اس کے فوائد و منافع بہت عظیم تھے کیونکہ) جو کچھ ہوا، اس لیے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات (یعنی ایمان) کی آزمائش کرے (کیونکہ اس مصیبت کے وقت منافقین کا نفاق کھل گیا اور مؤمنین کا ایمان اور زیادہ مؤکد اور محقق ہو گیا) اور تا کہ تمہارے دلوں کی بات (یعنی اسی ایمان) کو (شوائب اور وساوس سے) صاف کر دے (کیونکہ مصیبت سے مؤمن کی توجہ غیر اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف لگ جاتی ہے جس سے ایمان کو جلاء اور قوت پہنچتی ہے) اور اللہ تعالیٰ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں (ان کو آزمائش کی حاجت نہیں، مگر اس لیے کہ عدالتی طریقہ سے مجرم کا جرم کھل کر سامنے آ جائے ایسے امور واقع کیے جاتے ہیں،) یقیناً تم میں جن لوگوں نے (میدان جنگ سے) پشت پھیر دی تھی جس روز کہ وہ دونوں جماعتیں (مسلمانوں اور کفار کی) باہم مقابل ہوئیں (یعنی احد کے روز اس کی وجہ) اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال (گذشتہ) کے سبب سے (یعنی ان سے کچھ خطاء و قصور ایسے ہو گئے تھے جس سے شیطان کو ان سے اور بھی معصیت کرا دینے کی طمع ہو گئی، اور اتفاق سے وہ طمع پوری بھی ہو گئی) اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا، واقعی اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے حلم والے ہیں (کہ صدور خطا کے وقت بھی کوئی سزا نہیں دی)

ربط: حضورؐ کی وفات کی افواہ گرم ہونے پر منافقین کو شرارت کا موقع مل گیا، مسلمانوں سے دین سے پھر جانے کے لیے کہنے لگے اس آیت میں یہ ہدایت ہے ان دشمنوں کی بات پر کان نہ لگائیں۔

تلخیص معارف و مسائل

آیت: ۱۵۱: مشرکین عرب بلا کسی ظاہری سبب کے مکہ کی طرف لوٹ جانے پر افسوس کرنے لگے کہ اس وقت جبکہ مسلمان دم توڑ چکے تھے وہاں سے واپسی کوئی دانشمندی نہیں تھی اور پھر مدینہ کی طرف واپسی کا کچھ ارادہ کیا تو اللہ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ مدینہ کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

www.toobaaelibrary.com

آیت:۱۵۲: اس میں غزوۂ احد کے اندر مسلمانوں کی عارضی مغلوبیت کے اسباب کا بیان ہے

لِيَبْتَلِيَكُمْ چنانچہ منافقین کا نفاق کھل گیا اور مخلصین کی قدر بڑھ گئی، یہ عارضی شکست بطورِ سزا نہ تھی۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا کا مطلب ما سبق میں آیت:۱۴۵، کے ذیل میں دیکھئے۔ آیت: ۱۵۳، سے آخر رکوع تک آیات غزوۂ احد سے متعلق ہیں، گھبراہٹ کی اصل وجہ حضورؐ کی شہادت کی خبر تھی، آپؐ کے پکارنے میں اس خبر کی کوئی تردید تو تھی نہیں، اور آواز اگر پہنچی بھی ہو تو پہچانی نہیں گئی پھر جب کعبؓ ابن مالک نے پکارا تو اس میں تردید بھی تھی اور حضورؐ کا حیات ہونا مذکور تھا یہ سن کر سب کی تسلی ہوئی اور جمع ہو گئے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب اور حضورؐ کو غم اس لیے ہوا کہ اگر مستقل مزاج رہتے تو آواز کو پہچان سکتے تھے۔ (بیان القرآن)

فَاَثَابَكُمْ غَمًّا، سزا صورتاً تھی مربیانہ اصلاح کے لیے، یہ حاکمانہ سزا سے مختلف ہے۔

اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی کوئی سابقہ لغزش اس شیطانی اثر کا سبب ہے؟ جواب یہ ہے کہ ظاہری سبب تو وہ لغزش ہی ہوئی، روح المعانی میں زجاج سے منقول ہے کہ شیطان نے ان کو بعضے وہ گناہ یاد دلائے جن کو لے کر حق تعالیٰ سے ملنا ان کو اچھا نہ معلوم ہوا اس لیے جہاد سے ہٹ گئے تاکہ وہ اپنی حالت کو درست کر کے پھر پسندیدہ حالت پر جہاد کریں اور شہید ہو کر اللہ سے ملیں آیت سے معلوم ہوا کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا بھی سبب ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی مذکورہ خطائیں اگر شخصیات اور گردو پیش کے حالات سے الگ کر کے دیکھی جائیں تو بلاشبہ سنگین جرم تھے اور مشاجرات صحابہ میں یہ سب سے شدید جرائم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مگر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے باوجود ان حضرات کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، وہ مذکورہ آیات میں وضاحت کے ساتھ آ گیا اول ظاہری انعام اونگھ (نعاساً) کا بھیج کر ان کی تکلیف اور تکان و پریشانی دور کی گئی، پھر یہ بتلایا گیا کہ یہ مصائب اور غم نری سزا و عقوبت نہیں بلکہ اس میں کچھ مربیانہ حکمتیں مستور ہیں پھر صاف لفظوں میں معافی کا اعلان فرمایا، ان سب باتوں کے اعادہ کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ پہلی مرتبہ خود صحابۂ کرامؓ کی تسلی کے لیے ارشاد ہوا، اور اس جگہ منافقین کے اس قول کا رد بھی مقصود ہے کہ ''تم نے ہماری رائے پر عمل نہ کیا اس لیے مصائب کا سامنا ہوا، بہرحال معلوم ہوا کہ بارگاہ الٰہی میں اصحاب رسولؐ کو محبوبیت کا کتنا بلند مقام ہے۔

www.toobaaelibrary.com

اسی طرح کا ایک معاملہ حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ کا حضورؐ کے سامنے پیش ہوا انہوں نے مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے حالات کے متعلق ایک خط لکھ دیا تھا، بذریعہ وحی یہ خط پکڑا گیا، صحابہؓ کرام کو ان کے خلاف سخت غیظ وغضب تھا، فاروق اعظمؓ نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن ماردوں، مگر حضورؐ کو معلوم تھا کہ وہ منافق نہیں مؤمن مخلص ہیں مگر یہ غلطی ان سے سرزد ہوگئی، اس لیے ان کو معاف کردیا اور فرمایا کہ اہل بدر میں سے ہیں اور شاید اللہ تعالیٰ نے تمام بدریین کے متعلق مغفرت اور معافی کا حکم نافذ کردیا ہے۔

عام مسلمانوں کے لیے ایک سبق صحابہؓ کرام اگر چہ گناہوں سے معصوم نہیں ان سے بڑے گناہ بھی ہوئے ہیں مگر اس کے باوجود امت کے لیے یہ جائز نہیں کہ کہ ان کی طرف کسی برائی یا عیب کو منسوب کرے، جب اللہ اور اس کے رسول نے انہیں معاف کر کے ان کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمایا اور ان کو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مقام عطا فرمایا تو پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ان میں سے کسی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرے، بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کا قول بھی اسی طرح کا وارد ہے، اس لئے اہل سنۃ والجماعۃ کی تمام کتب عقائد اس پر متفق ہیں کہ تمام صحابہؓ کرام کی تعظیم، اور ان پر طعن واعتراض سے پرہیز واجب ہے (دیکھئے عقائد نسفیہ، مسامرہ، شرح مواقف، اور عقیدۂ واسطیہ)

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۚ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

www.toobaaelibrary.com

مِنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ
مُّبِينٍ ۝ أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝
وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ
قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي
قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ
فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ
يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ
وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو (حقیقت میں) کافر ہیں (گو ظاہراً اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں) اور کہتے ہیں اپنے (ہم نسب یا ہم مشرب) بھائیوں کی نسبت جب کہ وہ لوگ کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں (اور وہاں اتفاقاً مر جاتے ہیں) یا وہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں (اور اس میں تقدیر سے قتل ہو جاتے ہیں تو وہ منافق کہتے ہیں) کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے (سفر اور غزوہ میں نہ جاتے) تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (یہ بات ان کے دل اور زبان پر اس لیے آتی ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے قلوب کے لیے موجب حسرت کر دیں (یعنی نتیجہ اس طرح کی باتوں کا حسرت کے سوا کچھ نہیں) اور مارنا جلانا تو اللہ ہی ہے (خواہ سفر ہو یا حضر اور جنگ ہو یا امن) اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ دیکھ رہے ہیں (تو اگر تم بھی ایسی باتیں کرو یا ایسے خیالات میں مبتلا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہے گا) اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا کہ (اللہ کی راہ میں) مر جاؤ (تو یہ کوئی خسارہ نہیں نفع ہی نفع ہے کیونکہ) بالضرور اللہ تعالیٰ کے پاس کی مغفرت اور رحمت (دنیا کی) ان چیزوں سے (بدرجہا) بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں (اور اسی کے لالچ میں زندگی کو محبوب رکھتے ہیں اور) اگر تم (ویسے بھی) مر گئے یا مارے گئے (تب بھی) بالضرور اللہ ہی کے پاس جمع کیے جاؤ گے (پس اول تو قضا ٹلتی نہیں، دوسرے اللہ کے پاس جانے سے کسی حال بچ نہیں سکتے

www.toobaaelibrary.com

اور دین کی راہ میں مرنا یا مارا جانا تو موجب مغفرت ورحمت ہے تو پھر ویسے مرنے سے دین کی راہ میں جان دینا بہتر ہے اس لیے ایسے اقوال دنیا میں موجب حسرت اور آخرت میں موجب نار جہنم ہیں ان سے پرہیز لازم ہے) بعد اس کے (کہ صحابۂ کرام سے ایسی لغزش ہوئی جس پر آپ ؐ کو ملامت اور مواخذہ کرنے کا حق تھا) خدا ہی کی رحمت کے سبب (جو کہ آپ ؐ پر ہے) آپ ؐ ان کے ساتھ نرم رہے، اور اگر آپ ؐ (خدانخواستہ) تند خو سخت مزاج ہوتے تو یہ (بیچارے) آپ ؐ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے (پھر ان کو یہ فیوض و برکات کہاں نصیب ہوتے) سو (جب آپ ؐ نے برتاؤ میں ایسی نرمی فرمائی تو ان سے جو غلطی آپ ؐ کی تعمیل حکم میں ہو گئی ہے اس کو دل سے بھی) ان کو معاف کر دیجئے (اور ان سے جو غلطی اللہ تعالیٰ کے حکم میں کوتاہی سے ہوئی اس کے لیے) آپ ؐ ان کے لیے استغفار کیجئے (اگرچہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی معافی اور مغفرت کا اعلان پہلے ہی فرما دیا تھا مگر آپ کا ان کے لیے دعاءِ مغفرت کرنا مزید ان کے لیے مفید اور موجب تسلی ہوگا) اور ان سے خاص خاص باتوں میں (بدستور) مشورہ لیتے رہا کیجئے (تاکہ اس خصوصی لطف سے ان کے دلوں سے غم دھل جائے) پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (کسی ایک جانب) رائے پختہ کر لیں (خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف) تو خدا تعالیٰ پر اعتماد (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کریں بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے (اور تم کو غالب کر دے) اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہئے، اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ (نعوذ باللہ) خیانت کرے حالانکہ (خائن کی تو قیامت میں رسوائی اور فضیحت ہوگی کیونکہ) جو شخص خیانت کرے گا وہ شخص اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن (میدان حشر میں) حاضر کرے گا (تاکہ سب خلائق مطلع ہوں اور سب کے روبرو فضیحت اور رسوائی ہو) پھر (میدان قیامت کے بعد) ہر شخص کو (ان خائنوں میں سے) اس کے کئے کا (دوزخ میں) پورا عوض ملے گا، اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا (کہ جرم سے زائد سزا ہونے لگے، غرض خائن تو مغضوب اور مستحق جہنم ہوا، اور انبیاء علیہم السلام بوجہ رضا جوئی حق کے قیامت میں سر بلند ہوں گے پس دونوں امر جمع نہیں ہو سکتے۔ جیسا آگے ارشاد ہے) سو ایسا شخص جو رضائے حق کا تابع ہو (جیسے نبی) کیا وہ اس شخص کے مثل ہو جائے گا جو کہ غضب الٰہی کا مستحق ہو اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو، (جیسے خائن) اور وہ جانے کی بُری جگہ ہے (ہرگز

www.toobaaelibrary.com

دونوں برابر نہیں ہوں گے بلکہ) یہ مذکورین (یعنی متبعان رضائے حق اور مغضوبین) درجات میں مختلف ہوں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک (کہ متبع محبوب اور جنتی ہے اور مغضوب دوزخی ہے) اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں ان کے اعمال کو (اس لیے ہر ایک کے مناسب معاملہ فرمادیں گے) حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر (بڑا) احسان کیا، جب کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے (عظیم الشان) پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں (اور احکام) پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (ظاہری اور باطنی گندگیوں سے) ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب (الٰہی) اور سمجھ کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ (آپؐ کی بعثت کے) قبل سے صریح غلطی (یعنی شرک وکفر) میں (مبتلا) تھے اور جب (احد میں) تمہاری ایسی ہار ہوئی جس سے دو گنا تم (بدر میں) جیت چکے تھے (کیونکہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بدر میں ستر کافروں کو قید اور ستر کو قتل کیا تھا) تو کیا ایسے وقت میں تم (بطور اعتراض نہ سہی بطور تعجب کے) یوں کہتے ہو کہ (باوجود ہمارے مسلمان ہونے کے) یہ (ہار) کدھر سے ہوئی (یعنی کیوں ہوئی) آپؐ فرما دیجئے کہ یہ ہار تمھاری طرف سے ہوئی (اگر حضورؐ کی رائے کے خلاف نہ کرتے تو نہ ہارتے، کیونکہ اس قید کے ساتھ وعدہ نصرت ہو چکا تھا) بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے (جب تم نے اطاعت کی اپنی قدرت سے تم کو غالب کر دیا اور جب خلاف کیا اپنی قدرت سے تم کو مغلوب کر دیا) اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ دونوں گروہ (مسلمانوں اور کفار کے) باہم (مقاتلہ کے لیے) مقابل ہوئے، (یعنی احد کے دن) سو (وہ مصیبت) خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوئی (کیونکہ چند در چند حکمتیں تھیں جن کا بیان اوپر بھی آچکا ہے) اور (ان میں سے ایک حکمت یہ ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو بھی دیکھ لیں (کیونکہ مصیبت کے وقت اخلاص وغیرہ اخلاص ظاہر ہو جاتا ہے جیسا گذر بھی چکا ہے) اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لیں جنہوں نے نفاق کا برتاؤ کیا اور ان سے (شروع جنگ کے وقت جب کہ تین سو آدمیوں نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا جیسا کہ پہلے آچکا ہے) یوں کہا گیا کہ (میدان جنگ میں) آؤ (پھر ہمت ہو تو) اللہ کی راہ میں لڑنا یا (ہمت نہ ہو تو گنتی ہی بڑھا کر) دشمنوں کی مدافعت کرنا (کیونکہ بہت سی بھیڑ دیکھ کر کچھ تو ان پر رعب ہوگا اور اس سے شاید ہٹ جاویں) وہ بولے کہ اگر ہم ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے (لیکن یہ کوئی لڑائی ہے کہ وہ لوگ تم سے تین چار گنے زیادہ پھر ان کے پاس سامان بھی زیادہ ایسی حالت میں لڑنا ہلاکت میں پڑنا ہے، لڑائی اس کو نہیں کہتے، حق

www.toobaaelibrary.com

تعالیٰ اس پر ارشاد فرماتے ہیں کہ) یہ منافقین اس روز (جبکہ ایسا خشک جواب دیا تھا) کفر سے (ظاہراً بھی) نزدیک تر ہو گئے، بہ نسبت اس حال کے کہ وہ (پہلے سے ظاہراً) ایمان سے (کسی قدر) نزدیک تھے (کیونکہ پہلے سے گو وہ دل سے مؤمن نہ تھے مگر مسلمانوں کے سامنے موافقت کی باتیں بناتے رہتے تھے، اس روز ایسی طوطا چشمی غالب ہوئی کہ کھلم کھلا مخالفت کی باتیں منہ سے نکلنے لگیں، اس لیے پہلے سے جو ظاہری قرب ایمان کے ساتھ تھا وہ کفر کے قرب میں تبدیل ہو گیا، اور یہ قرب اس قرب سے زیادہ اس لیے ہے کہ موافقت کی باتیں دل سے نہ تھیں، س لیے زوردار نہ تھیں، اور یہ مخالفت کی باتیں دل سے تھیں اس لیے عبارت بھی زوردار تھی) یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں (یعنی دل میں تو یہ ہے کہ ان مسلمانوں کا کبھی ساتھ نہ دیں گو لڑائی ڈھنگ ہی کی کیوں نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں (اس لیے ان کے اس قول کا غلط ہونا اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) یہ ایسے لوگ ہیں کہ (خود تو جہاد میں شریک نہ ہوئے اور) اپنے (ہم نسب) بھائیوں کی نسبت (جو کہ مقتول ہو گئے، گھروں میں) بیٹھے ہوئے باتیں بناتے ہیں کہ اگر ہمارا کہنا مانتے (یعنی ہمارے منع کرنے پر نہ جاتے) تو (بے فائدہ) قتل نہ کیے جاتے آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو اپنے اوپر سے موت کو ہٹاؤ اگر تم (اس خیال میں) سچے ہو (کہ میدان میں جانے سے ہی ہلاکت ہوتی ہے، کیونکہ قتل سے بچنا تو موت ہی سے بچنے کے لیے مقصود ہے جب وقت مقرر پر موت گھر بیٹھے بھی آ جاتی ہے تو قتل بھی وقت مقرر پر نہیں ٹل سکتا) اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں (یعنی دین کے واسطے) قتل کیے گئے ان کو (اور مردوں کی طرح) مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں (اور) اپنے پروردگار کے مقرب (یعنی مقبول ہیں) ان کو رزق بھی ملتا ہے (اور) وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل (وکرم) سے عطا فرمائی (مثلاً درجات قرب وغیرہ یعنی رزق ظاہری بھی ملتا ہے اور رزق معنوی یعنی مسرت بھی) اور (جس طرح وہ اپنے حال پر خوش ہیں اسی طرح) جو لوگ (ابھی دنیا میں زندہ ہیں اور) ان کے پاس نہیں پہنچے (بلکہ) ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ (شہداء) خوش ہوتے ہیں کہ (اگر وہ بھی شہید ہو جاویں تو ہماری طرح) ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ (کسی طرح) مغموم ہوں گے (غرض ان کو دو خوشیاں حاصل ہوں گی، ایک اپنے متعلق، دوسرے اپنے متعلقین کے متعلق، آگے ان دونوں خوشیوں کا سبب یہ بتلایا کہ) وہ

www.toobaaelibrary.com

(اپنی حالت پر تو) خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت وفضل خداوندی کے (جس کا انہوں نے مشاہدہ کرلیا) اور (دوسروں کی حالت پر خوش ہوتے ہیں) اس وجہ سے کہ (وہاں جا کر مشاہدہ کرلیا کہ) اللہ تعالیٰ اہل ایمان (کے اعمال) کا اجر ضائع نہیں کرتے (تو جو لوگ ان کے متعلقین پیچھے رہ گئے ہیں اور نیک اعمال جہاد وغیرہ میں لگے ہیں ان کو بھی ایسے ہی انعامات ملیں گے)

تلخیص معارف ومسائل

منافقین کے اقوال سننے سے یہ احتمال تھا کہ مخلص مسلمانوں کے دلوں میں کچھ شبہات نہ پیدا ہو جائیں اس لیے آیت (۱۵۶ تا ۱۵۸) میں مسلمانوں کو ایسے اقوال واحوال سے پرہیز کرنے اور موت حیات کو صرف تابع تقدیر ہونے کی ہدایات دی گئی ہیں۔

آیت (۱۵۹) اس آیت میں پیغمبر علیہ السلام کو چند چیزوں کا حکم ایسے انداز سے دیا گیا ہے جس میں آپؐ کی تعریف اور عظمت شان کا اظہار بھی ہے کہ یہ صفات آپ کے اندر پہلے سے موجود ہیں، نیز فَبِمَا رَحْمَةٍ کا لفظ بڑھا کر یہ بھی بتلا دیا یہ صفات کمال ہماری رحمت سے ہے، کسی کا ذاتی کمال نہیں، پھر بصورت نکرہ اس کے عظیم وسیع ہونے کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ رحمت صرف صحابہؓ پر ہی نہیں بلکہ پیغمبر علیہ السلام پر بھی ہے۔

مرشد ومربی کی خاص صفات

اس پوری آیت میں مرشد اور مبلغ کے لیے چند صفات کا ہونا ضروری قرار دیا گیا، اول تخت کلامی اور کج خلقی سے بچنا دوسرے ان لوگوں سے کوئی غلطی یا ان سے ایذا رکی کوئی چیز سرزد ہو جائے تو انتقام کے بجائے عفو ودرگذر کا معاملہ کرنا تیسرے یہ کہ انکی خطاؤں کی وجہ سے ان کی خیر خواہی نہ چھوڑنا، ان کے لیے دعاء واستغفار بھی کرتے رہنا، اور ظاہری معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہ چھوڑنا۔

کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب رسولؐ کی سختی برداشت نہیں ہوسکتی تو پھر کس کی مجال ہے کہ وہ تشدد اور کج خلقی کے ساتھ خلق اللہ کو اپنے گرد جمع کر سکے اور ان کی اصلاح کا فرض انجام دے سکے۔

مذکورہ آیت میں پیغمبر علیہ السلام کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا حکم اور پھر مشورہ کے بعد طریق عمل کی ہدایت کی گئی ہے، مشورہ کے بارے میں دو جگہ صریح حکم ہے، دوسری جگہ سورۂ شوریٰ کی آیت وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ، بعض جگہ ضمناً ہدایت ہے جیسے بقرہ میں عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ۔

www.toobaaelibrary.com

مشورہ سے متعلق چند اہم مسائل قابل غور ہیں

پہلا مسئلہ لفظ امر اور شوریٰ کی تحقیق

لفظ امر کا اطلاق متعدد معنی کے لیے ہوتا ہے ایک عام معنی میں آتا ہے جو ہر مہتم بالشان قول و فعل کو شامل ہے، دوسرا اطلاق بمعنی حکم اور حکومت ہے، جس پر قرآن میں لفظ اولوالامر محمول ہے، تیسرا اطلاق حق تعالیٰ کی ایک مخصوص صفت کے لیے ہے۔

جس کا ذکر قرآن کی متعدد آیات میں ہے مثلاً اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ، اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ. اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ، اَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ اور محققین کے نزدیک قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ میں بھی یہی مراد ہے۔

اب وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ میں دونوں معنی کا احتمال ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلا ہی معنی مراد ہے اور دوسرے معنی بھی اس میں شامل ہیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ حکم اور حکومت کے معاملات بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں اس لیے امر کے معنی ان آیات میں ہر اس کام کے ہیں جو خاص اہمیت رکھتا ہو، اور لفظ شوریٰ مشورہ، مشاورت کے معنی ہیں کسی قابل غور معاملہ میں لوگوں کی رائے حاصل کرنا۔

دوسرا مسئلہ مشورہ کی شرعی حیثیت

معاملات میں باہمی مشورہ لینا پیغمبر ﷺ اور صحابہؓ کرام کی سنت اور دارین میں باعث برکات ہے قرآن وحدیث میں اس کی تائید آتی ہے، اور معاملات حکومت میں مشورہ لینا واجب ہے: اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ اِذَا اسْتُشِيْرَ فَلْيُشِرْهُ بِمَا هُوَ صَانِعٌ لِنَفْسِهٖ، یعنی مستشار امین ہے اس پر لازم ہے کہ اس معاملہ میں جو کام وہ خود اپنے لیے تجویز کرتا ہے وہی رائے دوسرے کو دے، اس کے خلاف کرنا خیانت ہے۔ (مظہری) واضح ہو کہ مشورہ صرف انہیں امور میں مسنون ہے جن کے بارے میں قرآن وحدیث کا کوئی واضح اور قطعی حکم موجود نہ ہو، ورنہ ضرورت تو کیا جائز بھی نہیں۔ نیز مشورہ ایسے لوگوں سے لینا چاہیے جو موجودہ لوگوں میں تقویٰ اور عبادت گذاری میں معروف ہوں (روح) ارشاد رسالت ہے، اِسْتَرْشِدُوْا الْعَاقِلَ وَلَا تَعْصُوْهُ فَتَنْدَمُوْا یعنی عقلمند آدمی سے مشورہ لو اور اس کے خلاف نہ کرو، ورنہ ندامت اٹھانی ہوگی، معلوم ہوا کہ مجلس شوریٰ کے ارکان میں دو وصف ضروری ہیں ایک صاحب

www.toobaaelibrary.com

عقل وذی رائے ہونا، دوسرے متقی ہونا، اور امر شرعی میں فقیہ ہونا بھی لازم ہے۔

تیسرا مسئلہ، پیغمبر ﷺ کو صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کا درجہ

پیغمبر علیہ السلام اللہ کے رسول اور صاحب وحی ہیں، آپ کو مشورہ کی کیا حاجت ہے؟ اس لیے بعض علماء نے اس حکم مشورہ کو صحابہؓ کی دلجوئی اور اعزاز پر محمول کیا ہے، لیکن جصاص نے اسے غیر صحیح کہا ہے کیونکہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد پھر دلجوئی اور اعزاز بھی نہیں رہتا، بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ بمقتضاء حکمت ورحمت بعض امور کو پیغمبر علیہ السلام کی رائے پر چھوڑ دیا جاتا ہے ایسے ہی امور میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے اور حکم ہوا ہے پیغمبر علیہ السلام کی مجالس مشاورت کی تاریخ بھی یہی بتلاتی ہے، جیسے غزوۂ بدر کے لیے صحابہ سے مشورہ اور صحابہ کا تاریخی جواب، پھر غزوۂ احد میں شہر کے اندر رہ کر یا باہر نکل کر مدافعت سے متعلق مشورہ، غزوۂ خندق میں، حدیبیہ کے ایک معاملہ میں مشورہ، قصۂ افک میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ، ان سب معاملات میں پیغمبر علیہ السلام کے لیے بذریعہ وحی کوئی خاص جانب متعین نہیں کی گئی تھی، خلاصہ یہ کہ نبوت ورسالت اور صاحب وحی ہونا کچھ مشورہ کے منافی نہیں، پھر اس میں یہ حکمت ومصلحت بھی ہے، کہ آئندہ امت کے لیے ایک سنت جاری ہو جائے کہ جب آپؐ کو بھی مشورہ سے استغناء نہیں تو پھر ایسا کون ہے جو استغناء کا دعویٰ کر سکے اسی لیے پیغمبر علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ کا طریق اور معمول ہمیشہ مشورہ کا رہا۔

چوتھا مسئلہ، حکومت اسلامی میں مشورہ کا درجہ کیا ہے

امیر اسلام کے فرائض میں سے ہے کہ حکومت کے اہم معاملات میں اہل حل وعقد سے مشورہ لیا کرے، آیات مذکورہ، اور پیغمبر علیہ السلام اور خلفاء راشدین کا مسلسل تعامل اس کی روشن سند ہے، ان دونوں آیات سے اسلام کے طرز حکومت اور آئین کے کچھ بنیادی اصول بھی سامنے آگئے کہ اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے جس میں امیر کا انتخاب مشورہ سے ہوتا ہے، خاندانی وراثت سے نہیں، آج تو اسلامی تعلیمات کی برکت سے پوری دنیا میں اس کا لوہا مانا جا چکا ہے، بادشاہ پرستی کے دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ اس عادلانہ اور فطری نظام سے آشنا ہوئی اور یہی روح ہے اس طرز حکومت کی جسے آج جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

لیکن آج کے دور کی موجودہ طرز کی جمہوریتیں نہیں جو خدا ناآشنا ہیں، اسلامی آئین نے خدا ناآشنا مغربی جمہوریتوں کو بھی خدا شناسی اور خدا پرستی کا راستہ دکھلایا، اور بتلایا کہ ملک کے حکام ہوں یا عوام، خدائے تعالیٰ کے دیے ہوئے قانون کے سب پابند ہیں ان پر لازم ہے کہ امیر کے انتخاب میں اور پھر عہدوں اور مناصب کی تقسیم میں ایک طرف قابلیت اور صلاحیت کی پوری رعایت کریں تو دوسری ان کی دیانت وامانت کو پرکھیں، پھر امیر بھی مطلق العنان نہ ہو بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینے کا پابند رہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں لا خلافۃ الا عن مشورۃ یعنی شورائیت کے بغیر خلافت نہیں۔

اسلامی حکومت میں مشورہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے حتی کہ اگر امیر مملکت مشورہ سے آزاد ہوجائے، یا نااہلوں سے مشورہ لے تو اس کا معزول کرنا ضروری ہے (البحر المحیط) (کنزل العمال)

پانچواں مسئلہ بصورت اختلاف رائے فیصلہ کی کیا صورت ہوگی؟

قرآن کریم کے بعض ارشادات اور حدیث اور تعامل صحابہ کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کرسکتا ہے خواہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے، البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لیے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کریگا اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لیے سبب اطمینان بن سکتا ہے۔

آیت مذکورہ میں عَزَمْتَ کے لفظ میں عزم یعنی نفاذ حکم کا پختہ ارادہ صرف پیغمبر علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا، عَزَمْتُمْ نہیں فرمایا جس سے صحابہ کی بھی شرکت معلوم ہوتی، معلوم ہوا کہ مشورہ کے بعد نفاذ اور عزم صرف امیر کا معتبر ہے، قرآن وحدیث اور پیغمبر علیہ السلام اور صحابہ کے تعامل سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ امیر اکثریت رائے کے فیصلہ کا پابند ومجبور ہے۔

یہاں یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ یہ تو شخصی حکومت کا طرز ہے؟ جواب یہ ہے کہ اسلامی آئین نے اس کی رعایت پہلے کرلی ہے، کیونکہ عوام کو یہ اختیار ہی نہیں دیا کہ جسے چاہیں امیر بنادیں بلکہ صلاحیت اور دیانت وامانت میں سب سے بہتر جس کو سمجھیں صرف اسے امیر منتخب کریں، تو جس شخص کو ان صفات کے تحت منتخب کیا گیا ہو اس پر ایسی پابندیاں عائد کرنا جو بددیانت اور فساق وفجار پر عائد کی جاتی ہیں، عقل وانصاف کا خون کرنا اور کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور ملک وملت کے کام میں

www.toobaaelibrary.com

رکاوٹ ڈالنے کے مرادف ہوگا۔

چھٹا مسئلہ بھروسہ اللہ پر کرنا چاہیئے

تمام تدبیر و مشورہ کے احکام کے بعد یہ ہدایت دی گئی کہ جب عزم کرو تو بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو کیونکہ سب تدبیر مدبّر الامور کے قبضۂ قدرت میں ہیں، انسان کیا اور اس کی رائے و تدبیر کیا۔

آیت: ۱۶۰: واقعہ احد میں عارضی شکست پر صحابہ کرامؓ کی تسلی کے لیے پیغمبر علیہ السلام کو چند امور کا حکم ہوا تھا جس سے رسول اللہؐ کی ناراضی کا خطرہ تو زائل ہو گیا تھا لیکن ان حضرات کو اس واقعہ مغلوبیت سے حسرت بھی تھی اس لیے اس آیت میں ان کی حسرت کو دل سے اتارتے ہیں۔

آیت: ۱۶۱ - تا - ۱۶۳: بدر کے روز مال غنیمت میں ایک چادر گم ہو گئی بعض (کم سمجھ مسلمان، یا منافق) لوگوں نے کہا کہ شاید پیغمبر علیہ السلام نے لے لی ہو، اور یہ امر در حقیقت صورۃً خیانت ہے، نبیؐ کی شان اس سے منزہ ہے۔

مال غنیمت میں چوری اور خیانت عام چوریوں اور خیانتوں سے زیادہ اشد ہے، کیونکہ مال غنیمت میں پورے لشکر اسلام کا حق ہوتا ہے تو جس نے اس میں چوری کی اس نے سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کی چوری کی، اگر کسی وقت اس کی تلافی کا خیال آئے بھی تو بہت مشکل ہے، کہ سب کو انکا حق پہنچائے یا معاف کرائے، اسی لیے غلول کی سزا بھی عام چوریوں سے زیادہ اشد ہے کہ میدان حشر میں سب کے سامنے اس کو اس طرح رسوا کیا جائے گا کہ چوری کا مال اس کی گردن پر لدا ہوگا یہی حال مساجد، مدارس، خانقاہوں اور اوقاف کے اموال کا ہے، نیز حکومت کے سرکاری خزانے (بیت المال) کا بھی یہی حکم ہے، اور آج کل دنیا میں چوری اور خیانت انہی اموال میں زیادہ ہو رہی ہے اور لوگ اس کے انجام بد اور وبال عظیم سے غافل ہیں کہ علاوہ عذاب جہنم کے میدان حشر کی رسوائی بھی ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی شفاعت سے محرومی بھی۔ (نعوذ باللہ)

آیت: ۱۶۴: تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ یہ آیت بقرہ میں گذر چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے پیغمبر علیہ السلام کا وجود باجود پوری انسانیت پر سب سے بڑا احسان ہے، اس جگہ اس کو صرف مؤمنین کے لیے فرمایا، اس لیے کہ اس نعمت کا نفع صرف مؤمنین نے حاصل کیا اس لیے کسی جگہ اس کو ان کے ساتھ مخصوص کر کے بیان کر دیا گیا۔

آیت: ۱۶۵: اس آیت میں اول تو یہ بات یاد دلائی کہ جتنی مصیبت تم پر آج پڑی ہے تم اس سے

www.toobaaelibrary.com

دو گنی اپنے مخالف پر اس سے پہلے غزوۂ بدر میں ڈال چکے ہو، کیونکہ بدر میں ستر سردار مشرکین کے مارے گئے، اور ستر گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے، اس بات کے یاد دلانے سے ایک تو یہ مقصد ہے کہ مسلمانوں کو اپنی موجودہ تکلیف و پریشانی کا احساس گھٹ جائے کہ جس شخص کی دوگنی جیت ہو چکی ہو اگر ایک آدھ بار شکست بھی ہو جائے تو زیادہ غم نہ ہونا چاہئے اور دوسرا اصل مقصد آخری جملہ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ میں بتلایا کہ یہ تکلیف تو درحقیقت تمہاری اپنی بعض کوتاہیوں کے سبب سے ہے۔

اور اگلی آیت کے لفظ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کے اذن ومشیت سے ہوا جس میں بہت سی حکمتیں مشہور ہیں۔

آیت: ۱۶۹: آخر رکوع ایک وجہ تسلی یہ بھی ہے کہ جو مسلمان اس معرکہ میں شہید ہو گئے ہیں ان کو حق تعالیٰ نے وہ انعامات دیے ہیں کہ دوسروں کو ان پر رشک آنا چاہئے، ان آیتوں میں شہداء کے خاص فضائل بیان کیے گئے ہیں، شہداء کو اللہ کی طرف سے جنت کا رزق ملتا ہے اور رزق زندہ آدمی کو ملا کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے منتقل ہوتے ہی شہید کے لیے رزق جنت جاری ہو جاتا ہے اور ایک خاص قسم کی زندگی اسی وقت سے اس کو مل جاتی ہے جو عام مُردوں سے ممتاز حیثیت کی ہے (قرطبی) اس امتیاز کی حقیقت سوائے خالق کائنات نہ کوئی جان سکتا ہے نہ جاننے کی ضرورت ہے البتہ بسا اوقات ان کی حیات خاص کا اثر اس دنیا میں بھی ان کے ابدان پر ظاہر ہوتا ہے کہ زمین ان کو نہیں کھاتی وہ صحیح سالم باقی رہتے ہیں (قرطبی) تو ان کی ایک فضیلت تو ممتاز دائمی حیات ہے، دوسری یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ملتا ہے، تیسری فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ میں یہ بیان کی گئی کہ وہ ہمیشہ خوش وخرم رہیں گے ان نعمتوں میں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں، چوتھی فضیلت یہ ہے وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ الخ اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ جب واقعہ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسم میں رکھ کر آزاد کر دیا وہ جنت کی نہروں اور باغات کے پھلوں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں اور پھر ان قندیلوں میں آجاتے ہیں جو ان کے لیے عرش رحمٰن کے نیچے معلق ہیں، جب ان لوگوں نے اپنی راحت وعیش کی یہ زندگی دیکھی تو کہنے لگے کہ (ہمارے متعلقین دنیا میں ہمارے مرنے سے غمگین ہیں) کیا کوئی ہمارے حالات کی خبر ان کو پہنچا سکتا ہے تاکہ وہ ہم پر غم نہ کریں اور وہ بھی جہاد میں کوشش کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہاری یہ خبر ان کو پہنچائے دیتے ہیں اس پر یہ آیت

www.toobaaelibrary.com

نازل فرمائی گئی (قرطبی۔ ابوداؤد عن ابن عباسؓ باسناد صحیح)

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۞ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۞ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

جن لوگوں نے اللہ ورسول کے کہنے کو (جب کہ ان کو تعاقب کفار کے لیے بلایا گیا) قبول کرلیا بعد اس کے کہ ان کو (ابھی تازہ) زخم (لڑائی میں) لگا تھا ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں، (اور واقع میں سب ہی ایسے ہیں) ان کے لیے (آخرت میں) ثواب عظیم ہے، یہ ایسے (مخلص) لوگ ہیں کہ (بعض) لوگوں نے (یعنی عبدالقیس والوں نے جو) ان سے (آکر) کہا کہ ان لوگوں (یعنی اہل مکہ نے) تمہارے (مقابلہ کے) لیے (بڑا) سامان جمع کیا ہے، سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیے تو اس (خبر) نے ان کے (جوش) ایمان کو اور زیادہ کردیا اور (نہایت استقلال سے یہ) کہہ (کر بات کو ختم کر) دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ (مشکلات کے لیے) کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھا ہے (اسی سپرد کرنے کو توکل کہتے ہیں) پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے (یعنی ثواب اور نفع تجارت سے) بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری پیش نہیں آئی، اور وہ لوگ (اس واقعہ میں) رضائے حق کے تابع ہے (اس کی بدولت اپنی دنیوی نعمتوں سے سرفراز ہوئے) اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے (مسلمانوں) اس سے

www.toobaaelibrary.com

زیادہ کوئی (قابل اندیشہ) بات نہیں کہ یہ مخبر (فلاں) شیطان ہے کہ اپنے (ہم مذہب) دوستوں سے (تم کو) ڈرا (نا چاہ) تا ہے، سوتم ان سے کبھی مت ڈرنا، اور صرف مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو۔ اور آپ کے لیے وہ لوگ موجب غم نہ ہونے چاہئیں جو جلدی سے کفر (کی باتوں) میں جا پڑتے ہیں، (جیسے منافقین کہ ذرا مسلمانوں کا پلہ ہلکا دیکھا تو کھلم کھلا کفر کی باتیں کرنے لگتے ہیں، جیسا کہ واقعات مذکورہ میں معلوم ہو چکا ہے) یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ (کے دین) کو ذرہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے (اس لیے آپ کو یہ غم تو ہونا نہیں چاہئے کہ ان کی حرکتوں سے اللہ کے دین کو ضرر پہنچ جائے گا، اور اگر آپ کو خود ان کافروں کا غم ہو کہ یہ بدنصیب کیوں جہنم کی طرف جا رہے ہیں تو بھی آپ غم نہ کریں) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو (تکوینی طور پر) یہ منظور ہے کہ آخرت میں ان کو کوئی حصہ نہ دے (اس لیے ان سے موافقت کی امید رکھنا صحیح نہیں، اور رنج وہیں ہوتا ہے جہاں امید ہو) اور (ان کے لیے صرف آخرت کی نعمتوں سے محرومی ہی نہیں بلکہ) ان لوگوں کو سزائے عظیم بھی ہوگی (اور جس طرح یہ لوگ دین اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے، اسی طرح) یقیناً جتنے لوگوں نے ایمان (کو چھوڑ کر اس) کی جگہ کفر کو اختیار کر رکھا ہے (خواہ منافق ہوں یا کھلے کافر اور خواہ پاس کے ہوں یا دور کے) یہ لوگ (بھی) اللہ تعالیٰ (کے دین) کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہونچا سکتے اور ان کو (بھی پہلے لوگوں کی طرح) دردناک سزا ہو گی، اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ ہمارا ان کو (عذاب سے) مہلت دینا (کچھ) ان کے لیے بہتر (اور مفید) ہے (ہرگز نہیں بلکہ) ہم ان کو اس لیے مہلت دے رہے ہیں (جس میں زیادت عمر کی وجہ سے) ان کو جرم میں اور ترقی ہو جائے (تاکہ یکبارگی پوری سزا ملے) اور (دنیا میں اگر سزا نہ ہوئی تو کیا ہے آخرت میں تو) ان کو توہین آمیز سزا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو (کہ کفر و ایمان اور حق و باطل اور مؤمن و منافق میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے انعامات دنیوی کے اعتبار سے کوئی امتیاز اور فرق نہیں، بلکہ مسلمانوں پر شدائد و مصائب کا نازل ہوتے رہنا اس وقت تک ضروری ہے) جب تک کہ ناپاک (یعنی منافق) کو پاک (یعنی مؤمن مخلص) سے ممتاز نہ کر دیا جائے (اور یہ تمیز و تمییز مصائب و مشکلات ہی کے پیش آنے پر پوری طرح ہو سکتی، اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ مؤمن و کافر اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے کیا ضروری ہے کہ حوادث و مصائب ڈال کر ہی یہ امتیاز حاصل کیا جائے، اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس کا اعلان فرما سکتے ہیں کہ فلاں مؤمن مخلص ہے اور فلاں منافق، اور فلاں چیز

www.toobaaelibrary.com

حلال ہے فلاں حرام، تو اس کا جواب یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ (بمقتضائے حکمت) ایسے امور غیبیہ پر تم کو (بلا واسطہ اختبار و امتحان کے) مطلع نہیں کر (ناچاہ) تے، لیکن ہاں جس کو (اس طرح مطلع کرنا) خود چاہیں اور (ایسے حضرات) وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو (بلا واسطۂ حوادث بھی غیبی خبروں پر مطلع کرنے کے لیے اپنے بندوں میں سے) منتخب فرما لیتے ہیں، (اور تم پیغمبر ہو نہیں، اس لیے ایسے امور کی تمہیں اطلاع نہیں دی جا سکتی، البتہ ایسے حالات پیدا فرماتے ہیں کہ ان سے مخلص و منافق کا فرق خود بخود واضح ہو جائے، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ دنیا میں کافروں پر عذاب نازل نہ ہونا بلکہ عیش و عشرت ملنا اور مسلمانوں پر بعض مصائب و شدائد نازل ہونا عین تقاضائے حکمت ہے یہ باتیں کسی کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی) پس اب تم (ایمان کے پسندیدہ اور کفر کے ناپسندیدہ ہونے میں کوئی شبہ نہ کرو، بلکہ) اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور (کفر و معاصی سے) پرہیز رکھو تو پھر تو تم کو اجر عظیم ملے اور ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو (ضروری مواقع میں) ایسی چیز (کے خرچ کرنے) میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کے لیے کچھ اچھی ہوگی، (ہرگز نہیں) بلکہ یہ بات ان کے لیے بہت ہی بُری ہے (کیونکہ انجام اس کا یہ ہوگا کہ) وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنائے جائیں گے اس (مال) کا (سانپ بنا کر) جس میں انہوں نے بخل کیا تھا اور (بخل کرنا یوں بھی حماقت ہے کہ) اخیر میں (جب سب مر جاویں گے) سب آسمان و زمین (اور جو کائنات ان کے اندر ہیں سب) اللہ ہی کا رہ جاوے گا (لیکن اس وقت یہ مال اللہ کے لیے ہو جانے سے تمہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا، کیونکہ تم نے اپنے اختیار سے نہیں دیے، اور جب انجام کار سب اللہ ہی کا ہونا ہے تو عقل کی بات یہ ہے کہ ابھی اپنے اختیار سے دیدو تاکہ ثواب کے مستحق بنو) اور اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں (اس لیے جو کچھ خرچ کرو اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے کرو)۔

تلخیص معارف و مسائل

ربط آیات اور شانِ نزول

آیت ۱۷۲: میں غزوۂ احد سے متعلق ایک اور غزوہ حمراء الاسد کا ذکر ہے، یہ مدینہ طیبہ سے آٹھ میل پر ایک مقام کا نام ہے غزوہ احد سے کفار مکہ پسپا ہو کر واپس ہو گئے مگر اس پر انہیں افسوس تھا، پھر واپسی کا ارادہ کیا مگر

www.toobaaelibrary.com

اللہ نے انہیں مرعوب کر دیا (دیکھئے آیت ۱۵۱) لیکن بعض مسافروں سے یہ کہہ کے کہ تم جا کر مسلمانوں کے دلوں میں ہمارا رعب جماؤ کہ وہ پھر لوٹ رہے ہیں، پیغمبر علیہ السلام کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہو گیا اس لیے آپ ان کے تعاقب میں حمراء الاسد تک پہنچے (ابن جریر، روح)

بخاری میں ہے کہ حضورؐ کے اعلان تعاقب میں ستر صحابہ کھڑے ہو گئے (تفسیر قرطبی دوسو مجاہدین) جو گزشتہ کل کے معرکہ میں زخموں سے چور تھے سہارے سے چلتے تھے، جب اس مقام پر پہنچے تو وہاں نعیم بن مسعود نے وہ مذکورہ بالا خبر دی، اس پر زخم خوردہ صحابہ نے بیک زبان بولے کہ ہم اس کو نہیں جانتے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ دوسری طرف معبد خزاعی نے جو مکہ کی طرف جا رہا تھا، یہ مسلمانوں کا خیر خواہ تھا اس نے ابوسفیان کو پھر واپسی کی فکر میں دیکھ کر کہا کہ تم دھوکے میں ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں ان کے بڑے لشکر کو حمراء الاسد میں چھوڑ کر آیا ہوں جو پورے ساز و سامان سے تمہارے تعاقب میں نکلا ہے اس خبر نے ابوسفیان پر رعب ڈال دیا۔

اس مقام پر مسلمانوں کی تعریف میں دو وصف بیان کئے گئے ہیں، ایک تو مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ دوسرا وصف لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا کہ یہ لوگ تمام جانثاریوں کے ساتھ احسان وتقویٰ کی صفات کمال سے بھی آراستہ تھے، اور یہ مجموعہ ہی ان کے اجر عظیم کا سبب ہے۔

مِنْهُمْ یہاں تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے، الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا کے الفاظ شاہد ہیں کیونکہ استجابت واطاعت، احسان وتقویٰ کے بغیر ناممکن ہے البتہ اس خاص عنوان سے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ کسی کام کے لیے صرف جدوجہد اور جانثاری کافی نہیں جب تک اخلاص نہ ہو، کیونکہ محض بہادری اور جانثاری کے واقعات تو کفار میں بھی کچھ کم نہیں ایک اہم بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حکم رسول درحقیقت حکم خدا ہے، اگرچہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہو، آیت مذکورہ میں صحابہ کی مدح میں اس حکم کو اللہ اور رسول دونوں کی طرف منسوب کر کے لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فرمایا گیا، منکرین حدیث جو پیغمبر علیہ السلام کو محض ایک قاصد بتاتے ہیں کے سبق کے لیے یہ جملہ کافی ہے۔

احسان وتقویٰ کی تعریف حدیث جبرئیل میں احسان کی تعریف یہ آتی ہے: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تكن تراه فانه يراك، تقویٰ کی سب سے جامع تعریف وہ ہے جو حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عمرؓ کے سوال پر فرمائی، حضرت عمرؓ نے پوچھا تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ امیر المؤمنین کبھی آپ کا ایسے راستہ پر بھی

www.toobaaelibrary.com

گزر ہوا ہوگا جو کانٹوں سے پر ہو، فرمایا کئی بار ہوا ہے، انہوں نے فرمایا، ایسے موقع پر آپ نے کیا کیا؟ فرمایا کہ دامن سمیٹ لیے اور نہایت احتیاط سے چلا، انہوں نے فرمایا کہ بس تقویٰ اسی کا نام ہے، یہ دنیا ایک خارستان ہے، اس لیے اس دنیا میں اسی طرح چلنا اور زندگی گذارنا چاہئے کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ الجھے۔

صحابہ کرامؓ نے اسلام لانے کے پہلے ہی دن سے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم نے ایک پر خطر اور مشکلات وموانع سے بھر پور راستہ پر سفر شروع کیا ہے، ہمیں برابر مٹانے کی کوششیں کی جائیں گی، اس لیے فَاخْشَوْهُمْ کے جواب میں بجائے خوف کے ان کے ایمان میں اور زیادتی ہوگی، اس طرح آیت میں ان کی مزید تعریف وتوصیف کی گئی، ایمان کی زیادتی سے ایمان کی صفات اور ایمان کے ثمرات کی زیادتی مراد ہے۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل سفر جہاد میں تمام راستہ یہ جملہ ان کے ورد زبان رہا اس حالت کو اس جگہ خصوصیت سے بیان کیا، واضح ہو کہ ترک اسباب کر کے توکل کرنا سنت رسول نہیں، کوئی مغلوب الحال ہو تو وہ معذور سمجھا جا سکتا ہے ورنہ صحیح بات یہی ہے ع

برتوکل زانوئے اشتر بہ بند

حضورؐ کا واضح ارشاد ہے، عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا آپؐ نے فیصلہ فرمایا، یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا فیصلہ نہایت سکون سے سنا اور یہ کہتے ہوئے چلا کہ حَسْبِيَ اللہ ونعم الوکیل، حضورؐ نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ اور فرمایا: إنّ اللہ یلوم علی العجز ولکن علیک بالکیس فاذا غلبک امرٌ فقل حسبی اللہ ونعم الوکیل یعنی اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے، بلکہ تم کو چاہئے کہ تمام ذرائع اختیار کرو، پھر بھی عاجز ہو جاؤ اس وقت کہو حسبی اللہ ونعم الوکیل۔"

آیت: ۱۷۴: میں حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہنے کے فوائد وثمرات وبرکات کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو تین نعمتیں عطا فرمائیں، پہلی یہ کہ کفار کو اللہ نے مرعوب کر دیا یہ حضرات قتل وقتال سے بچ گئے دوسری یہ کہ حمراء الاسد کے بازار میں تجارت کا موقع ملا اور اس مال سے منافع حاصل ہوئے اس کو لفظ فضل سے تعبیر فرمایا تیسری سب سے بڑی نعمت رضاء الٰہی کا حصول ہے۔

حَسْبُنَا اللہ ونعم الوکیل کے یہ فوائد وثمرات کچھ صحابہ کرام کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھے بلکہ

www.toobaaelibrary.com

جو شخص بھی جذبہ ایمانی کے ساتھ اس کا ورد کرے وہ یہ برکات حاصل کرے گا، اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ جذبہ ایمان وانقیاد کے ساتھ پڑھا جائے اور دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا ہجوم وافکار ومصائب کے وقت اس کا پڑھنا مجرب ہے۔

يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ یعنی خبر دینے والا در اصل شیطان ہے جو تم کو اپنے اولیا یعنی ہم مذہب کفار سے ڈرانا چاہتا ہے، تو گویا اصل عبارت میں يُخَوِّفُ کا ایک مفعول محذوف ہے یعنی يُخَوِّفُكُمْ اور دوسرا مفعول اَوْلِيَآءَهٗ مذکور ہے خوف خدا رونے اور آنسو پونچھنے کا نام نہیں ہے بلکہ خوف خدا یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس پر اللہ کی طرف سے عذاب کا خطرہ ہو۔

آیت: ۱۷۶-تا-۱۷۸: کافروں کو مہلت اور عافیت وراحت کے سامان سے یہ شبہ نہ ہو کہ یہ بے قصور ہیں کیونکہ کفار کی دنیوی عیش وعشرت بھی در حقیقت عذاب ہی کی تکمیل ہے۔

آیت: ۱۷۹: مؤمن ومنافق میں امتیاز وحی کے بجائے عملی طور پر (یعنی ان پر مشکلات ومصائب کا پیش آنا) کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو منافقین سے معاملات میں احتیاط کے لیے واضح حجت ہو جائے جسے منافق بھی تسلیم کرلیں اور تردید نہ کرسکیں، چنانچہ مصائب کا ابتلاء ہوا تو منافق بھاگ کھڑے ہوئے اس طرح عملی طور پر ان کا نفاق کھل گیا، اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں کو ان سے ظاہری اختلاط بھی ختم ہو جائے کہ یہ بھی مضر ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ: اللہ تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتلاتے ہیں وہ حقیقۃً علم غیب نہیں ہے بلکہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں قرآن متعدد جگہ اَنْبَآءُ الْغَيْبِ: سے تعبیر فرمایا: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ.

آیت (۱۸۰) بخل کے شرعی معنی یہ ہیں کہ جو چیز راہ خدا میں خرچ کرنی واجب ہے اس کو خرچ نہ کرے، اسی لیے بخل حرام ہے، اور اس پر جہنم کی وعید شدید ہے، اور مستحب مواقع میں خرچ نہ کرنا خلاف اولیٰ ہے بخل ہی کے معنی میں لفظ شُحّ بھی آتا ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ اپنے ذمہ کا واجب خرچ نہ ادا کرے مزید مال بڑھانے کی حرص میں مبتلا رہے، یہ بخل سے بھی اشد جرم ہے حضورؐ نے فرمایا: لا یجتمع شُحٌّ وایمانٌ فی قلب رجل مسلم ابدًا (قرطبی)

قیامت کے روز یہ مال ایک سخت زہریلا سانپ بن کر اسکے گلے میں طوق بنادیا جائے گا وہ اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا سرمایہ ہوں، (نسائی قرطبی)

www.toobaaelibrary.com

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ
بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيْدِ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ
قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ
الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۫ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝
وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ
ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا
وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَ لِلّٰهِ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

بے شک اللہ نے سن لیا ہے ان (گستاخ) لوگوں کا قول جنہوں نے (استہزاءً) یوں کہا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں، (اور صرف اس سننے پر اکتفا نہیں کیا جاویگا بلکہ) ہم ان کے کہے ہوئے کو (ان کے نامۂ اعمال میں) لکھ کر رہیں گے اور (اسی طرح) ان کا انبیاء (علیہم السلام) کو ناحق قتل کرنا بھی (ان کے نامۂ اعمال میں لکھا جاوے گا) اور ہم (ان پر سزا جاری کرنے کے وقت جتلانے کے لیے) کہیں گے کہ (لو) چکھو آگ کا عذاب (اور ان کو روحانی رنج دینے کے لیے اس وقت یہ بھی کہا جاوے گا کہ) یہ (عذاب) اعمال (کفریہ) کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں، اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں وہ (یہود) ایسے لوگ ہیں کہ (بالکل جھوٹ تراش کر) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو (بواسطۂ انبیاء سابقین) حکم فرمایا تھا کہ ہم کسی پیغمبر (یہ کے مدعی) پر اعتقاد (ان کے پیغمبر ہونے کا) نہ لاویں جب تک ہمارے سامنے معجزہ (خاص) نذر و نیاز خداوندی کا ظاہر نہ کرے کہ اس کو (آسمانی) آگ کھا جاوے (پہلے انبیاء علیہم السلام کا یہ معجزہ ہوا ہے کہ کوئی چیز جاندار یا بے جان اللہ کے نام کی نکال کر کسی میدان یا پہاڑ پر رکھ دی، غیب سے ایک آگ نمودار ہوئی

www.toobaaelibrary.com

اور اس چیز کو جلا دیا، یہ علامت قبول صدقات کی ہوتی تھی، مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ خاص معجزہ ظاہر نہیں فرمایا، اس لیے ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے، حق تعالیٰ اس کا جواب تعلیم فرماتے ہیں کہ) آپ فرما دیجئے کہ بالیقین بہت سے پیغمبر مجھ سے پہلے بہت سے دلائل (معجزات وغیرہ) لے کر آئے، اور خود یہ معجزہ بھی جس کو تم کہہ رہے ہو، سو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا اگر تم (اس امر میں) سچے ہو سو اگر یہ (کفار) لوگ آپ کی تکذیب کریں تو (غم نہ کیجئے کیونکہ) بہت سے پیغمبروں کی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں، تکذیب کی جا چکی ہے، جو معجزات لے کر آئے تھے اور (چھوٹے چھوٹے) صحیفے لے کر اور روشن کتاب لے کر (جب کفار کی یہ عادت ہی ہے کہ انبیاء کی تکذیب کیا کرتے ہیں تو پھر آپ کو کیا غم ہے تم میں) ہر جان (دار) کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور (مرنے کے بعد) تم کو پوری پاداش تمہاری (بھلائی برائی کی) قیامت ہی کے روز ملے گی (اگر دنیا میں کافروں پر کسی سزا کا ظہور نہ ہو تو اس سے تکذیب کرنے والوں کو خوشی کا اور تصدیق کرنے والوں کو غم کا کوئی موقع نہیں، آگے اس پاداش کی تفصیل ہے) تو جو شخص ....دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو پورا کامیاب وہ ہوا، (اسی طرح جو جنت سے جدا رہا اور دوزخ میں بھیجا گیا پورا ناکام وہ ہوا) اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف (ایسی چیز ہے جیسے) دھوکہ کا سودا (ہوتا) ہے (جس کی ظاہری آب و تاب کو دیکھ کر خریدار پھنس جاتا ہے، بعد میں اس کی قلعی کھل جاتی ہے تو افسوس کرتا ہے اسی طرح دنیا کی ظاہری چمک دمک سے دھوکہ کھا کر آخرت سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ (ابھی کیا ہے) البتہ آگے (آگے) اور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں (کے نقصان) میں اور اپنی جانوں (کے نقصان) میں اور البتہ آگے کو اور سنو گے بہت سی باتیں دل آزاری کی ان لوگوں سے (بھی) جو تم سے پہلے (آسمانی) کتاب دیے گئے ہیں (یعنی اہل کتاب سے) اور ان لوگوں سے (بھی) جو کہ مشرک ہیں اور اگر (ان مواقع پر) صبر کرو گے اور (خلاف شرع امور سے) پرہیز رکھو گے تو (تمہارے لیے اچھا ہوگا، کیونکہ) یہ (صبر و تقویٰ) تاکیدی احکام میں سے ہے۔ (یہ حالت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ اللہ تعالیٰ نے (کتب سابقہ میں) اہل کتاب سے یہ عہد لیا (یعنی ان کو حکم فرمایا اور انہوں نے قبول کر لیا) کہ کتاب کے (سب مضامین) عام لوگوں کے روبرو بیان کر دینا اور اس (کے کسی مضمون) کو (دنیوی غرض سے) پوشیدہ نہ رکھنا، سو ان لوگوں نے اس (عہد) کو اپنے پس پشت پھینک دیا، (یعنی اس پر عمل نہ کیا) اور اس کے مقابلہ میں (دنیا کا) کم حقیقت معاوضہ لے لیا سو بری چیز ہے جس کو وہ لوگ لے رہے ہیں (کیونکہ انجام اس کا

www.toobaaelibrary.com

سزائے دوزخ ہے) (اے مخاطب) جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کردار (بد) پر خوش ہوتے ہیں اور جو (نیک) کام نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کرو کہ وہ (دنیا میں) خاص طور کے عذاب سے بچاؤ (اور حفاظت) میں رہیں گے (ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں بھی کچھ سزا ہوگی) اور (آخرت میں بھی) ان کو دردناک سزا ہوگی۔ اور اللہ ہی کے لیے (خاص) ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

تلخیص معارف و مسائل

آیت: ۱۸۱: میں یہود کی ایک سخت گستاخی اور قول بیہودہ پر تنبیہ اور سزا کا ذکر ہے، ان کا یہ قول تکذیب پیغمبرؐ کے لیے تھا، ان کا یہ لغو اور باطل استدلال جواب دینے کے قابل ہی نہ تھا کیونکہ صدقات کا حکم الٰہی خود اصحاب مال کے نفع دینی اور دنیوی کے لیے ہے مگر اس کو کہیں اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا عنوان بلیغ اس لیے دیدیا گیا کہ جو کچھ یہاں دو گے اس کا بدلہ آخرت میں ایسا یقینی ہو کر ملے گا جیسے کسی کا قرض ادا کیا جاتا ہے۔

اس کا جواب دینے کے بجائے اس گستاخی، تکذیب اور استہزاء کے متعدد شدید جرائم کی سزا میں فرمایا سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا تاکہ قیامت کے روز ان پر حجت تمام کر کے عذاب دیا جائے ورنہ اللہ تعالیٰ کو لکھنے کی ضرورت نہیں، ان کا دوسرا جرم یہ ذکر کردیا کہ یہی نہیں بلکہ یہ تو انبیاء کے قتل سے بھی باز نہ رہے لہٰذا ایسوں سے تکذیب واستہزا کیا تعجب۔

قتل انبیاء کا واقعہ اگرچہ بہت پہلے حضرت یحییٰ وزکریا علیہما السلام کے زمانے کا ہے لیکن چونکہ یہود مدینہ اپنے سابق یہودیوں کے اس فعل پر راضی تھے اس لیے یہ خود بھی قاتلین کے حکم میں شمار کیے گئے، یہ بڑا اہم مسئلہ کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ومعصیت میں داخل ہے اور ایسا ہی عظیم گناہ ہے۔ (قرطبی)

آیت: ۱۸۳: پیغمبر علیہ السلام اور آپؐ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے یہ خاص امتیاز عطا فرمایا تھا کہ اموال صدقات آسمانی آگ کی نذر کرنے کے بجائے مسلمان فقیروں اور محتاجوں کو دیے جاتے ہیں، چونکہ یہ طرز پچھلے انبیاء کے طرز کے خلاف تھا اس لیے مشرکین نے اس کو بہانہ بنایا، مزید جرأت یہ کی کہ اللہ تعالیٰ پر یہ بہتان باندھا کہ اس نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اس شخص پر ایمان نہ لائیں، جس سے یہ معجزۂ آسمانی صادر نہ ہو، یہ لغو و باطل دعوائے یہود نا قابل التفات تھا اس لیے ان کو انہی کے مسلّمہ قول سے مغلوب کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو کم از کم ان انبیاء سابقین پر تو ایمان لاتے مگر تم نے ان کی تکذیب تو کی ہی انہیں قتل بھی کر ڈالا، دراصل عناد اور ہٹ دھرمی سے یہ باتیں کر رہے

www.toobaaelibrary.com

تھے، اگر یہ معجزہ ہو بھی جاتا جب بھی یہ ایمان نہ لاتے۔

آیت:۱۸۴: میں پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ غمگین نہ ہوں کیونکہ یہ تو سبھی انبیاء کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔

آیت:۱۸۵: میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ کافروں کے غلبہ اور ان کے عیش وعشرت دنیوی اور مسلمانوں پر کچھ مصائب ومشکلات کے اسباب یہ کوئی تعجب اور غمگینی کی بات نہیں کیونکہ دنیا کی رنج وراحت چند روزہ ہیں اور یہ راحت تو اکثر دنیا ہی میں حالات بدل کر ختم ہو جاتی ہے اور نہیں تو آخر موت پر سب کا خاتمہ ہو جانا یقینی ہے، کامیاب وہ شخص ہیں جسے دوزخ سے نجات اور جنت میں داخلہ مل جائے خواہ ابتداءً یا کچھ سزا بھگت کر یہ حیات دنیوی تو دھوکہ کا سامان ہے۔

آیت:۱۸۱: میں ذکر کردہ یہود کے سخت گستاخانہ قول سن کر حضرت صدیق اکبرؓ کو غصہ آیا اور یہودی کے ایک طمانچہ رسید کر دیا، اس نے دربار رسالتؐ میں شکایت کی، اس پر آیت:۱۸۶: نازل ہوئی، اہل حق کو اہل باطل سے ایذائیں پہنچنا ایک قدرتی امر ہے ان کی بدزبانی کی ایذاؤں سے گھبرانا نہیں چاہئے، یہ سب ان کی آزمائش ہے، بہتر یہی ہے کہ صبر سے کام لیں اور اپنے مقصد تقویٰ کی تکمیل میں مصروف رہیں، ان کی جواب دہی کی فکر میں نہ پڑیں۔

آیت:۱۸۷: اس آیت میں بھی یہودیوں کی ایک خصلت بد کا ذکر ہے، اور وہ ہے عہد و پیمان کی خلاف ورزی۔ علماء اہل کتاب نے عہد کیا تھا کہ تورات کے احکام لوگوں کے سامنے بے کم وکاست بیان کریں گے، کسی حکم کو نہیں چھپائیں گے، مگر اغراض دنیوی اور طمع نفسانی کی خاطر اس عہد کی پروانہ کی (۱۸۸) میں دوسرا جرم یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ نیک عمل تو کرتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ بغیر عمل کے ان کی تعریف کی جائے، بخاری شریف میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے یہود سے ایک بات پوچھی کہ کیا یہ تورات میں ہے، ان لوگوں نے چھپالیا اور خلاف اصل کو بیان کر دیا اور اپنے اس عمل بد پر خوش ہوتے ہوئے واپس آئے کہ ہم نے خوب دھوکہ دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسرا عمل یہ کہ بوقت جہاد گھر میں بہانہ بنا کر بیٹھ جاتے، اور اس طرح جہاد سے بچنے پر خوشیاں مناتے اور پیغمبر علیہ السلام کی واپسی پر آپؐ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھا کر عذر بیان کر دیتے اور چاہتے کہ اس عمل پر ان کی تعریف کی جائے (بخاری) دونوں چیزوں کی قرآن نے مذمت کی معلوم ہوا کہ احکام خدا اور رسولؐ کو چھپانا حرام ہے۔

www.toobaaelibrary.com

لیکن اگر کسی دینی اور شرعی مصلحت سے کوئی عمل عوام پر ظاہر نہ کیا جائے تو وہ ریا میں داخل نہیں، جیسا کہ امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب میں اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور کوئی نیک عمل کرنے کے بعد بھی مدح وثنا کا انتظار و اہتمام مذموم ہے تو نہ کرنے کی صورت میں تو اور بھی زیادہ مذموم ہے، ہاں نیک کام کرکے نیک نامی کی طبعی خواہش جب کہ اس کا اہتمام نہ ہو، اس میں داخل نہیں۔ (بیان القرآن)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ
يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، رَبَّنَا مَا
خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا، سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ، وَمَا
لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيْمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۝ رَبَّنَا
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا
تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ
مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى، بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ، فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَ
قٰتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ، ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ
اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ، ثُمَّ
مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ، وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ
فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ
إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِينَ لِلّٰهِ، لَا يَشْتَرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا، أُولٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ،
إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا، وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

بلا شبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل (توحید کے موجود) ہیں اہل عقل (سلیم) کے (استدلال کے) لیے جن کی حالت یہ ہے (جو آگے آتی ہے اور یہی حالت ان کے عاقل ہونے کی علامت بھی ہے کیونکہ عقل کا اقتضاء دفع مضرت و تحصیل منفعت ہے اور اس پر اس حالت کا مجموعہ دال ہے وہ حال یہ ہے) کہ وہ لوگ (ہر حال میں دل سے بھی اور زبان سے بھی) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، کھڑے بیٹھے بھی لیٹے بھی، اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں (اپنی قوت عقلیہ سے) غور کرتے ہیں (اور غور کا جو نتیجہ ہوتا ہے یعنی حدوث ایمان یا تجدید

www.toobaaelibrary.com

وتقویت ایمان اس کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں) کہ اے پروردگار آپ نے اس (مخلوق) کو لایعنی پیدا نہیں کیا (بلکہ اس میں حکمتیں رکھی ہیں جن میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اس مخلوق سے خالق تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا جاوے) ہم آپ کو (لایعنی پیدا کرنے سے) منزہ سمجھتے ہیں (اس لیے ہم نے استدلال کیا اور توحید کے قائل ہوئے) سو ہم کو (موحد ومؤمن ہونے کی وجہ سے) عذاب دوزخ سے بچا لیجئے (جیسا کہ شرعاً اس کا یہ مقتضی ہے گو کسی عارض سے یہ اقتضاء ضعیف ہو جاوے اور چندے عذاب ہونے لگے، ایک عرض تو ان لوگوں کی یہ تھی اور وہ اسی مضمون ایمان کے مناسب اور معروضات بھی کرتے ہیں جو آگے آتے ہیں) اے ہمارے پروردگار (ہم اس لیے عذاب دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں کہ) بیشک آپ جس کو (بطور اصل جزاء کے) دوزخ میں داخل کریں اس کو واقعی رسوا ہی کر دیا (مراد اس سے کافر ہے) اور ایسے بے انصافوں کا (جن کی اصلی جزاء دوزخ تجویز کی جاوے) کوئی بھی ساتھ دینے والا نہیں (اور آپ کا وعدہ ہے اہل ایمان کے لیے رسوا نہ کرنے کا بھی اور نصرت کرنے کا بھی، بس ایمان لا کر... ہماری درخواست ہے کہ کفر کی اصلی جزاء سے بچائیے، ایمان کا اصل مقتضا یعنی دوزخ سے نجات مرتب فرمائیے) اے ہمارے پروردگار ہم نے (جیسے مصنوعات کی دلالت سے عقلی استدلال کیا اسی طرح ہم نے) ایک (حق کی طرف) پکارنے والے کو (مراد اس سے حضرت محمدؐ ہیں بواسطہ یا بلاواسطہ) سنا کہ وہ ایمان لانے کے لیے اعلان کر رہے ہیں کہ (اے لوگو) تم اپنے پروردگار (کی ذات وصفات) پر ایمان لاؤ سو ہم (اس دلیل نقلی سے استدلال کر کے بھی) ایمان لے آئے (اس درخواست میں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول بھی ضمناً آ گیا، پس ایمان کے دونوں جزء یعنی اعتقاد توحید و اعتقاد رسالت کامل ہو گئے) اے ہمارے پروردگار پھر (اس کے بعد ہماری یہ درخواست ہے کہ) ہمارے (بڑے) گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے اور ہماری (چھوٹی) بدیوں کو ہم سے (معاف کر کے) زائل کر دیجئے اور (ہمارا انجام بھی جس پر مدار ہے درست کیجئے اس طرح کہ) ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ (شامل رکھ کر) موت دیجئے (یعنی نیکی پر خاتمہ ہو) اے پروردگار اور (جس طرح ہم نے اپنی مضرتوں سے محفوظ رہنے کے لیے درخواست کی ہے جیسے دوزخ و رسوائی اور ذنوب وسیئات، اسی طرح ہم اپنے منافع کی دعا کرتے ہیں کہ) ہم کو وہ چیز (یعنی ثواب وجنت) بھی دیجئے، جس کا ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے (کہ مومن وابرار کو اجر عظیم ملے گا) اور (یہ ثواب وجنت ہم کو اس طرح دیجئے کہ ثواب ملنے سے پہلے بھی) ہم کو قیامت کے روز

www.toobaaelibrary.com

رسوا نہ کیجئے (جیسا کہ بعض کو اول سزا ہوگی پھر جنت میں جاویں گے، مطلب یہ کہ اول ہی سے جنت میں داخل کردیجئے اور) یقیناً آپ (تو) وعدہ خلافی نہیں کرتے (لیکن ہم کو یہ خوف ہے کہ جن کے لیے وعدہ ہے یعنی مؤمنین وابرار کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ ہم ان صفات سے موصوف نہ ہوں جن پر وعدہ ہے، اس لیے ہم آپ سے یہ التجائیں کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے وعدہ کی چیزیں دیجئے، یعنی ہم کو ایسا کردیجئے اور ایسا ہی رکھئے جس سے ہم وعدہ کے مطابق وعمل ہوجاویں) سو قبول کرلیا ان کی دعاؤں کو ان کے رب نے اس وجہ سے (کہ میری عادت مستمرہ ہے کہ) میں کسی شخص کے (نیک) کام کو جو تم میں سے کام کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا (کہ اس کا بدلہ نہ دیا جائے) خواہ وہ (کام کرنے والا) مرد ہو یا عورت (دونوں کے لیے ایک ہی قانون ہے کیونکہ) تم (دونوں) آپس میں ایک دوسرے کے جز وہو (اس لیے حکم بھی دونوں کا ایک سا ہی ہے، پس جب انہوں نے ایمان قبول کر کے ایک بڑا نیک عمل کیا، اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کی درخواست کی تو میں نے ان کی دعا، ودرخواست کو اپنی عادت مستمرہ کے مطابق منظور کرلیا اور جب ہم ایمان پر ایسے ثمرات عطا فرماتے ہیں) تو جن لوگوں نے (ایمان کے ساتھ اور اعمال شاقہ بھی کیے جیسے ہجرت یعنی) ترک وطن کیا اور (وہ بھی نفسی خوشی، سیر وسیاحت کے لیے نہیں، بلکہ اس طرح کہ) اپنے گھروں سے (تنگ کر کے) نکالے گئے اور (اس کے سوا طرح طرح کی) تکلیفیں دیے گئے (اور یہ باتیں یعنی ہجرت اور وطن سے نکالنا اور مختلف قسم کی ایذائیں سب) میری راہ میں (یعنی میرے دین کے سبب ان کو پیش آئیں اور ان سب کو انہوں نے برداشت کیا) اور (جہاد (بھی) کیا اور (بہت سے ان میں سے) شہید (بھی) ہوگئے، (اور آخرت تک جہاد سے نہ ہٹے، تو اس محنت کے اعمال پر ثمرات اور نعمتیں کیوں نہ ملیں گی) ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں (جو میرے حقوق کے متعلق ہوگئی ہوں) معاف کردوں گا اور ضرور ان کو (بہشت کے) ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے (محلات کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہ بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس (یعنی اس کے قبضۂ قدرت میں) اچھا عوض ہے، (مذکورہ آیات میں مسلمانوں کی کلفتوں کا بیان اور اس کا انجام نیک مذکور تھا، آگے کافروں کے عیش وآرام اور اس کے انجام بد کر ذکر ہے، تاکہ مسلمانوں کی تسلی ہو اور بدعمل لوگوں کو اصلاح اور توبہ کی توفیق ہو) لَا یَغُرَّنَّكَ (اے طالب حق) تجھ کو ان کافروں کا (کسب معاش یا تفریحات کے لیے) چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے، یہ چند روزہ بہار ہے، (کیونکہ مرتے ہی اس کا نام ونشان بھی نہ رہے گا، اور)

www.toobaaelibrary.com

پھران کا ٹھکانا (ہمیشہ کے لیے) دوزخ ہوگا اور وہ بُری آرام گاہ ہے، لیکن (ان میں سے بھی) جو لوگ خدا سے ڈریں (اور مسلمان وفرمانبردار ہو جائیں) ان کے لیے بہشتی باغات ہیں جن کے (محلات کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے، اور جو چیزیں خدا کے پاس ہیں (جن کا ابھی ذکر ہوا یعنی بہشتی باغ اور نہریں وغیرہ) یہ نیک بندوں کے لیے بدرجہا بہتر ہیں (کفار کی چندروزہ عیش ومسرت سے)۔

(مذکورہ آیات دعاء سے پہلے اہل کتاب کی بُری خصلتوں اور ان کے عذاب وانجام بد کا مسلسل ذکر آیا ہے، آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو اہل کتاب میں سے مسلمان صالح ہو گئے، اس لیے قرآن کی عام عادت کے مطابق بدکرداروں کے نتائج کے بعد نیکوکاروں کی مدائح کا ذکر ہے)

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ، اور بالیقین بعضے لوگ اہل کتاب میں سے ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں، اور اس کتاب کے ساتھ بھی (اعتقاد رکھتے ہیں) جو تمہارے پاس بھیجی گئی (یعنی قرآن) اور اس کتاب کے ساتھ بھی (اعتقاد رکھتے ہیں تو) جو ان کے پاس بھیجی گئی (یعنی توراۃ اور انجیل اور خدا کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں تو) اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں (اس لیے اس اعتقاد میں حدود سے تجاوز نہیں کرتے کہ اللہ پر اولاد کی تہمت لگائیں، یہاں احکام میں افتراء کریں، اور تورات وانجیل کے ساتھ جو اعتقاد رکھتے ہیں تو اس طور پر کہ) اللہ تعالیٰ کی آیات کے مقابلہ میں (دنیا کا) کم حقیقت معاوضہ نہیں لیتے، ایسے لوگوں کو ان کا نیک عوض ملے گا ان کے پروردگار کے پاس (اور اس میں کچھ دیر بھی نہ لگے گی کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب (کتاب) کریں گے (اور حساب کتاب کرتے ہی سب کا دینا لینا بے باق کر دیں گے) اے ایمان والو (تکالیف پر) خود صبر کرو اور (جب کفار سے مقابلہ ہو تو) مقابلہ میں صبر کرو اور (احتمال مقابلہ کے وقت) مقابلہ کے لیے مستعد ہو اور (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ حدود شرعیہ سے نہ نکلو) تاکہ تم پورے کامیاب ہو (آخرت میں لازمی اور ضروری اور بعض اوقات دنیا میں بھی)

تلخیص معارف ومسائل

ربط: مشرکین نے پیغمبر علیہ السلام سے عناداً یہ درخواست کی کہ کوہ صفا کو سونے کا بنادیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حق کے دلائل تو بہت ہیں ان میں کیوں نہیں فکر کرتے۔ حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ پیغمبر علیہ السلام کا کوئی عجیب حال بیان فرمائیے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا،

www.toobaaelibrary.com

آپ کی کس شان کو پوچھتے ہو، ان کی تو ہر شان عجیب ہی تھی، ہاں ایک واقعہ سناتی ہوں، وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ ایک رات میرے پاس تشریف لائے اور لحاف میں میرے ساتھ داخل ہو گئے، فرمایا کہ اجازت دو کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں، بستر سے اٹھے وضو فرمایا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے، اور قیام میں پھر رکوع میں اور پھر سجدہ میں بھی اسقدر روئے کہ آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے پھر سر اٹھایا اور مسلسل روتے رہے حتی کہ صبح ہو گئی، بلال آئے اور نماز کی اطلاع دی۔ بلال فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضور اس قدر کیوں گریہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیے ہیں، آپ نے فرمایا تو کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ اور شکریہ میں گریہ وزاری کیوں نہ کروں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آج کی شب مجھ پر یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ الخ اس کے بعد آپ نے فرمایا: بڑی تباہی ہے اس شخص کے لیے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور ان میں غور نہیں کیا۔

(۱) خَلْقِ میں تمام مخلوقات ومصنوعات داخل ہیں جو آسمان میں اور زمین کے اندر ہیں، مزید غور کیجیے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اَلسَّمٰوٰت میں تمام رفعتیں اور اَلْاَرْض میں تمام پستیاں داخل ہیں، پس اللہ تعالیٰ تمام رفعتوں اور پستیوں کا خالق ہے۔

(۲) اختلاف ماخوذ ہے اختلف فلانٌ فلاناً سے یعنی وہ شخص فلاں شخص کے بعد آیا، پس معنی یہ ہوئے کہ رات جاتی ہے اور دن آتا ہے اور دن جاتا ہے تو رات آتی ہے، اختلاف سے زیادتی اور کمی کا معنی بھی مراد ہو سکتا ہے کہ سردیوں میں رات طویل اور گرمیوں میں اس کے برعکس ہوتا ہے اسی طرح ملکوں کے تفاوت سے بھی رات دن کا تفاوت ہوتا ہے، اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر روشن دلیل ہے۔

(۳) آیات بمعنی معجزات اور بمعنی آیات قرآنی، اور بمعنی دلائل اور نشانی بھی ہیں یہاں آخری معنی مراد ہے۔

(۴) اولوالالباب: الباب، لب کی جمع ہے بمعنی مغز، خلاصہ، انسانی عقل کو لب کہا گیا ہے، معنی ہوا عقل والے، اب عقل والوں سے مراد کون ہیں، کیونکہ عقلمند ہونے کی مدعی ساری دنیا ہے کوئی بیوقوف بھی خود کو بے عقل تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اس لیے قرآن نے چند ایسی علامتیں بتلائی ہیں جو حقیقتاً عقل کا صحیح معیار ہیں پہلی علامت اللہ پر ایمان ہے، غور کیجیے تو محسوسات کا علم حواس ظاہرہ سے تو جانوروں کو بھی حاصل ہے، اور عقل کا کام یہ ہے کہ علامات وقرائن کے ذریعہ کسی

www.toobaaelibrary.com

ایسے نتیجہ تک پہنچے جو محسوس نہیں ہے اور جس کے ذریعہ سلسلۂ اسباب کی آخری کڑی کو پایا جاسکے، اس اصول کے پیش نظر عالم کا سارا نظام عقل کو کسی ایسی ہستی کا پتہ دیتا ہے، جو ہر طرح سب سے زیادہ بالاتر ہو جس نے تمام چیزوں کو خاص حکمت سے بنایا ہو، اور جس کے ارادہ سے یہ سارا نظام چل رہا ہو، وہ ہستی ظاہر ہے اللہ ہی ہوسکتی ہے۔

اور عالم کے ہر نظام میں غور وفکر کرنے کا نتیجہ عقل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی اطاعت وذکر ہے، جو اس سے غافل ہے وہ عقلمند کہلانے کا مستحق نہیں، اس لیے قرآن نے یہ علامت بتلائی، اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ.

معلوم ہوا کہ آج کی دنیا نے جس چیز کو عقل اور عقل مندی کا معیار سمجھ لیا ہے وہ محض ایک دھوکہ ہے، عقل سلیم کی بات وہ ہے جو اللہ کے انبیاء ورسل لے کر آئے کہ علم وحکمت کے ذریعہ سلسلۂ اسباب میں ادنی سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہوئے درمیانی مراحل کو نظر انداز کیا، خام مواد سے مشینوں تک اور مشینوں سے برق اور بھاپ کی قوت تک تمہیں سائنس نے پہنچایا، عقل سلیم کا یہ کام ہے کہ ایک قدم اور آگے بڑھو، تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ یہ درمیانی چیزیں کچھ نہیں اصل کام اس کا ہے جس نے یہ سب پیدا کیا، پس معلوم ہوا اولوالالباب اللہ تعالیٰ کی معرفت والے ذاکرین ہی ہیں، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ وصیت کر کے مرجائے کہ میرا مال عقلمند کو دیا جائے تو کسے دیا جائے گا؟ جواب میں تحریر فرمایا کہ ایسے عالم وزاہد اس مال کے مستحق ہونگے جو دنیا طلبی اور غیر ضروری مادی وسائل سے دور ہیں کیونکہ حقیقتاً وہی عقلاء ہیں (درمختار کتاب الوصیۃ)

اور شریعت میں اسی لیے ذکر کی کثرت کا جتنا حکم دیا گیا کسی اور عبادت کا نہیں دیا گیا کیونکہ ذکر کے لیے کوئی شرط نہیں ہے، ہر جگہ ہر وقت ہر حالت میں کرسکتا ہے اولوالالباب کی دوسری علامت یہ بتلائی کہ وہ آسمان وزمین کی تخلیق میں تفکر کرتے ہیں۔

اتنا عظیم الشان وسیع وعریض آسمان، اور اس میں آفتاب وماہتاب اور کواکب، ثوابت، اور سیارے، یہ سب ہزاروں سال سے مسلسل اسی نظام محکم اور معین اوقات کے ساتھ چل رہے ہیں، کوئی پرزہ نہ گھسے نہ ٹوٹے، نہ رنگ وروغن کی ضرورت، ایسے ہی زمین کا پورا کرہ اس کے دریا پہاڑ، اور دونوں میں طرح طرح کی مخلوقات زمین کی تہہ میں چھپی ہوئی معدنیات، یہ ہوا اور برق وباراں، یہ سب کسی ایسی ہستی کا پتہ دیتے ہیں جو علم وحکمت اور قوت وقدرت میں سب سے بالاتر ہے، اور اسی کا

www.toobaaelibrary.com

نام معرفت ہے تو یہ غور وفکر معرفت الٰہیہ کا سبب ہونے کی وجہ سے بہت بڑی عبادت ہے، حسن بصریؒ فرماتے ہیں تفکر ساعۃٍ خیرٌ من قیام لیلۃٍ (ابن کثیر) تفکر افضل عبادت ہے۔ (عمر بن عبد العزیزؒ) ایمان کا نور اور روشنی ہے، (اصحاب کرامؓ)

اور جس طرح یہ تفکر افضل عبادت اور نور ایمان ہے اسی طرح انہیں دیکھنے اور برتنے کے باوجود ان مخلوقات کی ظاہری ٹیپ ٹاپ میں الجھ کررہ جانا اور ان کے ذریعہ مالک حقیقی کی معرفت نہ حاصل کرنا سخت نادانی اور نا سمجھ بچوں کی سی حرکت ہے۔

اور پھر آیت کے آخری جملے نے آیات قدرت میں غور فکر کا نتیجہ بتلایا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا:

آگے ان لوگوں کی چند دعاؤں کا ذکر ہے جن میں تین تو عذاب، تکلیف اور معضرت سے بچنے کی ہیں آگے چوتھی درخواست منافع اور فوائد حاصل کرنے کے متعلق ہے کہ جو وعدہ آپ نے جنت کی نعمتوں کا فرمایا ہے وہ ہمیں اس طرح عطا فرمایئے کہ بعد میں معافی کی صورت کے بجائے اول ہی سے معافی فرمادیجئے اور اس عرض ومعروض کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اس قابل بنادیجئے کہ ہم یہ وعدہ حاصل کرنے کے مستحق ہوجائیں اور پھر اس پر قائم رہیں یعنی خاتمہ ایمان اور عمل صالح پر ہو۔

آیت: ۱۹۵: لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ: ہجرت اور شہادت سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں یعنی حقوق اللہ، مگر قرض وغیرہ حقوق العباد کی معافی کا وعدہ نہیں، پیغمبر علیہ السلام نے حدیث میں قرض اور دین کا مستثنیٰ ہونا بیان فرمایا ہے، یوں کسی شخص پر اللہ تعالیٰ خاص فضل فرمادیں تو یہ اور بات ہے اور بعض کے ساتھ ایسا بھی ہوگا۔

آیت: ۲۰۰: وربطوا: یہ سورت کی آخری آیت ہے، مسلمانوں کے لیے چند وصیتوں پر مشتمل ہے، گویا پوری صورت کا خلاصہ ہے۔ اول صبر، دوم مصابرہ، سوم مرابطہ، چہارم، تقویٰ جو ان تینوں کے ساتھ لازم ہے۔

صبر کی تین قسمیں ہیں، اول صبر علی الطاعات یعنی احکام الٰہیہ کی پابندی پر نفس کو جمائے رکھنا خواہ طبیعت پر کتنی ہی شاق ہو۔ دوسرے صبر علی المعاصی یعنی منہیات سے نفس کو روکنا خواہ نفس کے لیے کتنی ہی مرغوب ولذیذ ہو، تیسرے صبر علی المصائب یعنی ہر تکلیف کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔

مصابرت، ماخوذ صبر سے ہے یعنی دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا، مرابطہ بمعنی گھوڑے

www.toobaaelibrary.com

باندھنا، جنگ کی تیاری، قرآن وحدیث میں یہ دو معنی کے لیے مستعمل ہے، اول اسلامی سرحد کی حفاظت تاکہ دشمن سرحد کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہ کرے۔

دوسرے نماز جماعت کی ایسی پابندی کہ ایک نماز کے بعد ہی سے دوسری نماز کے انتظار میں رہے، یہ دونوں چیزیں اسلام میں بڑی مقبول عبادت ہیں جن کے فضائل بے شمار ہیں، اس سے متعلق روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل رباط ہر صدقہ جاریہ سے بھی افضل ہے کیونکہ صدقہ جاریہ کا ثواب اسی وقت تک جاری رہتا ہے جب تک اس چیز سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں، وہ چیز ختم ہوگئی تو ثواب بھی ختم ہوگیا، مگر مرابط فی سبیل اللہ کا ثواب قیامت تک منقطع ہونے والا نہیں، ارشاد رسالت ہے: مَنْ مَاتَ مُرَابِطاً فِی سَبِیْلِ اللہِ اُجْرِیَ عَلَیْهِ اَجْرُ عَمَلِهِ الصَّالِحِ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُهُ وَاُجْرِیْ رِزْقُهُ وَاَمِنَ مِنَ الْفُتَّانِ وَبَعَثَهُ اللہُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اٰمِناً مِّنَ الْفَزَعِ۔ (تفسیر قرطبی) یعنی جو شخص حالت رباط میں مرجائے تو وہ جو کچھ عمل صالح دنیا میں کیا کرتا تھا ان سے اعمال کا ثواب برابر جاری رہے گا اور اس کا رزق بھی جاری رہے گا اور شیطان سے (یا سوال قبر سے) محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایسا مطمئن اٹھائیں گے کہ محشر کا کوئی خوف اس پر نہ ہوگا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ اہل وعیال کی طرف لوٹ گیا تو بھی یہ ثواب جاری رہے گا۔

نماز جماعت کی پابندی، ہر حالت میں وضو اچھی طرح کرنا، اور مسجد کی طرف کثرت سے جانا، اور ایک نماز کے بعد دوسری کے انتظار میں رہنا بھی رباط فی سبیل اللہ ہے۔

اس آیت کے آخر میں تقویٰ کا حکم ہے جو ان سب کاموں کی روح اور مقبولیت اعمال کا مدار ہے، یہ مجموعہ تقریباً تمام احکام شرعیہ پر حاوی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق کامل عطا فرمائیں، آمین: وَلِلّٰہِ الحمد اولہ واٰخرہ:۔

قراءات : سورة آل عمران: التَّوْرٰىةَ نافع وحمزہ کے لئے بالتقلیل لیکن قالون کے لئے بالخلف ہے اور بصری، کسائی وابن ذکوان کے لیے بالامالہ۔ باقیوں کے لیے بالفتح ہے۔ سَیُغْلَبُوْنَ. وَیُحْشَرُوْنَ اخوین کے لیے دونوں بیاء الغیب ہیں اور باقیوں کے لیے بتاء الخطاب تَرَوْنَهُمْ صرف نافع کے لیے بالتاء اور باقیین کے لیے بالیاء ہے رِضْوَانٌ صرف شعبہ کے لئے ہر جگہ بضم الراء ہے لیکن مائدہ کے دوسرے میں مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ ان کے لیے بھی بالکسر ہے اور باقیین کے لیے ہر جگہ بکسر الراء ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللہِ الْاِسْلَامُ

www.toobaaelibrary.com

کسائی کے لیے بفتح الہمزہ اور باقیوں کے لئے بکسر الہمزہ ہے۔ وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ حمزہ کے لیے بضم الیاء والالف وکسر التاء ہے اور باقیین کے لیے بفتح الیاء بغیر الف وضم التاء ہے اَلْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَالْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَبَلَدٍ مَّيِّتٍ وغیرہ۔ حمزہ اور کسائی، حفص اور نافع کے لیے بتشدید الیاء ہیں اور باقیین کے لئے مطلقاً بتخفیف الیاء ہیں، لیکن یٰسین میں اَلْاَرْضُ الْمَيْتَةُ صرف نافع کے لیے مشدد ہے باقیین کے لیے مخفف اور اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا. بالانعام وَلَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا بالحجرات میں بھی صرف نافع کے لیے مشدد ہے اور علاوہ نافع کے باقیوں کے لیے مخفف، اور جس کے اندر صفت موت نہ پائی گئی ہو وہ بالاتفاق مشدد ہے جیسے وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ. اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ. ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ. اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ وغیرہ بِمَا وَضَعَتْ شعبہ وشامی کے لیے باسکان العین مع ضم التاء اور باقیین کے لیے بفتح العین واسکان التاء ہے وَكَفَّلَهَا کوفیین کے لیے بتشدید الفاء باقیین کے لیے بتخفیف الفاء ہے زَكَرِيَّا اخوین وحفص کے لیے بالقصر بغیر الہمز ہے تمام قرآن میں اور باقیین کے لیے بالمد مع الہمز ہے اور شعبہ کے لیے یہاں بالنصب ہے اور باقیوں کے لیے بالرفع ہے اور باقی مقامات میں سے تین مقام پر بالرفع ہے اور وہ یہ ہیں كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا. هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا یہاں اور سورۂ مریم میں يٰزَكَرِيَّآءُ اِنَّا نُبَشِّرُكَ اور تین مقام پر بالنصب ہے اور وہ یہ ہیں انعام میں وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى مریم میں عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا اور انبیاء میں وَزَكَرِيَّآءَ اِذْ نَادٰى فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اخوین کے لیے بصیغۂ مذکر مع امالہ فَنَادٰهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ہے باقیوں کے لیے بتاء التانیث ہے اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ شامی وحمزہ کے لیے بکسر الہمزہ اِنَّ اللّٰهَ ہے باقیوں کے لیے بفتح الہمز ہے يُبَشِّرُكَ یہاں دو جگہ یعنی يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى. وَيُبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ. وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ بالاسراء والکہف میں اخوین کے لیے بفتح الیاء واسکان الباء وضم الشین ہے مخفف چاروں جگہ اور باقیین کے لیے بضم الیاء وفتح الباء وکسر الشین مشدد ہے ہر چہار کلمہ اور يُبَشِّرُ اللّٰهُ. شوری میں نافع ابن عامر اور عاصم کے لیے مشدد ہے اور باقیوں کے لیے مخفف۔ اور يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بالتوبہ۔ وَلَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بالحجر۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ. وَلِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ. دونوں مریم میں صرف حمزہ کے لیے بالفتح والتخفیف ہیں اور باقیین کے لیے بالضم والتشدید ہیں یہ چاروں کلمے پس نافع شامی اور عاصم کے لیے یہ افعال تسعہ بالتشدید ہیں اور حمزہ کے لیے بالتخفیف اور ابن کثیر اور ابوعمرو کے لیے علاوہ شوریٰ کے جملہ افعال مشدد ہیں اور شوریٰ میں ان دونوں کے لیے مخفف ہے، اور کسائی کے لیے آل عمران وسبحان وکہف وشوری میں مخفف اور توبہ وحجر ومریم میں ان کے لیے مشدد ہے وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ نافع اور عاصم کے لیے بالیاء اور باقیین کے لیے بالنون ہے اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ صرف نافع کے لیے بکسر الہمز ہے باقیوں کے لیے بالفتح طَيْرًا یہاں اور سورۂ مائدہ میں نافع کے لیے یہ کلمہ بالالف والہمز طَآئِرًا ہے اور باقیین کے لیے بغیر الف والہمزہ طَيْرًا ہے۔ فَيُوَفِّيْهِمْ صرف حفص کے لیے بالیاء اور باقیین کے لیے بالنون ہے هٰٓاَنْتُمْ ورش

www.toobaaelibrary.com

وقنبل کے لیے بغیر الف هَاَنْتُمْ بروزن سَاَلْتُمْ ہے باقیین کے لیے بالف هٰاَنْتُمْ بروزن فَاَلْتُمْ پھر نافع وبصری کے لیے ہمزہ کی تسہیل ہے۔ اور ورش کے لیے دوسری وجہ ابدال بالالف مع المد الطویل بھی مقرر ہے باقیین کے لیے تحقیق ہمزہ ہے، پس قالون بصری کے لیے بالالف مع تسہیل ہمزہ هٰاَنْتُمْ ورش کے لیے بغیر الف مع تسہیل ہمزہ هَاَنْتُمْ اور دوسری وجہ ابدال بالالف هٰاَنْتُمْ بالمد الطویل بھی ہے اور قنبل کے لیے بغیر الف مع تحقیق ہمزہ هَاَنْتُمْ ہے باقیین کے لیے بالالف مع تحقیق ہمزہ هٰاَنْتُمْ ہے۔ اور بزی کے لیے مع القصر اور باقیین مع المد ہیں جیسا کہ ان کے اصول سے ظاہر ہے اَنْ یُّؤْتٰۤی اَحَدٌ صرف مکی کے لیے بزیادتی ہمزۂ استفہام ہے۔ ءَ اَنْ یُّؤْتٰۤی ہمزۂ ثانیہ کی تسہیل محض کے ساتھ اور باقیین کے لیے بھمزۂ واحدہ ہے۔ یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ، وَلَا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ، نُؤْتِهٖ مِنْهَا تینوں نُوَلِّهٖ اور نُصْلِهٖ نساء میں یہ چاروں کلمات سات مقامات میں بصری اور شعبہ اور حمزہ کے لیے باسکان الہاء ہیں اور قالون وہشام کے لیے کسرہ بغیر صلہ ہے لیکن ہشام کے لیے باختلاف اور قالون کے لیے بلا خلف ہے اور باقیین کے لیے کسرہ مع الصلہ ہے اور یہی طریق ثانی ہے ہشام کے لیے بھی تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ شامی اور کوفیین کے لیے بضم التاء وفتح العین وکسر اللام مع التشدید اور باقیین کے لیے بفتح التاء واللام مع التخفیف ہے مع سکون العین وَلَا یَاْمُرَكُمْ شامی اور عاصم اور حمزہ کے لیے بنصب الراء اور باقیوں کے لیے برفع الراء ہے لیکن بصری کے لیے اسکان اور اختلاس ہوگا النَّبِیّٖنَ لَمَا صرف حمزہ کے لیے بکسر اللام لِمَا ہے باقیین کے لیے بالفتح اٰتَیْتُكُمْ صرف نافع کے لیے بالنون والالف اٰتَیْنٰكُمْ ہے اور باقیوں کے ہے یَبْغُوْنَ بصری وحفص کے لیے بالیاء اور باقیوں کے لیے بالتاء ہے اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ صرف حفص کے لیے بالیاء باقیین کے لیے بالتاء حِجُّ الْبَیْتِ حفص واخوین کے لیے بکسر الحاء اور باقیین کے لیے بفتح الحاء ہے۔ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّكْفَرُوْهُ حفص واخوین کے لیے بالیاء دونوں میں اور باقیین کے لیے دونوں میں بالتاء لَا یَضُرُّكُمْ شامی اور کوفیین کے لیے بضم الضاد والراء مع التشدید اور باقیوں کے لیے بکسر الضاد وجزم الراء مع التخفیف مُنْزَلِیْنَ یہاں اور اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عنکبوت میں صرف شامی کے لیے بفتح النون وتشدید الزاء ہے دونوں جگہ اور باقیین کے لیے باسکان النون وتخفیف الزاء ہے مُسَوِّمِیْنَ مکی بصری وعاصم کے لیے بکسر الواوٗ اور باقیین کے لیے بفتح الواوٗ ہے سَارِعُوْا اور شامی کے لیے بغیر الواوٗ قبل السین باقیین کے لیے بالواوٗ ہے قُرْحٌ مَعًا شعبہ اور اخوین کے لیے بضم القاف اور باقیین کے لیے بفتح القاف ہے اور یہی اختلاف اَلْقَرْحُ میں بھی ہے۔ وَكَاَیِّنْ جہاں کہیں واقع ہو مکی کے لیے بالف ممدودہ وبھمزۂ مکسورہ ہے اور باقیوں کے لیے بھمزۂ مفتوحہ ویائے مکسورہ مشددہ ہے قٰتَلَ مَعَهٗ شامی اور کوفیین کے لیے بالالف بعد القاف وفتح التاء قٰتَلَ ہے اور باقیین کے لیے بضم القاف وبحذف الالف وکسر التاء قُتِلَ ہے الرُّعْبَ مطلقاً شامی اور کسائی کے لیے بضم العین اور باقیوں کے لیے باسکان العین ہے یَغْشٰی طَآىِٕفَةً اخوین کے لیے بالتاء اور

www.toobaaelibrary.com

باقیین کے لیے بالیاء ہے کُلَّهُ لِلّٰهِ صرف بصری کے لیے برفع لام کُلُّه اور باقیین کے لیے بالفتح بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا کی اور اخوین کے لیے بالیاء باقیین کے لیے بالتاء ہے مُتُّمْ وَمُتُّ وَمُتْنَا کی بصری شامی اور شعبہ کے لیے بضم المیم اور حفص کے لیے صرف اس سورہ میں خاص کر دو جگہ بضم المیم۔ باقیین کے لیے مطلقاً ہر جگہ بکسر المیم ہے خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ صرف حفص کے لیے بالیاء اور باقیوں کے لیے بالتاء ہے اَنْ یَّغُلَّ کی بصری اور عاصم کے لیے بفتح الیاء وضم الغین اور باقیین کے لیے بضم الیاء وفتح الغین ہے لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا صرف ہشام کے لیے بتشدید التاء اور باقیین کے لیے بالتخفیف ہے الَّذِیْنَ قُتِلُوْا۔ وَلَئِنْ قُتِلُوْا بالج شامی کے لیے بتشدید التاء دونوں میں اور باقیین کے لیے بالتخفیف وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ وَقَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْا بالانعام کی وشامی کے لیے بتشدید التاء اور باقیین کے لیے بالتخفیف ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا شامی بتشدید التاء ہشام کے لیے بالخلف بالیاء اور باقیوں کے لیے بالتاء ہے، اور اختلاف حرکت سین پہلے گذر چکا ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ کسائی کے لیے بکسر الہمزہ اور باقیین کے لیے بالفتح ہے وَلَا یَحْزُنْكَ اور لِیَحْزُنَنِیْ وَلِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ نافع کے لیے بضم الیاء وکسر الزاء لیکن لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ سورۂ انبیاء میں نافع کے لیے بھی بفتح الیاء وضم الزاء ہے باقیین کے لیے مطلقاً ہر جگہ بفتح الیاء وضم الزاء ہے وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ حمزہ کے لیے دونوں فعل بالتاء ہیں اور باقیین کے لیے بالیاء ہیں لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ کوفیین کے لیے بالتاء اور باقیین کے لیے بالیاء ہے۔ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ اخوین کے لیے یہاں اور انفال میں بضم الیاء وفتح المیم وکسر الیاء مع التشدید اور باقیین کے لیے بفتح الیاء وکسر المیم واسکان الیاء مخفف ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ کی بصری کے لیے بالیاء اور باقیوں کے لیے بالتاء ہے سَنَکْتُبُ حمزہ کے لیے سَیُکْتَبُ بیائے مضمومہ وتائے مفتوحہ وَقَتْلُهُمْ برفع اللام وَیَقُوْلُ بالیاء ہے اور باقیوں کے لیے بنون مفتوحہ وتائے مضمومہ ونصب لام۔ قَتْلَهُمْ وَنَقُوْلُ بالنون ہے وَبِالزُّبُرِ وَبِالْکِتٰبِ ہشام کے لیے دونوں میں بزیادتی باء ہے اور ابن ذکوان کے لیے صرف پہلے میں اور باقیین کے لیے دونوں بغیر باء ہیں۔ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ کی بصری شعبہ کے لیے دونوں فعل بالیاء اور باقیین کے لیے بالتاء، فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ کی بصری کے لیے بالیاء مع ضم الباء اور باقیین کے لیے بالتاء مع فتح الباء ہے قُتِلُوْا وَقٰتَلُوْا اور توبہ میں فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ اخوین کے لیے ہر دو فعل میں سے پہلا فعل مجہول ہے اور ثانی معروف اور باقیین کے لیے اس کے برعکس یعنی پہلا معروف اور دوسرا مجہول وغیرہ ہے۔

• • •

www.toobaaelibrary.com

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا
كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى
اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝
وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ
نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔا مَّرِيْۗـــــًٔا ۝ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ
الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا
الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ
اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ
بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝
لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا
قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ
قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا
قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے لوگو! اپنے پروردگار (کی مخالفت سے) ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا، (کیوں کہ سب آدمیوں کی اصل وہی ہیں) اور اس (ہی) جاندار سے اس کا جوڑا (یعنی ان کی زوجہ حواء کو) پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلائیں اور (تم سے مکرر تاکید کے لیے کہا جاتا ہے کہ) تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے (اپنے حقوق کا) مطالبہ کیا کرتے ہو، (جس مطالبہ کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ خدا سے ڈر کر میرا حق دیدے، سو جب دوسروں کو خدا کی مخالفت سے ڈرنے کو کہتے ہو، تو معلوم ہوا کہ تم اس ڈرنے کو ضروری سمجھتے ہو تو تم بھی ڈرو) اور (اول تو تمام احکام الٰہیہ میں مخالفت سے بچنا اور ڈرنا ضرور ہے، لیکن اس مقام پر ایک حکم خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا

www.toobaaelibrary.com

جاتا ہے کہ) قرابت (کے حقوق ضائع کرنے) سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب (کے حالات) کی اطلاع رکھتے ہیں (اگر مخالفت کرو گے مستحق سزا ہو گے) اور جن بچوں کا باپ مرجائے ان کے (مملوک) مال انہی کو پہنچاتے رہو (یعنی انہی کے خرچ لگاتے رہو) اور (جب تک تمہارے قبضہ میں ہو) تم (ان کے مال میں شامل کرنے کے لیے ان کی) اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو (یعنی ایسا مت کرو کہ ان کی اچھی چیز تو نکال لی جاوے اور بری چیز ان کے مال میں ملادی جاوے) اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں کے رہنے تک (البتہ جب تمہارے پاس کچھ نہ رہے تو بقدر حق الخدمت اپنے گذارہ کے لیے ان کے مال سے لینا درست ہے جیسا آگے آوے گا۔ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا) ایسی کارروائی کرنا (کہ بری چیز ان کے مال میں شامل کردی یا بلاضرورت ان کے مال سے منتفع ہوا) بڑا گناہ ہے (جس کی وعید آگے آئے گی اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى الخ) اور اگر تم کو اس بات کا احتمال (بھی) ہو (اور یقین ہو تو بدرجہ اولیٰ) کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں (بابت ان کے مہر کے) انصاف (کی رعایت) نہ کرسکو گے تو (ان سے نکاح مت کرو بلکہ) اور (حلال) عورتوں سے جو تم کو (اپنی کسی مصلحت کے اعتبار سے) پسند ہوں نکاح کرلو (کیونکہ وہ مجبور نہیں، آزادی سے اپنی رضا ظاہر کرسکتی ہیں، اور یہ نکاح اس قید کے ساتھ ہو کہ جو ایک عورت سے زیادہ کرنا چاہے تو ان صورتوں میں سے کوئی صورت ہو، ایک صورت یہ کہ ایک ایک مرد) دو دو عورتوں سے (نکاح کرلے) اور (دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ایک مرد) تین تین عورتوں سے (نکاح کرلے) اور (تیسری صورت یہ کہ ایک ایک مرد) چار چار عورتوں سے (نکاح کرلے) پس اگر تم کو (غالب) احتمال اس کا ہو کہ (کئی بیبیاں کرکے) عدل نہ رکھو گے (بلکہ کسی بی بی کے حقوق واجبہ ضائع ہوں گے) تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو، یا (اگر دیکھو کہ ایک کے حقوق بھی ادا نہ ہوں گے تو) جو لونڈی (حسب قاعدہ شرعیہ) تمہاری ملک میں ہو وہی سہی اس امر مذکور میں (یعنی ایک بی بی کے رکھنے یا صرف لونڈی پر بس کرنے میں) زیادتی (وبے انصافی) نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے (کیونکہ ایک صورت میں تو کوئی تعداد نہیں جس میں برابری کرنا پڑے، دوسری صورت میں بی بی کے حقوق سے بھی کم حقوق ہیں، مثلاً مہر نہیں، صحبت کا حق نہیں تو اندیشہ اور کم ہے) تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تو تم کو اس مہر میں کوئی جزو (اور یہی حکم کل کا بھی ہے) تو (اس حالت میں) تم اس کو کھاؤ (برتو) مزہ دار خوشگوار سمجھ کر۔ (اور اگر یتیم بالغ ہو جائیں جس کا مقتضی

www.toobaaelibrary.com

مال کا سپرد کر دینا ہے جیسا آگے آتا ہے، لیکن کم عقل ہوں تو) تم (ان) کم عقلوں کو اپنے (یعنی ان کے) وہ مال مت دو جن کو خدا تعالیٰ نے (ایسے کام کا پیدا کیا ہے کہ ان کو) تمہارے (سب کے) لیے مایۂ زندگی بنایا ہے (مطلب یہ کہ مال قدر کی چیز ہے، ان کو ابھی مت دو کہ بے قدری کر کے اڑا دیں گے) اور ان مالوں میں (سے) ان کو کھلاتے رہو پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو (یعنی ان کو تسلی کرتے رہو کہ مال تمہارا ہے، تمہاری خیر خواہی کی وجہ سے ابھی تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا، ذرا سمجھ دار ہو جاؤ گے تو تم ہی کو دیدیا جائے گا) اور (جب مال سپرد کرنے کے لیے ہوشیاری دیکھنا ضرور ہے تو) تم یتیموں کو (بالغ ہونے سے پہلے ہوشیاری وتمیز داری کی باتوں میں) آزما لیا کرو (کیونکہ بالغ ہونے کا وقت تو سپردگی مال کا وقت ہے، تو آزمائش پہلے سے چاہئے، مثلاً کچھ کچھ سودا سلف اس سے منگالیا، اور دیکھا کہ کیسے سلیقہ سے خرید کر لائے، یا کوئی چیز فروخت کی دیدی، اور دیکھا کہ اس کو کس طرح فروخت کیا) یہاں تک کہ (ان کو آزمایا جائے) کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جاویں (یعنی بالغ ہو جاویں، کیونکہ نکاح کی پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے) پھر (بعد بلوغ وآزمائش) اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو (یعنی حفاظت ورعایت مصالح مال کا سلیقہ اور انتظام ان میں پاؤ) تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو (اور اگر ہنوز سلیقہ یا انتظام نہ معلوم ہو تو چندے اور حوالہ نہ کیا جائے) اور ان اموال (یتامیٰ) کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جاویں گے (پھر ان کو حوالہ کرنا پڑیگا) جلدی جلدی اڑا کر مت کھاڈالو اور (اگر اس طرح نہ اڑادیں، بلکہ تھوڑا کھانا چاہیں تو اس کا یہ حکم ہے کہ) جو شخص (اس مال سے) مستغنی ہو (یعنی اس کے پاس بھی بقدر کفایت موجود ہے گو صاحب نصاب نہ ہو) سو وہ تو اپنے کو بالکل (تھوڑا کھانے سے بھی) بچائے، اور جو شخص حاجتمند ہو تو وہ مناسب مقدار سے (یعنی جس میں حاجات ضروریہ رفع ہو جاویں) کھالے (برت لے) پھر جب (بعد وجود شرائط یعنی بلوغ ورشد مذکور کے) ان کے اموال ان کے حوالے کرنے لگو تو (بہتر ہے کہ) ان (کے اموال ان کو دینے) پر گواہ بھی کر لیا کرو، (شاید کسی وقت کچھ اختلاف واقع ہو تو گواہ کام آویں) اور (یوں تو) اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے (اگر خیانت نہ کی ہو تو گواہوں کا نہ ہونا بھی مضر نہیں، کیونکہ اصل حساب جن سے متعلق ہے وہ تو اس کی صفائی جانتے ہیں اور اگر خیانت کی ہے تو گواہوں کا ہونا کوئی نافع نہیں، کیونکہ جن سے حساب کا سابقہ ہے وہ اس کا ملوث ہونا جانتے ہیں، صرف ظاہری انتظام کے لیے گواہوں کا ہونا مصلحت ہے) مردوں کے لیے بھی (خواہ وہ

www.toobaaelibrary.com

چھوٹے ہوں یا بڑے) حصہ (مقرر) ہے اس چیز میں سے جس کو (ان مردوں کے) ماں باپ اور (یا دوسرے) بہت نزدیک قرابت دار (اپنے مرنے کے وقت) چھوڑ جاویں، اور (اسی طرح) عورتوں کے لیے بھی (خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی) حصہ (مقرر) ہے اس چیز میں سے جس کو (عورتوں کے) ماں باپ اور (یا دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرنے کے وقت) چھوڑ جاویں خواہ وہ (چھوڑی ہوئی) چیز قلیل ہو یا کثیر ہو (سب میں سے ملے گا) حصہ (بھی ایسا جو) قطعی طور پر مقرر ہے، (اور جب وارثوں میں ترکہ کے) تقسیم ہونے کے وقت (یہ لوگ) موجود ہوں (یعنی دور کے) رشتہ دار (جن کا میراث میں حق نہیں) اور یتیم اور غریب لوگ (اس توقع سے کہ شاید ہم کو بھی کچھ مل جاوے، رشتہ دار تو ممکن ہے کہ گمان استحقاق سے اور دوسرے لوگ بامید خیر خیرات کے) تو ان کو بھی اس (ترکہ) میں (جس قدر بالغوں کا ہے اس میں) سے کچھ دیدو اور ان کے ساتھ خوبی (اور نرمی) سے بات کرو.... (وہ بات رشتہ داروں سے تو یہ ہے کہ سمجھا دو کہ تمہارا حصہ شرع سے اس میں نہیں ہے، ہم معذور ہیں، اور دوسروں سے یہ کہ دے کر احسان نہ جتلاؤ) اور (یتامی کے معاملہ میں) ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ (کر مر) جاویں تو ان (بچوں) کی ان (لوگوں) کو فکر ہو (کہ دیکھئے ان کو کوئی آزار نہ دے، تو ایسا ہی دوسرے کے بچوں کے لیے بھی خیال رکھنا چاہئے، کہ ہم ان کو آزار نہ دیں) سو (اس بات کو سوچ کر) ان لوگوں کو چاہئے کہ (یتامی کے معاملہ میں) خدا تعالیٰ (کے حکم کی مخالفت) سے ڈریں (یعنی فعلاً آزار و ضرر نہ پہنچائیں) اور (قولاً بھی ان سے) موقع کی بات کہیں (اس میں تسلی اور دل جوئی کی بات بھی آ گئی، اور تعلیم و تادیب کی بھی آ گئی، غرض ان کے مال اور جان دونوں کی اصلاح کریں) بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتتے) ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں (دوزخ کی) آگ (کے انگارے) بھر رہے ہیں (یعنی انجام اس کھانے کا یہ ہونے والا ہے) اور (اس انجام کے مرتب ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہیں، کیونکہ) عنقریب (ہی دوزخ کی) جلتی (آگ) میں داخل ہوں گے (وہاں یہ انجام نظر آئے گا)۔

تلخیص معارف و مسائل

ربط: آل عمران کی آخری آیت تقویٰ پر ختم ہوئی ہے اور یہ سورت بھی حکم تقویٰ سے شروع ہو رہی ہے، پہلی سورت میں غزوات اور اس کے متعلقات اور مخالفین سے برتاؤ کرنے اور بعض دیگر امور کا ذکر تھا اس سورت میں اپنوں سے میل جول یعنی حقوق العباد سے متعلق احکام ہیں، ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کی

www.toobaaelibrary.com

ادائیگی بزور قانون کرائی جاتی ہے جیسے عام معاملات بیع شراء، اجارہ ومزدوری سے متعلق حقوق، لیکن اولاد والدین شوہر بیوی اور یتیم بچے جو اپنی تحویل میں ہوں اور دیگر رشتہ داروں کے باہمی حقوق ان کی ادائیگی کا مدار ادب، احترام، دلداری، ہمدردی، اور قلبی خیر خواہی پر ہے یہ چیزیں کسی کانٹے پر تولی نہیں جاسکتیں ان کی ادائے گی بجز خوف خدا وآخرت کے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں جسے تقویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تقوی کی طاقت ساری طاقتوں سے زیادہ ہے اس لیے اس سورت کو امر بالتقوی سے شروع کیا۔

اس آیت کا خطبہ نکاح میں پڑھنا مسنون ہے، اَلنَّاسُ اس میں قیامت تک کے تمام انسان مرد وعورت شامل ہیں مِّن نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ فرمایا یعنی جو ذات تمہاری پرورش کی کفیل ہے اس کی مخالفت کس قدر خطرناک ہوگی، پھر ایک خاص شان کا ذکر فرمایا کہ تم سب کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کی بہت سی صورتوں میں سے ایک خاص صورت کو اختیار فرمایا کہ ایک آدم سے پیدا کر کے سب کو اخوت و برادری کے ایک مضبوط رشتہ میں باندھ دیا۔ علاوہ خوف خدا کے خود اس رشتہ اخوۃ کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ باہمی ہمدردی کے حقوق پورے ادا کیے جائیں اور انسان انسان میں ذات پات کی اونچ نیچ، نسلی، لونی اور لسانی امتیازات کو شرافت ورذالت کا معیار نہ بنایا جائے، غرض یہ پوری آیت ان احکام کی تمہید ہے جو آگے اس سورت میں آنے والے ہیں، اس تمہید میں ایک طرف تو پروردگار کے حقوق سامنے رکھ کر اس کی مخالفت سے روکا گیا دوسری طرف تمام افراد انسانی میں محبت اور خیر خواہی کے جذبات کو پیدا کیا گیا تا کہ باہمی حقوق کی ادائے گی دل سے ہو سکے۔ وَالۡاَرۡحَامَ یعنی قرابت کے تعلقات کی ادائے گی میں کوتاہی سے بچو۔

دوسری آیت میں یتیم بچوں کی تاکید اور ان کے اموال کی حفاظت کے احکام ہیں۔

اَرحام رحم کی جمع ہے بمعنی بچہ دانی، چونکہ ذریعہ قرابت یہ رحم ہی ہے اس لیے اس سلسلے کے تعلقات وابستہ رکھنے کو صلہ رحمی، اور بے توجہی برتنے کو قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے ارشاد ہے: من احب ان یبسط له فی رزقه وینسأ له فی اثره فلیصل رحمه (مشکوۃ ۴۱۹) یعنی جس کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو اور اس کی عمر دراز ہو، تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے، اور بہت سی احادیث وارد ہیں۔

اسکے مقابلہ میں قطع رحمی کی سلسلے میں شدید ترین وعیدیں احادیث میں مذکور ہیں، ارشاد ہے: لا یدخل الجنة قاطع، نیز لاتنزل الرحمة علی قوم فیه قاطع رحم (مشکوۃ ص (۴۱۹، ص ۴۲۰)

اور یہ سب کام جذبۂ ایثار وخدمت کے ساتھ دل سے ہوں ورنہ قابل قبول نہیں، اللہ تعالی

www.toobaaelibrary.com

ارادوں سے باخبر ہے۔ان اللہ کان علیکم رقیبا یتیم بمعنی تنہا، منفرد اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جس کا باپ مرگیا ہو، اور بینا بالغی تک ہے، بلوغ کے بعد شرعی اصطلاح میں اس کو یتیم نہیں کہا جائیگا جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے لا یتم بعد احتلام یعنی بلوغ کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی (مشکوٰۃ ۲۸۴)

یتیم بچوں کی ملکیت میں اگر کچھ مال ہے تو یتیم کی حفاظت کے ساتھ اسکے مال کی بھی حفاظت اسکے ولی کے ذمہ ہے، اور یتیم کے ضروری اخراجات تو اسکے مال سے پورے کرے، لیکن اسکا مال بلوغ سے پہلے اس کے قبضہ میں نہ دے کیونکہ وہ نا سمجھ بچہ ہے وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ یعنی انکے مال انکو پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی حفاظت کرو تا کہ اپنے وقت پر یہ مال انکو پہنچائے جاسکیں نیز ولی کے ذمہ یہ بھی ہے کہ مال کی حفاظت کر کے اس قابل بنائے کہ بلوغ کے بعد اسکو ل سکے۔وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ یتیم کے مال کی تعداد تو محفوظ رکھتے تھے مگر ان کی اچھی چیز کو اپنی چیز سے بدلتے تھے، یہ بھی مال یتیم میں خیانت ہے اس لیے قرآن نے صراحتاً اس کی ممانعت فرمادی۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ قرآن نے اس پر تنبیہ فرمادی کہ یتیم کے مال کو بالکل الگ رکھو اور علیحدہ خرچ کرو، اور اگر ملا کر رکھو تو ایسا حساب رکھو جس میں یہ یقین ہو کہ یتیم کا مال تمہارے ذاتی خرچ میں نہیں آیا۔ سورہ بقرہ آیت (۲۲۰) میں گذر چکا ہے، بہرحال یتیم کے مال کو کسی بھی طریقہ سے خواہ کھا کر یا، استعمال کر کے ہو ناجائز طور پر خرچ کرنا حرام اور بہت بڑا گناہ ہے۔

آیت:۳: بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ عہد رسالت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی، اس شخص کا ایک باغ تھا جس میں یہ لڑکی بھی شریک تھی، اس شخص نے اس لڑکی سے خود اپنا نکاح کرلیا، بجائے اس کے کہ مہر وغیرہ دیتا اس کے باغ کا حصہ بھی اپنے قبضہ میں لے لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ولی کو یہ بھی اختیار ہے کہ بحالت صغر سنی بلوغ سے پہلے ہی اس کا نکاح کردے البتہ لڑکی کی مصلحت اور آئندہ فلاح و بہبود مکمل پیش نظر رہے، ان کی کسی طرح حق تلفی نہ ہو، بہرحال اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے ازدواجی حقوق کی پوری نگہداشت کا حکم مذکور ہے۔

کثرت ازدواج کی رسم اسلام سے پہلے بغیر کسی تحدید کے رائج تھی، ممالک اور مذاہب کی تاریخ سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے کسی مذہب اور کسی قانون نے اس پر کوئی حد نہ لگائی تھی، نہ یہود ونصاریٰ نے نہ ہندوؤں، آریوں اور پارسیوں نے، اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج کوئی انکار بھی

www.toobaaelibrary.com

نہیں کرسکتا، مشہور عیسائی فاضل ڈیوٹ پورٹ تعدد ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیات نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: ان آیتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ تعدد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت دی ہے" بہت سے پادریوں نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے۔

دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعدد ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتاؤں کی صورت میں برآمد ہوا بطور دوستانہ جتنی بھی عورتوں سے مرد زنا کرتا ہے اس کی پوری اجازت ہے، کیا تماشہ ہے کہ نکاح ممنوع اور زنا جائز۔

مگر بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود تعدد ازواج کو رواج دینے کے حق میں ہیں۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی یہ رسم بغیر تحدید کے جاری رہی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ اولاً حرص میں بہت سے نکاح کر لیتے تھے مگر پھر ان کے حقوق ادا نہ کر سکتے تھے، جس سے وابستگی ہوئی اسے نوازا گیا جس سے رخ پھر گیا اس کے کسی حق کی پرواہ نہ کی، اسلام نے تعدد ازدواج پر ضروری پابندی لگائی اور عدل و مساوات کا قانون جاری کیا، مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ یعنی جو عورتیں طبعی طور پر تمہیں پسند ہوں اور تمہارے لیے شرعاً حلال بھی ہوں۔

اس آیت کے نزول کے بعد بہت سے صحابہؓ ایسے تھے جنہوں نے چار سے زائد نکاح کر رکھے تھے، پیغمبرؐ نے چار سے زائد کو طلاق دلوادی، غیلان ابن اسلمہ ثقفی کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، قیس ابن الحارث اسدیؓ کی نکاح میں آٹھ تھیں، نوفل بن معاویہ دیلمی کے نکاح میں پانچ تھیں، (مشکوٰۃ ص ۲۷۴ از شرح السنۃ) پیغمبرؐ اور صحابہ کے تعامل سے آیت قرآنی کی مراد بالکل واضح ہوگئی کہ چار سے زائد نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

پیغمبرؐ نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً و عملاً دنیا میں پھیلا دیا، تعلیم و تبلیغ کی دینی ضرورت کے پیش نظر آپؐ کے لیے کثرت ازدواج ایک ضروری امر تھا، صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احکام و مسائل، اخلاق و آداب اور سیرت نبویؐ سے متعلق دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) روایات مری ہیں، حضرت ام سلمہؓ کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھتر (۳۷۸) تک پہنچتی ہیں، اگر صرف ان کے فتاویٰ جمع کئے جائیں تو ایک رسالہ مرتب ہوسکتا ہے (اعلام الموقعین از ابن قیم ص ۹ ج ۱) حضرت عائشہؓ کے تلامذہ کی تعداد لگ بھگ دو سو (۲۰۰) کے ہے، پیغمبرؐ کی وفات کے بعد اڑتالیس سال تک علم دین

www.toobaaelibrary.com

پہلا ہو قس علی ھذا: ظاہر ہے اس تعلیم و تبلیغ کا نفع صرف ازواج مطہرات سے پہنچا۔

انبیاء کرام کے بلند مقاصد کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں، وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کرسکتے ہیں، چنانچہ کئی صدی پہلے یورپ کے ملحدین و مستشرقین نے اپنی ہٹ دھرمی سے پیغمبرؐ کے تعدد ازدواج کو ایک خالص جنسی خواہش کی پیداوار قرار دیا ہے، اگر آپؐ کی سیرت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپ کی کثرت ازدواج کو اس پر محمول نہیں کرسکتا۔

آپؐ کی معصوم زندگی قریش مکہ کے سامنے اس طرح گذری کہ پچیس سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ صاحب اولاد بیوہ (جن کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کر کے عمر کے پچیس سال تک انہی کے ساتھ گذارہ کیا، دوسرے نکاح جتنے ہوئے پچاس سالہ عمر شریف کے بعد ہوئے، آپ کے دشمنوں نے آپ کو سارے ہی الزامات لگائے کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن آپ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور نفسانی جذبات کی بے راہ روی سے ہو۔

جوانی کے پچاس سال زہد و تقویٰ اور لذائذ دنیوی سے یکسوئی میں گذارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں آپؐ کو متعدد نکاحوں پر مجبور کیا، اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ سے نکاح ہوا مگر حضرت سودہؓ تو آپ کے گھر تشریف لائیں اور حضرت عائشہؓ صغرسنی کی وجہ سے اپنے والد کے گھر ہی رہیں، چند سال ۲ھ میں مدینہ میں آپ کی رخصتی عمل میں آئی، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہؓ سے نکاح ہوا، پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح ہوا اور صرف اٹھارہ ماہ (یا تین ماہ) آپ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی، پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہؓ سے نکاح ہوا، ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح ہوا، اس وقت آپؐ کی عمر شریف اٹھاون سال ہو چکی تھی، اتنی بڑی عمر آ کر چار بیبیاں جمع ہوئیں، حالانکہ امت کو جس وقت چار بیبیوں کی اجازت ملی تھی اس وقت ہی آپ کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ ان کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہؓ سے اور ۷ھ میں حضرت ام حبیبہؓ کے اور پھر ۷ھ میں حضرت صفیہؓ پھر اسی سال حضرت میمونہؓ سے نکاح ہوا، اور واضح ہو کہ ان سب میں صرف ایک ہی عورت ایسی تھیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعنہن، باقی سب بیوہ تھیں، جن میں بعض کے دو دو شوہر گذر چکے تھے، اور یہ تعداد بھی آخر عمر میں جمع

www.toobaaelibrary.com

ہوئی، صحابہ کرامؓ مرد اور عورت سبھی آپ پر جاں نثار تھے، اگر آپ چاہتے تو سب بیویاں کنواری جمع کر لیتے، بلکہ ہر ایک ایک دو دو مہینہ کے بعد بدلنے کا بھی موقع تھا لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔

نیز یہ امر قابل ذکر ہے کہ پیغمبرؐ اللہ تعالیٰ کے نبی برحق تھے، نبی صاحبِ ہوا وہوس نہیں ہوتا، جو کچھ کرتا ہے اذن الٰہی سے کرتا ہے نبی ماننے کے بعد ہر اعتراض ختم ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی معاند ہو تو اس سے کہا جائے گا کہ پھر آپؐ اپنے حق میں کثرت ازواج کے معاملہ میں اس پابندی کا اعلان کیوں فرماتے جن کا ذکر قرآن کی آیت (سورۂ احزاب آیت ۲۵) لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ میں موجود ہے یہ کھلی دلیل ہے کہ جو کچھ آپ نے کیا اپنے رب کے اذن سے کیا، پھر اس سے جو تعلیمی وتبلیغی فوائد امت کو حاصل ہوئے ان کی جزئیات کا احصار دشوار ہے کتب احادیث اس پر شاہد ہیں بعض دیگر فوائد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

حضرات ام سلمہؓ اپنے سابقہ شوہر کے بچوں کے ساتھ آپؐ کے گھر تشریف لائیں، ان کے بچوں کی آپ نے پرورش کی، اور اپنے عمل سے آپ نے بتا دیا کہ سوتیلی اولاد کی کس پیار ومحبت سے پرورش کرنی چاہئے، اور صرف یہی ایک ایسی تھیں، اگر کوئی بھی اس طرح کی نہ ہوتیں تو عملی طور پر سوتیلی اولاد کی پرورش کا خانہ خالی رہ جاتا، اور امت کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہ ملتی۔

حضرت جویریہؓ ایک جہاد میں قید ہو کر آئی تھیں ان کے قبیلے بنوالمصطلق کے سیکڑوں قیدی تھے، ان سے نکاح کا واقعہ کتب سیرت میں موجود ہے جب صحابہؓ کو پتہ چلا کہ جویریہؓ آپ کے نکاح میں آگئی ہیں تو پیغمبرؐ کے احترام میں سب نے اپنے اپنے غلام اور باندی آزاد کر دیئے سبحان اللہ! حضرات صحابہؓ کے ادب کی کیا شان تھی، اس جذبے کی پیش نظر کہ لوگ سرکار دو عالمؐ کے سسرال والے ہو گئے ان کو غلام بنا کر کیسے رکھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، فلقد اعتق بتزوجه ایاها مائه اهل بیت من بنی المصطلق فما اعلم امرأة اعظم بركة علىٰ قومها منها: آنحضرتؐ کے جویریہؓ سے نکاح کر لینے سے بنوالمصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے بڑی برکت والی ثابت ہوئی۔

حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح کا واقعہ کتب سیرت میں دیکھئے، یہ حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت ابوسفیان اس وقت سرخیل مشرکین مکہ تھے، جب انہیں اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو بے اختیار زبان سے یہ الفاظ نکلے ہو الفحل لا یُجدع انفُهٗ یعنی محمدؐ جوانمرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی، یعنی

www.toobaaelibrary.com

انہیں ذلیل کرنا آسان نہیں، ادھر ہم ان کو ذلیل کرنے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور اُدھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی، غرض اس نکاح نے ایک نفسیاتی جنگ کا اثر کیا، کفر کے قائد کے حوصلے پست ہو گئے، اس سے جو سیاسی فائدہ اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے مدبر اور حکیم رسول ؐ نے اس فائدہ کو ضرور پیش نظر رکھا ہوگا۔

یہ چند باتیں تھیں، اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ قدس سرہ کا رسالہ "کثرت ازواج لصاحب المعراج" دیکھئے۔

چار بیویوں تک کی اجازت دے کر فرمایا: فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ. اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ نکاح اسی صورت میں جائز ہے جب کہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کر سکے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو ایک ہی رکھی جائے۔ واضح ہو کہ مذکورہ مملوک کنیز کی خاص شرائط ہیں جو آج کل مفقود ہیں اس لیے حرام ہے۔

پیغمبرؐ نے بیویوں کے درمیان پوری مساوات وعدل کی سخت تاکید فرمائی ہے، اس کے خلاف کرنے پر سخت وعیدیں سنائی ہیں، خود اپنے عمل کے ذریعے بھی اسے واضح فرمایا ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ: جس شخص کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ ان کے حقوق میں برابری اور انصاف نہ کر سکے تو وہ قیامت میں اس طرح اٹھایا جائے گا کہ ایک پہلو گرا ہوا ہوگا (مشکوٰۃ ص ۲۷۸) یہ مساوات انسان کے امور اختیاریہ میں سے ہیں مثلاً نفقہ، شب باشی اور طرز معاشرت، اور جو امور اختیاریہ میں نہیں مثلاً میلان طبع تو اس غیر اختیاری معاملہ میں اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں بشرطیکہ اس میلان کا اثر اختیاری معاملات پر نہ پڑے، پیغمبرؐ نے خود بھی بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: اللهم هذا قسمي فيما املك فلا تلمني فيما تملك ولا املك: یا اللہ یہ میری برابر والی تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہے، اب وہ چیز جو آپ کے قبضہ میں ہے میرے اختیار میں نہیں ہے اس پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کرنا، ظاہر ہے جس کام پر پیغمبرؐ بھی قادر نہیں اس پر کوئی دوسرا کیسے قادر ہو سکتا ہے، اس غیر اختیاری معاملہ کا ذکر قرآن نے اس طرح فرمایا: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ عورتوں کے درمیان تم پوری برابری ہرگز نہ کر سکو گے، لیکن آگے اس کی اصلاح کے لیے بھی فرمایا: فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ: یعنی دوسری بیوی سے کلی بے اعتنائی اور بے توجہی اس حالت میں بھی جائز نہیں۔

آیت ۳: میں عدل و مساوات کا بیان ہے یہ وہی امور اختیاریہ کا عدل ہے اور دوسری آیت

www.toobaaelibrary.com

میں محبت اور قلبی میلان میں عدم مساوات پر قدرت نہ ہونے کا بیان ہے، اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہ سمجھنا چاہیے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ہاں ایک شبہ یہ ہے کہ جب ایک ہی بیوی ہوگی تو ظلم کا بالکل موقع نہ ہوگا پھر لفظ اَدْنٰى کا کیا مطلب؟ جواب یہ ہے کہ اس لفظ سے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ ایک بیوی کو بھی تختۂ ستم بنائے رکھتے ہیں، اس لیے ظلم کا راستہ بند کرنے کے لیے صرف ایک پر اکتفاء کرنا کافی نہیں، البتہ اس صورت میں ظلم کا خطرہ کم ہو جائے اور تم عدل کے قریب پہنچ جاؤ گے۔

آیت: ۴: اس آیت میں عورتوں کے ایک خاص حق "مہر" کا ذکر ہے، اس میں جو ظلم وجور ہو رہا تھا اس کا ازالہ فرمایا ہے مہر کے سلسلے میں عرب میں ایک ظلم تو یہ ہوتا تھا کہ دیا ہی نہ جاتا تھا، بلکہ لڑکی کے اولیاء شوہر سے وصول کر لیتے تھے وَاٰتُوْا کے مخاطب شوہر بھی ہیں، اور لڑکی کے اولیاء بھی ہیں کہ مہر لڑکیوں ہی کو دیدیں، ان کی اجازت نفس کے بغیر اپنے تصرف میں نہ لائیں دوسرا ظلم یہ کہ بادل ناخواستہ تاوان سمجھ کر دیتے تھے، اس کا ازالہ لفظ نِحْلَةً سے فرمایا گیا، خوش دلی سے دیا جائے، تیسرا ظلم یہ ہوتا تھا کہ عورت کو مجبور سمجھ کر اس پر دباؤ ڈال کر معاف کرا لیتے تھے، جو درحقیقت معافی نہ ہوتی تھی، اس کے انسداد کے لیے فرمایا: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ افسوس کہ دور جاہلیت کی یہ باتیں مسلمانوں میں اب بھی موجود ہیں ان سے بچنا لازم ہے۔

دور حاضر میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، بادل ناخواستہ معاف کر دیتی ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں، حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ صحیح معنی میں طیب نفس کا پتہ اس صورت میں چل سکتا ہے کہ مہر کی رقم بیوی کے حوالے کر دی جائے اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی دباؤ کے دیدے، یہی طیب نفس بہنوں اور بیویوں کی میراث میں بھی سمجھ لینا چاہیے، یہاں طیب نفس فرمایا گیا، طیب قلب نہیں، یعنی دل کی خوشی کافی نہیں، جو لوگ رشوت یا سود دیتے ہیں اپنے بہت سے ظاہری منافع کو سوچ کر خرچ کر دیتے ہیں، اگر نفس سے پوچھا جائے تو اس خرچ پر قطعاً راضی نہ ہوگا، اسی وجہ سے طیب نفس کو فیصل قرار دیا گیا۔

صَدُقٰتِهِنَّ صَدُوْقَةٌ کی جمع ہے، یعنی عورتوں کی مہر، ملا علی قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں وَسُمِّیَ به لِاَنَّهٗ یظھر به صدق مَیْلِ الرجل الی المراۃ یعنی مہر کو صداق اور صَدُقَه اس لے کہا جاتا ہے کہ اس کے مادہ میں سچ کے معنی ہیں اور مہر سے بھی چونکہ شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سچا میلان ظاہر

www.toobaaelibrary.com

ہوتا ہے یہ مناسبت ہے۔

آیت ۵: مال سرمایۂ زندگی ہے، اس کی حفاظت لازمی ہے، لہٰذا کم عقلوں کو مال سپرد نہ کرو خواہ وہ اپنے بچے ہوں یا یتیم بچے، خواہ وہ مال ان بچوں یتیموں کا اپنا ہو یا اولیاء کا ہو، ان کی جانچ کرتے رہو، جب اموال کی حفاظت اور ان کے مصارف کی سوجھ بوجھ ان کے اندر محسوس ہونے لگے تو ان کے سپرد کر دو۔ طبعی محبت سے مغلوب ہو کر نا تجربہ کار کو اپنے اموال حوالہ کر دینے میں مال کی بربادی اور افلاس و تنگدستی ہوتی ہے الفاظ کے عموم سے یتیم اور غیر یتیم سب بچے داخل ہیں، اور شاید اَمْوَالَكُمْ بصیغہ خطاب فرمانے میں بھی حکمت ہو، بہرحال مال کی حفاظت ضروری امر ہے اسے ضائع کرنا گناہ ہے، مال کی حفاظت کرتے ہوئے کوئی شخص مقتول ہو جائے تو شہید ہے، ارشاد رسالت ﷺ ہے: مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ (بخاری ج ۱ ص ۸۱) نیز فرمایا: نعمًا بالمال الصالح للرجل الصالح: (مشکوٰۃ ص ۳۲۶) نیک آدمی کے لیے اس کا اچھا اور پاکیزہ مال بہترین متاع حیات ہے، لَا بَأْسَ بالغنى لِمَنِ اتَّقَى اللهَ عَزَّوَجَلَّ (مشکوٰۃ ص ۴۴۹) اللہ سے ڈرنے والے کی مالداری میں دین کا کوئی حرج نہیں۔

دور حاضر میں لوگوں میں دین و ایمان کی اہمیت زیادہ نہیں ہے، معمولی تکلیف، بلکہ ظاہری فیشن کی خلاف ورزی پر دین چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کے حلال مال کمانے اور اسے محفوظ رکھنے کی زیادہ اہمیت ہے اسی طرح کے لوگوں کے لیے ارشاد گرامیؐ ہے: کاد الفقر ان یکون کفرًا: (مشکوٰۃ ص ۴۲۹) یعنی تنگدستی انسان کو بعض اوقات کافر بنا سکتی ہے، حضرت سفیان ثوریؒ تشریح میں فرماتے ہیں: زمانہ سابق میں مال کو پاس رکھنا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن آج یہ مال مؤمن کی ڈھال ہے:

بچوں میں عقل و ہوش کے نشو و نما کے اعتبار سے ان کے تین درجے کر دیے گئے، ایک قبل از بلوغ دوسرا بلوغ کے بعد تیسرا ہوشیاری کے بعد بلوغ سے پہلے اولیاء کو ان کی تعلیم و تربیت کی کوشش کرنے کا حکم ہے ان کو ہوشیار کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے معاملات خرید و فروخت کے ان کے ہاتھ سے کرائیں وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى کا یہی مطلب ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نابالغ بچے جو معاملات خرید و فروخت اپنے ولی کی اجازت سے کریں وہ صحیح اور نافذ ہیں۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ جب وہ بالغ اور قابل نکاح ہو جائیں تو اب معاملات اور تجربہ کے اعتبار سے ان کے احوال کی جانچ کرو، جب ان کے اندر سوجھ بوجھ محسوس کر لو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو، امام اعظمؒ کے مذہب میں فتویٰ اس قول پر ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں پندرہ سال کی عمر پوری ہونے پر

www.toobaaelibrary.com

شرعاً بالغ قرار دیے جائیں گے خواہ آثار بلوغ پائے جائیں یا نہیں۔ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا: رشد کی میعاد کیا ہے امام صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ اس جگہ عدم ہوشیاری سے وہ مراد ہے جو بچپن کے اثر سے ہو، اور بالغ ہونے کے دس سال بعد تک بچپن کا اثر ختم ہو جاتا ہے، گویا پچیس سال کی عمر ہو جانے پر وہ رشد و ہوشیاری ضرور حاصل ہو گی جس کے حاصل ہونے میں بچپن حائل تھا، رُشْدًا نکرہ لا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ مکمل ہوشیاری شرط نہیں کسی قدر ہوشیاری بھی اس کے لیے کافی ہے، لہٰذا پچیس سال انتظار کر کے اگر مکمل ہوشیاری نہ بھی آئے تب ہی ان کے اموال ان کو دیدیے جائیں گے البتہ بالکل پاگل اور مجنون کا حکم علیحدہ ہے کہ ہمیشہ نابالغ بچوں کے حکم میں رہتا ہے۔

اس انتظار کے زمانہ میں امکان تھا کہ اولیاء یتیم کی طرف سے کوئی ایسی زیادتی ہو جس سے یتیم کا نقصان ہو اس لیے آگے فرمایا: وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا یعنی اس خیال سے کہ بلوغ کے بعد مال دینا پڑ گیا، جلدی جلدی اُڑا کر مت کھا ڈالو، آخر میں فرمایا کہ جو ولی فقیر و محتاج ہو وہ یتیم کے مال میں سے بطور حق الخدمت کچھ لے لے جس سے ضروری حاجات پوری ہو جائیں، غنی کے لیے معاوضہ لینا جائز نہیں۔

آیت کے سیاق سے ایک فقہی ضابطہ معلوم ہو گیا کہ اوقاف، مساجد، مدارس یا ایسے ہی دوسری ملکی ملی خدمات پر جو مامور ہیں اگر ان کے پاس گذارہ کے لیے مال موجود نہ ہو اور کسب کے اوقات ان کاموں میں مشغول ہو جاتے ہوں، تو "بقدر ضرورت" ان اداروں سے مال لینے کا اختیار ہے، مگر قدر ضرورت کا لفظ پیش نظر رہے، بہت سے لوگ ضرورت سے کہیں زیادہ بے احتیاطی کے ساتھ لے لیتے ہیں، اس بے احتیاطی کا مداوا بجز خوف الٰہی کے کچھ نہیں، جس کی طرف آیت کے آخری ٹکڑے میں وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا فرما کر جملہ عوام و خواص کو توجہ دلائی گئی ہے۔

آیت :۷: اس آیت میں عورتوں اور یتیموں چھوٹے نابالغ بچے اور بچیوں کے خاص حقوق وراثت کا بیان ہے، دور جاہلیت میں عورتوں اور نابالغ بچے بچیوں کو مستحق میراث ہی نہیں سمجھا جاتا تھا، یہ صنف ضعیف یعنی یتیم بچے اور صنف نازک عورتیں طرح طرح کے ظلم کے شکار رہی ہیں۔

عرب نے تو اصول ہی یہ بنالیا تھا کہ مستحق وراثت صرف وہ ہے جو گھوڑے پر سوار ہو اور دشمنوں کا مقابلہ کر کے اس کا مال غنیمت جمع کرے (روح ص ۲۱۰، ج:۴) ظاہر ہے کہ بچے اور عورتیں اس اصول پر نہیں آسکتیں، اور لڑکی تو مطلقاً وارث نہ سمجھی جاتی تھی، اسلام نے سب سے پہلے انکو حقوق دلائے۔

www.toobaaelibrary.com

شانِ نزول: پیغمبرؐ کے عہد میں ایک واقعہ پیش آیا کہ اوس بن ثابتؓ کا انتقال ہوا، اور دو لڑکیاں، ایک نابالغ لڑکا، اور ایک بیوی وارث چھوڑے مگر عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان کے دو چچازاد بھائیوں نے آکر مرحوم کے پورے مال پر قبضہ کرلیا، اولاد اور بیوی کو کچھ نہ دیا۔ پورے مال کے وارث دو چچازاد بھائی ہوگئے، بیوہ نے یہ بھی چاہا کہ یہ چچازاد بھائی جو پورے ترکہ پر قبضہ کررہے ہیں ان دونوں لڑکیوں سے شادی بھی کرلیں تاکہ ان کی فکر سے فراغت ہو مگر انہوں نے یہ بھی قبول نہ کیا، تب اس کی بیوہ نے پیغمبرؐ سے عرض حال کیا، اپنی اور بچوں کی محرومی کی شکایت کی، آپؐ نے جواب میں توقف فرمایا آپؐ کو اطمینان تھا کہ وحی کے ذریعہ اس ظالمانہ قانون کو ضرور بدلا جائے گا، چنانچہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی:

اس کے بعد دوسری آیتیں اور اس کے بعد کا رکوع ان حصوں کی تفصیلات پر مشتمل ہے آٹھواں حصہ کل ترکہ کا بیوی کو دے کر باقی سب مال میں سے آدھا لڑکے کو اور آدھے میں دونوں لڑکیاں برابر کی شریک رہیں اور چچازاد بھائی بمقابلہ اولاد کے چونکہ اقرب نہ تھے اس لیے ان کو محروم کیا گیا (روح المعانی)

مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ نے وراثت کے دو بنیادی اصول بتلادیے، ایک رشتہ ولادت، دوسرے عام رشتہ داری جو وَالِدَانِ اور اَقْرَبُوْنَ سے مفہوم ہے، وَالِدین کو ان کی اہمیت کی وجہ سے بطور خاص جدا ذکر کیا گیا ورنہ صحیح یہ ہے کہ لفظ "اقربون" ہر قسم کی قرابت کو حاوی ہے خواہ ولادت کا ہو، خواہ از دواجی تعلق کا ہو یا اور دوسری طرح کا ہو، نیز اس لفظ نے یہ بھی بتادیا کہ مطلق قرابت وراثت کے لیے کافی نہیں بلکہ رشتہ میں اقرب ہونا شرط ہے، ورنہ پھر تو سب ہی ایک ماں باپ آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد ہیں دور وقریب کا رشتہ سب میں موجود ہے، وراثت کو دنیا کی پوری تمام انسانی آبادی پر تقسیم کرنا ضروری ہو جائے گا، جو ممکن نہیں، اور اگر فرض بھی کرلیں تو وہ مال جزء لایتجزیٰ بن کر کسی کے کام نہ آئے گا ہاں اگر کچھ رشتہ دار ایسے ہوں جو بیکوقت سب کے سب اقرب ہوں تو پھر یہ سب مستحق وراثت ہونگے، جیسے اولاد کے ساتھ ماں باپ، یا بیوی وغیرہ، اور لفظ "اقربون" نے بتایا کہ رشتہ میں عورتیں اور بچے بھی داخل ہیں اس لیے یہ محروم وراثت نہ ہونگے، پھر اسلوب قرآنی کو دیکھئے کہ مردوں کی طرح عورتوں کے حق کو بھی تفصیل وتشریح کے ساتھ جدا گانہ بیان کیا تاکہ دونوں کی اہمیت واضح ہوجائے بِلرِّجَالِ نَصِيبٌ الخ.

نیز لفظ "اقربون" نے یہ بھی بتایا کہ مال وراثت کی تقسیم ضرورت کے معیار سے نہیں بلکہ قرابت

www.toobaaelibrary.com

کے معیار سے ہے، ورنہ ضابطہ نہ بن سکے گا کیونکہ ضرورت کا معیار وقتی ہوگا کیونکہ فقر و حاجت کوئی دائمی چیز نہیں ہے، کیوں کہ حالات بھی بدلتے رہتے ہیں اور درجات بھی۔

یتیم پوتے کا مسئلہ اس قرآنی اصول کے بعد یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ اَقْرَبُوْنَ کے قانون کی رو سے وہ مستحق وراثت نہیں ہوسکتا البتہ اس کی ضرورت دفع کرنے کے لیے دوسرے انتظامات کئے گئے ہیں ایک ایسا ہی انتظام اگلی آیت میں آرہا ہے۔

مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ میں ایک اور جاہلانہ رسم کی اصلاح ہے وہ یہ کہ بعض قوموں میں مال کی بعض اقسام کو بعض خاص وارثوں کے لیے مخصوص کرلیا جاتا تھا، مثلاً اسلحہ اور گھوڑا، صرف نوجوانوں کا حق تھا، دوسرے اس سے محروم کردیے جاتے تھے قرآن کریم کی اس ہدایت نے بتلا دیا کہ متوفی کی ملکیت میں جو کچھ ہو سب میں وارث کا حق ہے اور یہ میراث کے مقررہ حصے اللہ کی جانب سے طے شدہ ہیں اس میں کسی کے رائے و قیاس سے تغیر و تبدل کا کوئی حق نہیں لفظ مَفْرُوْضاً سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ وراثت ایک جبری ملک ہے اس میں مالک ہونے والے کی رضامندی شرط نہیں، ہاں مالک بن کر شرعی قاعدے کے مطابق کسی کو ہبہ کردے، تقسیم کرڈالے، یا فروخت کردے اس کا حق ہے۔

محروم الارث کا دل بوقت تقسیم میراث افسردہ اور رنجیدہ ہوسکتا ہے خصوصاً جب کہ وہ اس وقت موجود بھی ہوں جب کہ ان میں کچھ یتیم مسکین حاجتمند بھی ہوں دوسری آیت (سورۂ انعام) میں مذکورہ ہے كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ۔

تنگدل ہونے کے بجائے انہیں کچھ عطا کردینا چاہئے (ورثاء میں سے غائب کے حصہ میں سے نہیں) اور غنیمت جاننا چاہئے کہ خرچ کا ایک اچھا موقعہ مل رہا ہے، بلا محنت کے اللہ تعالیٰ عطا فرمایا ہے، کچھ دیدینے سے دور کے رشتہ داروں کی حسرت و دل شکنی کا ازالہ ہوجائے گا۔

لیکن اگر تھوڑا سا دینے پر راضی نہ ہوں، برابر حصہ کا مطالبہ کریں، اور یہ مطالبہ ظاہر ہے کہ شرعاً غیر منصفانہ ہے، لیکن بایں صورت بھی ان کو دلشکن بات نہ کہی جائے بلکہ معقول طور پر ان کو سمجھا دیا جائے وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔

میراث تقسیم کرتے ہوئے اللہ سے ڈرتے رہیں، اور کسی مسلمان کو ایسی وصیت یا تصرف کرتے ہوئے دیکھیں جس سے ورثاء کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو لازم ہے کہ اسے روکیں، جیسا کہ پیغمبرؐ نے

www.toobaaelibrary.com

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اپنا پورا یا آدھا مال صدقہ کرنے سے روک دیا۔ صرف ایک تہائی کی اجازت دی (مشکوۃ باب الوصایا، ص: ۲۶۵) نیز دوسروں کے یتیم بچوں کے حالات کو اپنے بچوں اور اپنی محبت کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھیں، اور اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بعد لوگ ان کی اولاد کے ساتھ اچھا معاملہ کریں تو ان کو چاہئے کہ دوسرے کی اولاد یتامی کے ساتھ یہی معاملہ کریں۔

آیت: ۱۰: یتیم کا مال ظلماً کھانا پیٹ میں انگارے بھرنا ہے، بعض مفسرین نے اس کو تشبیہ اور کنایہ محمول کیا ہے، مگر اہل تحقیق کا قول یہ ہے کہ مجاز و کنایہ نہیں ہے وہ حقیقت میں آگ ہی ہے، اگر چہ اس وقت اس کی صورت آگ کی معلوم نہ ہو، جیسے دیا سلائی، اور سنکھیا، قرآن کے عام اطلاقات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ انسان جو عمل نیک یا بد کر رہا ہے یہی عمل جنت کے درخت اور پھل پھول ہیں یا جہنم کے انگارے ہیں، اگر چہ یہاں ان کی صورت اور ہے ارشاد الٰہی ہے، وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِراً بہر حال پیغمبرؐ نے اموال یتٰمی کے معاملہ میں شدید احتیاط کے لیے واضح ہدایات دی ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: اُحَرِّجُ مَالَ الضَّعِیْفَیْنِ المرأۃ والیتیم میں تم کو خاص طور پر دو ضعیفوں کے مال سے بچنے کی تنبیہ کرتا ہوں ایک عورت اور یتیم، (ابن کثیر ج ا ص ۴۵۶)

یَاْکُلُوْنَ مراد ہر قسم کا استعمال ہے۔

مسئلہ: میت کے بدن کے کپڑے بھی ترکہ میں شامل ہوتے ہیں، اسی طرح تانبے، پیتل کے برتن بھی، مسئلہ: میت کو قبرستان لے جاتے وقت جو چادر جنازہ کے کے اوپر ڈالی جاتی ہے وہ کفن میں شامل نہیں ہے اس کو میت کے مال سے خریدنا جائز نہیں، کیونکہ وہ مال مشترک ہے، کوئی شخص اپنی طرف سے خرچ کردے تو جائز ہے، نماز جنازہ کے امام کے لیے کفن ہی کے کپڑے میں سے جو مصلی تیار کیا جاتا ہے اور پھر یہ امام کو دیدیا جاتا ہے یہ خرچ بھی کفن کی ضرورت سے فاضل ہے ورثہ کے مشترک مال میں سے اس کا خریدنا جائز نہیں، مسئلہ بعض جگہ میت کے غسل کے لیے نئے برتن خرید کر بعد غسل توڑ دیا جاتا ہے، اگر بہ ضرورت خریدیں تو توڑنا جائز نہیں، کیونکہ ضیاع مال کے ساتھ اس میں یتیموں اور غائب وارثوں کا حق وابستہ ہے، مسئلہ: ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس میں سے مہمانوں کی خاطر تواضع اور صدقہ وخیرات کچھ جائز نہیں، اس سے مردے کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا، کیونکہ ورثا میں یتیم بھی ہیں، ان کی تو اجازت بھی معتبر نہیں، اور جو بالغین ہیں وہ بھی ضروری نہیں کہ خوش دلی سے اجازت دیں، مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

یہ بزرگ ایک مسلمان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تھوڑی ہی دیر بیٹھے تھے کہ مریض کی روح پرواز کرگئی، وہاں جو چراغ جل رہا تھا انہوں نے فوراً اسے بجھا دیا، اور اپنے پاس سے پیسے دے کر تیل منگایا، اور روشنی کی دریافت کے بعد فرمایا کہ جب تک یہ شخص زندہ تھا یہ چراغ اس کی ملکیت تھی اس کا استعمال درست تھا، اب یہ نہیں رہا تو اس کی ہر چیز میں وارثوں کا حق ہو گیا لہٰذا سب وارثوں کی اجازت ہی سے ہم یہ چراغ استعمال کر سکتے ہیں اور وہ سب یہاں موجود نہیں ہیں۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۞ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۞ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے (میراث پانے) کے باب میں (وہ یہ کہ) لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر (یعنی ایک لڑکا لڑکی ایک ایک یا کئی کئی ملی جلی ہوں تو ان کے حصوں میں باہم یہ نسبت ہوگی کہ ہر لڑکے کو دوہرا اور ہر لڑکی کو اکہرا) اور اگر (اولاد میں) صرف لڑکیاں ہی ہوں، گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے (اور اگر دو لڑکیاں ہوں تب تو دو تہائی ملنا بہت ہی ظاہر ہے، کیونکہ اگر ان میں ایک لڑکی کی جگہ لڑکا ہوتا، تو اس لڑکی کا حصہ باوجودیکہ بھائی سے کم ہے ایک تہائی سے نہ گھٹتا، پس جب دوسری بھی لڑکی ہے، تب تو تہائی سے کسی طرح گھٹ نہیں سکتا اور دونوں لڑکیاں

www.toobaaelibrary.com

یکساں حالت میں ہیں، پس اس کا بھی ایک تہائی ہوگا، دونوں کامل کر دو تہائی ہوا، البتہ تین لڑکیوں میں شبہ تھا کہ شاید ان کو تین تہائی یعنی کل مل جاوے اس لیے فرمایا کہ گو لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں مگر دو تہائی سے نہ بڑھے گا) اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو (کل ترکہ کا) نصف ملے گا (اور پہلی صورت میں ایک ثلث بچا ہوا، اور دوسری صورت کا ایک نصف بچا ہوا دوسرے خاص خاص اقارب کا حق ہے، یا اگر کوئی نہ ہو تو پھر اسی کو دیدیا جاوے گا، جیسا کہ کتب فرائض میں مذکور ہے) اور ماں باپ (کو میراث ملنے میں تین صورتیں ہیں، ایک صورت تو ان) کے لیے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لیے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ (مقرر) ہے، اگر میت کے کچھ اولاد ہو (خواہ مذکر یا مؤنث، خواہ ایک یا زیادہ اور بقیہ میراث اولاد اور دوسرے خاص خاص ورثہ کو ملے گی، اور پھر بھی بچ جاوے تو پھر سب کو دی جاوے گی) اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور (صرف) اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں (یہ دوسری صورت ہے، اور "صرف" اس لیے کہا کہ بھائی بہن بھی نہ ہو، جیسا آگے آتا ہے) تو (اس صورت میں) اس کی ماں کا ایک تہائی ہے (اور باقی دو تہائی باپ کا، اور چونکہ صورت مفروضہ میں یہ ظاہر تھا، اس لیے تصریح کی حاجت نہیں ہوئی) اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن (کسی قسم کے) ہوں (خواہ ماں باپ دونوں میں شریک جس کو عینی کہتے ہیں، خواہ صرف باپ ایک، ماں الگ الگ جس کو علاتی کہتے ہیں غرضیکہ کسی طرح کے بھائی ایک سے زیادہ ہوں اور اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہوں اور یہ تیسری صورت ہے) تو (اس صورت میں) اس کی ماں کو (ترکہ کا) چھٹا حصہ ملے گا (اور باقی باپ کو ملے گا۔ یہ سب حصے) وصیت (کے قدر مال) نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جاوے یا دَین (اگر ہو تو اس کو بھی نکال لینے) کے بعد (تقسیم ہوں گے) تمہارے اصول و فروع جو ہیں تم (ان کے متعلق) پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے کہ ان میں کون سا شخص تم کو (دنیوی یا اخروی) نفع پہنچانے میں (باعتبار توقع کے) نزدیک تر ہے (یعنی اگر تمہاری رائے پر یہ قصہ رکھا جاتا تو بمطالب احوال تم لوگ تقسیم میں مدار ترجیح و تفصیل کا اس شخص کے نفع رسانی پر رکھتے، اور اس مدار کے تعین کا خود کوئی طریقہ کسی کے پاس نہیں ہے، تو اس کا مدار تجویز ٹھیرانا ہی صحیح نہ تھا پس جب نفع میں مدار بننے کی قابلیت نہ تھی اس لیے دوسرے مصالح اور اسرار کو گو وہ تمہارے ذہن میں نہ آویں اس حکم کا مبنیٰ اور مدار ٹھیرا کر) یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا (اور یہ امر) بالیقین (مسلم ہے کہ) اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں (پس جو حکمتیں انہوں نے اپنے علم سے اس میں مرعی رکھی ہیں وہی قابل اعتبار ہیں، اس لیے تمہاری رائے پر

www.toobaaelibrary.com

نہیں رکھا) اور تم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جاویں، اگر ان کے کچھ اولاد نہ ہو، (نہ مذکر نہ مؤنث نہ واحد نہ کثیر) اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو (خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے) تو (اس صورت میں) تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا (لیکن ہر صورت میں یہ میراث) وصیت (کے قدر مال) نکالنے کے بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں یا دَین (اگر ہو تو اس کے نکالنے) کے بعد (ملے گی) اور بیبیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ (خواہ وہ ایک ہو یا کئی ہوں تو وہ چوتھائی سب میں برابر بٹ جاوے گا) اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو (نہ مذکر نہ مؤنث نہ واحد نہ کثیر) اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو (اس صورت میں) ان کو (خواہ وہ ایک ہو یا کئی) تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا ۔ (یہ بھی دو صورتیں ہیں اور دونوں صورتوں میں بقیہ دوسرے ورثہ کو ملے گا، لیکن یہ میراث) وصیت (کے قدر مال) نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ یا دَین (اگر ہو تو اس کے بھی نکالنے) کے بعد (ملے گی)۔ اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت، ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں (یعنی باپ، دادا) اور نہ فروع ہوں (یعنی اولاد اور بیٹے کی اولاد) اور اس (میت) کے ایک بھائی یا ایک بہن (اخیافی) ہو، تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر یہ لوگ اس سے (یعنی ایک سے) زیادہ ہوں (مثلاً دو ہوں یا اور زیادہ) تو وہ سب تہائی میں (برابر کے) شریک ہوں گے (اور ان میں مذکر و مؤنث کا برابر حصہ ہے، اور بقیہ میراث دوسرے ورثہ کو، اور اگر کوئی اور نہ ہو تو پھر انہی کو دی جائے گی، یہ دو صورتیں ہوئیں، اور دونوں صورتوں میں یہ میراث) وصیت (کے قدر مال) نکالنے کے بعد جس کی وصیت کر دی جاوے یا (اگر) دین (ہو تو اس کے بھی نکالنے) کے بعد (ملے گی) بشرطیکہ (وصیت کرنے والا) کسی (وارث) کو ضرر نہ پہنچاوے (نہ ظاہراً نہ ارادۃً، ظاہراً یہ کہ مثلاً ثلث سے زیادہ وصیت کرے، تو وہ وصیت میراث پر مقدم نہ ہوگی، اور ارادۃً یہ کہ رہے ثلث کے اندر، لیکن نیت یہ ہو کہ وارث کو کم ملے، یہ ظاہراً نافذ ہو جاوے گی، لیکن گناہ ہوگا) یہ (جس قدر یہاں تک مذکور ہوا) حکم کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں (کہ کون مانتا ہے کون نہیں مانتا اور نہ ماننے والوں کو جو فوراً سزا نہیں دیتے، تو وجہ یہ کہ) حلیم (بھی) ہیں۔ یہ سب احکام مذکورہ (متعلقہ میراث یا مع احکام یتامیٰ کے) خداوندی ضابطے ہیں، اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا (یعنی ان ضابطوں کی پابندی کرے گا) اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں (فوراً) داخل کر دیں گے جن کے (محلات کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی

www.toobaaelibrary.com

ہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جاوے گا (یعنی پابندی کو ضروری بھی نہ سمجھے گا اور یہ حالت کفر کی ہے) اس کو (دوزخ کی) آگ میں داخل کریں گے، اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے۔"

تلخیص معارف ومسائل ربط: اس رکوع میں مستحقین میراث کی بعض اقسام کی تفصیل ہے، مختلف حالات کے اعتبار سے ان کے حصص بیان کیے گئے ہیں، کچھ تفصیل اسی سورت کے آخر میں آرہی ہے، باقی ماندہ حصے احادیث میں بیان کیے گئے ہیں، فقہاء نے نصوص شرعیہ سے اس کی تمام تفصیلات اخذ کر کے ایک مستقل فن "فرائض" کی شکل میں مدوّن کر دیا ہے۔

آیت:۱۱: میں اولاد اور والدین کے حصص کا بیان ہے۔

حقوق متقدمہ علی المیراث اصول شرعی یہ ہے کہ متوفی کے مال کے سے پہلے شریعت کے مطابق اس کے کفن دفن کے اخراجات پورے کیے جائیں، اس کے بعد اگر وہ مقروض ہو تو اس کے قرضے ادا کیے جائیں، اگر سارے مال کے برابر قرضہ ہو تو نہ کسی کو میراث ملے گی اور نہ وصیت جاری ہوگی، اگر مال بچا ہو تو اگر اس نے کوئی صحیح وصیت کی ہو (یعنی گناہ کی وصیت نہ کی ہو) تو موجود مال میں سے تہائی میں سے اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی، (وصیت تہائی مال میں معتبر ہے) اب جو مال بچا ہو اس میں میراث تقسیم ہوگی۔

اولاد اور والدین چونکہ اقرب ترین ہیں اور بلا واسطہ رشتے ہیں، اس لیے قرآن میں پہلے انہی کے حصے بیان فرمائے، پس اگر لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو مال کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اگر ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں تو مال کے چار حصے کرے ۲/۴ لڑکے کو ۱/۴ لڑکی کو دیدیا جائیگا لڑکیوں کو حصہ دینے کا اس قدر اہتمام کہ ان کے حصہ کو اصل قرار دے کر ان کے اعتبار سے لڑکوں کا حصہ بتلایا، اور بجائے لِلْاُنْثَیَیْنِ مِثْلُ حَظِّ الذَّکَرِ کے لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔

اولاد کے بعد والدین کا حصہ بتایا اور تین حالتیں ذکر فرمائیں۔

آیت:۱۲: میں بعض دوسرے مستحقین کا ذکر ہے، میت سے جن کا رشتہ نسبی نہیں بلکہ ازدواجی ہے، مثلاً شوہر بیوی کا حصہ شوہر کو مقدم فرمایا اس کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے، کیونکہ عورت کی وفات کے بعد شوہر اجنبی ہو جاتا ہے، اگر عورت کا انتقال میکہ میں ہوا ہو تو اور اس کا مال بھی وہیں ہو تو شوہر کا

www.toobaaelibrary.com

حصہ دینے سے گریز کیا جاتا ہے اس زیادتی کا سدِّ باب کرنے کے لیے شوہر کا حصہ پہلے بیان فرمایا۔

مسئلہ: یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بیوی کا مہر ادا ہو گیا ہے یا نہیں، اگر مہر ادا نہ کیا ہو تو دوسرے قرضوں کی طرح پہلے کل مال سے دَین مہر ادا ہو گا اس کے بعد ترکہ تقسیم ہو گا، اور مہر لینے کے بعد عورت اپنی میراث کا حصہ بھی وصول کرے گی، اور اگر میت کا مال صرف ادا مہر ہی کے بقدر ہے تو دوسرے دیون کی طرح پورا مال دَینِ مہر میں عورت کو دیدیا جائے گا۔

آیت کے آخر میں کلالہ کی میراث بیان کی گئی ہے، کلال کا معنی ہے تھک جانا جو ضعف پر دلالت کرتا ہے، باپ بیٹے والی قرابت کے سوا قرابت کو کلالہ کہا گیا ہے، کیونکہ یہ قرابت نسبتاً کمزور ہے، حاصل یہ کہ ایسا میت جس کے نہ باپ ہو نہ دادا اور نہ اولاد۔

واضح رہے کہ اس آیت میں اخیافی (ماں شریک) بہن بھائی کا حصہ بتلایا گیا ہے، اگرچہ قرآن میں اس کی قید مذکور نہیں ہے لیکن یہ قید بالا جماع معتبر ہے، اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ ختم سورت پر بھی کلالہ کی میراث کا ذکر ہے اس میں عینی بہن بھائی اور علاتی (باپ شریک) بہن بھائی کا ذکر ہے اگر اس شروع کی آیت میں اخیافی نہ مانیں تو احکام میں تعارض لازم آئے گا۔

اس رکوع میں وصیت کو دین سے پہلے ذکر کیا گیا ہے جس سے بظاہر وصیت کا حق دین سے مقدم ہے، حقیقت یہ ہے کہ عملاً مؤخر ہے اور لفظاً مقدم ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

وتقديم الوصية على الدين ذكراً مع انّ الدّين مقدم عليها حكماً للاظهار كمال العناية بتنفيذها لكونها مظنة للتفريط فی ادائها الخ. یعنی آیت میں وصیت کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ میراث کی طرح بغیر کسی عوض کے ملتی ہے اور اس میں رشتہ دار ہونا بھی ضروری نہیں اس لیے ورثاء کے جانب سے اس کی تنفیذ میں کوتاہی ہو جانے یا تاخیر ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا اس لیے شان وصیت کا اہتمام فرماتے ہوئے دین پر اس کو مقدم کیا۔

مسئلہ: وارث کے حق میں وصیت باطل ہے، خطبۂ حجۃ الوداع میں ارشاد رسالت ؐ ہے: انّ الله قد اعطى كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث (مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد ص ۲۶۵) ہاں اگر دیگر ورثاء اجازت دیدیں تو موصی لہ کا حق وصیت نافذ کر کے باقی مال شرعی طریقہ پر تقسیم کیا جائے، جس میں اس وارث کی بھی اپنے حصہ کی میراث ملے گی، بعض روایات حدیث میں الاّ ان یشاء الورثة کا استثناء بھی مذکور ہے (ہدایہ)

www.toobaaelibrary.com

غَیْرَ مُضَآرٍّ: یعنی دین یا وصیت کے ذریعہ ورثاء کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے، اس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً یہ کہ قرض کا جھوٹا اقرار کرلے کسی دوست وغیرہ کو دلانے کے لیے، یا اپنے ذاتی مال کے لیے یہ ظاہر کردے کہ یہ فلاں شخص کی امانت ہے تاکہ اس میں میراث نہ چلے۔ یا ایک تہائی سے زائد مال کی وصیت کرے، یا کسی شخص پر اس کا قرض ہو اور وصول نہ ہوا ہو لیکن جھوٹ یہ کہہ دے کہ وصول ہو گیا تاکہ وارثوں کو نہ مل سکے، یا مرض الوفات میں ایک تہائی سے زیادہ کسی کو ہبہ کردے۔

ہر مورث کو جو دنیا سے جارہا ہے اسے زندگی کے آخری لمحات میں اس طرح کے اضرار سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

وَصِیَّۃً مِّنَ اللّٰہِ: یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم وصیت اور مہتم بالشان حکم ہے اس کی خلاف ورزی نہ کرنا، اللہ علیم وحلیم ہے ممکن ہے کہ اس دنیا میں سزا نہ دے اس لیے کہ وہ حلیم بھی ہے، خلاف ورزی کرنے والے کو یہ دھوکہ نہ لگنا چاہئے کہ میں بچ گیا۔

آیت: ۱۳-۱۴: قرآن کریم اپنے خاص اسلوب کی وجہ سے احکام وعقائد کے بیان کے بعد بطور تتمہ کے ماننے والوں کے لیے ترغیب اور ان کی فضیلت کا ذکر کرتا ہے اور نہ ماننے والوں کے لیے ترہیب وسزا اور مذمت کو بیان کرتا ہے۔

مسئلہ: مسلمان، کافر کا وارث نہیں بن سکتا، (مشکوٰۃ ص ۲۶۳) لیکن اگر کوئی مرتد (العیاذ باللہ) مرجائے یا مقتول ہوجائے تو اس کا اسلام کے زمانہ میں کمایا ہوا مال مسلمان وارثوں کو ملے گا اور ارتداد کے بعد کا مال بیت المال میں جمع کردیا جائے گا، لیکن اگر مرتد عورت ہو تو اس کا سارا مال مسلمان ورثاء کو ملے گا، لیکن مرتد مرد ہو یا عورت اس کو نہ کسی مسلمان سے میراث ملے گی نہ کسی مرتد سے۔

مسئلہ: قاتل کو بھی میراث نہ ملے گی، البتہ قتل خطاء کی بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، مسئلہ: پیٹ میں جو بچہ ہے وہ بھی ورثاء کی فہرست میں شامل ہوگا، اور بچہ پیدا ہونے تک میراث کی تقسیم کا التوا مناسب ہوگا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ لڑکا ہے یا لڑکی، یا ایک سے زائد اور اگر تقسیم ضروری ہی ہو تو سردست ایک لڑکا یا ایک لڑکی فرض کرکے دونوں کے اعتبار سے دو صورتیں فرض کی جائیں جس صورت میں ورثاء کو کم ملتا ہو وہ ان میں تقسیم کردیا جائے، باقی اس حمل کے لیے رکھا جائے۔ (میراث کے مفصل مسائل کتب فرائض سے معلوم کی جائیں)

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْہِدُوْا عَلَیْہِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ ۚ فَاِنْ شَہِدُوْا فَاَمْسِکُوْہُنَّ فِی

www.toobaaelibrary.com

الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا
وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۗءَ
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰۗىِٕكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ۝
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا
كَثِيْرًا ۝ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا
مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ
اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ
كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور جو عورتیں بے حیائی کا کام (یعنی زنا) کریں تمہاری (منکوحہ) بیبیوں میں سے سو تم لوگ ان عورتوں (کے اس فعل) پر چار آدمی اپنوں میں سے (یعنی مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ، مذکر) گواہ کرلو (تا کہ ان کی گواہی پر حکام سزائے آئندہ جاری کریں) سو اگر وہ گواہی دیدیں تو (انکی سزا یہ ہے کہ) تم ان کو (بحکم حاکم) گھروں کے اندر (سیاسۃً) مقید رکھو یہاں تک کہ (یا تو) موت ان کا خاتمہ کردے (اور) یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راہ (یعنی حکم ثانی) تجویز فرما دیں (بعد میں جو حکم ثانی اس سلسلہ میں تجویز ہوا اس کا ذکر معارف ومسائل میں آرہا ہے) اور (سزائے زنا میں کچھ زن منکوحہ کی تخصیص نہیں، بلکہ) جو ان سے دو شخص بھی وہ بے حیائی کا کام (یعنی زنا) کریں تم میں سے (یعنی بالغ عاقل مسلمانوں میں سے) تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ پھر (بعد اذیت پہنچانے کے) اگر وہ دونوں (گذشتہ سے) توبہ کرلیں اور (آئندہ کے لیے اپنی) اصلاح کرلیں، (یعنی پھر ایسا فعل ان سے سرزد نہ ہو) تو ان دونوں سے کچھ تعرض نہ کرو (کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں، رحمت والے ہیں (اس لیے اپنی رحمت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف کردی، پھر تم کو بھی ان کے درپے آزار نہ ہونا چاہیے) توبہ

www.toobaaelibrary.com

(جس کا قبول کرنا حسب وعدہ) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو انہی کی ہے، جو حماقت سے کوئی گناہ (صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو) کر بیٹھتے ہیں، پھر قریب ہی وقت میں (یعنی قبل حضور موت جس کے معنی آگے آتے ہیں) توبہ کر لیتے ہیں، سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ (قبول توبہ کے ساتھ) توجہ فرماتے ہیں (یعنی توبہ قبول کر لیتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں (کہ کس نے دل سے توبہ کی) حکمت والے ہیں (کہ دل سے توبہ نہ کرنے والے کو فضیحت نہیں کرتے) اور ایسے لوگ کی توبہ (قبول) نہیں جو (برابر) گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہوئی (حضور موت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں) تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں (پس نہ تو ایسوں کی توبہ قبول) اور نہ ان لوگوں کی (توبہ یعنی ایمان لانا ایسے وقت کا مقبول ہے) جن کو حالت کفر پر موت آ جاتی ہے، ان (کافر) لوگوں کے لیے ہم نے ایک دردناک سزا (یعنی عقوبت دوزخ تیار کر رکھی ہے۔" اے ایمان والو تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے (مال یا جان کے) جبراً مالک ہو جاؤ (مال کا مالک ہونا تین طرح ہے، ایک یہ کہ اس عورت کا جو حق شرعی میراث میں ہے اس کو خود لے لیا جاوے اس کو نہ دیا جائے، اور دوسرے یہ کہ اس کو نکاح نہ کرنے دیا جائے یہاں تک کہ وہ یہاں ہی مر جائے پھر اس کا مال لے لیں، یا اپنے ہاتھ سے کچھ دے، تیسرے یہ کہ خاوند اس کو بے وجہ مجبور کرے کہ وہ اس کو کچھ مال دے تب یہ اس کو چھوڑے۔ اول اور تیسری صورت میں جبر کی قید سے یہ فائدہ ہے کہ اگر یہ امور بالکل عورت کی خوشی سے ہوں تو جائز اور حلال ہیں، اور دوسری صورت میں یہ جبر واقع میں نکاح سے روکنے میں ہے جس سے غرض مال لینا تھا، اس لیے لفظوں میں اس سے متعلق کر دیا، اس سے بھی وہی فائدہ ہوا یعنی اگر وہ اپنی خوشی سے نکاح نہ کرے تو ان لوگوں کو گناہ نہیں۔ اور جان کا مالک ہونا یہ تھا کہ مردہ کی عورت کو میت کے مال کی طرح اپنی میراث سمجھتے تھے، اس صورت میں جبر کی قید واقعی یعنی بیان واقعہ کے لیے ہے، کہ وہ ایسا کرتے تھے مگر اس کا یہ مفہوم نہیں کہ اگر عورت اپنی رضا مندی سے اپنے کو مال میت کی طرح ترکہ موروثہ بنانے پر راضی ہو جائے، تو وہ سچ مچ میراث اور ملک ہو جاوے گی) اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے (یعنی خود تم نے یا تمہارے عزیزوں نے) ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ (بھی ان سے) وصول کر لو (اس مضمون میں بھی تین صورتیں آ گئیں ایک یہ کہ میت کا وارث اس میت کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دے، تاکہ ہم کو یہ کچھ دے، دوسرے یہ کہ خاوند اس کو مجبور کرے کہ مجھ کو کچھ دے تب چھوڑوں، تیسرے یہ کہ خاوند طلاق

www.toobaaelibrary.com

دینے کے بعد بھی بدون کچھ لیے اس کو نکاح نہ کرنے دے، یہاں کی پہلی صورت اوپر کی دوسری صورت کا ایک جزو ہے، اور یہاں کی دوسری صورت اوپر کی تیسری صورت ہے، اور وہاں کی پہلی صورت اور یہاں کی تیسری صورت الگ الگ ہے) مگر (بعض صورتوں میں ان سے مال لینا یا ان کو مقید کرنا جائز ہے وہ) یہ کہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں (اس میں بھی تین صورتیں آ گئیں، ایک یہ کہ ناشائستہ حرکت نافرمانی شوہر کی اور بدخلقی ہو تو خاوند کو جائز ہے، کہ اس کو بدون مال لیے ہوئے جو مہر سے زیادہ نہ ہو اس کو نہ چھوڑے، دوسرے یہ کہ ناشائستہ حرکت زنا ہو تو ابتدائے اسلام میں قبل نزول حدود خاوند کو جائز تھا کہ اس جرمانہ میں اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس کر لے اور اس کو نکال دے، اب یہ حکم منسوخ ہے زنا سے مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوتا، ان دو صورتوں میں مال لیا جائے گا، اور تیسری صورت یہ کہ ناشائستہ حرکت زنا ہو تو خاوند کو اور نیز دوسرے ورثاء کو جیسا کہ شروع رکوع میں مذکور ہے بطور سزا کے بحکم حاکم عورتوں کو گھروں کے اندر مقید رکھنا جائز تھا، پھر یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا پس یہ مقید رکھنا بطور سزا کے ہوگا، بغرض وصول مال کے نہ ہوگا، پس یہ استثناء مطلق عضل سے ہوگا، نہ عضلِ مقید بغرض اذہاب مال سے۔ آگے خاص شوہروں کو حکم ہے) اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو۔ (یعنی خوش اخلاقی اور نان ونفقہ کی خبر گیری) اور اگر (بمقتضائے طبیعت) وہ تم کو ناپسند ہوں (مگر ان کی طرف سے کوئی امر ناپسندیدگی کا موجب واقع نہ ہو) تو (تم بمقتضائے عقل یہ سمجھ کر برداشت کرو کہ) ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو، اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت (دنیوی یا دینی) رکھ دے (مثلاً وہ تمہاری خدمت گار اور آرام رساں اور ہمدرد ہو، یہ دنیا کی منفعت ہے، یا اس سے کوئی اولاد پیدا ہو کر بچپن میں مرجائے یا زندہ رہے اور صالح ہو، جو ذخیرۂ آخرت ہو جائے یا اقل درجہ ناپسند چیز پر صبر کرنے کا ثواب وفضیلت تو ضرور ہی ملے گی) اور اگر تم (خود اپنی رغبت کی وجہ سے) بجائے ایک بیوی کے (یعنی پہلی کے) دوسری بیوی کرنا چاہو (اور پہلی بیوی کا کوئی قصور نہ ہو) اور تم اس میں ایک کو (مہر سے یا ویسے ہی بطور ہبہ وعطیہ کے) انبار کا انبار مال دے چکے (خواہ ہاتھ میں سونپ دیا، یا خاص مہر کے لیے صرف معاہدہ میں دینا کیا ہو) تو تم اس (دیئے ہوئے یا معاہدہ کئے ہوئے) میں سے (عورت کو تنگ کر کے) کچھ بھی (واپس) مت لو (اور معاف کرانا بھی حکماً واپس لینا ہے) کیا تم اس کو (واپس) لیتے ہو (اس کی ذات پر نافرمانی یا بدکاری کا) بہتان رکھ کر اور (اس کے مال میں) صریح گناہ (یعنی ظلم) کے مرتکب ہو کر (خواہ بہتان صراحۃً ہو یا کہ اس طور پر دلالۃً ہو کہ اوپر صرف نافرمانی وبدکرداری کی صورت میں اس سے مال لینے کی اجازت تھی، پس جب اس سے مال لیا تو

www.toobaaelibrary.com

گویا اس کو نافرمانی و بدکرداری کی صورت میں اس سے مال لینے کی اجازت تھی، پس جب اس سے مال لیا تو گویا اس کو نافرمان و بدکردار دوسروں کے ذہن میں تصور کرا دیا اور ظلم مالی کی وجہ ظاہر ہے کہ بغیر خوش دلی کے عورت نے دیا، اور ہبہ کی صورت میں یہ ظلم اس لیے کہ زوجین کے آپس میں کوئی کسی کو ہدیہ دیدے تو اب اس سے واپس لینے کا شرعاً کوئی حق نہیں، اور واپس لے گا تو وہ ایک قسم کا غصب ہوگا، اور بہتان بھی اسی سے لازم آتا ہے، کیونکہ واپس لینا گویا یہ کہنا ہے کہ یہ میری زوجہ نہ تھی، اس کا بہتان ہونا ظاہر ہے، کہ اس کو دعوت زوجیت میں کاذبہ اور معاشرت میں فاسقہ ٹھہراتا ہے) اور تم اس (دیئے ہوئے) کو (حقیقۃً یا حکماً) کیسے لیتے ہو حالانکہ (علاوہ بہتان و ظلم کے اس کے لینے سے دو امر اور بھی مانع ہیں، ایک یہ کہ) تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو (یعنی صحبت ہو چکی ہے، یا خلوت صحیحہ کہ وہ بھی حکم صحبت میں ہے، بہر حال انہوں نے اپنی ذات تمہارے تمتع و تلذذ کے لیے تمہارے سپرد کر دی ہے، اور مہر اسی سپردگی کا معاوضہ ہے، پس مبدل منہ کو حاصل کر کے بدل کو واپس لینا یا کہ نہ دینا عقل سلیم کے بالکل خلاف ہے، اور اگر وہ مال مہر نہیں بلکہ عطیہ تھا تو یہ بے حجابانہ ملاقات اثر زوجیت کی وجہ سے مانع ہے، اور اصل مانع زوجیت ہے) اور (دوسرا مانع یہ کہ) وہ عورتیں تم سے ایک گاڑھا اقرار (یعنی عہد مستحکم) لے چکی ہیں (وہ عہد وہ ہے کہ نکاح کے وقت تم نے مہر اپنے ذمہ رکھا تھا اور عہد کر کے خلاف کرنا یہ بھی عقل کے نزدیک مذموم ہے، اور اگر وہ ہبہ اور عطیہ ہے تو قبل بے حجابانہ ملاقات کے یہ عہد بھی اثر زوجیت ہونے کی وجہ سے واپسی ہبہ سے مانع ہے، غرض چار موانع کے ہوتے ہوئے واپسی نہایت ہی مذموم ہے) اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ (یا دادا یا نانا) نے نکاح کیا ہو، مگر (خیر) جو بات گذر گئی گذر گئی، (آئندہ کبھی ایسا نہ ہو) بیشک یہ (بات عقلاً بھی) بڑی بے حیائی ہے، اور (اہل طبائع سلیمہ کے عرف میں بھی) نہایت نفرت کی بات ہے اور (شرعاً بھی) بہت بُرا طریقہ ہے۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۵-۱۶: ان آیتوں میں ایسے مردوں اور عورتوں کے بارے میں سزا تجویز کی گئی ہے جن سے زنا کا صدور ہو جائے۔

زنا کے گواہوں میں دو قسم کی سختی اولاً مرد ہی ہوں، دوم چار مرد ہوں یہ اس لیے ہے کہ یہ معاملہ نہایت ہی اہم ہے جس سے عزت وعفت مجروح ہوتی ہے خاندان کے ننگ و عار کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے، چار مردوں کی گواہی کا وجود میں آنا شاذ و نادر ہی ہو سکتا ہے یہ اس لیے تا کہ کوئی ذاتی پرخاش یا دشمنی

www.toobaaelibrary.com

کی وجہ سے الزام اور تہمت لگانے کی جرأت نہ کر سکے، اور گواہی کا نصاب پورا نہ ہونے کی صورت میں جھوٹے قرار پا کر حد "قذف" کے مستحق ہو گئے۔

بعض اکابر نے چار کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس معاملہ میں چونکہ دو افراد مرد و عورت ملوث ہوتے ہیں، تو گویا ایک ہی معاملہ تقریباً دو معاملوں کے حکم میں ہے، فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا کا مطلب یہ ہے کہ اگر سزا دینے کے بعد توبہ کر لی تو پھر انہیں ملامت کر کے مزید سزا مت دو، ہاں اگر توبہ نہ کی ہو تو سزا کے بعد بھی ملامت کر سکتے ہیں۔

ان آیتوں میں زنا کی کوئی متعین حد نہیں بیان کی گئی اور تکلیف پہنچانے کا بھی کوئی خاص طریقہ نہیں بتلایا گیا، اور حکام کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا، اَوْيَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا، چنانچہ بعد میں وہ "سبیل" بیان کر دی گئی یعنی اَلرَّجْمُ لِلثَّيِّبِ وَالْجَلْدُ لِلْبِكْرِ. کہ شادی شدہ کو سنگسار کر دینا ہے اور غیر شادی شدہ کے لیے سو (۱۰۰) کوڑے مارنا (بخاری کتاب التفسیر ص ۶۵۷) حضرت ماعز بن مالکؓ اور قبیلہ ازد کی ایک عورت پر زنا کی حد پیغمبرؐ نے جاری فرمائی تھی، نیز ایک یہودی کو بھی تورات کے حکم کے مطابق رجم کیا گیا تھا، ابتداءً رجم سے متعلق آیت بھی نازل ہوئی تھی مگر بعد میں منسوخ التلاوہ ہو گئی مگر حکم باقی رکھا گیا، اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا ارشاد مشکوٰۃ ص (۳۰۹) میں دیکھئے خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں ایذاء اور حبس فی البیوت شرعی حد نازل ہونے پر منسوخ ہو گیا، اور اب حد زنا سو کوڑے ہیں، یا رجم پر عمل لازم ہوگا۔

اَلَّذَانِ يَاْتِيٰنِهَا: کا مصداق قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو استلذاذ بالمثل کے مرتکب ہوتے ہیں، دیگر حضرات نے بھی اسی قول کو لیا ہے، موصول اور صلہ دونوں مذکر الفاظ ہیں اس لیے یہ قول بعید بھی نہیں، زانی اور زانیہ مراد لینے والوں نے بطور تغلیب مذکر کا یہ صیغہ زانیہ کے لیے بھی شامل رکھا ہے تاہم موقع کی مناسبت سے استلذاذ بالمثل کی حرمت وشدت اور اس کی جزاء و تعزیر کا ذکر اس جگہ بے جا نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجی ہے ان سات میں سے ایک پر تین تین دفعہ اور باقی پر ایک دفعہ، فرمایا ملعون وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے تین دفعہ فرمایا۔ فرمایا چار آدمی صبح کے وقت اور شام میں بھی اللہ کے غضب میں ہوتے ہیں، ان چار میں ایک استلذاذ بالمثل کا مرتکب بھی ہے اور جو چوپایہ کے ساتھ غیر فطری حرکت کرتا ہے، فرمایا کہ جس کو

www.toobaaelibrary.com

تم غیر فطری عمل قوم لوط والا کرتا دیکھو فاعل مفعول دونوں کو مار ڈالو۔ (ترغیب وترہیب) نیز حافظ زکی الدین المنذری نے اپنی ترغیب وترہیب میں لکھا ہے کہ چار خلفاء حضرت صدیق اکبرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ اور ہشام بن عبدالملک نے اپنے زمانوں میں ایسوں کو آگ میں جلا ڈالا تھا۔

عورتوں کے ساتھ غیر فطری فعل کرنے پر بھی شدید ترین وعیدیں آئی ہیں۔

اس قبیح فعل کے لیے کسی معین حد کے مقرر کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے تاہم شدید ترین سزائیں منقول ہیں مثلاً آگ میں جلا دینا، دیوار گرا کر کچل دینا اونچی جگہ سے پھینک کر سنگسار کر دینا، تلوار سے قتل کر دینا وغیرہ۔

آیت: ۱۷/۱۸: ماقبل آیت میں توبہ کا ذکر تھا، ان دو آیتوں میں قبول توبہ کی شرائط اور اس کے قبول ہونے اور نہ ہونے کی صورتیں بتلاتے ہیں۔

يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ: لفظ بجهالة سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قصد واختیار سے کیا ہوگا گناہ معاف نہیں ہوتا، لیکن صحابہ کرامؓ نے جو تفسیر بیان کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو گناہ کے انجام بد اور اخروی عذاب سے غفلت اس گناہ پر اقدام کا سبب ہوگئی اگر چہ گناہ کو گناہ جانتا ہو، اور اس کا قصد وارادہ بھی کیا ہو، بالفاظ دیگر جہالت بمعنی حماقت ہے اس کی نظیر سورۂ یوسف میں ہے قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ۔ حالانکہ بھائیوں نے جو کام کیا تھا وہ خطاً ونسیاناً نہیں بلکہ قصداً کیا تھا، خلاصہ یہ ہے کہ انسان کوئی گناہ قصداً کرے یا خطاءً بہر حال گناہ جہالت ہی سے ہوتا ہے، اسی لیے صحابہ تابعین اور تمام امت کا اجماع ہے کہ مرتکب گناہ بالقصد کی بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے مِنْ قَرِيْبٍ: کتنا زمانہ قریب میں داخل ہے؟ اس کی تفسیر میں خود ارشاد رسالت ﷺ ہے: ان الله يقبل توبة العبد مالم يُغَرْغِرْ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک اس پر موت اور نزع روح کا غرغرہ طاری نہ ہو جائے، انسان کی پوری عمر کا زمانہ قریب ہی میں داخل ہے ایک قلیل زمانہ ہے موت سے پہلے جو توبہ کر لے جائے قبول ہوگی۔

حضرت تھانویؒ نے اس کی توضیح یہ بیان فرمائی ہے کہ موت کے قریب دو حالتیں پیش آتی ہیں ایک ناامیدی کی جب کہ انسان ہر تدبیر اور دوا سے عاجز ہو کر یہ سمجھ لے کہ اب موت آنے والی ہے اس کو حالت یاس (یالیا) سے تعبیر کیا گیا ہے، دوسری حالت اس کے بعد کی ہے جب کہ نزع روح شروع ہو جائے اس کو حالت یاس (یالیا) کہا جاتا ہے، حالت یاس پہلی حالت تو مِنْ قَرِيْبٍ کے مفہوم میں داخل ہے،

www.toobaaelibrary.com

حالت یاس کی توبہ قبول نہیں جبکہ فرشتے اور عالم آخرت کی چیزیں انسان کے سامنے آجائیں۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ توبہ سچی اور پکی ہو، جس کے تین رکن ہیں اول یہ کہ اپنے کئے پر ندامت ہو، حدیث میں ارشاد ہے انما التوبۃ الندم یعنی توبہ نام ہی ندامت کا ہے دوسرا رکن یہ ہے کہ اس گناہ کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کو بھی باز رہنے کا عزم محکم کرے، تیسرا رکن یہ ہے کہ تلافی مافات کی فکر کرے، اس گناہ کا تدارک قبضہ وطاقت بھر کرے، فوت شدہ نماز وروزہ ہو تو اس کی قضا کرے، زکوٰۃ فرض نہ دی ہو تو گذشتہ زمانہ کی زکوٰۃ بھی یک مشت یا تدریجاً ادا کرے، کسی کا حق لیا ہے تو واپس کرے، کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو اس سے معافی طلب کرے، اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت گناہ کا ارتکاب ہو گیا تو پھر فوراً توبہ کی تجدید کرے بارگاہ غفور کریم سے ہر دفعہ توبہ قبول کرنے کی امید رکھے۔

ایں درگہ مادر گہ نومیدی نیست ٭ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ!

آیت:۱۹-۲۰-۲۱: ان میں بھی عورتوں سے متعلق احکام ہیں دور جاہلیت میں عورتوں پر شوہروں کی طرف سے بھی اور ان کے ورثاء کی طرف سے مظالم ہوتے تھے، جب عورت کا شوہر مر جاتا تو اس کے ورثاء اپنی من مانی کرتے تھے، دل چاہتا تو اس سے خود نکاح کر لیتے یا دوسرے سے کرا دیتے اور رغبت نہ ہوئی تو نہ خود کریں اور نہ دوسرے سے کرنے دیں، ان کو قیدی بنا کر رکھیں، تا کہ اس کو ذریعہ آمدنی بنا دیں یعنی یا تو وہ اپنا مال دے کر جان چھڑائے، یا یونہی اس کے گھر میں قید رہتی اور اسی حالت میں موت آجاتی شوہر بھی ظلم کرتے تھے کہ رغبت نہ ہوتی تو نہ حقوق زوجیت ادا کرتے اور نہ طلاق دیتے تا کہ وہ اپنا مال دے کر طلاق حاصل کرے، ان آیات میں انہی مفاسد کا سد باب ہے، کَرْهاً یعنی جبراً یہ قید بطور شرط نہیں ہے کہ عورتوں کی رضامندی سے اس کا مالک بن جانا صحیح قرار دیا جائے، بلکہ بیان واقعہ کے طور پر ہے، کوئی عورت بیوقوفی سے کسی کی مملوک بننے پر راضی بھی ہو جائے تو اسلامی قانون اس پر راضی نہیں کہ کوئی آزاد انسان کسی کا مملوک ہو جائے، لَا یَحِلُّ: اس لفظ سے اس معاملہ کے شدید گناہ ہونے کی طرف اشارہ ہونے کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر کسی نے کسی بالغ عورت سے اس کی رضا کے بغیر نکاح کر بھی لیا تو وہ نکاح شرعاً حلال نہیں، نہ رشتۂ زوجیت قائم ہو گا اور نہ وراثت ونسب کے احکام اس سے متعلق ہوں گے، اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ بایں صورت ان سے مال لینا اور مقید کرنا جائز ہے، فَاحِشَة سے مراد حضرت ابن عباسؓ حضرت عائشہ اور حضرت ضحاک وغیرہ کے نزدیک نافرمانی اور بدزبانی ہے، اور ابوقلابہؒ وحسن بصریؒ نے بے حیائی اور زنا مراد لیا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

اور اگر اپنی طبعی خواہش اور خوشی کے لیے دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو بیوی کو ڈھیروں دیا ہوا مال طلاق کے معاوضہ میں واپس لینا جائز نہیں، کیونکہ عورت کا تو کوئی قصور ہے نہیں، اور جس سبب سے مہر واجب ہوتا ہے وہ بھی پورا ہو چکا ہے یعنی خلوت صحیحہ اور بے حجابہ ملاپ، اسے تین مرحلوں میں بیان کیا، پہلا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا: مال واپس لینا درحقیقت یہ اعلان کرتا ہے کہ اس عورت نے بے حیائی اور ناشائستہ حرکت کی ہے، گویا یہ ایک صورت ہے بہتان اور تہمت کی، خواہ زبان سے تہمت زنا کی نہ لگائے دوسرا مرحلہ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ ہے، کیونکہ عورت کو دیا ہوا مال مہر کا ہے تو وہ اس کی مالک ہو چکی ہے کیونکہ اس نے اپنے نفس کو شوہر کے سپرد کر دیا اب اس کی واپسی کے کوئی معنی نہیں، اور ازدواجی تعلق ہدیہ تحفہ اور ہبہ کی واپسی سے مانع ہے، تیسرا مرحلہ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا مضبوط عہد سے مراد عقد نکاح ہے جو اللہ کے نام اور خطبہ کے ساتھ مجمع کے سامنے کیا جاتا ہے۔

آیت ۲۲: زمانہ جاہلیت میں اس میں کوئی باک نہ تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیتے تھے، اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بتایا گیا، ظاہر ہے، یہ اخلاق و کردار کی موت ہی ہے کہ جسے ایک عرصہ تک ماں کہتے رہے اسے اب بیوی بنا کر رکھ لیا۔

مسئلہ: باپ کی بیوی سے بیٹے کا اور بیٹے کی بیوی سے باپ کا نکاح حرام ہے خواہ وطی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ **مسئلہ:** اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کر لیا ہو تو بھی بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَ
اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ
نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ
اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۙ﴿۲۳﴾ وَّالْمُحْصَنٰتُ
مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا
بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ
اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ

www.toobaaelibrary.com

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

تم پر (یہ عورتیں) حرام کی گئی ہیں (یعنی ان سے نکاح کرنا حرام اور باطل ہے، اوران کی کئی قسمیں ہیں:

اول محرمات نسبیہ وہ یہ ہے) تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں (اور ان میں سب اصول وفروع بواسطہ وبلا واسطہ سب داخل ہیں) اور تمہاری بہنیں (خواہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی) اور تمہاری پھوپھیاں (اس میں باپ کی اور سب مذکر اصول کی تینوں قسموں کی بہنیں آگئیں) اور تمہاری خالائیں (اس میں ماں کی اور سب مؤنث اصول کی تینوں قسموں کی بہنیں آگئیں) اور بھتیجیاں (اس میں تینوں قسموں کے بھائیوں کی اولاد بواسطہ وبلا واسطہ سب آگئیں) اور بھانجیاں (اس میں تینوں قسموں کی اولاد بواسطہ وبلا واسطہ سب آگئیں) اور قسم دوم محرمات رضاعیہ، وہ یہ ہیں) تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے (یعنی انا) اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے بہن ہیں (یعنی تم نے ان کی حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے، یا اس نے تمہاری حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے، گومختلف وقت میں پیا ہو) اور قسم سوم محرمات بالمصاہرہ، اور وہ یہ ہیں) تمہاری بیبیوں کی مائیں (اس میں زوجہ کے سب مؤنث اصول آگئے) اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں (اس میں زوجہ کے سب مؤنث فروع آگئے) جو کہ (عادۃً) تمہاری پرورش میں رہتی ہیں (مگر اس میں ایک قید بھی ہے، وہ یہ کہ وہ لڑکیاں) ان بیبیوں سے (ہوں) کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو (یعنی کسی عورت کے ساتھ صرف نکاح کرنے سے اس کی لڑکی حرام نہیں ہوتی، بلکہ جب اس عورت سے صحبت بھی ہو جائے تب لڑکی حرام ہوتی ہے) اور اگر (ہنوز) تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو (گو نکاح ہو چکا ہو) تو (ایسی بی بی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے میں) تم کو کوئی گناہ نہیں، اور تمہاری بیٹوں کی بیبیاں (بھی حرام ہیں) جو کہ تمہاری نسل سے ہوں (اس میں سب مذکر فروع کی بیبیاں آگئیں، اور نسل کی قید کا مطلب یہ ہے کہ منہ بولے یعنی لے پالک جس کو متبنٰی کہتے ہیں اس کی بی بی حرام نہیں) اور یہ (امر بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو (رضاعی ہوں یا نسبی اپنے نکاح میں) ایک ساتھ رکھو لیکن جو (اس حکم سے) پہلے ہو چکا (وہ معاف ہے) بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں (کہ رحمت سے گناہ معاف کر دیتے ہیں) (قسم چہارم) وہ عورتیں ہیں جو کہ شوہر والیاں ہیں مگر (اس قسم میں وہ مستثنیٰ ہیں) جو کہ (شرعاً) تمہاری مملوک ہو جائیں (اوران کے

www.toobaaelibrary.com

حربی شوہر دار الحرب میں موجود ہوں، اور بعد ایک حیض آجانے یا وضع حمل کے حلال ہیں، کذا فی الہدایہ)
اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے اور ان عورتوں کے سوا اور (باقی) عورتیں تمہارے لیے حلال کی
گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے (نکاح میں لانا) چاہو (یعنی مہر ہونا نکاح میں ضرور
ہے اور) اس طرح کہ تم (ان کو) بیوی بناؤ (جس کی شرطیں شرع میں مشہور ہیں، مثلاً گواہ بھی ہوں وہ نکاح
موقت بھی نہ ہو، وغیرہ) صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو (اس کے عموم میں زنا اور متعہ سب داخل ہو گیا، گو اس
میں بھی مال خرچ کیا جاتا ہے) پھر (نکاح ہو جانے کے بعد) جس طریق سے (منجملہ طرق شرعیہ معتبرہ
کے) تم ان عورتوں سے متمتع ہوئے ہو سو ان کو (ان کے عوض) ان کے مہر دو جو کچھ مقرر ہو چکے ہیں اور
(یہ نہ سمجھو کہ اس مقررہ میں کسی طرح مثل نماز و روزہ کے کمی بیشی ممکن نہ ہو بلکہ) مقرر ہوئے بعد بھی جس (
مقدار) پر تم (میاں بیوی) باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں (مثلاً خاوند نے اور مہر بڑھا دیا یا
عورت نے کم کر دیا، یا معاف ہی کر دیا، ہر طرح درست ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں
(تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں) بڑے حکمت والے ہیں (ان مصلحتوں کی رعایت سے احکام مقرر
فرمائے ہیں، گو کہیں تمہاری سمجھ میں نہ آوے) اور جو شخص تم میں پوری مقدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو
آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس (والوں) کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم
لوگوں کی (شرعاً) مملوکہ ہیں نکاح کر لے (کیونکہ اکثر لونڈیوں کا مہر وغیرہ کم ہوتا ہے اور ان کو غریب
کے ساتھ بیاہ دینے میں عار بھی نہیں کرتے) اور (لونڈیوں سے نکاح کرنے میں عار نہ کرے، کیونکہ
دین کی رو سے تو ممکن ہے کہ وہ تم سے بھی افضل ہو، وجہ یہ کہ مدار افضلیت دین کا ایمان ہے اور)
تمہارے ایمان کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے (کہ اس میں کون اعلیٰ ہے کون ادنیٰ ہے، کیونکہ وہ
متعلق قلب کے ہے، جس کی پوری اطلاع اللہ ہی کو ہے، اور دنیا کی رو سے زیادہ وجہ عار کی تفاوت
نسب ہے تو اس میں جو انساب کا اصل مبدأ ہے یعنی حضرت آدم و حوا علیہما السلام اس میں مشارکت کے
اعتبار سے) تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو (پھر عار کی کیا وجہ) سو (جب عدم عار کی وجہ
معلوم ہو گئی تو ضرورت مذکورہ کے وقت) ان سے نکاح کر لیا کرو (مگر شرط یہ بھی ہے کہ) ان کے
مالکوں کی اجازت سے (ہو) اور ان (کے ان مالکوں) کو ان کے مہر قاعدہ (شرعیہ) کے موافق دیدیا
کرو (اور یہ مہر دینا) اس طور پر (ہو) کہ وہ منکوحہ بنائی جاویں نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور
نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں (یعنی وہ مہر بمقابلہ نکاح ہو بطور اجرت زنا کے دینے سے وہ حلال نہ

www.toobaaelibrary.com

ہوگی) پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنالی جاویں، پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام (یعنی زنا) کریں تو (بعد ثبوت بشرطیکہ مسلمان ہوں) ان پر اس سزا سے نصف سزا (جاری) ہوگی جو کہ (غیر منکوحہ) آزاد عورتوں پر ہوتی ہے، (جیسا کہ نکاح کے قبل بھی لونڈیوں کی یہی سزا تھی، اور اسی طرح غلاموں کی بھی) یہ (لونڈیوں سے نکاح کرنا) اس شخص کے لیے (مناسب) ہے جو تم میں (بوجہ غلبہ شہوت اور آزاد منکوحہ میسر نہ ہونے کے) زنا (میں مبتلا ہو جانے) کا اندیشہ رکھتا ہو (اور جس کو یہ اندیشہ نہ ہو اس کے لیے مناسب نہیں) اور (اگر اس اندیشہ کی حالت میں بھی اپنے نفس پر قادر ہو تو) تمہارا ضبط کرنا زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت نکاح کنیز کے) اور (یوں) اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں (اگر صورت کراہت میں بھی نکاح کرلیا، ہم مواخذہ نہیں کریں گے اور) بڑی رحمت والے ہیں (کہ حرمت کا حکم نہیں فرمایا)

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۲۳: اس میں محرمات یعنی ان عورتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن سے نکاح حرام ہے، بعض ان میں محرمات ابدیہ ہیں، بعض ابدیہ نہیں ہیں شروع کی تین قسمیں محرمات نسبیہ، محرمات رضاعیہ، محرمات بالمصاہرہ یہ محرمات ابدیہ ہیں، آخر کی ایک قسم منکوحہ عورتیں جب تک کہ وہ غیر کے نکاح میں ہیں، **وَبَنٰتُكُمْ**: یعنی بیٹی، پوتی، نواسی پڑنواسی ان سب سے نکاح حرام ہے۔

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ: حرمت رضاعت اسی زمانہ میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے جو بچپن میں دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے، ارشاد رسالت ﷺ ہے الرَّضاعةُ من المجاعَةِ، یعنی جس زمانہ میں دودھ ہی سے بچے کا نشوونما ہوتا ہے (بخاری و مسلم) یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک ڈھائی سال تک ہے دیگر فقہاء اور صاحبین کے نزدیک دو سال تک ہے، امام محمدؒ کا اسی پر فتویٰ ہے۔

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ، ارشاد رسالت ﷺ ہے: یحرّم من الرضاعة ما یحرم من الولادة (بخاری) انّ اللّٰه حرّم من الرضاعة ما حرّم من النسب (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۷۳) مسئلہ: منہ یا ناک کے ذریعہ ایام رضاعت میں دودھ اندر جانے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اور اگر کسی اور راستے سے یا انجکشن سے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

مسئلہ: اور اگر دودھ بکری وغیرہ کے دودھ میں ملا ہوا ہو تو اگر عورت کا دودھ غالب ہو تو رضاعت ثابت ہو جائے گی، اور برابر ہو تب بھی، کم ہو تو نہیں۔

مسئلہ: اگر مرد کے دودھ نکل آئے تو اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی صرف دودھ پینے کے شک

www.toobaaelibrary.com

سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

مسئلہ: کسی عورت سے نکاح کے بعد پتہ چلا کہ دونوں کو کسی عورت نے دودھ پلایا ہے تو اگر دونوں تصدیق کریں تو نکاح کے فاسد ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر دونوں تکذیب کریں اور عورت دیندار ہے تو فساد نکاح کا فیصلہ نہ ہوگا لیکن طلاق دے کر مفارقت کرلینا پھر بھی افضل ہے۔

مسئلہ: حرمت رضاعت کے ثبوت کے لیے دو دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے لیکن چونکہ مسئلہ حرام وحلال سے متعلق ہے اس لیے احتیاطاً افضل ہے نکاح سے پہلے ایک دیندار مرد کی گواہی سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر نکاح ہو چکا ہو تو احتیاط مفارقت میں ہے بلکہ اگر ایک عورت بھی کہہ دے تب بھی احتیاطاً مفارقت اختیار کرلیں، ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتوں کی گواہی سے اس کا ثبوت ہو جاتا ہے مگر احتیاط اسی میں ہے جو ابھی گذرا۔

مسئلہ: نفس نکاح ہی سے بیوی کی ماں حرام ہو جاتی ہے، دخول وغیرہ ضروری نہیں۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ الخ اس میں یہ تفصیل ہے کہ صرف نکاح سے مذکورہ قسمیں حرام نہیں ہو جاتی، ہمبستری (یا حکماً ہمبستری) کے بعد حرام ہو جاتی ہیں۔

مِنْ اَصْلَابِكُمْ سے متبنّیٰ کو نکالنا مقصود ہے، اس کی بیوی سے نکاح حلال ہے، اور رضاعی بیٹا نسبی بیٹے کے حکم میں ہے، جمع بین الاختین خواہ حقیقی ہوں یا علاتی واخیافی خواہ رضاعی۔

قاعدہ کلیہ | فقہاء نے بطور قاعدہ کلیہ یہ لکھا ہے کہ ہر ایسی دو عورتیں جن میں سے اگر کسی ایک کو مذکر فرض کرلیا جائے تو شرعاً ان دونوں کا آپس میں نکاح درست نہ ہو، اس طرح کی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ: یعنی جاہلیت میں جو کچھ تم سے صادر ہوا سو ہوا، اسکا مواخذہ اب نہ ہوگا، آئندہ کے لیے اجتناب لازم ہے، اسی طرح نزول تحریم کے وقت اس طرح کے اجتماع میں تفریق ضروری ہے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ: معلوم ہوا کہ ایک عورت بیکوقت ایک سے زائد شوہر والی نہیں ہوسکتی، مرد کے لیے کثرت ازواج ایک نعمت ہے جسے ہر مذہب وملت میں جائز قرار دیا گیا ہے جس پر تاریخ انسانی شاہد ہے، لیکن عورت کے لیے ایک سے زائد شوہر ہونا باعث معصیت ہے اور ایسے دو مردوں کے لیے بھی باعث ننگ وعار ہے، نیز اس میں کسی بچہ کے ثابت النسب ہونے کا بھی کوئی راستہ نہیں رہتا، ایسا مطالبہ انسانیت کے دشمنوں ہی کا ہوسکتا ہے جن کی غیرت وحیا کا جنازہ نکل چکا ہو، پھر

www.toobaaelibrary.com

یہ کہ جب نسب ثابت نہ ہوگا تو باہمی حقوق و فرائض کی ذمہ داری کس پر عائد کی جائے گی؟۔

اب ذرا خالص طبعی اور عقلی اعتبار سے دیکھئے:

۱- ازدواج کا بنیادی مقصد تناسل ہے، متعدد عورتیں تو ایک مرد سے حاملہ ہو سکتی ہیں، لیکن متعدد مردوں سے ایک عورت حاملہ نہیں ہو سکتی، وہ ایک ہی سے حاملہ ہوگی، لہٰذا باقی شوہروں کی قوت ضائع گئی، سوا شہوت رانی کے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔

۲- عورت صنف نازک ہے، سال کے اکثر حصہ میں استمتاع کے قابل نہیں رہتی بعض حالات میں اس کے لیے ایک ہی شوہر کے حقوق پورے کرنا ناممکن ہوتا ہے، چہ جائے کہ ایک سے زیادہ شوہر ہوں۔

۳- مرد جسمانی قوت میں مقابلۃً زیادہ صحت مند ہے اگر کسی مرد کی جنسی قوت معمول سے زیادہ ہو اور ایک عورت سے اس کی تشفی نہ ہو سکتی ہو تو اسے جائز طریقے سے دوسرے اور تیسرے نکاح کا موقع ملنا چاہئے ورنہ وہ، دوسرے ناجائز طریقے اختیار کرے گا اور پورے معاشرے کو بگاڑ دے گا، عورت سے ایسے بگاڑ کا اندیشہ نہیں ہے، شریعت اسلامیہ میں اس مسئلہ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر کسی عورت کا کوئی شوہر طلاق دیدے یا مر جائے تو عدت گذرنے تک بھی کسی دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

اِلَّا مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ، عورت مملوکہ باندی ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں آجائے، اس کا شوہر دارالحرب میں رہ گیا، ایسی عورت کا نکاح دارالاسلام میں آنے سے اپنے سابق شوہر سے ختم ہو گیا، لیکن یہ نکاح یا استمتاع ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہے اگر حمل ہے تو وضع حمل ضروری ہے۔

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ: جصاصؒ لکھتے ہیں کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ نکاح میں مہر بہر حال لازم ہے، زوجین باہم بغیر مہر کے طے بھی کرلیں جب بھی مہر لازم ہے، دوسری بات یہ کہ مہر وہ چیز ہونی چاہئے جس کو مال کہا جا سکے، حنفیہ کے نزدیک دس درہم سے کم مہر نہ ہونا چاہئے، ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔

مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ، لفظ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ سے زنا اور متعہ کی ممانعت فرمادی، مسلمانوں کو پاک دامن رہنے اور تکثیر نسل انسانی کے لیے اپنی قوت کو برمحل خرچ کرنا چاہئے، جس کا طریقہ ملک نکاح اور ملک یمین ہے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ سے مراد ہمبستر ہونا اور وطی کرنا ہے، اگر استمتاع کا موقع نہ ملے تو نصف مہر واجب ہوتا ہے، استمتاع کے بعد پوری مہر کی ادائے گی میں کوتاہی خلاف شریعت ہے،

www.toobaaelibrary.com

نیز غیرت انسانی کے بھی خلاف ہے۔

البتہ شریعت عورت کو یہ حق دیتی ہے کہ اگر مہر معجّل ہے تو مہر کی وصولی تک وہ شوہر کے پاس جانے سے انکار کر سکتی ہے۔

استمتاع سے ایک فرقہ کہتا ہے کہ اصطلاحی متعہ مراد ہے، ان کے نزدیک یہ آیت متعہ کی حلت کی دلیل ہے، حالانکہ متعہ جس کو کہتے ہیں اس کی صاف تردید قرآن کریم آیت مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ سے ہو رہی ہے، یہ فرقہ محض مادۂ اشتقاق سے حلت متعہ کا مدعی ہو رہا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ کم از کم جب دوسرا معنی بھی محتمل ہے (گو ہمارے نزدیک متعین ہے) تو ثبوت کا کیا راستہ ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ساتھ ہی مُحْصِنِيْنَ کی بھی قید لگائی ہے یعنی عفت کا دھیان رکھنے والے ہیں متعہ چونکہ مخصوص وقت کے لیے کیا جاتا ہے، اس لیے اس میں نہ حصول اولاد مقصود ہوتا ہے، نہ گھر بار بسانا، اور نہ ہی عفت وعصمت، اسی لیے ایسی عورت کو فریق مخالف زوجۂ وارثہ بھی قرار نہیں دیتا اور اس کو ازواج معروفہ کی گنتی میں بھی شمار نہیں کرتا، اور چونکہ مقصد محض قضاء شہوت ہے اس لیے مرد وعورت عارضی طور پر نئے نئے جوڑے تلاش کرتے رہتے ہیں جب صورت یہ ہے تو متعہ عفت وعصمت کا ضامن نہیں بلکہ دشمن ہے۔

حرمت متعہ کی روایت حضرت علیؓ سے مروی ہے، یہ عجیب بات ہے کہ حلت متعہ کا قائل یہ فرقہ حضرت علیؓ کا محبّ اور فرمان بردار ہونے کا مدعی ہے لیکن اس مسئلہ میں وہ انکا بھی مخالف ہے، وہ روایت یہ ہے: عن علی بن ابی طالب ان النبی ﷺ نهیٰ عن متعة النساء وعن لحوم الحمر الا هلية زمن خيبر. (ترمذی) اسی طرح نکاح موقت بھی حرام ہے، دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ متعہ میں لفظ متعہ بولا جاتا ہے اور نکاح موقت لفظ نکاح سے ہوتا ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ الخ یعنی عوت اگر چاہے تو مہر معجّل کو موجل بھی کر سکتی ہے، شوہر مقررہ مہر کو بڑھا بھی سکتا ہے، اور بیوی کچھ یا کل مہر اپنی مرضی سے معاف بھی کر سکتی ہے، اِنَّ الله كان عليماً حكيماً: حکمت اس دقیق بات کو کہتے ہیں جو ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتی ہے، اس دور کے بہت سے پڑھے لکھے جاہلوں کا منہ بند کر دیا گیا ہے جو احکام خداوندی کی علتیں تلاش کرتے ہیں، ناکام ہوتے ہیں تو حکم ربانی کو معاذ اللہ دور حاضر کے تقاضوں کے خلاف کہہ کر ٹال دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو بتلا دیا گیا ہے کہ تم نادان ہو، دانا اللہ جل شانہ ہیں تم ناسمجھ ہو اللہ حکیم ہے، اپنی سمجھ کو معیار حقانیت نہ بناؤ۔

www.toobaaelibrary.com

آیت :۲۵: اس آیت میں شرعی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کا ذکر ہے اس آیت سے پتہ چلا کہ حتی الامکان آزاد عورت سے نکاح کرنا چاہئے اور اگر باندی سے نکاح کرنا ہی پڑے تو مؤمن باندی تلاش کرے، امام صاحبؒ کے نزدیک آزاد عورت سے استطاعت ہوتے ہوئے باندی سے نکاح یا کتابیہ باندی سے نکاح مکروہ ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک حرام ہے، اور کتابیہ باندی سے نکاح مطلقاً جائز نہیں ہے۔

وجہ یہ ہے کہ جو اولاد ہوگی وہ باندی کے مالک کی ہوگی، اور غیر مؤمن باندی سے جو اولاد ہوگی اندیشہ ہے کہ وہ ماں کا دین اختیار کرے، اور اگر باندی ہو تو کم از کم مومنہ ضرور ہوتا کہ بچہ کا ایمان محفوظ رہے اور اس دور میں تو اس کی اہمیت اور زیادہ ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ کی اہل ایمان کے ساتھ مستقل سازش چل رہی ہے واللّٰہ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ بَعْضُکُمْ مِنْۢ بَعْضٍ: ایمان وجہ فضیلت ہے، بعض مرتبہ ایمانی مرتبہ میں غلام و باندی آزاد مرد و عورت سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اس لیے مؤمن باندی سے نکاح کو قابل نفرت نہ جانیں، اس کے ایمان کی قدر کریں۔

باندی کے مہر سے متعلق امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ باندی کا حق ہے، دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ اس مال کا مالک بھی باندی کا آقا ہے، مُحْصَنٰتٍ الخ یعنی پاکدامن باندیوں کو نکاح کے لیے تلاش کرو، لیکن آزاد عورت جو زانیہ ہو اس کے نکاح سے بچنا بھی افضل ہے یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متعہ جائز نہیں کیونکہ آزاد کے ساتھ عدم استطاعت کی صورت میں متعہ کرنا آسان تر تھا، کیوں کہ جنسی خواہش کی تکمیل کے ساتھ مالی بوجھ بھی کم تھا، نیز غیر مُسٰفِحٰتٍ کی بھی قید ہے اور متعہ کی صورت میں سفاح ہی سفاح ہے۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ الخ اس میں غلام یا باندی کے زنا کر بیٹھنے کی صورت میں سزا کا ذکر ہے، اور ان کی سزا آزاد کی نصف ہوگی، چاروں ائمہ کا مذہب یہ ہے غلام یا باندی خواہ شادی شدہ ہوں خواہ کنوارے ان کی سزا پچاس کوڑے ہیں، غلام کا حکم بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے۔

آیت مذکورہ میں جو غلام و باندی کا ذکر ہے تو یہ شرعی غلام و باندی مراد ہیں، اس زمانے میں شرائط مفقود ہیں، لہٰذا موجودہ نوکر چاکر اور گھروں میں نوکرانیاں غلام و باندی نہیں ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً

www.toobaaelibrary.com

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۗ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اللہ تعالیٰ کو (ان مضامین مذکورہ کے ارشاد فرمانے سے اسی طرح دوسرے مضامین سے اپنا کوئی نفع مقصود نہیں کہ یہ محال عقلی ہے بلکہ تم کو نفع پہنچانے کے لیے) یہ منظور ہے (آیات احکام میں تو) تم سے (تمہاری مصلحت کے احکام) بیان کردے اور (آیات قصص میں) تم سے پہلے لوگوں کے احوال تم کو بتلادے (تاکہ تم کو اتباع کی رغبت اور مخالفت سے خوف ہو) اور (خلاصہ مشترک مقصود یہ ہے کہ) تم پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمادے (اور وہ توجہ یہی بیان فرمانا اور بتلانا ہے جس میں سرتاسر بندوں ہی کا نفع ہے جیسا مذکور ہوا) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں، (کہ بندوں کی مصلحت جانتے ہیں) بڑے حکمت والے ہیں (کہ بلاوجوب ان مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کو تو (بیان احکام وقصص سے جیسا ابھی مذکور ہوا تمہارے حال پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمانا منظور ہے، اور جو لوگ۔ (کفار وفجار میں سے) شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم (راہ راست سے) بڑی بھاری۔ میں پڑجاؤ (اور انہی جیسے ہوجاؤ، چنانچہ وہ اپنے فاسد خیالات مسلمانوں کے کانوں میں ڈالتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو احکام میں جس طرح تمہاری مصلحت پر نظر ہے اسی طرح تمہاری آسانی پر بھی نظر ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ) اللہ تعالیٰ کو (احکام میں) تمہارے ساتھ تخفیف (یعنی آسانی بھی) منظور ہے اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) آدمی (بہ نسبت اور مکلفین کے بدن اور ہمت دونوں میں) کمزور پیدا کیا گیا ہے (اس لیے اس کے ضعف کے مناسب احکام مقرر فرمائے ہیں، ورنہ باعتبار رعایت مصلحت کے اعمال ت۔۔ کا تجویز کیا جانا بھی مضائقہ نہ تھا، مگر ہم نے دونوں امر کا مجموعاً لحاظ فرمایا اور یہ بڑے علم وحکمت اور نیز رحمت وشفقت پر موقوف ہے) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (یعنی غیر مباح) طور پر مت کھاؤ (برتو) لیکن (مباح طور پر ہو مثلاً) کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے

www.toobaaelibrary.com

واقع ہو (بشرطیکہ اس میں اور بھی سب شرائط شرعیہ ہوں) تو مضائقہ نہیں (یہ تو مالی تصرف تھا، آگے تصرف نفسی کو فرماتے ہیں) اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں (اس لیے ضرر رسانی کی صورتوں کو منع فرمادیا، بالخصوص جبکہ اس میں یہ اثر ہو کہ دوسرا شخص پھر تم کو ضرر پہنچاوے گا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ تم کو بھی ضرر سے بچالیا) اور (چونکہ قتل ان دونوں امروں میں اشد ہے اس لیے اس پر بالخصوص وعید سناتے ہیں کہ) جو شخص ایسا فعل (یعنی قتل) کرے گا اس طور پر کہ حد (شرع) سے گذر جائے اور (وہ گذرنا بھی خطاءً فعل یا خطاءً رائے سے نہ ہو بلکہ) اس طور پر کہ (قصداً) ظلم کرے تو ہم عنقریب (یعنی بعد الموت) اس کو (دوزخ کی) آگ میں داخل کریں گے اور یہ امر (یعنی ایسی سزادینا) خدا تعالیٰ کو (بالکل) آسان ہے (کچھ اہتمام کی حاجت نہیں جس میں اس احتمال کی گنجائش ہو کہ شاید کسی وقت اہتمام وسامان جمع نہ ہو تو سزا ٹل جائے گی) جن کاموں سے تم کو (شرع میں) منع کیا جاتا ہے (یعنی گناہ کے کام) ان میں سے جو بھاری بھاری کام ہیں (یعنی بڑے بڑے گناہ ہیں) اگر تم ان سے بچتے رہو تو (اس بچنے پر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے اعمال حسنہ کے کرنے سے جب کہ وہ مقبول ہو جائیں) ہم تمہاری خفیف برائیاں (یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ جو کہ دوزخ میں لے جاسکتے ہیں) تم سے دور (یعنی معاف) فرمادیں گے (پس دوزخ سے محفوظ رہو گے) اور ہم تم کو ایک معزز جگہ (یعنی بہشت) میں داخل کردیں گے، اور تم (سب مردوں، عورتوں کو حکم ہوتا ہے کہ فضائل وہبیہ میں سے) ایسے کسی امر کی تمنامت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (مثلاً مردوں کو) بعضوں پر (مثلاً عورتوں پر بلا دخل ان کے کسی عمل کے) فوقیت بخشی ہے، (جیسے مرد ہونا یا مردوں کا دو حصہ ہونا یا ان کی شہادت کا کامل ہونا وغیر ذلک) مردوں کے لیے ان کے اعمال (کے ثواب) کا حصہ (آخرت میں) ثابت ہے، اور عورتوں کے لیے ان کے اعمال (کے ثواب) کا حصہ (آخرت میں) ثابت ہے، (اور مدار نجات کا قانوناً یہی اعمال ہیں، اور ان میں کسی کی تخصیص نہیں، تو اگر دوسروں سے فوقیت حاصل کرنے کا شوق ہے تو اعمال میں جو کہ کسبیہ ہیں کوشش کرکے دوسروں سے زیادہ ثواب حاصل کرلو، باجود اس پر قادر ہونے کے فضائل خاصہ مذکورہ کی تمنا محض ہوس اور فضول ہے) اور (اگر فضائل وہبیہ میں ایسے فضائل کی رغبت ہے جن میں اعمال کو بھی دخل ہے مثلاً احوال و کمالات باطنیۃ و امثالہا تو مضائقہ نہیں، لیکن اس کا طریقہ بھی یہ نہیں کہ خالی تمنائیں کیا کرو، بلکہ یہ چاہئے کہ) اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل (خاص) کی درخواست (یعنی دعاء) کیا

www.toobaaelibrary.com

کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (اس میں سب چیزیں آ گئیں، یعنی فضائل وہبیہ قسم اول کی وجہ تخصیص بھی، اور فضائل کسبیہ پر ثواب دینا بھی، اور فضائل وہبیہ قسم دوم کی درخواست بھی، پس یہ جملہ سب کے متعلق) اور ہر ایسے مال کے لیے جس کو والدین اور (دوسرے) رشتہ دار لوگ (اپنے مرنے کے بعد) چھوڑ جاویں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں، اور جن لوگوں سے تمہارے عہد (پہلے سے) بندھے ہوئے ہیں (اسی کو مولی الموالات کہتے ہیں) ان کو (اب جب کہ شرع سے رشتہ دار لوگ وارث مقرر ہو گئے، ساری میراث مت دو، بلکہ صرف) ان کا حصہ (یعنی ایک ششم) دیدو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں (پس ان کو ساری میراث نہ دینے کی حکمت اور ششم حصہ مقرر کر دینے کی مصلحت اور یہ کہ یہ ششم ان کو کون دیتا ہے کون، نہیں دیتا، ان سب کی ان کو خبر ہے)

تلخیص معارف ومسائل

اس رکوع کی ابتدائی تین آیات میں اللہ تعالیٰ اپنا انعام واحسان جتلاتے ہیں، کہ ان احکام کی مشروعیت میں تمہارے لیے منافع ومصالح کی رعایت رکھی گئی ہے، اور گمراہوں کے ناپاک ارادوں پر بھی متنبہ کیا گیا کہ یہ لوگ تمہارے بدخواہ ہیں جو تمہیں صراط مستقیم سے بھٹکانا چاہتے ہیں، بعض ضعیف الایمان مسلمان ملحدین سے تعلق رکھتے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ ان کی باتوں میں آ کر اپنے دین کو فرسودہ خیال کرنے لگتے ہیں، اور دشمنوں کی باتوں کو انسانیت کی ترقی سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ یعنی نکاح کے بارے میں ایسے نرم احکام دیے جن پر سب عمل پیرا ہو سکتے ہیں، پھر فرمایا وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا، یعنی انسان خلقۃً ضعیف ہے، اس کے اندر شہوانی مادہ رکھا گیا ہے، اگر بالکل ہی عورتوں سے دور رہنے کا حکم دیا جاتا تو اطاعت سے عاجز رہ جاتا، اس لیے صرف اجازت نکاح ہی نہیں بلکہ اس کی ترغیب بھی دی۔ نکاح ضعف کے دور کرنے کا باہمی معاہدہ اور ایک بے مثال طریقہ ہے نیز پاکیزگی نفس ونظر بھی ہے۔

آیت: ۲۹-۳۰: ان آیات میں عام انسانوں کے جان ومال کی حفاظت اور ان میں ناجائز تصرف کرنے کی ممانعت کا بیان ہے۔

جس طرح باطل طریقہ سے غیر کا مال کھانا اور تصرف میں لانا جائز نہیں، خود اپنا مال بھی باطل طریق سے خرچ کرنا جائز نہیں، صرف کھانا ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے غلط تصرفات داخل ہیں، اور ان ناجائز طریقوں کی تمام تفصیلات پیغمبرؐ نے بیان فرمادی۔

www.toobaaelibrary.com

اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ: جائز طریقے تجارت کے علاوہ اور بھی ہیں، لیکن عام طور پر معروف وجاری صورت تجارت ہی ہے لفظ تجارت، ملازمت ومزدوری اور کرایہ کے معاملات کو بھی حاوی ہے۔

کسبِ معاش کے ذرائع میں تجارت اور محنت سب سے افضل اور اَطیَب ذریعہ معاش ہے پیغمبرؐ سے دریافت کیا گیا، کہ کونسی کمائی حلال وطیب ہے؟ ارشاد رسالتؐ ہے: عمل الرجل بیدہ وکل مبیع مبرور (احمد وحاکم) یعنی انسان کے ہاتھ کی مزدوری اور ہر بیع وشراء، جو جھوٹ فریب سے خالی ہو، ارشاد ہے، التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء (ترمذی) التاجر الصدوق تحت ظل العرش یوم القیمۃ: (الاصبہانی ترغیب)

دوسرے کا مال حلال ہونے کے لیے تجارت اور تراضی طرفین کی دو شرطیں ہیں، معلوم ہوا کہ جہاں تجارت ہی نہ ہو بلکہ تجارت کے نام پر جوا، سٹہ، سود کا معاملہ ہو، یا ابھی مال موجود نہیں صرف ذہنی قرارداد پر سودا کیا گیا ہو، دوسرے یہ کہ تجارت تو ہو لیکن فریقین کی رضامندی نہ ہو تو فقہاء پہلی صورت کو بیع باطل (حرام) اور دوسری صورت کو بیع فاسد کہتے ہیں چنانچہ سود اسی لیے حرام ہے کہ سود کی رقم ادھار کی میعاد کا معاوضہ ہوتا ہے اور یہ میعاد کوئی مال نہیں، اسی طرح سٹہ ہے کہ دوسری جانب مال کا ہونا اور نہ ہونا مشکوک ہے، اسی طرح ذخیرہ اندوز مال کو ہر طرف سے اکٹھا کر کے قیمت بڑھا کر فروخت کرتا ہے اس صورت میں گاہک اگرچہ خود چل کر آتا ہے اور بظاہر رضامندی سے خریدتا ہے مگر یہ رضامندی ایک مجبوری کے تحت ہے اس لیے کالعدم ہے، بہرحال تبادلہ مال بالمال کے ساتھ تراضی فریقین بھی ضروری ہے، قرآن کریم کے اس ایک لفظ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ نے فقہ کی پوری کتاب البیوع اور کتاب الاجارہ کا مکمل بیان کر دیا۔

مالی حقوق میں ظلم وجور اور کوتاہی بہت عام ہے، اور ناحق قتل وخونریزی اگرچہ اس سے اشد ہے مگر عادۃً اس میں ابتلاء کم ہے اس لیے جان کو مؤخر بیان فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا: یعنی یہ سب احکام تمہارے حق میں رحمت خداوندی ہیں، تاکہ تم دنیوی سزاؤں اور اخروی وبال سے محفوظ رہو۔

قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ ترہیب کے ساتھ ترغیب کا پہلو بھی بیان کر دیتا ہے، آیت: ۳۱: میں ترغیبی پہلو ہے۔

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبٰٓئِرَ: کبیرہ گناہوں سے بچنے میں یہ بھی داخل ہے کہ تمام فرائض وواجبات کو

www.toobaaelibrary.com

ادا کرے ورنہ انکار ترک خود ایک کبیرہ گناہ ہے اعمال صالحہ صغائر کا کفارہ ہو جاتے ہیں، جیسے احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب کوئی شخص نماز کے لیے وضو کرتا ہے تو ہر عضو کے دھونے کے ساتھ ساتھ گناہوں کا کفارہ ہو گیا، پھر جب وہ مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم پر گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں اور کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، اور صغیرہ کی شرط یہ ہے کہ آدمی ہمت و کوشش کر کے کبیرہ سے بچ گیا ہو، ورنہ مبتلاء کبیرہ رہتے ہوئے وضو نماز اور دیگر اعمال صالحہ سے اس کے صغیرہ گناہوں کا بھی کفارہ نہیں ہوگا اور کبیرہ تو اپنی جگہ ہیں ہی، ان کبیرہ کی وجہ سے صغیرہ بھی معاف نہیں ہوں گے، یہ دوسری محرومی ہے۔

صغائر اور کبائر

گناہ صغیرہ و کبیرہ کی کیا تعریف ہے، علماء نے اس پر مختلف انداز میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

مطلق گناہ نام ہے ہر کام کا جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور مرضی کے خلاف ہو، کبیرہ اور صغیرہ کا فرق صرف گناہوں کے باہمی مقابلہ اور موازنہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے، حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ كُلُّ مَا نُهِيَ عَنْهُ فَهُوَ كَبِيْرَةٌ یعنی جس کام سے شریعت اسلام میں منع کیا گیا ہے وہ سب کبیرہ گناہ ہیں، اور صغیرہ سے اگر لاپرواہی برتی جائے تو وہ خود کبیرہ ہو جاتا ہے، کسی بزرگ نے فرمایا اس کی مثال محسوسات میں ایسی ہے جیسے چھوٹا بچھو اور بڑا بچھو، یا آگ کے بڑے انگارے یا چھوٹی چنگاری۔

کبیرہ: گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس گناہ پر قرآن میں کوئی شرعی حد یعنی سزا دنیا میں مقرر کی گئی ہے، یا جس پر لعنت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں یا جس پر جہنم وغیرہ کی وعید آئی ہے، اسی طرح جس کے مفاسد اور نتائج بد کسی کبیرہ گناہ کے برابر یا اس سے زائد ہوں، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے کسی نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات بتلائی تو آپ نے فرمایا سات نہیں سات سو کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے، امام ابن حجر مکیؒ نے کتاب الزواجر میں کبائر کی تعداد چار سو سرسٹھ تک لکھی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ بعض نے بڑے بڑے ابواب معصیت کو شمار کرنے پر اکتفار کیا ہے تو تعداد کم لکھی ہے، بعض نے ان کی تفصیلات اور انواع و اقسام کو پورا لکھا تو تعداد زیادہ ہو گئی۔ پیغمبرؐ نے مختلف مقامات میں بہت سے گناہوں کا کبیرہ ہونا بیان فرمایا، اور حالات کی مناسبت سے کہیں تین، کہیں چھ، کہیں سات، کہیں اس سے بھی زیادہ اسی لیے علماء نے یہ سمجھا کہ کسی عدد میں انحصار مقصود نہیں ہے، بلکہ مواقع اور حالات کے مناسب جتنا سمجھا گیا بیان کر دیا گیا۔

www.toobaaelibrary.com

آیت ۳۲: ما سبق میں آیت میراث میں گذرا کہ مرد کو عورت سے دو گنا حصہ ملتا ہے اسی طرح اور بھی مردوں کے فضائل ثابت ہیں اس پر حضرت ام سلمہؓ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ ہم کو آدھی میراث ملتی ہے اور بھی فلاں فلاں فرق ہم میں اور مردوں میں ہیں، مقصد اعتراض نہیں تھا بلکہ یہ تمنا تھی کہ اگر ہم لوگ بھی مرد ہوتے تو مردوں کے فضائل ہمیں بھی حاصل ہوتے، ایک عورت نے عرض کیا کہ میراث کے علاوہ عورت کی شہادت بھی مرد سے نصف ہوتی ہے، تو کیا عبادات اور اعمال میں بھی ہم کو نصف ہی ثواب ملے گا۔

حضرت ام سلمہؓ کے قول کا جواب وَلَا تَتَمَنَّوْا سے دیا گیا، اور اس عورت کا جواب لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ سے دیا گیا، امور اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کی تمنا سے متعلق سورہ آل عمران آیت ۱۴۳ میں کلام گذر چکا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جسے اللہ نے مرد بنادیا وہ اس پر شکر ادا کرے، اور جسے عورت بنادیا وہ اسی پر راضی رہے، ایسے ہی حسن و جمال اور نسب و خاندان سے متعلق بھی، مگر اعمال صالحہ کی کرنی چاہئے ایسا کرنے سے وہ بڑے نسب والوں سے بڑھ جائے گا۔

اور جو فضائل و کمالات اختیاری ہیں ان کے تمنا اور حصول و کسب مفید ہے۔

وَاسْئَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهٖ: اس میں یہ ہدایت دی گئی کہ جب اللہ سے مانگو تو کسی خاص وصف معین کو مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو تا کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق اپنے فضل کا دروازہ کھول دے، انسان کو اپنے اعمال و عواقب کا پورا پتہ نہیں ہوتا اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں، کہ کس کو کس حال میں رکھنا اس کے لیے مفید ہے، اِنَّ اللهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا:

آیت ۳۳: اس آیت میں مذکور باہمی معاہدہ کی بناء پر حصہ دنیا آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ سے منسوخ ہو گیا، اب اگر دوسرے ورثاء موجود ہوں تو دو شخصوں کے باہمی معاہدہ کا میراث پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

www.toobaaelibrary.com

وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ
النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝
وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ
الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا
رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا
وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝
يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

مرد حاکم ہیں عورتوں پر (دو وجہ سے، ایک تو) اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (یعنی مردوں کو) بعضوں پر (یعنی عورتوں پر قدرتی) فضیلت دی ہے (یہ تو وہبی امر ہے) اور (دوسرے) اس سبب سے کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنے مال (مہر میں اور نان ونفقہ میں) خرچ کئے ہیں، (اور خرچ کرنے والوں کا ہاتھ اونچا اور بہتر ہوتا ہے اس سے کہ جس پر خرچ کیا جاوے اور یہ امر مکتسب ہے) سو جو عورتیں نیک ہیں (وہ مرد کے ان فضائل وحقوق کی وجہ سے) اطاعت کرتی ہیں (اور) مرد کی عدم موجودگی میں (بھی) بحفاظت (وتوفیق) الٰہی (اس کی آبرو ومال کی) نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں (اس صفت کی نہ ہوں، بلکہ) ایسی ہوں کہ تم کو (قرائن سے) ان کی بددماغی کا احتمال (قوی) ہو تو ان کو (اول) زبانی نصیحت کرو اور (نہ مانیں تو) ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو (یعنی ان کے پاس مت لیٹو) اور (اس سے بھی نہ مانیں تو) ان کو (اعتدال کے ساتھ) مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر (زیادتی کرنے کے لیے) بہانہ (اور موقع) مت ڈھونڈو (کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت اور عظمت والے ہیں (ان کے حقوق اور قدرت اور علم سب بڑے ہیں، اگر تم ایسا کرو گے پھر وہ بھی تم پر اپنے حقوق کے متعلق ہزاروں الزام قائم کر سکتے ہیں) اور اگر (قرائن سے) تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بی بی میں (ایسی کشاکش کا) اندیشہ ہو (کہ اس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں گے) تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو، مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو (ایسا ہی) تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے (تجویز کر کے اس کشاکش کے رفع کرنے کے لیے ان کے پاس) بھیجو (کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں، اور جو بے راہی پر ہو، یا دونوں کا کچھ کچھ قصور ہو

www.toobaaelibrary.com

سمجھادیں) اگر ان دونوں آدمیوں کو (سچے دل سے) اصلاح (معاملہ کی) منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی میں (بشرطیکہ وہ ان دونوں کی رائے پر عمل بھی کریں) اتفاق فرمادیں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں (جس طریق سے ان میں باہم مصالحت ہوسکتی ہے اس کو جانتے ہیں، جب حکم کی نیت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریق ان کے قلب میں القاء فرمادیں گے۔ اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو (اس میں توحید بھی آگئی) اور اس کے ساتھ کسی چیز کو (خواہ وہ انسان ہو یا غیر انسان عبادت میں یا ان کی خاص صفات میں، اعتقاد میں) شریک مت کرو اور (اپنے) والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور (دوسرے) اہل قرابت کے ساتھ بھی، اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی، اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی، (خواہ وہ مجلس دائمی ہو جیسے سفر طویل کی رفاقت اور کسی مباح کام میں شرکت یا عارضی ہو جیسے سفر قصیر، یا اتفاقی جلسہ میں شرکت) اور راہ گیر کے ساتھ بھی (خواہ وہ تمہارا خاص مہمان ہو یا نہ ہو) اور ان (غلام لونڈیوں) کے ساتھ بھی جو (شرعاً) تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں (غرض ان سب سے خوش معاملگی کرو جس کی تفصیل شرع نے دوسرے موقع پر بتلادی ہے، اور جو لوگ ان حقوق کو ادا نہیں کرتے اکثر اس کے کئی سبب ہیں، یا تو ان کے مزاج میں تکبر ہے، کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے، اور کسی کی طرف التفات ہی نہیں کرتے، اور یا ان کی طبیعت میں بخل غالب ہے کہ کسی کو دیتے دلاتے جان نکلتی ہے، اور یا ان کو رسولؐ کے ساتھ اعتقاد نہیں کہ آپؐ کے احکام کو اور ادائے حقوق کے ثواب کے وعدوں کو اور اتلاف حقوق کے عذاب کی وعیدوں کو صحیح نہیں سمجھتے، اور یہ کفر ہے، اور یا ان کی عادت نمائش اور نام و نمود کی ہے، اس لیے جہاں نمود ہو وہاں دیتے دلاتے ہیں گو حق نہ ہو، اور جہاں نمود نہ ہو وہاں ہمت نہیں ہوتی، گو حق ہو، اور یا ان کو سرے سے خدا تعالیٰ ہی کے ساتھ عقیدہ نہیں، یا وہ قیامت کے قائل نہیں اور یہ بھی کفر ہے، اس لیے اسی ترتیب سے جو ان امور کا انفراداً یا اجتماعاً ارتکاب کرتے ہیں ان کا حال بھی سن لو کہ) بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے محبت نہیں رکھتے جو (دل میں) اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں (زبان سے) شیخی کی باتیں کرتے ہیں، جو کہ بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں (خواہ زبان سے یا اس طرح سے کہ ان کو دیکھ کر دوسرے بھی تعلیم پاتے ہیں) اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے، (اس سے مراد یا مال دولت ہے جب کہ بلا مصلحت حفاظت کے محض بخل کی وجہ سے چھپادے کہ اہل حقوق ان سے توقع ہی

www.toobaaelibrary.com

نہ کریں، یا مراد علم دین ہے کہ یہود اخبار رسالت کو چھپایا کرتے تھے، پس بخل بھی عام ہو جاوے گا، پس اس میں بخلاء و منکرین رسالتؐ دونوں آگئے) اور ہم نے ایسے ناسپاسوں کے لیے (جو نعمت مال یا نعمت بعثت رسولؐ کی حق شناسی نہ کریں) اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے اور جو لوگ کہ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھلانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن (یعنی قیامت کے دن) پر اعتقاد نہیں رکھتے (ان کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت نہیں) اور (بات یہ ہے کہ) شیطان جس کا مصاحب ہو (جیسا ان مذکور لوگوں کا ہوا ہے) تو وہ اس کا برا مصاحب ہے (کہ ایسا مشورہ دیتا ہے جس میں انجام کار سخت ضرر ہو) اور ان پر کیا مصیبت نازل ہو جاوے گی اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن (یعنی قیامت) پر ایمان لے آویں اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ (اخلاص کے ساتھ) خرچ کرتے رہا کریں (یعنی کچھ بھی ضرر نہیں ہر طرح نفع ہی نفع ہے) اور اللہ تعالیٰ ان (کے نیک و بد) کو خوب جانتے ہیں (پس ایمان و انفاق پر ثواب دیں گے اور کفر وغیرہ پر عذاب) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ کریں گے (کہ کسی کا ثواب مار لیں یا بے وجہ عذاب دینے لگیں جو کہ ظاہراً ظلم ہے) اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا (کرکے ثواب دیں گے، جیسا کہ دوسری آیت میں وعدہ مذکور ہے) اور (اس ثواب موعود کے علاوہ) اپنے پاس سے (بلا معاوضۂ عمل بطور انعام اور) اجر عظیم (الگ) دیں گے، سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جب کہ ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر (جن کا آپ سے سابقہ ہوا ہے) گواہی دینے کے لیے حاضر لاویں گے (یعنی جن لوگوں نے خدائی احکام دنیا میں نہ مانے ہوں گے، ان کے مقدمہ کی پیشی کے وقت بطور سرکاری گواہ کے انبیاء علیہم السلام کے اظہارات سنے جاویں گے۔ جو جو معاملات انبیاءؑ کی موجودگی میں پیش آئے تھے سب ظاہر کر دیں گے، اس شہادت کے بعد ان مخالفین پر جرم ثابت ہو کر سزا دی جائے گی، اوپر فرمایا تھا کہ اس وقت کیا حال ہوگا، آگے اس حال کو خود بیان فرماتے ہیں کہ) اس روز (یہ حال ہوگا کہ) جن لوگوں نے (دنیا میں) کفر کیا ہوگا اور رسول کا کہنا نہ مانا ہوگا وہ اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش (اس وقت) ہم زمین کے پیوند ہو جاویں (تاکہ اس رسوائی اور آفت سے محفوظ رہیں) اور (گواہی کے علاوہ خود وہ اقراری مجرم بھی ہوں گے کیونکہ) اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا (جو ان سے دنیا میں صادر ہوئی تھیں) اخفاء نہ کر سکیں گے (پس دونوں طور پر فرد قرارداد جرم ان پر لگا دی جائے گی)۔

www.toobaaelibrary.com

تلخیص معارف ومسائل

ربط آیات: عورتوں کے حقوق کے بعد اب آگے مردوں کے حقوق کا ذکر ہے، ان کو فوت کرنے کی صورت میں تادیب کی اجازت بھی دی گئی ہے اختلاف ہونے کی صورت میں تصفیہ کا طریق بھی مذکور ہے، نیز صراحت ہے کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے، اس سے مردوں کا حصہ میراث میں عورتوں سے زیادہ کیوں ہے جواب بھی نکل آیا۔

اس آیت میں وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ: (البقرہ) اس درجہ کا بیان قرآن کریم کے حکیمانہ طرز بیان کے ساتھ اس طرح کیا گیا ہے کہ مردوں کی یہ فضیلت اور تفوق خود عورتوں کی مصلحت اور فائدہ کے لیے اور عین مقتضاء حکمت ہے، اس میں عورت کی نہ کسر شان ہے نہ اس کا کوئی نقصان ہے، قَوَّامٌ کسی کام یا نظام کا ذمہ دار اور چلانے والا۔ یعنی حاکم۔

ہر اجتماعی نظام کے لیے عقلاً اور عرفاً کوئی سربراہ یا حاکم ضروری ہوتا ہے کہ بوقت اختلاف اس کے فیصلہ سے کام چل سکے۔ اسی طرح اس عائلی نظام یعنی خانہ داری میں بھی ایک آمر اور سربراہ کی ضرورت ہے، اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو منتخب فرمایا کہ ان کی علمی اور عملی قوتیں بہ نسبت عورتوں اور بچوں کے زیادہ ہیں اور یہ ایسا بدیہی معاملہ ہے کہ کوئی سمجھدار عورت یا مرد انکار نہیں کر سکتا۔

اور یہ حکومت محض آمریت اور استبداد کی نہیں بلکہ حاکم یعنی مرد بھی قانون شرع اور مشورہ کا پابند ہے، اس کو عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کا حکم دیا گیا ہے، نیز دوسری آیت (بقرہ) میں عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ کی تعلیم ہے۔

لیکن اس احتمال کی بناء پر کہ اپنی محکومیت سے عورتوں پر کوئی ناگوار اثر ہو، اللہ تعالیٰ خود ہی اس کی حکمت بتلا دی ایک وہبی، ایک کسبی، وہبی بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، یہ خداداد فضیلت ہے، دوسری وجہ کسبی یہ کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ: ان دو وجہوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کسی کو زور وتغلب کے بجائے کام کی صلاحیت واہلیت ہی حکومت کا مستحق بنا سکتی ہے، (بحر محیط)

بجائے فَضَّلَهُمْ عَلَيْهِنَّ کے عنوان بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کا اختیار فرمایا اس میں یہ حکمت ہے کہ مرد وعورت باہم مثل اعضاء واجزاء کے ہیں اگر کسی چیز میں مردوں کی افضلیت ثابت ہو جائے تو یہ عورت کے درجہ کو نہیں گھٹاتا، بعض مفسرین نے یہ فرمایا کہ یہ افضلیت جنس اور مجموعہ کے اعتبار سے

www.toobaaelibrary.com

ہے، جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو بہت ممکن ہے کوئی عورت کمالات علمی و عملی میں کسی دوسرے مرد سے بڑھ جائے اور صفت حاکمیت میں بھی مرد سے فائق ہوجائے۔

دوسری وجہ اختیاری جو بیان کی گئی اس سے ایک شبہ کا ازلہ ہے جو میراث میں مردوں کا حصہ دوہرا اور عورتوں کا اکہرا ہونے سے پیدا ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مالی ذمہ داریاں تمام تر مردوں پر ہیں شادی سے پہلے باپ پر، شادی کے بعد شوہر پر، اس لیے اگر غور کیا جائے تو یہ دُہرا حصہ کچھ زیادہ دینا نہیں ہے، دوسرا اشارہ ایک اہم اصول زندگی کے متعلق یہ بھی ہے کہ عورت اپنی خلقت کے اعتبار سے اپنے مصارف خود کما کر پیدا کرنے کی متحمل نہیں ہے، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عورت کو اپنے نفقات میں مرد کا محتاج کر کے اس کا رتبہ کم کر دیا گیا ہے بلکہ یہ تو تقسیم کار کے اصول پر ڈیوٹیاں تقسیم کردی گئی ہیں۔

اسکے بعد آیت میں نیک و بد عورتوں کا بیان ہے، پیغمبرؐ نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: خیر النساء امرأۃ اذا نظرتَ الیھا سرتك واذا امرتھا اطاعتك واذا غبت عنھا حفظتك فی مالھا ونفسھا:

اپنی عصمت اور شوہر کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری چونکہ آسان کام نہیں ہے اس لیے آگے فرمایا بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ یعنی اس حفاظت میں اللہ تعالیٰ عورتوں کی مدد فرماتے ہیں، نفس و شیطان کے مکائد تو ہر انسان کے ساتھ ہیں، اور عورتیں تو ویسے بھی نسبتاً کمزور ہوتی ہیں۔

اس کے باوجود وہ ان ذمہ داریوں میں مردوں سے زیادہ مضبوط نظر آتی ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد ہے، یہی وجہ ہے کہ بے حیائی کے گناہوں میں بہ نسبت مردوں کے عورتیں بہت کم مبتلا ہوتی ہیں، اطاعت شعار عورتوں کی فضیلت میں احادیث بھی وارد ہیں، ارشاد ہے، کہ جو عورت اپنے شوہر کی تابعدار و مطیع ہو اس کے لیے پرندے ہوا میں اور مچھلیاں پانی میں اور فرشتے آسمانوں میں اور درندے جنگلوں میں استغفار کرتے ہیں، (بحر محیط)

اور اگر عورت نافرمان ہے تو اس کی اصلاح کے لیے قرآن کریم نے مردوں کو علی الترتیب تین طریقے بتائے ہیں۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ، یعنی پہلا درجہ یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھاؤ اگر اس طرح باز نہ آئیں تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کا بستر اپنے سے علیحدہ کردو، تا کہ شوہر کی ناراضی کا احساس کر کے نادم ہوجائیں، یہ جدائی صرف بستر کی حد تک ہو نہ کہ مکان سے کیونکہ اس میں رنج بھی زیادہ ہے اور فساد بڑھنے کا اندیشہ بھی، ایک حدیث میں ارشاد

www.toobaaelibrary.com

ہے وَلَا تَهْجُرُوْ اِلَّا فِی الْبَیْتِ یعنی مکان الگ نہ کرو، اور اگر اس شریفانہ سزا و تنبیہ سے متاثر نہ ہو تو اس کو معمولی مار مارنے کی بھی اجازت ہے، جس سے اس کے بدن پر اثر نہ پڑے اور چہرے پر مارنے کو مطلقاً منع فرمایا گیا ہے ابتدائی دو شریفانہ سزاؤں کی انبیاءؑ اور صلحاء سے قولاً بھی اس کی اجازت منقول ہے اور اس پر عمل بھی ثابت ہے مگر تیسری سزا مار پیٹ کی اگرچہ بدرجۂ مجبوری ایک خاص انداز میں مرد کو اجازت دی گئی ہے مگر ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی ارشاد ہے وَلَنْ یَّضْرِبَ خِیَارُکُمْ یعنی اچھے مرد یہ مارنے کی سزا نہ دیں گے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام سے کہیں ایسا منقول نہیں۔

آیت مذکورہ کا تعلق بھی اسی قسم کے ایک واقعہ سے ہے، اس کا شان نزول یہ ہے کہ زید بن زبیرؓ نے اپنی لڑکی حبیبہؓ کا نکاح حضرت سعد بن ربیعؓ سے کر دیا تھا ان کے آپس میں کچھ اختلاف پیش آیا، شوہر نے ایک طمانچہ مار دیا، حبیبہؓ نے والد سے شکایت کی، والد انہیں لے کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے آپؐ نے حکم دے دیا کہ حبیبہؓ کو حق حاصل ہے کہ جس زور سے سعد بن ربیعؓ نے ان کے طمانچہ مارا ہے وہ بھی اتنے ہی زور سے ان کے طمانچہ ماریں، یہ سن کر دونوں سعد سے انتقام لینے چلے کہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوگئی، نزول آیت کے بعد پیغمبرؐ نے ان دونوں کو بلوا کر حق تعالیٰ کا حکم سنایا اور انتقام لینے کا پہلا حکم منسوخ فرما دیا۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہے کہ اگر ان تدابیر سہ گانہ سے وہ تابعدار ہو جائیں تو پھر تم بھی چشم پوشی سے کام لو، معمولی باتوں پر بال کی کھال نہ نکالو۔ الزام کی راہ نہ تلاش کرو، اور سمجھ لو کہ اللہ کی قدرت سب پر حاوی ہے۔

یہ ایسا مرتب نظام بتلایا گیا جس کے ذریعہ گھر کی اصلاح گھر کے اندر ہی ہو جائے، کسی تیسرے کی مداخلت کی ضرورت نہ ہو، لیکن اگر جھگڑا طول پکڑ لیتا ہے خواہ جانبین میں سے کسی کا بھی قصور ہو اس صورت میں گھر کی بات کا باہر نکلنا تو لازمی ہے، بہر حال قرآن کریم نے ایک بڑے فساد کا دروازہ بند کرنے کے لیے ارباب حکومت، یا فریقین کے اولیاء یا مسلمانوں کی کوئی مقتدر جماعت یہ کام کرے کہ ان میں باہمی مصالحت کرانے کے لیے مرد و عورت کے خاندان سے ایک ایک حکم مقرر کریں جن میں جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو یعنی ذی علم اور دیانتدار اور نیک نیت ہوں، اب یہ دونوں حکم کیا کریں گے، قرآن نے اس کا تعین نہیں فرمایا، البتہ آخر میں ایک جملہ ارشاد فرمایا: اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا یعنی اگر یہ دونوں حکم اصلاح حال کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے کام

www.toobaaelibrary.com

میں امداد فرمائیں گے، اور میاں بیوی میں اتفاق پیدا کر دیں گے، اسی سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاں باہمی مصالحت نہیں ہو پاتی تو حکمین میں سے کسی جانب اخلاص کی کمی ہوتی ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حکمین کا مقصد صرف صلح کرانا ہے بس، یہ الگ بات ہے کہ فریقین رضامند ہو کر حکمین کو اپنا وکیل مختار یا ثالث بنا دیں، اور یہ تسلیم کر لیں کہ دونوں مل کر جو فیصلہ بھی ہمارے حق میں دو گے، ہمیں منظور ہوگا، بایں صورت یہ حکمین اگر طلاق پر متفق ہوئے تو طلاق اور خلع پر متفق ہوئے تو خلع فریقین کو ماننا ہوگی، سلف میں حسن بصریؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی یہی تحقیق ہے (روح)

دوسرے نزاعات میں بھی حکم کے ذریعہ مصالحت کرانا چاہئے، خصوصاً جب کہ جھگڑنے والے باہم رشتہ دار ہوں، کیونکہ عدالتی فیصلوں سے وقتی طور پر جھگڑا ختم ہوتا ہے، دلوں میں کدورت و عداوت کے جراثیم چھوڑ جاتے ہیں حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے قاضیوں کو یہ فرمان جاری فرما دیا تھا کہ ردّوا القضاء بین ذوی الارحام حتی یصطلحوا فانّ فصل القضاء یورث الضغائن" یعنی رشتہ داروں کے مقدمات کو انہیں میں واپس کر دو تا کہ وہ خود برادری کی امداد سے آپس میں صلح کی صورت نکال لیں کیونکہ قاضی کا فیصلہ دلوں میں کینہ و عداوت پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے، (معین الاحکام ص ۲۱۴)

آخر میں حکمین کو بھی متنبہ فرما دیا کہ تم کوئی بے انصافی یا کجروی کرو گے تو تم کو بھی ایک علیم و خبیر سے سابقہ پڑنا ہے اس کو سامنے رکھو، ان اللہ کان علیماً خبیراً۔

آیت: ۳۶ تا ۳۸: ان آیات میں والدین، دوسرے رشتہ داروں، متعلقین، پڑوسیوں اور عام انسانوں کے حقوق کا کچھ تفصیلی بیان آ رہا ہے اور چونکہ یہ حقوق علیٰ سبیل الکمال وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو اللہ اور رسولؐ اور قیامت کے ساتھ عقیدہ درست رکھتا ہو، نیز بخل، کبر، ریاء سے بھی بچتا ہو، اس لیے کہ یہ امور بھی ادائے حقوق میں مانع ہوتے ہیں اس لیے ان آیات میں توحید اور ترغیب و ترہیب کے کچھ مضامین ارشاد فرمائے اور شرک، انکار قیامت، عصیان رسولؐ اور بخل وغیرہ اخلاق ذمیمہ کی مذمت بھی ذکر فرمائی۔

حقوق سے پہلے توحید کا ذکر

جس شخص کو خدا تعالیٰ کا خوف اور اس کے حقوق کا اہتمام نہ ہو اس سے اور کسی کے حقوق کے اہتمام کی کیا امید رکھی جا سکتی ہے، برادری سوسائٹی کی شرم یا حکومت کے قانون سے بچنے کے لیے ہزاروں راہیں ڈھونڈ لیتا ہے، انسان کو انسانی حقوق کے احترام پر حاضر و غائب مجبور کرنے والی چیز صرف خوف خدا اور تقویٰ ہے اور یہ

www.toobaaelibrary.com

صرف توحید ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اس لیے اولا اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کی یاددہانی مناسب تھی۔

والدین کے حقوق کو اپنے حقوق سے متصل بیان فرمایا؟ حقیقتاً تو سارے احسانات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسانات انسان پر اس کے والدین کے ہیں، پیدائش سے لے کر جوان ہونے تک تمام کٹھن مراحل میں ماں باپ ہی اس کے وجود اور پھر اس کے بقاء اور ارتقاء کے ضامن ہیں، لفظ احسان فرمایا جس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہر طرح کی مالی اور جسمانی خدمت انجام دیں مکمل ادب و احترام ملحوظ رکھیں، ان کے دوستوں اور متعلقین کے ساتھ بھی حسن سلوک کریں ان تاکیدات کے ساتھ بے انتہا فضائل اور ثواب بھی مذکور ہیں، ارشاد رسالت ہے جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق و عمر میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلۂ رحمی کرے، اللہ تعالیٰ کی رضا باپ کی رضا میں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے، جو لڑکا اپنے والدین کا مطیع ہو جب وہ اپنے والدین کو عزت و محبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو ہر نظر میں اس کو حج مقبول کا ثواب ملتا ہے، تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں لیکن والدین کی نافرمانی ودلآزاری کرنے والے کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں طرح طرح کی آفتوں میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک میں حسب استطاعت مالی اور جانی خدمت بھی داخل ہے اور ان سے ملاقات وخبر گیری بھی۔ ارشاد رسالت ہے عام مسکینوں اور فقیروں کو صدقہ دینے میں صرف صدقہ کا ثواب ہے اور اگر اپنے ذی رحم رشتہ دار کو دیا جائے تو اس میں دو ثواب ہیں، ایک صدقہ کا دوسرا صلۂ رحمی کا، (مسند احمد نسائی ترمذی) وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ یعنی لاوارث بچوں اور بیکس لوگوں کی امداد کو بھی ایسا ہی ضروری سمجھیں جیسا کہ اپنے رشتہ داروں کے لیے کرتے ہیں، وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جار ذی القربی سے رشتہ دار پڑوسی مراد ہے اس طرح اس میں دو حق جمع ہوگئے اور جار جنب سے صرف پڑوسی مراد ہے بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ جار ذی القربیٰ مسلمان پڑوسی ہے اور جار جنب غیر مسلم پڑوسی ہے، بہرحال الفاظ قرآن ان سب معانی کو محتمل ہیں، اور حقیقت کے اعتبار سے بھی درجہ میں فرق ہوجانا امر معقول اور معتبر ہے اور پڑوسی خواہ کوئی بھی ہو اس کا حق ہے ارشاد رسالتؐ ہے کہ: بعض پڑوسی وہ ہیں جن کا صرف ایک حق ہے وہ غیر مسلم ہے، بعض وہ ہیں جن کے دو حق ہیں، وہ مسلمان پڑوسی ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن کے تین حق ہیں، یہ وہ پڑوسی ہے جو مسلمان بھی ہے اور رشتہ دار بھی۔ (ابن کثیر)

www.toobaaelibrary.com

ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین ہمیشہ مجھے پڑوسی کی رعایت وامداد کی تاکید کرتے رہے، حتی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو بھی رشتہ داروں کی طرح وراثت میں شریک کردیا جائے گا۔ (بخاری ومسلم) وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ: شریعت اسلام نے جس طرح دور نزدیک کے دائمی پڑوسیوں کے حقوق واجب فرمائے اسی طرح اس شخص کا بھی حق صحبت لازم کردیا جو تھوڑی دیر کے لیے کسی مجلس یا سفر میں آپ کے برابر بیٹھا ہو، جس میں مسلم غیر مسلم رشتہ دار اور غیر سب برابر ہیں، جس کا ادنی درجہ یہ ہے کہ آپ کے قول وفعل سے اس کو ایذاء نہ پہنچے، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ شریک پیشہ بھی داخل ہے۔ (روح) وابن السبيل راہ گیر اور مسافر کا بھی حق ہے، وَمَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: اشتراک علت اور ارشادات نبویؐ کی بناء پر یہ احکام عام نوکروں اور ملازموں پر بھی حاوی ہیں، ان کا بھی یہی حق ہے کہ مقررہ تنخواہ اور کھانا وغیرہ دینے میں بخل اور دیر نہ کریں اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر کام نہ ڈالیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا: گزشتہ آٹھوں حقوق میں کوتاہی وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں تکبر اور فخر وغرور ہے اللہ محفوظ رکھے، تکبر اور جاہلی تفاخر کی وعید میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں (دیکھیے مشکوۃ ص ۴۳۳)

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ میں بیان ہے کہ جو لوگ متکبر ہوتے ہیں وہ حقوق واجبہ میں بھی بخل کرتے ہیں، آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بخل کا عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے جو بخل بالمال اور بخل بالعلم دونوں کو شامل ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود مدینہ کے حق میں نازل ہوئی تھی یہ لوگ بہت زیادہ مغرور تھے، انتہائی کنجوس تھے، اور تورات سے حاصل شدہ علوم بھی چھپاتے تھے جس میں پیغمبرؐ کی بعثت کی بشارت اور علامات کا ذکر تھا۔

انفاق کی فضیلت اور بخل کی مذمت میں پیغمبرؐ نے فرمایا: ما من يوم يصبح العباد فيه الا ملكان ينزلان فيقول احدهما اللهم اعط منفقاً خلفاً ويقول الأخر اللهم اعط ممسكاً تلفاً: (بخاری مسلم) یعنی ہر صبح کے وقت دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہتا ہے کہ: اے اللہ تعالیٰ! بھلائی کے راستہ میں خرچ کرنے والے کو اچھا عوض عطا فرما، اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! بخیل کو (مال ودولت کی) تباہی سے ہم کنار کر۔ عن اسماء قالت قال رسول الله ﷺ انفقی ولا تحصی فيحصی الله عليك ولا توعی فيوعی الله عليك وارضخی ما استطعت (بخاری مسلم) یعنی اے اسماء خیر کے راستے میں خرچ کیا کر، اور گن گن کر نہ دے ورنہ اللہ بھی تمہارے

www.toobaaelibrary.com

حق میں گننا شروع کردے گا، اور انفاق سے بچنے کے لیے بہت زیادہ حفاظت نہ برتو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی حفاظت کرنا شروع کردے گا، اور جتنا ہو سکے دینے سے دریغ نہ کر۔" خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ (ترمذی) دو عادتیں کسی مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتیں، بخل اور بداخلاقی

رِئَاءَ النَّاسِ: حدیث میں ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے (احمد بحوالہ مشکوٰۃ)

آیت: ۴۰: اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب کا کم سے کم معیار یہ ہے کہ ایک نیکی کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، پھر مختلف بہانوں سے اضافہ در اضافہ ہوتا رہتا ہے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب بیس لاکھ گنا تک زیادہ ہوجاتا ہے واللہ یضاعف لمن یشاءُ۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ سے میدان آخرت کے استحضار کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور کفار قریش کی توبیخ بھی مقصود ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے، پیغمبرؐ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ، انھوں نے عرض کیا، آپؐ مجھے سننا چاہتے ہیں حالانکہ قرآن آپ ہی پر نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا ہاں پڑھو، میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کردی اور جب فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا الخ پر پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ اب بس کرو، میں نے جب آپ کی طرف دیکھا تو آپؐ کی چشم مبارک سے آنسو بہہ رہے تھے" علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ کو اس آیت سے آخرت کا منظر مستحضر ہوگیا، اور اپنی امت کے کوتاہ عمل اور بےعمل لوگوں کی بابت خیال آیا اس سے آنسو جاری ہوگئے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ هٰؤُلَآءِ اشارہ زمانہ رسالتؐ کے کفار و منافقین کی طرف ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ قیامت تک کی پوری امت کی طرف ہے کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی امت کے اعمال آپؐ پر پیش ہوتے رہتے ہیں۔

فائدہ: قرآن کریم کے اس اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے جو اپنی کسی امت کے متعلق گواہی دے ورنہ قرآن میں اس کا اور اس کی شہادت کا ذکر ہوتا اس اعتبار سے یہ آیت ختم نبوت کی دلیل بھی ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: میدان حشر میں جب کفار دیکھیں گے کہ تمام جانور ایک دوسرے کا بدلہ لینے دینے کے بعد مٹی بنادیے گئے تو ان کو حسرت ہوگی اور تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہوجاتے جیسا کہ سورہ نبا میں فرمایا: وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا۔

www.toobaaelibrary.com

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا : حضرت ابن عباسؓ سے الفاظ قرآنی "واللّٰہ ربّنا ما کنّا مُشرِکِیْنَ" کہ ہم نے شرک نہیں کیا۔ کو پیش کرکے پوچھا گیا کہ بظاہر دونوں میں تعارض ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہوگا یوں کہ جب شروع میں کفار یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے سوا کوئی جنت میں جاتا ہی نہیں تو وہ یہ طے کرلیں گے کہ ہمیں اپنے شرک اور اعمال بد کا انکار ہی کردینا چاہئے ہوسکتا ہے اس طرح ہم نجات پاجائیں، لیکن اس انکار کے بعد خود ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے اور چھپانے کا جو مقصود انہوں نے بنایا تھا اس میں بالکل ناکام ہوجائیں گے اس وقت سب اقرار کرلیں گے، اس لیے فرمایا وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۝ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاۗىِٕكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓي اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ (یعنی ایسی حالت میں نماز مت پڑھو) کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو (اس وقت تک نماز مت پڑھو، مطلب یہ ہے کہ ادائے نماز تو اپنے اوقات میں فرض ہے اور یہ حالت ادائے نماز کے منافی ہے، پس اوقات صلوٰۃ میں نشہ کا استعمال مت کرو، کبھی تمہارے منہ سے نماز میں کوئی کلمہ خلاف نہ نکل جائے) اور حالت جنابت میں بھی (یعنی

www.toobaaelibrary.com

جب کہ غسل فرض ہو) باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت کے (کہ اس کا حکم عنقریب آتا ہے،
نماز کے پاس مت جاؤ) یہاں تک کہ غسل کرلو (یعنی غسل جنابت شرائط صحت نماز سے ہے، اور یہ حکم
یعنی جنابت کے بعد بدون غسل نماز نہ پڑھنا حالت عدم عذر میں ہے) اور اگر تم (کچھ عذر رکھتے ہو
مثلاً) بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو جیسا کہ آگے آتا ہے) یا حالت سفر میں ہو (جو اوپر مستثنیٰ ہوا ہے
کہ اس کا حکم بھی آوے گا، یعنی اور پانی نہیں ملتا، جیسا آگے آتا ہے تو ان دونوں عذروں سے تیمم کی
اجازت ہوتی ہے، اور جواز تیمم کچھ انہی مذکور عذروں یعنی سفر و مرض کے ساتھ خاص نہیں بلکہ خواہ تم کو
خاص یہ عذر ہوں) یا (یہ کہ عذر خاص نہ ہوں یعنی نہ تم مریض ہو نہ مسافر، بلکہ ویسے ہی کسی کا وضو یا غسل
ٹوٹ جاوے اس طرح سے کہ مثلاً) تم میں سے کوئی شخص (پیشاب یا پاخانہ کے) استنجے سے (فارغ
ہو کر) آیا ہو (جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو (جس سے غسل ٹوٹ گیا
ہو اور) پھر (ان ساری صورتوں میں خواہ اس لیے کہ وہاں پانی ہی موجود نہیں، خواہ سفر ہو یا نہ ہو) تو
(ان سب حالتوں میں) تم پاک زمین سے تیمم کرلیا کرو (یعنی اس زمین پر دوبارہ ہاتھ مار کر) اپنے
چہروں اور ہاتھوں پر (ہاتھ) پھیر لیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے بخشنے والے
ہیں (اور جس کی ایسی عادت ہوتی ہے وہ آسان حکم دیا کرتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے
آسان حکم دیدئے کہ تم کو تکلیف و تنگی نہ ہو۔اے مخاطب) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا (یعنی
دیکھنے کے قابل ہیں دیکھو تو تعجب کرو) جن کو کتاب (اللہ یعنی توریت کے علم) کا ایک بڑا حصہ ملا ہے
(یعنی توریت کا علم رکھتے ہیں باوجود اس کے) کہ وہ لوگ گمراہی (یعنی کفر) کو اختیار کر رہے ہیں اور
(خود تو گمراہ ہوئے ہی تھے مگر وہ) یوں چاہتے ہیں کہ تم (بھی) راہ (راست) سے (علیحدہ ہو کر) بے
راہ ہو جاؤ (یعنی طرح طرح کی تدبیریں اس کی کرتے ہیں جیسا کہ تیسرے پارہ کے آخر اور چوتھے
کے شروع میں کچھ ذکر ہو بھی چکا ہے) اور (تم کو اگر ان لوگوں کی اب تک خبر نہ ہو تو کیا ہوا) اللہ تعالیٰ
(تو) تمہارے (ان) دشمنوں کو خوب جانتے ہیں (اس لیے تم کو بتلا دیا سو تم ان سے بچتے رہو) اور
(ان کا حال مخالفت کا سن کر زیادہ فکر میں بھی نہ پڑ جانا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ (تمہارا) کافی رفیق ہے
(کہ تمہاری مصلحتوں کی رعایت رکھے گا) اور اللہ تعالیٰ (تمہارے لیے) کافی حامی ہے (کہ ان کی
مضرتوں سے تمہاری حفاظت کرے گا اور) یہ لوگ (جن کا ذکر ہو چکا ہے) یہودیوں میں سے ہیں
(اور ان کا گمراہی کو اختیار کرنا جو اوپر آچکا ہے یہ ہے کہ) کلام (الٰہی یعنی توریت) کو اس کے مواقع

www.toobaaelibrary.com

(اور محل) سے (لفظاً یا معنیً) دوسری طرف پھیر دیتے ہیں اور (ایک گمراہی ان کی جس میں دھوکہ سے دوسرے سادہ ذہن شخص کا پھنس جانا بھی ممکن ہے یہ ہے کہ وہ رسول اللہؐ سے بات چیت کرتے وقت) یہ کلمات کہتے ہیں (جو آگے مذکور ہوتے ہیں، ان کلمات کے دو دو معنی ہیں ایک اچھے اور ایک بُرے، وہ لوگ بُرا مطلب لیتے تھے اور دوسروں پر ظاہر کرتے تھے کہ ہم اچھے مطلب سے کہتے ہیں، اور اس سے کسی مسلمان کا دھوکہ میں آکر بعضے ایسے کلمات سے حضورؐ سے خطاب کرنا بعید نہ تھا، چنانچہ سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۲ میں مؤمنین کو لفظ رَاعِنَا سے ممانعت فرمائی گئی ہے، پس اس اعتبار سے یہود کا ان کلمات کو کہنا ایک گونہ دوسروں کو گمراہ کرنا بھی ہے، گو لفظاً ہی ہو، پس اس میں یُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوْا کا لفظ جو کہ اوپر آیا ہے بیان بھی ہو گیا، جیسا کہ مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا میں بیان تھا اَلَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا کا اور یُحَرِّفُوْنَ میں بیان تھا یَشْتَرُوْنَ کا ان کلمات میں سے ایک یہ ہے) سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا، اس کا ترجمہ تو یہ ہے کہ ہم نے سن لیا اور مانا نہیں، اس کا اچھا مطلب تو یہ ہے کہ آپ کا ارشاد ہم نے سن لیا اور کسی آپؐ کے مخالف کا قول جو کہ ہم کو بہکاتا تھا نہیں مانا" اور بُرا مطلب ظاہر ہے کہ ہم نے آپؐ کی بات کو سن تو لیا مگر ہم عمل نہ کریں گے) اور (دوسرا کلمہ یہ ہے) اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ (اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تم ہماری بات سنو اور خدا کرے تم کو کوئی بات سنائی نہ جاوے، اس کا اچھا مطلب تو یہ کہ تم کو کوئی مخالف اور رنج دہ بات نہ سنائی جاوے، بلکہ آپ کا ایسا اقبال رہے کہ جو بات فرمائیں سب اس کے جواب میں موافق ہی بات آپ کو سنائیں، اور بُرا مطلب یہ ہے کہ تم کو کوئی موافق اور مسرت بخش بات نہ سنائی جائے بلکہ آپؐ جو بات کہیں اس کا جواب مخالف ہی آپؐ کے کان میں پڑے) اور (تیسرا کلمہ یہ ہے) رَاعِنَا (اس کے دونوں اچھے اور بُرے مطلب سورہ بقرہ میں گزر چکے ہیں، کہ اچھے معنی تو یہ ہیں کہ ہماری رعایت کیجئے اور بُرے معنی لغت یہود میں دشنام ہے، غرض ان کلمات کو) اس طور پر (کہتے ہیں) اپنی زبانوں کو (لہجۂ توقیر سے لہجۂ تحقیر کی طرف) پھیر کر اور (دل سے) دین میں طعنہ زنی (اور تحقیر ہی) کی نیت سے (وجہ یہ ہے کہ نبی کے ساتھ طعن واستہزاء عین دین کے ساتھ طعن وتمسخر ہے) اور اگر یہ لوگ (بجائے دو معنی دینے والے الفاظ کے) یہ کلمات کہتے (بجائے سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا، کے) سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا) اور (بجائے اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ کے صرف) اِسْمَعْ (جس کے معنی خالی یہ ہیں کہ آپ سن لیجئے) اور (بجائے رَاعِنَا کے) اُنْظُرْنَا (جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری مصلحت پر نظر فرمایئے، اور یہ کلمات معنی شرارت

www.toobaaelibrary.com

سے پاک ہیں تو اگر یہ کلمات کہتے) تو یہ بات ان کے لیے بہتر (اور نافع بھی) ہوتا اور (حقیقت میں بھی) موقع کی بات تھی مگر (انہوں نے تو ایسے نفع اور موقع کی بات کہی ہی نہیں، بلکہ وہی بیہودہ بات بکتے رہے اس لیے ان کو یہ تکلیف پہنچی کہ) ان کو خدا تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب (جس میں یہ کلمات بھی آگئے اور بھی ان کے سب اقوال وافعال کفریہ داخل ہوگئے، پس ان سب کفریات کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو) اپنی رحمت (خاصہ) سے دور پھینک دیا اور وہ ایمان نہ لاویں گے ہاں مگر تھوڑے سے آدمی (بوجہ اس کے کہ وہ ایسی حرکتوں سے دور رہے وہ دوری رحمت خاصہ سے مستثنیٰ ہیں اور وہ ایمان بھی لے آئے جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ) اے لوگوں جو کتاب (توریت) دیئے گئے ہو تم اس کتاب (یعنی قرآن) پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے، (اور تم کو اس پر ایمان لانے سے وحشت نہ ہونا چاہئے، کیونکہ ہم نے اس کو) ایسی حالت پر (نازل فرمایا) کہ وہ سچ بتلاتی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے (یعنی تمہاری اصل کتاب کے لیے وہ مصدق ہے، باقی تحریف کا حصہ اس سے الگ ہے سو تم قرآن پر) اس (امر غیر یقینی کے ہونے) سے پہلے پہلے (ایمان لے آؤ) کہ ہم (تمہارے) چہروں (پر کے نقش و نگار یعنی آنکھ ناک وغیرہ) کو بالکل مٹا ڈالیں اور ان (چہروں) کو ان کی الٹی جانب (یعنی گدی) کی طرح (صفاچٹ) بنادیں یا ان (ایمان نہ لانے والوں) پر ہم ایسی (خاص طور کی) لعنت کریں جیسی لعنت ان ہفتہ والوں پر کی تھی (جو یہود میں گزر چکے ہیں، جن کا ذکر سورۂ بقرہ میں آچکا ہے، یعنی ان کی طرح ان کو بھی بندر کی شکل بنادیں) اور اللہ تعالیٰ کا (جو) حکم (صادر ہو جاتا ہے وہ) پورا ہی ہو کر رہتا ہے (سو اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان نہ لانے پر اگر اس مسخ کا حکم دینگے، پھر یہ ضروری ہو جائے گا، لہٰذا تم کو ڈرنا چاہئے اور ایمان لے آنا چاہئے) بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو (سزا دے کر بھی) نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے (بلکہ ہمیشہ دائمی سزا میں مبتلا رکھیں گے) اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں (خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ) جس کے لیے منظور ہو گا (بلاسزا) وہ گناہ بخش دیں گے، (البتہ اگر وہ مشرک مسلمان ہو جائے تو پھر مشرک ہی نہ رہا اب وہ سزا دائمی بھی نہ رہے گی) اور (وجہ اس شرک کے نہ بخشنے کی یہ ہے کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا (جو اپنے عظیم ہونے کی وجہ سے قابل مغفرت نہیں) (اے مخاطب) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا (یعنی تعجب کے قابل ہیں) جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں (ان کے بتلانے سے کچھ نہیں ہوتا) بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں مقدس بتلادیں (یہ البتہ قابل اعتبار ہے اور

www.toobaaelibrary.com

اللہ تعالیٰ قرآن میں مؤمن کو مقدس بتلا چکے ہیں، جیسے سورۂ سَبِّحِ اسْمَ میں اَلْاَشْقَی یعنی کافر کے مقابلہ میں مؤمن کی نسبت فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی، پس وہی مقدس ہوگا نہ کہ کفر کرنے والے جیسے یہود ہیں) اور (ان یہود کو قیامت میں اس جھوٹے دعوے کا جس کا سبب کفر کو ایمان سمجھنا ہے، جو سزا ہوگی اس سزا میں) ان پر تاگے کی برابر بھی ظلم نہ ہوگا (یعنی وہ سزا ان کے جرم سے زیادہ نہیں ہے، بلکہ ایسے جرم پر ایسی سزا لائق ہے، ذرا) دیکھ لو (اس دعویٰ میں) یہ لوگ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں (کیونکہ جب وہ باوجود کفر کے اللہ کے ہاں مقبول ہونے کے مدعی ہیں تو اس سے صاف لازم آتا ہے کہ کفر اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے، حالانکہ یہ محض تہمت ہے، اس لیے کہ تمام شرائع میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمادی ہے کہ کفر ہمارے نزدیک سخت ناپسند اور مردود ہے) اور یہ بات (کہ خدا پر تہمت لگائی جائے) صریح مجرم ہونے کے لیے کافی ہے، (پھر کیا ایسی صریح بڑی بات پر ایسی سزا کچھ ظلم و زیادتی ہے)۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت:۴۳: **شان نزول:** ترمذی شریف میں حضرت علیؓ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی ایک دعوت میں مے نوشی کا بھی انتظام تھا جب یہ سب حضرات صحابہ کھا پی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا، اور حضرت علیؓ کو امام بنا دیا گیا، ان سے بوجہ نشہ کے قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ کی تلاوت میں سخت غلطی ہوگئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شراب کی حرمت سے متعلق تفصیلی مضمون سورہ بقرہ آیت:۲۱۹، کے ذیل میں گذر چکا ہے، وہاں دیکھئے۔

تیمم کو وضو کے قائم مقام کردیا گیا، زمین اور مٹی کس قدر سہل الحصول ہے، یہ ایک انعام ہے جو امت محمدیہ کی خصوصیت ہے، تیمم کے ضروری مسائل فقہ کی کتب ورسائل میں دیکھئے۔

آیات:۴۴ تا ۴۶: ان آیات سے مخالفین کے ساتھ معاملات کا ذکر فرمایا گیا ہے، جس میں یہود کی شرارت کا علاج اور مسلمانوں کو الفاظ وعنوان میں بھی ادب کی رعایت کی تلقین کی گئی ہے۔

فَنَرُدَّهَا عَلٰۤی اَدْبَارِهَاۤ: الٹنے میں دونوں احتمال ہیں کہ چہرے کے نقش ونگار کو مٹا کر پورے چہرے کو پیٹھ کی طرف الٹ دیں، اور یہ بھی ممکن ہے، کہ چہرے کو گدی کی طرح سپاٹ کردیں۔ (مظہری روح المعانی)

یہ طمس اور مسخ کب ہوا؟ بعض نے کہا کہ یہ عذاب قیامت سے قبل یہود پر ہوگا، بعض نے کہا کہ

www.toobaaelibrary.com

یہ عذاب اس لیے واقع نہیں ہوا کہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لے آئے تھے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سرے سے سوال ہی واقع نہیں ہوتا کیونکہ قرآن میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو طمس اور مسخ کا عذاب ضرور واقع ہوگا، بلکہ احتمال ہے، یعنی اگر ان کے جرم کو دیکھا جائے تو وہ اس سزا کے مستحق ہیں اور اگر عذاب نہ دیں تو یہ ان کی رحمت ہے۔

آیت :۴۹: اپنی یا دوسری کی مدح سرائی اور عیوب سے پاک ہونے کا دعویٰ جائز نہیں، یہ ممانعت تین وجہ سے ہے (۱) اپنی مدح کا سبب اکثر کبر ہوتا ہے تو حقیقت میں ممانعت کبر سے ہوئی، (۲) خاتمہ کا حال اللہ کو معلوم ہے اس لیے خود کو مقدس بتلانا خوف الٰہی کے خلاف ہے، چنانچہ ایک روایت میں حضرت زینب بنت ابی سلمہ فرماتی ہیں، کہ پیغمبر نے مجھ سے میرا نام دریافت فرمایا؟ میں نے اپنا اس وقت کا نام بَرَّہ (گناہوں سے پاک) بتلایا تو آپ نے فرمایا: لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ، اللہ اعلم بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ سَمُّوْهَا زَيْنَبَ (مشکوۃ) یعنی تم اپنے آپ گناہوں سے پاکی بیان نہ کرو کیوں کہ یہ علم صرف اللہ ہی کو ہے کہ تم میں سے کون پاک ہے پھر بَرَّہ کے بجائے آپ نے زینب رکھا، (مظہری) ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات اس دعوے سے لوگوں کو یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ یہ آدمی اللہ کے یہاں اس لیے مقبول ہے کہ یہ تمام نقائص وعیوب سے پاک ہے، جب کہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ بہت سے عیوب بندہ میں ہوتے ہیں، (بیان القرآن)

مسئلہ: اگر مذکورہ عوارض نہ ہوں تو نعمت کے اظہار کے طور پر اپنی صفت بیان کرنے کی اجازت ہے (بیان القرآن)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ○ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ○ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ○ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۚ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

www.toobaaelibrary.com

مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا
ظَلِيلًا ۝ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا
بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ
وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

(اے مخاطب) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب (الٰہی یعنی توراۃ کے علم) کا ایک حصہ ملا ہے (پھر باوجود اس کے) دمت اور شیطان کو مانتے ہیں (کیونکہ مشرکین کا دین بت پرستی اور شیطان کی پیروی تھا جب ایسے دین کو اچھا بتلایا تو بت اور شیطان کی تصدیق لازم آئی) اور وہ لوگ (یعنی اہل کتاب) کفار (یعنی مشرکین) کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت ان مسلمانوں کے زیادہ راہِ راست پر ہیں (یہ تو انہوں نے صراحۃً ہی کہا تھا) یہ لوگ (جنہوں نے کفر کے طریقہ کو اسلامی طریقہ سے افضل بتلایا) وہ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ملعون بنایا ہے (اسی ملعون ہونے کا تو اثر ہے کہ ایسے بیباک ہو کر کفریات بک رہے ہیں) اور خدا تعالیٰ جس کو ملعون بنادے اس کا (عذاب کے وقت) کوئی حامی نہ پاؤ گے (مطلب یہ ہے کہ اس پر ان کو آخرت میں یا دنیا میں بھی سخت سزا ہوگی، چنانچہ دنیا میں بعضے قتل، بعضے قید، بعضے ذلیل رعایا ہوئے اور آخرت میں جو ہونے والا ہے وہی ہوگا) ہاں کیا ان کے پاس کوئی حصہ ہے سلطنت کا سو ایسی حالت میں تو اور لوگوں کو ذرا سی چیز بھی نہ دیتے یا دوسرے آدمیوں سے (جیسے رسول اللہ ﷺ سے) ان چیزوں پر جلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں سو (آپ کو ایسی چیز مل جانا کوئی نئی بات نہیں کیونکہ) ہم نے (پہلے سے) حضرت ابراہیمؑ کے خاندان (والوں) کو کتاب (آسمانی) بھی دی ہے اور علم بھی دیا ہے اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے (چنانچہ بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء گذرے ہیں، بعض انبیاء سلاطین بھی ہوئے جیسے حضرت یوسفؑ وحضرت داؤد علیہ السلام، اور حضرت داؤدؑ کا کثیر الازدواج ہونا بھی معلوم ومشہور ہے، اور یہ سب اولادِ ابراہیم میں ہیں، سو جب کہ رسول اللہ ﷺ بھی اولادِ ابراہیم سے ہیں، تو آپ کو یہ نعمتیں وعطیات مل گئے تو تعجب کی کیا بات ہے) سو (ان انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بھی جو کہ خاندانِ ابراہیمؑ سے گذر چکے ہیں جو لوگ موجود تھے) ان میں سے بعضے تو اس (کتاب وحکمت) پر ایمان لائے، اور بعضے ایسے تھے کہ اس سے روگرداں ہی رہے (پس اگر

www.toobaaelibrary.com

آپ ﷺ کی رسالت وقرآن پر بھی آپ کے زمانہ کے بعضے لوگ ایمان نہ لائیں تو کوئی رنج کی بات نہیں) اور (ان کفار معترضین کو اگر دنیا میں سزا کم بھی ہو یا نہ ہو تو کیا ہوا ان کے لیے آخرت میں) دوزخ کی آتش سوزاں (سزا) کافی ہے۔ بلا شک جو لوگ ہماری آیات (واحکام) کے منکر ہوئے (ہم ان کو) عنقریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے (اور وہاں ان کی برابر یہ حالت رہے گی کہ) جب ایک دفعہ ان کی کھال (آگ سے) جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری (تازی) کھال پیدا کردیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب ہی بھگتتے رہیں (کیونکہ پہلی کھال میں جلنے کے بعد شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید اس میں ادراک واحساس نہ رہے اس لیے شبہ قطع کرنے کے لیے یہ سنا دیا) بلا شک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (کہ وہ ایسی سزا دے سکتے ہیں اور) حکمت والے ہیں (اس لیے باوجود قدرت کے جلی ہوئی کھال کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں، پھر بھی کسی حکمت سے بدل دیا جیسے کہ ایک حکمت کا بیان ابھی ہوا ہے) اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے (محلات کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے واسطے ان (باغوں) میں پاک صاف بیبیاں ہونگی اور ہم ان کو نہایت گنجان سایہ (کی جگہ) میں داخل کریں گے۔ (اے اہل حکومت خواہ تھوڑوں پر حکومت ہو خواہ بہتوں پر) بیشک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق (جو تمہارے ذمہ ہیں) پہنچا دیا کرو اور (تم کو) یہ (بھی حکم دیتے ہیں) کہ جب (محکوم) لوگوں کا تصفیہ کیا کرو (ایسے حقوق میں جو ان میں باہم ایک دوسرے کے ذمہ ہیں) تو عدل (انصاف) سے تصفیہ کیا کرو، بیشک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے، (دنیا کے اعتبار سے بھی... کہ اس میں استحکام حکومت ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی کہ موجب قرب وثواب ہے) بلا شک اللہ تعالیٰ (تمہارے اقوال کو جو در بارۂ امانت وتصفیہ تم سے صادر ہوتے ہیں) خوب سنتے ہیں (اور تمہارے افعال کو جو اس باب میں تم سے واقع ہوتے ہیں) خوب دیکھتے ہیں (تو اگر کمی وکوتاہی کرو گے مطلع ہو کر تم کو سزا دیں گے، یہ خطاب تو حکام کو ہوا، آگے محکومین کو ارشاد ہے کہ) اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور رسول (ﷺ) کا کہنا مانو (اور یہ حکم تو تمہارے اور حکام سب کے لیے عام ہے) اور تم (مسلمانوں) میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی (کہنا مانو اور یہ حکم خاص ہے تم محکومین کے ساتھ) پھر (اگر ان کے احکام کا اللہ اور رسول ﷺ کے کہے ہوئے کے خلاف نہ ہونا محکوم وحاکم دونوں کے اتفاق معتبر سے ثابت ہو تو خیر اس میں تو حکام کی اطاعت کرو گے ہی اور)

www.toobaaelibrary.com

اگر (ان کے احکام میں سے) کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو (کہ یہ اللہ و رسول ؐ کے کہے ہوئے کے خلاف ہے یا نہیں) تو (رسول اللہ ؐ کی حیات میں تو آپ ؐ سے پوچھ کر اور بعد آپ ؐ کی وفات کے ائمہ مجتہدین وعلماء دین سے رجوع کر کے) اس امر کو (کتاب) اللہ اور (سنت) رسول (ﷺ) کی طرف حوالہ کرلیا کرو (اور ان حضرات سے جیسا فتویٰ ملے اس پر سب محکوم وحکام عمل کرلیا کرو) اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو (کیونکہ اس ایمان کا مقتضیٰ یہی ہے کہ یوم قیامت میں اللہ تعالیٰ کی دارو گیر جو کہ مخالفت کرنے پر ہونے والی ہے ڈریں) یہ امور (جو مذکور ہوئے، اطاعت اللہ کی، رسول کی، اولی الامر کی، حوالہ کرنا تنازعات کا کتاب وسنت کی طرف) سب (دنیا میں بھی) بہتر ہیں اور (آخرت میں بھی) ان کا انجام خوشتر ہے (کیونکہ دنیا میں امن وراحت اور آخرت میں نجات وسعادت ہیں)

تلخیص معارف ومسائل

ربط: یہود کی بری خصلتوں کے ذکر سے متعلق یہ آیات ہیں۔ **الجبت والطاغوت؟** حضرت ابن عباسؓ، ابن جبیر اور ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ "جبت" حبشی لغت میں ساحر کو کہتے ہیں، اور طاغوت سے مراد کاہن ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جبت سے مراد سحر ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے، مالک بن انس سے منقول ہے کہ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے ان سب کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ مالک بن انس کا قول پسندیدہ ہے، کیونکہ اس کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے: اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں، اصلاً تو جبت بت ہی کا نام تھا بعد میں اس کا استعمال اللہ کے سوا دوسری عبادت کی جانے والی چیزوں پر بھی ہونے لگا۔ (روح)

ان آیات کا شان نزول: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہود کے سردار حی بن اخطب اور کعب ابن اشرف اپنی ایک جماعت کو لیکر جنگ احد کے بعد مکہ میں قریش سے ملنے؟ نے کعب بن اشرف ابوسفیان کے پاس آیا اور اس نے پیغمبرؐ کے خلاف ان کے ساتھ تعاون کرنے کا وعدہ کیا اہل مکہ نے کعب سے کہا کہ تم ایک دھوکہ باز قوم ہو، اگر تم واقعی اپنے قول میں سچے ہو تو ہمارے ان دو بتوں (جبت اور طاغوت) کے سامنے سجدہ کرو۔ اس نے قریش کو مطمئن کرنے کے لیے ایسا ہی کیا، اور پھر کعب کی تجویز پر جانبین کا ایک متحدہ محاذ پیغمبرؐ کے خلاف جنگ کے لیے قائم کردیا اس کے بعد ابوسفیان نے کعب سے کہا کہ تم اہل علم وکتاب ہو ہم بالکل جاہل ہیں، اس لیے ہمارے متعلق بتائیں کہ ہم حق پر چلنے والے ہیں یا محمد (ﷺ)

کعب نے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا ہم حج کے لیے اپنے اونٹوں کو ذبح

www.toobaaelibrary.com

کرتے اور ان کا دودھ پلاتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اپنے خویش واقربا کے تعلقات کو قائم رکھتے ہیں، اور بیت اللہ کا طواف وغیرہ کرتے ہیں، اس کے برخلاف محمد (ﷺ) نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے، وہ اپنوں سے علیحدہ ہو چکا ہے، اور اس نے ہمارے دین کے خلاف اپنا ایک نیا دین پیش کیا ہے، یہ باتیں سن کر کعب نے کہا کہ تم لوگ حق پر ہو، محمد (ﷺ) گمراہ ہو چکا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرما کر ان کے دجل وفریب کی مذمت کی (روح)

دیکھیے، نفسانی خواہشات بعض اوقات آدمی کو کیسا دین وایمان سے محروم کر دیتی ہیں۔

قرآن عزیز نے ایک دوسرے مقام پر اسی قسم کا واقعہ موسیٰؑ کے زمانے کے ایک بڑے عالم اور صاحب تصرف درویش بلعم بن باعوراء کے بارے میں بیان کیا ہے وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا الخ (اعراف آیت ۱۷۵) اس نے حضرت موسیٰؑ کے خلاف ناپاک تدبیریں شروع کیں، ان کا تو کچھ بگاڑ نہ سکا لیکن خود مردود اور گمراہ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف کتاب کا علم کچھ نافع نہیں ہو سکتا جب تک صحیح معنی میں اس کا مکمل اتباع نہ ہو، آج کل بھی بعض لوگ اس قسم کے ہیں کہ مادی اور سیاسی اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے اپنے مسلک حق کو آسانی سے چھوڑ دیتے ہیں۔

لعنت اللہ کی رحمت سے دوری کا نام ہے، اسکے بارے میں سخت وعیدیں ہیں، فرمایا، مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا۔ نیز دنیاوی رسوائی کیساتھ آخرت کی رسوائی تو اس سے بھی سخت ہوگی۔

مستحقین لعنت کون؟ احادیث میں ارشاد ہے: سود دینے والے، سود کھانے والے، اس کے لکھنے والے، اس کی گواہی دینے والے، قوم لوط جیسا عمل کرنے والے، چور جو انڈے اور رسی جیسی حقیر چیز تک سے گریز نہیں کرتا، ان عورتوں کو جو جسم کو گودنے والی یا گدوانے والی ہو، تصویر کھینچنے والے، شراب پر، اس کے پینے اور پلانے والے پر، بیچنے اور خریدنے والے پر، نچوڑنے والے پر، اٹھانے والے اور منگوانے والے سب پر، اللہ کی کتاب پر زیادتی کرنے والے پر، جبر وقہر سے اقتدار حاصل کر کے ذلیل کو عزت دینے اور عزت دار کو ذلیل کرنے والے پر۔ اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والے پر اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنے والے پر، میری اولاد میں وہ آدمی جو محرمات کو حلال کرنے والا ہو، اور میری سنت کو چھوڑنے والے پر، ان چھٹوں پر میں نے بھی لعنت کی ہے اور اللہ نے بھی اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے، جو کوئی نامحرم پر بری نظر ڈالے اور جس کے اوپر نظر ڈالے، (بشرطیکہ یہ نظر بالقصد پڑی ہو) ایسے مرد پر جو عورت کا سا لباس

www.toobaaelibrary.com

پہنے، اور ایسی عورت پر جو مرد کا سا لباس پہنے، ایسے مرد جو زنانہ پن اختیار کریں، اور ایسی عورتیں جو مردانہ پن اختیار کریں، ارشاد فرمایا ان کو اپنے گھروں سے نکال دو اور جو عورتیں اپنے ابرو کے بال چنتی ہیں (تا کہ بھویں باریک ہو جائے) ان عورتوں پر خدا کی لعنت ہو جو حسن کے لیے دانتوں کے درمیان کشادگی کرتی ہیں جو اللہ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں۔

لعنت کے احکام

لیکن اسی کے ساتھ لعنت کرنے پر بہت سی پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں، کسی مسلمان پر لعنت کرنا حرام ہے، اور کافر پر بھی صرف اس صورت میں جب کہ اس کا کفر پر مرنا یقینی ہو، ارشاد رسالتؐ ہے مؤمن وہ نہیں جو طعنہ باز ہو، لعنت باز ہو اور بدگو ہو، (ترمذی) ارشاد ہے کہ "جب بندہ کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے، جس پر آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف اترتی ہے تو زمین کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، (یعنی زمین اس کو قبول نہیں کرتی) پھر وہ دائیں بائیں گھومتی ہے کہیں اس کو راستہ نہیں ملتا تو لعنت کی جانے والے کے پاس پہنچتی ہے اگر وہ واقعی لعنت کا مستحق ہے تو اس پر پڑتی ہے ورنہ پھر اپنے کہنے والے پر پڑ جاتی ہے۔" (ابوداؤد، بحوالہ مشکوٰۃ)

فاسق پر بھی لعنت جائز نہیں، علامہ شامیؒ نے اسی اصول بالا کی بناء پر یزید پر لعنت کرنے سے منع کیا ہے (شامی ج ۳ ص ۸۳۶) کسی کا نام لیے بغیر کہ ظالموں پر یا جھوٹوں پر لعنت ہو اللہ کی اس طرح جائز ہے لعنت کے شرعاً معنی ہیں کفار کے حق میں اللہ کی رحمت سے دوری کے، مؤمنین کے حق میں صلحاء کے درجے سے نیچے گرنے کے ہیں، اس لیے کسی مسلمان کے لیے اس کے نیک عمل کم ہو جانے کی دعا بھی جائز نہیں۔

آیت: ۵۳-۵۴: ان آیتوں میں یہودیوں کے حسد کرنے اور بغض کرنے پر شدید مذمت ہے، اور اس کی نامعقولیت دو وجہوں سے بیان کی گئی ہے جن کا حاصل ایک ہی ہے یعنی تمہارا حسد کس بات پر ہے، کیا تمہاری سلطنت ان کو مل گئی، ایسا تو ہے نہیں، تم تو خود محروم ہو، اور اس لیے حسد ہے کہ ان کو ملی ہی کیوں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ان انبیاء کے خاندان سے ہیں جن میں سلطنت پہلے سے ہوتی آئی ہے، اس لیے کسی اجنبی جگہ نہیں گئی، تمہارا حسد کرنا نامعقول ہے۔

حسد کی تعریف اور اس کی مضرتوں کا بیان

دوسرے آدمی کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے اور یہ حرام ہے (نووی مسلم ج ۲) ارشاد رسالتؐ ہے ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل

www.toobaaelibrary.com

النار الحطب (ابوداود، مشکوٰۃ) تم حسد سے بچو اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ نیز ارشاد ہے کہ تمہاری طرف (بھی) پہلی قوموں کا مرض چپکے سے چل پڑا ہے اور وہ حسد ہے، اور بغض ایسی خصلت ہے جو مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے" (احمد، ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ)

حسد خواہ دنیاوی کمال پر ہو یا دینی کمال پر دونوں حرام ہیں، مِنَ الملك اور الكتاب والحكمة سے دونوں طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

آیت: ۵۶: حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ یہ کھال کی تبدیلی کا کام اتنی سرعت سے ہوگا کہ ایک ساعت میں سو مرتبہ تبدیل کی جائے گی، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، آگ ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ ان کو کھائے گی، جب ان کو کھا چکے گی تو ان سے کہا جائے گا کہ تم پھر پہلی حالت پر لوٹ جاؤ، پس وہ لوٹ جاتے ہیں۔

آیت: ۵۷: ازواجٌ مطهرة: ارشاد رسالتؐ ہے کہ جنت کی عورتیں حیض، بول و براز اور ناک سے بہنے والی کدورت سے پاک ہوں گی نیز مجاہدؒ نے اضافہ یہ فرمایا کہ وہ بچے پیدا کرنے اور ناپاک نطفے سے بھی پاک ہوں گی (مظہری)

ظِلًّا ظَلِيلًا یعنی دائمی اور گھنا سایہ ہوگا، ارشاد رسالتؐ ہے: تحقیق کہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سایہ کو ایک سوار سو سال میں بھی طے نہ کر سکے گا اگر آپ چاہیں تو یہ آیت وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ پڑھیں، ربیع ابن انس نے فرمایا کہ اس سے مراد عرش کا سایہ ہے جو کبھی زائل نہیں ہوگا۔

آیت: ۵۸: شان نزول: کعبۃ اللہ کی خدمت اسلام سے پہلے بھی بڑی عزت کی جاتی تھی، زمانہ حج میں حجاج کو زمزم پلانے یعنی سقایہ کی خدمت آپؐ کے عم محترم حضرت عباسؓ کے سپرد تھی وغیرہ، اسی طرح بیت اللہ کی کنجی رکھنا اور مقررہ ایام میں کھولنا بند کرنا عثمان بن طلحہ سے متعلق تھا، عثمان بن طلحہ کا بیان ہے کہ ہجرت سے پیغمبرؐ اپنے کچھ صحابہؓ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے تشریف لائے، انہوں نے جانے سے روکا اور انتہائی ترشی دکھائی، آپ نے بردباری کے ساتھ ان کے سخت کلمات کو برداشت کیا، پھر فرمایا اے عثمان تم ایک روز بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، جب کہ مجھے اختیار ہوگا کہ جسے چاہوں سپرد کروں، بہرحال آپؐ اندر تشریف لے گئے جب مکہ فتح ہوا تو مجھے بلا کر کنجی طلب فرمائی، میں نے پیش کر دی جب آپؐ داخل ہو کر اور وہاں نماز ادا کر کے باہر تشریف لائے تو پھر

www.toobaaelibrary.com

کنجی مجھے واپس کرتے ہوئے فرمایا، کہ لو اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان کے پاس قیامت تک رہے گی، جو تم سے لے گا وہ ظالم ہوگا، جب میں کنجی لے کر خوشی خوشی چلنے لگا تو آپ ؐ نے پھر مجھے آواز دے کر فرمایا کیوں عثمان! جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں، میں نے عرض کیا، بے شک آپ ؐ کا ارشاد پورا ہوا اور میں اس وقت مسلمان ہو گیا، (مظہری)

حضرت فاروق اعظم ؓ فرماتے ہیں کہ اس روز جب آپ ؐ بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت آپ کی زبان پر تھی، اس سے پہلے میں نے یہ آیت کبھی آپ ؐ سے نہ سنی تھی۔ اسی آیت کی تعمیل میں آپ ؐ نے آیت کی تعمیل میں آپ ؐ نے دوبارہ عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی ان کو سپرد کی، حالانکہ اس وقت حضرت عباس ؓ و علی ؓ نے بھی اس کی درخواست کی مگر آپ ؐ نے آیت مذکورہ کی ہدایت کے مطابق ان کی درخواست رد کر کے کنجی عثمان بن طلحہ کو واپس فرمائی (مظہری)

اس آیت کا مخاطب ہر وہ شخص ہے جو کسی امانت کا امین ہے اس میں عوام اور حکام دونوں داخل ہیں۔

پیغمبرؐ نے ادائے امانت کی بڑی تاکید فرمائی ہے، حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوگا کہ آپ ؐ نے کوئی خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو: لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له، پیغمبرؐ نے خیانت کو نفاق کی علامت بتلائی ہے۔

امانت کی قسمیں: امانت صرف مال ہی میں نہیں ہوتی، بلکہ حکومت کے عہدے اور مناصب بھی اللہ کی امانتیں ہیں، نااہل کو منصب دینا جائز نہیں کسی منصب پر غیر اہل کو بٹھانے والا ملعون ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سونپی گئی پھر اس نے کوئی عہدہ بغیر اہلیت معلوم کئے محض دوستی اور تعلق میں دیدیا اس پر اللہ کی لعنت ہے نہ اس کا فرض مقبول ہے، نہ نفل حتی کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔ (جمع الفوائد ص ۳۲۵)

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی، اس کے رسول ؐ کی اور سب مسلمانوں کی خیانت کی۔

آج جہاں بھی نظم و انتظام کی ابتری نظر آتی ہے، سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے، کہ تعلقات، سفارشوں، اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کیے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور نا قابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں، ارشاد رسالت ؐ ہے: اذا

www.toobaaelibrary.com

وسد الامر الیٰ غیر اھلہ فانتظر الساعۃ: (بخاری کتاب العلم)

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ: مخاطب اس کے حکام اور امراء ہیں، مگر گنجائش اس میں عوام کی بھی ہے جن کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوں، اور جس کو کسی مقدمہ کا ثالث بنادیا جائے، بَيْنَ النَّاسِ: یعنی مقدمات کے فیصلوں میں سب انسان مساوی ہیں مسلم غیر مسلم، دوست، دشمن، ہموطن، ہمرنگ، وہم زبان ہوں وغیرہ بہرحال فیصلہ حق وانصاف کے ساتھ ہو۔

علاقائی اور صوبائی بنیادوں پر حکومت کے مناصب تقسیم کرنا اصولی غلطی ہے نیز اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ سے معلوم ہوا کہ اصل امر اور حکم اللہ تعالیٰ کا ہے زمین پر انسان کی حکمرانی ایک نائب اور امین کی حیثیت سے ہو سکتی ہے۔

اولوالامر کون ہیں؟

ابن عباسؓ، مجاہد، حسن بصریؒ وغیرہ مفسرین نے اولوالامر کے مصداق علماء اور فقہا کو قرار دیا ہے، کہ یہ نائب رسولؐ ہیں اور نظام دین ان کے ہاتھ میں ہے ایک جماعت بشمول حضرت ابو ہریرہؓ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد حکام و امراء ہیں، ابن کثیر اور مظہری میں ہے کہ یہ لفظ دونوں طبقوں کو شامل ہے۔

اس آیت میں ظاہراً تین اطاعتوں کا حکم ہے، مگر قرآن کی دوسری آیت نے واضح کر دیا: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ، مگر اس کے حکم اور اس کی اطاعت کی عملی صورت چار حصوں میں منقسم ہے ایک وہ صریح احکام قرآنی جن میں کسی تفصیل و تشریح کی ضرورت نہیں، جیسے شرک و کفر کا جرم ہونا، ایک اللہ کی عبادت اور دیگر اعتقادی مسائل، اور عبادات، ان کی تعمیل بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

دوسرا حصہ احکام کا وہ ہے جن میں تفصیلات و تشریحات کی ضرورت ہے، آنحضرتؐ کا قول و عمل جو آخر میں ہوتا ہے وہ حکم الٰہی کا ترجمان ہوتا ہے، اس میں بھی اگرچہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے لیکن، ظاہری اعتبار سے اطاعت رسولؐ کہلاتی ہے۔

تیسرا درجہ ایسے احکام جن میں علماء مجتہدین قرآن و سنت کے منصوصات اور زیر غور مسئلہ کے نظائر میں غور و فکر کر کے انکا حکم تلاش کرتے ہیں ان احکام کی اطاعت بھی اگرچہ اطاعت خداوندی ہی کی ایک فرد ہیں مگر ظاہری سطح کے اعتبار سے یہ فقہی فتاویٰ کہلاتے ہیں اور علماء کی طرف منسوب ہیں۔

اسی تیسری قسم میں ایسے بھی احکام ہیں جنہیں مباحات کہا جاتا ہے ایسے احکام میں عملی انتظام حکام و امراء کے سپرد ہے کہ وہ حالات اور مصالح کے پیش نظر کوئی قانون بنا کر عوام کو اس پر چلائیں ان

www.toobaaelibrary.com

کی کوئی جانب نہ واجب ہے، نہ حرام بلکہ اختیاری ہے لیکن یہ اختیار عوام کو دیدیا جائے تو کوئی نظام نہیں چل سکتا اس لیے نظام کی ذمہ داری حکومت پر ہے، اس لیے اس آیت کی رو سے فقہی تحقیقات میں فقہاء کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام وامراء کی اطاعت واجب ہوگئی، یہ اطاعت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، مگر ظاہری سطح کے اعتبار سے اولوالامر کی اطاعت کا نام دیا گیا مگر خلاف شرع کاموں میں امیر کی اطاعت جائز نہیں، لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔

نیز جس کے اندر عدل وانصاف قائم کرنے کی طاقت وصلاحیت نہ ہو اسے قاضی بھی نہیں بننا چاہئے، پیغمبرؐ نے حضرت ابوذرؓ کی اس درخواست پر مجھے کہیں کا حاکم مقرر فرمالیں، ارشاد فرمایا: اے ابوذر آپ ضعیف آدمی ہیں، اور منصب ایک امانت ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن انتہائی ذلت ورسوائی ہوگی سوائے اس شخص کے جس نے امانت کا حق پورا کردیا ہو۔

عادل آدمی اللہ کا محبوب ترین بندہ ہے، اور سب سے پہلے اللہ کے سایہ کے نیچے جانے والوں میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا
اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ
لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ فَكَيْفَ اِذَآ
اَصَابَتْھُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ڰ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝
اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۤ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَعِظْھُمْ وَقُلْ لَّھُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ۝ وَمَآ
اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ
بَيْنَھُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْھُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا
لَّھُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰھُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ
اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ
وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

(اے محمدؐ) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (زبان سے تو) دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ہم) اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں

www.toobaaelibrary.com

جو آپ کی طرف نازل کی گئی (یعنی قرآن) اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی (یعنی توریت کیونکہ اس میں منافقین کا بیان ہے، اور اکثر منافقین یہود میں سے تھے، مطلب یہ کہ زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح ہم توریت کو مانتے ہیں اسی طرح قرآن کو بھی مانتے ہیں، یعنی اسلام کے مدعی ہیں، پھر اس پر حالت یہ ہے کہ) اپنے مقدمہ شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں (کیونکہ غیر شرع کی طرف مقدمہ لے جانے کے لیے شیطان سکھلاتا ہے، پس اس پر عمل کرنا ایسا ہے جیسے شیطان ہی کے پاس مقدمہ لے گئے) حالانکہ (اس سے دو امر مانع موجود ہیں ایک یہ کہ) ان کو (شریعت کی جانب سے) یہ حکم ہوا کہ اس (شیطان) کو نہ مانیں (یعنی اعتقاداً وعملاً اس کی مخالفت کریں) اور (دوسرا مانع یہ کہ) شیطان (ان کا ایسا دشمن اور بدخواہ ہے کہ) ان کو (راہ حق سے) بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے (پس باوجود ان دونوں امروں کے جن کا مقتضیٰ یہ ہے کہ شیطان کے کہنے پر عمل نہ کریں، پھر بھی اس کی موافقت کرتے ہیں) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور (آؤ) رسول کی طرف (کہ آپ اس حکم کے موافق فیصلہ فرمادیں) تو آپ اس وقت منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ (کے پاس آنے) سے پہلوتہی کرتے ہیں پھر کیسی جان کو بنتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے ان کی اس حرکت کی بدولت جو (اس مصیبت سے) پہلے کر چکے تھے، (مراد اس حرکت سے شرع کو چھوڑ کر دوسری جگہ مقدمہ لے جانا ہے، اور مصیبت سے مراد جیسے قتل یا خیانت ونفاق کا کھل جانا اور باز پرس ہونا، یعنی اس وقت سوچ پڑتی ہے کہ اس حرکت کی کیا تاویل کریں جس میں پھر سرخرو رہیں) پھر (تاویل سوچ کر) آپ کے پاس آتے ہیں، خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے کہ (ہم جو دوسری جگہ چلے گئے تھے) ہمارا اور کچھ مقصود نہ تھا سوا اس کے کہ (معاملہ کے دونوں فریق کی) کوئی بھلائی (کی صورت) نکل آوے اور (ان میں) باہم موافقت (مصالحت) ہو جاوے (مطلب یہ کہ قانون تو شرع ہی کا حق ہے ہم دوسری جگہ شرع کو ناحق سمجھ کر نہیں گئے تھے، لیکن بات یہ ہے کہ قانونی فیصلہ میں تو صاحب حق کو حاکم رعایت کرنے کے لیے نہیں کہہ سکتا اور باہمی فیصلہ میں اکثر رعایت کرادی جاتی ہے، یہ وجہ تھی ہمارے دوسری جگہ جانے کی، اور قصہ قتل میں تاویل اس مقتول کے فعل کی ہوگی جس سے مقصود اپنی برأت یا حضرت عمرؓ پر دعویٰ قتل بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس تاویل کی تکذیب فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ (نفاق وکفر) ان کے دلوں میں ہے (کہ اس کفر ونفاق وعدم رضا بحکم شرعی ہی کی وجہ سے یہ لوگ دوسری جگہ جاتے ہیں اور وقت معین پر اس

www.toobaaelibrary.com

کی سزا بھی پالیں گے) سو (مصلحت یہی ہے کہ) آپ (علم خداوندی دمواخذہ خداوندی پر اکتفا فرما کر) ان سے تغافل کر جایا کیجئے (یعنی کچھ مواخذہ نہ فرمائیے) اور (ویسے اپنے منصب رسالت کے اقتضا سے) ان کو نصیحت فرماتے رہئے (کہ ان حرکتوں کو چھوڑ دو) اور ان سے خاص ان کی ذات (کی اصلاح) کے متعلق کافی مضمون کہہ دیجئے (تاکہ ان پر حجت قائم اور تمام ہو جائے پھر نہ مانیں تو وہ جانیں) اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی (جو کہ اطاعت رسل کے باب میں فرمایا ہے) ان کی اطاعت کی جائے (پس اول تو ان لوگوں کو شروع ہی سے اطاعت کرنا واجب تھی) اور اگر (خیر شامت نفس سے حماقت ہی ہو گئی تھی تو) جس وقت (یہ گناہ کر کے) اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت (ندامت کے ساتھ) آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر (حاضر ہو کر) اللہ تعالیٰ سے (اپنے اس گناہ کی) معافی چاہتے اور رسول (یعنی آپ بھی) ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے (یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توبہ قبول فرما لیتے) پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ (کو صرف زبانی ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں عنداللہ) ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپ سے (اور آپ نہ ہوں تو آپ کی شریعت سے) فیصلہ کرا دیں پھر (جب آپ تصفیہ کر دیں تو) اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکار کی) تنگی نہ پاویں اور (اس فیصلہ کو) پورا پورا (ظاہر سے باطن سے) تسلیم کر لیں۔ اور ہم اگر لوگوں پر یہ بات (بطور احکام مقصودہ کے) فرض کر دیتے کہ تم خودکشی کیا کرو یا اپنے وطن سے بے وطن ہو جایا کرو تو بجز معدودے چند لوگوں کے (جو مومن کامل ہوتے) اس حکم کو کوئی بھی نہ بجا لاتا (اس سے ثابت ہوا کہ کمال اطاعت کرنے والے کم ہوتے ہیں) اور اگر یہ (منافق) لوگ جو کچھ ان کو (اطاعت رسول بجان ودل کی) نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کیا کرتے تو ان کے لیے (دنیا میں تو بوجہ استحقاق ثواب کے) بہتر ہوتا اور (نیز باعتبار تکمیل دین کے ان کے) ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا (کیونکہ تجربہ سے ثابت ہوا کہ دین کا کام کرنے سے خود باطنی کیفیت اعتقاد و یقین کو ترقی ہوتی ہے) اور اس حالت میں (جب کہ عمل سے خیریت اور حیثیت دین حاصل ہو جاتی تو آخرت میں) ہم ان کو خالص اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتے، اور ہم ان کو (جنت کا) سیدھا راستہ بتلا دیتے (کہ بے روک ٹوک جنت میں داخل ہوں جو کہ اجر عظیم ملنے کا مقام ہے) اور جو شخص (ضروری احکام میں بھی) اللہ و رسول کا کہنا مان لے گا (گو تکثیر طاعات سے کمال حاصل نہ کر

www.toobaaelibrary.com

سکے) تو ایسے اشخاص بھی (جنت میں) ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے (کامل) انعام (دین وقرب وقبول کا) فرمایا ہے، یعنی انبیاء (علیہم السلام)، اور صدیقین (جو کہ انبیاء کی امت میں سب سے زیادہ رتبہ کے ہوتے ہیں، جن میں کمال باطنی بھی ہوتا ہے، جن کو عرف میں اولیاء کہا جاتا ہے) اور شہداء (جنھوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دیدی) اور صلحاء (جو شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں واجبات میں بھی اور مستحبات میں بھی جن کو عرف میں اولیاء کہا جاتا ہے) اور یہ حضرات (جس کے رفیق ہوں) بہت اچھے رفیق ہیں (اور مطیع کی ان کے ساتھ رفاقت ثابت ہے، پس حاصل یہ ہوا کہ اطاعت کا یہ ثمرہ ہوا کہ اس کو ایسے رفیق ملے) یہ (معیت اور رفاقت ان حضرات کے ساتھ محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے (یعنی عمل کا اجر نہیں ہے، کیونکہ اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ جو درجے میں عمل کا مقتضا تھا وہاں سے آگے نہ جاسکتا تھا، پس یہ بطور انعام کے ہے) اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں (ہر ایک عمل کو اور اس کے مقتضا کو، اور اس مقتضا سے زائد مناسب انعام کی مقدار کو خوب جانتے ہیں، کیونکہ اس انعام میں بھی تفاوت ہوگا، کسی کو ان حضرات سے بار بار قرب ہوگا، کسی کو گاہ بگاہ وعلیٰ ہٰذا (واللہ اعلم)

تلخیص معارف ومسائل

ربط: ان آیات سے خلاف شرع قوانین کی طرف رجوع کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

شانِ نزول: بشر ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہوگیا، یہودی نے کہا کہ چل محمد (ﷺ) کے پاس ان سے فیصلہ کرالیں، بشر نے اس کو قبول نہ کیا، یہودی اس جھگڑے میں حق پر تھا اس لیے پیغمبر پر زیادہ اعتماد تھا، بشر نے کعب بن اشرف سے فیصلہ کرانے کی تجویز پیش کی، یہ بھی جانتا تھا کہ پیغمبرؐ بغیر رورعایت کے صحیح فیصلہ کریں گے فیصلہ میرے خلاف ہوگا، بہرحال باہمی گفتگو کے بعد پیغمبرؐ کے پاس فیصلہ پر راضی ہوکر مقدمہ آپؐ کے پہنچا۔ آپ نے تحقیق کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔ بشر اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور یہ راہ نکالی کہ یہودی کو راضی کرلیں کہ ہم حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس فیصلہ کرانے چلیں، یہودی نے قبول کرلیا، بشر یہ سمجھے ہوئے تھا کہ عمرؓ کفار کے معاملہ میں سخت ہیں وہ یہودی کے خلاف ہی فیصلہ دیں گے، بہرکیف دونوں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے یہودی نے پورا واقعہ بیان کردیا کہ پیغمبرؐ اس مقدمہ کا فیصلہ فرما چکے ہیں مگر یہ اس پر مطمئن نہیں آپ کے پاس لایا ہے حضرت عمرؓ نے بشر سے پوچھا کہ کیا یہی واقعہ ہے اس نے اقرار کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا ذرا ٹھہرو

www.toobaaelibrary.com

میں آتا ہوں، گھر میں تشریف لے گئے اور ایک تلوار لے کر آئے اور اس منافق کا کام تمام کردیا اور فرمایا کہ جو شخص پیغمبرؐ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے۔ (روح المعانی)

یہ بھی لکھا ہے کہ منافق مقتول کے وارثوں نے بشر کو مسلمان ثابت کرنے کے لیے اس کے کفر قولی وعملی کی تاویلیں پیش کر کے حضرت عمرؓ کے خلاف دعویٰ دائر کردیا آیت متذکرہ میں اللہ تعالیٰ نے معاملہ کی اصل حقیقت کو ظاہر فرما کر حضرت عمرؓ کو بری کردیا۔

اس سلسلہ میں اور بھی چند واقع منقول ہیں ممکن ہے آیت ان سب کے متعلق نازل ہوئی ہو۔

آیت:۶۳: یہ تاویلیں ان لوگوں نے اس وقت پیش کیں جب ان کا راز کھل گیا اور خباثت اور نفاق ظاہر ہو گیا۔

آیت:۶۴: میں قبولیت توبہ کے لیے حضورؐ کی خدمت میں حاضری اور آپؐ کے دعا مغفرت کرنے کی شرط غالباً اس لیے ہے کہ انھوں نے آپؐ کے فیصلہ کو نظر انداز کر کے منصب نبوت پر حملہ کیا اور آپ کو ایذا پہنچائی اس لیے جرم کی توبہ کے لیے حضورؐ کی خدمت میں حاضری اور حضورؐ کی استغفار کو شرط کردیا گیا۔ یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا۔ نیز پیغمبر کی خدمت میں حاضری جیسے حیات دنیوی میں ہوسکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ چناں چہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضور کے وصال کے تین روز بعد ایک گاؤں کا آدمی آیا اور قبر مبارک کے پاس آکر گر گیا۔ اور اسی آیت کا حوالہ دے کر روتے ہوئے اپنی مغفرت کی دعا کے لیے عرض کیا، اس وقت کے حاضرین کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضۂ اقدس کے اندر سے یہ آواز آئی فَقَدْ غُفِرَ لَكَ یعنی مغفرت کردی گئی۔ (بحر محیط)

آیت:۶۵: اس میں پیغمبر علیہ السلام کی عظمت اور علو مرتبت کے اظہار کے ساتھ آپ کی اطاعت کی واضح تشریح بیان فرمائی ہے۔

اختلافات میں آپ کو حکم بنانا آپ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں، آپؐ کی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے جو در حقیقت آپؐ ہی کی طرف رجوع ہے۔

چند اہم مسائل: اپنے جھگڑے اور مقدمے میں پیغمبرؐ کے فیصلے پر مطمئن نہ ہونا کفر ہے، اسی بنا پر فاروق اعظمؓ نے بشر کو قتل کر ڈالا، جب بشر کے ورثاء کی طرف سے استغاثہ دائر ہوا تو پیغمبرؐ کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا کہ ما كنتُ اظنُّ ان عمر يجترئ على قتل رجل مؤمن یعنی

www.toobaaelibrary.com

مجھے یہ گمان نہ تھا کہ عمر کسی مردِ مومن کے قتل کی جرأت کریں گے، اس سے پتہ چلا کہ حاکم ماتحت کے فیصلہ کی اپیل کی جائے تو حاکم اعلیٰ کو کسی جانب داری کے بجائے انصاف کا فیصلہ کرنا چاہیے، جیسا کہ آیت کے نزول سے قبل آپؐ نے فیصلہ عمرؓ پر اظہار ناراضی فرمایا۔

دوسرا مسئلہ: فِيْمَا شَجَرَ: صرف حقوق اور معاملات کے ساتھ متعلق نہیں، عقائد اور نظریات اور دیگر نظری مسائل کو بھی حاوی ہے۔ (بحر محیط) اس لیے باہم اختلاف کی نوبت آنے پر آپؐ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہیے۔

تیسرا مسئلہ: جو کام پیغمبرؐ سے قولاً یا عملاً ثابت ہو اس کے کرنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا ضعفِ ایمان کی علامت ہے۔ مثلاً جن جن امور میں (تیمم، بیٹھ کر نماز پڑھنا وغیرہ) شریعت نے رخصت دی ہے اس رخصت کو استعمال کرنے پر جس شخص کا دل راضی نہ ہو وہ اس کو تقویٰ نہ سمجھے بلکہ اپنے دل کا روگ سمجھے۔ پیغمبرؐ سے زیادہ کوئی متقی نہیں ہو سکتا۔ مطلقاً شرعی رخصتوں سے تنگ دلی محسوس کرنا کوئی تقویٰ نہیں ارشادِ رسالتؐ ہے: اِنّ اللّٰہ تعالیٰ یحبّ تؤتیٰ رُخصُہٗ کما یحب ان تؤتیٰ عزائمُہٗ. یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح عزیمتوں پر عمل کرنے سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی پسند کرتے ہیں۔

گذشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پیغمبرؐ امت کے صرف مصلح اور اخلاقی رہبر ہی نہیں تھے بلکہ وہ اس شان کے عادل اور حاکم بھی تھے کہ آپ کے فیصلہ کو ایمان و کفر کا معیار قرار دیا گیا۔

آیت:۶۶: شانِ نزول: بشر منافق کے واقعہ کی جب مدینہ میں شہرت ہوئی تو یہود نے مسلمانوں کو عار دلائی کہ تم کیسے لوگ ہو کہ جس کو مانتے ہو اس کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتے، دیکھو یہودیوں کو ان کے گناہ کی توبہ کے سلسلے میں یہ حکم ملا تھا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو ہم نے اس شدید حکم کی تعمیل کی حتیٰ کہ ہمارے ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ یہ حکم اگر تمھیں دیا جاتا تو تم کیا کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس میں ان لوگوں کو سخت تنبیہ ہے جو اپنے جھگڑوں کا فیصلہ رسول اللہؐ یا شریعتِ رسول کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف لے جاتے ہیں، اور یہودی کے طعن کا جواب بھی ہے کہ یہ حال منافقین کا ہے پکے مسلمانوں کا نہیں۔ اور شاہد اس کا یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک صحابی نے کہا کہ اللہ نے ہمیں اس آزمائش میں نہیں ڈالا، یہ کلمہ حضور کو پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے زیادہ جما ہوا ہے، ابن وہب کا بیان ہے کہ یہ کلمہ صدیق اکبرؓ

www.toobaaelibrary.com

کا، اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ آیت سن کر کہا کہ اگر یہ حکم نازل ہوتا تو خدا کی قسم میں سب سے پہلے خود کو اور اپنے اہل بیت کو اس پر قربان کردیتا، بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ حکم آجاتا تو ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعودؓ ضرور اس پر عمل کرتے۔ رہا معاملہ دوسرا ترک وطن کا تو صحابۂ کرامؓ نے اس پر تو عمل کرکے دکھلا دیا کہ سب کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی ہجرت اختیار کرلی۔

آیت ۶۹: ان آیات میں بطور قاعدہ کلیہ کے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پر عام اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

شانِ نزول: حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک صحابی پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دل میں آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے، اپنی بیوی سے بھی اور اپنی اولاد سے بھی، بعض اوقات اپنے گھر میں بے چین رہتا ہوں، حتیٰ کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی زیارت کرلوں تب سکون ہوتا ہے اب مجھے فکر ہے کہ جب اس دنیا سے آپ کی وفات ہوجائے اور مجھے بھی موت آجائے گی تو میں جانتا ہوں کہ آپؐ جنت میں انبیاء علیہم السلام کے درجات عالیہ میں ہوں گے اور مجھے تو اوّل یہ معلوم نہیں کہ میں جنت میں پہنچوں گا بھی یا نہیں اگر پہنچ بھی گیا تو میرا درجہ آپؐ سے بہت نیچے ہوگا، میں وہاں آپ کی زیارت نہ کرسکوں گا تو مجھے کیسے صبر آئے گا، آں حضرتؐ نے ان کا کلام سن کر کچھ جواب نہ دیا حتیٰ کہ یہ آیت مذکورہ نازل ہوگئی۔ اس وقت پیغمبرؐ نے ان کو بشارت سنادی کہ اطاعت گذاروں کو جنت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ ملاقات کا موقع ملتا رہے گا یعنی درجات جنت میں تفاضل اور اعلیٰ ادنیٰ ہونے کے باوجود باہم ملاقات ومجالست کے مواقع ملیں گے۔

صدیقین یعنی اجلۂ صحابہ جنھوں نے بغیر کسی جھجک اور مخالفت کے اوّل ہی ایمان قبول کرلیا جیسے صدیق اکبرؓ، شہداء وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان ومال قربان کردیا۔ صلحاء وہ لوگ ہیں جو اپنے ظاہر وباطن میں اعمال صالحہ کے پابند تھے۔

جنت میں ملاقات کی ایک صورت یہ بھی ہوگی کہ اپنی اپنی جگہ سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے یعنی اپنی اپنی کھڑکیوں سے اپنے سے اوپر کے طبقات والوں کو دیکھیں گے جیسے دنیا میں ستاروں کو دیکھتے ہیں (موطأ امام مالکؒ) یا یہ صورت بھی ہوگی کہ اونچے درجات والے نیچے درجات کی طرف اتر کر آیا کریں گے (ابن جریرؒ) اس آیت کی بناء پر پیغمبرؐ نے بہت سے لوگوں کو جنت میں اپنے ساتھ رہنے کی بشارت دی۔ حضرت کعب اسلمیؓ پیغمبرؐ کے ساتھ رات گذارا کرتے تھے، ایک رات تہجد کے وقت انھوں نے

www.toobaaelibrary.com

آپ ؐ کے لیے وضو کا پانی اور مسواک وغیرہ ضروریات لا کر رکھی، تو آپ ؐ نے خوش ہو کر فرمایا، مانگو کیا مانگتے ہو، انھوں نے عرض کیا میں جنت میں آپ ؐ کی صحبت چاہتا ہوں، آپ ؐ نے فرمایا اور کچھ، انھوں نے عرض کیا اور کچھ نہیں اس پر آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو "اعنی علی نفسك بکثرة السجود" یعنی تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا لیکن اس میں تم بھی میری مدد کرو کہ بکثرت سجدے کیا کرو یعنی نوافل کی کثرت کرو۔ پیغمبرؐ سے قرب کی شرط آپ سے محبت کرنا ہے، بخاری کی حدیث متواتر میں ہے، دریافت کیا گیا کہ اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جو کسی جماعت سے محبت و تعلق رکھتا ہے مگر عمل میں ان کے درجہ کو نہیں پہنچا۔ آپ نے فرمایا: المرء مع من احب، یعنی محشر میں ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کو دنیا میں کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس حدیث سے۔ کیوں کہ اس سے پیغمبرؐ کے ساتھ جنت میں رہنے کی بشارت ملی۔

پیغمبر ﷺ کی رفاقت کسی رنگ و نسل پر موقوف نہیں

ایک حبشی شخص خدمت اقدسؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ ؐ ہم سے حسن صورت میں بھی ممتاز ہیں اور نبوت و رسالت میں بھی اب اگر میں بھی ایمان لاؤں اور آپ کے اعمال کو اختیار کروں تو کیا میں بھی جنت میں آپ کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ پیغمبرؐ نے فرمایا: ہاں ضرور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت میں کالے رنگ کے حبشی سفید اور حسین ہو جائیں گے اور ایک ہزار سال کی مسافت سے چمکیں گے اور جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اس کی فلاح و نجات اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتا ہے اس کے نامۂ اعمال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (طبرانی عن عبداللہ بن عمرؓ)

مختصر یہ کہ اس حبشی کے سوال و جواب ہی پر سورۂ دھر کی آیت هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا. نازل ہوئی حبشی نے حیرت سے سوال کیا یا رسول اللہؐ میری آنکھیں بھی ان نعمتوں کو دیکھیں گی جن کو آپ کی مبارک آنکھیں مشاہدہ کریں گی، آپ نے فرمایا ضرور، یہ سن کر نومسلم حبشی نے رونا شروع کیا یہاں تک کہ روتے روتے وہیں جان دیدی، اور پیغمبرؐ نے اپنے دست مبارک سے اس کی تجہیز و تکفین فرمائی۔

www.toobaaelibrary.com

یہ درجات جنت کسی ایک شخص میں جمع بھی ہو سکتے ہیں اور یہ سب صفات متداخلہ کی طرح ہیں جیسے مفسر محدث، فقیہ مورخ اور متکلم مختلف صفات علماء کی ہیں اور بعض علماء ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو ان سب صفات کے جامع ہوں، البتہ عرف عام میں قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص پر جس صفت کا غلبہ ہوتا ہے اسی کے نام سے وہ معروف ہو جاتا ہے، طبقات کے مصنفین اس کو اسی طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔

بہرحال عام مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ ان درجات عالیہ میں سے کسی کے درجہ سے پیچھے نہ رہیں، علمی اور عملی جدوجہد کے ذریعہ ان درجات تک پہنچنے کی کوشش کریں، درجہ نبوت تو وہبی ہے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا لیکن ان کی معیت پھر بھی حاصل ہو جاتی ہے درجہ انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کو قریب سے دیکھ رہا ہو، ارشاد الٰہی ہے: اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى صدیق کا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی کسی چیز کو دور سے دیکھ رہا ہو تیسرا درجہ شہداء کا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مقصود کو دلائل وبراہین کے ذریعہ جانتے ہیں مشاہدہ نہیں ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کو آئینہ میں قریب سے دیکھ رہا ہو، جیسے حضرت حارثہؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے رب کریم کے عرش کو دیکھ رہا ہوں، اور حدیث اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ میں بھی اسی قسم کی رویت مراد ہو سکتی ہے۔ چوتھا درجہ صالحین کا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مقصود کو تقلید واتباع کے ذریعہ پہچانتے ہیں جیسے کوئی کسی چیز کو آئینہ میں دور سے دیکھے، اور حدیث میں فان لم تکن تراه فانه یراك میں رویت کا یہی درجہ مراد ہو سکتا ہے۔

بہرحال آیت میں مسلمانوں کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کرنے والے درجات عالیہ کے رہنے والوں کے ساتھ ہوں گے اللہ تعالیٰ یہ محبت واطاعت ہم کو بھی نصیب کرے۔ آمین!!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ

www.toobaaelibrary.com

فِىْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو (کافروں کے مقابلہ میں) اپنی تو احتیاط رکھو (یعنی ان کے داؤ گھات سے بھی ہوشیار رہو اور مقاتلہ کے سامان، ڈھال اور تلوار سے بھی درست رہو) پھر (ان سے مقاتلہ کے لیے) متفرق طور پر یا مجتمع طور پر (جیسا موقع ہو) نکلو اور تمہارے مجمع میں (جس میں بعضے منافقین بھی شامل ہو رہے ہیں) بعض بعض شخص ایسا ہے (مراد اس سے منافقین ہیں) جو ہٹتا ہے (یعنی جہاد میں شریک نہیں ہوتا) پھر اگر تم کو کوئی حادثہ پہنچ گیا (جیسے شکست وغیرہ) تو (اپنے نہ جانے پر خوش ہو کر) کہتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ (لڑائی میں) حاضر نہیں ہوا، (نہیں تو مجھ پر بھی مصیبت آتی) اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے (یعنی فتح وغنیمت) تو ایسے طور پر (خودغرضی کے ساتھ) کہ گویا تم میں اور اس میں کچھ تعلق ہے ہی نہیں (مال کے فوت ہونے پر تاسف کر کے) کہتا ہے، ہائے کیا خوب ہوتا کہ میں بھی لوگوں کا شریک حال ہوتا (یعنی جہاد میں جاتا) تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی ہوتی (کہ مال و دولت لاتا اور خودغرضی اور بے تعلقی اس کہنے سے ظاہر ہے ورنہ جس سے تعلق ہوتا ہے اس کی کامیابی پر بھی تو خوش ہوتے ہیں، یہ نہیں کہ اپنا افسوس کرنے بیٹھ جائے اور اس کی خوشی کا نام بھی نہ لے، اللہ تعالیٰ اس شخص کے حق میں فرماتے ہیں کہ بڑی کامیابی مفت نہیں ملتی اگر اس کا طالب ہے) تو ہاں اس شخص کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں (یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت سے جو کہ موقوف ہے ایمان واخلاق پر یعنی مسلمان ومخلص بن کر) ان (کافر) لوگوں سے لڑے جو آخرت (چھوڑ کر اس) کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کیے ہوئے ہیں (یعنی اس شخص کو اگر فوز عظیم کا شوق ہے تو دل درست کر لے، ہاتھ پاؤں ہلائے، مشقت جھیلے، تیغ وسنان کے سامنے سینہ سپر بنے دیکھو فوز عظیم ہاتھ آتا ہے یا نہیں، اور یوں کیا کوئی دل لگی ہے، پھر جو شخص اتنی مصیبت جھیلے بھی کامیابی اس کی ہے، کیونکہ دنیا کی کامیابی اوّل تو حقیر، پھر کبھی ہے کبھی نہیں، کیونکہ اگر غالب آ گئے تو ہے ورنہ نہیں، اور آخرت کی کامیابی جو کہ ایسے شخص کے لیے موعود ہے ایسی ہے کہ عظیم بھی اور پھر ہر حالت میں ہے کیونکہ اس کا قانون یہ ہے کہ) جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ (مغلوب ہو جائے حتیٰ کہ) جان (ہی) سے مارا جائے یا غالب آ جائے ہم (ہر حالت میں) اس کو (آخرت کا) اجر عظیم دیں گے (جو کہ فوز عظیم کہنے کے لائق ہے)

ربط آیات: اس سے قبل اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر تھا، آگے ان آیات سے فرمانبرداروں کو

www.toobaaelibrary.com

احیاءِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کا حکم دیا گیا ہے (قرطبی)

اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو (باوجود یہ کہ اس کا قوی داعی موجود ہے، کیونکہ یہ جہاد) اللہ کی راہ میں (ہوتا ہے، یعنی اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے ہے جس کا اہتمام ضروری ہے) اور (اس اعلاءِ دین کے آثار میں سے ایک خاص اثر کی ضرورت بھی درپیش ہے، وہ یہ کہ) کمزوروں (ایماندار) کی خاطر سے (بھی لڑنا ضروری ہے تاکہ کفار کے پنجۂ ستم سے رہائی پائیں)، جن (بیچاروں) میں کچھ مرد ہیں، کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو (کفار سے تنگ سے تنگ اور پریشان ہوکر)، دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو (کسی طرح) اس بستی سے (یعنی مکہ سے جو ہمارے لیے جیل خانہ بنا ہوا ہے) باہر نکال، جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں، (کہ ہم پر آفت ڈھا رکھی ہے) اور ہمارے لیے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے (کہ ہماری حمایت کرکے ان ظالموں کے پنجہ سے چھڑا دے) جو لوگ پکے ایمان دار ہیں (وہ تو ان احکام کو سن کر) اللہ کی راہ میں (یعنی غلبہ اسلام کے قصد سے) جہاد کرتے ہیں اور جو لوگ (ان کے مقابلہ میں) کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں (یعنی غلبہ کفر کے قصد سے) لڑتے ہیں، (اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں نصرت اللہ کی طرف سے ایمان داروں کو ہوگی، جب ایمان داروں کے ساتھ اللہ کی مدد ہے) تو (اے ایماندارو) تم شیطان کے ساتھیوں سے (یعنی کافروں سے جو کہ اللہ کی مدد سے محروم ہیں) جہاد کرو، (اور گو وہ بھی غلبہ کی مختلف تدبیریں کرتے ہیں لیکن) واقع میں (خود) لچر ہوتی ہے، (کیونکہ اس میں غیبی امداد نہیں ہوتی اور کبھی چند روزہ غلبہ ہو جاتا تو ان کو چند روزہ مہلت اور ڈھیل دینا ہے، تو غیبی امداد جو مؤمنین کے ساتھ ہے وہ تدبیر اس کا کیا مقابلہ کرے گی)

خلاصہ یہ کہ جو داعی بھی ہے اور وعدۂ نصرت بھی ہے، پھر کیا عذر ہے؟ اس لیے مکرر تاکید کی گئی۔

تلخیص معارف ومسائل

ربط: ان آیات میں فرماں برداروں کو احیاءِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کا حکم دیا گیا ہے (قرطبی)

آیت ۷۱: میں جہاد کے لیے اسلحہ کی فراہمی کا اور اقدام جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اسباب ظاہری کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اسباب کا اختیار کرنا صرف اطمینان قلبی کے لیے ہوتا ہے ورنہ فی نفسہ ان میں نفع ونقصان کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔ ارشاد ہے: قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (توبہ) جہاد میں نکلنے کا نظم بھی بتلا دیا گیا۔ جس کے لیے دو جملے ذکر کئے گئے۔ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا یعنی چھوٹی جماعت، فوجی دستہ کی شکل میں

www.toobaaelibrary.com

نکلا کرو، یا ایک کثیر لشکر کی صورت میں جاؤ، یعنی جہاد کے لیے تنہا نہ نکلو کہ نقصان کا قوی احتمال ہوتا ہے۔
اور عام حالات میں بھی شریعت کی یہی تعلیم ہے کہ اکیلے سفر نہ کیا جائے، چناں چہ ایک حدیث میں تنہا مسافر کو ایک شیطان کہا گیا اور دو کو دو شیطان اور تین کو جماعت فرمایا گیا۔ نیز ارشاد ہے: خیر الصحابہ اربعة وخیر السرایا اربع مائة وخیر الجیوش اربعة آلاف (طبرانی مشکوٰۃ)
یعنی بہترین ساتھی چار ہیں، اور بہترین فوجی دستہ چار ہیں اور بہترین لشکر چار ہزار کا ہے۔

آیت ۷۲: وَاِنَّ مِنْكُمْ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں، وہ چوں کہ ظاہراً مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اس لیے خطاب میں ان کو مومنین کی ایک جماعت کہا گیا ہے۔

آیت ۷۵: مکہ میں کچھ کمزور مسلمان رہ گئے تھے جو ہجرت نہ کر سکے تھے، کافروں نے ان کو روک دیا اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں، یہ حضرات پختگی کے ساتھ مصائب جھیلتے رہے اور ان مصائب سے نجات کی دعائیں جاری رکھیں آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں۔
اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جہاد کر کے ان کو کفار کے جبر وتشدد سے چھٹکارا دلائیں مومنین نے دو دعائیں کی تھیں دونوں اللہ تعالیٰ نے قبول کیں۔

اس آیت میں صاف لفظوں میں قتال کا حکم دینے کے بجائے یہ لفظ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ اختیار فرمایا؟ ارشاد ہے کہ ان حالات میں قتال وجہاد ایک طبعی اور فطری فریضہ ہے جس کا نہ کرنا کسی بھلے آدمی سے بہت بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا تمام مصائب کا بہترین علاج ہے۔

آیت ۷۵: جنگ میں مومن وکافر کے مقاصد الگ الگ ہوتے ہیں۔ مومن کا مقصد ہوتا ہے کہ دنیا میں خدا کا قانون رائج ہو اللہ کا حکم بلند ہو، امن وانصاف کی حکومت قائم ہو۔

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا لہٰذا مومنین کو شیطان کے دوستوں یعنی کافروں سے لڑنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ ان کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ چناں چہ جنگ بدر میں ایسا ہی ہوا، پہلے تو شیطان نے کافروں کو لمبی ڈینگیں مار مار کر اپنی مدد کا یقین دلایا۔ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ اور وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ جب جنگ شروع ہوئی تو وہ اگر چہ اپنی لشکر کے ساتھ آگے بڑھا لیکن جب مسلمانوں کی حمایت میں فرشتے کو دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگنا شروع کر دیا اور کہا کہ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ میں تم لوگوں سے بری ہوں کیوں کہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جس کی تم کو خبر ہیں۔ یعنی فرشتوں کا لشکر)
اس آیت میں تدبیر شیطانی کو ضعیف کہا گیا تو اس کی دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ مقابلے میں مسلمان

www.toobaaelibrary.com

ہو دوسرے یہ کہ اس کا کام محض اللہ کے لیے ہو کوئی دنیوی غرض نہ ہو (۱) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۲) یُقَاتِلُوْنَ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ اگر ان دونوں میں سے کوئی شرط فوت ہو جائے تو پھر ضروری نہیں کہ شیطان کی تدبیر کمزور ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ
عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۟ وَلَا
تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ
يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ فَمَالِ
هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ
سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۗ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ
اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ
طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝
وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ
لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ فَقَاتِلْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ
اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً
سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ
اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ
فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

(اے مخاطب) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا (قبل نزول حکم جہاد تو جنگ کرنے کا ایسا تقاضا تھا کہ) ان کو (منع کرنے کے لیے) یہ کہا گیا تھا کہ (ابھی) اپنے ہاتھوں کو (لڑنے سے) روکے رہو اور (جو جو حکم تم کو ہو چکے ہیں اس میں لگے رہو مثلاً) نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو (یا تو یہ حالت تھی اور یا) پھر ان پر جہاد کرنا فرض کر دیا گیا تو کیا حال ہوا کہ ان میں سے بعض بعض آدمی (مخالف) لوگوں سے (طبعاً) ایسا ڈرنے

www.toobaaelibrary.com

لگے (کہ ہم کو قتل کردیں گے) جیسا (کوئی) اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا (زیادہ ڈرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اکثر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا عقلاً ہوتا ہے اور دشمن کا ڈر طبعی ہے، اور قاعدہ ہے کہ طبعی حالت عقلی حالت سے شدید ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ سے جیسا خوف ہے ویسی امید رحمت بھی تو ہے اور کافر دشمن سے تو ضرر کا خوف ہی خوف ہے، اور چونکہ یہ خوف طبعی تھا اس لیے گناہ نہیں ہوا) اور (یا حکم قتال کو ملتوی کرنے کی تمنا میں) یوں کہنے لگے (خواہ زبان سے یا دل سے اور خدا تعالیٰ کے علم میں قول نفسی قول لسانی کے برابر ہے) کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد کیوں فرض کردیا ہم کو (اپنی عنایت سے) اور تھوڑی مدت مہلت دیدی ہوتی (ذرا بے فکری سے اپنی ضروریات پوری کرلیتے اور چونکہ یہ عرض کرنا بطور اعتراض یا انکار کے نہ تھا اس لیے گناہ نہیں ہوا، آگے جواب ارشاد ہے کہ اے محمد ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ دنیا سے فائدہ اٹھانا (جس کے لیے تم مہلت کی تمنا کرتے ہو) محض چند روزہ ہے اور آخرت (جس کے حصول کا اعلیٰ ذریعہ جہاد ہے) ہر طرح سے بہتر ہے (مگر وہ) اس شخص کے لیے (ہے) جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے (کیونکہ اگر کفر کے طور پر مخالفت کی تب تو اس کے لیے سامانِ آخرت کچھ بھی نہیں اور اگر معصیت کا مرتکب ہوا تو اعلیٰ درجہ سے محروم رہے گا) اور تم پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا (یعنی جتنے اعمال ہوں گے ان کا پورا پورا ثواب ملے گا، پھر جہاد جیسے عمل کے ثواب سے کیوں خالی رہتے ہو اور اگر جہاد بھی نہ کیا تو وقت معین پر موت سے بچ جاؤ گے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ موت کی تو یہ حالت ہے کہ) تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں موت آدبا ئیگی اگرچہ تم مضبوط قلعوں ہی میں (کیوں نہ) ہو، غرض جب موت اپنے وقت پر ضرور آئے گی اور مر کر دنیا کو چھوڑنا ہی پڑے گا تو آخرت میں خالی ہاتھ کیوں جاؤ بلکہ عقل کی بات یہ ہے کہ ع "چند روزے جہد کن باقی عند") اور اگر ان (منافقین) کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے (جیسے فتح و کامیابی) تو کہتے ہیں کہ یہ من جانب اللہ (اتفاقاً) ہوگئی (ورنہ مسلمانوں کی بے تدبیری میں تو کوئی کسر تھی ہی نہیں) اور اگر ان کو کوئی بری حالت پیش آتی ہے (جیسے جہاد میں موت و قتل) تو (اے محمد نعوذ باللہ آپ کی نسبت) کہتے ہیں کہ یہ آپ (کی اور مسلمانوں کی بے تدبیری) کے سبب سے ہے (ورنہ ہم پہلے سے گھروں میں بیٹھے رہتے تو کیوں اس مصیبت میں پڑتے) آپ فرما دیجئے کہ (میرا تو اس میں ذرا بھی دخل نہیں بلکہ) سب کچھ (نعمت و نقمت) اللہ ہی کی طرف سے ہے (گو ایک بلا واسطہ اور ایک بواسطہ جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ نعمت تو محض اللہ کے فضل سے بلا واسطہ اعمال ہے اور نقمت یعنی

مصیبت اللہ کے عدل سے بواسطہ اعمال سیئہ عباد کے ہے پس تم جو مصیبت میں میرا دخل سمجھتے ہو واقع میں اعمال سیئہ کا اس میں دخل ہے، جیسا اُحد میں شکست کے اسباب گزر چکے ہیں، اور یہ بات نہایت ہی ظاہر ہے، اگر آدمی ذرا بھی غور کرے تو خوش حالی کے قبل کوئی نیک عمل اس درجہ کا نہ پائے گا بجز فضل ہی ثابت ہوگا، اور بدحالی کے قبل ضرور کوئی عملِ بد پائے گا، جس کی سزا اس سے زیادہ ہوتی، جب یہ ایسی ظاہر بات ہے) تو ان (حماقت شعار) لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں نکلتے (اور سمجھیں گے تو کیا اور وہ تفصیل اس اجمالی جواب مذکور کی یہ ہے کہ) اے انسان تجھ کو جو کوئی خوشحالی پیش آئی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے (فضل) ہے، اور کوئی بدحالی پیش آوے وہ تیرے ہی (اعمال بد کے) سبب سے ہے (پس اس بدحالی کو شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا نتیجہ کہنا یا شارع کی طرف اس کی نسبت کرنا پوری جہالت ہے، جیسا منافقین جہاد اور امام الجہاد کی طرف اس کی نسبت کرتے تھے) اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور (اگر کوئی منافق کافر انکار کرے تو اس کے انکار سے نفی نبوت کی کب ہو سکتی ہی کیونکہ) اللہ تعالیٰ (آپ کی رسالت کے) گواہ کافی ہیں (جنہوں نے قولی اور فعلی شہادت دی ہے، قولی تو مثلاً یہی کلمہ وَ اَرْسَلْنٰكَ اور فعلی یہ کہ معجزات جو دلیل اثبات نبوت میں آپ کو عطا فرمائے) جس شخص نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی، (اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت عقلاً بھی واجب ہے، پس آپ کی اطاعت بھی واجب ہوئی) اور جو شخص (آپ کی اطاعت سے) روگردانی کرے سو (آپ کچھ غم نہ کیجیو کیونکہ ہم نے) آپ کو (بطور ذمہ داری کے) ان کا نگراں کر کے نہیں بھیجا (کہ آپ ان کو کفر نہ کرنے دیں، بلکہ آپ کا فرض پیغام پہنچا دینے سے پورا ہو جاتا ہے، اگر اس کے بعد بھی وہ کفر کریں تو آپ پر کسی بازپُرس کا اندیشہ نہیں، آپ بے فکر رہیں) اور یہ (منافق) لوگ (آپ کے احکام سن کر آپ کے سامنے زبان سے تو) کہتے ہیں کہ ہمارا (آپ کی) اطاعت کرنا ہے، پھر جب آپ کے پاس سے (اٹھ کر) باہر جاتے ہیں تو شب کے وقت (پوشیدہ) مشورے کرتے ہیں ان میں کی ایک جماعت (یعنی ان کے سرداروں کی جماعت) برخلاف اس کے جو کچھ زبان سے کہہ چکے تھے (اور چونکہ وہ سردار ہیں اصل مشورہ وہ کرتے ہیں باقی ان کے تابع رہتے ہیں اس خلاف میں سب کی ایک حالت ہے) اور اللہ تعالیٰ (سرکاری روزنامچہ میں) لکھتے جاتے ہیں جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کیا کرتے ہیں، (موقع پر سزا دیں گے) سو آپ ان کی (بیہودگی کی) طرف التفات (اور

www.toobaaelibrary.com

خیال) نہ کیجئے اور (نہ کچھ فکر کیجئے، بلکہ سارا قصہ) اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیجئے، اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں، (وہ خود مناسب طور پر اس کا دفعیہ فرمائیں گے، چنانچہ کبھی ان کی شرارت سے کوئی ضرر نہیں پہنچا) کیا یہ لوگ (قرآن کا اعجاز فصاحت و بلاغت میں اور غیب کی صحیح صحیح خبریں دینے میں دیکھ رہے ہیں اور پھر) قرآن میں غور نہیں کرتے (تا کہ اس کا کلامِ الٰہی ہونا واضح ہو جائے) اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس (کے مضامین) میں (بوجہ ان کے کثیر ہونے کے واقعات سے اور حد اعجاز سے) بکثرت تفاوت پاتے (کیونکہ ہر ہر مضمون میں ایک ایک اختلاف و تفاوت ہوتا تو مضامین کثیرہ میں اختلافات کثیرہ ہوتے،.... حالانکہ ایک مضمون میں بھی اختلاف نہیں، پس لامحالہ یہ غیر اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا) اور جب ان کو کسی امر (جدید) کی خبر پہنچتی ہے خواہ (وہ امر موجب) امن ہو یا (موجب) خوف (مثلاً کوئی لشکر مسلمانوں کا کسی جگہ جہاد کے لیے گیا، اور ان کے غالب ہونے کی خبر آئی، یہ امن کی خبر ہوئی، یا ان کے مغلوب ہونے کی خبر آئی یہ خوف کی خبر ہے) تو اس (خبر) کو (فوراً) مشہور کر دیتے ہیں (حالانکہ بعض اوقات وہ غلط نکلتی ہے اور اگر صحیح بھی ہوئی تب بھی بعض اوقات اس کا مشہور کرنا مصلحتِ انتظامیہ کے خلاف ہوتا ہے) اور اگر (بجائے خود مشہور کرنے کے) یہ لوگ اس (خبر) کو رسولؐ کے اور جو (حضرات اکابرِ صحابہ) ان میں سے امور کو سمجھتے ہیں ان (کی رائے) کے اوپر حوالہ رکھتے (اور خود کچھ دخل نہ دیتے) تو اس (خبر کی صحت و غلط اور قابلِ تشہیر ہونے نہ ہونے) کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں (جیسا ہمیشہ پہچان ہی لیتے ہیں پھر جیسا یہ حضرات عمل درآمد کرتے ویسا ہی ان خبر اڑانے والوں کو کرنا چاہئے تھا، ان کو دخل دینے کی کیا ضرورت ہوئی، اور نہ دخل دیتے تو کونسا کام اٹک رہا تھا؟ آگے احکامِ مذکورہ سنانے کے بعد جو سرتاسر متضمن مصالح دنیویہ و اخرویہ ہیں بطور منّت کے مسلماں کو ارشاد ہے) اور اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا (یہ خاص) فضل اور رحمت (کہ تم کو قرآن دیا اپنا پیغمبر بھیجا یہ اگر) نہ ہوتا تو تم سب کے سب (ضرر دنیوی و اخروی اختیار کر کے) شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں کے (جو بدولت عقل سلیم خداداد کے کہ وہ بھی ایک خاص فضل و رحمت ہے اس سے محفوظ رہتے ورنہ زیادہ تباہی میں پڑتے، پس تم کو ایسے پیغمبر اور ایسے قرآن کو جن کی معرفت ایسے مصالح کے احکام آتے ہیں بر خلاف مذکورہ منافقین کے بہت غنیمت سمجھنا چاہئے، اور پوری اطاعت کرنا چاہئے)۔ (جب جہاد کی ضرورت معلوم ہوئی) پس آپ (اے محمدؐ) اللہ کی راہ میں (کفار سے) قتال کیجئے (اور اگر فرضاً کوئی

www.toobaaelibrary.com

آپ کے ساتھ نہ ہو تو کچھ فکر نہ کیجئے کیونکہ) آپ کو بجز آپ کے ذاتی فعل کے (دوسرے شخص کے فعل کا) کوئی حکم نہیں اور (اس کے ساتھ) مسلمانوں کو (صرف) ترغیب دے دیجئے (پھر اگر کوئی ساتھ نہ دے تو آپ بری الذمہ ہیں، نہ تو باز پرس کی فکر کیجئے جس کی وجہ مذکور ہو چکی اور نہ تجارہ جانے کا غم کیجئے جسکی وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ سے امید ہے (اور یہ امید دلانا وعدہ ہے) کہ کافروں کے زور جنگ کو روک دیں گے (اور ان کو مغلوب کر دیں گے) اور (گو یہ بڑے زوردار نظر آتے ہیں لیکن) اللہ تعالیٰ زور جنگ میں (ان سے بمدارج بے شمار) زیادہ شدید (اور قوی) ہیں اور (مخالف کو) سخت سزا دیتے ہیں، جو شخص اچھی سفارش کرے (یعنی جس کا طریق و مقصود دونوں مشروع ہوں) اس کو اس (سفارش) کی وجہ سے (ثواب کا) حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے (یعنی جس کا طریق و غرض غیر مشروع ہو) اس کو اس (سفارش) کی وجہ سے (گناہ کا) حصہ ملے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں (وہ اپنی قدرت سے نیکی پر ثواب اور بدی پر عذاب دے سکتے ہیں) اور جب تم کو کوئی (مشروع طور پر) سلام کرے تو تم اس (سلام) سے اچھے الفاظ میں سلام کرو، (یعنی جواب دو) یا (جواب میں) ویسے ہی الفاظ کہہ دو (تم کو دونوں اختیار دیے جاتے ہیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر (یعنی ہر عمل پر) حساب لیں گے (یعنی ان کا قانون یہی ہے، اور یوں اپنے فضل سے معاف کر دیں وہ اور بات ہے) اللہ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے قابل نہیں، وہ ضرور تم سب کو جمع کریں گے قیامت کے دن، اس میں کوئی شبہ نہیں اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی (جب وہ خبر دے رہے ہیں تو بالکل ٹھیک ہی ہے)

تلخیص معارف و مسائل

شانِ نزول: مکہ میں ہجرت سے پہلے مسلمان آپ سے مصائب کی شکایت کرتے ہوئے کفار سے مقابلہ اور بدلہ لینے کی اجازت مانگتے، آپ فرماتے کہ ابھی مجھے مقاتلہ کا حکم نہیں، صبر کا حکم ہے، اور فرماتے کہ نماز اور زکوٰۃ جن کا حکم ہے برابر کیے جاؤ، کیوں کہ جب تک نفس پر جہاد اور مال کے انفاق کا عادی نہ ہو تو اس کو جان دینا اور جہاد کرنا دشوار ہوتا ہے، مسلمانوں نے اسے قبول کر لیا تھا، پھر جب بعد ہجرت مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم ہوا جو خوش ہونے کے بجائے بعض کچے مسلمان (یا منافقین) کافروں کے مقابلہ سے ایسے ڈرنے لگے جیسے اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ یا اس سے بھی زیادہ، اور مہلت کی آرزو کرنے لگے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

www.toobaaelibrary.com

ہجرت کے بعد مسلمانوں کو آرام وراحت نصیب ہوئی تو پرانا جذبہ کم ہو چکا تھا اس لیے انھوں نے ایک تمنا کی، اس تمنا کو اعتراض پر محمول کر کے ان مسلمانوں کی طرف معصیت کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے اگر زبان سے اظہار شکایت کی ہو اور اگر محض دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا تو وساوس قلبی کو شریعت نے معصیت ہی نہیں شمار کیا یہاں دونوں احتمال ہیں۔ فَالْوا سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ زبان سے اظہار کیا تھا کیوں کہ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دل میں کہا ہو، (بیان القرآن) اور اگر آیات کا تعلق منافقین سے ہے تو بایں صورت کوئی اشکال ہی نہیں (تفسیر کبیر)

اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوْا الزَّکٰوۃَ اس کا حکم پہلے بیان فرمایا معلوم ہوا کہ اصلاح نفس مقدم ہے اصلاح ملک سے درجہ کے اعتبار سے بھی اوّل فرض عین ہے اور ثانی کا حکم فرض کفایہ ہے۔ (مظہری)

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ :دنیا اور آخرت کی نعمتوں میں چند وجوہ فرق یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں قلیل ہیں — ختم ہونے والی ہیں — اس کے ساتھ طرح طرح کی پریشانیاں اور کدورتیں ہیں، انکا حصول یقینی نہیں ہے۔

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ الخ شاید جہاد سے جان بچا کر موت سے بھی بچ سکتے ہیں؟ اس لیے فرمایا، موت ایک دن آ کر رہے گی تم جہاں کہیں بھی ہو، خواہ مضبوط سے مضبوط قلعوں میں رہو، پھر جہاد سے منہ پھیرنا بیکار ہے۔ زندگی اور موت کا نظام قادر مطلق نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے جب وہ چاہے تو آرام دہ بستر پر ایک مکڑی کے ذریعہ مار دے اور بچانا چاہے تو تلواروں کے سائے میں بچالے، دیکھئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شہادت کی تمنا میں ساری عمر جنگوں اور معرکوں میں گذار دی اور وہاں موت نہ آئی، ہمیشہ یہی دعا کرتے رہے کہ میری موت عورتوں کی طرح چار پائی پر نہ ہو بلکہ ایک نڈر سپاہی کی طرح میدان جہاد میں لیکن آخر کار ان کی موت بستر پر ہوئی۔

انسان کو نعمت استحقاق سے نہیں محض اللہ کے فضل سے ملتی ہے۔ اور مصیبت انسان کے شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ مومن کے لیے مصائب و تکالیف اس کے گناہوں کا کفارہ ہو کر نجات آخرت کا سبب ہو جاتی ہیں۔ ارشاد رسالت ہے ما من مُصِیْبَۃٍ تصیب المسلم الا کفر اللہ بھا عنہ حتی الشوکۃ یشاکھا. (ترمذی)

آیت ۸۱: فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ اس میں پیشوا اور رہنما کے لیے اہم ہدایت ہے، اس کو مختلف دشواریوں سے گذرنا پڑتا ہے، رہنما کو عزم و استقلال کے ساتھ اللہ کے بھروسہ پر اپنے کام سے لگن

www.toobaaelibrary.com

ہونی چاہیے اگر اس کا رخ اور نصب العین صحیح ہوگا تو ان شاء اللہ ضرور کامیاب ہوگا۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ: اَفَلَا يَقْرَءُوْنَ نہیں فرمایا کیوں کہ مقصود اسی لفظ سے حاصل ہوسکتا ہے صرف تلاوت و قراءت جس میں تدبر و تفکر نہ ہو تو اس سے بہت سے اختلافات نظر آنے لگتے ہیں جو خلاف حقیقت ہے۔

نیز یہ تدبر فی القرآن صرف ائمہ مجتہدین ہی کا حق نہیں ہے البتہ تدبر اور تفکر کے درجات، علم و فہم کے درجات کی طرح مختلف ہوں گے ائمہ اور مجتہدین کا تدبر ہزاروں مسائل نکالے گا عام علماء کا تفکر ان کے سمجھنے تک پہنچے گا، عوام کا تفکر بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت اور فکر آخرت پیدا کرے گا جو کلید کامیابی ہے البتہ عوام کے لیے غلط فہمی سے بچنے کے لیے یہ بہتر ہے کہ کسی عالم سے سبقاً سبقاً قرآن کو پڑھیں یہ نہ ہوسکے تو کوئی مستند اور معتبر تفسیر کا مطالعہ کریں شبہ پیش آنے پر خود فیصلہ نہ کریں بلکہ کسی ماہر عالم سے رجوع کریں۔

قرآن و سنت کی تفسیر و تشریح پر بیشک کسی جماعت یا فرد کی اجارہ داری نہیں ہے لیکن اس کے لیے شرائط ہیں ضروری ہے کہ استخراج مسائل کے لیے اس کے مبادیات کا علم حاصل کرے، اگر اس نے مقدمات کو بالکل حاصل نہ کیا ناقص حاصل کیا تو ظاہر ہے کہ نتائج غلط نکالے گا اب اگر علماء اس پر نکیر کریں تو حق ہے۔

ہر فن میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے یہ بات دنیاوی امور میں تو سب کی سمجھ میں آتی ہے لیکن یہی بات اگر قرآن و حدیث کی تشریح کے دقیق اور نازک کام کے لیے کہی جائے تو اس پر علماء کی اجارہ داری کے آوازے کسے جاتے ہیں، کیا قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر کے لیے کوئی اہلیت او رقابلیت درکار نہیں؟ کیا یوں ہی دنیا میں ایک قرآن و سنت ہی کا علم ایسا لاوارث رہ گیا ہے کہ اس کے معاملہ میں ہر شخص کو اپنی تشریح و تعبیر کا حق حاصل ہے خواہ اس نے اس کا علم حاصل کرنے کے لیے چند مہینے بھی خرچ نہ کیے ہوں۔

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ: قرآن کے کسی ایک مضمون میں بھی اختلاف نہیں۔ لہٰذا یہ اللہ کا کلام ہے بشر کے کلام میں یہ یکسانیت کہاں، نہ کسی جگہ فصاحت و بلاغت میں کمی، نہ توحید و کفر، اور حلال و حرام کے بیان میں تناقض اور تفاوت اور غیب کی ساری خبریں واقعہ کے عین مطابق، وغیرہ بس یہی کلام الٰہی ہونے کی واضح دلیل ہے۔

www.toobaaelibrary.com

آیت: ۸۳: ابن عباسؓ، ضحاکؒ اور ابو معاذؒ کے نزدیک یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی، اور حسن بصریؒ اور دیگر حضرات کے نزدیک ضعیف اور کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (روح) ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ذکر کرنا چاہیے جو پیغمبر علیہ السلام کے بیویوں کو طلاق دینے والی خبر سے متعلق ہے، حضرت عمرؓ نے حاضر خدمت ہو کر تحقیق کر کے یہ اعلان کیا کہ یہ خبر غلط ہے آپ ؐ نے طلاق نہیں دی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بے تحقیق باتیں اڑانا گناہ اور بڑا فتنہ ہے، ارشاد رسالتؐ ہے کفٰی بالمرء کذبًا ان یحدث بکل ماسمع.

اِستِنبَاط: اصل میں کنویں کی تہہ سے پانی نکالنے کو کہتے ہیں۔ کنواں کھودتے میں جو پانی پہلی مرتبہ نکلتا ہے اس کو ماء مُستَنبَط کہتے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ کسی بات کی تہہ تک پہنچ کر اس کی صحیح حقیقت معلوم کرنا (قرطبی)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن مسائل میں کوئی نص نہ ہو ان کے احکام اجتہاد و قیاس کے اصول پر قرآنی حیثیت سے نکالے جائیں۔ نیز بایں صورت علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل میں علماء کی تقلید کریں۔ (احکام القرآن للجصاص)

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ: یہ حکم عام ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ ؐ کی ذات بھی استنباط احکام کی مکلف تھی۔ (ایضا)

نیز صرف امن و خوف کی خبروں کے بارے میں نہیں بلکہ مسائل حوادث سے بھی اس کا تعلق ہے کیوں کہ مسائل جدیدہ جس کے بارے میں کوئی نص نہ ہو اس میں بھی ایک عامی آدمی فکر میں پڑ جاتا ہے، اس کا بہترین حل شریعت نے یہ نکالا کہ تم اہل استنباط کی طرف رجوع کرو اور جو بات وہ بتلائیں اس پر عمل کرو۔ (ایضا)

نیز ـــ اجتہاد و استنباط غلبہ ظن کا فائدہ دیتے ہیں علم یقینی کا نہیں (ایضا و تفسیر کبیر)

آیت: ۸۴: شانِ نزول: جب غزوۂ احد کے بعد ذیقعدہ میں پیغمبر ﷺ نے کفار کے وعدہ کے مطابق بدر میں مقابلہ میں جانا چاہا۔ جسے مؤرخین بدر صغریٰ سے تعبیر کرتے ہیں) اس وقت بعض لوگوں نے تازہ زخمی ہونے کی وجہ سے اور بعض نے افواہی خبروں کی وجہ سے جانے میں کچھ تامل کیا، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ یہ ہدایت ملتے ہی آپ ؐ ستر ہمراہیوں کے ساتھ بدر صغریٰ میں تشریف

www.toobaaelibrary.com

لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان اور کفار قریش کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا کہ مقابلہ نہ ہوا۔

قرآنی احکام کا حسن اسلوب دیکھئے کہ تن تنہا جانے کا حکم دیکر یہ بھی ارشاد ہوا کہ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ جہاد کی ترغیب کا کام بھی نہ چھوڑیں ترغیب کے بعد بھی وہ تیار نہ ہوں تو آپ اپنا فرض ادا کر چکے۔ پھر تنہا جانے میں جو خطرہ ہوسکتا تھا اس کے ازالے کے لیے فرمایا: عَسَى اللّٰهُ الخ۔

آیت: ۸۵: شفاعت کے لفظی معنی یہ ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اس کو قوی کردیا جائے۔ یا بیکس اکیلے شخص کے ساتھ خود مل کر اس کو جوڑا بنادیا جائے۔ شفاعت حسنہ کے ساتھ نصیب کا لفظ اور شفاعت سیئہ کے ساتھ کفل کا لفظ نصیب اچھے حصہ کے لیے بولا جاتا ہے اور کفل اکثر برے حصہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، کہیں اچھے حصہ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے: كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ، خلاصہ مضمون آیت کا یہ ہے کہ جو شخص کسی شخص کے جائز حق اور جائز کام کے لیے جائز طریقہ پر سفارش کرے تو اس کو ثواب کا حصہ ملے گا۔ الخ۔ خواہ سفارش مانی جائے یا نہ مانی جائے۔ اب سفارش کرنے والے کو آگے دخل نہ ہونا چاہیے، خلاف کی صورت میں ناگواری نہ ہونی چاہیے۔

مُقِيْتًا اس کے معنی قادر و مقتدر، حاضر و نگرانی اور روزی تقسیم کرنے والے کے ہیں، یہاں تینوں معنی مراد ہوسکتے ہیں۔

سفارش کرنے میں گویا ایک کمزور کی اعانت ہے، حضورؐ کا ارشاد ہے: کان الله في عون عبده مادام في عون اخيه یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندہ کی امداد میں لگا رہتا ہے جب تک وہ کسی اپنے مسلمان بھائی کی امداد میں لگا رہے۔

سفارش کا یہ اصول ہونا چاہیے کہ سفارش کر کے آدمی فارغ ہو جائے اس کے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے جیسا کہ حضورؐ نے حضرت بریرہؓ اور حضرت مغیث کے معاملہ میں حضرت بریرہ سے سفارش کی، نہ ماننے کی صورت میں آپ نے خوش دلی کے ساتھ ان کو ان کے حال پر رہنے دیا۔

یہ تھی حقیقت سفارش کی جو شرعاً باعث اجر و ثواب تھی۔ آج کل لوگوں نے جو اس کا حلیہ بگاڑ رکھا ہے وہ درحقیقت سفارش نہیں ہوتی بلکہ تعلقات یا وجاہت کا اثر اور دباؤ ڈالنا ہوتا ہے۔

سفارش پر کسی بھی طرح کا معاوضہ لینا رشوت ہے حدیث میں اس کو سُحت و حرام فرمایا ہے۔

کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لیے اللہ سے دعا خیر مانگنا بھی شفاعت حسنہ میں داخل ہے، ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کے لیے کوئی دعاءِ خیر کرتا ہے تو فرشتہ

www.toobaaelibrary.com

کہتا ہے۔ "ولك بمثل" یعنی اللہ تعالیٰ تیری بھی حاجت پوری فرمائیں۔

آیت ۸۶: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلام اور جوابِ سلام کے آداب بتلائے ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب کی عادت تھی کہ جب باہم ملتے تو "حَيَّاكَ اللّٰه" یا "اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا" یا "اَنْعِمْ صَبَاحًا" وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے، اسلام نے اس طرزِ تحیہ کو بدل کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنے کا طریقہ جاری کیا۔ ابن عربیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس لفظ کے معنی ہیں "اَللّٰهُ رَقِيْبٌ عَلَيْكُمْ" یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ ہے، ان الفاظ کے کہنے میں صرف اظہار محبت ہی نہیں بلکہ ادائے حق محبت بھی ہے کہ اس میں صرف حیات ہی نہیں بلکہ حیاتِ طیبہ کی دعا ہے، تمام اقوام کے سلام کے ساتھ موازنہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسلامی سلام تمام اقوام کے سلام سے جامع اور بہتر ہے۔ نیز معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ ایک عبادت بھی ہے اور اپنے مسلمان بھائی کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے کا ذریعہ بھی۔ اور اس میں یہ معاہدہ بھی ہے کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

آج اگر مسلمان اس کلمہ کو رسماً ہی نہیں بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اختیار کرے تو شاید پوری قوم کی اصلاح کے لئے یہی کافی ہو جائے پیغمبر علیہ السلام نے سلام کو رواج دینے کی تاکید کے ساتھ اسے افضل الاعمال قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ سلام کو باہم عام کرو، ہر مسلمان کے لیے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو، اس سے آپس میں محبت قائم ہو جائے گی۔ (مسلم، عن ابی ہریرہؓ)

پیغمبر علیہ السلام نے سلام کے فضائل و برکات اور اجر و ثواب بیان فرمائے۔ ان ارشادات کا صحابہ کرامؓ پر جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر بازار میں صرف اس لیے جایا کرتے تھے کہ جو مسلمان ملے اس کو سلام کر کے عبادت کا ثواب حاصل کریں۔ (موطأ امام مالک عن طفیل بن ابی بن کعبؓ)

آیت مذکورہ کی تشریح پیغمبر علیہ السلام نے اپنے عمل سے اس طرح فرمائی کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک صاحب نے حاضر ہو کر کہا "السلام علیک یا رسول اللہ" آپؐ نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" پھر ایک صاحب آئے اور انھوں نے سلام میں یہ الفاظ کہے "السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ" آپؐ نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ" پھر ایک صاحب آئے انھوں نے اپنے سلام ہی میں تینوں کلمے بڑھا کر کہا، آپؐ نے جواب میں صرف ایک کلمہ "وعلیک" ارشاد فرمایا۔ ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی کہ میں نے

www.toobaaelibrary.com

سب الفاظ سے سلام کیا تو آپ نے "وعلیک" پر اکتفاء فرمایا، آپؐ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے لیے کوئی کلمہ چھوڑا ہی نہیں کہ ہم جواب میں اضافہ کرتے، ہم قرآنی تعلیم کے مطابق تمہارے سلام کا جواب بالمثل دینے پر اکتفاء کرلیا۔

حدیث مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ سلام کا جواب بڑھا کر دیا جائے نیز یہ کلمات کی زیادتی صرف تین کلمات تک مسنون ہے، اس کی حکمت ظاہر ہے کہ سلام کا موقع مختصر کلام کرنے کا مقتضی ہے اس میں اتنی زیادتی مناسب نہیں جو مخل ہو یا سننے والے پر بھاری ہو جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام میں تین کلمے کہنے والے کے جواب میں صرف ایک کلمہ بھی ادا بالمثل کے حکم میں حکم قرآنی اَوْ رُدُّوْهَا کی تعمیل کے لیے کافی ہے۔ (مظہری)

ارشاد رسالت ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے مقرب وہ شخص ہے جو سلام کی ابتدا کرے۔ (ترمذی وغیرہ)

تفسیر بحر محیط میں ہے کہ ابتدا کرنا سلام میں اکثر علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ السلام تطوع والرد فریضۃ یعنی ابتداءً سلام کرنے میں تو اختیار ہے لیکن سلام کا جواب دینا فرض ہے۔

صحیحین میں ہے کہ سوار کو چاہیے کہ پیادہ کو خود سلام کرے، اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، قلیل جماعت، کثیر جماعت کو سلام کرے اپنے گھر جانے والا گھر والوں کو سلام کرے۔

جواب سلام کے لیے چند حالات مستثنیٰ ہیں نماز پڑھنے کی حالت میں، اسی طرح جو خطبہ دے رہا ہو، یا قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو، یا اذان و اقامت کہہ رہا ہو، یا دینی کتابوں کا درس دے رہا ہو، یا استنجا وغیرہ میں مشغول ہو، اس حالت میں سلام کرنا بھی جائز نہیں اور جواب دینا بھی واجب نہیں۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا
تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
مِّيْثَاقٌ اَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ
عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ

www.toobaaelibrary.com

عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

تین مختلف گروہوں کا بیان اور ان کے احکام

پہلے فرقہ کا بیان (جب تم ان مرتدین کی حالت دیکھ چکے) پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقین کے باب میں تم (اختلاف رائے کرکے) دو گروہ ہو گئے (کہ ایک گروہ ان کو اب بھی مسلمان کہتا ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو (ان کے علانیہ کفر کی طرف) الٹا پھیر دیا ان کے (بد) عمل کے سبب (وہ بدعمل ارتداد اور دارالاسلام کو باوجود قدرت کے چھوڑ دینا ہے، جو کہ اس وقت کے حکم ترکِ اقرار بالاسلام کے علامت کفر کی تھی اور واقع میں تو وہ پہلے بھی مسلمان نہ ہوئے تھے، اور اسی وجہ سے ان کو منافق کہا) کیا تم لوگ (اے وہ گروہ جن کو اس ترکِ دارالاسلام کا علامتِ کفر ہونا معلوم نہیں) اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے (جب کہ ان لوگوں نے گمراہی اختیار کی) گمراہی میں ڈال رکھا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ عزم فعل کے وقت اس فعل کو پیدا کر دیتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ غیر مؤمن گمراہ کو جو ہدایت یافتہ مؤمن کہتے ہو یہ تمہارے لیے جائز نہیں) اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے (مؤمن ہونے کے) لیے کوئی سبیل نہ پاؤ گے (پس ان لوگوں کو مؤمن نہ کہنا چاہئے اور بھلا وہ خود کیا مؤمن ہوں گے ان کے غلو فی الکفر کی تو یہ حالت ہے کہ) وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی (خدانہ کرے) کافر بن جاؤ، جس میں تم اور وہ سب ایک طرح ہو جاؤ سو (ان کی جب یہ حالت ہے تو) ان میں سے کسی کو دوست مت بنانا (یعنی کسی کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ مت کرنا، کیونکہ دوستی کے جواز کے لیے اسلام شرط ہے) جب تک وہ اللہ کی راہ میں (یعنی تکمیل اسلام کے لیے) ہجرت نہ کریں (کیونکہ اس وقت ہجرت کا وہ حکم تھا جو اب اقرار بالشہادتین کا ہے، اور تکمیلِ اسلام کی قید اس لیے ہے کہ خالی دارالاسلام میں آنا کافی نہیں، یوں تو کفار اہلِ تجارت بھی آجاتے ہیں، بلکہ اسلامی حیثیت سے آویں،

www.toobaaelibrary.com

یعنی اسلام بھی ظاہر کریں، تا کہ جامع اقرار و ہجرت کے ہو جاویں، اور رہی قلبی تصدیق تو اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے مسلمانوں کو اس کی تفتیش ضروری نہیں) اور اگر وہ (اسلام سے) اعراض کریں (اور کافر ہی رہیں) تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ (یہ پکڑنا یا تو قتل کے لیے ہے یا غلام بنانے کے لیے) اور نہ ان میں کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ (مطلب یہ کہ کسی حالت میں ان سے کوئی تعلق نہ رکھو، نہ امن میں دوستی نہ خوف میں استعانت بلکہ الگ تھلگ رہو)

دوسرے فرقہ کا بیان

مگر (ان کفار میں) جو لوگ ایسے ہیں جو کہ (تمہارے ساتھ مصالحت سے رہنا چاہتے ہیں، جس کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ بواسطہ صلح ہو یعنی) ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں (یعنی ہم عہد ہو جاتے ہیں) کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد (صلح) ہے، (جیسے بنو مدلج، کہ ان سے صلح ہوئی تو ان کے ہم عہد بھی اس استثناء میں آ گئے تو بنو مدلج بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوئے) یا (دوسرا طریق یہ ہے کہ بلا واسطہ صلح ہو اس طرح سے کہ) خود تمہارے پاس اس حالت سے آویں کہ ان کا دل تمہارے ساتھ اور اپنی قوم کے ساتھ بھی لڑنے سے منقبض ہو (اس لیے نہ تو اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں بلکہ ان سے صلح رکھیں اور تم سے بھی، پس دونوں طریقوں میں جس طریق سے کوئی مصالحت رکھے وہ حکم مذکور پکڑنے اور قتل سے مستثنیٰ ہیں) اور (تم ان لوگوں کی درخواست صلح میں اللہ تعالیٰ کا احسان مانو کہ ان کے دل میں تمہاری ہیبت ڈال دی ورنہ) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط (اور دلیر) کر دیتا پھر وہ تم سے لڑنے لگتے (مگر خدا تعالیٰ نے تم کو اس پریشانی سے بچا لیا) پھر اگر (صلح کر کے) وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے معاملہ سلامت روی کا رکھیں (ان سب الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ صلح سے رہیں، کئی لفظ تاکید کے لیے فرما دیئے) تو (اس حالت صلح میں) اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر (قتل یا قید وغیرہ کی) کوئی راہ نہیں دی (یعنی اجازت نہیں دی)

تیسرے فرقہ کا بیان

بعضے ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے (یعنی ان کی یہ حالت معلوم ہوگی) کہ (براہ دھوکہ) وہ یہ (بھی) چاہتے ہیں کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں (اور ساتھ ہی اس کے) جب کبھی ان کو (مرتع مخالفین کی طرف سے) شرارت (و فساد) کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے (یعنی ان سے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے کہا جاتا ہے) تو وہ (فوراً) اس (شرارت) میں جا گرتے ہیں (یعنی مسلمانوں سے

www.toobaaelibrary.com

لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور وہ دھوکہ کی صلح توڑ دیتے ہیں) سو یہ لوگ اگر (صلح توڑ دیں اور) تم سے (یعنی تمہاری لڑائی سے) کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے سلامت روی رکھیں، اور نہ اپنے ہاتھوں کو (تمہارے مقابلہ سے) روکیں (سب کا مطلب مثل سابق کے ایک ہی ہے کہ صلح توڑ دیں) تو تم (بھی) ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے (جس سے ان کا قتل کرنا ظاہر ہے، اور وہ حجت ان کا نقض عہد ہے)۔

تلخیص معارف ومسائل

تین مختلف گروہوں کا بیان اور ان کے احکام کا ذکر ہے۔

پہلی روایت: عبداللہ بن حمید نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں، پھر مرتد ہو گئے۔ آیت ۸۸ میں ان کا ذکر ہے۔ (روح المعانی)

دوسری روایت: ابن ابی شیبہ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ سراقہ بن مالک مدلجی نے بدر واحد کے واقعہ کے بعد پیغمبر علیہ السلام کے حضور میں آ کر صلح کی درخواست کی، آپؐ نے تکمیل صلح کے لیے حضرت خالد کو بھیج دیا، اس پر آیت ۸۹ نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

تیسری روایت: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے آیت ۹۱ میں جن کا ذکر ہے ان سے مراد قبیلہ اسد وغطفان ہیں کہ مدینہ میں آئے اور ظاہراً اسلام کا دعویٰ کرتے اور اپنی قوم سے کہتے کہ ہم تو بندر اور بچھو پر ایمان لائے ہیں اور مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے دین پر ہیں (معالم)

خلاصہ یہ کہ یہاں تین فرقوں کا ذکر کیا گیا: (۱) جو ہجرت کہ شرطِ اسلام کے زمانہ میں باوجود قدرت کے ہجرت نہ کریں، یا کرنے کے بعد دار الاسلام سے نکل کر دار الحرب میں چلے جائیں، ان کا حکم عام کفار کی طرح ہے۔ (۲) مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ خود کر لیں، یا ایسا معاہدہ کرنے والوں سے معاہدہ کر لیں، یہ فریق قتل اور پکڑ دھکڑ سے مستثنیٰ ہے۔ (۳) جو دفع الوقتی کی غرض سے صلح کر لیں اور جب مسلمانوں کے خلاف جنگ کی دعوت دی جائے تو اس میں شریک ہو جائیں اور اپنے عہد پر قائم نہ رہیں یہ فریق فریقِ اوّل کی طرح مستحق سزا ہے۔

ان آیتوں میں دو حکم مذکور ہیں یعنی عدم صلح کے وقت قتال اور مصالحت کے وقت قتال نہ کرنا۔

www.toobaaelibrary.com

ہجرت کے احکام حَتّٰی یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الخ: ابتداء اسلام میں ہجرت دار الکفر سے تمام مسلمانوں پر فرض تھی، اس فرض کے تارک کو (باوجود قدرت کے) مسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ (بخاری)

ہجرت کی دوسری صورت قیامت تک باقی رہے گی، وہ یہ ہے کہ **المهاجر من هجر ما نهى الله** یعنی گناہوں کا چھوڑنا۔ (بخاری) وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا کفار وغیرہ مسلمین سے طلب نصرت حرام ہے، مروی ہے کہ کفار کے خلاف انصار نے یہود سے طلب نصرت کی اجازت چاہی تو ارشاد فرمایا: اَلْخَبِیْثُ لَا حَاجَةَ لَنَا بِهِمْ یعنی یہ خبیث قوم ہے اس کی ہمیں کوئی حاجت نہیں۔ (مظہری ج ۲)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ
وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ
إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ
وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ
عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا
تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ
كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○ لَا يَسْتَوِي
الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ
الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ
الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ○ دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ○

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو (ابتداءً) قتل کرے لیکن غلطی سے (ہوجائے تو اور بات ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر (شرعاً) ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا (واجب) ہے اور خون بہا (بھی واجب) ہے جو اس (مقتول) کے خاندان والوں کو (یعنی ان میں جو وارث ہیں بقدر حصص میراث) حوالہ کردی جائے (اور جس کے کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام ورثہ کے ہے) مگر

www.toobaaelibrary.com

یہ کہ وہ لوگ (اس خوں بہا کو) معاف کر دیں (خواہ کل یا بعض اتنی ہی معاف ہو جاوے گی) اور اگر وہ (مقتول خطا) ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں (یعنی حربی ہیں اور انہی میں کسی وجہ سے رہتا تھا) اور وہ شخص خود مؤمن ہے تو (صرف) ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا (پڑے گا، اور دیت اس لیے نہیں کہ اگر ورثہ اس مقتول کے مسلمان ہیں تب تو وہ اسلامی حکومت کے ماتحت نہ ہونے کے باعث مستحق نہیں، اور اگر کافر ہیں تو اس صورت میں دیت بیت المال کا حق ہوتی اور دار الحرب سے دار الاسلام کے بیت المال میں ترکہ لایا نہیں جاتا) اور اگر وہ (مقتول خطاءً) ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ (صلح یا ذمہ کا) ہو (یعنی ذمی یا مصالح و مستامن ہو) تو خوں بہا (بھی واجب) ہے جو اس (مقتول) کے خاندان والوں کو (یعنی ان میں جو وارث ہیں) حوالہ کر دی جاوے، (کیونکہ کافر کافر کا وارث ہوتا ہے) اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا (پڑے گا) پھر (جن صورتوں میں غلام لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے) جس شخص کو (غلام لونڈی) نہ ملے (اور نہ اتنے دام ہوں کہ خرید سکے) تو (اس کے ذمہ بجائے اس آزاد کرنے کے) متواتر (یعنی لگاتار) دو ماہ کے روزے ہیں (یہ آزاد کرنا اور وہ نہ ہو سکے تو روزے رکھنا) بطریق توبہ کے (ہے) جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے (یعنی اس کا یہ طریقہ مشروع ہوا ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے حکمت والے ہیں (اپنے علم و حکمت سے مصلحت کے مناسب احکام مقرر فرماتے ہیں، گو ہر جگہ حکمت بندہ کو معلوم نہ ہو) اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی (اصلی) سزا (تو) جہنم (میں اس طرح رہنا) ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہے گا (لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ یہ اصلی سزا جاری نہ ہوگی، بلکہ ایمان کی برکت سے آخر نجات ہو جائے گی) اور اس پر (ایک میعاد معیّن تک کے واسطے) اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے، اور اس کو اپنی رحمت (خاصہ) سے دور کریں گے اور اس کے لیے بڑی سزا (یعنی سزاء دوزخ) کا سامان کریں گے۔ اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لیے) سفر کیا کرو تو ہر کام کو (قتل یا اور کچھ ہو) تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے (علامات) اطاعت (کی) ظاہر کرے (جیسا کلمہ پڑھنا یا مسلمانوں کے طرز پر سلام کرنا) یوں مت کہہ دیا کرو کہ یہ تو (دل سے) مسلمان نہیں (محض اپنی جان بچانے کو جھوٹ موٹ اظہار اسلام کرتا ہے) اس طور پر کہ تم دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش کرتے ہو، کیونکہ خدا کے پاس (یعنی ان کے علم و قدرت میں تمہارے لیے) بہت غنیمت کے مال ہیں (جو تم کو جائز طریقوں سے ملیں گے اور یاد کرو کہ) پہلے (ایک زمانہ میں) تم

www.toobaaelibrary.com

بھی ایسے ہی تھے (کہ تمہارے اسلام کے قبول کا مدار صرف تمہارا دعویٰ واظہار تھا) پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا (کہ اس ظاہری اسلام پر اکتفاء کیا گیا اور باطنی جستجو پر موقوف نہ رکھا) سو (ذرا) غور (تو) کرو بیشک اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں (کہ بعد اس حکم کے کون اس پر عمل کرتا ہے کون نہیں کرتا) برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں (یعنی جہاد میں نہ جاویں) اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے (یعنی مالوں کو خرچ کر کے اور جانوں کو حاضر کر کے) جہاد کریں (بلکہ) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے اور (یوں بوجہ فرض عین نہ ہونے کے گناہ ان بیٹھنے والوں پر بھی نہیں بلکہ بوجہ ایمان اور دوسرے فرائض عین کے بجالانے کے) سب سے (یعنی مجاہدین سے بھی قاعدین سے بھی) اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا (یعنی جنت کا آخرت میں) وعدہ کر رکھا ہے اور (اوپر جو اجمالاً کہا گیا ہے کہ مجاہدین کا بڑا درجہ ہے اس کی تعیین یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے مجاہدین (مذکورین) کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر عظیم دیا ہے، (وہ درجہ یعنی اجر عظیم اجمالی کی تفصیل فرماتے ہیں) یعنی (بوجہ اعمالِ کثیرہ کے جو مجاہد سے صادر ہوتے ہیں ثواب کے) بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور (گناہوں کی) مغفرت اور رحمت (یہ سب اجر عظیم کی تفصیل ہوئی) اور اللہ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں۔

تلخیص معارف ومسائل

ابتداءً قتل کی آٹھ صورتیں ہیں کیوں کہ مقتول کی چار حالتیں ہو سکتی ہیں، (۱) مومن، (۲) ذمی (۳) مصالح ومستامن (۴) حربی۔ اور قتل کی دو قسمیں ہیں عمداً یا خطاً ان صورتوں میں بعض کے احکام آیت میں معلوم ہو چکے ہیں، بعض کے آگے مذکور ہیں اور بعض کے احکام حدیث میں موجود ہیں۔ صورت اولیٰ یعنی مومن کا قتل عمد کا حکم دنیوی یعنی وجوب قصاص سورۂ بقرہ میں مذکور ہے اور حکم اخروی آگے آیت وَمَنْ يَّقْتُلْ میں آتا ہے اور دوسری صورت دوم بھی مومن کا قتلِ خطا کا بیان ارشادِ باری ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ (الی قولہ) وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ میں آتا ہے۔ اور صورت سوم یعنی ذمی کا قتل عمد دار قطنی میں ہے کہ ذمی کے عوض پیغمبر علیہ السلام نے مسلمان سے قصاص لیا۔ (اخرجہ الزیلعی فی تخریج الہدایہ) صورت چہارم یعنی ذمی کا قتل خطا کا بیان ارشاد باری وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ میں آتا ہے۔ صورت پنجم یعنی مصالح کا قتل عمد اس کا ذکر اوپر کے رکوع فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ

www.toobaaelibrary.com

مَبِيۡنًا میں آچکا ہے۔ صورت ششم یعنی معاہد کا قتل خطا اس کا حکم صورت چہارم کے ساتھ ہی مذکور ہے۔ کیوں کہ میثاق عام ہے جو وقتی اور دائمی دونوں کو شامل ہے پس ذمی اور مستامن دونوں آ گئے۔ درمختار کی کتاب الدیات کے شروع میں مستامن کی دیت کے وجوب کی تصحیح کی ہے۔ صورت ہفتم وہشتم یعنی حربی کا قتل عمد وخطا اس کا حکم خود جہاد کی مشروعیت سے اوپر معلوم ہو چکا کیوں کہ جہاد میں اہل حرب قصداً مقتول ہوتے ہیں اور خطا کا جواز بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگا۔ (بیان القرآن)

قتل کی تین قسموں کے احکام

(۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطا۔ نمبر ایک کا حکم صورت اولیٰ کے تحت گزرا، اور یہاں خطا سے مراد غیر عمد ہے، پس دوسری اور تیسری قسمیں دونوں اس میں آ گئیں، ان دونوں میں دیت بھی ہے اور گناہ بھی ہے مگر دونوں کی دیت میں فرق ہے، دوسری قسم کی دیت سو اونٹ ہیں چار قسم کے، یعنی ایک ایک قسم کے پچیس پچیس اور تیسری قسم کی دیت سو اونٹ ہیں پانچ قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے بیس بیس، اور اگر دیت نقد دی جائے تو دونوں قسموں میں دس ہزار درہم شرعی یا ایک ہزار دینار شرعی ہیں، اور بوجہ قصد دوسری قسم میں گناہ زیادہ ہے، اور تیسری قسم میں کم صرف بے احتیاطی کا گناہ ہے۔ (ہدایہ) اور یہ حقیقت ان تینوں کی دنیا میں جاری ہونے والے احکام شرعیہ کے اعتبار سے ہے، اور گناہ کے اعتبار سے عمد وغیر عمد ہونے کا مدار قلبی قصد پر ہے۔ جو خدا کو معلوم ہے۔ ممکن ہے اس اعتبار سے قسم اوّل غیر عمد اور قسم ثانی عمد ہو جائے۔

مسئلہ: مقتول عورت ہو تو دیت مذکور نصف ہے، نیز مسلم اور ذمی کی دیت برابر ہے، مسئلہ کفارہ تحریر رقبہ ہو یا روزے رکھنا خود قاتل کے ذمہ ہے اور دیت قاتل کے مددگار پر ہے، یہ اولیاء اس لیے ذمہ دار ہوتے ہیں کہ انہوں نے اسے اس طرح کی بے احتیاطی سے روکا نہیں۔ اور دیت کے خوف سے آئندہ یہ لوگ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں گے۔

مسئلہ: لفظ رَقَبَہ لونڈی غلام سب کو عام ہے، البتہ اعضا سالم ہونے چاہئیں۔

مسئلہ: دیت مقتول کے شرعی ورثہ میں تقسیم ہوگی۔ جو اپنا حصہ معاف کر دے تو اتنا معاف ہو جائے گی اور سب معاف کر دینے سے سب معاف ہو جائے گی۔

مسئلہ: مقتول کے شرعی وارث نہ ہونے پر دیت بیت المال میں داخل ہوگی (بیان القرآن)

مسئلہ: جس ذمی کے اہل موجود نہ ہوں یا ہوں مگر مسلمان ہوں تو اس ذمی کی دیت بھی بیت المال

www.toobaaelibrary.com

میں صحیح ہوگی۔ (درمختار)

مسئلہ: روزے میں کسی مرض کی وجہ سے عدم تسلسل ہوا تو از سر نو رکھنے پڑیں گے، البتہ عورت کے حیض کی وجہ سے تسلسل ختم نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی عذر سے روزہ پر قدرت نہ ہو تو قدرت تک توبہ کیا کرے۔

مسئلہ: قتل عمد میں یہ کفارہ نہیں توبہ کرنا چاہیے (بیان القرآن)

آیت ۹۴: اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ احکام شرعیہ کے اجراء میں مومن کے مومن ہونے کے لیے صرف ظاہری اسلام اور اس کی اعلانات کافی ہیں۔ باطن کی تفتیش کرنا اور بغیر تحقیق کے اس کے قول کو نفاق پر محمول کرنا جائز نہیں۔

اس آیت کے نزول کا سبب کچھ ایسے واقعات ہیں جن میں بعض صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں لغزش ہوگئی تھی۔

بنو سلیم کا ایک آدمی بکریاں چراتے ہوئے جہاد میں جاتے ہوئے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے ملا تو اس نے سلام کیا اور صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھا کہ اس شخص نے اس وقت محض اپنی جان ومال بچانے کے لیے یہ فریب کیا ہے انھوں نے اسے قتل کردیا اور اس کی بکریوں کو مالِ غنیمت قرار دے کر خدمت نبویؐ میں پیش کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر، ترمذی، مسند احمد عن ابن عباسؓ)

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت مختصراً نقل کیا ہے جس میں حضرت مقداد ابن اسودؓ کا واقعہ ہے، انھوں نے ایک شخص کے اظہار اسلام پر گویا (منافق سمجھتے ہوئے) قتل کردیا۔ ایک صحابیؓ نے کہا کہ آپ نے برا کیا، میں پیغمبر علیہ السلام سے عرض کروں گا، پیغمبر علیہ السلام نے یہ واقعہ سن کر سخت تنبیہ کی، اور فرمایا کہ قیامت میں تمہارا کیا جواب ہوگا جب کلمہ لا الٰہ الا اللہ تمہارے مقابلے میں دعویدار ہوگا۔

الفاظ آیت میں اَلسَّلٰم میں لفظ سلام سے مراد اگر اصطلاحی سلام ہے تو پہلا واقعہ اس کے ساتھ زیادہ چسپاں ہے مگر اکثر حضرات نے اس سے اطاعت مراد لیا ہے اس طرح سب واقعات اس میں داخل ہیں۔

اس آیت کے پہلے جملہ میں ایک عام ہدایت ہے کہ مسلمان کوئی کام بے تحقیق محض گمان پر نہ کریں اس میں "سفر" کی قید اس لیے ہے کہ مسافرت میں ایک دوسرے کے حالات سے عموماً ناواقفیت ہوتی ہے اور صرف خیال وگمان پر کام کرنے سے بسا اوقات غلطی ہوجاتی ہے۔ اسے عامل یہ

www.toobaaelibrary.com

حکم عام ہے سفر و حضر کی تخصیص کے بغیر۔

اس کے بعد ایک اور تنبیہ فرمائی کہ ذرا اپنے سابقہ حالات پر نظر ڈالو تم میں سے بھی بہت سے حضرات ایسے ہی تھے کہ مکہ مکرمہ میں اپنے اسلام وایمان کا اعلان نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح اب جو تمہارے سامنے کلمہ پڑھتا ہے اس کو بھی مسلمان سمجھو جب تک کہ اس سے کسی ایسے قول وفعل کا صدور نہ ہو جو کفر کی قطعی علامت ہے، پس اگر کوئی اظہار اسلام کے ساتھ کلمات کفر بھی بکتا ہے یا کافروں کے کسی مذہبی شعار کو اختیار کرتا ہے تو وہ بلاشبہ اپنے اعمال کفریہ کے سبب کافر قرار دیا جائے گا۔

امام اعظم کا فرمانا کہ لا نکفر اهل القبلة بذنب یعنی ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے، اور بعض روایات میں ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو خواہ وہ کتنا ہی گنہگار بدعمل ہو، پس واضح ہو کہ لفظ "کلمہ گو" یا "اہل قبلہ" یہ اصطلاحی الفاظ ہیں جن کا مصداق صرف وہ شخص ہے جو مدعی اسلام ہونے کے بعد کسی کافرانہ قول وفعل کا مرتکب نہ ہو۔

آیت ۹۵: علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے، اسی طرح عام طور پر وہ احکام جو اجتماعی اور قومی ضرورتوں سے متعلق ہیں ان کو شریعت اسلام نے فرض کفایہ ہی قرار دیا ہے، تاکہ تقسیم عمل کے اصول پر تمام فرائض کی ادائیگی ہو سکے کچھ لوگ جہاد کا کام انجام دیں کچھ تعلیم وتبلیغ کا، کچھ دیگر اسلامی یا انسانی ضروریات مہیا کرنے کا۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى فرما کر سبھی قسم کے لوگوں کو مطمئن فرمادیا ہے لیکن یہ حکم عام حالات میں ہے، اگر خاص حالات پیش آجائیں اور دشمنوں کی مدافعت کے لیے مزید کمک کی ضرورت ہو تو اول قرب وجوار کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، وہ بھی ناکافی ہو تو ان کے آس پاس کے لوگوں پر، اور وہ کافی نہ ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر حتی کہ مشرق ومغرب کے ہر مسلمان کا شریک جہاد ہونا فرض ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: معذور شرعی لوگوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ ۚ
قَالُوْٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝
إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝
فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ
فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ

www.toobaaelibrary.com

الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ؀

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

بیشک ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے (باوجود قدرت ہجرت کے پھر ہجرت کے تارک ہو کر) اپنے کو گنہگار کر رکھا تھا تو (اس وقت) وہ (فرشتے) ان سے کہتے ہیں کہ تم (دین کے) کس (کس) کام میں تھے (یعنی دین کے کیا کیا ضروری کام کیا کرتے تھے) وہ (جواب میں) کہتے ہیں کہ ہم (اپنی بود و باش کی) سرزمین میں محض مغلوب تھے (اس لیے بہت سی ضروریاتِ دین پر عمل نہ کر سکتے تھے، یعنی ان فرائض کے ترک میں معذور تھے) وہ (فرشتے) کہتے ہیں (اگر اس جگہ نہ کر سکتے تھے تو) کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی تم کو ترک وطن کر کے اس (کے کسی دوسرے حصہ) میں چلا جانا چاہئے تھا (اور وہاں جا کر فرائض کو ادا کر سکتے تھے، اس سے وہ لا جواب ہو جائیں گے اور جرم ان کا ثابت ہو جائے گا) سو ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور جانے کے لیے وہ بری جگہ ہے، لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے (واقع میں ہجرت پر بھی) قادر نہ ہوں کہ نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں نہ راستہ سے واقف ہیں، سو ان کے لیے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے مغفرت کرنے والے ہیں اور (جن لوگوں کے لیے ہجرت مشروع ہے ان میں سے) جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں (یعنی دین کے لیے) ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور (اظہار دین کی) بہت گنجائش (ملے گی، پس اگر ایسی جگہ پہنچ گیا تو دنیا میں بھی اس سفر اور اظہار سے کامیابی ظاہر ہے) اور (اگر اتفاق سے یہ مذکور کامیابی نہ ہوئی تب بھی آخرت کی کامیابی میں تو کوئی تردد نہیں، کیونکہ ہمارا قانون ہے کہ) جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ و رسول (کے دین کے ظاہر کر سکنے کے موقع) کی طرف ہجرت کروں گا پھر (مقصد کے حاصل کرنے سے پہلے) اس کو موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب (جس کا وعدہ ہجرت کرنے پر ہے) ثابت ہو گیا (جو وعدہ کی وجہ سے ایسا ہے جیسے) اللہ کے ذمہ (گو ابھی اس سفر کو ہجرت نہیں کہہ سکتے، لیکن صرف اچھی نیت سے اس کے شروع کر دینے پر پورا صلہ عطا ہو گیا) اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں (اس ہجرت کی برکت سے گو وہ ناتمام رہے بہت سے گناہ معاف فرما دیں گے جیسا حدیث میں ہجرت کی فضیلت آئی ہے کہ ہجرت سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور) بڑے رحمت والے ہیں (کہ عمل کو اچھی نیت سے شروع کرنے ہی سے عمل کے پورا ہونے کے برابر ثواب عنایت فرماتے ہیں)

www.toobaaelibrary.com

تلخیص معارف ومسائل

ہجرت کی تعریف لغۃً ہجرت کا معنی ہے کسی چیز سے بے زار ہو کر اس کو چھوڑ دینا، محاورتاً معنی ہے ترک وطن شرعاً معنی ہے دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں چلے جانا (روح المعانی)

صحیحین کی ایک حدیث میں ارشاد رسالت ہے المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ ورسولہ یعنی مہاجر وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی تمام منع فرمودہ چیزوں کو چھوڑ دے۔

بہر حال سچا اور کامیاب مہاجر وہی ہے جو صرف ترک وطن کر کے فارغ نہ ہو جائے بلکہ شریعت کی تمام حرام و ناجائز کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔

اپنے دل کو بدل جامۂ احرام کے ساتھ

قرآن پاک کی اکثر سورتوں میں جہاد کی طرح ہجرت کی بھی آیات ہیں جن سے ہجرت کے فضائل و برکات اور قدرت کے باوجود دار الکفر سے ہجرت نہ کرنے کی وعیدوں کا پتہ چلتا ہے۔

آیت ۱۰۰: بعض روایات کے مطابق حضرت خالد بن حزام کے بارے میں بزمانۂ ہجرت حبشہ نازل ہوئی، یہ ہجرت کی نیت سے نکلے تھے کہ راستے میں یہ سانپ کے کاٹنے سے انتقال کر گئے۔

ایک حدیث میں وارد ہے: الهجرة تهدم ما كان قبلها۔ یعنی ہجرت ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو ہجرت سے پہلے کیے ہوں۔ آیت مذکورہ اور سورۂ نحل کی آیت ۴۱ میں ہجرت کی برکات ظاہرہ و باطنہ کا بیان ہے۔

مُرٰاغِمًا یعنی ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف منتقل ہونا۔ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (نحل: ۴۱) اچھے ٹھکانے کی تفسیر مجاہدؒ نے رزق حلال سے، حسن بصریؒ نے عمدہ مکان سے اور دیگر مفسرین نے مخالفین پر عزت وغلبہ و شرف سے کی ہے حقیقت یہ ہے کہ آیت کے مفہوم میں یہ چیزیں داخل ہیں۔

تاریخی واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی نے اللہ کے لیے وطن چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو وطن کے مکان سے بہتر مکان، عزت و شرف اور آرام عطا کیا ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خود ہمارے آقا حضرت پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کرامؓ کے واقعات شاہد ہیں۔ ہجرت کے ابتدائی دور میں چند روز تکلیف و مشقت کا اعتبار نہیں، بعد کی جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا ہوئیں اور ان کی کئی نسلوں میں جاری رہیں اسی کا اعتبار ہوگا۔

مہاجر کو ہجرت میں اپنی نیت اور حال کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیے، نیت و عمل کی

www.toobaaelibrary.com

اصلاح کے بعد وہ وعدۂ الٰہی کی سچائی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ
كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ۝ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ
مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا
فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَ
أَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ
كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ فَإِذَا
قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ
الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ۝ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ
يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور جب تم زمین میں سفر کرو (جس کی مقدار تین منزل ہو) سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا (بلکہ ضروری ہے) کہ تم (ظہر اور عصر اور عشاء کے فرض) نماز (کی رکعات) کو کم کردو (یعنی چار کی جگہ دو پڑھا کرو) اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے (اور اس اندیشہ کی وجہ سے ایک جگہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا خلاف مصلحت سمجھا جاوے، کیوں کہ) بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں، اور جب آپؐ ان میں تشریف رکھتے ہوں (اور اسی طرح آپؐ کے بعد اور جو امام ہو) پھر آپؐ ان کو نماز پڑھانا چاہیں (اور اندیشہ ہو کہ اگر سب نماز میں لگ جائیں گے تو کوئی دشمن موقع پا کر حملہ کر بیٹھے گا) تو (ایسی حالت میں) یوں چاہیے کہ (جماعت کے دو گروہ ہو جائیں پھر) ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ (نماز میں) کھڑے ہو جائیں (اور دوسرا گروہ نگہبانی کے لیے دشمن کے مقابل کھڑا رہے تاکہ دشمن کو دیکھتا رہے) اور وہ لوگ (جو آپؐ کے ساتھ نماز میں شامل ہیں وہ بھی مختصر مختصر) ہتھیار لے لیں (یعنی نماز سے پہلے لے کر ہمراہ رکھیں شاید مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے میں دیر نہ لگے، فوراً قتال کرنے لگیں، گو نماز قتال سے ٹوٹ جائے گی، لیکن گناہ نہیں) پھر جب یہ لوگ (آپؐ کے ساتھ) سجدہ کر چکیں (یعنی ایک رکعت پوری کرلیں) تو یہ لوگ (نگہبانی کے لیے) تمہارے پیچھے ہو جاویں (یعنی رسول اللہؐ کے اور دوسرے گروہ کے جو کہ اب نماز میں شامل ہوں گے جن کا بیان آگے آتا ہے، یہ پہلا گروہ

www.toobaaelibrary.com

ان سب کے پیچھے ہو جائے) اور دوسرا گروہ جنھوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی (یعنی شروع بھی نہیں کی وہ اس پہلے گروہ کی جگہ امام کے قریب) آجائے اور آپؐ کے ساتھ نماز (کی ایک رکعت) جو باقی رہی ہے (اس کو) پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں (اور سامان اور ہتھیار ہمراہ لینے کا اس لیے سب کو حکم کیا ہے کہ) کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے (ذرا) غافل ہو جاؤ تو تم پر ایک بارگی حملہ کر بیٹھیں (سو ایسی حالت میں احتیاط ضروری ہے) اور اگر تم کو بارش (وغیرہ) کی وجہ سے (ہتھیار لے کر چلنے میں) تکلیف ہو یا تم بیمار ہو (اور اس وجہ سے ہتھیار باندھ نہیں سکتے) تو تم کو اس میں (بھی) کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو اور (پھر بھی) اپنا بچاؤ (ضرور) لے لو، (اور یہ خیال نہ کرو کہ کفار کی دشمنی کا صرف دنیا ہی میں علاج کیا گیا ہے بلکہ آخرت میں اس سے بڑھ کر ان کا علاج ہوگا کیوں کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے سزائے اہانت آمیز مہیا کر رکھی ہے، پھر جب تم نماز (خوف) کو ادا کر چکو تو (بدستور) اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی (یعنی ہر حالت میں حتیٰ کہ عین لڑائی کے وقت بھی اللہ کا ذکر جاری رکھو دل سے بھی اور احکام شرعیہ کے اتباع سے بھی کہ وہ بھی ذکر میں داخل ہے، لڑائی میں خلاف شرع کوئی کارروائی کرنے سے پرہیز کرو، غرض نماز تو ختم ہوئی ذکر ختم نہیں ہوتا، سفر یا خوف کی وجہ سے نماز میں تو تخفیف ہوگئی تھی، لیکن ذکر اپنی حالت پر ہی ہے) پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ (یعنی سفر ختم کر کے مقیم ہو جاؤ، اور اسی طرح خوف کے ختم ہونے کے بعد بے خوف ہو جاؤ) تو نماز کو (اصلی) قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو (یعنی قصر اور نماز میں مشی وغیرہ چھوڑ دو، کیوں کہ وہ بوجہ عارض کے جائز رکھا گیا تھا) یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے (پس فرض ہونے کی وجہ سے ادا کرنا ضرور اور وقت کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے وقت ہی میں ادا کرنا ضروری ہوا، اس لیے کچھ کچھ اس کی شکل و صورت میں تبدیلی کر دی گئی، ورنہ نماز کی صورت مقصودہ وہی اصلی صورت ہے پس سبب کے ختم ہونے کے بعد نماز کی اصلی صورت کی حفاظت لازم ہوگئی) اور ہمت مت ہارو اس مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں (جب کہ اس کی ضرورت ہے) اگر تم (زخموں سے) تکلیف میں مبتلا ہو تو (کیا ہوا) وہ بھی تو درد میں مبتلا ہیں جیسے تم درد میں مبتلا ہو (تو وہ تم سے زیادہ قوت نہیں رکھتے پھر کاہے کو ڈرتے ہو) اور (تم میں ایک زیادتی ان سے یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ (ان کی) امید نہیں رکھتے (یعنی ثواب، تو دل کی قوت میں تم زیادہ ہوئے، اور ضعف

www.toobaaelibrary.com

بدن میں ایک جیسے تو تم کو زیادہ چست ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں (ان کو کفار کا کمزور دل اور کمزور بدن معلوم ہے) بڑے حکمت والے ہیں (تمہاری قوت برداشت سے زیادہ حکم نہیں فرمایا۔

تلخیص معارف ومسائل

ربط: اوپر جہاد وہجرت کا ذکر تھا جس کے لیے اکثر سفر بھی کرنا پڑتا ہے، اور سفر میں مخالف کا اندیشہ بھی ہوا کرتا ہے اس لیے سفر اور خوف کی رعایت سے آگے نماز کی بعض خاص سہولتیں مذکور ہو رہی ہیں۔

سفر اور قصر کے احکام

تین منزل سے کم سفر میں پوری نماز پڑھی جاتی ہے، سفر ختم کرکے منزل پر پندرہ روز سے کم قیام کا ارادہ ہو تو حکم سفر کا ہوگا، فرض نماز چارگانہ آدھی پڑھی جائے گی جسے قصر کہتے ہیں، اور پندرہ روز یا اس سے زیادہ قیام میں وہ وطن اقامت ہوجائے گا اور قصر نہ ہوگا قصر نماز پڑھنے میں دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہونا صحیح نہیں، یہ بھی حکم شرعی ہے جس کی تعمیل میں ثواب ہے۔

آیت ۱۰۲: وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ الخ۔ سے یہ دھوکہ نہ ہو کہ آپؐ اب ہم میں نہیں ہیں تو اب صلوٰۃ خوف منسوخ ہے، آپؐ کے بعد جو امام ہو وہی آپؐ کے قائم مقام ہے تمام ائمہ کے نزدیک صلوٰۃ خوف کا حکم آپؐ کے بعد بھی جاری ہے۔

شیر یا اژدہا کا خوف ہو اور نماز کا وقت تنگ ہو تو اس وقت بھی یہی صلوٰۃ خوف جائز ہے۔

آیت میں دونوں گروہ کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، دوسری رکعت کا طریقہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو دونوں گروہ نے اپنی ایک ایک رکعت بطور خود پڑھ لی۔ مزید تفصیل احادیث میں ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝
وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا
يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ
يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝ وَمَن
يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا
فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ

www.toobaaelibrary.com

يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب بھیجی (جس سے) واقع کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے (وحی کے ذریعہ سے) آپ کو (اصل حال) بتلا دیا ہے (وہ وحی یہ ہے کہ واقع میں بشیر چور ہے، اور قبیلہ بنوابیرق جو اس کے حامی ہیں کاذب ہیں) اور (جب اصل حال معلوم ہو گیا تو) آپ ان خائنوں کی طرف داری کی بات نہ کیجئے (جیسا بنوابیرق کی اصل خواہش یہی تھی، چنانچہ دوسرے رکوع میں آتا ہے: لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ مگر آپؐ نے ایسا کیا نہ تھا، خود اسی جملہ سے آپ کا اس پر عمل نہ کرنا بھی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ فضل الٰہی نے غلطی سے بچالیا، جس میں ہر غلطی کی نفی ہو گئی اور منع فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فعل ماضی میں واقع ہو چکا ہو، بلکہ اصل فائدہ منع کا یہ ہے کہ آئندہ کے لیے حقیقت حال سے آگاہ کر کے اس کے کرنے سے روکتے ہیں، پس آپ کی حالت اور نہی کے مجموعہ کا حاصل یہ ہو گا کہ جیسے اب تک طرفداری نہیں کی آئندہ بھی نہ کیجئے، اور یہ انتظامات بھی تکمیل نبی کو معصوم رکھنے کے لیے ہیں، اور آیت میں سب کو خائن کہا (حالانکہ خائن سب نہ تھے) اس لیے کہ جو لوگ خائن نہ تھے وہ بھی خائن کی اعانت کر رہے تھے اس لیے وہ خائن ٹھیرے) اور (لوگوں کے کہنے سے حُسنِ ظن کے طور پر آپ نے جو بنوابیرق کو دیندار سمجھ لیا یہ، گوایسا سمجھنا گناہ تو نہیں، لیکن چونکہ اس میں یہ احتمال تھا کہ آپ کے اتنا فرمادینے سے اہلِ حق اپنا حق چھوڑ دیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت رفاعہؓ خاموش ہو کر بیٹھ رہے، لہٰذا یہ کام نامناسب ہوا، اس لیے اس سے) آپ استغفار فرمایئے (کہ آپ کی شان عظیم ہی اتنا امر بھی آپؐ کے لیے قابلِ استغفار ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے (جیسا وہ لوگ آپ سے چاہتے تھے) جو کہ (لوگوں کی خیانت اور نقصان کر کے باعتبار وبال وضرر کے درحقیقت) اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے (بلکہ اس کو مبغوض رکھتے ہیں) جو بڑا خیانت کرنے والا ہو (جیسا کہ تھوڑے خیانت کرنے والے کو بھی محبوب نہیں رکھتے، لیکن چونکہ بشیر کا بڑا خائن ہونا بتلانا مقصود ہے، اس لیے یہ صیغہ مبالغہ کا لایا گیا) جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ (اپنی خیانت کو) آدمیوں سے تو (شرما کر) چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے، حالانکہ وہ (مثل ہر وقت کے) اس وقت (بھی) ان کے پاس ہے جب کہ وہ اللہ کی مرضی کے خلاف گفتگو کے متعلق تدبیریں کیا کرتے

www.toobaaelibrary.com

ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو اپنے (علمی) احاطہ میں لیے ہوئی ہیں (جو بشیر وغیرہ کی حمایت میں بعض اہل محلہ جمع ہوکر آئے تھے وہ سن لیں کہ) تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے جواب دہی کی باتیں کرلیں سو (یہ بتلاؤ کہ) خدا تعالیٰ کا کام بنانے والا ہوگا (یعنی نہ کوئی زبانی جواب دہی کرسکے گا نہ کوئی عملی درستی مقدمہ کی کرسکے گا) اور (یہ خائنین اگر اب بھی توبہ موافق قاعدہ شرعیہ کے کرلیتے تو معافی ہو جاتی، کیونکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ) جو شخص کوئی (متعدی) برائی کرے یا (صرف) اپنی جان کا ضرر کرے (یعنی ایسا گناہ نہ کرے جس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہو اور) پھر اللہ تعالیٰ سے (حسب قاعدہ شرعیہ) معافی چاہے (جس میں بندوں کے حقوق کو ادا کرنا یا ان سے معاف کرانا بھی داخل ہے) تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا پائے گا اور (ضرور گنہگاروں کو اس کی کوشش کرنا چاہئے کیونکہ) جو شخص کچھ گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات ہی کے لیے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں (سب کے گناہوں کی ان کو خبر ہے) بڑے حکمت والے ہیں (مناسب مناسب سزا تجویز فرماتے ہیں) اور (یہ تو خود گناہ کرنے کا انجام ہوا، اور جو کہ دوسروں پر تہمت لگادے اس کا حال سنو کہ) جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر (بجائے اس کے کہ خود ہی توبہ کرلینا چاہئے تھی اس نے یہ کام کیا کہ) اس (گناہ) کی تہمت کسی بے گناہ پر لگادی سو اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے (سر کے) اوپر لاد لیا (جیسا بشیر نے کیا کہ خود تو چوری کی اور ایک نیک بخت بزرگ آدمی لبید کے ذمہ چوری کی تہمت رکھ دی)

تلخیص معارف ومسائل

ربط: اوپر چند جگہ منافقین کا ذکر آیا ہے، آگے بھی بعض منافقین کے ایک خاص قصہ کے متعلق مضمون ہے (بیان القرآن)

شان نزول: مذکورہ سات آیات ایک خاص واقعہ سے متعلق ہیں لیکن جو ہدایات اس سلسلے میں دی گئیں وہ تمام موجودہ اور آئندہ مسلمانوں کے لیے عام اور بہت اصولی اور فروعی مسائل پر مشتمل ہیں۔

واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ میں ایک خاندان بنو اُبیرق کے نام سے معروف تھا، ایک شخص جس کا نام ابن اُبیرق یا بشیر، یا طعمہ (حسب اختلاف اقوال) نے حضرت قتادہؓ ابن نعمان کے چچا رفاعہؓ کے گھر میں نقب لگا کر چوری کرلی۔ یہ شخص درحقیقت منافق تھا (ترمذی) اور توہین صحابہ میں اشعار لکھ کر دوسرے ناموں سے اشاعت کیا کرتا تھا۔

حضرت رفاعہؓ کو جب چوری کا علم ہوا تو اپنے بھتیجے حضرت قتادہؓ سے ذکر کیا، تفتیش شروع

www.toobaaelibrary.com

کی، بنوابیرق کو جب راز فاش ہونے کی خبر ملی تو خود آئے اور کہا کہ یہ کام لبید بن سہل کا ہے، حضرت لبید کے بارے میں سب کو معلوم تھا کہ مخلص مسلمان اور نیک بزرگ ہیں ان کو جب یہ خبر ہوئی تو تلوار کھینچ کر آئے اور کہا کہ چوری میرے سر لگاتے ہو اب میں تلوار اس وقت تک میان میں نہ رکھوں گا جب تک چوری کی حقیقت واضح نہ ہو جائے، بنوابیرق نے جب بات بنتی نہ دیکھی تو پھر اس چوری کا الزام ایک یہودی کے سر ڈال دیا۔ اب معاملہ یہودی اور بنوابیرق کا بن گیا۔ چوری کا سامان یہودی کے گھر رکھوا دیں اور تحقیق کے وقت اسی کے گھر سے برآمد ہوئیں، یہودی نے قسم کھائی کہ یہ سامان (زرہیں) مجھے بنوابیرق نے دی ہیں۔

حضرت قتادہؓ نے آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر چوری کا واقعہ اور بسلسلہ تفتیش بنوابیرق پر گمانِ غالب کا ذکر کر دیا۔ بنوابیرق کو خبر ملی تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرت رفاعہؓ اور قتادہؓ کی شکایت کی کہ بلا ثبوت شرعی چوری ہمارے نام لگا رہے ہیں، حالاں کہ مسروقہ مال یہودی کے گھر سے برآمد ہوا ہے، آپ ان کو روک دیئے کہ ہمارے نام نہ لگائیں، یہودی پر دعویٰ کریں ظاہر حالات اور آثار سے حضورؐ کو بھی اسی طرف رجحان ہو گیا، حتیٰ کہ حضورؐ کا ارادہ ہو گیا کہ یہودی پر چوری کی سزا جاری کر دی جائے ادھر حضرت قتادہؓ سے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ بغیر ثبوت کے ایک مسلمان گھرانے پر چوری کا الزام لگا رہے ہیں، حضرت قتادہؓ کو اس معاملہ سے بے حد رنج و افسوس ہوا کہ کاش میں اس معاملہ میں آں حضورؐ سے کوئی بات نہ کرتا اگرچہ میرا مال بھی جاتا رہتا، اسی طرح حضرت رفاعہؓ نے بھی صبر کیا اور کہا وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

اس معاملہ پر کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ قرآن کریم کا ایک پورا رکوع اس بارے میں نازل ہو گیا، جس کے ذریعہ واقعہ کی پوری حقیقت منکشف کر دی گئی اور ایسے معاملات کے متعلق عام ہدایات دی گئیں۔

قرآن کریم نے بنوابیرق کی چوری کھول دی اور یہودی کو بری کر دیا تو بنوابیرق مجبور ہو کر مال مسروقہ آں حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا آپؐ نے رفاعہؓ کو واپس دلایا، انھوں نے اب سب اسلحہ کو جہاد کے لیے وقف کر دیا۔ ادھر جب بنوابیرق کی چوری کھلی تو بشیر بن ابیرق مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلا گیا اور مشرکین کے ساتھ مل گیا، اسی طرح اگر وہ پہلے سے منافق تھا تو اب کھلا کافر ہو گیا اور اگر پہلے مسلمان تھا تو اب مرتد ہو گیا۔

اللہ اور رسولؐ کی مخالفت کے وبال نے بشیر کو مکہ میں بھی چین سے نہ رہنے دیا جس عورت کے

www.toobaaelibrary.com

مکان پر جا کر ٹھہرا تھا اسے واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے نکال باہر کیا، اسی طرح پھرتے پھرتے اس نے ایک شخص کے مکان میں نقب لگائی تو دیوار اس کے اوپر گر گئی اور وہیں دب کر مر گیا۔

آیت: ۱۰۵، ۱۰۶: اگر چہ ظاہری حالات کی بناء پر آپؐ کا رجحان یہودی کی طرف کوئی گناہ نہ تھا مگر تھا تو واقعہ کے خلاف اس لیے آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کا مقام بہت بلند ہے ان سے اتنی بات بھی پسند نہیں۔

آیت: ۱۱۰: میں عام حکیمانہ اسلوب کے مطابق مجرموں، گنہگاروں کو ناامیدی سے بچانے کے لیے فرمایا گیا کہ جب گناہ گار اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پاتا ہے، اس میں گنہگاروں کو ترغیب ہے کہ اب بھی باز آجائیں اور دل سے توبہ کرلیں، تو کچھ نہیں بگڑا اللہ تعالیٰ سب معاف فرمائیں گے۔

آیت ۱۱۲: خود جرم کرنا اور الزام دوسرے پر ڈال دینا بہت بڑا بہتان اور صریح گناہ ہے۔

آیت ۱۰۵: سے پانچ مسائل ثابت ہوئے، (۱) آں حضرتؐ کو ایسے مسائل میں جن میں قرآن کی کوئی نص صریح وارد نہ ہو، اپنی رائے سے اجتہاد کرنے کا حق حاصل تھا، (۲) اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی رائے واجتہاد معتبر ہے جو قرآنی اصول ونصوص سے ماخوذ ہو، خالص رائے وخیال معتبر نہیں اور شریعت میں اسے اجتہاد کہا بھی نہیں جاسکتا، (۳) آں حضورؐ کا اجتہاد دیگر ائمہ مجتہدین کی طرح نہ تھا جس میں غلطی اور خطا کا احتمال ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اگر آپؐ سے غلطی بھی ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ اس پر آپؐ کو متنبہ فرما کر فیصلہ کو صحیح اور حق کے مطابق کرادیتے تھے، اور اگر کوئی خبر آپ کے فیصلہ کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ آئی تو یہ علامت تھی کہ یہ فیصلہ اللہ کو پسند اور صحیح ہے۔ (۴) پیغمبر علیہ السلام جو کچھ قرآن سے سمجھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا سمجھایا ہوا ہوتا تھا، بخلاف دوسرے علماء وائمہ مجتہدین کے کہ ان کا سمجھا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح منسوب نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ آیت میں فرمایا بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ اسی وجہ سے ایک شخص نے جب فاروق اعظمؓ سے یہ کہا کہ فاحکم بما ارٰک اللہ تو آپ نے اس کو ڈانٹا کہ یہ خصوصیت صرف پیغمبر علیہ السلام کی ہے۔ (۵) جھوٹے مقدمہ اور دعویٰ کی پیروی یا وکالت اور تائید وحمایت سب حرام ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ

www.toobaaelibrary.com

النَّاسِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور اگر (اس مقدمہ میں) آپ پر (اے محمدؐ) اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہو (جو کہ ہمیشہ آپؐ پر رہتا ہے) تو ان (چالاک لوگوں میں سے ایک گروہ نے) تو آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا (لیکن خدا کے فضل سے ان کی رنگ آمیز باتوں کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور آئندہ بھی نہ ہوگا، چنانچہ فرماتے ہیں) اور وہ (کبھی آپ کو غلطی میں نہیں ڈال سکتے، لیکن (اس ارادہ سے) اپنی جانوں کو (مبتلائے گناہ اور عذاب کے اہل بنا رہے ہیں) اور آپؐ کو ذرہ برابر (اس قسم کا) ضرر نہیں پہنچا سکتے اور (آپؐ کو غلطی سے ضرر پہنچانا کب ممکن ہے جب کہ) اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں (جس کے ایک حصہ میں اس قصہ کی اطلاع بھی دیدی) اور آپؐ کو وہ وہ مفید (اور عالی) باتیں بتلائی ہیں جو آپؐ (پہلے سے) نہ جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر (یعنی ثواب وبرکت) نہیں ہوتی، ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ (خیر) خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں (اور اس تعلیم وترغیب کی تکمیل وانتظام کے لیے خفیہ تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں، یا خود ہی صدقہ وغیرہ کی دوسروں کو خفیہ ترغیب دیتے ہیں، کیونکہ بعض اوقات خفیہ ہی کہنا مصلحت ہوتا ہے، ان کے مشوروں میں البتہ خیر یعنی ثواب اور برکت ہی) اور جو شخص یہ کام کرے گا (یعنی ان اعمال کی ترغیب دے گا) حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے (نہ کہ جاہ وشہرت کی غرض سے) سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے اور جو شخص رسول (مقبولؐ) کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ حق کام ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا (دینی) راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہو لیے (جیسا بشیر مرتد ہو گیا حالانکہ اسلام کا حق ہونا اور نیز اس خاص واقعہ میں رسول اللہؐ کے فیصلہ کا خود اس کی نظر میں حق ہونا معلوم تھا، پھر بھی اسے بدبختی نے گھیرا) تو ہم اس کو (دنیا میں) جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور (آخرت میں) اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۱۱۳، وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ الخ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حکمت (یعنی سنت رسول اللہ اور تعلیمات) بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس کے الفاظ منجانب

www.toobaaelibrary.com

اللہ نہیں ہیں۔ اسی لیے غیر متلو اور خارج قرآن ہیں۔ مگر عمل کرنا واجب ہے۔

دوسرا مسئلہ: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے برابر تمام کائنات کا علم محیط نہ تھا، جیسے بعض جاہل کہتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جتنا عطا فرماتے ہیں وہ مل جاتا تھا۔ البتہ بلاشبہ آں حضورؐ کو جو علم عطا ہوا وہ ساری مخلوق کے علم سے زائد ہے۔

آیت ۱۱۴: وہ باہمی مشورے اور تدابیر جو فکر آخرت اور انجام پر غور سے آزاد ہو کر محض چند روزہ دنیوی منافع کے لیے ہوا کرتی ہیں ان میں کوئی خیر نہیں۔

امر بالمعروف ہر نیکی کے حکم اور ترغیب کو شامل ہے مگر صدقہ اور اصلاح بین الناس کو خصوصیت کے ساتھ علیحدہ اس لیے بیان کیا گیا کہ ان دونوں چیزوں کا نفع متعدی ہے، اس سے ملت کی اجتماعی زندگی سدھرتی ہے۔ نیز یہ دونوں کام خدمت خلق کے اہم ابواب پر حاوی ہیں۔ ایک جلب منفعت یعنی نفع رسانی خلق، دوسرے دفع مضرت یعنی لوگوں کو تکلیف سے بچانا۔

آپس میں مصالحت کرانے کے متعلق پیغمبر علیہ السلام کے ارشادات نہایت اہم ہیں۔ اصلاح ذات البین کا درجہ روزے نماز اور صدقہ میں سب سے افضل فرمایا اور فساد ذات البین کو حالقہ یعنی انسان کے دین کو مونڈ دینے والا فرمایا ہے اور یہ صدقہ و اصلاح بین الناس وغیرہ کے لیے اخلاص شرط ہے اس میں کوئی نفسانی غرض شامل نہ ہو۔ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ۔

آیت ۱۱۵: سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے لوگوں کے دریافت کرنے پر تین روز تک مسلسل تلاوت قرآن کرتے رہے بالآخر یہی مذکورہ آیت ذہن میں آئی اور اسے علماء کے سامنے بیان کیا تو سب نے اقرار کیا کہ اجماع کی حجیت پر یہ دلیل کافی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝
إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا ۚ وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝ لَعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ
عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۝ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ
فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ۝
يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ
عَنْهَا مَحِيصًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ

www.toobaaelibrary.com

أَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝

ترجمہ و خلاصۂ تفسیر

بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو (سزا دے کر بھی) نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے (بلکہ سزائے ابدی میں مبتلا رکھیں گے) اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں (خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ) جس کے لیے منظور ہوگا (بلا سزا) وہ گناہ بخش دیں گے (البتہ اگر وہ مشرک مسلمان ہو جائے تو پھر مشرک ہی نہ رہا اب وہ سزائے دائمی بھی نہ رہے گی) اور (وجہ اس شرک کے نہ بخشنے کی یہ ہے کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہراتا ہے وہ (امر حق سے) بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا (وہ امر حق توحید ہے جو عقلاً بھی واجب ہے، اور کارساز کی تعظیم اس کے حقوق میں سے ہے، پس مشرک نے حضرت صانع کارساز کی اہانت کی، اس لیے ایسی سزا کا مستحق ہوگا، بخلاف دوسرے گناہوں کے کہ وہ گمراہی تو ہے مگر توحید کے خلاف اور اس سے بعید نہیں، اس لیے قابل مغفرت قرار دیا گیا اور شرک کی طرح دوسری قسم کے کفر بھی ناقابل معافی ہونے میں شریک ہیں، کیونکہ اس میں بھی انکار ہوتا ہے، صانع کی کسی بتلائی ہوئی بات کا پس وہ اس کی صفتِ صدق کا انکار کرتا ہے، اور بعض کافر خود ذات باری تعالیٰ ہی کے منکر ہیں، بعض کسی صفت کے منکر ہیں اور بعض صفت اور ذات دونوں کے منکر ہیں، اور ان میں سے جس کا بھی انکار ہو وہ توحید کا انکار اور اس سے بعد ہے پس کفر و شرک دونوں قابل معافی نہیں ہیں، آگے مشرکین کی بیوقوفی ان کے مذہبی طریقے میں بیان کرتے ہیں کہ) یہ (مشرک) لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر (ایک تو) صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور (ایک) صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو کہ (خدا تعالیٰ کے) حکم سے باہر ہے (اور) جس کو (اس بے حکمی کی وجہ سے) خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت (خاصہ) سے دور ڈال رکھا ہے، اور جس نے (جس وقت کہ رحمت خاصہ سے دور اور ملعون ہونے لگا) یوں کہا تھا (جس سے اس کی عداوت صاف ظاہر معلوم ہو رہی تھی) کہ میں (پوری کوشش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ) ضرور تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ اطاعت کا لوں گا اور (اس حصہ کی تفصیل یہ ہے کہ) میں ان کو (عقائد میں) گمراہ کروں گا اور میں ان کو (خیالات میں) ہوسیں دلاؤں گا (جس

www.toobaaelibrary.com

سے گناہ کی طرف میلان ہو اور ان کی مضرت نظر میں نہ رہے) اور میں ان کو (برے اعمال کرنے کی) تعلیم دوں گا جس سے وہ (بتوں کے نام پر) چوپاؤں کے کانوں کو تراشا کریں گے (اور یہ اعمال کفر یہ میں سے ہے) اور میں ان کو (اور بھی) تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے (اور یہ اعمال فسقیہ میں سے ہے جیسے ڈاڑھی منڈانا، بدن گدوانا وغیرہ) اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بناوے گا (یعنی خدا تعالیٰ کی اطاعت نہ کرے اور شیطان کی اطاعت کرے) وہ (شخص) صریح نقصان (وزیان) میں واقع ہوگا (وہ زیان جہنم میں جانا ہے) شیطان ان لوگوں سے (عقائد کے متعلق جھوٹے) وعدے کیا کرتا ہے (کہ تم بے فکر رہو نہ کہیں حساب ہے نہ کتاب ہے) (خیالات میں) ان کو ہوسیں دلاتا ہے (کہ اس گناہ میں ایسی لذت ہے، اس حرام ذریعہ میں ایسی آمدنی ہے اور اعمال شیطانیہ کا وجود اور لغویت اور مضرت خود ظاہر ہے) اور شیطان ان سے صرف جھوٹے (فریب آمیز) وعدے کرتا ہے (کیونکہ واقع میں حساب و کتاب حق ہے اور اس کی ہوسوں کا فریب ہونا تو بہت جلدی کھل جاتا ہے) ایسے لوگوں کا (جو کہ شیطان کی راہ پر چلتے ہیں) ٹھکانا جہنم ہے (اور وہ خسران مبین یہی ہے) اور اس (جہنم) سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پائیں گے (کہ وہاں جا کر پناہ لیں) اور جو لوگ ایمان لائے اور (انہوں نے) اچھے کام کیے ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کرلیں گے کہ ان کے (محلات کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، خدا تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے (کہ خالی خولی زبان اپنے فضائل بیان کیا کریں بلکہ مدار کار اطاعت پر ہے، پس) جو شخص (اطاعت میں کمی کرے گا اور) کوئی برا کام کرے گا (خواہ عقائد سے ہو یا اعمال سے) وہ اس کے عوض میں سزا دیا جاوے گا (اگر وہ برائی عقیدۂ کفریہ تک ہے تو سزا دائمی اور یقینی اور اگر اس سے کم ہے تو سزا ہمیشہ کی نہیں) اور اس شخص کو خدا کے سوا نہ کوئی یار ملے گا اور نہ مددگار ملے گا، (کہ خدا کے عذاب سے اسے چھڑا لے) اور شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مؤمن ہو سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا (ان کی کوئی نیکی ضائع کردی جائے) اور (اوپر جو مؤمن کی قید لگائی گئی ہے اس کا مصداق ہر فرقہ نہیں بلکہ صرف وہ فرقہ جس کا دین خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے میں سب سے اچھا ہو، اور ایسا فرقہ صرف اہل اسلام ہی ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں یہ صفات ہیں: بکمل اطاعت اخلاص، ملت ابراہیم کی

www.toobaaelibrary.com

پیروی اور) ایسے شخص (کے دین) سے زیادہ بہتر کس کا کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے (یعنی فرمانبرداری اختیار کی ہو خالی مصلحت سے ظاہر داری نہ ہو) اور ملت ابراہیم (یعنی اسلام) کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں اور (ملت ابراہیمی ضرور قابل اتباع ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خالص دوست بنایا تھا (تو ظاہر ہے کہ دوست کے طریقہ پر چلنے والا بھی محبوب و مقبول ہوگا، پس طریقہ اسلام مقبول ہوا، پس اہلِ اسلام ہی مؤمن کے لقب کے مصداق ٹھہرے، اور دوسرے فرقوں نے ابراہیمؑ کی پیروی کو چھوڑ دیا، کہ اسلام نہ لائے، اس لیے صرف مسلمان ہی ایسے ثابت ہوئے کہ محض امانی (تمناؤں) پر ان کا سہار (انہیں، بلکہ اطاعت گزار ہیں، پس کام انہی کا چلے گا) اور (اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کرنا تو ضروری ہے، کیونکہ ان کی سلطنت و قدرت اور ان کا علم محیط دونوں تام اور مکمل ہیں اور یہی امور مدار ہیں وجوب اطاعت کے چنانچہ) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (یہ تو کمال سلطنت ہوا) اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو (اپنے علم میں) احاطہ فرمائے ہوئے ہیں (یہ کمال علمی ہوا)

تلخیص معارف و مسائل

ربط: اوپر ذکر جہاد میں اگرچہ سارے مخالفین اسلام داخل ہیں، یعنی یہود، منافقین اور سب سے بڑھ کر مشرکین بھی مگر آگے مشرکین کے کچھ عقائد کی حالت اور طریقہ مذمت اور سزا کا ذکر ہے۔

آیت ۱۱۶: انہی الفاظ کے ساتھ آیت ۴۸ گذری ہے فرق آیت کے آخری الفاظ میں ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ وہاں مخاطب براہ راست یہود اہل کتاب تھے جنہیں بذریعہ تورات توحید و رسالت محمدیؐ کی حقانیت اور شرک کا بطلان سب کچھ معلوم تھا پھر بھی وہ مبتلا شرک ہوئے گویا عمل سے یہ بتلایا کہ یہی بظاہر تورات کی تعلیم ہے جو سراسر افتراء ہے۔

اس آیت میں مخاطب براہ راست مشرکین مکہ تھے جو اہل کتاب و پیغمبر نہ تھے، مگر بہر حال دلائل توحید عقلی طور پر بالکل واضح پھر بھی بتوں کو معبود ٹھہرالینا لغو و باطل اور گمراہی تھا۔ اس لیے ارشاد ہوا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا۔

شرک و کفر کی سزا کا دائمی ہونا

مشرک و کافر کا جرم شرک و کفر بظاہر محدود مدت عمر تک ہے مگر سزا دائمی اس لیے ہے کہ وہ اسے جرم کے بجائے نیکی سمجھتا ہے اور قصد یہ ہوتا ہے کہ اسی حال پر ہمیشہ قائم رہے گا اور جب مرتے دم تک وہ اسی پر قائم رہا

www.toobaaelibrary.com

تو اپنے اختیار کی حد تک وہ دائمی مجرم رہا اس لیے سزا بھی دائمی ہے۔

ظلم کی تین قسمیں ظلم ایک قسم کا شرک ہے ہرگز مغفرت نہیں۔ دوسری قسم حقوق اللہ میں کوتاہی ہے اس کی مغفرت ہو سکے گی، تیسری قسم حقوق العباد کی خلاف ورزی ہے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ لیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ (ابن کثیر بحوالہ بزار)

اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات خالق، رازق، قادر مطلق، عالم الغیب والشہادۃ وغیرہ میں کسی مخلوق کو اللہ کے برابر سمجھنا شرک ہے۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ الخ ان آیات میں پہلے ایک مکالمہ کا ذکر ہے پھر اس پر محاکمہ کیا گیا ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان مفاخرت کی گفتگو ہونے لگی، اہل کتاب نے کہا کہ ہم تم سے افضل واشرف ہیں کیوں کہ ہمارے نبی اور کتاب تمہارے نبی اور تمہاری کتاب سے پہلے ہے، مسلمانوں نے کہا کہ ہم تم سب سے افضل ہیں اس لیے کہ ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب آخری کتاب ہے جس نے سب کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مدار افضلیت اعمال پر ہے۔ کہ جب یہ آیت مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر بہت شاق ہوئی، پیغمبر علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس آیت نے تو کچھ چھوڑا ہی نہیں ارشاد فرمایا کہ فکر میں نہ پڑو، طاقت بھر عمل کرتے رہو، مذکورہ سزا ضروری نہیں کہ جہنم ہی کی ہو، بلکہ تمہیں دنیا میں جو تکلیف پیش آتی ہے یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر کسی کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو وہ بھی کفارۂ گناہ ہے، حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اپنی کوئی چیز ایک جیب میں تلاش کرے مگر دوسری جیب میں ملے، اتنی مشقت بھی اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے، نیز محض دعوؤں اور تمناؤں سے نہ لگنا چاہیے بلکہ فکر اعمال ضروری ہے کامیابی ایمان صحیح اور اس کے مطابق اعمال صالحہ کی پابندی میں ہے ارشاد ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ الخ۔

معیارِ مقبولیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا معیار اور شرطیں دو ہیں ایک اخلاص اور دوسرے درستگی عمل یعنی مطابق شریعت وسنت ہونا، اخلاص کا تعلق انسان کے باطن یعنی قلب سے ہے اور موافقت شرع کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے، ان میں سے اگر ایک میں بھی خلل آئے تو ساری کوششیں اکارت ہو جاتی ہیں، اور قوموں اور جماعتوں کی گمراہی کا سبب بھی

www.toobaaelibrary.com

اخلاص یا صحتِ عمل کا فقدان ہے اور واضح ہو کہ حسنِ عمل صرف پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات اور اتباع سنت پر موقوف ہے، اس میں افراط و تفریط دونوں جرم ہیں، قرآن کریم میں اسی لیے بجائے اکثر عملاً کے احسن عملاً کا بار بار ذکر ہے۔ تمام عبادات میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

آخر آیت میں اخلاص اور حسن عمل کی ایک مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیش کر کے ان کے اتباع کا حکم دیا گیا اور وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا فرما کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مقام بلند کا سبب یہی ہے کہ وہ مخلص بھی اعلیٰ درجے کے تھے اور ان کا عمل باشارتِ خداوندی صحیح اور درست تھا۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ
لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا
لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا
نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ
وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ
حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ مَنْ
كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور لوگ آپ سے عورتوں (کی میراث اور مہر) کے باب میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں تم کو (وہی سابق) حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی (تم کو حکم دیتی ہیں) جو کہ (اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں اور) اور قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں (کیونکہ قرآن کی تلاوت میں ان کی تلاوت بھی ظاہر ہے کہ ہوا ہی کرتی تھی) جو کہ ان یتیم عورتوں کے باب میں (نازل ہو چکی) ہیں جن (کے ساتھ تمہارا یہ معاملہ ہے کہ اگر وہ صاحب مال و صاحب جمال ہوئیں تو ان سے نکاح کرتے ہو،

www.toobaaelibrary.com

نگران) کو جو (شرع سے) ان کا حق (میراث و مہر کا) مقرر ہے نہیں دیتے ہو اور (اگر صاحب جمال نہ ہوئیں صرف صاحب مال ہوئیں تو) ان کے ساتھ (بوجہ خوش جمال نہ ہونے کے) نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو (لیکن بوجہ صاحب مال ہونے کے اس خوف سے کہ یہ مال کہیں اور نہ چلا جائے اور کسی سے بھی نکاح نہیں کرنے دیتے) اور (جو آیات کہ) کمزور بچوں کے باب میں (ہیں) اور (جو آیات کہ) اس باب میں (ہیں) کہ یتیموں کی (تمام) کارگذاری (عام اس سے کہ مہر و میراث کے متعلق ہو یا اور کچھ ہو) انصاف کے ساتھ کرو (یہ مضمون ہے ان آیت سابقہ کا، پس وہ آیتیں اپنا مضمون اب بھی تمہارے ذمہ واجب کر رہی ہیں اور ان کا حکم بعینہٖ باقی ہے تم انہی کے موافق عمل رکھو) اور جو نیک کام کرو گے (نساء و یتامیٰ کے بارے میں یا اور امور میں بھی) سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں، (تم کو ان کی جزاء خیر دیں گے اور جانتے تو ہیں غیر خیر کو بھی، لیکن یہاں ترغیب خیر کی مقصود ہے، اس لیے تخصیص کی گئی) و اگر کسی عورت کو (قرائن سے) اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی (اور کج ادائی) یا بے پرواہی (اور بے رخی) کا ہو سوا (ایسی حالت میں) دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کرلیں، (یعنی عورت اگر ایسے شوہر کے پاس رہنا چاہے جو پورے حقوق ادا کرنا نہیں چاہتا اور اس لیے اس کو چھوڑنا چاہتا ہے تو عورت کو جائز ہے کہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ دے مثلاً نان نفقہ معاف کردے، یا مقدار کم کردے اور اپنی باری معاف کردے تاکہ وہ چھوڑے نہیں، اور شوہر کو بھی جائز ہے کہ اس معافی کو قبول کرلے) اور (نزاع یا فراق سے تو) یہ صلح (ہی) بہتر ہے اور (ایسی صلح ہو جانا کچھ بعید نہیں کیونکہ) نفوس کو (طبعًا) حرص کے ساتھ اقتران (و اتصال) ہوتا ہے (جب اس کی حرص پوری ہوجاتی ہے راضی ہوجاتا ہے پس شوہر جب دیکھے گا کہ میری مالی اور جانی آزادی میں جس کی کہ طبعی حرص ہے کچھ خلل نہیں آتا اور مفت میں عورت ملتی ہے تو وہ غالبًا نکاح میں رکھنے پر راضی ہوجائیگا اور عورت کی حرص نکاح میں رہنے پر خواہ کسی وجہ سے ہو ظاہر ہے کہ سبب اصلی ہے صلح کا پس جانبین کی خاص خاص حرص نے اس صلح کی تکمیل کردی) اور (اے مردو) اگر تم (خود عورتوں کے ساتھ) اچھا برتاؤ رکھو (اور ان سے حقوق معاف کرانے کے خواہاں نہ ہو) اور ان کے ساتھ (کج ادائی اور بے رخی کرنے سے) احتیاط رکھو تو (تم کو بڑا ثواب ملے کیونکہ) بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں (اور اعمال نیک پر ثواب دیا کرتے ہیں) اور (عادتًا) تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں (ہر طرح سے) برابری رکھو (حتیٰ کہ رغبت قلب میں بھی) گو (اس برابری کو) تمہارا کتنا

www.toobaaelibrary.com

ہی جی چاہے (اور تم کتنی ہی اس میں کوشش کرو، لیکن چونکہ قلب کا میلان غیر اختیاری ہے، اس پر قدرت نہیں، گو اتفاقاً بلا اختیار کہیں برابری ہو ہی جائے تو اسکی نفی آیت میں مقصود نہیں، بلکہ وہ تو اختیاری ہیں، جب وہ اختیاری ہیں) تو (تم پر واجب ہے کہ) تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ (بالکل کا مطلب یہ کہ باطن سے بھی جس میں معذور تھے اور ظاہر سے بھی جس میں مختار ہو، یعنی حقوق شرعیہ میں ان سے نشوز و اعراض نہ کرو) جس سے اس (مظلومہ) کو ایسا کر دو جیسے کوئی ادھر نہ اُدھر (یعنی بیچ میں) لٹکی ہو (یعنی نہ تو اس کے حقوق ادا کیے جائیں کہ خاوند والی سمجھی جائے اور نہ اس کو طلاق دی جائے کہ بے خاوند والی کہی جائے، بلکہ رکھو تو اچھی طرح رکھو) اور (رکھنے کی صورت میں جو زمانہ ماضی میں کچھ ناگوار معاملات ان سے کیے گیے) اگر (ان معاملات کی فی الحال) اصلاح کر لو اور (آئندہ زمانہ میں ایسے معاملات سے) احتیاط رکھو تو (وہ اور گزشتہ معاف کر دیئے جائیں گے، کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں، (چونکہ اصلاح ذنوب متعلقہ بحقوق العباد کی ان عباد کے معاف کرنے سے ہوتی ہے، پس اصلاح میں یہ معافی بھی آگئی، تو اس کے وقوع کے بعد توبہ شرعاً صحیح ہوگئی اس لیے مقبول ہوگئی) اور اگر دونوں میاں بیوی (میں کسی طرح بھی موافقت نہ ہوئی اور دونوں) جدا ہو جائیں (یعنی خلع یا طلاق ہو جائے) تو (کوئی ان میں سے خواہ مرد اگر اس کی زیادتی ہے یا عورت اگر اس کی کوتاہی ہے یوں نہ سمجھے کہ بدون میرے اس دوسرے کا کام ہی نہ چلے گا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنی وسعت (قدرت) سے (دونوں میں سے) ہر ایک کو (دوسرے سے) بے احتیاج کر دے گا (یعنی ہر ایک کا مقدر کام بے دوسرے کے چل جائے گا) اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے اور بڑی حکمت والے ہیں (ہر ایک کے لیے مناسب سبیل نکال دیتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں (تو ایسے مالک کے احکام کا ماننا بہت ہی ضرور ہے) اور (بجا آوری احکام کا خطاب خاص تم ہی کو نہیں ہوا بلکہ) واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب (آسمانی یعنی توراۃ و انجیل) ملی تھی اور تم کو بھی (حکم دیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو (جس کو تقویٰ کہتے ہیں، جس میں تمام احکام کی موافقت داخل ہے، اسی لیے اس سورۃ کو تقویٰ سے شروع کر کے اس کی تفصیل میں مختلف احکام لائے ہیں) اور (یہ بھی ان کو اور تم کو سنایا گیا کہ) اگر تم ناشکری کرو گے (یعنی احکام الٰہیہ کی مخالفت کرو گے) تو (خدا تعالیٰ کا کوئی ضرر نہیں ہاں تمہارا ہی ضرر ہے کیونکہ) اللہ

www.toobaaelibrary.com

تعالیٰ کی (تو) ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں (ایسے بڑے سلطان کا کیا ضرر ہوگا، البتہ ایسے بڑے سلطان کی مخالفت بلا شک مضر ہے) اور اللہ تعالیٰ کسی (کی اطاعت) کے حاجت مند نہیں (اور) خود اپنی ذات میں محمود (وکامل الصفات) ہیں (پس کسی کی مخالفت سے ان کی صفات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا) اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور (جب وہ ایسے قادر ومختار ہیں تو اپنے اطاعت گزار بندوں کے لیے وہ) اللہ تعالیٰ کارساز ہیں (پس ان کی کارسازی کے ہوتے ان کے فرمانبرداروں کو کون ضرر پہنچا سکتا ہے، پس کسی سے ڈرنا نہ چاہئے، اور اللہ تعالیٰ جو تم کو دین کے کام بتلا رہے ہیں تو تمہاری ہی سعادت کے لیے ورنہ وہ دوسروں سے بھی کام لے سکتے ہیں، کیونکہ ان کی ایسی قدرت ہے کہ) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اے لوگو تم سب کو فنا کر دیتا اور دوسروں کو موجود کر دیتا (اور ان سے کام لے لیتا، جیسا دوسری آیت میں ہے اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ الخ اور اللہ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں (پھر ایسا جو نہیں کیا تو ان کی عنایت ہے، اطاعت حکم کو غنیمت سمجھ کر سعادت حاصل کرو اور دیکھو دین کے کام کا اصلی ثمرہ آخرت میں ہے دنیا نہ ملنے سے بددل نہ ہونا بلکہ) اللہ تعالیٰ کے پاس (یعنی ان کی قدرت میں) تو دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ (موجود) ہے (جب ادنیٰ اعلیٰ دونوں پر ان کی قدرت ہے، تو اعلیٰ ہی چیز کیوں نہ مانگی جائے) اور اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں، (سب کے اقوال اور درخواستوں کو دنیا کی ہوں یا دین کی سنتے ہیں، اور سب کی نیتوں کو دیکھتے ہیں، پس طالبانِ آخرت کو ثواب دیں گے، اور طالبانِ دنیا کو آخرت میں محروم رکھیں گے، پس آخرت ہی کی نیت اور درخواست کرنا چاہیے، البتہ دنیا کی حاجت مستقل طور پر مانگنا مضائقہ نہیں، لیکن عبادت میں یہ قصد نہ کرے)۔

تلخیص معارف ومسائل

ربط: شروع سورت میں یتیم بچوں اور عورتوں کے حقوق اور میراث سے متعلق احکام مذکور ہوئے تھے۔ لوگوں کو انتظار تھا کہ یہ احکام وقتی تھے بعد میں منسوخ ہو جائیں گے، جب نسخ نہ ہوا تو مشورہ ٹھہرا کہ پیغمبر علیہ السلام سے پوچھنا چاہیے، چناں چہ سوال کیا۔ ابن جریر اور ابن المنذر نے آیت کا سبب نزول اسی سوال کو نقل کیا ہے۔ بعد کی آیتوں میں عورتوں سے متعلقہ چند اور احکام بیان فرما دیے گئے۔ (بیان القرآن)

www.toobaaelibrary.com

آیت ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰: میں اللہ تعالیٰ نے ازدواجی زندگی کے اس تلخ اور کٹھن پہلو کے متعلق ہدایات دی ہیں جو طویل زندگی کے مختلف ادوار میں زوجین کو کبھی نہ کبھی پیش آہی جاتا ہے، اور صحیح اصول کے تحت ان پر قابو نہ پانے سے دنیا جہنم بن جاتی ہے۔ اور بسا اوقات یہ رنجش خاندانوں اور قبیلوں کی باہمی جنگ اور قتل تک نوبت پہنچا دیتی ہے۔

آیت ۱۲۸: ایسے حالات سے متعلق ہے جس میں زوجین کے تعلقات غیر اختیاری طور پر کشیدہ ہو جائیں اور ہر فریق اپنی جگہ معذور سمجھا جائے، مثلاً عورت بدصورت یا سن رسیدہ ہے، اور شوہر خوش رو ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں کوئی قصوروار اور مجرم نہیں، اس آیت کے شانِ نزول میں اسی طرح کے چند واقعات منقول ہیں۔

ایسے حالات میں اگر عورت آزاد ہونے کے لیے تیار ہے تو معاملہ صاف ہے، اور اگر اپنی اولاد کے مفاد کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس کا کوئی دوسرا سہارا نہیں، عورت آزادی نہیں چاہتی تو اب ایک ہی راستہ ہے کہ شوہر کو کسی چیز پر راضی کیا جائے مثلاً عورت اپنے تمام یا بعض حقوق کا مطالبہ چھوڑ دے، اور شوہر حقوق کے بارے میں سبکدوشی کا خیال کر کے اس پر صلح کر لے۔

فَلَا جُنَاحَ کا عنوان اس لیے اختیار فرمایا کہ معاملہ کی صورت بظاہر رشوت کی سی ہے، کہ شوہر کو مہر وغیرہ کی معافی کا لالچ دے کر ازدواجی زندگی کا تعلق باقی رکھا گیا ہے، لیکن قرآن نے واضح کر دیا کہ یہ رشوت میں داخل نہیں بلکہ مصلحت میں داخل ہے اور بَیْنَہُمَا سے اشارہ یہ ہے کہ زوجین خود ہی کوئی بات طے کر لیں، کوئی تیسرا دخیل نہ ہو، کیوں کہ بعض اوقات مصالحت ناممکن ہو جاتی ہے نیز طرفین کے عیوب تیسرے کے سامنے بلاوجہ آتے ہیں جس سے بچنا ہی مصلحت ہے۔

لیکن اگر حق تعالیٰ کے خوف کو سامنے رکھ کر احسان سے کام لو اور دل نہ ملنے کے باوجود تعلق کو نبھاؤ اور اس کے سب حقوق بھی پورے کرو، تو تمہارا یہ حسن عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس تحمل اور حسن عمل کا بدلہ ایسی نعمتوں سے دے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے، اس کا بدلہ تمہارے وہم و خیال سے بھی زائد ہوگا فرمایا: وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

اسی طرح اگر شوہر حقوق واجبہ ادا نہیں کرتا اور بیوی آزادی چاہتی ہے پس اگر شوہر راضی ہے تو معاملہ صاف ہے، اور اگر شوہر آزاد نہیں کرنا چاہتا تو عورت کو اپنی آزادی کے لیے اسلامی عدالت سے

www.toobaaelibrary.com

مطالبہ کر کے آزاد ہو جائے، لیکن اگر عورت شوہر کی بے رخی اور کج روی پر صبر کر کے تعلق کو نبھائے اور شوہر کے حقوق کو ادا کرے تو یہ اس کے لیے افضل واعلیٰ اور موجب ثواب عظیم ہے۔

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ درمیان میں یہ جملہ ایسے عنوان سے بیان فرمایا کہ زیر بحث جھگڑے کے علاوہ دوسرے قسم کے خانگی اختلافات اور تمام ہی معاملات کے باہمی جھگڑے اور خصومات ومقدمات داخل ہیں۔ صلح کو خیر اور بہتر بتایا گیا ہے بجز اس صلح کے جس میں کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھہرایا گیا۔ (حاکم مظہری) حاکم کی روایت میں ہر صلح کو جائز بتایا گیا ہے اس عموم سے امام اعظمؒ نے یہ مسئلہ نکالا کہ صلح کی سب اقسام جائز ہیں۔ خواہ اقرار کے ساتھ ہو یا سکوت وانکار کے ساتھ، سکوت وانکار کی صورت میں بعض ائمہ فقہاء کا اختلاف بھی ہے۔

ایک مسئلہ قابل ذکر یہ ہے کہ ایسے حقوق جن کی ادائیگی بوقت صلح شوہر پر واجب ہی نہ تھی مثلاً آئندہ زمانہ کا نان ونفقہ یا حق شب باشی ان حقوق کے ترک پر اگر مصالحت کرلے گی تو عورت کا حق مطالبہ ہمیشہ کے لیے ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ جب اس کا دل چاہے یہ کہہ سکتی ہے کہ آئندہ میں اپنا یہ حق چھوڑنے کے لیے تیار نہیں بایں صورت شوہر کو اختیار ہوگا کہ اسے آزاد کردے (مظہری)

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا الخ تفریق کی صورت میں زوجین پریشان نہ ہوں، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دوسرے سے مستغنی کردیں گے، وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝ ممکن ہے اس علیحدگی ہی میں حکمت ومصلحت ہو۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا الخ اور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہیں، یعنی قلبی میلان میں مساوات (اگر متعدد بیویاں ہوں تو) کیوں کہ یہ انسانی قدرت میں نہیں، مگر یہ بھی نہ ہو کہ بالکل ایک ہی کے طرف کے نہ ہو رہو، کہ اختیاری معاملات مثلاً شب باشی، طرز معاشرت، نفقہ وغیرہ میں بھی اس کو ترجیح دینے لگو۔ اس آیت سے نساء کی پہلی آیت فَاِنْ خِفْتُمْ الخ کی تشریح ہوگئی۔

اس آیت سے تعدد ازدواج کے خلاف استدلال قطعاً غلط ہے، اللہ تعالیٰ نے خود ان دونوں آیتوں کے اندر اس غلط فہمی کے ازالہ کا سامان رکھ دیا ہے۔ اور دوسری آیت میں قرینہ بھی موجود ہے یعنی فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ اور پہلی آیت میں فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً میں بطور شرط فرمانا خود کھلا ہوا قرینہ ہے۔

آیت ۱۳۱، ۱۳۲: قرآنی اسلوب کے مطابق ترغیب وترہیب کا مضمون ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: تین بار ان الفاظ کو دہرایا گیا ہے، اوّل سے

www.toobaaelibrary.com

وسعت مقصود ہے، دوسرے سے بے نیازی کہ اللہ کو کسی کی پروا نہیں، تیسری میں رحمت و کارسازی کا اظہار ہے کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو وہ تمہارے سب کام بنا دے گا آیت ۱۳۳: سے بھی استغفار اور بے نیازی کا مکمل اظہار ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ
اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى
رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ
لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝
وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا
مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ
فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ
وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو (تمام معاملات میں ادائے حق کے وقت بھی اور فیصلہ کے وقت بھی) انصاف پر خوب قائم رہنے والے (اور اقرار یا شہادت کی نوبت آوے تو) اللہ (کی خوشنودی) کے لیے (سچی) گواہی دینے والے رہو، اگرچہ (وہ گواہی اور اظہار) اپنی ہی ذات کے خلاف ہو، (جس کو اقرار کہتے ہیں) یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابل ہو (اور گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں یہ امیر ہے اس کو نفع پہنچانا چاہئے، تاکہ اس سے بے مروّتی نہ ہو، یا یہ کہ یہ غریب ہے، اس کا کیسے نقصان کر دیں، تم گواہی دینے میں کسی کی امیری غریبی یا نفع و نقصان کو نہ دیکھو، کیونکہ) وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینی پڑے گی) اگر امیر ہے تو غریب ہے تو، دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے (اتنا تعلق تم کو نہیں، کیونکہ تمہارا تعلق جس قدر ہے وہ بھی انہی کا دیا ہوا، اور اللہ تعالیٰ کا جو

www.toobaaelibrary.com

تعلق ہے وہ تمہارا دیا ہوا نہیں، پھر جب باوجود قوی تعلق کے اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت اسی میں رکھی ہے کہ گواہی میں حق بات کہی جائے خواہ اس سے وقتی طور پر کچھ نقصان بھی پہنچ جائے تو تم ضعیف تعلق کے باوجود اپنی شہادت میں ان کی ایک عارضی مصلحت کا کیوں خیال کرتے ہو) سو تم (اس شہادت میں) خواہش نفس کا اتباع مت کرنا، کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کج بیانی کرو گے (یعنی غلط گواہی دو گے) یا پہلو تہی کرو گے (یعنی شہادت کو ٹالو گے) تو (یاد رکھنا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ اے ایمان والو! (یعنی جو مجملاً ایمان لاکر مؤمنین کے زمرہ میں داخل ہو چکے ہیں) تم (عقائد ضروریہ کی تفصیل سن لو کہ) اعتقاد رکھو اللہ کی (ذات وصفات کے) ساتھ اور اس کے رسول (کی رسالت) کے ساتھ اور اس کتاب (کے حق ہونے) کے ساتھ جو اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) اپنے رسول (یعنی) پر نازل فرمائی اور ان کتابوں (کے حق ہونے) کے ساتھ (بھی) جو کہ (رسول اللہ ﷺ سے) پہلے (اور نبیوں پر) نازل ہو چکی ہیں (اور رسول اللہ اور کتب سابقہ پر ایمان لانے میں ملائکہ اور باقی انبیاء علیہم السلام اور یوم قیامت پر ایمان رکھنا بھی داخل ہو گیا) اور جو شخص اللہ (کی ذات یا صفات) کا انکار کرے اور (اسی طرح) اس کے فرشتوں کا (انکار کرے) اور (اسی طرح جو) اس کی کتابوں کا (جس میں قرآن بھی آ گیا انکار کرے) اور (اسی طرح جو) روز قیامت کا (انکار کرے) تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا، بلاشبہ جو لوگ (پہلے تو) مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے (اور اس بار بھی اسلام پر قائم نہ رہے ورنہ پھر بھی ایمان مقبول ہو جاتا بلکہ) کفر میں بڑھتے چلے گئے (یعنی کفر پر دم مرگ تک ثابت اور دائم رہے) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ ان کو (منزل مقصود یعنی بہشت کا) راستہ دکھائیں گے، (کیونکہ مغفرت اور جنت کے لیے موت تک مؤمن رہنا شرط ہے) منافقین کو خوشخبری دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے (آخرت میں) بڑی دردناک سزا (تجویز کی گئی) جن کی یہ حالت ہے کہ (عقائد تو اہل ایمان کے نہ رکھتے تھے مگر وضع بھی اہل ایمان کی نہ رکھ سکے چنانچہ) کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ان کے پاس (جا کر) عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں سو (خوب سمجھ لو کہ) عزت تو ساری خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے (وہ جس کو چاہیں دیں، پس اگر خدا تعالیٰ ان کو یا جن سے جا جا کر دوستی کرتے ہیں ان کو عزت نہ دیں تو کہاں سے معزز بن جاویں گے) اور (اے مسلمانو! دیکھو تم منافقین کی طرح کفار کے ساتھ خصوصیت مت رکھنا خاص کر جس وقت وہ کفریات کا تذکرہ کرتے ہوں، چنانچہ اس سورۂ مدنیہ کے قبل بھی) اللہ تعالیٰ تمہارے پاس

www.toobaaelibrary.com

یہ فرمان (سورۂ انعام میں جو کیہ ہے) بھیج چکا ہے (جس کا حاصل یہ ہے کہ) کہ جب (کسی مجمع میں) احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کریں (اور یہ مضمون اس آیت کا حاصل ہے وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ الخ سو یہ استہزاء کرنے والے مکہ میں مشرکین تھے، اور مدینہ میں یہود تو علانیہ اور منافقین صرف غرباء وضعفاءِ مسلمین کے روبرو، پس جس طرح وہاں مشرکین کی مجالست ایسے وقت میں ممنوع تھی یہاں یہود اور منافقین کی مجالست سے نہی ہے اور یہ ممانعت ہم اس لیے کرتے ہیں) کہ اس حالت میں تم بھی (گناہ میں) انہی جیسے ہو جاؤ گے، (گو دونوں کی نوعیت میں فرق ہو کہ ایک گناہ کفر کا ہے دوسرا فسق کا، اور اس ممانعتِ مجالست میں کفار اور منافقین سب برابر ہیں، کیونکہ علت اس کی خوض فی الکفر یعنی کفر کی باتوں کا تذکرہ اور اس خوض کا منشاء کفر ہے اور اس میں دونوں برابر ہیں، چنانچہ سزائے کفر یعنی دوزخ کا ایندھن ہونے میں بھی دونوں برابر ہوں گے، کیونکہ) یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے (اور) وہ (منافقین) ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے کے منتظر (اور آرزومند) رہتے ہیں پھر (ان کے اس انتظار کے بعد) اگر تمہاری فتح من جانب اللہ ہو گئی تو (تم سے آکر) باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ (جہاد میں شریک) نہ تھے (کیونکہ نام و نمود کو تم مسلمانوں میں گھسے ہی رہتے تھے، مطلب یہ کہ ہم کو بھی غنیمت کا حصہ دو) اور اگر کافروں کو (غلبہ کا) کچھ حصہ مل گیا، (یعنی وہ اتفاق سے غالب آ گئے) تو (ان سے جا کر) باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے (مگر ہم نے قصداً تمہارے غالب کرنے کے لیے مسلمانوں کی مدد نہ کی اور ایسی تدبیر کی کہ لڑائی بگڑ گئی) اور کیا ہم نے (جب تم مغلوب ہونے لگے تھے) تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا (اس طرح کہ ان کی مدد نہ کی، اور تدبیر سے لڑائی بگاڑ دی، مطلب یہ کہ ہمارا احسان مانو اور جو کچھ تمہارے ہاتھ آیا ہے ہم کو بھی کچھ حصہ دلواؤ، غرض دونوں طرف سے ہاتھ مارتے ہیں) سو (دنیا میں گو اظہار اسلام کی برکت سے مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن) اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائیں گے (بلکہ کفار مجرم قرار پا کر دوزخ میں جاویں گے، اور مسلمان اہل حق ثابت ہو کر جنت میں جائیں گے، اور فیصلۂ عملی یہی ہے)

تلخیص معارف و مسائل

آیت ۱۳۵: اس میں تمام مسلمانوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کی ہدایت کی گئی ہے، اور

www.toobaaelibrary.com

قیام عدل میں مانع چیزوں کو بڑے بلیغ انداز میں دور کیا گیا ہے۔ اس آیت سے اور اسی طرح سورۃ مائدہ اور حدید کی آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں بھیجنے کا اصل مقصد عدل و انصاف کا قیام ہے اور دنیا کا امن اسی سے قائم رہ سکتا ہے۔

اور واضح ہو کہ عدل و انصاف پر قائم رہنا صرف حکومت کا فریضہ نہیں بلکہ ہر انسان اس کا مکلف اور مخاطب ہے کہ خود اس پر قائم رہے اور دوسروں کو اس پر قائم رکھنے کی کوشش کرے، ہاں انصاف کا ایک درجہ حکومت اور حکام کے ساتھ مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ شرارت اور سرکشی کی صورت میں حاکمانہ تعزیر اور سزا کی ضرورت ہے ظاہر ہے کہ یہ اقامت عدل و انصاف صاحب اقتدار حکومت ہی کر سکتی ہے۔

آج کی دنیا میں تعلیم یافتہ لوگ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ انصاف کرنا صرف حکومت اور عدل کا فریضہ ہے، عوام اس کے ذمہ دار نہیں ہیں، یہی وہ سب سے بڑی وجہ ہے جس نے ہر ملک میں حکومت اور عوام کو دو متضاد فریق بنا دیا ہے۔

اب سے سو سال پہلے ہی کا موازنہ کریں، اعداد و شمار محفوظ ہیں، وہ گواہی دیں گے کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، جوں جوں قانون سازی بڑھی، تنفیذ قانون کے لیے مشینری بڑھی، اتنے ہی روز بروز جرائم بڑھے، لوگ انصاف سے دور ہوتے گئے، اور اسی رفتار سے دنیا کی بدامنی بڑھتی چلی گئی۔

اس حقیقت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ دنیا کا امن و سکون نرے تعزیرات سے نہ کبھی حاصل ہوا، نہ آئندہ ہوگا، عالم کے امن و امان کی ضمانت صرف عقیدۂ آخرت اور خوف خدا دے سکتا ہے قرآن پاک کی مذکورہ آیات بسلسلۂ قیام عدل و انصاف اسی انقلابی عقیدہ کی تلقین پر ختم کی گئی ہیں اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۝ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (مائدہ) اور اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (حدید)

قرآن حکیم کے بیان کردہ پورے نظام کو اپنایا جائے تو آج بھی خونخوار اور بدکار دنیا ایک ایسے صالح معاشرہ میں تبدیل ہو جائے جو آخرت کی جنت سے پہلے نقد جنت ہو اور ارشاد الٰہی وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ۝ کا ظہور مشاہدہ میں آجائے یہ کوئی فرضی یا خیالی اسکیم نہیں بلکہ اس کے پیغامبر مقدس رسول اللہ ﷺ نے اس کو عملی صورت میں لا کر چھوڑا ہے، اور آپ کے بعد خلفاء نے اور متبع سنت سلاطین نے جب بھی اس پر عمل کیا تو شیر اور بکری کے ایک گھاٹ پر پانی پینے کی فرضی مثال ایک حقیقت بن کر لوگوں کے مشاہدہ میں آگئی، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا اعتراف غیروں نے بھی کیا۔

عدل و انصاف کے قیام میں مانع اسباب دو ہی ہوتے ہیں، ایک کسی کی محبت و قرابت، دوسری

www.toobaaelibrary.com

چیز کسی کی عداوت و دشمنی، انھیں دونوں چیزوں کے باعث شہادت بھی غلط ہو جاتی ہے اور قاضی اور جج کو خلاف فیصلہ دینے کی باعث ہو جاتی ہے، ان دونوں سورتوں میں انھیں دونوں رکاوٹوں کو دور کیا گیا ہے نساء کی آیت میں قرابت اور تعلق کی رکاوٹ دور کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، اور مائدہ کی آیت میں عداوت و دشمنی کی رکاوٹ کو دور کیا گیا ہے۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ الخ۔

ایک مختصر لفظ "تُقْسِطُوْا" کے بجائے طویل جملہ "كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ اختیار کرنے میں اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ کسی معاملہ میں اتفاقی طور پر عدل و انصاف کر دینے سے ذمہ داری پوری نہیں ہو جاتی بلکہ قوامین کا استعمال فرما کر یہ بتلایا کہ عدل و انصاف پر ہمیشہ، ہر وقت، ہر حال اور ہر دوست و دشمن کے لیے قائم رہنا ضروری ہے۔ پھر ان دونوں (نساء اور مائدہ) آیتوں میں پوری دنیا کو عدل و انصاف پر قائم کرنے اور قائم کرانے کے لیے جو ذریں اصول اختیار کئے گئے ہیں وہ بھی قرآن عظیم ہی کی خصوصیات میں سے ہیں۔

لِلّٰهِ یا شُهَدَآءَ لِلّٰهِ فرما کر حکام اور عوام دونوں کو للّٰہیت اور اخلاص عمل کی دعوت دی گئی ہے نیز ذمہ داری (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) فرما کر پوری امت مسلمہ اور (لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ) فرما کر تمام افراد انسانی پر ڈال دی گئی ہے اور وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ فرما کر یہ ہدایت فرما دی کہ انصاف کا مطالبہ صرف دوسروں سے ہی نہیں بلکہ اپنے نفس سے بھی ہونا چاہیے۔ آیت ۱۳۷: اس سے مراد منافقین ہیں اور بقول بعض یہ یہودیوں کی شان میں ہے کہ اوّل ایمان لائے پھر گوسالہ کی عبادت کر کے کافر ہو گئے، پھر توبہ کر کے مومن ہو گئے، پھر عیسیٰ علیہ السلام سے منکر ہو کر کافر ہو گئے، بعدہٗ رسول اللہ کی رسالت کا انکار کر کے کفر میں ترقی کر گئے۔ (روح المعانی)

لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۞ یعنی ان کے بار بار کفر کی طرف لوٹنے سے ان کی توفیق حق ہی سلب ہو جائے گی اور آئندہ توبہ اور ایمان کا موقعہ ہی نصیب نہ ہوگا، ورنہ قاعدہ تو وہی ہے کہ کیسا ہی کافر یا مرتد ہو اگر سچی توبہ کر لے تو پچھلا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔

آیت ۱۳۸: ہر شخص اپنے مستقبل کے لیے خوشخبری سننے کا منتظر رہا کرتا ہے، مگر منافقین کے لیے اس کے سوا کوئی خبر نہیں ان کے لیے بشارت کے عوض یہی خبر ہے۔

آیت ۱۳۹: کفار و مشرکین سے دوستانہ تعلقات کی عموماً غرض یہی ہوتی ہے کہ ان کی ظاہری عزت و قوت سے ہمیں بھی عزت حاصل ہو جائے گی، اس لغو خیال کی حقیقت اس طرح واضح فرما دی گئی ہے کہ ان کے پاس تو عزت نہیں، عزت یعنی قوت و غلبہ تو صرف اللہ تعالیٰ (اور رسول اور مومنین

www.toobaaelibrary.com

کے لیے، سورۂ منافقون) کے لیے مخصوص ہے، مخلوق میں جسے ملتا ہے اسی کا عطیہ ہوتا ہے، یہ کس قدر بے عقلی ہے کہ اصل مالک عزت کو تو ناراض کیا جائے اور اس کے دشمنوں کے ذریعہ عزت حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا مَنِ اعْتَزَّ بِالْعَبِيْدِ اَذَلَّهُ اللّٰهُ (جصاص)

پس معلوم ہوا کہ عزت صرف اللہ سے یا مسلمانوں کے ذریعہ طلب کی جائے۔

آیت ۱۴۰: اس آیت اور سورۂ انعام کی آیت ٦٩ کا مشترک مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار یا ان پر استہزاء کر رہے ہوں (نیز تحریف معنوی یا رسول اکرمؐ اور صحابہؓ کی تفسیر کے خلاف تفسیر کرنا اور تفسیر بالرائے بیان کرنا بھی اس میں داخل ہے) تو جب تک وہ اس بے ہودہ شغل میں لگے رہیں، ان کی مجلس میں بیٹھنا اور شرکت کرنا بھی حرام ہے، اور بھول کر کبھی ایسی مجلس میں بیٹھ جائے تو یاد آتے ہی علیحدہ ہو جانا چاہیے۔

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ایسے کفار و فجار کی مجلس میں بعد میں بھی بیٹھنا درست نہیں، (حسن بصریؒ) لیکن اگر بعد میں کوئی شرعی یا طبعی ضرورت داعی ہو تو جائز ہے، بلا ضرورت حرام ہے۔ (مظہری)

بروں کی صحبت سے تنہائی بھلی ہے

مذکورہ بحث میں مجلس سے اٹھ جانے کے متعلق جو کہا گیا ہے اس کے لیے یہ شرط ہے کہ شرعی حیثیت سے اس مجلس کے چھوڑ دینے میں کوئی گناہ لازم نہ آتا ہو، مثلاً مسجد میں جماعت کی شرکت لازمی امر ہے اگر وہاں کوئی خلاف شرع کام ہونے لگے، تو اس کی وجہ سے جماعت ترک نہ کرے بلکہ صرف قلبی ناراضگی پر اکتفاء کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں، اوّل ان کے کفریات پر رضا کے ساتھ، یہ کفر ہے دوم اظہار کفریات کے وقت کراہیت کے ساتھ، یہ بلا عذر فسق ہے، سوم کسی ضرورت دنیوی کے واسطے، یہ مباح ہے چہارم تبلیغ احکام کے لیے عبادت ہے پنجم اضطرار اور بے اختیاری کے ساتھ اس میں معذور ہے۔

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ: یعنی خدانخواستہ تمہارے جذبات وخیالات بھی ایسے ہیں کہ تم ان کے کفریات کو پسند کرتے اور اس پر راضی ہوتے ہو تو حقیقتاً تم بھی کافر ہو کیوں کہ کفر کو پسند کرنا بھی کفر ہے، تم اپنی اس شرکت کے ذریعہ ان کی امداد کر کے معاذ اللہ ان کی مثل ہو گئے۔

www.toobaaelibrary.com

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ
النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۙ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي
الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ
وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ۝
مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ
الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ إِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوْهُ أَوْ
تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّفَرِّقُوْا
بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ
أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا
بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

بلاشبہ منافق لوگ (اظہار ایمان میں) چالبازی کرتے ہیں اللہ سے (گو ان کی چال اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور گو ان کا اعتقاد اللہ کے ساتھ چالبازی کرنے کا نہ ہو، مگر ان کی یہ کاروائی مشابہ اسی کے ہے کہ جیسا یہی اعتقاد ہو) حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں، اور (چونکہ دل میں ایمان تو ہے نہیں، اور اس لیے نماز کو فرض نہ سمجھیں نہ اس میں ثواب کا اعتقاد رکھیں، اس لیے) جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، (کیونکہ نشاط اعتقاد اور امید سے پیدا ہوتا ہے) صرف آدمیوں کو (اپنا نمازی ہونا) دکھلاتے ہیں (تاکہ مسلمان سمجھیں) اور (چونکہ محض نماز کا نام ہی کرنا ہے اس لیے اس نماز میں) اللہ تعالیٰ کا ذکر (زبانی) نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر (یعنی محض صورت نماز کی بنا لیتے ہیں، جس میں نماز کا نام ہو جاوے، اور عجب نہیں کہ اٹھنا ہی بیٹھنا ہوتا ہو، کیونکہ جہر کی ضرورت تو بعض نمازوں میں امام کو ہوتی ہے، امامت تو ان کو کہاں نصیب ہوتی، مقتدی ہونے کی حالت میں اگر کوئی بالکل نہ پڑھے فقط لب ہلاتا رہے تو کسی کو کیا خبر ہو تو ایسے بد اعتقادوں سے کیا بعید ہے زبان بھی نہ ہلاتی ہو) معلق ہو رہے ہیں دونوں کے (یعنی کفار ومؤمنین کے) درمیان میں نہ

www.toobaaelibrary.com

(پورے) اِدھر نہ (پورے) اُدھر (کیونکہ ظاہر میں مؤمنین تو کفار سے الگ اور باطن میں کافر تو مؤمنین سے الگ) اور جس کو خدا تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں (جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ عزم فعل کے وقت اس فعل کو پیدا کر دیتے ہیں) ایسے شخص کے (مؤمن ہونے کے) لیے کوئی سبیل نہ پاؤ گے (مطلب یہ کہ ان منافقین کی راہ پر آنے کی امید مت رکھو، اس میں منافقین کی تشنیع ہے اور مؤمنین کی تسلی کہ ان کی شرارتوں سے رنج نہ کریں) اے ایمان والو! تم مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو (خواہ منافق ہوں خواہ مجاہر ہوں) دوست مت بناؤ (جیسا منافقین کا شیوہ ہے، کیونکہ تم کو ان کی حالت کفر و عداوت کی معلوم ہو چکی) کیا تم (ان سے دوستی کر کے) یوں چاہتے ہو کہ اپنے اوپر (یعنی اپنے مجرم ہو مستحق عذاب ہونے پر) اللہ تعالیٰ کی حجت صریح قائم کرلو (حجت صریحہ یہی ہے کہ ہم نے جب منع کر دیا تھا پھر کیوں کیا) بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں جائیں گے (اے مخاطب) تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا (جو ان کو اس سزا سے بچا سکے) لیکن (ان میں سے) جو لوگ (نفاق سے) توبہ کرلیں اور (مسلمانوں کے ساتھ جو ان کے ایذا رساں معاملات تھے ان کی) اصلاح کرلیں (یعنی پھر ایسی باتیں نہ کریں) اور (کفار سے جو بغرض ان کی پناہ میں رہنے کے دوستی کرتے ہیں اس کو چھوڑ کر) اللہ تعالیٰ پر وثوق (اور توکل) رکھیں اور (ریاء کو چھوڑ کر) اپنے دین (کے اعمال) کو خالص اللہ ہی (کی رضا) کے لیے کیا کریں (غرض اپنے عقائد کی، معاملات کی، اخلاق باطنی کی اعمال کی، سب کی درستی کرلیں) تو یہ (تائب) لوگ (ان) مؤمنین کے ساتھ (درجات جنت میں) ہوں گے، (جو کہ پہلے سے کامل ایمان رکھتے ہیں) (اور) مؤمنین کو اللہ تعالیٰ (آخرت میں) اجر عظیم عطا فرمائیں گے (پس جب یہ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے تو ان کو بھی اجر عظیم ملے گا، اور اے منافقو) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دیکر کیا کریں گے اگر تم (ان کی نعمتوں کی جو تم پر ہیں) سپاس گذاری کرو اور (اس سپاس گزاری کا طریقہ ہمارا پسندیدہ یہ ہے کہ تم) ایمان لے آؤ (یعنی خدا تعالیٰ کا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا جو تم کو سزا دینے سے چل جاوے صرف تمہارا کفر جو اشد درجہ کا کفران نعمت ہے سبب ہے تمہاری سزا کا اگر اس کو چھوڑ دو تو پھر رحمت ہی رحمت ہے) اور اللہ تعالیٰ (تو خدمت کی) بڑی قدر کرنے والے (اور خدمت گزاری کے خلوص وغیرہ کو) خوب جاننے والے ہیں (پس جو شخص اطاعت واخلاص سے رہے اس کو بہت کچھ دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو (کسی کے لیے) پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے (کہ اپنے ظالم کی نسبت کچھ حکایت شکایت کرنے لگے تو وہ گناہ نہیں) اور اللہ تعالیٰ

www.toobaaelibrary.com

(مظلوم کی بات) خوب سنتے ہیں (اور ظالم کے ظلم کی حالت) خوب جانتے ہیں (اس میں اشارہ ہے کہ مظلوم کو بھی خلافِ واقعہ کہنے کی اجازت نہیں، اور ہر چند کہ ایسی شکایت جائز تو ہے لیکن) اگر نیک کام علانیہ کرو یا اس کو خفیہ کرو (جس میں معاف کرنا بھی آ گیا) یا (بالخصوص) کسی (کی) برائی کو معاف کر دو (زیادہ افضل ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ (بھی) بڑے معاف کرنے والے ہیں، (باوجودیکہ) پوری قدرت والے ہیں (کہ اپنے مجرموں سے ہر طرح انتقام لے سکتے ہیں، مگر پھر بھی اکثر معاف ہی کر دیتے ہیں، پس اگر تم ایسا کرو تو اول تو تخلق باخلاق الٰہیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا اتباع ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرنے کی امید ہوگی) جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ (جیسا ان کے عقیدہ اور قول سے جو آگے آتا ہے صاف طور پر لازم آتا ہے) اور (کفر کرتے ہیں) اس کے رسولوں کے ساتھ (یعنی بعض کے ساتھ تو صراحۃً، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضور ﷺ کی نبوت کے منکر تھے، اور کل کے ساتھ لزوماً جیسا آگے آتا ہے) اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان میں (باعتبار ایمان لانے کے) بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں (اس قول اور اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی، کفر لازم آ گیا، اور سب رسولوں کے ساتھ بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور ہر رسول نے سب رسولوں کو رسول کہا ہے، جب بعض کا انکار ہوا تو اللہ تعالیٰ کی اور بقیہ رسولوں کی تکذیب ہو گئی، جو کہ ضد ہے تصدیق اور ایمان کی) اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں (کہ نہ سب پر ایمان رہے جیسے مسلمان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور نہ سب کا انکار رہے جیسا کہ مشرکین کرتے تھے سو) ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں (کیونکہ کفر بالبعض بھی کفر ہے، اور ایمان اور کفر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، جب ایمان بالجمیع نہ ہوا تو کفر ہی ہوا) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں (ایمان لانے کے اعتبار سے) فرق نہیں کرتے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کا ثواب دیں گے اور (چونکہ) اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (اس لیے ایمان لانے سے پہلے جتنے گناہ ہو چکے ہیں، سب بخش دیں گے اور چونکہ وہ) بڑے رحمت والے ہیں (اس لیے ایمان کی برکت سے ان کے حسنات کو مضاعف کر کے خوب ثواب دیں گے)

تلخیص معارف و مسائل

مسئلہ: قَامُوْا كُسَالٰى: یہاں مذمت کسل اعتقادی کی ہے اعتقادِ صحیح کے ساتھ کسل اس سے

www.toobaaelibrary.com

خارج ہے اگر کسی عذر مثل مرض و تعب وغلبہ نوم سے ہو تو قابل ملامت بھی نہیں، بلا عذر ہو تو قابل ملامت ہے۔ (بیان القرآن)

وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی عمل مقبول ہے جو ریاء سے پاک ہو، خالص اللہ کے لیے ہو لوگوں سے تعریف کرانے کے لیے نہ ہو۔

آیت: ۱۴۸-۱۴۹: ان میں تو اصل مقصد ظلم کے معاف کرنے سے متعلق ہے مگر اسی کے ساتھ علانیہ اور خفیہ نیکی کا بھی ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ عفو و درگزر ایک بڑی نیکی ہے جو اس کو اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ کے عفو و رحمت کا مستحق ہوگا آیت مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مظلوم اگر ظلم کی شکایت یا حکایت لوگوں سے کرے تو یہ غیبت حرام میں داخل نہیں کیوں کہ ظالم نے خود اس کو شکایت کا موقع دیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا: اللہ تعالیٰ جب قادر مطلق ہو کر معاف کرنے والے ہیں تو انسان جس کو قدرت و اختیار بھی کچھ نہیں وہ اگر انتقام لینا بھی چاہے تو بہت ممکن ہے کہ اس پر قدرت ہی نہ ہو اس لیے اس کو تو عفو و درگزر اور بھی مناسب ہے۔

یہ ہے رفع ظلم اور اصلاح معاشرہ کا قرآنی اصول اور مربیانہ انداز کہ ایک طرف انتقام کا حق دے کر (دیکھیے نحل کی آیت: ۱۲۶) عدل و انصاف کا بہترین قانون بنا دیا۔ دوسری طرف مظلوم کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دے کر عفو و درگزر پر آمادہ کیا جس کا لازمی نتیجہ وہ ہے جس کو قرآن کریم نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (حم السجدہ: ۳۴) یعنی جس شخص کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی اس طرز عمل سے وہ تمہارا مخلص دوست بن جائے گا۔

آیت: ۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲: نجات آخرت کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ تمام رسولوں پر بغیر تفریق کے ایمان لانا ضروری ہے اس کے بغیر نجات آخرت کی کوئی راہ نہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مدار نجات صرف مذہب اسلام ہے، کسی مخالف مذہب میں نجات نہیں ہو سکتی۔ رہی اسلام کی غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف، ہمدردی و خیر خواہی اور رواداری تو واضح ہو کہ یہ چیزیں اپنے حقوق اور ملکیت میں ہوا کرتی ہیں، مذہبی اصول و عقائد ہماری ملکیت نہیں جو ہم کسی کو تحفہ میں پیش کر سکیں۔ اسلام جس طرح غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کی تعلیم میں نہایت سخی اور فیاض ہے اسی طرح اپنی سرحدوں کی حفاظت میں نہایت محتاط اور سخت بھی ہے۔ وہ کفر اور رسوم کفر سے پوری طرح اعلان براءت بھی کرتا ہے، غیر مسلموں کو الگ ایک قوم قرار دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو ایمان

www.toobaaelibrary.com

بالرسول کیساتھ ہو ورنہ محض خدا کے اقرار و توحید کا تو شیطان بھی قائل ہے۔

يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسٰىٓ أَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوٓا أَرِنَا
اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ
ذٰلِكَ وَاٰتَيْنَا مُوسٰى سُلْطٰنًا مُّبِينًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثٰقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ
قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيثٰقًا غَلِيظًا ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثٰقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝
وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتٰنًا عَظِيمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ
اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ
عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَإِنْ مِّنْ
أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا
حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا ۝ وَّأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ
وَأَكْلِهِمْ أَمْوٰلَ النَّاسِ بِالْبٰطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ لٰكِنِ الرّٰسِخُونَ فِي الْعِلْمِ
مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُونَ
الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

(اے محمدؐ) آپؐ سے اہلِ کتاب (یہود) یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپؐ ان کے پاس ایک خاص نوشتہ آسمان سے منگوادیں سو (آپؐ ان لوگوں سے اس کو عجیب نہ سمجھئے کیونکہ یہ فرقہ ایسا معاند ہے کہ) انہوں نے (یعنی اس فرقہ کے جو لوگ موسیٰ علیہ السلام کے وقت موجود تھے انہوں نے) موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کی درخواست کی تھی، اور یوں کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا (بلا حجاب) دکھلا دو، جس پر ان کی گستاخی کے سبب ان پر کڑک بجلی کی آپڑی، پھر (اس سے بڑھ کر ان کی یہ حرکت ہو چکی ہے کہ) انہوں نے گوسالہ کو (پرستش) کے لیے تجویز کیا تھا بعد اس کے کہ بہت سے دلائل (تعیین حق و باطل کے) ان کو پہنچ چکے تھے (مراد ان دلائل سے معجزات ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے جن میں سے غرق فرعون تک بہتوں کا مشاہدہ ہو چکا تھا) پھر ہم نے ان سے درگذر کر دیا تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے بڑا رعب دیا تھا (اس رعب پر اور ہماری درگذر اور عنایت پر ان لوگوں کی یہ کیفیت تھی کہ نہ عنایت سے

www.toobaaelibrary.com

متاثر ہوتے تھے نہ رعب سے) سو ہم نے (ان کی حرکتوں کی وجہ سے) سزائے لعنت و غضب و ذلت و مسخ وغیرہ میں مبتلا کیا (یعنی) ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور ان کے کفر (انکار) کی وجہ سے احکامِ الٰہیہ کے ساتھ اور ان کے قتل کرنے کی وجہ سے انبیاء (علیہم السلام) کو (جو ان کے نزدیک بھی) ناحق (تھا) اور ان کے اس مقولہ کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب (ایسے) محفوظ ہیں (کہ ان میں مخالف مذہب یعنی اسلام کا اثر نہیں ہوتا تو مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں، حق تعالیٰ اس پر رد فرماتے ہیں کہ یہ مضبوطی اور پختگی نہیں ہے) بلکہ ان کے کفر کے سبب ان کے قلوب پر اللہ تعالیٰ نے بند لگا دیا ہے (کہ حق بات کی ان میں تاثیر نہیں ہوتی) سو ان میں ایمان نہیں مگر قدرے قلیل، (اور قدر قلیل ایمان مقبول نہیں پس کافر ہی ٹھہرے) اور (ہم نے ان کو سزائے لعنت وغیرہ میں ان وجوہ سے بھی مبتلا کیا یعنی) ان کے (ایک خاص) کفر کی وجہ سے اور (تفصیل اس کی یہ ہے کہ) حضرت مریم علیہا السلام پر ان کے بڑا بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے (جس سے تکذیب عیسیٰ علیہ السلام کی بھی لازم آتی ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے معجزہ سے ان کی برارت ظاہر فرما چکے ہیں) اور (نیز بطور تفاخر کے) ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے قتل کر دیا (یہ کہنا خود دلیل ہے عداوت کی، اور عداوت انبیاء کے ساتھ کفر ہے، نیز اس میں دعویٰ ہے قتل کا، اور قتلِ نبی بھی کفر ہے، اور دعویٰ کفر کا بھی کفر ہے) حالانکہ (علاوہ کفر ہونے کے خود ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ) انہوں نے (یعنی یہود نے) نہ ان کو (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو) قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا، لیکن ان کو) اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ (اہلِ کتاب میں سے) ان کے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے) بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں (مبتلا) ہیں، ان کے پاس اس پر کوئی (صحیح) دلیل (موجود) نہیں، بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے (یعنی یہود نے) ان کو (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو) یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا (جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں) بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف (یعنی آسمان پر) اٹھا لیا (اور ایک اور شخص کو ان کا ہم شکل بنا دیا اور وہ مصلوب و مقتول ہوا، اور یہی سبب ہوا یہود کے اشتباہ کا اور اس اشتباہ نے اہل کتاب میں اختلاف پیدا کیا) اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست (یعنی قدرت والے) حکمت والے ہیں (کہ اپنی قدرت و حکمت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا اور اٹھا لیا، اور یہود کو بوجہ تشبیہ کے پتہ بھی نہ لگا) اور (یہود کو اپنا کذب و بطلان انکار نبوت عیسویہ میں بہت جلد دنیا ہی میں ظاہر ہو جائے گا، کیونکہ وقتِ نزولِ آیت سے لے کر کسی (زمانہ میں) کوئی شخص

www.toobaaelibrary.com

اہلِ کتاب (یعنی یہود میں) سے (باقی) نہ رہے گا، مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام (کی نبوت) کی اپنے مرنے سے (ذرا) پہلے (جب کہ عالمِ برزخ نظر آنے لگتا ہے) ضرور تصدیق کرلے گا (گو اس وقت کی تصدیق نافع نہیں، مگر ظہور بطلان کے لیے تو کافی ہے تو اس سے اگر اب ہی ایمان لے آویں تو نافع ہو جاوے) اور (جب عالمِ دنیا اور عالمِ برزخ دونوں ختم ہو چکیں گے یعنی) قیامت کے روز وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) ان (منکرین کے انکار) پر گواہی دیں گے۔ سو یہود کے انہی بڑے بڑے جرائم کے سبب (جن میں سے بہت سے امور سورۂ بقرہ میں ذکر کیے) ہم نے بہت سی پاکیزہ (یعنی حلال و نافع اور لذیذ) چیزیں جو (پہلے سے) ان کے لیے (بھی) حلال تھیں (جیسا آیت كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ میں ہے) ان پر (شریعتِ موسویہ میں) حرام کر دیں (جن کا بیان سورۂ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ الخ میں ہے اور وہاں بھی یہ بتلایا گیا ہے کہ ان حلال پاک چیزوں کو ان پر حرام کرنا ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کی بناء پر ہوا تھا ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ الخ) اور (شریعت موسویہ میں بھی وہ سب حرام ہی رہیں کوئی حلال نہ ہوئی) بسبب اس کے کہ (وہ آئندہ بھی ایسی حرکتوں سے باز نہ آئے، مثلاً یہی کہ) وہ (احکام میں تحریف کر کے یا حکم خداوندی کو چھپا کر) بہت آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ (یعنی دین حق کے قبول کرنے) سے مانع بن جاتے تھے (کیونکہ ان کی اس کاروائی سے عوام کو خواہ مخواہ التباس ہو جاتا تھا، گو طلب صادق سے وہ التباس دور ہو جانا ممکن تھا) اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے، حالانکہ ان کو (توریت میں) اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اسکے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقہ (یعنی غیر مشروع ذریعہ) سے کھا جاتے تھے، (پس اس طریق حق میں رکاوٹ بننے، سود لینے اور ناجائز طریقوں سے دوسروں کا مال کھا جانے کی وجہ سے اس شریعت کی بقاء تک تخفیف نہ ہوئی، البتہ شریعتِ جدیدہ عیسویہ میں کچھ احکام بدلے تھے، جیسا آیت وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ سے معلوم ہوتا ہے، اور) شریعتِ محمدیہؐ میں بہت تخفیف ہوگئی جیسا يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ الخ سے ثابت ہے، یہ تو دنیوی سزا تھی) اور (آخرت میں) ہم نے ان لوگوں کے لیے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے (البتہ جو موافق قاعدہ شرعیہ کے ایمان لے آوے اس کی پچھلی جنایتیں سب معاف ہو جائیں گی) لیکن ان (یہود) میں جو لوگ علم (دین) میں پختہ (یعنی اس کے موافق عمل کرنے پر مضبوط) ہیں (اول اسی آمادگی نے ان پر حق کو واضح اور قبولِ حق کو سہل کر دیا جو آگے اصلاً فرمائے کو رہے) اور جو (ان

www.toobaaelibrary.com

میں) ایمان لے آنے والے ہیں کہ اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کے پاس گئی اور اس کتاب پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو آپ سے پہلے (نبیوں کے پاس) بھیجی گئی (جیسے توریت و انجیل) اور جو (ان میں) نماز کی پابندی کرنے والے ہیں، اور جو (ان میں) زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو (ان میں) اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے والے ہیں (سو) ایسے لوگوں کو ہم ضرور (آخرت میں) ثواب عظیم عطا فرماویں گے۔

تلخیص معارف و مسائل

آیت ۱۵۳-۱۵۴: سرداران یہود کا مطالبہ آسمانی کتاب، محض ہٹ دھرمی اور شرارت تھی، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر پیغمبر علیہ السلام کو حقیقت حال سے آگاہ فرما کر ان کی تسلی فرمادی کہ یہ قوم ہی ایسی ہے جو اللہ کے رسولوں کو ستاتی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے بڑی سے بڑی حرکت بھی کر گذرتی ہے۔

آیت ۱۵۷: سورۂ آل عمران کی آیت ۵۵، کے تحت قتل عیسیٰ (بزعم یہود) سے متعلق تفصیلات گذر چکی ہیں، اس آیت میں یہود کے اس قول کی مکمل تردید ہے۔

یہود کو اشتباہ کس طرح پیش آیا؟

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ: امام تفسیر حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا، تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہو گئے، حضرت مسیح علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لائے، ابلیس نے پتہ بتلا دیا چار ہزار آدمیوں نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص اس کے لیے آمادہ ہے کہ باہر نکلے اور اس کو قتل کر دیا جائے اور پھر جنت میں میرے ساتھ ہو، ان میں سے ایک آدمی نے خود کو اس غرض کے لیے پیش کر دیا۔ آپ نے اس کو اپنا کرتا، عمامہ عطا کیا پھر اس پر آپ کی مشابہت ڈال دی گئی جب وہ باہر نکل آیا تو یہود نے اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا۔ (قرطبی)

بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص طیطلانوس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے بھیجا تھا، آپ تو مکان میں نہ ملے اس لیے ان کو اللہ نے اٹھا لیا تھا۔ یہ شخص جب گھر سے نکلا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔ یہود نے اسے عیسیٰ سمجھ کر اپنے ہی آدمی کو قتل کر دیا۔ (مظہری)

بہر حال جو بھی صورت حال ہو، سب کی گنجائش ہے، البتہ قدر مشترک جو چیز نکلتی ہے وہ یہ ہے

www.toobaaelibrary.com

کہ یہود ونصاریٰ کو زبردست مغالطہ ہوگیا تھا، حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا اور اپنے اپنے گمان وقیاس کے مطابق انھوں نے طرح طرح کے دعوے کیے اور ان کے آپس میں اختلافات پیدا ہوگئے اسی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے: وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ الخ۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کو تنبہ ہوا تو انھوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے ہی آدمی کو قتل کردیا ہے، اس لیے کہ یہ مقتول چہرے میں تو حضرت مسیح علیہ السلام کا مشابہ ہے، لیکن باقی جسم میں ان کی طرح نہیں۔ پھر یہ کہ اگر مقتول مسیح (علیہ السلام) ہیں تو ہمارا آدمی کہاں ہے اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح (علیہ السلام) کہاں ہیں؟

وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا○ اللہ کے غلبہ وقدرت کے سامنے ان کے منصوبوں کی حیثیت کیا ہے۔

آیت:۱۵۹: بہر حال یہ اس وقت انکار کرتے ہیں اور باطل خیالات رکھتے ہیں۔ لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور اس وقت انھیں یقین ہوجائے گا۔ جب یہ اپنی موت سے کچھ پہلے عالم برزخ کو دیکھیں گے تو ضرور ایمان لائیں گے

دوسری تفسیر یہ بھی ہے کہ مَوْتِہٖ کی ضمیر حضرت مسیحؑ کی طرف راجع ہے۔ (قرطبی عن ابی ہریرہؓ) خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ قَبْلَ مَوْتِہٖ کے ساتھ جب حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث صحیح کے ساتھ تفسیر کو شامل کیا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا اور قرب قیامت میں نازل ہوکر یہود پر مکمل غلبہ پانا واضح طور پر ثابت ہوجاتا ہے، بہر حال آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے جس کا منکر کافر ہے۔

آیت ۱۶۰: اس دنیا میں بھی ان کی گمراہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سی پاکیزہ چیزیں جو پہلے سے حلال تھیں بطور سزا کے ان پر حرام کردی گئیں۔ واضح ہو کہ شریعت محمدیہ میں جو بعض چیزیں حرام ہیں وہ کسی جسمانی یا روحانی ضرر کی وجہ سے ہیں۔

آیت ۱۶۲: مراد وہ حضرات اہل کتاب ہیں جو پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لائے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، واسید، وثعلبہ رضی اللہ عنہم۔ آیت میں اجر کامل کا وعدہ ایمان واعمال صالحہ کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور نفس نجات وہ عقائد ضروریہ کی تصحیح پر موقوف ہے بشرطیکہ بالایمان کی سعادت نصیب ہو۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ ۚ وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰہِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِیْسٰی وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ ہٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ ۚ وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰہُمْ عَلَیْکَ

www.toobaaelibrary.com

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ
لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا
بَعِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا
خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ
لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى
مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ
يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

ہم نے (کچھ آپ کو انوکھا رسول نہیں بنایا جو ایسی وحی جاری فرمائش کرتے ہیں بلکہ) آپؐ کے پاس (بھی ایسی ہی) وحی بھیجی ہے جیسی (حضرت) نوح (علیہ السلام) کے پاس بھیجی تھی، اوران کے بعد اور پیغمبروں کے پاس (بھیجی تھی) اور (ان میں سے بعضوں کے نام بھی بتلا دیتے ہیں کہ) ہم نے (حضرات) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب (میں جو نبی گذرے ہیں) اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے پاس وحی بھیجی تھی اور (اسی طرح) ہم نے داؤد (علیہ السلام کے پاس بھی وحی بھیجی تھی، چنانچہ ان) کو (کتاب) زبور دی تھی، اور (ان کے علاوہ) اور (بعضے) ایسے پیغمبروں کو (بھی) صاحبِ وحی بنایا جن کا حال اس کے قبل (سورۂ انعام وغیرہ کی سورتوں میں) ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور (بعضے) ایسے پیغمبروں کو (صاحبِ وحی بنایا) جن کا حال (ابھی تک) ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام کو بھی صاحبِ وحی بنایا، چنانچہ ان) سے اللہ تعالیٰ نے خاص خاص طور پر کلام فرمایا (اور) ان سب کو (ایمان پر) خوش خبری (نجات کی) دینے والے اور (کفر پر عذاب کا) خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر اس لیے بھیجا تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے (آنے کے) بعد کوئی عذر (ظاہراً بھی) باقی نہ رہے (ورنہ قیامت میں یوں کہتے کہ بہت سی اشیاء کا حسن وقبح عقل سے معلوم نہ ہوسکتا تھا، پھر ہماری کیا خطا) اور (یوں) اللہ تعالیٰ پورے زور (اور اختیار والے) والے ہیں، (کہ بلا ارسالِ رسل بھی سزا دیتے تو بوجہ

www.toobaaelibrary.com

اس کے مالک حقیقی ہونے میں منفرد ہیں ظلم نہ ہوتا اور درحقیقت عذر کا حق کسی کو نہ تھا لیکن چونکہ) بڑے حکمت والے (بھی) ہیں (اس لیے حکمت ہی ارسال کو مقتضی ہوئی، تا کہ ظاہری عذر بھی نہ رہے، یہ بیان حکمت درمیان میں ضمناً آ گیا تھا، آگے اثبات نبوت محمد یہ کر کے جواب کی تکمیل فرماتے ہیں، کہ گو وہ اپنے اس شبہ کے رفع ہونے پر بھی نبوت کو تسلیم نہ کریں) لیکن (واقع میں تو ثابت ہے اور اسکے ثبوت پر دلیل صحیح قائم ہے، چنانچہ) اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جس کو آپؐ کے پاس بھیجا ہے اور بھیجا بھی (کس طرح) اپنے علمی کمال کے ساتھ (جس سے وہ کتاب معجزہ عظیمہ ہو گئی جو کہ نبوت کی دلیل قاطع ہے، ایسی کتاب معجز کے ذریعہ سے آپ کی نبوت کی) شہادت دے رہے ہیں (یعنی دلیل قائم کر رہے ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ کتاب معجز نازل فرمائی اور اعجاز دلیل نبوت ہے، پس دلیل سے تو واقع میں نبوت ثابت ہے، رہا کسی کا ماننا نہ ماننا تو اول تو اس کا خیال ہی کیا) اور (اگر طبعاً اس کو جی ہی چاہتا ہو تو ان سے افضل مخلوق یعنی) آپ کی نبوت کی تصدیق کر رہے ہیں، (اور مؤمنین کی تصدیق مشاہد ہی تھی، پس اگر چند حمقاء نے نہ مانا نہ سہی) اور (اصل بات تو وہی ہے کہ) اللہ تعالیٰ ہی کی شہادت (یعنی اقامت دلیل فی الواقع) کافی ہے (کسی کی تصدیق و تسلیم کی آپ کو حاجت ہی نہیں) جو لوگ (ان حجج قاطعہ کے بعد بھی) بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں (یہ تو دنیا میں ان کے مذہب کا حاصل ہے، اور اس کا ثمرہ آخرت میں آگے سنو کہ) بلاشبہ جو لوگ (حق کے) منکر ہیں اور (حق سے مانع بن کر) دوسروں کا بھی نقصان کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشیں گے اور نہ ان کو سوائے جہنم کی راہ کے اور کوئی راہ (یعنی جنت کی راہ) دکھلائیں گے اس طرح پر کہ اس (جہنم) میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہا کریں گے، اور اللہ کے نزدیک یہ سزا معمولی بات ہے (کچھ سامان نہیں کرنا پڑتا) اے تمام (جہان کے) لوگو تمہارے پاس یہ رسول (ﷺ) سچی بات (یعنی سچا دعویٰ، سچی دلیل) لے کر تمہارے پروردگار (جل شانہٗ) کی طرف سے تشریف لائے ہیں سو (مقتضی اثبات دعویٰ بالدلیل الصحیح کا یہ ہے کہ) تم (ان پر اور جو جو یہ فرماویں سب پر) یقین رکھو (جو پہلے سے یقین لائے ہوئے ہیں وہ اس پر قائم رہیں، اور جو نہیں لائے اب اختیار کر لیں) یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا، (کیونکہ نجات ہوتی) اور اگر تم منکر ہو گئے تو (تمہارا ہی نقصان ہے، خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) خدا تعالیٰ کی (تو) ملک ہے یہ سب جو کچھ (بھی) آسمانوں میں اور زمین میں (موجود) ہے (تو ایسے بڑے عظیم الشان مالک، قادر کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہو، مگر اپنی خیر منالو) اور اللہ تعالیٰ (سب کے ایمان

www.toobaaelibrary.com

وکفر کی) پوری اطلاع رکھتے ہیں (اور دنیا میں جو پوری سزائیں نہیں دیتے تو اس لیے کہ) کامل حکمت والے (بھی) ہیں (وہ حکمت اس کو مقتضی ہے) اے اہلِ کتاب (یعنی انجیل والو) تم اپنے دین (کے بارے) میں (عقیدۂ حقہ کی) حد سے مت نکلو اور خداتعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو کہ (نعوذ باللہ وہ صاحب اولاد ہے، جیسا بعض کہتے تھے اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ، اور بقیہ دو جز ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے تھے اور ایک حضرت جبرئیل علیہ السلام کو، جیسا آیت آئندہ میں وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ کے بڑھانے سے معلوم ہوتا ہے، اور بعضے حضرت مریم علیہا السلام کو جیسا اِتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ سے معلوم ہوتا ہے، یا وہ عین مسیح ہے جیسا بعض کہتے تھے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ، غرض یہ سب عقیدے باطل ہیں) مسیح عیسیٰ بن مریم تو اور کچھ نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ (پیدائش) ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے (حضرت) مریم تک (حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے) پہنچایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جان (دار چیز) ہیں (کہ اس جان کو حضرت مریم کے جسم میں بواسطہ نفخ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پہنچا دیا تھا، باقی نہ وہ ابن اللہ ہیں، نہ تین میں کے ایک ہیں، جیسا عقائد مذکورہ میں لازم آتا ہے) سو (جب یہ سب باتیں غلط ہیں تو سب سے توبہ کرو اور) اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر (ان کی تعلیم کے مطابق) ایمان لاؤ (اور وہ موقوف ہے توحید پر، پس توحید کا عقیدہ رکھو) اور یوں مت کہو کہ (خدا تین ہیں) مقصود منع کرنا ہے شرک سے اور وہ سب اقوال مذکورہ میں مشترک ہے، اس شرک سے باز آجاؤ تمہارے لیے بہتر ہوگا (اور توحید کے قائل ہو جاؤ کیونکہ) معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے (اور) وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی ملک ہیں (اور ان کا منزہ اور مالک علی الاطلاق ہونا دلیل ہے توحید کی) اور (ایک دلیل یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہیں (اور ان کے سوا سب کارسازی میں ناکافی و محتاج الی الغیر اور ایک حد پر جا کر عاجز ہو جاتے ہیں، اور یہ کفایت صفات کمال سے ہے، اور صفات کا کمال لوازم اُلوہیت سے ہے، جب وہ غیر اللہ میں منتفی ہے پس اُلوہیت میں بھی منتفی ہے، لہٰذا توحید ثابت ہے)۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۱۵۳: کے سوال کو دوسرے عنوان سے باطل کیا جارہا ہے، وہ یہ کہ اس آیت میں مذکور انبیاء کو بلا شبہ کسی شرط و دلیل کے تم بھی تسلیم کرتے ہو، صرف ان کے دلیل معجزات سے مان رہے ہو تو پھر محمد ﷺ کو

www.toobaaelibrary.com

معجزات کے ذریعہ مان لو۔ لیکن بات وہی ہے کہ تمہارا مطالبہ محض عناد پرستی ہے سیدنا حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے مذہبی تعلیم کے خوب ظاہر نہ ہونے کے باعث مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کو ڈھیل دی جاتی تھی، لیکن ان کے بعد جب تعلیم خوب ظاہر ہوگئی اور حکم خداوندی کی متابعت میں کوئی خفا باقی نہ رہا تو اب نافرمانوں پر عذاب نازل ہوا، طوفانِ نوحؑ سے قوم صالح علیہ السلام اور قوم شعیب علیہ السلام کے عذابوں کو دیکھ جائیے۔ پس پیغمبر علیہ السلام کی وحی کو نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تنبیہ کردی گئی کہ جو آپ کی وحی کو نہ مانے گا، وہ عذاب عظیم کا مستحق ہوگا۔ (فوائد علامہ عثمانیؒ)

حضرت نوح علیہ السلام کی ذات خود ایک معجزہ تھی، ساڑھے نوسو سال کی عمر آپ کو عطا کی گئی تھی آپ کا کوئی دانت نہیں گرا تھا نہ آپ کا کوئی بال سفید ہوا، آپ کی جسمانی طاقت میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، اور پوری عمر قوم کی ایذا رسانی کو صبر کے ساتھ سہتے رہے۔ (مظہری)

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ الخ مختلف طریقوں سے وحی آتی ہے، پس جس طریقے سے بھی وحی آجائے اس پر عمل کرنا واجب ہے لہٰذا یہود کا لکھی ہوئی کتاب کا مطالبہ خالص حماقت اور کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے جن میں سے تین سو تیرہ اصحاب شریعت رسول تھے۔ (قرطبی عن ابی ہریرہؓ)

آیت ۱۶۵: تاکہ اتمام حجت ہوجائے اور کسی کو یہ عذر نہ رہے کہ ہمیں آپ کی مرضی اور غیر کی مرضی معلوم نہ تھی۔ وحی الٰہی ایسی قطعی حجت ہے کہ اس کے بعد سب حجتیں ختم ہوجاتی ہیں۔

آیت ۱۶۶: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہود کی ایک جماعت آپ کے پاس آگئی۔ آپؐ نے فرمایا: بخدا تم یقیناً جانتے ہو کہ میں خدا کا برحق رسول ہوں انھوں نے اس کا انکار کردیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تمام انسانوں کی نجات اسی میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آویں۔

آیت ۱۷۱: اس آیت میں نصاریٰ کو خطاب ہے، ان کی بداعتقادی اور باطل خیالات کی تردید کی گئی ہے۔

وَكَلِمَتُهٗ: مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں:

(۱) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں، ایک نطفہ

www.toobaaelibrary.com

دوسرا اللہ تعالیٰ کا کلمہ "کن" فرمانا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں چوں کہ پہلا عامل منتفی ہے اس لیے دوسرے عامل کی طرف نسبت کر کے آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا۔ بایں صورت اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ حضرت مریم علیہا السلام تک پہنچا دیا جس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آ گئی۔

(۲) بعض نے کہا کہ کلمۃ اللہ بمعنی "بِشَارَةُ اللّٰهِ" ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ "اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ" میں کلمہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۳) بعض نے کہا کہ کلمہ آیت اور نشانی کے معنی میں ہے جیسا کہ دوسری جگہ اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے "وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا"۔

"وَرُوْحٌ مِّنْهُ" روح کہنے کے کیا معنی ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نسبت کا کیا مطلب ہے؟؟۔ اس سلسلے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) بعض نے کہا کہ جب کسی چیز کی طہارت و پاکیزگی کو بیان کرنا ہوتا ہے تو مبالغہ کے لیے اس پر روح کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے نطفہ کے صرف اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور کلمہ کن کا نتیجہ تھی اس لیے اپنی طہارت و نظافت میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اسی لیے عرف کے محاورہ کے مطابق ان کو روح کہا گیا۔ اور اللہ کی طرف نسبت ان کی تعظیم و تشریف کے لیے ہے، جیسے مساجد اللہ بیت اللہ یا عبد اللہ کہہ دیا جاتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ۔

(۲) بعض حضرات نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے مردہ دلوں میں روحانی حیات ڈال کر پھر زندہ کر دیں، چوں کہ وہ روحانی حیات کا سبب تھے، جس طرح روح، جسمانی حیات کا سبب ہوا کرتی ہے، اس لیے اس اعتبار سے ان کو روح کہا گیا۔ جیسا کہ خود قرآن کریم کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ کیوں کہ قرآن بھی روحانی حیات بخشتا ہے۔

(۳) بعض نے روح بمعنی راز بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی اور راز تھے۔

(۴) بعض نے یہاں مضاف کو محذوف مانا ہے یعنی ذُوْرُوْحٍ مِّنْهُ اور ذی روح ہونے میں سب حیوان برابر ہیں اس لیے امتیاز خاص کے لیے اپنی طرف نسبت کر دی۔

(۵) نیز روح نفخ (پھونک) کے معنی میں ہے چوں کہ حضرت جبرئیل نے بحکم الٰہی حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک دیا تھا اور اسی لیے حمل قرار پا گیا۔ دوسری آیت قرآنی فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ

www.toobaaelibrary.com

رُوْحٌ مِّنْهُ سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور بھی احتمالات مذکور ہوئے ہیں مگر یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا جز ہیں اور یہی روح عیسیٰ بشکل انسانی ظاہر ہوگئی ہے۔ ورنہ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ: میں تمام چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کردی گئی ہے ایک نصرانی نے جرمان کر اعتراض کیا تھا علامہ آلوسی کے اسی آیت سے لاجواب ہوکر مشرف باسلام ہوگیا۔

قرآن کریم نے نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کو باطل اور لغو قرار دیا، بے شمار آیات میں ایک طرف تو نصاریٰ اور یہود کی گمراہی کو واضح کیا، اور دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان رفیع اور عنداللہ ان کے مقامِ اعلیٰ کو واضح فرمایا ہے تاکہ افراط وتفریط کی کج راہوں میں حق کا معتدل راستہ نمایاں ہوجائے، اس موضوع کی تفصیلات کے لیے مولانا رحمۃ اللہ صاحب مرحوم کی مشہور کتاب اظہار الحق کا مطالعہ کیجئے۔

دین میں غلو حرام ہے

لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ: غلو کے لفظی معنی حد سے نکل جانے کے ہیں: الغلوفی الدین ھو مجاوزۃ حد الحق فیہ یعنی دین میں مقرر کردہ حد سے آگے نکل جائے۔ (جصاص)

اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ دونوں میں غلو فی الدین مشترک ہے، نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے میں غلو کیا، یہود نے نہ ماننے میں غلو کیا کہ ان کو خدا کا رسول بھی نہ مانا اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی، پیغمبر علیہ السلام نے اہل کتاب کی اسی گمراہی کے مشاہدہ کے بعد اپنی امت کو اس معاملہ میں پوری احتیاط کی تاکید فرمائی، ارشاد فرمایا: لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم فانما انا عبد فقولوا عبداللہ ورسولہ (مسند احمد عن فاروق اعظمؓ) یعنی میری مدح وثنا میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریمؑ کے معاملہ میں کیا ہے، خوب سمجھ لو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس لیے تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو۔ یہود ونصاریٰ کا یہ غلو فی الدین صرف انبیاء تک ہی محدود نہ رہا بلکہ ان کے حواریین اور متبعین اور ان کے نائبین کے ساتھ بھی یہی برتاؤ اختیار کیا کہ انھیں معصوم کا درجہ دے دیا۔ قرآن میں ان کی حالت کا بیان یوں ہے: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی انھوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو بھی معبود کا درجہ دیدیا۔

پیغمبر علیہ السلام نے اپنی امت کو اس وبار عظیم سے بچانے کی مکمل تدبیریں فرمائیں۔ حدیث میں ہے کہ حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے رمی جمرات کے لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو فرمایا کہ آپؓ کے واسطے کنکریاں جمع کرلائیں۔ انھوں نے متوسط قسم کی کنکریاں پیش کردیں۔ آپ نے ان کو

www.toobaaelibrary.com

بہت پسند فرما کر دومرتبہ فرمایا: بِمِثْلِهِنَّ بِمِثْلِهِنَّ یعنی ایسی ہی متوسط کنکریوں سے جمرات پر رمی کرنی چاہیے اس حدیث سے چند اہم مسائل معلوم ہوئے۔

فوائد مہمہ: اوّل یہ کہ رمی جمرات کی کنکریوں کی حد مسنون یہ ہے کہ وہ متوسط ہوں بڑے بڑے پتھر پھینکنا غلو فی الدین ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر چیز کی حد شرعی وہ ہے جو پیغمبر علیہ السلام نے اپنے قول وعمل سے متعین فرما دی اس لیے تجاوز کرنا غلو ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ
وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ
وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ
اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ
اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ
وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا
الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ
اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

(نصاریٰ خواہ مخواہ حضرت مسیح علیہ السلام کو الٰہ جزو الٰہ یا بتاتے ہیں، خود حضرت) مسیح (کی یہ کیفیت ہے کہ سکونتِ ارض کی حالت میں تو ان کا اقرار عبدیت جو کہ مبطلِ الوہیت ہے مشہور اور سب کو معلوم ہی ہے، لیکن اب بھی سکونتِ سماء کی حالت میں کہ سکونتِ ارض سے ارفع اور مظنہ تعلّی کا ہے، یا قیامت تک وہ جس حالت میں ہوں ان سے کوئی پوچھ کر دیکھے اس حالت میں بھی) ہرگز خدا کا بندہ بننے سے عار (اور انکار) نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے (کبھی عار کریں گے، جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ہیں، جن کو اِلٰہ کا ایک جزو مانتے ہیں خود ان سے کوئی پوچھ کر دیکھے) اور (وہ عار کریں کیسے اس عار کرنے کا ایسا برا انجام ہے کہ) جو شخص خدا تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو (اس کا انجام سن لو) خدا تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس (یعنی حساب کے موقع پر) جمع کریں گے پھر جو لوگ (دنیا میں) ایمان لائے ہوں گے اور انھوں نے اچھے کام کئے ہوں گے (یعنی عبد بنے رہے ہوں گے، کیوں کہ

www.toobaaelibrary.com

حاصل عبدیت کا یہی ایمان اور اعمال ہیں) تو ان کو تو ان کا پورا ثواب (بھی) دیں گے (جو کہ ایمان اور اعمال پر منصوص ہے) اور (اس کے علاوہ) ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (بھی) دیں گے، جس کی تفصیل منصوص نہیں) اور جن لوگوں نے (عبد بننے سے) عار کیا ہوگا اور تکبر کیا ہوگا تو ان کو سخت دردناک سزا دیں گے اور وہ لوگ کسی غیر اللہ کو اپنا یار اور مددگار نہ پاویں گے۔ اے (تمام) لوگو یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک (کافی) دلیل آچکی ہے (وہ ذاتِ مبارک ہے رسول اللہ کی) اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے (وہ قرآن مجید ہے پس رسول اللہؐ اور قرآن کے ذریعہ سے جو لوگ تم کو بتلایا جائے وہ سب حق ہے جن میں مضامین مذکورہ بھی داخل ہیں) سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے (جس کے لیے توحید و تنزیہ کا اعتقاد لازم ہے) اور انھوں نے اللہ (کے دین) کو (یعنی اسلام کو) مضبوط پکڑا (جس کے لیے رسول اور قرآن کی تصدیق لازم ہے) سو ایسوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں (یعنی جنت میں) داخل کریں گے اور اپنے فضل میں (لے لیں گے یعنی دخولِ جنت کے علاوہ اور بھی نعمائے عظمیٰ دیں گے جن میں دیدارِ الٰہی بھی داخل ہے) اور اپنے تک (پہنچنے کا) ان کو سیدھا راستہ بتلادیں گے (یعنی دنیا میں ان کو طریق رضا پر قائم و ثابت رکھیں گے، اور اسی سے تارکِ ایمان و اعمالِ صالحہ کی حالت معلوم ہوگئی کہ ان کو یہ ثمرات نہ ملیں گے) لوگ آپ سے (میراثِ کلالہ کے باب میں یعنی جس کے نہ اولاد ہو نہ ماں باپ ہوں) حکم دریافت کرتے ہیں آپؐ (جواب میں) فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے (وہ یہ ہے کہ) اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو (یعنی نہ مذکر نہ مؤنث اور نہ ماں باپ ہوں) اور اس کے ایک عینی یا علاتی بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا (یعنی بعد حقوقِ متقدمہ اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہو اس کو دیا جائے گا، ورنہ پھر اسی پر رد ہو جائے گا) اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث (کل ترکہ کا) ہوگا، اگر (وہ بہن مرجائے اور) اس کے اولاد نہ ہو (اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر (ایسی) بہنیں دو (یا زیادہ) ہوں تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے (اور ایک تہائی عصبہ کو ورنہ بطور رد کے انھی کو مل جائے گا) اور اگر (ایسی میت کے جس کے نہ اولاد ہے نہ والدین خواہ میت مذکر ہو یا مؤنث) وارث چند (یعنی ایک سے زیادہ ایسے ہی) بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو (ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ) ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر (یعنی بھائی کو دوہرا بہن کو اکہرا لیکن عینی بہن سے علاتی بھائی بہن سب ساقط ہو جاتے ہیں، اور عینی بہن سے بھی وہ ساقط ہو جاتے

www.toobaaelibrary.com

کبھی حصہ گھٹ جاتا ہے، جس کی تفصیل کتب فرائض میں ہے) اللہ تعالیٰ تم سے (دین کی باتیں) اس لیے بیان کرتے ہیں کہ تم (ناواقفی سے) گمراہی میں نہ پڑو (یہ تو تذکیرو احسان ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں، (پس احکام کی مصلحتوں سے بھی مطلع ہیں اور احکام میں ان کی رعایت کی جاتی ہے، یہ حکمت کا بیان ہے۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۱۷۲: اللہ تعالیٰ کی بندگی اعلیٰ درجہ کی شرافت اور عزت ہے نہ کہ باعث عار و شرم البتہ ذلت اور غیرت تو غیر اللہ کی بندگی میں ہے جیسے نصاریٰ نے مسیح کو ابن اللہ اور معبود مان لیا اور مشرکین فرشتوں کو بیٹیاں مان کر ان کی اور بتوں کی عبادت کرنے لگے ان کے لیے دائمی عذاب و ذلت ہے۔ (فوائد عثمانی)

آیت ۱۷۴: برہان سے مراد پیغمبر علیہ السلام کی ذات اقدس ہے (روح) آپ کی ذات مبارک، اخلاق کریمانہ، آپ کے معجزات اور آپ پر نزول کتاب یہ سب آپ کی نبوت ورسالت کے کھلے دلائل ہیں، گویا آپ کی ذات خود ہی ایک مجسم دلیل ہے۔ اور نور سے مراد قرآن مجید ہے (روح) جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت: ۱۵ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس آیت کے عطف سے شبہ نہ کیا جائے، کیوں کہ تغایر عنوان کا کافی ہے اگر چہ مصداق اور معنون ایک ہی ہو (روح) اور اگر نور سے مراد پیغمبر علیہ السلام کی ذات اقدس ہو تو یہ بھی صحیح ہے (روح) لیکن اس سے پیغمبر علیہ السلام کا ایسا نور محض ہونا ثابت نہیں ہوتا جو بشریت اور جسمانیت کے منافی ہو۔

آیت ۱۷۶: ربط: شروع سورت اور وسط میں اور اب ختم سورت میں میراث کا بیان ہے تین جگہ اس کے متفرق کردینے میں شاید یہ حکمت ہو کہ قبل از اسلام میراث کے باب میں بہت ظلم تھا۔ مخاطبین کو اس سے اہتمام بلیغ اس باب میں مفہوم ہوگا تا کہ وہ بھی زیادہ اہتمام کریں۔

فوائد مہمہ: جس طرح آیت ۱۷۰: میں بطریق تمثیل اہل کتاب کا حال ذکر فرمایا تھا ایسے ہی اب آیت ۱۷۵: میں اصحاب رسول اللہ ؐ کو بطریق تمثیل ذکر فرمایا تاکہ منحرفین کی گمراہی اور متبعین وحی کی حقانیت خوب سمجھ میں آجائے۔

نیز یہ کہ اہل کتاب نے مکمل کر مخالفت کی اور اصحاب رسول اللہ کی یہ حالت ہے کہ اصول ایمان وعبادات تو در کنار، معاملات جزئیہ اور معمولی مسائل متعلقہ میراث ونکاح وغیرہ میں بھی وحی کے متجسس اور منتظر رہتے ہیں، اپنی عقل وخواہش کو حاکم نہیں سمجھتے۔

www.toobaaelibrary.com

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا؟

نیز ـــــ پیغمبر علیہ السلام بلا حکم وحی اپنی طرف سے حکم نہ فرماتے تھے۔ وحی کا انتظار فرماتے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دفعتہً واحدۃً نزول کتاب میں وہ خوبی نہیں تھی جو حسب ضرورت وحاجت وموقع متفرق نازل ہونے میں ہے۔ نیز بایں صورت علاوہ ازیں بوجہ شرافت وذکر خداوندی وعزت خطاب حق جل مجدہ ایسے فخر عظیم پر مشتمل ہے جو کسی امت کو نصیب نہیں ہوا۔

جس صحابی کی بھلائی میں، اس کے سوال کے جواب میں کوئی آیت نازل ہوئی وہ اس کے مناقب میں شمار ہوتی ہے، اور اختلاف کے موقع میں جس کی رائے یا جس کے قول کے موافق وحی نازل ہوگئی، قیامت تک ان کی خوبی، اور نیک نام باقی رہے گا۔ جو کلالۃ کے متعلق سوال وجواب کا ذکر فرما کر اس طرح بالعموم سوالات اور جوابات کی طرف اشارہ فرمادیا۔ (فوائد عثمانی)

پہلی منزل تمام ہوئی۔ فالحمد للہ علی ذلک

قراءات : سورۃ النساء: تَسَاءَ لُوْنَ کوفین کے لیے تخفیف السین، باقیین کے لیے بالتشدید وَالْاَرْحَامَ حمزہ کے لیے بکسر المیم اور باقیوں کے لیے بالنصب قِیٰمًا نافع اور شامی کے لیے بغیر الف قِیَمًا باقیین کے لیے بالالف قِیٰمًا ہے ضِعٰفًا خٰفُوْا بحث امالہ میں گذر چکی ہے۔ وَسَیَصْلَوْنَ شامی اور شعبہ کے لیے بضم الیاء اور باقیین کے لیے بفتح الیاء وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَةٌ نافع کے لیے برفع وَاحِدَةٌ اور باقیین کے لیے بالنصب فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ وَفَلِاُمِّهِ السُّدُسُ. وَفِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا قصص میں، اور فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ زخرف میں اخوین کے لیے وصلاً بکسر الہمزہ ہیں اور باقیین کے لیے بالضم۔ اور جب لفظ اُمّ جمع ہو اور مضاف الی الجمع ہو اور اس کے متصل کسرہ ہو جیسے: مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ نحل میں، اور اَوْبُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ نور میں، اور فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ زمر میں۔ وَفِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ نجم میں، تو حمزہ کے لیے وصلاً بکسر الہمزہ والمیم ہیں اور کسائی کے لیے بکسر الہمزہ وفتح المیم اور باقیین کے لیے وصلاً بکسر الہمزہ وفتح المیم فی الحالین اور ابتداء ہر ایک کے لیے بضم الہمزہ ہے واحد میں اور بضم الہمزہ وفتح المیم ہے جمع میں یُوْصٰی بِهَا کی شامی شعبہ کے لیے بفتح الصاد دونوں جگہ اور حفص کے لیے صرف ثانی میں اور باقیین کے لیے دونوں جگہ بکسر الصاد۔ نُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ. وَنُدْخِلْهُ نَارًا. وَنُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ. طلاق میں وَنُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَنُدْخِلْ. تغابن میں وَنُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ وَنُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِیْمًا. فتح میں نافع شامی کے لیے ان مواضع سبعہ میں نون متکلم ہے اور باقیین کے لیے بیاء الغیب ہیں اور یہ تمام افعال، وَاللّٰذٰنِ اور طٰهٰ میں اِنْ هٰذٰنِ اور حجر میں هٰذٰنِ اور قصص میں اِبْنَتَیَّ هٰتَیْنِ اور فصلت میں اَرِنَا

www.toobaaelibrary.com

اَلّذَيْنِ مکی کے لیے یہ کلمات خمسہ بتشدید النون مع المد الطویل ہیں اور اسی طرح فَذٰنِكَ قصص میں بھی مکی اور بصری دونوں کے لیے بتشدید النون ہے باقیین کے لیے یہ کلمات ستہ بتخفیف النون ہیں کَرْهًا یہاں اور توبہ میں اخوین کے لیے بضم الکاف اور احقاف میں حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا کوفیین وابن ذکوان کے لیے بضم الکاف ہے باقیین کے لیے مطلقاً یہ لفظ بفتح الکاف ہے۔بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ مکی اور شعبہ کے لیے بفتح الیاء تمام قرآن میں اور باقیوں کے لیے بکسر الیاء مطلقاً اور مُّبَيِّنٰتٍ میں شامی اخوین اور حفص کے لیے یائے مکسورہ ہے اور باقیین کے لیے یائے مفتوحہ، پس مکی وشعبہ کے لیے دونوں بفتح الیاء اور شامی اخوین وحفص کے لیے دونوں بکسر الیاء ہوئے اور نافع بصری کے لیے مفرد میں کسرۂ یاء اور جمع میں فتحہ یاء ہوگا وَالْمُحْصَنٰتُ، وَمُحْصَنٰتٌ جہاں کہیں واقع ہوں، معرفہ ہوں یا نکرہ کسائی کے لیے بکسر الصاد ہوں گے، بجز پہلے کلمہ کے کہ وہ بھی مثل دیگر قراء کے بفتح الصاد پڑھتے ہیں اور وہ یہ ہے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اور باقیوں کے لیے ہر جگہ بفتح الصاد وَاُحِلَّ لَكُمْ حفص حمزہ کسائی کے لیے بضم الہمزہ وکسر الحاء اور باقیین کے لیے دونوں کے فتحہ کے ساتھ فَاِذَآ اُحْصِنَّ اخوین وشعبہ کے لیے بفتح الہمزہ والصاد اور باقیوں کے لیے بضم الہمزہ وکسر الصاد ہے تِجَارَةً کوفیین کے لیے بالنصب اور باقیین کے لیے بالرفع مُّدْخَلًا یہاں اور ایسے ہی سورۂ حج میں نافع کے لیے بفتح المیم اور باقیین کے لیے بضم المیم ہے وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ. وَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ جب کہ امر حاضر ہو اور ماقبل واو یا فاء ہو کالامثلۃ المذکورۃ تو مکی وکسائی کے لیے بفتح السین مع حذف الہمزہ ہے اور باقیین کے لیے بسکون السین مع فتح الہمزہ ہے۔وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ کوفیین کے لیے بغیر الف ہے اور باقیین کے لیے بالالف عَاقَدَتْ بِالْبُخْلِ یہاں اور حدید میں اخوین کے لیے بفتح الباء والخاء اور باقیوں کے لیے بضم الباء وسکون الخاء ہے وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً حرمیین کے لیے بالرفع حَسَنَةٌ اور باقیین کے لیے بالنصب ہے لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ نافع اور شامی کے لیے بفتح التاء وتشدید السین اور اخوین کے لیے بفتح التاء وتخفیف السین، اور باقیین یعنی مکی بصری، عاصم کے لیے بضم التاء وتخفیف السین ہے اَوْ لٰمَسْتُمْ یہاں اور مائدہ میں اخوین کے لیے بغیر الف لَمَسْتُمْ ہے اور باقیین کے لیے بالالف ہے اِلَّا قَلِيْلًا شامی کے لیے بالنصب اور باقیین کے لیے بالرفع ہے كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ مکی اور حفص کے لیے بالتاء اور باقیین کے لیے بالیاء ہے وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا اَيْنَمَا: مکی اور اخوین کے لیے بالیاء اور باقیین کے لیے بالتاء۔بَيَّتَ طَآئِفَةٌ بصری وحمزہ کے لیے تاء کا ادغام طاء میں ہے اور باقیین کے لیے بالاظہار وَمَنْ اَصْدَقُ وَيَصْدِفُوْنَ. وَيُصْدِرَ وَتَصْدِيَةً وغیرہ جب کہ صاد ساکن کے بعد دال واقع ہو تو اخوین کے لیے باشمام الصاد بالزاء قراءت ہوگی اور باقیین کے لیے بصاد خالصہ مقروء ہے فَتَبَيَّنُوْا یہاں دو جگہ اور سورۂ حجرات میں بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اخوین کے لیے بالثاء والباء والتاء فَتَثَبَّتُوْا ہے اور باقیین کے لیے

www.toobaaelibrary.com

بالیاء والیاء والنون ہے اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ نافع شامی اور حمزہ کے لیے بغیر الف بعد اللام اَلسَّلَمَ ہے اور باقیوں کے لیے بالالف ہے غَیۡرَ اُولِی الضَّرَرِ نافع شامی اور کسائی کے لیے بنصب راء غَیۡرَ ہے اور باقیین کے لیے بالرفع۔ فَسَوۡفَ نُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا بصری اور حمزہ کے لیے بالیاء اور باقیین کے لیے بالنون ہے یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ مکی بصری اور شعبہ کے لیے یہاں بضم الیاء وفتح الخاء اسی طرح مریم اور پہلا غافر میں ان کے لیے بضم الیاء وفتح الخاء اور ثانی غافر میں مکی اور شعبہ کے لیے بضم الیاء وفتح الخاء اور فاطر میں صرف بصری کے لیے بضم الیاء وفتح الخاء ہے اور باقیین کے لیے ہر جگہ بفتح الیاء وضم الخاء ہے اَنۡ یُّصۡلِحَا کوفیین کے لیے بضم الیاء واسکان الصاد وکسر اللام اور باقیین کے لیے بفتح الیاء والصاد واللام مع تشدید الصاد والالف بعد الصاد وَاِنۡ تَلۡوٗا شامی اور حمزہ کے لیے بضم اللام واسکان الواو اور باقیین کے لیے باسکان اللام مع الواوین اوّل مضمومہ ثانی ساکنہ ہے اَلَّذِیۡ نَزَّلَ. وَالَّذِیۡ اَنۡزَلَ نافع اور کوفیین کے لیے بفتح النون والزاء اوّل میں، اور بفتح الہمزہ والزاء ثانی میں، اور باقیین کے لیے بضم النون وکسر الزاء اوّل میں وبضم الہمزہ وکسر الزاء ثانی میں وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ صرف عاصم کے لیے بفتح النون والزاء معروف اور باقیین کے لیے بضم النون وکسر الزاء مجہول ہے فِی الدَّرۡکِ کوفیین کے لیے باسکان الراء اور باقیین کے لیے بفتح الراء ہے سَوۡفَ یُؤۡتِیۡہِمۡ حفص کے لیے بالیاء اور باقیوں کے لیے بالنون لَا تَعۡدُوۡا ورش کے لیے بفتح العین وتشدید الدال اور قالون کے لیے باسکان العین واختلاس حرکۃ العین مع تشدید الدال دونوں وجہوں میں، باقیین کے لیے باسکان العین وتخفیف الدال ہے سَنُؤۡتِیۡہِمۡ اَجۡرًا حمزہ کے لیے بالیاء اور باقیوں کے لیے بالنون ہے زَبُوۡرًا یہاں اور سبحان اور انبیاء میں فِی الزَّبُوۡرِ حمزہ کے لیے اس کلمہ میں تینوں جگہ بضم الزاء ہے اور باقیین کے لیے بفتح الزاء ہے۔

● ● ●

www.toobaaelibrary.com

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۥ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ
وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ
وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ
فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ
وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ
الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ
وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَي النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ
فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ
اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ
لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَسْــَٔـلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ
الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠
وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ
اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ
حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو (تمہارے ایمان کا مقتضا یہ ہے کہ) اپنے عہدوں کو (جو کہ ایمان کے ضمن میں تم نے خدا تعالیٰ سے کیے ہیں) پورا کرو (یعنی احکام شرعیہ کو بجالاؤ، کیونکہ ایمان لانے سے سب کا التزام ہوگیا اور التزام کا مقتضی ایفاء ہے) تمہارے لیے تمام چوپائے جو مشابہ (ان) انعام (یعنی اونٹ، بکری، گائے) کے ہوں (جن کی حلت اس کے قبل سورۂ انعام میں جو کہ مکیہ ہے معلوم ہو چکی ہے، پس ان کے مشابہ جتنے چوپائے ہیں سب) حلال کیے گئے ہیں (جیسے ہرن، نیل گائے، وغیرہ کہ اونٹ بکری گائے کے مشابہ ہیں اس بات میں کہ درندے اور شکاری نہیں بجز ان بہائم کے جو کہ دوسرے دلائل شرعیہ حدیث وغیرہ سے

www.toobaaelibrary.com

مخصوص و مستثنیٰ ہو چکے ہیں۔ جیسے گدھا، خچر وغیرہ۔ ان مستثنیات کے سوا اور سب بہائم اہلی و وحشی حلال ہیں) مگر جن کا ذکر آگے (آیۂ حرمت علیکم المیتۃ الخ میں) آتا ہے (کہ وہ باوجود بھیمۃ الانعام میں داخل ہونے اور مخصوص بالحدیث وغیرہ سے خارج ہونے کے بھی حرام ہیں۔ اور باقی تم کو حلال ہیں) لیکن (ان میں) جو شکار (ہیں ان) کو حلال مت سمجھنا جس حالت میں کہ تم احرام (یا حرم) میں ہو (مثلاً حج وعمرہ کا احرام باندھے ہو گو حرم سے خارج ہو یا یہ کہ حرم کے اندر ہو کہ غالباً شکار بھی حرم کے اندر ہوگا، کیونکہ اصل مدار حکم کا شکار کا حرم کے اندر ہونا ہے گو احرام نہ باندھے ہو، دونوں حالتوں میں شکار یعنی بری و وحشی کا حرام ہے) بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم کریں۔ یعنی وہی مصلحت ہوتا ہے، پس جس جانور کو چاہا ہمیشہ کے لیے فی نفسہٖ غیر اوقات اضطرار میں حرام کردیا جس کو چاہا ہمیشہ کے لیے حلال کردیا۔ جس کو چاہا کسی حالت میں حلال کردیا۔ کسی حالت میں حرام کردیا۔ تم کو ہر حالت میں امتثال واجب ہے۔ اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ (کے دین) کی نشانیوں کی (یعنی جن چیزوں کے ادب کی حفاظت کے واسطے خدا تعالیٰ نے کچھ احکام مقرر کئے ہیں۔ ان احکام کے خلاف کرکے ان کی بے ادبی نہ کرو مثلاً حرم اور احرام کا یہ ادب مقرر کیا ہے کہ اس میں شکار نہ کرو تو شکار کرنا بے ادبی اور حرام ہوگا) اور نہ حرمت والے مہینہ کی (بے ادبی کرو کہ اس میں کافروں سے لڑنے لگو) اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی (بے ادبی کرو کہ اس سے تعرض کرنے لگو) اور نہ ان جانوروں کی (بے ادبی کرو) جن کے گلے میں (اس نشانی کے لیے) پٹے پڑے ہوں (کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں حرم میں ذبح ہوں گے) اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو کہ بیت الحرام (یعنی بیت اللہ) کے قصد سے جا رہے ہوں (اور) اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں (یعنی ان چیزوں کے ادب سے کافروں کے ساتھ بھی تعرض مت کرو) اور (اوپر کی آیت میں جو احرام کے ادب سے شکار کو حرام فرمایا گیا ہے وہ احرام ہی تک ہے ورنہ) جس وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو (اجازت ہے کہ) شکار کیا کرو (بشرطیکہ وہ شکار حرم میں نہ ہو) اور (اوپر جن چیزوں کے تعرض سے منع کیا گیا ہے اس میں) ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم سے اس سبب سے بغض رکھتے ہو کہ انہوں نے (تم کو سال حدیبیہ میں) مسجد حرام (میں جانے) سے روک دیا تھا (مراد کفار قریش ہیں) وہ (بغض) تمہارے لیے اس کا باعث ہو جاوے کہ تم (شرع کی) حد سے نکل جاؤ (یعنی احکام مذکورہ کے خلاف کر بیٹھو ایسا نہ کرنا) اور نیکی اور تقویٰ (کی باتوں میں) ایک دوسرے کی اعانت کرتے

www.toobaaelibrary.com

رہو (مثلاً یہ احکام ہیں کہ ان میں دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دو) اور گناہ اور زیادتی (کی باتوں میں) ایک دوسرے کی اعانت مت کرو (مثلاً یہی احکام ہیں اگر کوئی ان کے خلاف کرنے لگے تو تم اس کی اعانت مت کرو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو (کہ اس سے سب احکام کی پابندی سہل ہو جاتی ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (احکام کی مخالفت کرنے والے کو) سخت سزا دینے والے ہیں۔ تم پر (یہ جانور وغیرہ) حرام کیے گئے ہیں مردار (جانور جو کہ باوجود واجب الذبح ہونے کے بلا وجہ شرعی مرجاوے) اور خون (جو بہتا ہو) اور خنزیر کا گوشت (اسی طرح اس کے سب اجزاء) اور جو جانور کہ (بقصد قربت) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرجاوے اور جو کسی ضرب سے مرجاوے اور جو اونچے سے گر کر مرجاوے (مثلاً پہاڑ سے یا کنوئیں میں) اور جو کسی کی ٹکر سے مرجاوے اور جس کو کوئی درندہ (پکڑ کر) کھانے لگے (اور اس کے صدمہ سے مرجاوے) لیکن (مخقعہ سے ما اکل السبع تک جن کا ذکر ہے ان میں سے) جس کو تم (دم نکلنے سے پہلے قاعدہ شرعیہ کے مطابق) ذبح کر ڈالو (وہ اس حرمت سے مستثنیٰ ہے) اور (نیز) جو جانور (غیر اللہ کی) پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے (حرام ہے گو زبان سے غیر اللہ کے نامزد نہ کرے۔ کیوں کہ مدار حرمت کا نیت خبیثہ پر ہے۔ اس کا ظہور کبھی قول سے ہوتا ہے کہ نامزد کرے کبھی فعل سے ہوتا ہے کہ ایسے مقامات پر ذبح کرے) اور یہ (بھی حرام ہے) کہ (گوشت وغیرہ) تقسیم کرو بذریعہ قرعہ تیروں کے یہ سب گناہ (اور حرام) ہیں آج کے دن (یعنی اب) ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین (کے مغلوب و گم ہو جانے) سے (کیوں کہ ماشاء اللہ اسلام کا خوب شیوع ہو گیا) سو ان (کفار) سے مت ڈرنا (کہ تمہارے دین کو گم کر سکیں) اور مجھ سے ڈرتے رہنا (یعنی میرے احکام کی مخالفت مت کرنا) آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے (ہر طرح) کامل کر دیا (قوت میں بھی جس سے کفار کو مایوسی ہوئی اور احکام میں بھی) اور (اس کمال سے) میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا (دینی انعام بھی کہ احکام کی تکمیل ہوئی اور دنیوی انعام بھی کہ قوت حاصل ہوئی اور اکمال دین میں دونوں آگئے) اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے (ہمیشہ کو) پسند کر لیا (یعنی قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا۔ اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین تجویز نہ کیا جاوے گا۔ پس تم کو چاہیے کہ میری نعمت کا شکر کر کے اس دین پر پورے پورے قائم رہو) پھر (اشیائے مذکورہ بالا کی حرمت دریافت کر لینے کے بعد یہ بھی معلوم کر لو کہ) جو شخص شدت کی بھوک میں بیتاب ہو جاوے (اور اس وجہ سے اشیائے بالا کو کھالے) بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان

www.toobaaelibrary.com

نہ ہو (یعنی نہ قدر ضرورت سے زیادہ کھاوے اور نہ لذت مقصود ہو جس کو سورۂ بقرہ میں غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے تعبیر فرمایا ہے) تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں (اگر قدر ضرورت کا پورا اندازہ نہ ہوا اور ایک آدھ لقمہ زیادہ بھی کھا گیا اور) رحمت والے ہیں (کہ ایسی حالت میں اجازت دے دی) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (کتے اور باز کے شکار کیے ہوئے جانوروں میں سے) کیا کیا جانور ان کے لیے حلال کیے گئے ہیں (یعنی جتنے حلال شکار ذبح سے حلال ہو جاتے ہیں۔ کیا کتے اور باز کے شکار کرنے سے وہ سب حلال رہتے ہیں یا ان میں سے کچھ مخصوص جانور حلال ہوتے ہیں یا مطلقاً کوئی حلال نہیں ہوتا اور جو حلال ہوتے ہیں تو کیا اس کے لیے کچھ شرط بھی ہے) آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ تمہارے لیے کل حلال جانور (جو از قسم شکار پہلے سے حلال ہیں، وہ سب کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرنے سے بھی) حلال رکھے گئے ہیں (یہ سوال کے پہلے جز کا جواب ہے۔ آگے دوسرے جز کا جواب یہ ہے کہ کتے اور باز کے شکار حلال ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں وہ یہ کہ) جن شکاری جانوروں کو (مثلاً کتا، باز وغیرہ) تم خاص طور پر جس کا بیان آگے آتا ہے تعلیم دو۔ (یہ ایک شرط ہے) اور تم ان کو شکار پر، چھوڑو بھی۔ (یہ دوسری شرط ہے) اور ان کو (جو تعلیم دینا اوپر ذکر کیا گیا ہے) اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ نے (شریعت میں) تعلیم دیا ہے (وہ طریقہ یہ ہے کہ کتے کو تو یہ تعلیم دی جائے کہ شکار پکڑ کر کھاوے نہیں، اور باز کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب اس کو بلاؤ اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو فوراً واپس آ جائے یہ شرط اول کا بیان ہے) تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لیے پکڑیں اس کو کھالو۔ (یہ تیسری شرط ہے جس کی علامت طریقہ تعلیم میں بیان ہو چکی ہے، سو اگر کتا اس شکار کو کھانے لگے یا باز بلانے سے واپس نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب یہ جانور اس کے کہنے میں نہیں تو انہوں نے شکار بھی اس کے لیے نہیں پکڑا بلکہ خود اپنے لیے پکڑا ہے) اور (جب شکار پر اس شکاری جانور کو چھوڑنے لگو تو) اس (جانور) پر (یعنی اس کے چھوڑنے کے وقت) اللہ کا نام بھی لیا کرو۔ (یعنی بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو۔ یہ چوتھی شرط ہے) اور (تمام امور میں) اللہ سے ڈرتے رہا کرو (مثلاً شکار میں ایسے منہمک مت ہو کہ نماز وغیرہ سے غفلت ہو جاوے یا اتنی حرص مت کرو کہ شرائط حلت کے بغیر بھی اس جانور کو کھا جاؤ) بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔ آج (تم پر جیسے دینی ابدی انعام ہوا کہ اکمال دین سے مشرف کیے گئے ۔ اسی طرح ایک معتدبہ دنیوی ابدی انعام بھی ہوا کہ) تمہارے لیے حلال چیزیں (کہ اس سے پہلے حلال کر دی گئی تھیں ہمیشہ کے لیے) حلال رکھی

www.toobaaelibrary.com

گئیں (کہ کبھی منسوخ نہ ہوں گی) اور جو لوگ (تم سے پہلے آسمانی) کتاب دیئے گئے ہیں (یعنی یہود ونصاریٰ) ان کا ذبیحہ (بھی) تم کو حلال ہے اور (اس کا حلال ہونا ایسا ہی تحقیقی ہے جیسا) تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں (تم کو حلال ہیں) اور (جیسا مسلمان عورتوں کا حلال ہونا یقینی ہے اسی طرح) پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب (آسمانی) دیئے گئے ہیں (تم کو حلال ہیں) جب تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو (یعنی مہر دینا گو شرط نہیں مگر واجب ہے اور عورتیں مذکورہ جو حلال کی گئی ہیں تو) اس طرح سے کہ تم (ان کو) بیوی بناؤ (یعنی نکاح میں لاؤ جن کی شرطیں شرع میں معلوم ہیں) نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو (یہ سب احکام شرعیہ ہیں جن پر ایمان لانا فرض ہے) اور جو شخص ایمان (لانے کی چیزوں) کے ساتھ کفر کرے گا (مثلاً حلال قطعی کی حلت کا یا حرام قطعی کی حرمت کا انکار کریگا) تو اس شخص کا (ہر نیک) عمل غارت (اور اکارت) جاوے گا اور وہ شخص آخرت میں بالکل زیاں کار ہوگا۔ (پس حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام سمجھو)۔

تلخیص معارف ومسائل

یہ سورۃ مدنی سورتوں میں سے آخری سورۃ ہے، بلکہ بقول بعض یہ قرآن کی آخری سورۃ ہے۔ بوقت نزول آپ سفر (غالباً حجۃ الوداع ۹ھ کا سفر میں تھے) عضباء نامی اونٹنی پر سوار تھے اس سفر سے واپسی کے بعد آپ کی حیات دنیوی تقریباً اسی ۸۰ دن رہی۔ (مسند احمد بروایت ابن عمرؓ واسماء بنت یزیدؓ) یا یہ کہ اسکے بعض اجزاء سفر حدیبیہ اور بعض اجزاء سفر فتح مکہ میں بھی نازل ہوئے اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ سورت قرآن کے آخری مراحل میں نازل ہوئی (ابن حبان، بحرمحیط اور روح المعانی وغیرہ)

سورۃ نساء اور مائدہ باعتبار مضامین کے متحد ہیں کہ ان میں بیشتر فروعی احکام کا بیان ہے اصول کا بیان ضمنی ہے۔ نیز اس سورت میں پہلی آیت میں بھی نساء کی طرح معاملات اور معاہدات کی پابندی اور ان کے پورا کرنے کی آیت آئی ہے۔ (روح)

یہ سورت اور خاص طور پر ابتدائی آیت معاہدات اور معاملات کے بارے میں ایک خاص حیثیت رکھتی ہے پیغمبرؐ نے حضرات عمرو بن حزمؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان کے لیے فرمان کے سرنامہ پر آپ نے یہ آیت تحریر فرمائی تھی۔ (بحرمحیط)

پہلی آیت کا پہلا جملہ نہایت جامع ہے، اسمیں پہلے اٰمَنُوْا سے خطاب فرما کر مضمون کی اہمیت کی طرف متوجہ کردیا گیا اس میں جو حکم ہے وہ عین ایمان کا تقاضہ ہے اَوْفُوْا بِا لْعُقُوْدِ، عقد بمعنی

www.toobaaelibrary.com

باندھنا جو معاہدہ دو شخصوں یا دو جماعتوں میں بندھ جائے، اس جملہ کا خلاصہ یہ ہے کہ باہمی معاہدات کا پورا کرنا لازم سمجھو۔

معاہدات سے کیا مراد ہیں، اسمیں مفسرین کے اقوال میں اختلاف ہے، امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ معاہدات کی جتنی قسمیں ہیں سب اس لفظ کے حکم میں داخل ہیں، اس کے ابتدائی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو معاہدہ انسان کا رب العالمین کے ساتھ ہے، مثلاً ایمان، طاعت کا عہد، حلال وحرام کی پابندی کا عہد، دوسرے یہ کہ انسان کا خود اپنے نفس کے ساتھ ہے، جیسے نذر یا حلف جو اپنے ذمہ لازم کرلے۔ تیسرے یہ کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ ہے اس تیسری قسم میں وہ سارے معاہدات شامل ہیں جو دو شخصوں یا دو جماعتوں یا دو حکومتوں کے درمیان ہوتے ہیں بہرحال ان تمام معاہدات میں جو جائز شرطیں باہم طے ہوجائیں اس آیت کی رو سے ان کی پابندی ہر فریق پر لازم و واجب ہے۔

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ، اس جملہ میں اس عام ضابطہ کی خاص جزئیات کا ذکر ہے۔

بهيمة یہ لفظ ان جانوروں کے لیے بولا جاتا ہے جنھیں عادۃً غیر ذوی العقول سمجھا جاتا ہے یعنی لوگ ان کی بولی کو عادۃً نہیں سمجھتے امام شعرانیؒ کے فرمانے کے مطابق بہیمہ کو اس لیے بہیمہ نہیں کہتے کہ اس کی بے عقلی کے سبب معلومات اس پر مبہم رہتی ہیں، بلکہ اسکا کلام لوگوں پر مبہم رہتا ہے، بقول بعض چوپایہ جانداروں کے لیے یہ لفظ مستعمل ہے، لفظ اَنْعَام، نَعَم کی جمع ہے یعنی پالتو جانور (یعنی جیسے بکری اونٹ گائے بھینس وغیرہ) جن کی آٹھ قسمیں سورۂ انعام (آیت نمبر ۱۴۳۔۱۴۴) ان کو انعام کہا جاتا ہے بہیمہ عام تھا، لفظ انعام نے خاص کردیا۔ آیت کی مراد یہ ہوگئی کہ گھریلو جانوروں کی آٹھ قسمیں تمہارے لیے حلال کردی گئیں، آیت کے اس جملہ میں اس خاص معاہدہ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان جانوروں کو حلال کردیا ہے ان کو شرعی قاعدے کے موافق ذبح کرکے کھاسکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ مجوسیوں اور بت پرستوں کی طرح مطلقاً ذبح کو حرام قرار دو یا بالکل بے قید ہوکر ہر طرح کے جانور کو کھاجاؤ بلکہ احکام الٰہی کو اسکے حدود میں رکھ کر پابندی کرو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہیں وہی جانوروں کی حقیقت اور خواص سے انسان کے اندر اس سے پیدا ہونے والے اثرات سے واقف ہیں۔ چنانچہ اس حکم عام سے چند چیزوں کا استثناء فرمایا پہلا استثناء یہ ہے اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ مثلاً مردار یا خنزیر وغیرہ دوسرا استثناء غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ، آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ یعنی کسی کو حق نہیں کہ اسکے ماننے میں چوں وچرا کرے، انسان کے لیے بعض

www.toobaaelibrary.com

جانوروں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت کوئی ظلم نہیں وہ خالق کائنات ہے اس نے پوری حکمت وبصیرت کے ساتھ یہ قانون بھی بنایا ہے کہ ادنی کو اعلی کے لیے غذا بنایا ہے۔ زمین کی مٹی درختوں کی غذا ہے، اور درخت جانوروں کی غذا، جانور انسان کی غذا اور انسان سب سے اعلیٰ مخلوق ہے اس لیے وہ کسی کی غذا نہیں بن سکتا۔

آیت:۲ **وجہ**: اس دوسری آیت میں ماقبل کے معاہدہ کی دو اہم دفعات کا بیان ہے ایک شعائر اللہ کی تعظیم، دوسرے اپنے اور غیر دوست دشمن سب کے ساتھ عدل اور انصاف کا معاملہ اور ظلم کا بدلہ ظلم سے لینے کی ممانعت۔

شانِ نزول: اس کے نزول کا سبب چند واقعات ہیں۔ ایک تو واقعہ حدیبیہ کا ہے جن کی توہین آمیز شرائط نے صحابہ کرامؓ کے قلوب میں مشرکین مکہ کی طرف سے انتہائی نفرت وبغض کا بیج بو دیا تھا دوسرا واقعہ حطیم بن ہند کے منافقانہ طور پر اسلام قبول کرنے کا تھا پیغمبرؐ کو بذریعہ وحی خبر دیدی گئی تھی آپؐ نے صحابہ کرام کو بتلا دیا تھا۔ یہ شخص پیغمبرؐ کی مجلس سے نکل کر سیدھا مدینہ سے باہر پہنچا اور اہل مدینہ کے جانور جو چر رہے تھے انھیں ہنکا کر لے گیا صحابہ کو کچھ دیر سے اطلاع ملی تعاقب کے لیے نکلے مگر یہ شخص ان کی زد سے باہر ہو چکا تھا۔ ہجرت کے ساتویں سال صحابہؓ نے اس شخص کو دیکھا کہ یہ بطور قربانی کے اپنے ساتھ انھیں جانوروں کو لیے ہوئے عمرہ کرنے جا رہا ہے صحابہؓ نے ارادہ کیا کہ اس پر حملہ کر کے اپنے جانور چھین لیں اور اسکو یہیں ختم کر دیں۔

تیسرا واقعہ ۸ھ ہجری میں فتح مکہ کا ہے فتح مکہ کے بعد مشرکین آزادی کے ساتھ اپنے جاہلانہ طرز پر حج وعمرہ کی رسوم ادا کرتے رہے اسوقت بعض صحابہ کرام کے دلوں میں واقعہ حدیبیہ کا انتقام لینے کا خیال آیا ان چند واقعات کی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن جریر بروایت عکرمہ وسدی) اس میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی کہ شعائر اللہ کی تعظیم تمہارا اپنا فرض ہے کسی دشمن کے بغض وعداوت کی وجہ سے اس میں خلل ڈالنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ اشہر حرم میں قتل بھی جائز نہیں۔ قربانی کے جانوروں کو حرم تک جانے سے روکنا اور انکا چھیننا بھی جائز نہیں۔ اور ان مشرکین کو انکے اپنے خیال کے مطابق حج وعمرہ کرنے دیا جائے اس سے مزاحمت نہ کی جائے۔

شعائر اللہ: شعائر اللہ کی تفسیر میں مختلف الفاظ منقول ہیں مگر صاف بات وہ ہے جو بحر محیط اور روح المعانی میں حضرت حسن بصری اور عطاء سے منقول ہے امام جصاصؒ نے اسے تمام اقوال کے

www.toobaaelibrary.com

لیے جامع فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ شعائر اللہ سے مراد تمام شرائع اور دین کے مقرر کردہ واجبات وفرائض اور انکی حدود ہیں یعنی شعائر اللہ کی کسی طرح بے حرمتی نہ ہو یعنی نہ تو سرے سے نظر انداز کرو اور نہ ہی ادھورا عمل کرو اور نہ ہی حدود سے تجاوز کرو، تینوں صورتوں سے منع فرمایا گیا ہے اللہ تعالی نے دوسرے عنوان سے یہ ہدایت فرمائی ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ.

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ الخ: میں شعائر اللہ کی ایک خاص قسم یعنی شعائر حج کی تفصیلات بتائی گئی ہے۔

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا: اس لفظ سے بحالت احرام شکار کی ممانعت کی حد بتلادی گئی کہ احرام سے فراغت کے بعد شکار کی ممانعت ختم ہوگئی۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ الخ: اس لفظ سے معاہدہ کا دوسرا جز بیان فرمایا کہ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ پچھلے واقعہ کے غم وغصہ اور بغض کا انتقام اس طرح لیا جائے کہ تم انہیں حج کرنے سے روکنے لگو کیونکہ یہ ظلم ہے قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ عدل وانصاف میں دوست دشمن سب برابر ہونے چاہئیں دشمن کی تمام تر سختیوں اور ایذا رسانیوں کے جواب میں بھی انصاف ہی کرنا تمہارا فرض ہے۔

یہ اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ دشمنوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ظلم کا جواب انصاف سے دینا سکھاتا ہے۔

دوسری آیت کے آخری جملے میں قرآن حکیم نے ایک بنیادی اور اصولی مسئلہ یعنی باہمی تعاون وتناصر کے متعلق ایک ایسا حکیمانہ فیصلہ دیا ہے جو پورے نظام عالم کی روح ہے۔ ہر ذی ہوش انسان جانتا ہے کہ اس دنیا کا پورا نظام انسانوں کے باہمی تعاون وتناصر پر قائم ہے۔ اگر یہ اصول تعاون وتناصر نہ ہو تو اکیلا انسان خواہ وہ کتنا ہی عقلمند اور زورآور یا مالدار ہو اپنی ضروریات زندگی کو تنہا حاصل نہیں کرسکتا۔ غذا کے لیے غلہ اگانے سے لیکر کھانے کے قابل بنانے تک اور لباس وغیرہ کے لیے روئی کی کاشت سے لیکر اپنے بدن کے موافق کپڑا تیار کرنے تک کے مراحل ومسائل کو دیکھ جائیے۔ غرض ہر انسان اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں دوسرے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا محتاج ہے پھر یہ تعاون دنیوی زندگی ہی میں ضروری نہیں بلکہ مرنے سے لے کر قبر میں دفن ہونے تک بلکہ اس کے بعد بھی اپنے پیچھے رہنے والوں کی دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کا محتاج رہتا ہے اللہ تعالی نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اس جہان کا ایسا محکم نظام بنایا ہے کہ ہر انسان کو دوسرے کا محتاج بنادیا، غریب مالدار کا محتاج، مالدار محنت ومشقت کے لیے غریب مزدور کا محتاج ہے سوداگر گاہکوں کا محتاج اور گاہک سوداگروں کا، مکان بنانے والا معمار، لوہار، بڑھی

www.toobaaelibrary.com

کا محتاج اور یہ سب اسکے محتاج ہیں اگر یہ ہمہ گیر احتیاج نہ ہوتی اور تعاون محض اخلاقی برتری پر رہ جاتا تو کون کس کا کام کرتا اسکا وہی حشر ہوتا جو عام اخلاقی قدروں کا اس دنیا میں ہو رہا ہے۔

یہ محض حکیم الحکماء اور قادر مطلق کا الٰہی نظام ہے کہ اس نے مختلف لوگوں کے دلوں میں مختلف کاروبار کی امنگ اور صلاحیت پیدا کردی انہوں نے اپنی اپنی زندگی کا محور اسی کام کو بنالیا۔

ہر یکے را بہر کارے ساختند ❁ میل اور ادر دلش انداختند!

لیکن اس تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ اگر یہی باہمی تعاون جرائم اور قتل و غارتگری اور نقصان رسانی کے لیے ہونے لگے تو یہی عالم کے سارے نظام کو درہم برہم بھی کرسکتا ہے گویا یہ ایک دودھاری تلوار ہے جو اپنے اوپر بھی چل سکتی ہے اور نظام عالم کو برباد بھی کرسکتی ہے۔ اسکے ردعمل کے طور پر عقلاء دنیا نے اپنے تحفظ کے لیے مختلف نظریوں پر خاص خاص جماعتوں یا قوموں کی بنیاد ڈالی تا کہ کسی قوم کے حملہ آور ہونے پر دوسری قوم اسکے مقابلے میں باہمی تعاون کی قوت کو استعمال کر کے مدافعت کرسکے۔

قومیتوں کی تقسیم جب انسانی آبادی کم تھی تو دنیا کی چار سمتوں کے اعتبار سے چار قومیں بن گئیں مشرقی، مغربی، جنوبی، شمالی، اور اسی بنیاد پر تعاون و تناصر قائم کرلیا پھر جب آبادی زیادہ پھیلی تو نسبی اور خاندانی بنیادوں پر قومیت اور اجتماعیت کا تصور ایک اصول بن گیا جیسے بنو ہاشم، بنو تمیم، بنو خزاعہ وغیرہ پھر یوروپین کے دور جدید نے یہ سب ختم کر کے علاقائی، صوبائی وطنی اور لسانی بنیادوں پر انسانیت کے ٹکڑے کر کے الگ الگ قومیں کھڑی کردیں حتی کہ یہ جادو مسلمانوں پر بھی چل گیا عربی ترکی عراقی سندھی پھر ان میں بھی تقسیم در تقسیم ہو کر مصری شامی حجازی نجدی پنجابی بنگالی ہندی وغیرہ کی الگ الگ قوم بن گئی اور اسی بنیاد پر لوگوں کا تعاون و تناصر ہونے لگا۔

قومیت و اجتماعیت کے لیے قرآنی تعلیم مگر قرآن کریم نے انسان کو پھر بھولا ہوا سبق یاد دلایا، سورہ نساء کی ابتدائی آیات میں یہ واضح کردیا کہ تم سب انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہو، ارشاد رسالت ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں فضیلت کا مدار صرف تقوی اور اطاعت خداوندی پر ہے انما المؤمنون اخوۃ کے اعلان نے قومیت اور برادری اس بنیاد پر قائم کی کہ اللہ اور اس کے رسول کو ماننے والے ایک قوم، اور نہ ماننے والے دوسری قوم ہیں یہی وہ بنیاد تھی جس نے ابو جہل و ابولہب کے خاندانی رشتوں کو پیغمبرؐ سے توڑ دیا اور بلال حبشی اور صہیب رومی کا رشتہ جوڑ دیا، حتی کہ قرآن کریم نے

www.toobaaelibrary.com

اعلان فرمادیا خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن۔ بدرواحد اوراحزاب وحنین کے معرکوں میں اسی قرآنی تقسیم کا عملی مظاہرہ ہوا تھا۔

مائدہ کی آیت مذکورہ میں تعاون وتناصر کا یہی معقول اور صحیح اصول بتلایا ہے یعنی اس کے اصل بنیاد نیکی اور خدا ترسی ہے، قرآن کریم نے اسی پر مسلم قومیت کی تعمیر کھڑی کی۔ اسکے بالمقابل اِثم وعُدوَان کو سخت جرم قرار دیا۔ اور اس پر تعاون کرنے سے روکا۔

بِرّ کے معنی عند الجمہور فعل الخیرات یعنی نیک عمل کے ہیں اور تقویٰ کے معنی ترک المنکرات کے بتلائے گئے ہیں اِثم مطلق گناہ اور معصیت کے معنی میں ہے جو حقوق کے متعلق ہو یا عبادات سے عُدوان یعنی حد سے تجاوز کرنا مراد اس سے ظلم وجور ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الخ: یہ سورۂ مائدہ کی تیسری آیت ہے جس میں بہت سے اصولی اور فروعی احکام ومسائل کا بیان ہے پہلا مسئلہ حلال وحرام جانوروں کا ہے، جن جانوروں کا گوشت جسمانی یا روحانی اعتبار سے انسان کے لیے مضر ہے انہیں قرآن نے خباثت قرار دیا اور حرام کر دیا اور جن میں کسی قسم کی مضرت نہیں ہے انہیں طیب اور حلال قرار دیا۔ المیتة یعنی وہ جانور جو بغیر ذبح کے کسی بیماری سے یا طبعی موت سے مرجائیں، سوائے مچھلی اور ٹڈی کے کہ حدیث شریف سے انکا استثنا ہے (مسند احمد، ابن ماجہ، دار قطنی، بیہقی وغیرہ) والدم یعنی بہنے والا خون، لہذا جگر اور تلی مستثنیٰ ہے حدیث مذکورہ ہی سے انکا بھی استثنا ہے۔ ولحم الخنزیر، لحم سے مراد اس کا پورا بدن ہے یعنی چربی وغیرہ سب۔ غیر اللہ کے لیے نامزد کردہ جانور اور اگر ایسے جانور کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا ہے تو وہ کھلا شرک ہے اور یہ باتفاق مردار کے حکم میں ہے جیسا کہ مشرکین عرب اور مشرکین ہندو وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ منخنقة یعنی وہ جانور جو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہو یا خود ہی دم گھٹ کر مر گیا ہو۔ مَوْقُوْذَة جو جانور ضرب شدید کے ذریعہ ہلاک ہوا ہو جیسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مارا گیا ہوا، اور جو جانور ایسے تیر سے قتل ہوا ہو جو دھار کی طرف سے نہ لگے ویسے ہی ضرب سے مرجائے وہ بھی موقوذۃ کے حکم میں ہے اور اگر تیر کی دھار کی طرف سے زخم لگا ہو تو جائز ہے بشرطیکہ تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو۔ (احکام القرآن جصاص باسنادہ) اسی طرح بندوق کی گولی سے ہلاک شدہ جانور بھی موقوذہ کے حکم میں ہے۔ (جصاص عن ابن عمرؓ) امام اعظمؒ اور مالکؒ اور شافعیؒ وغیرہ سب اس پر متفق ہیں، (قرطبی)

(۷) مُتَرَدِّيَة: یعنی جو جانور کسی پہاڑ یا ٹیلہ یا اونچی عمارت یا کنویں وغیرہ میں گر کر مرجائے،

www.toobaaelibrary.com

اسی طرح اگر کسی پرندہ پر تیر پھینکا، وہ پانی میں گر گیا تو وہ بھی احتمالاً ممنوع ہے۔ (جصاص)

(۸) نطیحۃ یعنی وہ جانور جو کسی ٹکر اور تصادم سے ہلاک ہو گیا ہو، خواہ کسی جانور کی ٹکر سے مرجائے۔

(۹) وہ جانور جسے کسی درندہ جانور نے پھاڑ دیا ہو اور اس سے مر گیا ہو، ان نو اقسام کی حرمت کے بعد ایک استثناء مذکور ہوا ہے۔

اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ: مقدم الذکر چار قسموں کے علاوہ جن جانوروں میں زندگی کے آثار محسوس کر کے ذبح کر دیا گیا ہو وہ حلال ہے۔ میتہ اور دم میں اس کا امکان ہی نہیں اور خنزیر اور ما اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بذاتہ حرام ہیں۔ (باتفاق حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، حسن بصریؒ قتادہ وغیرہ سلف صالحین)

(۱۰) نُصُب: وہ پتھر ہیں جو کعبہ کے گرد کھڑے کئے گئے تھے، اور اہل جاہلیت ان کی پرستش کرتے تھے، ان کے پاس لا کر قربانی کرتے تھے اور اس کو عبادت سمجھتے تھے، یہ سب جانور خبائث میں داخل ہیں۔

(۱۱) استقسام بالازلام: زلم کی جمع ازلام ہے، یعنی قرعہ اندازی اور قسمت آزمائی کے لیے رکھے ہوئے تیر جن پر نعم یا لا وغیرہ قسم کے الفاظ لکھے ہوتے تھے۔ حرام جانوروں کے سلسلے میں اس کا ذکر اس لیے کیا کہ عرب کی یہ بھی عادت تھی کہ چند آدمی شریک ہو کر اونٹ وغیرہ ذبح کرتے مگر گوشت کی تقسیم میں ہر ایک کا الگ حصہ لگانے کے بجائے ان جوئے کے تیروں سے قرعہ اندازی کرتے تھے، جس میں کوئی بالکل محروم رہ جاتا، کسی کو بہت زیادہ مل جاتا، کسی کو حق سے کم۔ اس لیے اسی مقام پر اس طریقہ کار کی حرمت کو بھی بیان کر دیا گیا۔

آئندہ کے حالات اور غیب کی چیزیں معلوم کرنے کے ہر طریقے بھی... بالازلام میں داخل ہیں جیسے جفر یا ہاتھ کے نقوش کے ذریعہ یا فال وغیرہ نکالنا۔ اور یہ لفظ قمار اور جوئے کے لیے بھی بولا جاتا ہے، لاٹری بھی اسی میں داخل ہے، جسے قرآن نے میسر کہا ہے جیسا کہ فارس و روم میں شطرنج اور چوسر وغیرہ کے مہروں سے یہ کام لیا جاتا ہے وہ سب ازلام کے حکم میں ہیں۔ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یعنی یہ سب طریقے فسق اور گمراہی ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ دِيْنًا: اس آیت کے نزول کی خاص شان ہے، عرفہ کا دن جو سال کے دنوں میں سید الایام ہے، اور اتفاق سے یہ عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا، جن کے فضائل معروف ہیں، مقام میدان عرفات کا جبل رحمت کے قریب ہے جو عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول رحمت کا خاص مقام ہے، وقت عصر کے بعد کا ہے، جو عام دنوں میں بھی مبارک وقت ہے،

www.toobaaelibrary.com

خصوصاً یوم جمعہ میں کہ قبولیت دعا کی گھڑی اسی وقت آتی ہے پھر یہ عرفہ کے روز مزید خاص وقت قبولیت ہے حج کے لیے مسلمانوں کا سب سے پہلا عظیم اجتماع ہے، جس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرامؓ شریک ہیں، رحمۃ اللعالمینؐ صحابہ کرامؓ کے ساتھ جبل رحمت کے نیچے اپنی ناقہ "عضباء" پر سوار ہیں، اور حج کے سب سے بڑے رکن وقوف عرفات میں مشغول ہیں ـــــــ ان فضائل و برکات اور رحمتوں کے سائے میں یہ آیت کریمہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تقریباً قرآن کی آخری آیت ہے، اس کے بعد کوئی آیت احکام سے متعلق نازل نہیں ہوئی، سوائے ترغیب و ترہیب کی چند آیتوں کے اس آیت کے نزول (نویں ذی الحجہ ۱۰ھ کے بعد پیغمبر علیہ السلام اس دنیا میں صرف اکیاسی روز بقید حیات رہے (۱۱ھ، ۱۲ ربیع الاوّل)

اس آیت کا مفہوم بھی ملت اسلامیہ اور مسلمانوں کے لیے ایک عظیم خوشخبری اور بھاری انعام اور اسلام کا طغرائے امتیاز ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین حق اور نعمتِ الٰہی کا انتہائی معیار جو اس عالم میں بنی نوع انسان کو عطا ہونے والا تھا آج وہ مکمل کر دیا گیا، گویا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے جو دین حق اور نعمتِ الٰہیہ کا نزول اور ترویج شروع کی گئی تھی اور ہر زمانہ ہر خطہ کے مناسب حال اس نعمت کا ایک حصہ اولادِ آدم علیہ السلام کو عطا ہوتا رہا آج وہ دین اور نعمت مکمل صورت میں خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہؐ اور آپ کی امت کو عطا کر دی گئی، اس میں تمام انبیاء اور رسل کے زمرہ میں سید الانبیاء کی امتیازی شان کا تو اظہار ہے ہی اس کے ساتھ تمام امتوں کے مقابلہ میں امت مرحومہ کی بھی ایک خاص امتیازی شان کا واضح ثبوت ہے۔ چناں چہ ایک مرتبہ چند علماء یہود حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول کا ایک جشن عید مناتے، آپ نے سوال کیا کہ وہ کونسی آیت ہے انھوں نے یہی آیت پڑھ دی، اس کے جواب میں حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی، اشارہ اسی بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے لیے دوہری عید کا دن تھا ایک عرفہ دوسرے جمعہ۔

دنیا میں دیگر اقوام و ملل کے لوگ اپنے اپنے حالات و خصوصیات کے ماتحت اپنے خاص خاص تاریخی واقعات کے دنوں کی یادگاریں مناتے ہیں، کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت، یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے، یا کسی خاص ملک یا شہر کی فتح یا اور کسی عظیم تاریخی واقعہ جس کا حاصل اشخاص خاص

www.toobaaelibrary.com

کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں، اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں اس نے ان تمام رسوم جاہلیت اور شخصی یادگاروں کو چھوڑ کر اصول اور مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنا دیا۔ بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے دین و مذہب کا جز اور فرض و واجب قرار دیدیا۔ قربانی، ختنہ، سعی بین الصفا والمروہ، منیٰ میں تین جگہ کنکریاں مارنا وغیرہ یہ سب انھیں بزرگوں یعنی حضرت ابراہیم و اسماعیل اور ان کی والدہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ولیہا کے ایسے افعال کی یادگار ہیں اسی طرح اسلام میں ان اعمال کے دن منائے گئے جو کسی خاص عبادت سے متعلق ہیں جیسے شب براءت، رمضان المبارک، شب قدر، یوم عرفہ، یوم عاشورہ وغیرہ۔ عیدین بھی صرف دو رکھی گئیں وہ بھی خالص دینی لحاظ سے۔ پہلی عید رمضان المبارک کے اختتام اور اشہر حج کے شروع ہونے پر، اور دوسری عید عبادت حج سے فراغت کے بعد خلاصہ یہ کہ فاروق اعظمؓ کے اس جواب نے یہ بتلا دیا کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہماری عیدیں تاریخی وقائع کے تابع نہیں۔

در حقیقت عید میلاد وغیرہ جیسے دن منانے کا طریقہ ان قوموں میں تو چل سکتا ہے، جو کمال افراد اور ان کے حیرت انگیز کارناموں کے لحاظ سے مفلس ہیں، پوری قوم میں صرف دو چار شخصیتیں اس قابل ہوتی ہیں اور ان کے بھی کچھ مخصوص کام ایسے ہوتے ہیں جن کی یادگار منانے کو قومی فخر سمجھتے ہیں، اسلام میں یہ دن منانے کی رسم چلے تو ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد تو انبیاء علیہم السلام ہیں جن میں سے ہر ایک کی نہ صرف پیدائش بلکہ ان کے حیرت انگیز کارناموں کی ایک طویل فہرست ہے، انبیاء علیہم السلام کے بعد سید الانبیاءؐ کی حیات طیبہ کو دیکھا جائے تو آپ کی زندگی کا شاید کوئی دن بھی ایسے کارناموں سے خالی نہیں۔ پھر نزول قرآن، ہجرت، غزوۂ بدر، احد، خندق، فتح مکہ، حنین، تبوک، اور تمام غزوات ہیں، ان میں ایک بھی ایسا نہیں جن کی یاد نہ منائی جائے، اسی طرح آپ کے ہزاروں معجزات ہیں اور بصیرت کے ساتھ آپ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالیں تو ہر دن نہیں، ہر گھنٹہ ایک یادگار منانے کا داعیہ رکھتا ہے۔

آں حضرتؐ کے بعد تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرامؓ وہ ہیں جن میں سے ہر ایک در حقیقت پیغمبر علیہ السلام کا زندہ معجزہ ہے، کیا یہ بے انصافی نہ ہوگی کہ ان کی یادگاریں نہ منائی جائیں، اور یہ رسم چل پڑے تو پھر امت کے اکابر، اولیاء اللہ اور علماء و مشائخ نہیں جو کروڑوں کی تعداد میں ہوں گے انھیں چھوڑ دینا کیا ان کی قدر ناشناسی نہ ہوگی، اور اگر ان سب کی یادگاریں منانا طے کرلیا جائے تو سال بھر میں ایک دن تو کیا بلکہ ہر گھنٹہ میں کئی کئی یادگاریں اور کئی کئی عیدیں منانی پڑیں گی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول کریمؐ اور صحابہؓ نے اس رسم کو جاہلیت کی رسم قرار دے کر نظر انداز کردیا ہے

حضرت فاروق اعظمؓ کے اس فرمان میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام اور آپ کی امت کو تین خصوصی انعام عطا فرمانے کی بشارت دی ہے۔ ایک اکمال دین۔ دوسرے اتمام نعمت تیسرے شریعت اسلام کا اس امت کے لیے انتخاب۔ اکمال دین یعنی آج دین حق کے تمام حدود و فرائض اور احکام و آداب مکمل کر دیے گئے ہیں۔ اب اس میں نہ کسی اضافہ کی ضرورت اور نہ کسی کمی کا احتمال ہے۔ (ابن عباسؓ وغیرہ۔ روح)

کیوں کہ اس کے بعد ہی سلسلۂ وحی وفات رسول اللہؐ کے ساتھ منقطع ہونے والا تھا اور بغیر وحی الٰہی کے قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا اور جو بظاہر زیادتی احکام کی اصول اجتہاد کے تحت فقہاء و مجتہدین کی طرف سے ہوئی وہ درحقیقت زیادتی نہیں بلکہ احکام قرآنی کی توضیح و بیان ہے۔

اتمام نعمت سے مراد مسلمانوں کا غلبہ اور عروج اور مخالفین کا مغلوب و مفتوح ہونا ہے جس کا ظہور فتح مکہ اور رسوم جاہلیت کے مٹانے اور اس سال حج میں کسی مشرک کے شریک نہ ہونے کے ذریعہ ہوا۔

اکمال اور اتمام میں بظاہر مرادف سمجھے جانے کے باوجود ایک فرق ہے وہ یہ کہ کسی چیز کا "اکمال و تکمیل" اس کو کہتے ہیں جو اس چیز سے جو غرض اور مقصود تھا وہ پورا ہو گیا اور لفظ "اتمام" کے معنی یہ ہیں کہ اب دوسری چیز کی حاجت اور ضرورت نہیں رہی۔ یعنی قانون الٰہی کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا اور اب مسلمان کسی کے محتاج نہیں۔ (مفردات القرآن راغب اصفہانی)

دین کا ظہور چوں کہ اعمال و افعال کے ذریعہ ہوتا ہے جو امت کے افراد کرتے ہیں اس لیے دین کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی گئی، اور نعمت کی تکمیل براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لیے نعمت کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہے (ابن قیم تفسیر القیم)

اس لیے یہ شبہ نہ ہو کہ پہلے انبیاء کا دین ناقص تھا، دین تو ہر نبی و رسول کا اس زمانے کے اعتبار سے کامل و مکمل تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ تفصیل پہلے سے تھی کہ جو دین اس زمانہ اور اس قوم کے لیے مکمل ہے وہ اگلے زمانہ اور آنے والی قوموں کے لیے مکمل نہ ہو گا بلکہ اسے منسوخ کر کے دوسرا دین و شریعت نافذ کی جائے گی۔ بخلاف شریعت اسلام کے جو سب سے آخر میں نازل کی گئی وہ قیامت تک ہر زمانہ اور ہر خطہ اور ہر ملک و قوم کے لیے کامل و مکمل ہے۔

تیسرا انعام اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے تکوینی انتخاب کے ذریعہ دین اسلام کو منتخب فرمایا جس پر نجات کا انحصار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عام مسلمان تو سن کر خوش

www.toobaaelibrary.com

ہو رہے تھے مگر حضرت فاروق اعظمؓ پر گریہ طاری تھا، گریہ کی وجہ دریافت کرنے پر عرض کیا کہ اس آیت سے اس کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اب آپؐ کا قیام اس دنیا میں بہت کم ہے کیوں کہ تکمیل کے بعد ارسال رسول کی ضرورت بھی پوری ہو چکی، آپؐ نے اس کی تصدیق فرمائی، (تفسیر ابن کثیر و بحر محیط) چناں چہ آنے والے وقت سے اس کی تصدیق ہو گئی۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ: بحالت اضطرار جب کہ پیٹ بھرنا اور لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ صرف اتنا کھالے جس سے اضطرار کی کیفیت رفع ہو جائے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ: یعنی یہ محرمات اس وقت بھی اپنی جگہ حرام و ناجائز ہیں صرف مضطر کو معاف کر دیا گیا ہے۔

آیت:۴: اس آیت میں شکاری کتے اور باز سے شکار کرنے کا حکم دریافت کیے جانے پر جواب دیا گیا ہے، اس سلسلے میں چار شرطیں ہیں، (۱) اوّل یہ کہ کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور اس کا اصول یہ ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے خود اس کو نہ کھانے لگے، اور باز کے لیے یہ اصول ہے کہ تم جب اس کو واپس بلاؤ تو وہ فوراً آ جائے، اگر چہ وہ شکار کے پیچھے جارہا ہو، بایں صورت یہ ثابت ہوگا کہ وہ شکار تمہارے لیے کرتے ہیں، اپنے لیے نہیں، اس کے برخلاف ہو تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ کتا یا باز تمہارے بھیجنے پر شکار کے پیچھے گیا ہو نہ کہ از خود شکار کیا ہو، اس شرط کا بیان لفظ مُكَلِّبِیْنَ سے کیا گیا ہے، (جلالین و قرطبی) تیسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگیں بلکہ تمہارے پاس لے آئیں۔ مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ: (۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ کتے یا باز کو جب شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو، ان چاروں شرطوں کے ساتھ اگر شکار تمہارے پاس آنے تک دم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کی ضرورت نہیں ورنہ بغیر ذبح کے حلال نہ ہوگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ یہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے جس کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ موجود ہے۔

مسئلہ: یہ حکم اپنے قبضے سے باہر وحشی جانوروں کا ہے، اور اگر وہ کسی وحشی جانور کو قابو میں کر لیا گیا ہے تو وہ بغیر باقاعدہ ذبح کے حلال نہ ہوگا۔ آخر میں یہ ہدایت ہے کہ شکار میں لگ کر نماز اور ضروری احکام شرعیہ سے غفلت برتنا جائز نہیں۔

آیت:۵: اَلْیَوْمَ: آج یعنی حجۃ الوداع ۱۰ھ کا یوم عرفہ یعنی دینی ابدی انعام کے ساتھ ایک دنیوی ابدی انعام یہ بھی ہوا کہ جو پاکیزہ چیزیں پہلے بھی حلال تھیں وہ دائمی طور پر حلال رکھی گئیں، ان

www.toobaaelibrary.com

کے منسوخ ہونے کا احتمال ختم ہوا۔ طَیِّبَاتِ یعنی صاف ستھری اور مرغوب چیزیں، خبائث یعنی گندی اور قابلِ نفرت چیزیں، انسان کا مقصدِ حیات صرف کھانا پینا وغیرہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کو قدرت نے مخدوم کائنات کسی خاص مقصد سے بنایا ہے اور وہ مقصدِ اعلیٰ پاکیزہ اخلاق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، پس ضروری ہوا کہ جتنی چیزیں انسانی اخلاق کو گندہ کرنے والی ہوں ان سے ازلی مکمل پرہیز کرایا جائے۔ انسان کے اخلاق جب گرد و پیش سے متاثر ہو جاتے ہیں تو جو چیزیں انسان کے بدن کا جزو بنتی ہیں ان سے اخلاق کس قدر متاثر ہوں گے اس لیے کھانے پینے کی ساری چیزوں میں اس کی احتیاط لازمی ہوئی، اکل حلال کے بغیر عمل صالح مقصود نہیں بالخصوص گوشت جو انسان کے بدن کا جزو بنتا ہے، اس میں احتیاط سب سے زیادہ ضروری ہے۔ الغرض اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ کے جملہ نے حلت و حرمت کا فلسفہ بھی بتلا دیا اور اصول بھی۔

طیبات اور خبائث کا اصل فیصلہ طبائع سلیمہ کی رغبت اور نفرت پر ہے اور سب سے زیادہ سلیم الطبع انسان انبیاء علیہم السلام ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے ہر اعتبار سے ہر طرح حفاظت فرمائی ہے اس لیے انہیں کا فیصلہ ایسے معاملے میں سب کے لیے حجت ہے، چناں چہ حضرت نوح علیہ السلام سے خاتم الانبیاء علیہ السلام تک ہر پیغمبر نے مردار اور خنزیر وغیرہ کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا معلوم ہوا کہ یہ ایسی خبائث ہیں کہ ہر زمانے کی سلیم الطبع حضرات نے ان کو گندی اور مضر چیز سمجھا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرماتے ہیں کہ شریعت اسلام کے حرام کردہ جانوروں پر غور کیا جائے تو سمٹ کر یہ سب دو اصولوں کے تحت آجاتے ہیں (۱) ایک یہ کہ کوئی جانور اپنی فطرت و طبیعت کے اعتبار سے خبیث ہو، دوسرے یہ کہ اس کے ذبح کا طریقہ غلط ہو، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ذبیحہ کے بجائے میتہ قرار دیا جائے گا، چناں چہ خنزیر قسم اوّل میں داخل ہے باقی آٹھ قسم دوم میں۔

پیغمبر علیہ السلام نے کسی جانور کے خبیث ہونے کی ایک علامت یہ بتلائی ہے کہ کسی قوم کو بطور عذاب کے جس جانور کی شکل میں مسخ و تبدیل کیا گیا ہو تو یہ علامت اس کی ہے کہ یہ جانور طبعاً خبیث ہے کہ مغضوب لوگوں کو اس جانور کی شکل دی گئی مثلاً۔ قرآن کریم میں ہے وجعل منھم القِرَدَةَ والخنازیر معلوم ہوا کہ جانوروں کی یہ دونوں قسمیں بالطبع خبائث میں داخل ہیں۔ بعض جانور ایسے ہیں کہ افعال و آثار سے ان کا خبیث ہونا عام طبائع محسوس کر لیتی ہیں مثلاً درندے جانور جن کا کام ہی دوسروں کو زخمی کرنا پھاڑ کھانا ہے اور یہ سخت دلی ہے، اسی طرح بہت سے جانور جن کی خصلت ایذا

www.toobaaelibrary.com

رسائی ہے جیسے سانپ بچھو، چھپکلی، مکھی چیل باز وغیرہ۔

جانوروں کے سوا اور کسی چیز کے کھانے پر اللہ اکبر یا بسم اللہ کی پابندی نہیں ہے صرف جانوروں کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا واجب اس لیے قرار دیا گیا کہ اس میں ایک فرق واضح ہے وہ یہ کہ جانداروں کی جانیں ایک حیثیت سے سب برابر ہیں اس لیے ایک جاندار کے لیے دوسرے جاندار کو فنا کرنا اور ذبح کر کے کھا لینا بظاہر نہ ہونا چاہیے، اب یہ جواز بہرحال اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام ہے اس لیے بوقت ذبح اس نعمت الٰہیہ کا استحضار اور ادائے شکر ضروری قرار دیا گیا۔ بخلاف دانہ غلہ پھل وغیرہ کہ ان کی پیدائش ہی اس لیے ہے کہ انسان ان کو فنا کر کے اپنی ضروریات پوری کرے، اس لیے ان پر صرف بسم اللہ کہنا مستحب کے درجہ میں رکھا گیا۔

نیز یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ مشرکین بوقت ذبح اپنے بتوں کا نام لیا کرتے تھے، اسلام نے ان کی اس مشرکانہ رسم کو ایک بہترین عبادت میں تبدیل کر دیا، پھر یہ کہ اس مشرکانہ رسم کو مٹانے کی مناسب صورت یہی تھی کہ غلط نام کے بجائے صحیح نام تجویز کر دیا جائے ورنہ چلی ہوئی رسم وعادت کا چھوٹنا مشکل ہوتا ہے۔

آیت کے دوسرے جملہ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ الخ: میں جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک کھانے سے مراد ذبیحہ جانور ہیں، (روح وجصاص) کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو جیسے تورات، انجیل، زبور، وصحف موسیٰ وابراہیم وغیرہ پس وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی ہوں وہ اہل کتاب میں داخل ہیں۔ یعنی اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں، ان کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے اور مسلمانوں کا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے۔

نیز قرآن کریم کی تصریحات سے یہ بھی واضح ہے کہ اہل کتاب ہونے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ وہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہوں اور اس کی اتباع کے دعویدار ہوں خواہ اس کی اتباع میں کتنی گمراہیوں میں جا پڑے ہوں اور یہ کہ بالکل یہودیت اور نصرانیت کو چھوڑ دیں۔ صرف نام کے یہودی ونصرانی جو درحقیقت دہریے ہیں وہ اس میں داخل نہیں۔

بنو تغلب کے نصاریٰ کے بارے میں حضرت علیؓ کو یہی معلومات تھیں کہ وہ بے دین ہیں، نصرانی نہیں کیوں کہ انھوں نے نصرانیت میں سے صرف شراب نوشی کو لیا۔ اس لیے انھوں نے ان کے ذبائح کے کھانے کو منع فرمایا۔ (تفسیر مظہری: ص:۳۴، ج:۳، مائدہ) مگر جمہور صحابہ وتابعین کی تحقیق یہ تھی

www.toobaaelibrary.com

کہ یہ بھی عوام نصرانیوں کی طرح ہیں بالکل دین کے منکر نہیں اس لیے انھوں نے ان کا ذبیحہ بھی حلال قرار دیا۔ (قرطبی: ج:۳، ص:۸۷)

اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہونے کی وجہ اور حکمت یہ ہے کہ ان کے دین میں سیکڑوں تحریفات کے باوجود ان دو مسئلوں میں ان کا مذہب بھی اسلام کے بالکل مطابق ہے یعنی وہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا عقیدتاً ضروری سمجھتے ہیں اس کے بغیر جانور کو مردار اور حرام قرار دیتے ہیں اسی طرح جن عورتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے ان کے مذہب میں بھی حرام ہے ایسے ہی نکاح کے اعلان اور ان کے موجودہ مذہب میں گواہوں کے سامنے ہونے میں بھی دونوں برابر ہیں۔

اور جو کچھ اس کے خلاف ان کے عوام میں پایا جاتا ہے وہ جاہلوں کی اغلاط ہیں ان کا مذہب نہیں ہے، اسی لیے جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک بقرہ، انعام اور مائدہ کی تمام آیات میں کوئی تضاد نہیں یا نسخ یا تخصیص نہیں، اور جن علماء تابعین نے غلط کار عوام کے عمل کو بھی حبعاً اہل کتاب کے حکم میں شامل رکھا اور آیات بقرہ وغیرہ میں نسخ یا تخصیص کا قول اختیار کیا ہے تو اس کی بھی بنیاد یہ ہے کہ نصاریٰ جن کا قول یہ ہے کہ ”اِنَّ اللّٰہ ھو المسیح ابن مریم“ یہ لوگ اگر اللہ کا نام بھی لیں تو اس سے مراد عیسیٰ بن مریم ہی لیتے ہیں اس لیے ان کے ذبیحہ میں اللہ کا نام لینا یا مسیح کا نام لینا برابر ہو گیا۔ اس بناء پر ان حضرات تابعین نے ذبائح اہل کتاب میں اس کی اجازت دیدی ہے۔ (احکام ابن عربی: ج:۱، ص:۲۲۹) مگر جمہور امت نے اس کو قبول نہیں کیا۔ (تفصیل دیکھئے تفسیر ابن کثیر و بحر محیط مظہری میں)

اس پیراگراف کی تفصیل صاحب کتاب حضرت مفتی صاحبؒ نے چھ صفحات میں بیان فرمائی ہے اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ اس مقام پر مصر کے مشہور عالم مفتی عبدہ سے ایک سخت لغزش ہوگئی ہے، اوّل یہ کہ اہل کتاب کے مفہوم میں دنیا کے کفار مجوس ہندو سکھ وغیرہ سب کو داخل کر کے اتنا عام کر دیا ہے کہ قرآن میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کی تقسیم و تفریق بالکل بے معنی ہو جاتی ہے دوسری غلطی یہ کہ طعام اہل کتاب کے مفہوم میں اہل کتاب کے ہر کھانے کو بلا کسی شرط کے حلال کر دیا خواہ وہ جانور کو ذبح کریں یا نہ کریں، اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا نہ لیں، اس وقت جب یہ فتویٰ مصر سے شائع ہوا تو دنیا بھر سے اس کی تغلیط کی گئی اس پر بہت سے مقالے اور رسالے لکھے گئے۔ اسلام کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ خلاف شریعت کام خواہ کتنے ہی بڑے عالم سے کیوں نہ ہو جائے عام مسلمانوں کے قلوب اس سے کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔ اس معاملے میں بھی یہی ہوا، اور پوری دنیا

www.toobaaelibrary.com

کے مسلمانوں نے اسے گمراہی قرار دیا۔ اور اس وقت یہ معاملہ دب کر رہ گیا، مگر زمانہ حال کے ملحدین نے پھر اس بحث کو نکالا ہے اس لیے ضرورت ہوئی کہ اس بحث کو قدرے تفصیل سے لکھا جائے، تفصیل حضرت مفتی صاحبؒ کے رسالہ "اسلامی ذبیحہ" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

دوسرا مسئلہ: اس ارشاد قرآنی کا دوسرا جز یعنی وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ کا کیا مقصد ہے کیوں کہ اہل کتاب قرآنی ارشاد کے قائل ہی نہیں، اس کے بیان سے کیا فائدہ؟ تفسیر بحر محیط وغیرہ میں اس کے متعلق فرمایا کہ دراصل یہ حکم بھی مسلمانوں کو بتلانا منظور ہے کہ تم اگر اپنے ذبیحہ میں سے انھیں کھلادو تو کوئی گناہ نہیں، اور اگر ہمارا ذبیحہ ان کے لیے حرام ہوتا ہے تو ہمیں ان کو کھلانا جائز نہ ہوتا۔ گویا حقیقتاً اس کے مخاطب مسلمان ہی ہیں۔

اور تفسیر مظہری میں فرمایا کہ اس جملہ کا فائدہ ذبائح اور نکاح کے معاملہ میں فرق بیان کرنا ہے وہ یہ کہ ذبائح تو جانبین سے حلال ہیں مگر عورتوں کے نکاح کا معاملہ یہ نہیں بلکہ ایک طرفہ ہے کہ مسلمانوں کی عورتیں اہل کتاب کے لیے حلال نہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ معاذ اللہ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی بن جائے تو وہ اہل کتاب میں داخل نہیں بلکہ وہ مرتد ہے، اس کا ذبیحہ باجماع امت حرام ہے۔ ہاں اگر کسی دوسرے مذہب وملت کا آدمی اپنا مذہب چھوڑ کر یہودی یا نصرانی بن جائے تو وہ اہل کتاب میں شمار ہوگا۔ آیت کا تیسرا جملہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ الخ: دونوں جگہ محصنت سے مراد دو معنی ہوسکتے ہیں ایک معنی آزاد کے ہیں دوسرا معنی عفیف وپاکدامن۔ مجاہد نے اوّل معنی لیا ہے یعنی اہل کتاب کی کنیزیں مسلمانوں کے لیے حلال نہیں۔ (مظہری)

لیکن جمہور علماء صحابہ وتابعین کے نزدیک مراد عفیف وپاک دامن ہے، لیکن عفیف کی اس قید کا فائدہ بہتر اور مناسب کی ترغیب ہے نہ یہ کہ غیر عفیف سے نکاح ہی حرام ہو، پس خلاصہ مضمون اس جملہ کا یہ ہوا کہ بہرصورت مسلمان کو چاہیے کہ عفیف اور پاک دامن سے نکاح کرے بدکار اور ناقابل اعتبار عورت سے نکاح کا رشتہ جوڑنا دارین کی تباہی ہے اس سے بچنا چاہیے۔

بقرہ کی آیت: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ الخ: کا مفہوم یہ ہے کہ اصولی طور پر غیر مسلم عورت سے مسلمان کا نکاح نہ ہونا چاہیے لیکن سورۂ مائدہ کی اس آیت نے اہل کتاب کی عورتوں کو اس عموم سے مستثنیٰ کردیا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

صحابہ میں سے حضرت عمرؓ کا مذہب یہ ہے کہ وہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح ناجائز سمجھتے تھے۔ (احکام القرآن جصاص) اور جمہور صحابہ و تابعین اگرچہ فی نفسہ حلال سمجھتے تھے لیکن دوسرے خطرات اور مفاسد کے پیش نظر وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے (دیکھئے احکام القرآن للجصاص بروایت شقیق بن مسلم اور کتاب الآثار: ص: ۱۵۶، لابن امام محمدؒ) اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ فقہاء حنفیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ وہ مکروہ سمجھتے ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ اور طلحہؓ و کعب بن مالکؓ کو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے پر سخت ناراض ہوئے اور انہیں علی الفور طلاق کا حکم کر دیا۔ (مظہری)

ملاحظہ فرمایا ـــــ فاروق اعظمؓ کا زمانہ تو خیر القرون کا تھا مگر فاروقی نظر دور بیں اتنے ہی مفاسد کو سامنے رکھ کر (کہ لوگ اہل کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی بناء پر ترجیح دینے لگیں گے تو مسلمان عورتوں کے لیے اس سے بڑی مصیبت پیدا ہو جائے گی) ان حضرات صحابہؓ کو طلاق پر مجبور کرتی ہے اگر آج کا نقشہ ان حضرات کے سامنے ہوتا تو اندازہ کیجئے کہ ان کا اس کے متعلق کیا عمل ہوتا۔

آخر میں یہ ہدایت دی گئی کہ اگر ان عورتوں کو رکھنا ہی ہے تو باقاعدہ نکاح کر کے بیوی کی حیثیت سے رکھیں، ان کو داشتہ کے طور پر رکھنا اور علانیہ بدکاری کرنا یہ سب حرام ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۙ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

www.toobaaelibrary.com

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو (یعنی نماز پڑھنے کا ارادہ کرو اور تم کو اس وقت وضو نہ ہو) تو (وضو کرلو یعنی) اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت (دھوؤ) اور اپنے سروں پر (بھیگا) ہاتھ پھیرو۔ اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت (دھوکر) اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو (نماز سے پہلے) سارا بدن پاک کرلو اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو) یا حالت سفر میں ہو (اور پانی نہیں ملتا جیسا آگے آتا ہے، یہ تو عذر کی حالت ہوئی) یا (اگر مرض و سفر کا عذر بھی نہ ہو بلکہ ویسے ہی وضو یا غسل ٹوٹ جاوے اس طرح سے کہ مثلاً) تم میں سے کوئی شخص (پیشاب یا پاخانہ کے) استنجے سے (فارغ ہوکر) آیا ہو جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو (جس سے غسل ٹوٹ گیا ہو اور) پھر (ان ساری صورتوں میں) تم کو پانی کے (استعمال کا موقع) نہ ملے (خواہ بوجہ ضرر کے یا پانی نہ ملنے کے) تو (ان سب حالتوں میں تم پاک زمینوں سے تیمم کرلیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیرلیا کرو۔ اس زمین (کی جنس) پر سے (ہاتھ مار کر) اللہ تعالیٰ کو (ان احکام کے مقرر فرمانے سے) یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں (یعنی یہ منظور ہے کہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے، چنانچہ احکام مذکورہ میں خصوصاً اور جمیع احکام شرعیہ میں عموماً رعایت سہولت و مصلحت کی ظاہر ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے (اس لیے طہارت کے قواعد اور طرق مشروع کئے اور کسی ایک طریق پر بس نہیں کیا گیا کہ اگر وہ نہ ہو تو طہارت ممکن ہی نہ ہو، مثلاً صرف پانی کو مطہر رکھا جاتا تو پانی نہ ہونے کے وقت طہارت حاصل نہ ہوسکتی، یہ طہارت ابدان تو خاص احکام طہارت ہی میں ہے۔ اور طہارت قلوب تمام طاعات میں عام ہے پس یہ تطہیر دونوں کو شامل ہے اور اگر یہ احکام نہ ہوتے تو کوئی طہارت حاصل نہ ہوتی۔ اور یہ (منظور ہے) کہ تم پر اپنا انعام تام فرمادے۔ (اس لیے احکام کی تکمیل فرمائی تاکہ ہر حال میں طہارت بدنی و قلبی جس کا ثمرہ رضا و قرب ہے جو اعظم نعم ہے حاصل کرسکو) تاکہ تم (اس عنایت کا) شکر ادا کرو (شکر میں امتثال بھی داخل ہے) اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو، (جس میں بڑا انعام یہ ہے کہ تمہاری فلاح کے طریقے تمہارے لیے مشروع کردیئے) اور اس کے اس عہد کو بھی (یاد کرو) جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے جب کہ تم نے (اس کا التزام بھی کرلیا تھا کہ عہد لینے کے وقت تم نے) کہا تھا کہ ہم نے (ان احکام کو) سُنا اور مان لیا (کیوں کہ اسلام لانے کے وقت ہر شخص اسی مضمون کا عہد کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ (کی مخالفت)

www.toobaaelibrary.com

سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کی پوری خبر رکھتے ہیں (اس لیے جو کام کرو اس میں اخلاص واعتقاد بھی ہونا چاہئے صرف منافقانہ امتثال کافی نہیں۔ مطلب یہ کہ ان احکام میں اول تمہارا ہی نفع پھر تم نے اپنے سر بھی رکھ لیا ہے۔ پھر مخالفت میں ضرر ان وجوہ سے امتثال ہی ضروری ہوا اور وہ بھی دل سے ہونا چاہئے ورنہ مثل عدم امتثال ہی کے ہے) ایمان والوں اللہ تعالیٰ (خوشنودی) کے لیے (احکام کی) پوری پابندی کرنے والے (اور شہادت کی نوبت آوے تو) انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو، اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہوجاوے کہ تم (ان کے معاملات میں) عدل نہ کرو (ضرور ہر معاملہ میں) عدل کیا کرو (یعنی عدل کرنا) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، (یعنی اس سے تقویٰ کے ساتھ موصوف کہلاتا ہے) اور (تقویٰ کرنا تم پر فرض ہے، چنانچہ حکم ہوا ہے کہ) اللہ تعالیٰ (کی مخالفت) سے ڈرو۔ (یہی حقیقت ہے تقویٰ کی پس عدل جو کہ اس فرض تقویٰ کا موقوف علیہ ہے نیز فرض ہوگا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے، (پس مخالفین احکام کو سزا ہو جاوے تو بعید نہیں) اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لے آئے اور (انھوں نے) اچھے کام کیے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور ثواب عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتلایا ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے، جب کہ ایک قوم (یعنی کفار قریش ابتدائے اسلام میں جب کہ مسلمان ضعیف تھے) اس فکر میں تھے کہ تم پر (اس طرح) دست درازی کریں (کہ تمہارا خاتمہ ہی کردیں) سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر (اس قدر) نہ چلنے دیا (اور آخر میں تم کو غالب کردیا۔ پس اس نعمت کو یاد کرو) اور (احکام کے امتثال میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرو (کہ اس نعمت کا یہ شکریہ ہے) اور (آئندہ بھی) اہل ایمان کو حق تعالیٰ پر اعتماد رکھنا چاہیے۔ (جس نے تمہارے سب کام بنائے ہیں اور آئندہ بھی آخرت تک امید رکھو اتقوا اللہ میں خوف دلایا اور امر بالتوکل میں امید اور یہی دو عمل معین امتثال ہیں)

ربط: پچھلی آیات میں وہ احکام شرعیہ بیان ہوئے جس کا تعلق انسان کی دنیوی زندگی اور کھانے پینے سے ہے اس آیات میں چند احکام متعلق عبادات کے مذکور ہیں۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۸: اس آیت کا مضمون تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ سورۂ مائدہ میں گذر چکا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں بالقسط شهدآء للّٰه تھا اور یہاں للّٰه شهدآء بالقسط ہے۔ الفاظ کے اس تقدم اور تاخر کی ایک لطیف

www.toobaaelibrary.com

وجہ بحر محیط میں ابوحیان نے ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو انصاف سے روکنے اور ظلم وجور میں مبتلا کرنے کے عادتاً دو سبب ہوا کرتے ہیں ایک اپنے نفس، اپنے عزیزوں اور دوستوں کی طرف داری، دوسرے کسی شخص کی دشمنی وعداوت، سورۂ نساء کی آیت کا روئے سخن پہلے مضمون کی طرف ہے اور سورۂ مائدہ کی آیت کا روئے سخن دوسرے مضمون کی طرف ہے۔ اسی لیے وہاں ارشاد ہے ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین اور سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے ولایجرمنکم شنآن قوم علیٰ ان لاتعدلوا۔

اگرچہ انجام کے اعتبار سے یہ دونوں عنوان یعنی بالقسط شہدآء للّٰہ اور للّٰہ شہدآء بالقسط ایک ہی مقصد کو ادا کرتے ہیں کیوں کہ جو شخص انصاف پر کھڑا ہوگا وہ اللہ ہی کے لیے کھڑا ہوگا اور پھر انصاف ہی کرے گا لیکن اپنے نفس اور عزیزوں دوستوں کی رعایت کے مقام میں یہ خیال گذر سکتا ہے کہ ان تعلقات کی رعایت بھی تو اللہ کے لیے ہے، اس لیے وہاں لفظ قسط کو مقدم لاکر اس کی طرف ہدایت کردی کہ وہ رعایت اللہ کے لیے نہیں ہوسکتی جو عدل وانصاف کے خلاف ہو، اور یہاں مائدے میں دشمنوں کے ساتھ عدل وانصاف برتنے کا حکم دینا تھا تو لفظ اللہ کو مقدم لاکر انسانی فطرت کو جذبات میں مغلوب ہونے سے نکال دیا کہ تم لوگ اللہ کے لیے کھڑے ہو جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دشمنوں کیساتھ بھی انصاف کرو۔

آج کل عرف میں شہادت کا جو مفہوم مشہور ہوگیا ہے، قرآن وسنت کی اصطلاح میں شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے مثلاً بیمار کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا، امتحانات میں طلبہ کے پرچوں پر نمبر لگانا اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخابات میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا، یہ سب بھی ایک شہادت ہے اگر ان میں شہادت غیر صحیح اور خلاف واقعہ دی گئی تو وہ جھوٹی شہادت ہوکر گناہ کبیرہ ہوگیا، اور مستحق لعنت وعذاب ہے۔

اور پھر نمائندوں کے انتخاب کے لیے ووٹ دینے کی ازروئے قرآن ایک دوسری حیثیت بھی ہے جس کو شفاعت یا سفارش کہا جاتا ہے اس کا حکم ارشاد قرآنی ومن یشفع شفاعۃ حسنۃ الخ میں گذر چکا ہے۔ ووٹ دینے کی ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے اور محض ذاتی وکالت نہیں بلکہ (حقوق مشترکہ) پوری قوم کی وکالت بنجاتی ہے، اگر کسی نااہل کو کامیاب بنا کر نمائندہ بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر رہا۔ یہ جھوٹی شہادت بھی ہے، بری شفاعت بھی اور ناجائز وکالت بھی۔

www.toobaaelibrary.com

آیت:۱۱ : اس آیت میں بطور خاص اس کا ذکر ہے کہ دشمنوں نے بارہا پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو مٹا دینے کے منصوبے بنائے اور تیاریاں کیں، مگر اللہ تعالیٰ نے سب کو خائب و خاسر کر دیا۔ مثلاً ایک گاؤں والے کا پیغمبر علیہ السلام کی تلوار پر قبضہ کر کے تلوار کھینچ کر یہ کہنا کہ من یمنعک منّی تین بار بھی پوچھنا اور ہر بار باطمینان جواب دینا "اللہ عزّ و جلّ"

اسی طرح کعب بن اشرف نے قتل کی سازش کی اور اللہ نے اس کی سازش خاک میں ملا دی، اسی طرح جب آپؐ یہود بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے عمرو بن جحش کے ذریعہ پتھر کی چٹان آپؐ کے اوپر ڈالنا چاہا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مطلع فرما دیا۔ اور آپ وہاں سے فوراً اٹھ گئے۔ (ابن کثیر) ان واقعات میں کوئی تضاد نہیں سب ہی آیت مذکورہ کا مصداق ہو سکتے ہیں۔

اتقوا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المتومنون۔ یعنی اس نصرت اور غیبی حفاظت کا اصل سبب تقویٰ اور توکل ہے جو قوم اور فرد بھی اور جہاں بھی اور جب بھی ان دو وصفوں کو اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی ایسی ہی حفاظت و حمایت ہوگی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو ٭ اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اگر جملہ اتقوا اللہ الخ کو آیات سابقہ کے مجموعہ کے ساتھ لگایا جائے تو پھر اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہوگا کہ اگر تم تقویٰ شعار اور متوکل علی اللہ رہو تو یہ رواداری اور حسن سلوک تمہارے لیے مضر نہ ہوگا بلکہ دشمنوں کو مخالفت و جرأت کے بجائے تمہارے زیر اثر لانے اور اسلام سے قریب کرنے کا سبب بنے گا۔ نیز تقویٰ وہ چیز ہے جو انسان کو عہد و میثاق کی پابندی پر ظاہراً و باطناً مجبور کر سکتا ہے بغیر تقویٰ کے عہد و میثاق کا حشر دنیا کو معلوم ہے، نیز اس جملہ سے یہ بھی اشارہ ہے کہ مسلمانوں کی فتح و نصرت صرف ظاہری ساز و سامان پر نہیں بلکہ اصل طاقت کا راز تقویٰ اور توکل میں مضمر ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا

www.toobaaelibrary.com

مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ
يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ
سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ
اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ
النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ
خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ
وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ
اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اور اللہ تعالیٰ نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے) بنی اسرائیل سے (بھی) عہد لیا تھا (جس کا بیان عنقریب آتا ہے) اور (ان عہود کی تاکید کے لیے) ہم نے ان میں سے (موافق عدد ان کے قبائل کے) بارہ سردار مقرر کئے (کہ ہر ہر قبیلہ پر ایک ایک سردار ہے جو اپنے ماتحتوں پر ہمیشہ ایفاءِ عہود کی تاکید رکھے) اور (مزید تاکید عہد کے لیے ان سے) اللہ تعالیٰ نے یوں (بھی) فرمادیا کہ میں تمھارے پاس ہوں (تمھارے برے بھلے کی سب مجھ کو خبر رہے گی، مطلب یہ ہے کہ عہد لیا پھر اس کی تاکید در تاکید فرمائی اور اس عہد کا خلاصہ مضمون یہ تھا کہ) اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر (جو آئندہ بھی نئے نئے آتے رہے گے) ایمان لاتے رہو گے اور (دشمنوں کے مقابلہ میں) ان کی مدد کرتے رہو گے اور (علاوہ زکوٰۃ کے اور مصارف خیر میں بھی صرف کرکے) اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر (یعنی اخلاص کے ساتھ) قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا اور ضرور تم کو (بہشت کے) ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے (محلات) کے نیچے کو نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اس (عہد و پیمان لینے) کے بعد بھی کفر کرے گا تو بے شک راہ راست سے دور جا پڑا۔ (لیکن بنی

www.toobaaelibrary.com

اسرائیل نے عہد مذکور کو توڑ ڈالا، اور توڑنے کے بعد طرح طرح کے عقوبات میں جیسے مسخ اور ذلت وغیرہ گرفتار ہوئے۔ پس یہ جو ان کو عنایت والطاف الٰہیہ سے بعد ہوا) تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت (یعنی اس کے آثار) سے دور کر دیا (اور یہی حقیقت ہے لعنت کی) اور (اسی لعنت کے آثار سے یہ ہے کہ) ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا (کہ حق بات کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا اور اس سخت دلی کے آثار سے یہ ہے کہ) وہ لوگ (یعنی ان میں کے علماء) کلام (الٰہی یعنی توریت) کو اس کے (الفاظ یا مطالب کے) مواقع سے بدلتے ہیں (یعنی تحریف لفظی یا تحریف معنوی کرتے ہیں) اور (اس تحریف کا اثر یہ ہوا کہ) وہ لوگ جو کچھ ان کو (توریت میں) نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ (نفع کا جو کہ ان کو عمل کرنے سے نصیب ہوتا) فوت کر بیٹھے (کیوں کہ زیادہ مشق ان کی اس تحریف کے مضامین متعلقہ بتصدیق رسالت محمدیہ میں ہوتی تھی، اور ظاہر ہے کہ ایمان سے زیادہ بڑا حصہ کیا ہوگا۔ غرض نقضِ میثاق پر لعنت مرتب ہوئی اور لعنت پر قساوت وغیرہ اور قساوت پر تحریف اور تحریف پر فوتِ حظ عظیم اور وجہ ترتیب ظاہر ہے) اور (پھر یہی تو نہیں کہ جتنا کر چکے اس پر بس کریں بلکہ حالت یہ ہے کہ) آپ کو آئے دن (یعنی ہمیشہ دین کے باب میں) کسی نہ کسی (نئی) خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی رہتی ہے بجز ان کے معدودے چند شخصوں کے (جو کہ مسلمان ہو گئے تھے) سو آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگذر کیجئے (یعنی جب تک شرعی ضرورت نہ ہو، ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کی فضیحت نہ کیجئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے (اور بلا ضرورت فضیحت نہ کرنا خوش معاملگی ہے) اور جو لوگ (نصرتِ دین کے دعوے سے) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ ہم ان سے ان کا عہد (مثل عہد یہود کے) لیا تھا، سو وہ بھی جو کچھ ان کو (انجیل وغیرہ میں) نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ (نفع کا جو کہ ان کو عمل کرنے سے نصیب ہوتا ہے) فوت کر بیٹھے (کیوں کہ وہ امر جس کو فوت کر بیٹھے توحید ہے اور ایمان ہے جناب رسول اللہ پر جس کا حکم ان کو بھی ہوا تھا اور اس کا حظ عظیم ہونا ظاہر ہے جب توحید کو چھوڑ بیٹھے) تو ہم نے ان میں سے باہم قیامت تک کے لیے بغض وعداوت ڈال دیا (یہ تو دنیوی عقوبت ہوئی) اور عنقریب (آخرت میں) کہ وہ بھی قریب ہی ہے، ان کو اللہ تعالیٰ ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے (پھر سزا دیں گے) اے اہل کتاب (یعنی یہود ونصاریٰ) تمہارے پاس ہمارے یہ رسولؐ آئے ہیں (جن کے کمال علمی کا تو یہ حال ہے کہ کتاب (کے مضامین) سے جن چیزوں کو تم چھپا لیتے ہو، ان میں سے بہت سی باتوں کو (جن کے اظہار میں کوئی

www.toobaaelibrary.com

شرعی مصلحت ہو ظاہراً تحصیل علوم نہ فرمانے کے باوجود خالص وحی کے ذریعہ واقف ہو کر) تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں اور (کمال علمی واخلاقی کا یہ عالم ہے کہ جن چیزوں کو تم نے چھپالیا تھا ان میں سے) بہت سے امور کو (جاننے اور باخبر ہونے کے باوجود اخلاقاً ان کے اظہار سے) درگذر فرماتے ہیں (جب کہ ان کے اظہار میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو، صرف تمہاری رسوائی ہی ہوتی ہو۔ اور یہ کمال علمی دلیل نبوت ہے اور کمال اخلاقی اس کا مؤید اور مؤکد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ کے دوسرے معجزات کے علاوہ خود تمہارے ساتھ آپ کا یہ برتاؤ آپ کی نبوت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور اسی رسول کے ذریعہ) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے۔ اور (وہ) ایک کتاب واضح (ہے) کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں۔ سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں (یعنی جنت میں جانے کے طریقے جو خاص عقائد واعمال ہیں تعلیم فرماتے ہیں کیوں کہ درحقیقت مکمل سلامتی تو جنت ہی میں ہو سکتی ہے کہ نہ اس میں کوئی کمی ہوتی ہے اور نہ زوال کا خطرہ) اور ان کو اپنی توفیق سے کفر ومعصیت کی تاریکیوں سے نکال کر (ایمان وطاعت کے) نور کی طرف لے آتے ہیں۔ اور ان کو (ہمیشہ) راہ راست پر قائم رکھتے ہیں۔ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام مسیح بن مریم ہے، آپ اُن سے یوں پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم (جن کو تم اللہ کا عین سمجھتے ہو) اور ان کی والدہ (حضرت مریم) کو اور جتنے زمین میں آباد ہیں، اُن سب کو (موت سے) ہلاک کرنا چاہیں (تو) کیا کوئی شخص ایسا ہے کہ جو خدا تعالیٰ سے ذرا بھی ان کو بچا سکے۔ (یعنی اتنی بات کو تو تم بھی مانتے ہو کہ ان کو ہلاک کرنا اللہ کی قدرت میں ہے، تو جس ذات کا ہلاک کرنا دوسرے کے قبضہ میں ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس سے عقیدہ الوہیت مسیح کا باطل ہو گیا۔ اور جو حقیقۃً خدا اور سب کا معبود ہے یعنی) اللہ تعالیٰ (اس کی یہ شان ہے کہ اس) ہی کے لیے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں ان پر اور وہ جس چیز کو (جس طرح) چاہیں پیدا کردیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ اور یہود ونصاریٰ (دونوں فریق) کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔ (مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم چونکہ انبیاء کی اولاد ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری ایک خصوصیت ہے کہ ہم گناہ بھی کریں تو اس پر اتنی ناراضی نہیں ہوتی جتنی دوسروں پر ہوتی ہے جیسے باپ کو اپنے بیٹے کی نافرمانی پر اتنا اثر نہیں ہوتا، جتنا کسی غیر آدمی کے ایسے ہی فعل پر ہوتا ہے۔ ان کے اس

www.toobaaelibrary.com

خیال باطل کے ابطال کے لیے آنحضرتؐ کو خطاب ہے کہ آپ (ان سے) پوچھئے کہ اچھا پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض (آخرت میں) عذاب کیوں دیں گے۔ (جس کے تم بھی قائل ہو جیسا کہ یہود کا قول تھا لن تمسّنا النارُ الا ایاماً معدودةً. یعنی اگر ہمیں عذاب جہنم ہوا بھی تو چند روز ہی ہوگا۔ اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کا قول قرآن میں مذکور ہے۔ قال المسیح انه من یشرك بالله فقد حرّم الله علیه الجنة. یعنی جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھرایا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتے ہیں۔ جو بوجہ التزام کے مثل اقرار نصاریٰ کے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا جب تمھیں خود بھی اقرار ہے تو یہ بتلاؤ کہ کیا کوئی باپ اپنے بیٹے یا محبوب کو عذاب بھی دیا کرتا ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو خدا کی اولاد کہنا باطل ہے۔

یہاں یہ شبہ ہے نہیں کیا جا سکتا کہ بعض اوقات باپ بھی اپنی اولاد کی اصلاح و تربیت کے لیے تادیباً سزا دیتا ہے تو سزا ہونا بیٹا ہونے کے منافی نہیں۔ کیوں کہ باپ کی سزا تادیب کے لیے ہوئی ہے تا کہ وہ آئندہ ایسا کام نہ کرے۔ اور آخرت میں تادیب کا کوئی مقام نہیں۔ (کیوں کہ وہ دار العمل نہیں دار الجزاء ہے۔ وہاں آگے کوئی کام کرنے، یا کسی کام سے روکنے کا کوئی احتمال نہیں۔ جس کو تادیب کہا جائے، اس لیے وہاں جو سزا ہوگی وہ خالص سزا اور تعذیب ہی ہو سکتی ہے۔ جو اولاد یا محبوب ہونے کے قطعاً منافی ہے، اس لیے معلوم ہوا کہ تمہاری کوئی خصوصیت اللہ کے یہاں نہیں) بلکہ تم بھی منجملہ دوسری مخلوقات کے ایک معمولی آدمی ہو۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بخشیں گے جس کو چاہیں گے سزا دیں گے اور اللہ ہی کی ہے سب حکومت آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان ان میں بھی اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ (اُس کے سوا کوئی پناہ نہیں) اے اہل کتاب تمہارے پاس یہ ہمارے رسول (محمدؐ) آپہنچے جو کہ تم کو (شریعت کی باتیں) صاف صاف بتلاتے ہیں۔ ایسے وقت میں کہ رسولوں (کے آنے کا) سلسلہ (مدت سے) موقوف تھا (اور شرائع سابقہ مفقود اور گم ہو چکی تھیں اور انبیاء کا سلسلہ عرصہ دراز تک بند رہنے سے ان گم شدہ شرائع کے دوبارہ دریافت ہونے کا امکان بھی نہ رہا تھا۔ اس لیے اب کسی رسول کے آنے کی ضرورت شدید تھی تو ایسے وقت آپ کا تشریف لانا بڑی نعمت اور غنیمت سمجھنا چاہیے) تا کہ تم (قیامت میں) یوں نہ کہنے لگو (کہ دین کے معاملہ میں غلطی اور کوتاہی میں ہم اس لیے معذور ہیں کہ) ہمارے پاس (کوئی رسول جو کہ) بشیر اور نذیر (ہو جس سے ہم کو دین کا صحیح علم اور عمل پر ابھار پیدا ہوتا) نہیں آیا (تو لواب

www.toobaaelibrary.com

اس عذر کی گنجائش نہیں رہی کیوں کہ) تمہارے پاس بشیر و نذیر (یعنی محمد ﷺ) آ چکے ہیں، (اب نہ مانو تو اپنے انجام کو خود سمجھ لو) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں (کہ جب چاہیں رحمت سے اپنے انبیاء بھیج دیں جب چاہیں حکمت سے ان کو روک لیں اس لیے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ جب مدت دراز سے انبیاء کا سلسلہ بند ہے تو اب کوئی رسول نہیں آ سکتا۔ کیوں کہ یہ سلسلہ ایک مدت تک موقوف رکھنا حق تعالیٰ کی حکمت سے تھا، اس نے سلسلہ نبوت بند اور ختم کر دینے کا کوئی اعلان اس وقت تک نہیں کیا تھا۔ بلکہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ یہ خبریں بھی دے دی تھیں کہ آخر زمانے میں ایک خاص رسول خاص شان اور خاص صفات کے ساتھ آنے والے ہیں۔ جن پر نبوت کا اختتام ہوگا۔ اس اعلان کے مطابق خاتم الانبیاء تشریف لے آئے۔

تلخیص معارف و مسائل

معاملہ کا دوسرا رخ سامنے لانے کے لیے اس آیت: ۱۲ میں بتلایا گیا ہے کہ یہ عہد و میثاق صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں اثنی عشر نقیبا: حسب و نسب، رنگ، وطن اور زبان کے امتیازات سے جو جاہلیت کے بت تھے اسلام نے ان سب کو توڑ ڈالا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ انتظامی معاملات میں نظم قائم رکھنے کے لیے بھی خاندانی خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے، یہ فطری امر ہے کہ ایک خاندان کے لوگ اپنے خاندان کے جانے پہچانے آدمی پر بہ نسبت دوسروں کے زیادہ اعتماد کر سکتے ہیں، اور یہ شخص ان کی پوری نفسیات سے واقف ہونے کی بناء پر ان کے جذبات و خیالات کی زیادہ رعایت کر سکتا ہے، اثنی عشر نقیبا اسی حکمت عملی پر مبنی تھا۔

اور سورۂ اعراف کی آیت فانبجست منه اثنتا عشرة عینًا میں بھی یہی انتظام و مصلحت اور مکمل اطمینان و سکون کی رعایت رکھی گئی۔

اور بارہ کا عدد بھی کچھ عجیب خصوصیت اور مقبولیت رکھتا ہے، پیغمبر علیہ السلام نے جب انصار مدینہ سے بیعت کے ذریعہ معاہدہ لیا تو اس میں بھی انصار کے بارہ سرداروں نے ذمہ داری لے کر بیعت کی تھی، (ابن کثیر) اور صحیحین میں حضرت جابر بن سمرۃؓ کی روایت سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کا کام اور نظام اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک کہ بارہ خلیفہ ان کی قیادت کریں گے (مسلسل ہونا ضروری نہیں ہے)

انی معکم، اس میں دوسری بات یہ بھی بتلائی گئی کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ ساتھ ہے

www.toobaaelibrary.com

اور نگرانی فرما رہا ہے یعنی میثاق کی خلاف ورزی کر کے تم کسی طرح بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔

میثاق کی دفعات میں سب سے پہلے اقامت صلوٰۃ اور ادار زکوٰۃ ہے، قرآنی اشارات اور روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرائض صرف بنی اسرائیل ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر پیغمبر اور ہر شریعت میں ہمیشہ عائد رہے ہیں۔

وآمنتم برسلي بنی اسرائیل میں چونکہ بہت سے رسول آنے والے تھے اس لیے ان کو خصوصیت سے اس کی تاکید فرمائی گئی، اور چونکہ آنے والے رسولوں کی آمد بعد میں تھی اور ان کی امداد وقوع بھی بعد میں ہونے والا تھا اس لیے اس کو مؤخر بیان فرمایا گیا۔

واقرضتم الله قرضاحسنا: قرض دینے سے تعبیر اس لیے کیا کہ قرض کا بدلہ قانونا عرفاً اور اخلاقاً واجب الادار سمجھا جاتا ہے، پس یہ اس یقین کے ساتھ خرچ کریں کہ اس کا بدلہ ضرور ملے گا، حسناً یعنی اخلاص کے ساتھ عمدہ خرچ کریں اور اس سے مراد دوسرے صدقات وخیرات ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان صرف زکوٰۃ ادا کر کے ساری مالی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو جاتا، اس کے ذمہ کچھ اور بھی حقوق مالیہ لازم ہیں، بس فرق یہ ہے کہ فرض کفایہ ہے، مثلاً ضرورتاً مسجد کی تعمیر اور مدرسہ اور تعلیم کا انتظام وغیرہ۔

آیت: ۱۳:- بنی اسرائیل پر ان کی بدعملی اور سرکشی کی سزا میں دو طرح کے عذاب آئے ایک ظاہری اور محسوس جیسے ان پر خون، اور مینڈکوں وغیرہ کی بارش، یا پتھر یا زمین کا تختہ الٹ دینا وغیرہ دوسرے معنوی اور روحانی عذاب کہ ان کے دل و دماغ مسخ ہو گئے کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ رہی اور وہ مزید گناہوں میں مبتلا ہوتے گئے، گناہوں سے باز نہ آنے کی صورت میں دل پر سیاہ دھبے بڑھتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ صفحۂ قلب بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور قلب اوندھے برتن کی طرح ہو جاتا ہے کہ اس میں کوئی چیز نہیں رکتی، پھر یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ لا یعرف معروفا ولا ینکر منکرا نہ کسی نیکی کو نیکی اور نہ کسی برائی کو برائی سمجھتا ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہونے لگتا ہے۔

رحمت خداوندی جو سب سے بڑا وسیلۂ نجات ہے اس سے دور ہونا نقد سزا ہے، اور قساوت قلبی کے نتیجے میں وہ کلام الٰہی میں مختلف تحریفات کرنے لگے، یحرفون الکلم عن مواضعہ، اور نصیحت سے نفع اٹھانا بھول گئے، ونسوا حظامما ذکروا بہ، اور یہ سزا پھر ان کے گلے کا ہار بن گئی ولا تزال تطلع علی خائنۃ منھم الا قلیلا منھم، جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ کہ وہ سچے مسلمان ہو گئے۔

www.toobaaelibrary.com

فاعف عنھم الخ، مطلب یہ ہے کہ ان کے ایسے حالات کے باوجود آپ اپنے طبعی تقاضے پر عمل نہ کریں، اپنے اخلاق و معاملات کا درست رکھنا تو ضروری ہے احسان کا بدلہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

آیت:۱۴: آج کل کے عیسائیوں کے اتحاد باہمی سے شبہ نہ پیدا ہو کیوں کہ یہاں ان لوگوں کا حال بیان ہوا ہے جو واقعتاً عیسائی ہوں اور مذہب عیسائی کے پابند ہوں نہ کہ نام کے عیسائی، کیوں کہ افتراق و اختلافات تو بربناء مذہب تھا جب مذہب ہی نہ رہا تو اختلاف ہی نہ رہا،

نصاریٰ میں اصلاً تین فرقے تھے، ایک نسطوریہ جو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ دوسرا یعقوبیہ جو خود عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے ساتھ متحد مانتے تھے، تیسرا ملکانیہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تین خداؤں میں سے ایک مانتے تھے، اور ظاہر ہے کہ اتنے بڑے اختلاف عقائد کے ساتھ باہم عداوت ضروری ہے۔

آیت:۱۷:۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عجز کا بیان ہے کہ وہ نہ خود کو ان سے بچا سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی ماں کو جس کی حفاظت و خدمت ایک شریف بیٹا اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے، دوسرے یہ کہ اس فرقہ کی بھی اس میں تردید ہوگئی جو حضرت مریمؑ کو تین خداؤں میں سے ایک مانتے ہیں، اس جگہ اصلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا تھا ان کی ماں کی موت کو تطفلاً ذکر فرمایا، یا یہ کہ جس طرح حضرت مریمؑ پر موت مسلط کر چکے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسری تمام مخلوق پر بھی مسلط کر دینا ہمارے قبضہ میں ہے یخلق ما یشاء۔

آیت:۱۸:۔ آخرت کے عذاب کا جب خود تمہیں اقرار ہے تو بتلاؤ کہ کیا کوئی باپ اپنے بیٹے یا محبوب کو عذاب بھی دیا کرتا ہے، اس لیے خدا کی اولاد کہنا باطل ہے، اور دنیا میں باپ جو اپنی اولاد کو اصلاح و تربیت کے لیے سزا دیتا ہے وہ تادیباً ہوتی ہے اور آخرت میں تادیب کا کوئی مقام نہیں کیوں کہ وہ دار العمل نہیں دار الجزاء ہے، وہاں جو سزا ہوگی خالص تعذیب ہوگی جو اولاد یا محبوب ہونے کے قطعاً منافی ہے، معلوم ہوا کہ اللہ کے یہاں تمہاری خصوصیت نہیں۔ (خلاصہ تفسیر)

آیت:۱۹: فترت کے لغوی معنی سست ہونا، ساکن ہونا کسی کام کو معطل کر دینا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور بعثت نبویؐ کے درمیان صرف پانچ سو سال کا عرصہ ہے اس میں سلسلۂ انبیاء بند رہا اس لیے اس کو فترت کا زمانہ کہا جاتا ہے، اس سے پہلے کبھی بعثت سے اتنا زمانہ خالی نہیں رہا، (قرطبی مع ایضاح) اس سلسلے میں بھی مختلف روایات ہیں مگر اس سے اصل مقصد پر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، بخاری شریف میں یہ ہے کہ چھ سو سال کا زمانہ تھا، سورۂ یٰسین میں جو تین رسولوں کا ذکر ہے وہ

www.toobaaelibrary.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ اور قاصد تھے جنہیں لغۃً رسول کہا گیا ہے۔ اور خالد ابن سنان عربی کے بارے میں جو بعض کا بیان ہے تو ان کا زمانہ ولادت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہے بعد میں نہیں۔ (روح)

زمانہ فترت کے احکام زمانہ فترت میں شرک کے ماسوا کسی غلط کاری وگمراہی میں مبتلا ہو جانے والوں کے بارے میں جمہور کا رجحان یہ ہے کہ وہ بخش دیے جائیں گے جب کہ وہ اپنے مذہب کے (چاہے وہ جیسا بھی رہ گیا ہو) پابند رہے ہوں، بشرطیکہ وہ توحید کے مخالف اور شرک میں مبتلا نہ رہے ہوں، کیوں کہ مسئلہ توحید کو ادنیٰ غور وفکر سے ہر انسان معلوم کر سکتا ہے۔

ایک سوال کا جواب ان اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے پاس زمانہ فترت کے باوجود کتاب توراۃ وانجیل موجود تھی تو ان کے لیے بروز قیامت ماجاء نا من بشیر و لا نذیر کہنے اور عذر کرنے کا موقع تھا؟

جواب: یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے عہد تک ان کی کتابیں محرف ہو چکی تھیں اصلی شکل میں باقی نہ تھیں، پس ان کا وجود وعدم برابر تھا، (اتفاقاً کہیں اگر کوئی صحیح اور اصلی باقی رہا ہو تو یہ اس کے منافی نہیں) پیغمبر ﷺ کا ایک طویل فترت کے بعد مبعوث کیا جانا یہ بھی اشارہ رکھتا ہے کہ تمہیں چاہیے کہ ان کے وجود کو نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ جانو، دوسرا اشارہ یہ ہے کہ آپ کی بعثت جن حالات وزمانہ اور ماحول میں ہوئی ایسے احوال وظروف میں قوم کی اصلاح آسان کام نہ تھا مگر آپ کے فیض صحبت اور نور نبوت سے تھوڑے ہی عرصہ میں یہ قوم ساری دنیا کے لیے تمام ہی شعبہ زندگی میں استاد اور قابل تقلید قرار دی گئی جس سے آپ کی نبوت ورسالت اور پیغمبرانہ تعلیم کا تمام انبیاء سے افضل واعلیٰ ہونا مشاہدہ سے ثابت ہو گیا سارے معجزات ایک طرف، تنہا یہی معجزہ انسان کو آپ پر ایمان لانے کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ۝ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ

www.toobaaelibrary.com

أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّيْ لَآ أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِيْ وَأَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا
وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا
تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم (یعنی بنی اسرائیل) سے (اوّل ترغیب جہاد کی تمہید میں یہ) فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے، یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے (جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام وغیرہم اور کسی قوم میں پیغمبروں کا ہونا ان کا دنیوی اور دینی شرف ہے یہ تو نعمت معنوی دی) اور (حسی نعمت یہ دی کہ) تم کو صاحب ملک بنایا (چناں چہ فرعون کے ملک پر ابھی قابض ہو چکے ہو) اور تم کو (بعض بعض) وہ چیزیں دی ہیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دی (جیسا دریا میں راستہ دینا دشمن کو عجیب طور پر غرق کرنا جس کے بعد فجأۃً غایت ذلت وزحمت سے نہایت رفعت وراحت میں پہنچ گئے یعنی اس میں تم کو خاص امتیاز دیا پھر اس تمہید کے بعد اصلی مقصود کے ساتھ ان کو خطاب فرمایا کہ) اے قوم میری (ان نعمتوں اور احسانوں کا مقتضا یہ ہے کہ تم کو اس جہاد کے متعلق حکم خداوندی ہوا ہے اس پر آمادہ ہو اور) اس متبرک ملک (یعنی شام کے دار الحکومت) میں جہاں یہ عمالقہ حکمراں ہیں جہاد کے ارادہ سے) داخل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں لکھ دیا ہے (اس لیے قصد کرتے ہی فتح ہوگی) اور پیچھے (وطن کی طرف) واپس مت چلو کہ پھر بالکل خسارہ میں پڑ جاؤ گے (دنیا میں بھی کہ توسیع ملک سے محروم رہو گے اور آخرت میں کہ ترک فریضۂ جہاد سے گنہگار رہو گے) کہنے لگے اے موسیٰ وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی (رہتے) ہیں۔ اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ (کسی طرح) وہاں سے نہ نکل جائیں ہاں اگر وہ وہاں سے کہیں اور چلے جاویں تو ہم بے شک جانے کو تیار ہیں (موسیٰ علیہ السلام کی تائید قول کے لیے) ان دو شخصوں نے (بھی) جو کہ (اللہ سے) ڈرنے والوں (یعنی متقیوں) میں سے تھے (اور) جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھا (کہ اپنے عہد پر ثابت رہے تھے ان کم ہمتوں کو سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تم ان پر (چڑھائی کر کے اس شہر کے) دروازہ تک تو چلو سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اس وقت غالب آجاؤ گے (مطلب یہ ہے کہ جلدی فتح ہو جاوے گا، خواہ رعب سے بھاگ جائیں یا تھوڑا ہی مقابلہ کرنا پڑے) اور اللہ پر نظر رکھو اگر تم

www.toobaaelibrary.com

ایمان رکھتے ہو (یعنی تم ان کی تنومندی پر نظر مت کرو مگر ان لوگوں پر فہمائش کا اصلاً اثر نہیں ہوا بلکہ ان دو بزرگوں کو تو انہوں نے قابل خطاب بھی نہ سمجھا بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے نہایت لاابالی پن اور گستاخی کے ساتھ) کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم تو (ایک بات کہہ چکے ہیں کہ ہم) ہرگز کبھی بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں (اگر ایسا ہی لڑنا ضرور ہے) تو آپ اور آپ کے اللہ میاں چلے جایئے اور دونوں (جا کر) لڑ بھڑ لیجیے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں (موسیٰ علیہ السلام نہایت زچ اور پریشان ہوئے اور تنگ آ کر) دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار (میں کیا کروں ان پر کچھ بس نہیں چلتا) ہاں اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر البتہ (پورا) اختیار رکھتا ہوں کہ آپ ہم دونوں (بھائیوں) کے اور اس بے حکم قوم کے درمیان (مناسب) فیصلہ فرما دیجیے (یعنی جس کی حالت کا جو مقتضا ہو وہ ہر ایک کے لیے تجویز فرما دیجیے) ارشاد ہوا (بہتر) تو (ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ) یہ ملک ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا (اور گھر جانا بھی نصیب نہ ہوگا راستہ ہی نہ ملے گا) یوں ہی (چالیس برس تک) زمین میں سر مارتے پھریں گے (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فیصلہ سنا جس کا گمان نہ تھا خیال یہ تھا کہ کوئی معمولی تنبیہ ہو جاوے گی تو طبعاً مغموم ہونے لگے۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ جب ان سرکشوں کے لیے ہم نے یہ تجویز کیا تو یہی مناسب ہے) سو آپ اس بے حکم قوم (کی اس حالت زار) پر (ذرا) غم نہ کیجیے۔

تلخیص معارف ومسائل

ان آیات میں بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا ایک خاص واقعہ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ جب فرعون اور اس کی لشکر کے غرق دریا ہونے اور ان سے قوم بنی اسرائیل کے نجات پا جانے اور ملک مصر کے مالک بن جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر مزید انعام فرمانے کے لیے ان کا آبائی وطن ملک شام بھی انہیں دینا چاہا اور ان کے لیے انہیں جہاد کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی فتح کی خوش خبری بھی سنا دی، مگر بنی اسرائیل اپنی طبعی خصوصیات کی بناء پر سب کچھ مشاہدہ کر لینے کے بعد بھی عہد و میثاق پر پورے نہ اترے، اور جہاد کے خلاف ضد کر کے بیٹھ گئے، جس کی سزا انہیں قدرت کی طرف سے اس طرح ملی کہ چالیس سال تک ایک محدود علاقہ میں (یہ مختصر سا میدان جو مصر اور بیت المقدس کے درمیان ہے جس کی پیائش حضرت مقاتل کی تفسیر کے مطابق تقریباً نوے میل طولاً اور ستائیس میل عرضاً ہے اور بعض روایات کے مطابق صرف تیس میل ضرب اٹھارہ میل کا رقبہ ہے اور پوری قوم جس کی تعداد حسب بیان حضرت مقاتل چھ لاکھ نفوس تھی) محصور و مقید ہو کر رہ گئے، جب کہ بظاہر ان کے گرد کوئی حصار نہ تھا اور نہ ہی ان کے ہاتھ

www.toobaaelibrary.com

پاؤں کسی چیز میں جکڑے ہوئے تھے بلکہ کھلے میدان میں تھے اور اپنے وطن مصر میں واپس چلے جانے کے لیے ہر روز صبح سے شام تک سفر کرتے تھے مگر شام کو پھر وہیں نظر آتے تھے جہاں سے صبح چلتے تھے۔ اسی دوران حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی وفات ہوگئی۔ اور یہ لوگ اسی طرح وادی تیہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرے پیغمبران کی ھدایت کے لیے بھیجے۔ اس کے بعد ان کی باقی ماندہ نسل نے اس وقت کے پیغمبر کی قیادت میں جہاد شام و بیت المقدس کا عزم کیا اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا۔

آیت: ۲۰: حکم سنانے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد دلائے۔ پہلا روحانی انعام یہ ہے کہ ان کی قوم میں مسلسل بکثرت ایک ہزار انبیاء بھیجے کہ اتنی کثرت کسی امت میں انبیاء کی نہیں ہوئی دوسری دنیوی نعمت یہ کہ انھیں صاحب ملک و سلطنت بنادیا، جب کہ مدت سے فرعون کی غلامی اور مظالم کے شکار تھے۔

وجعلکم ملوکا: سب کو ملوک قرار دینا عرف عام کے اعتبار سے ہے کہ جس قوم کا بادشاہ ہوتا ہے اس کی حکومت کو پوری قوم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جیسے بنوامیہ اور بنوعباس کی حکومت کہلاتی تھی، بعد میں غزنوی، غوریوں اور مغلوں پھر انگریزوں کی حکومت کہلاتی تھی، نیز یہ اشارہ بھی ہے کہ اسلامی حکومت درحقیقت عوامی حکومت ہوتی ہے۔ عوام ہی کو عزل و نصب کا اختیار ہوتا ہے، دسری وجہ یہ ہے کہ لفظ ملک بادشاہ کے مفہوم سے زیادہ عام ہے ایسے شخص کو ملک کہہ دیا جاتا ہے جو آسودہ حال ہو، اس اعتبار سے بنی اسرائیل کا ہر فرد ملک کا مصداق تھا اس لیے سب کو ملوک کہہ دیا گیا، تیسری نعمت جو آیت میں مذکور ہے وہ دونوں قسم کی نعمتوں کا مجموعہ ہے واٰتکم ما لم یؤت احدا من العٰلمین۔ اس آیت میں دنیا کے ان لوگوں کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کے موسوی عہد میں موجود تھے، آئندہ زمانہ میں کسی امت کو (مثلاً امت محمدیہ) ان سے زیادہ مل جانا منافی نہیں ہے۔

ارض مقدس سے کون سی زمین مراد ہے ارض مقدس کی مراد کے بارے میں مفسرین کے اقوال متعارض ہیں، بیت المقدس، شہر قدس اور ایلیا، اریحا، دمشق فلسطین، اردن، یا پورا ملک شام ارض مقدس ہے اور یہی صاف بات ہے، بیان کرنے میں بعض لوگوں نے ملک شام کے کسی حصہ کو بیان کر دیا، کسی نے پورے کو۔ بہر حال اس وقت ملک شام اور بیت المقدس پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا، جو قوم عاد کی کوئی شاخ تھی اور بڑے گراں

www.toobaaelibrary.com

ذیل اور ہیبت ناک قد و قامت کے لوگ تھے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو لیکر روانہ ہوئے اور شہر اردن کے پار ہو کر دنیا کے قدیم ترین شہر اریحا پر پہنچے تو یہاں قیام فرمایا، اور بنی اسرائیل کے بارہ (مذکورہ) سرداروں کو حالات اور محاذ جنگ کی کیفیات معلوم کرنے کے لیے بھیجا، یہ حضرات ابھی شہر سے باہر ہی تھے کہ قوم عمالقہ کا کوئی آدمی مل گیا اور تنہا ہی ان کو گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا، بادشاہ کے دربار میں بالآخر رائے یہ ٹھہری کہ انہیں قتل کے بجائے آزاد کر دیا جائے تا کہ ہماری قوت و شوکت کے عینی گواہ ثابت ہوں اور پھر کبھی ادھر رخ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں ان ملنے والے شخص کا نام کتب تفسیر میں عوج بن عنق بتلایا گیا ہے اور حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے جو نا قابل فہم و نقل ہے۔

قرآن نے قوم عاد کے ہیبتناک قد و قامت کا خود ذکر فرمایا ہے، اور انکی طاقت ضرب المثل تھی، بہر حال جب یہ سردار رہا ہو کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور حضرت موسیٰؑ سے اس کا ذکر کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا، اپنی جگہ کوہ استقامت بنے ہوئے اقدام جہاد کی فکر میں لگے رہے، مگر قوم سے بہر حال خطرہ تھا، اس لیے ان بارہ سرداروں کو راز میں رکھنے کی ہدایت فرمائی، مگر ہوا یہ کہ ان میں سے دو کے سوا (یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا) سب نے اپنے دوستوں سے خفیہ طور پر ذکر کر دیا۔ ظاھر ہے جب دس نے راز فاش کر دیا تو اس کی اشاعت قدرتی تھی بس بنی اسرائیل لگے رونے چلانے اور کہنے لگے کہ اس سے تو اچھا تھا کہ ہم بھی فرعون کی طرح غرق دریا ہو جاتے، وہاں سے بچا کر اب یہاں مروایا جا رہا ہے۔

ان دو شخصوں نے بھی نصیحت کی ذرا قدم تو اٹھاؤ اور بیت المقدس کے دروازے تک تو چلو، پھر یقین ہے فتح یقینی ہے۔ انعم الله علیهما، اس میں اشرہ اس طرف ہے کہ جہاں کوئی خوبی اور بھلائی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا انعام اور عطاء ہے، ورنہ جسم و جسامت اور عقل و خرد اور معیت موسوی میں بارہ کے بارہ ایک جیسے ہی تھے، معلوم ہوا کہ عقل و ہوشیاری عطیۂ الٰہی ہے اس پر ناز کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے رشد و ہدایت کا طالب رہنا چاہئے۔

بہر حال بنی اسرائیل نے جب اپنے پیغمبر کی بات نہ سنی تو ان بزرگوں کی کیا سنتے، اور بھی بھونڈے انداز میں کہا، فاذھب انت الخ مفسرین نے اس کلمہ کو کلمۂ استہزاء کے بجائے اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے" کہ آپ جائیے ان سے مقابلہ کیجئے،" آپ کا رب آپ کی مدد کرے گا، ہم تو مدد کرنے سے قاصر ہیں کلمۂ استہزاء تو کفر ہے موسیٰ علیہ السلام کا اس کے بعد ان کے ساتھ رہنا، ان

www.toobaaelibrary.com

کے لیے دعا کرنا ناممکن تھا۔

قوم بنی اسرائیل کے سابقہ حالات وواقعات اوران کے ساتھ اللہ تعالیٰ اورموسیٰ علیہ السلام کے معاملات کا جائزہ لیجئے، ان تمام واقعات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کے مظاہر اس قوم کے سامنے آئے، حضرت موسیٰ نے اس قوم کو اول غفلت وجہالت سے پھر فرعون کی غلامی سے نجات دلانے میں کیا کیا روح فرسا مصائب برداشت کیں ان سب چیزوں کے بعد جب اسی قوم کو خدائی امداد وانعامات کے وعدوں کے ساتھ ملک شام پر جہاد کرنے کا حکم ملا تو انھوں نے اپنی اس دنائت کا اظہار کیا اور کہنے لگے اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون. دنیا کے بڑے سے بڑا مصلح دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھے کہ ان حالات اوراس کے بعد قوم کی ان حرکات کا اس پر کیا اثر ہوگا، مگر یہاں تو اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم رسول ہیں کہ کوہ استقامت بنے ہوئے اپنی دُھن میں لگے ہیں۔قوم کی اس بے وفائی پر اپنے رب سے صرف اتنا عرض کرتے ہیں انی لا املك الا نفسی واخی یعنی مجھے تو اپنی جان اوراپنے بھائی کے ساتھ کسی پر اختیار نہیں، قوم عمالقہ پر جہاد کی مہم کو کس طرح سر کیا جائے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نبی اور پیغمبر ہونے کی وجہ سے معصوم تھے، ان کا طریق حق پر قائم رہنا یقینی تھا اس لیے اس غم وغصہ کے عالم میں یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا کا بھی ذکر نہیں فرمایا جبکہ ان دونوں نے پوری طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کا ثبوت دیا تھا صرف اس کا ذکر کیا جس کا حق پر رہنا یقینی تھا، یہ دونوں سردار معصوم نہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی فافرق بیننا وبین القوم الفسقین. یعنی یہ لوگ جس سزا کے مستحق ہیں ان کو وہ سزا دیجائے اور ہم دونوں جس صورت حال کے مستحق ہیں ہم کو وہ عطا فرمایا جائے (ابن عباسؓ) اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو اس طرح قبول فرمایا کہ ارشاد ہوا فانها محرمة الخ. اورحرام بھی اس طرح کردی گئی کہ یہ ملک شام تو کیا جا سکیں گے، اگر اپنے وطن مصر کی طرف لوٹنا چاہیں تو وہاں بھی نہ جاسکیں گے، اللہ تعالیٰ کسی قوم کو جو سزا دیتے ہیں وہ ان کے اعمال بد کی مناسبت سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے بغیر ہتھکڑی اور حصار اور جیل خانہ کے نظر بند کرسکتا ہے، ساری کائنات ان کی مخلوق اور محکوم ہے جب کائنات کو کسی کی قید کا حکم ہوجاتا ہے تو ساری ہوا اور فضاء اور زمین ومکان اس کے لیے جیل خانہ بنجاتے ہیں۔

خاک وباد وآب وآتش بندہ اند ❁ با من وتو مردہ باحق زندہ اند

www.toobaaelibrary.com

اس میدانِ تیہ میں صرف معتوبین ہی نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دو محبوب پیغمبر اور دو مقبول بزرگ یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا بھی تھے، ان کے طفیل میں اس قید و سزا کے فرمانے میں بھی اللہ نے طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ کھلے میدان کی دھوپ سے عاجز آئے تو موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان پر بادلوں کی ایسی چھتری لگادی کہ جس طرف یہ لوگ چلتے تھے بادل ان کے ساتھ ساتھ سایہ فگن ہو کر چلتے تھے، پیاس اور پانی کی وقت کی شکایت پیش آئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسا پتھر عطا فرمایا کہ وہ ہر جگہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور جب پانی کی ضرورت ہوتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر اپنا عصا مارتے تھے تو بارہ چشمے اس میں سے جاری ہو جاتے تھے، بھوک کی شکایت پیش آئی تو آسمانی غذا منّ وسلویٰ ان پر نازل کر دی گئی۔ رات میں تاریکی کی شکایت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے روشنی کا ایک مینار ان کے لیے کھڑا کر دیا جس کی روشنی میں یہ سب کام کاج کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ رحیم الرحماء ہیں، ممکن ہے بنی اسرائیل کے ان افراد نے بھی ان حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد اپنے جرم سے توبہ کر لی ہو اس کے بعد میں یہ انعامات ان کو مل رہے ہوں۔

صحیح روایات میں چالیس سالہ دور میں پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہوئی اور اس کے ایک سال یا چھ مہینہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی، پھر حضرت یوشع بن نون کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مامور فرمایا اور پھر باقی ماندہ قوم آپ کی قیادت میں جہاد بیت المقدس کے لیے روانہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ملک شام ان کے ہاتھوں فتح ہوا۔

انبیاء علیہم السلام طبعاً اور فطرتاً ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی امت کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی گئی فلا تاس علی القوم الفاسقین۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۞ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۞ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۞ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا

www.toobaaelibrary.com

فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۔ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ز ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۔ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور (اے محمدؐ) آپ ان اہل کتاب کو (حضرت) آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں کا (یعنی ہابیل وقابیل کا) صحیح طور پر پڑھ کر سنایئے (تاکہ ان کو انتساب بالصالحین کا گھمنڈ جاتا رہے، جس کا نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ میں اظہار ہو رہا ہے، اور وہ قصہ اس وقت ہوا تھا) جب کہ دونوں نے (اللہ تعالیٰ کے نام کی) ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی (یعنی ہابیل کی) تو مقبول ہوگئی اور دوسرے کی (یعنی قابیل کی) مقبول نہ ہوئی (کیوں کہ جس معاملہ کے فیصلہ کے لیے یہ نیاز چڑھائی گئی تھی اس میں ہابیل حق پر تھا، اس لیے اس کی نیاز قبول ہوگئی، اور قابیل حق پر نہ تھا اس کی قبول نہ ہوئی، ورنہ پھر فیصلہ نہ ہوتا، بلکہ اور خلط واشتباہ ہو جاتا جب) وہ دوسرا (یعنی قابیل اس میں بھی ہارا تو جلا کر) کہنے لگا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا، اس ایک نے (یعنی ہابیل نے) جواب دیا (کہ تیرا ہارنا تو تیری ہی ناحق پرستی کی وجہ سے ہے میری کیا خطا، کیوں کہ) خدا تعالیٰ متقیوں کا عمل قبول کرتے ہیں (میں نے تو تقویٰ اختیار کیا اور خدا کے حکم پر رہا، خدائے تعالیٰ نے میری نیاز قبول کی، تو نے تقویٰ چھوڑ دیا اور خدا کے حکم سے منہ موڑا تیری نیاز قبول نہیں کی سو اس میں تیری خطا ہے یا میری، انصاف کر، لیکن اگر پھر بھی تیرا یہی ارادہ ہے تو تو جان، میں نے تو پختہ قصد کر لیا ہے) اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لیے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لیے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں (کیوں کہ) میں تو خدائے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں (کہ باوجودیکہ تیرے جواز قتل کا بظاہر ایک سبب موجود ہے، یعنی یہ کہ تو مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے، مگر اس وجہ سے کہ یہ جواز اب تک کسی نص جزئی سے مجھ کو محقق نہیں ہوا، اس لیے اس کے ارتکاب کو احتیاط کے خلاف سمجھتا ہوں، اور اس شبہ کی وجہ سے خدا سے ڈرتا ہوں، اور یہ حسن نیتی کو ہے کہ باوجود کہ میرے جواز قتل کا کوئی امر مقتضی نہیں بلکہ مانع موجود ہے لیکن پھر بھی خدا سے نہیں ڈرتا) میں یوں چاہتا ہوں کہ (مجھ سے کوئی گناہ کا کام نہ ہو گو تو مجھ پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ کرے جس سے کہ) تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر رکھ لے، پھر تو

www.toobaaelibrary.com

دوزخیوں میں شامل ہو جاوے اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی سو (یوں تو پہلے ہی سے قتل کا ارادہ کر چکا تھا یہ جو سنا کہ مدافعت بھی نہ کرے گا، چاہیے تو تھا کہ گداختہ ہو جاتا مگر بے فکر ہو کر اور بھی) اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا (پھر) آخر اس کو قتل ہی کر ڈالا جس سے (کمبخت) بڑے نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا (دنیا میں تو یہ نقصان کہ اپنا قوت بازو اور راحت رُوح گم کر بیٹھا، اور آخرت میں یہ نقصان کہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا، اب جب قتل سے فارغ ہوا تو اب حیران ہے کہ لاش کو کیا کروں جس سے یہ راز پوشیدہ رہے کچھ سمجھ میں نہ آیا تو) پھر (آخر) اللہ تعالیٰ نے ایک کوا (وہاں) بھیجا کہ وہ (چونچ اور پنجوں سے) زمین کو کھودتا تھا (اور کھود کر ایک دوسرے کوے کو کہ وہ مرا ہوا تھا اس گڑھے میں ڈھکیل کر اس پر مٹی ڈالتا تھا) تاکہ وہ (کوا) اس (قابیل) کو تعلیم کردے کہ اپنے بھائی (ہابیل) کی لاش کو کس طریقے سے چھپا دے (قابیل یہ واقعہ دیکھ کر اپنے جی میں بڑا ذلیل ہوا کہ مجھ کو کوے کے برابر بھی فہم نہیں، اور غایت حسرت سے) کہنے لگا کہ افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گذرا کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا (سو اس بدحالی پر) بڑا شرمندہ ہوا، اسی (واقعہ کی) وجہ سے (جس سے قتل ناحق کے مفاسد ثابت ہوتے ہیں) ہم نے (تمام مکلّفین پر عموماً اور) بنی اسرائیل پر (خصوصاً) یہ (حکم) لکھ دیا (یعنی مقرر کر دیا) کہ (قتل ناحق اتنا بڑا گناہ ہے کہ) جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص ..... (جو ناحق مقتول ہوا ہو) یا بدون کسی (شرو) فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو (خواہ مخواہ) قتل کر ڈالے تو (اس کو بعض اعتبار سے ایسا گناہ ہوگا کہ) گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا (وہ بعض اعتبار یہ ہے کہ اس گناہ پر جرأت کی، خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کی، خدائے تعالیٰ اس سے ناراض ہوئے دنیا میں مستحق قصاص ہوا، آخرت میں مستحق دوزخ ہوا، یہ امور ایک کے اور ہزار کے قتل کرنے میں مشترک ہیں کہ گو شدت واشدیت کا تفاوت ہو، اور یہ دو قیدیں اس لیے لگائیں کہ قصاص میں قتل کرنا جائز ہے، اسی طرح دوسرے اسباب جواز قتل سے بھی جس میں قطع طریق جو آگے مذکور ہے، اور کفر حربی جس کا ذکر احکام جہاد میں آچکا ہے سب داخل ہے، قتل کرنا جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے) اور (یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جیسا ناحق قتل کرنا گناہ عظیم ہے، اسی طرح کسی کو قتل غیر واجب سے بچالینا اس میں ثواب بھی ایسا ہی عظیم ہے کہ) جو شخص کسی شخص کو بچالیوے تو (اس کو ایسا ثواب ملے گا کہ) گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچالیا، (غیر واجب کی قید اس لیے لگائی

www.toobaaelibrary.com

کہ جس شخص کا قتل شرعاً واجب ہو اس کی امداد یا سفارش حرام ہے، اور اس مضمون احیاء کے لکھنے سے بھی تشدید قتل کی ہو گئی کہ جب احیاء ایسا محمود ہے تو ضرور قتل مذموم ہو گا اس لیے اس کا ترتب وتسبب بھی بواسطہ عطف کے من اجلِ ذٰلك پر صحیح ہو گیا) اور بنی اسرائیل کے پاس (اس مضمون کے لکھ دینے کے بعد) ہمارے بہت سے پیغمبر بھی دلائل واضحہ (نبوت کے) لے کر آئے، اور وقتاً فوقتاً اس مضمون کی تاکید کرتے رہے، مگر پھر اس (تاکید واہتمام) کے بعد بھی بہتیرے ان میں سے دنیا میں زیادتی کرنے والے ہی رہے (اور ان پر کچھ اثر نہ ہوا حتی کہ بعض نے خود ان انبیاء ہی کو قتل کر دیا) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور (اس لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ) ملک میں فساد (یعنی بدامنی) پھیلاتے پھرتے ہیں (مراد اس سے رہزنی یعنی ڈکیتی ہے، ایسے شخص پر جس کو اللہ نے قانون شرعی سے جس کا اظہار رسول اللہ کے ذریعہ سے ہوا ہے امن دیا ہو یعنی مسلمان پر اور ذمی پر، اور اسی لیے اس کو اللہ اور رسول سے لڑنا کہا گیا ہے، کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے امن کو توڑا، اور چونکہ رسول کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہوا اس لیے رسول کا تعلق بھی بڑھا دیا غرض جو لوگ ایسی حرکت کرتے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ (ایک حالت میں تو) قتل کئے جائیں (وہ حالت یہ ہے کہ ان رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو اور مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو) یا (اگر دوسری حالت ہوئی ہو تو) سولی دیے جائیں (یہ وہ حالت ہے کہ انہوں نے مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو) یا (اگر تیسری حالت ہوئی ہو تو) ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے (یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں) کاٹ دیئے جائیں (یہ وہ حالت ہے کہ صرف مال لیا قتل نہ کیا ہو) یا (اگر چوتھی حالت ہوئی ہو تو) زمین پر (آزادانہ آباد رہنے) سے نکال (کر جیل میں بھیج) دیئے جائیں (یہ وہ حالت ہے کہ نہ مال لیا ہو نہ قتل کیا ہو قصد کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئے ہوں) یہ (سزائے مذکورتو) ان کے لیے دنیا میں سخت رسوائی (اور ذلت) ہے اور ان کو آخرت میں (جو) عذاب عظیم ہو گا (سو الگ) ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کرلیں تو (اس حالت میں) جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ (اپنے حقوق) بخش دیں گے (اور توبہ قبول کرنے میں) مہربانی فرمادیں گے (مطلب یہ کہ اوپر جو سزا مذکور ہوئی ہے، وہ حد اور حق اللہ کے طور پر نہیں جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتی قصاص وحق العبد کے طور پر نہیں جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے، پس جب کہ قبل گرفتاری کے ان لوگوں کا تائب ہونا ثابت ہو جاوے تو حد ساقط ہو جاوے گی، جو کہ حق اللہ تھا، البتہ حق العبد باقی رہے گا، پس اگر مال

www.toobaaelibrary.com

لیا ہوگا اس کا ضمان دینا ہوگا، اور اگر قتل کیا ہوگا تو اس کا قصاص لیا جاویگا، لیکن اس ضمان وقصاص کے معاف کرنے کا حق صاحب مال وولی مقتول کو حاصل ہوگا)

تلخیص معارف ومسائل اس رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل وقابیل کا یہ قصہ اپنے خاص حکیمانہ اسلوب پر نقل کیا جارہا ہے، اس میں موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے بہت سی عبرتیں اور مواعظ ہیں اور اس کے ضمن میں بہت سے احکام شرعیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس سے پہلی آیات میں بنی اسرائیل کو حکم جہاد اور اس میں ان کی کم ہمتی اور بزدلی کا ذکر تھا۔ اس قصہ میں اس کے بالمقابل قتل ناحق کی برائی اور تباہ کاری کو بیان کرکے قوم کو اعتدال پر لانا ہے۔

وتل علیھم نبا ابنی ادم بالحق: یہاں ابنی ادم سے جمہور علماء مفسرین کے نزدیک حضرت ادم علیہ السلام کے دو صلبی اور حقیقی بیٹے ہابیل وقابیل مراد ہیں، بالحق اس لفظ سے تاریخی روایات کی نقل میں ایک اہم اصول کی تلقین کی گئی ہے، وہ یہ کہ تاریخی روایات کی نقل میں بڑی احتیاط لازم ہے (ابن کثیر) دیگر مواقع پر بھی بالحق کا لفظ اسی مقصد کے پیش نظر لایا گیا ہے، ذرا سا لفظ اور عنوان بدل دینے سے واقعہ کی حقیقت مسخ ہوجاتی ہے، پچھلی اقوام کے مذاہب وشرائع اسی بے احتیاطی کی راہ سے ضائع ہوگئے، اور ان کی مذہبی کتابیں چند بے سند وبے تحقیق کہانیوں کا مجموعہ بن کررہ گئیں۔ نیز اس سے یہ رہنمائی بھی ملتی ہے کہ پیغمبر جو امی محض ہیں، ہزاروں سال پہلے کے واقعات بالکل سچے اور صحیح بیان کررہے ہیں اس کا سبب بجز وحی الٰہی اور نبوت کے کیا ہوسکتا ہے۔

قربان: لغت میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو کسی کے قرب کا ذریعہ بنایا جائے، اصطلاح شرع میں اس ذبیحہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کیا جائے جب حضرت آدم اور حوا علیہ السلام دنیا میں آئے اور توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر ایک حمل سے ان کے دو بچے توام پیدا ہوئے ایک لڑکا اور دوسری لڑکی، اور بہن بھائیوں میں باہم نکاح نہیں ہوسکتا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے شریعت آدم علیہ السلام میں یہ خصوصی حکم جاری فرمادیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہو وہ تو باہم حقیقی بہن بھائی سمجھے جائیں لیکن دوسرے حمل سے پیدا شدہ لڑکے کے لیے پہلے حمل سے پیدا شدہ لڑکی حقیقی بہن کے حکم میں نہ ہوگی اور ان کے مابین رشتہ مناکحت جائز ہوگا۔

لیکن ہوا یہ کہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی تو حسین وجمیل تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے

ساتھ کی لڑکی بدشکل تھی، بوقت نکاح ضابطہ کے موافق ہابیل کے ساتھ والی بدشکل لڑکی قابیل کے حصہ میں آئی اس پر قابیل ناراض ہوکر ہابیل کا دشمن ہوگیا، اور خلاف ضابطہ نکاح پر اصرار کرنے لگا، حضرت آدمؑ نے شرعی قاعدہ کے موافق اسے قبول نہ فرمایا، اور رفع اختلاف کے لیے یہ صورت تجویز فرمائی کہ تم دونوں اللہ کے لیے قربانی پیش کرو، جس کی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اس کو دی جائے گی، اس زمانہ میں قربانی کی قبولیت کی کھلی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کو کھا جاتی، اب صورت یہ پیش آئی کہ ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں اس نے ایک دنبہ کی قربانی کی، قابیل کاشتکار آدمی تھا اس نے کچھ غلہ گندم وغیرہ پیش کیا، حسب دستور آسمان سے آگ آئی اور ہابیل کی قربانی کو کھا گئی، اس پر قابیل کو ناکامی اور رسوائی کا غم وغصہ اور بڑھ گیا اور علانیہ اپنے بھائی سے کہدیا، لاقتلنک، ہابیل نے اس وقت بھی بجائے غصہ سے جواب دینے کے ایک ٹھنڈی اور اصولی بات کہی جس میں خیر خواہی بھی تھی، انما یتقبل اللہ من المتقین۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟

اس میں حاسد کے حسد کا علاج بھی ہے کہ حاسد اپنی محرومی کو اپنی عملی کوتاہی اور گناہوں کے سبب سے سمجھ کر اس سے تائب ہونے کی فکر کرے، کیوں کہ قبولیت عمل کا مدار اخلاص وتقویٰ پر ہے۔

آیت ۳۳: اس آیت میں قتل وغارت گری اور ڈاکہ چوری کی شرعی سزاؤں کا بیان ہے قرآن کریم دنیا کی تعزیرات کی کتابوں کے طرح صرف جرم وسزا کے بیان پر کفایت نہیں کرتا، بلکہ سزاؤں کے درمیان خوف خدا اور بذریعہ طاعات اس کا قرب حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے، قرآن کریم کا یہ ایسا اسلوب ہے جو حکیمانہ بھی ہے اور مربیانہ بھی ہے جس نے نہایت لطیف طریقہ پر دنیا میں انقلاب برپا کیا اور ایسے انسانوں کا ایک معاشرہ پیدا کیا جو اپنے تقدس میں فرشتوں سے بھی اونچا مقام رکھتے ہیں۔

شرعی سزاؤں کی تین قسمیں

قرآن کریم نے جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی ہیں، (۱) جن جرائم کی سزا کو بطور حق اللہ متعین کرکے جاری کیا ہے ان کو حدود کہتے ہیں۔ (۲) اور جن کو بطور حق العبد جاری فرمایا ہے ان کو قصاص کہتے ہیں۔ (۳) اور جن جرائم کی سزا کا تعین نہیں فرمایا بلکہ حکام کی صوابدید پر رکھا ہے اس کو تعزیر کہتے ہیں۔ ان تینوں قسموں کے احکام بہت سی چیزوں میں مختلف ہیں۔

تعزیری سزائیں حالات کے ماتحت ہلکی اور سخت بھی کی جاسکتی ہیں اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں۔ لیکن حدود میں کسی حکومت یا حاکم وامیر کو ادنیٰ تغیر وتبدل کی اجازت نہیں، اور نہ زمان ومکان کے

www.toobaaelibrary.com

بدلنے کا ان پر اثر پڑتا ہے، اور نہ توبہ کر لینے سے دنیوی سزائیں معاف ہوتی ہیں ہاں مخلصانہ توبہ سے آخرت کا گناہ ختم ہو جاتا ہے، شریعتِ اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں۔(۱) ڈاکہ، (۲) چوری، (۳) زنا (۴) تہمت (۵) شراب خوری۔ مقدم الذکر چاروں کی سزائیں قرآن میں منصوص ہیں، پانچویں کی سزا باجماعِ صحابہؓ ثابت ہوئی ہے۔

ان میں ڈاکہ کی سزا میں ایک استثناء ہے، کہ اگر ڈاکو گرفتاری سے قبل توبہ کرے اور معاملات سے اس کی توبہ سے اطمینان ہو جائے تو بھی یہ حد ساقط ہو جائے گی، گرفتاری کے بعد کی توبہ معتبر نہیں۔ تمام تعزیری جرائم حق کے موافق سفارشات سنی جاسکتی ہیں مگر حدود اللہ میں سفارش بھی جائز نہیں، سننا بھی جائز نہیں، پیغمبر نے سخت ممانعت فرمائی ہے۔

حدود کی سزائیں اگر سخت ہیں تو معاملہ کو معتدل کرنے کے لیے تکمیلِ جرم اور تکمیل جرم کے لیے شرطیں بھی نہایت کڑی ہیں اور کوئی ایک شرط بھی مفقود نہ ہو بلکہ ادنی سا شبہ ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے، **الحدو تندرءُ بالشبہات.**

واضح ہو کہ جن صورتوں میں حد شرعی کسی شبہ یا شرط کی کمی کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی تو یہ ضروری نہیں کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے جس سے اسے جرم پر اور جرأت ہو بلکہ حاکم اس کے مناسب حال تعزیری سزا دے گا، اور شریعت کی تعزیری سزائیں بھی عموماً بدنی اور جسمانی ہیں جن میں عبرت انگیز ہونے کی وجہ سے انسداد جرائم کا مکمل انتظام ہے۔

حدود کو بحیثیت حق اللہ نافذ کیا گیا ہے اس میں نہ معافی ہے نہ سقوطِ حد ہے، بخلاف قصاص کے کہ اس میں حق العبد کی حقیقت کو قرآن وسنت نے غالب قرار دیا ہے، یعنی اگر مقتول کا ولی چاہے تو قصاص لے لے، چاہے معاف کر دے، لیکن دوسرے لوگوں کی جانوں کی حفاظت حکومت کا حق ہے وہ ایسے قاتل کو، جسے ولی معاف کر دے، عمر قید کی یا دوسری سزائیں دے کر آئندہ خطرہ کا انسداد کر سکتی ہے۔

انما یحاربون اللہ: لفظ محاربہ حرب سے ماخوذ ہے، محاورات میں یہ لفظ سلم کے بالمقابل مستعمل ہے پس حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے، اور یہ صورت جبھی ہوتی ہے کہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کمربستہ ہو جائے جسے بالفاظ دیگر ڈاکو یا باغی کہا جا سکتا ہے، عام انفرادی جرائم کرنے والے چور گرہ کٹ اس میں داخل نہیں۔(مظہری)

ڈاکو یا باغیوں کا محاربہ اور مقاتلہ اگرچہ بظاہر انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے مگر اسلامی حکومت

www.toobaaelibrary.com

میں جب قانون اللہ اور رسول کا نافذ ہو اور یہ ڈاکو یا باغی اس قانون کو توڑ رہے ہوں تو یہ محاربہ بھی اللہ اور رسول ہی کے مقابلہ میں کہا جائے گا، اس لیے آیت میں محاربہ کو اللہ و رسول کے ساتھ منسوب کیا، اس آیت میں جس سزا کا ذکر ہے وہ اسی طرح کے ڈاکوؤں اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امن عامہ کو برباد کریں اس جرم کی سزا قرآن نے خود متعین فرمادی اور وہ چار سزائیں ہیں "ان یقتلوا اویصلبوا اوتقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف اوینفوا من الارض" پہلی تین سزاؤں میں مبالغہ کا لفظ باب تفعیل سے استعمال فرمایا چونکہ تکرار فعل اور شدت پر دلالت کرتا ہے اور صیغہ جمع لا کر یہ اشارہ فرمادیا کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو صرف اسی فرد پر سزا نہ جاری کی جائے بلکہ اسکے پوری جماعت کو سزا ملے گی۔ نیز یہ سزائیں قصاص کے طور پر نہیں ہیں کہ کسی ولی کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائیں یا جنہیں نقصان پہنچا ہے وہ معاف کریں تو معاف ہو سکے یہ دونوں حکم بصیغہ تفعیل ذکر کرنے سے مستفاد ہوئے (مظہری وغیرہ)

یہ چاروں سزائیں حرف اَو سے ذکر کی گئی ہیں جو چند چیزوں میں تخییر کے لیے بھی ہوتا ہے اور تقسیم کار کے لیے بھی، تخییر یعنی ان چار سزاؤں میں امام اور امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرائم کی شدت و خفت پر نظر کر کے ان کے حسب حال کوئی ایک سزا جاری کرے سعید ابن مسیب، عطاء، داؤد، حسن بصری، ضحاک، نخعی، مجاہد اور امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور احمدؒ اور ایک جماعت صحابہ و تابعین نے حرف اَو کو اس جگہ تقسیم کار کے معنی میں لے کر آیت کا مفہوم یہ قرار دیا کہ رہزنوں اور رہزنی کے مختلف حالات پر مختلف سزائیں مقرر ہیں اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، پیغمبر نے ابوبردہ اسلمی سے معاہدہ صلح کا فرمایا تھا، مگر اس نے عہد شکنی کی اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ طیبہ آ رہے تھے ان پر ڈاکہ ڈالا اس واقعہ میں جبرئیل علیہ السلام یہ حکم سزا لے کر نازل ہوئے کہ جس شخص نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اسے سولی پر چڑھایا جائے اور جس نے صرف قتل کیا، اس کو قتل کیا جائے، جس نے صرف مال لوٹا اس کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں اور جو ان میں سے مسلمان ہو جائے اس کا جرم معاف کر دیا جائے، اور جس نے صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امن عامہ مخل ہو گیا اسے جلاوطن کیا جائے، اور دارالاسلام میں اگر ابھی تک قتل و غارت گری کا کوئی جرم ان سے صادر نہیں ہوا تھا کہ پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے ان کی سزا او ینفوا من الارض ہے۔

www.toobaaelibrary.com

زمین سے نکالنے کا مفہوم ایک یہ ہے کہ ان کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے، یا یہ کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے وہاں سے نکال دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے گا تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا اس لیے ایسے مجرم کو قید خانہ میں بند کردیا جائے یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے، امام اعظمؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

ذٰلك لهم خزيٌ في الدنيا ولهم في الآخرة عذابٌ عظيمٌ. واضح ہو کہ دنیاوی سزاؤں سے بغیر توبہ کے آخرت کی سزا معاف نہیں ہوسکتی۔ الا الذین تابوا الخ: یہ استثناء عام قانون حدود مثلاً چوری، زنا وغیرہ سے مختلف ہے، کہ چوری زنا سے بچی توبہ سے گو آخرت کی سزا معاف ہوجائے گی مگر حد شرعی معاف نہ ہوگی، اس استثناء کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حقوق العباد جن کو اس نے ضائع کیا ہے وہ بھی معاف ہوجائیں گے بلکہ اگر لوٹا ہوا مال موجود ہے تو ضمان دینا ہوگا، اور قتل وزخمی کرنے کی قصاص ہوگا البتہ قصاص حق العبد ہے ولی یا صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہوجائے گا، امام صاحبؒ اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ حقوق العباد کی ادائیگی خود توبہ کا ایک جزو ہے۔

ڈاکوؤں کی سزا میں شدت تھی اس استثناء سے معاملہ کو ہلکا کردیا گیا، ایک سیاسی مصلحت بھی ہے کہ ایک طاقتور جماعت پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا، اس لیے ان کے واسطے ترغیب کا دروازہ کھلا رکھا گیا، کہ وہ توبہ کی طرف مائل ہوجائیں، چنانچہ مروان بن الحکم کے زمانہ میں علی اسدی ایک ڈاکو تھے، آیت کریمہ یٰعبادي الذین اسرفوا الخ: کسی قاری سے سن کر تائب ہوگئے تو حضرت ابوہریرہؓ نے اسی استثناء والی آیت کے ذریعہ سزا دینے سے باز رکھا، ایسا ہی واقعہ سیدنا حضرت علیؓ کے زمانہ میں حارثہ بن بدر کا ہے کہ وہ باغی ہوگئے تھے بتوفیق الٰہی تائب ہوگئے تو حضرت علیؓ نے ان پر حد شرعی جاری نہیں فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَاۗءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ

www.toobaaelibrary.com

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا
بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ
آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ
وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ
عَظِيمٌ ۞ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِن جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ
وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِينَ ۞ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ
وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۞

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ (کے احکام کی مخالفت) سے ڈرو (یعنی معاصی چھوڑ دو) اور (طاعت کے ذریعہ) خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو (یعنی طاعات ضروریہ کے پابند رہو) اور (طاعات میں سے بالخصوص) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا کرو امید ہے کہ (اس طریق سے) تم (پورے) کامیاب ہو جاؤ گے (اور کامیابی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حاصل ہونا اور دوزخ سے نجات ہے) یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر (بالفرض) ان (میں سے ہر ایک) کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں (جس میں تمام دفائن وخزائن بھی آگئے) اور (ان ہی چیزوں پر کیا منحصر ہے بلکہ) ان چیزوں کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تا کہ وہ اس کو دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ جاویں تب بھی وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جاویں گی (اور عذاب سے نہ بچیں گے بلکہ) ان کو دردناک عذاب ہوگا (پھر بعد عذاب میں داخل ہو جانے کے) اس بات کی خواہش (وتمنا) کریں گے کہ دوزخ سے (کسی طرح) نکل آویں اور (یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی اور) وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو عذاب دائمی ہوگا (یعنی کسی تدبیر سے نہ سزا ٹلے گی نہ دوام سزا ٹلے گا) اور جو مرد چوری کرے اور (اسی طرح) جو عورت چوری کرے سو (ان کا حکم یہ ہے کہ اے) ان دونوں کے داہنے ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے (اس) کردار کے عوض میں (اور یہ عوض) بطور سزا کے (ہے) اللہ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے ہیں (جو سزا چاہیں مقرر فرمادیں اور) بڑی حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں) پھر جو شخص (موافق

www.toobaaelibrary.com

قاعدۂ شرعیہ کے) توبہ کرلے اپنی اس زیادتی (یعنی چوری) کرنے کے بعد اور (آئندہ کے لیے) اعمال کی درستی رکھے (یعنی چوری وغیرہ نہ کرے، اپنی توبہ پر قائم رہے) تو بے شک اللہ تعالیٰ اس (کے حال) پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمادیں گے (کہ توبہ سے پچھلا گناہ معاف فرمادیں گے، اور استقامت علی التوبہ سے مزید عنایت فرمادیں گے) بیشک خدا تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں (کہ اس کا گناہ معاف کردیا) بڑی رحمت والے ہیں (کہ آئندہ بھی مزید عنایت کی اے مخاطب) کیا تم نہیں جانتے (یعنی سب جانتے ہیں،) کہ اللہ ہی کے لیے ثابت ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہیں سزادیں اور جس کو چاہیں معاف کردیں، اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

اے رسولؐ جو لوگ کفر (کی باتوں) میں دوڑ دوڑ گرتے ہیں (یعنی بے تکلف رغبت سے ان باتوں کو کرتے ہیں) آپؐ کو وہ مغموم نہ کریں (یعنی آپؐ ان کے کفریات سے مغموم ومتاسف نہ ہوں) خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو (جھوٹ موٹ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین (یعنی ایمان) لائے نہیں (مراد منافقین ہیں جو کہ ایک واقعہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے) اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ یہودی ہیں (جیسا دوسرے واقعہ میں یہ لوگ حاضر ہوئے تھے) یہ (دونوں قسم کے) لوگ (پہلے سے دین کے باب میں اپنے علمائے محرفین سے) غلط باتیں سننے کے عادی ہیں (اور ان ہی غلط باتوں کی تائید کی جستجو میں یہاں آکر) آپؐ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سے کان دھر دھر سنتے ہیں، جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ (ایک تو) وہ آپ کے پاس (فرط تکبر وعداوت سے خود) نہیں آئے (بلکہ دوسروں کو بھیجا، اور دوسروں کو بھیجا بھی تو طلب حق کے لیے نہیں بلکہ شاید اپنے احکام محرفہ کے موافق کوئی بات مل جائے، کیوں کہ پہلے سے) کلام (الٰہی) بعد اس کے کہ وہ (کلام) اپنے (صحیح) موقع پر (قائم) ہوتا ہے (لفظاً یا معنیً یا دونوں طرح) بدلتے رہتے ہیں (چنانچہ اسی عادت کے موافق خوں بہا اور رجم کے حکم کو بھی اپنے رسم مخترع سے بدل دیا، پھر اس احتمال سے کہ شاید شریعت محمدیہؐ سے اس کو سہارا لگ جائے، یہاں اپنے جاسوسوں کو بھیجا، تیسرے صرف یہی نہیں کہ اس رسم محرف کے موافق بات کی تلاش ہی تک رہتے بلکہ مزید یہ ہے کہ جانے والوں سے) کہتے ہیں کہ اگر تم کو (وہاں جاکر) یہ حکم (محرف) ملے تب تو اس کو قبول کرلینا (یعنی اس کے موافق عمل درآمد کرنے کا اقرار کرلینا) اور اگر تم کو یہ حکم (محرف) نہ ملے تو (اس کے قبول کرنے سے) احتیاط رکھنا (پس اس بھیجنے والی قوم میں جن کی جاسوسی

www.toobaaelibrary.com

کرنے یہ لوگ آئے ہیں چند خرابیاں ہوئیں، اول تکبر و عداوت جو سبب ہے خود حاضر نہ ہونے کا، دوسرے طلب حق نہ ہونا بلکہ حق کو محرف کرکے اس کی تائید کی فکر ہونا، تیسرے اوروں کو بھی قبول حق سے روکنا، یہاں تک آنے والوں اور بھیجنے والوں کی الگ الگ مذمت تھی، آگے ان سب کی مذمت ہے) اور (اصل یہ ہے کہ) جس کا خراب (اور گمراہ) ہونا خدا ہی کو منظور ہو (گو یہ تخلیقی منظوری اس گمراہ کے عزم گمراہی کے بعد ہوتی ہے) تو اس کے لیے اللہ سے (اے مخاطب) تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا (کہ اس گمراہی کو نہ پیدا ہونے دے، یہ تو ایک عام قاعدہ ہوا اب یہ سمجھو کہ) یہ لوگ ایسے (ہی) ہیں خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا (کفریات سے) پاک کرنا منظور نہیں ہوا (کیوں کہ یہ عزم ہی نہیں کرتے، اس لیے اللہ تعالیٰ تطہیر خلقی نہیں فرماتے بلکہ ان کے عزم گمراہی کی وجہ سے تخلیقاً ان کا خراب ہی ہونا منظور ہے، پس قاعدۂ مذکور کے موافق کوئی شخص ان کو ہدایت نہیں کرسکتا، مطلب یہ ہے کہ جب یہ خود خراب رہنے کا عزم رکھتے ہیں اور عزم کے بعد اس فعل کی تخلیق عادت الٰہیہ ہے، اور تخلیق الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا، پھر ان کے اوپر آنے کی توقع کیا کی جائے، اس رسول اللہ ﷺ کو زیادہ تسلی ہوسکتی ہے، جس سے کلام شروع بھی ہوا تھا، پس آغاز و انجام کلام کا مضمون تسلی سے ہوا، آگے ان اعمال کا ثمرہ فرماتے ہیں کہ) ان (سب) لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں ان (سب) کے لیے سزائے عظیم ہے (یعنی دوزخ، چنانچہ منافقین کی یہ رسوائی ہوئی کہ مسلمانوں کو ان کا نفاق معلوم ہوگیا، اور ذلت سے دیکھتے تھے اور یہود کے قتل و قید و جلاوطنی کا ذکر روایات میں مشہور ہے، اور عذاب آخرت ظاہر ہی ہے) یہ لوگ (دین کے باب میں) غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں (جیسا کہ پہلے آچکا) بڑے حرام (مال) کے کھانے والے ہیں، (اسی حرص نے ان کو احکام میں غلط بیانی کا جس کے عوض کچھ نذرانہ وغیرہ ملتا ہے خوگر کردیا، جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے) تو اگر یہ لوگ (اپنا کوئی مقدمہ لے کر) آپ کے پاس (فیصلہ کرانے) آویں تو (آپ ﷺ مختار ہیں) خواہ آپ ﷺ ان (کے معاملہ) میں فیصلہ کردیجئے یا ان کو ٹال دیجئے اور اگر آپ ﷺ (کی یہی رائے قرار پائے کہ آپ ﷺ) ان کو ٹال ہی دیں تو (یہ اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید ناخوش ہوکر عداوت نکالیں کیوں کہ) ان کی مجال نہیں کہ آپ ﷺ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں (کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے نگہبان ہیں) اور اگر (فیصلہ کرنے پر رائے قرار پائے اور) آپ ﷺ فیصلہ کریں تو ان میں عدل (یعنی قانون اسلام) کے موافق فیصلہ کیجئے، بیشک حق تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں، (اور اب وہ عدل منحصر ہوگیا ہے قانون اسلام

www.toobaaelibrary.com

میں، پس وہی لوگ محبوب ہوں گے جو اس قانون کے موافق فیصلہ کریں) اور (تعجب کی بات ہے کہ) وہ (دین کے معاملہ میں) آپ ؐ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں، حالاں کہ ان کے پاس تورات (موجود) ہے، جس میں اللہ کا حکم (لکھا) ہے (جس کے ملنے کا ان کو دعویٰ ہے، اول تو یہی بات بعید ہے) پھر (یہ تعجب اس سے اور پختہ ہو گیا کہ) اس (فیصلہ لانے) کے بعد (جب آپ ؐ کا فیصلہ سنتے ہیں تو اس فیصلہ سے بھی) ہٹ جاتے ہیں (یعنی اول تو اس حالت میں فیصلہ لانے ہی سے تعجب ہوتا تھا، لیکن اس احتمال سے رفع ہو سکتا تھا کہ شاید آپ ؐ کا حق پر ہونا ان پر واضح ہو گیا ہو اس لیے آ گئے ہوں، لیکن جب اس فیصلہ کو نہ مانا تو وہ تعجب پھر تازہ ہو گیا کہ اب تو وہ احتمال بھی نہ رہا، پھر کیا بات ہوگی جس کے واسطے یہ فیصلہ لائے ہیں) اور (اسی سے ہر عاقل کو اندازہ ہو گیا کہ) یہ لوگ ہرگز اعتقاد.....والے نہیں (یہاں اعتقاد سے نہیں آئے اپنے مطلب کے واسطے آئے تھے اور جب نہ ماننا عدمِ اعتقاد کی دلیل ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسے حضرت محمد ؐ کے ساتھ ان کو اعتقاد نہیں اسی طرح اپنی کتاب کے ساتھ بھی پورا اعتقاد نہیں ورنہ اس کو چھوڑ کر کیوں آتے، غرض دونوں طرف سے گئے، کہ جس سے انکار ہے اس سے بھی اعتقاد نہیں اور جس سے دعویٰ اعتقاد ہے اس سے بھی نہیں)

تلخیص معارف و مسائل

اس رکوع کی ابتدائی تین آیتوں میں قرآن کریم اپنے مربیانہ اسلوب کے تحت ذہنوں کو جرائم سے باز رہنے کے لیے ہموار کر رہا ہے۔

الوسیلۃ: یہ لفظ وَسَلَ سے مشتق ہے معنی ہے محبت و رغبت کے ساتھ ملنا اور جڑنا۔ یہ لفظ صاد سے (وصل) یعنی ملنے اور جڑنے کے معنی میں آتا ہے مگر مطلق ملنا اور جڑنا۔ (لسان العرب، مفردات راغب)

وسیلہ ہر وہ چیز ہے جو بندہ کو رغبت و محبت کے ساتھ اپنے معبود کے قریب کر دے، صحابہ و تابعین اور سلف صالحین نے اس آیت کی تفسیر طاعت و قربت اور ایمان و عمل سے کی ہے، اب اس آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو بذریعہ ایمان و عمل صالح کے۔

نیز مسند احمد کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ؐ نے فرمایا کہ وسیلہ ایک سب سے اعلیٰ درجہ ہے جنت کا تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ درجہ مجھے عطا فرمائے اور مسلم شریف کی ایک روایت کے آخر میں ہے تم میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو۔ ان دو روایات سے معلوم ہوا کہ وسیلہ ایک خاص درجہ ہے جنت کا۔ اور آیت مذکورہ میں ہر مؤمن کو وسیلہ طلب کرنے کا حکم ہے جو بظاہر اس خصوصیت کے منافی ہے،

www.toobaaelibrary.com

جواب یہ ہے کہ جس طرح ہدایت کا اعلیٰ مقام پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے مگر اس کے ابتدائی اور متوسط درجات تمام مومنین کے لیے عام ہیں اسی طرح وسیلہ کو بھی سمجھئے۔

لفظ وسیلہ میں محبت ورغبت کا مفہوم شامل ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وسیلہ کے درجات میں ترقی موقوف ہے اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر، اور محبت پیدا ہوتی ہے اتباع سنت سے معلوم ہوا کہ اتباع سنت ہی کے نور سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگی۔ (مجددؒ، مظہری)

وجاھدوا فی سبیلہ: اگرچہ اعمال صالحہ میں جہاد بھی داخل ہے مگر اعمال صالحہ کا اعلیٰ مقام بتلانے کے لیے اس کو علحدہ بیان فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد رسالت وذروۃ سنامہ الجہاد یعنی اسلام کا اعلیٰ مقام جہاد ہے، نیز اہمیت کے ساتھ ذکر کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جہاد میں بھی بظاہر فساد فی الارض کی صورت معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ کوئی ناواقف دونوں میں فرق نہ سمجھے اس لیے مستقلاً بیان کر کے دونوں میں فرق کے لیے فی سبیلہ میں اشارہ فرمادیا۔

دوسری اور تیسری آیت میں کفر وشرک اور معصیت کا وبال عظیم اس انداز میں بتلایا گیا ہے کہ ادنیٰ غور سے انسان کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا ہو جائے۔

آیت: ۳۸: اس میں پھر جرائم کی سزاؤں کی طرف عود کیا گیا ہے، چوری کی سزا حدود کی قسم میں داخل ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ قرآنی احکام میں خطاب عموماً مردوں کو ہوتا ہے عورتیں ان میں تبعاً شامل ہوتی ہیں، مگر یہاں دونوں صنفوں کو الگ الگ حکم دیا، اس لیے کہ معاملہ حدود کا ہے جو ذرا سے شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں، اس لیے ضمناً کے بجائے انہیں بھی صراحتاً بیان فرمایا۔

لفظ سرقہ کا مفہوم یہ ہے (قاموس) کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی ذاتی ملکیت کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے، چوری کی تعریف میں چار قیود و شرائط ہیں جنہیں زیر خط کر دیا گیا ہے، ان تمام شرائط کے پائے جانے پر حد جاری ہوگی، اگر یہ شرائط نہ پائی جاری ہوں تو حد سرقہ اس پر جاری نہ کی جائے، مگر اس کی کھلی چھٹی بھی نہ ہوگی بلکہ حاکم اپنی صوابدید کے مطابق اس کو تعزیری سزا دے سکتا ہے جو جسمانی کوڑوں کی سزا بھی ہو سکتی ہے، نیز یہ بھی واضح ہو کہ کوئی شرط اگر نہ پائی گئی تو وہ مال جائز نہیں ہو جاتا ویسے بھی کسی شخص کا مال بغیر اس کی رضا کے کسی طرح بھی لے لیا جائے تو وہ حرام اور عذاب آخرت کا موجب ہے۔

www.toobaaelibrary.com

چوری کے معاملے میں مرد کا ذکر مقدم اور عورت کا بعد میں ہے، مگر زنا میں اس کے برخلاف عورت کا ذکر پہلے اور مرد کا بعد میں ہے، اس عکس ترتیب کی مفسرین نے متعدد حکمتیں لکھیں ہیں مگر دل کو لگنے والی بات یہ ہے کہ چوری کا جرم مرد کے لیے نسبتاً زیادہ شدید ہے کسب معاش کی قوت اور ذرائع رکھتے ہوئے اس جرم میں مبتلا ہونا اس کے جرم کو بڑھا دیتا ہے اور زنا کے معاملہ میں عورت کو اللہ تعالیٰ طبعی حیا کے ساتھ ایسا ماحول بخشا ہے، کہ ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے اس بے حیائی پر اترنا اس کے لیے نہایت شدید جرم ہے۔

نکالاً من اللہ: نکال یعنی عبرت خیز سزا۔ یعنی دوسروں کو اس سے عبرت ہو اور سب کانپ اٹھیں اور اس جرم قبیح کا انسداد ہو جائے۔

من اللہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس جرم کی دو حیثیتوں میں سے دوسری حیثیت یعنی حق اللہ (کہ اس کے حکم کی خلاف ورزی کی گئی) کو متعین کرتا ہے، کہ یہ سزا حد ہے نہ کہ قصاص کہ صاحب مال کے معاف کرنے سے سزا ساقط نہیں ہوگی۔

واللہ عزیز حکیم یعنی یہ سزا وحشیانہ نہیں بلکہ حکیمانہ ہے۔

واضح ہو کہ ڈاکہ کے سلسلے میں معافی اور چوری کے معاملہ میں توبہ و اصلاح حال کے بعد معافی میں فرق ہے جیسا کہ آیت چونتیس ۳۴، کے ضمن میں گذرا۔

آیت: ۴۰: ڈاکہ اور چوری کی حدود شرعیہ بظاہر شرافت انسانی اور اللہ تعالیٰ کے اکرم المخلوقات ہونے کے منافی ہے اس شبہ کے ازالہ کے لیے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ سارے جہان کے لیے مالک حقیقی وہی ہے اور قادر مطلق بھی اور حکیم مطلق وہی ہے، پھر یہ فرمایا کہ وہ عذاب ہی نہیں دیتا بلکہ معاف بھی فرماتا ہے، ان سب سزا اور معافی کا دارومدار اس کی حکمت پر ہے۔

حدود شرعیہ صرف اس صورت میں جاری ہوں گی جب کہ شریعت کے مقرر کردہ ضابطہ کے مطابق جرم بھی مکمل ہو، اور اس کا ثبوت بھی مکمل اس طرح ہو کہ اس کا کوئی پہلو مشتبہ نہ رہے اس سے معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ نے جہاں ان جرائم کی سزائیں بمقتضائے حکمت سخت مقرر کی ہیں وہیں حدود شرعیہ کے نفاذ میں انتہائی احتیاط بھی ملحوظ رکھی ہے، یہ شرعی ضابطہ بھی مقرر اور مسلمہ ہے کہ شبہ کا فائدہ مجرم کو پہنچتا ہے اس طرح ان پانچ جرائم میں بہت سی صورتیں اسی سے نکلیں گی کہ ان میں حدود شرعیہ کا نفاذ نہیں ہوگا بلکہ تعزیری سزائیں دی جائیں گی۔

www.toobaaelibrary.com

اسلامی سزاؤں سے متعلق اہل یورپ اور ان کے مقلدین کا اعتراض بہت بودا اور پرانا ہو چکا ہے، جواب کے لیے تفصیل کے درپے ہونے کی چنداں ضرورت اب نہیں رہی۔ کہ رب العالمین جو اچھوں اور بروں اور سانپ بچھو، شیر، بھیڑیا سب کو رزق دیتا ہے، جس کی رحمت سب پر وسیع ہے اس نے ان احکام کے نزول کے ساتھ یہ بھی فرمایا و لاتاخذ کم بھما رافۃ فی دین اللہ (سورۂ نور، آیت ۲) نیز قصاص کو عالم انسانی کی حیات قرار دیا و لکم فی القصاص حیاۃ یااولی الألباب (بقرہ آیت: ۱۷۹) اور جہاں تک رحمت و شفقت کا معاملہ ہے وہ شریعت اسلام سے زیادہ کون سکھا سکتا ہے جس نے عین میدان جنگ میں اپنے قاتل دشمنوں کا حق پہچانا ہے۔

اور تعجب ہے کہ اسلامی سزاؤں پر وہ اعتراض کریں جن کے ہاتھ ابھی تک ہیروشیما اور ناگاساکی کے لاکھوں ایسے بے گناہ، بے قصور انسانوں کے خون سے رنگین ہیں جن کے دل میں شاید کبھی مقاتلہ اور مقابلہ کا تصور بھی نہ آیا ہو اور ان میں عورتیں بچے اور بوڑھے سبھی داخل ہیں۔ اور جن کی آتش غضب ہیروشیما کے حادثے میں ٹھنڈی نہیں ہوئی بلکہ روز کسی خطرناک سے خطرناک تر بم بنانے اور تجربہ کرنے میں مشغول ہیں ہم اس کے علاوہ کیا کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی آنکھوں سے خود غرضی کے پردے ہٹادے اور دنیا میں امن قائم کرنے کے صحیح اسلامی طریقوں کی طرف ہدایت کرے۔

ربط آیات: ۴۱۔۴۲۔۴۳: ماسبق میں چند آیات کے علاوہ اہل کتاب ہی کا ذکر دور تک چلا گیا ہے، اہل کتاب میں دو فرقے یہود و نصاریٰ تو تھے ہی ایک تیسرا فرقہ یہودیوں میں سے منافقین کا تھا جو ظاہر امنافقانہ طور پر مسلمان ہو گئے تھے، مذکورہ تینوں آیات ان ہی تینوں فرقوں کے ایسے اعمال اور احوال سے متعلق ہیں، ضمناً مسلمانوں کے لیے چند اصولی ہدایات اور احکام شرعیہ کا بیان ہے۔

شانِ نزول: یہ تین آیات اور ان کی بعد کی آیتیں جن اسباب و واقعات کے ماتحت نازل ہوئی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ یہودیوں کی پرانی عادت تھی کہ کبھی اقرباپروری کے تحت کبھی جاہ و مال کی لالچ میں لوگوں کی خواہش کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے، خصوصاً سزاؤں کے معاملے میں یہ عام رواج ہو گیا تھا کہ جب کسی بڑے آدمی سے جرم سرزد ہوتا تو تورات کی سخت سزا کو معمولی سزا میں تبدیل کرتے تھے، ان کے اسی حال کو آیت مذکورہ میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ۔

جب پیغمبر علیہ السلام مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور شریعت اسلام کا عجیب و غریب نظام ان کے سامنے آیا جس میں سہولت و آسانی اور بڑی رعایتیں بھی تھیں اور جرائم کے انسداد کے لیے سزاؤں کا ایک

www.toobaaelibrary.com

معقول انتظام بھی، اس وقت ان لوگوں کو یہ موقعہ ہاتھ آیا کہ ایسے معاملات میں پیغمبر علیہ السلام کو حکم بنادیں، تا کہ آپ کی شریعت کے آسان اور نرم احکام سے فائدہ بھی اٹھالیں اور تحریف تورات کے مجرم بھی نہ بنیں، مگر اس میں بھی ان کی یہ شرارت رہی تھی کہ آپ کا یہ حکم مان کر اپنی خواہشات کے موافق ہو تو حکم بنا کر فیصلہ کرالیں، ورنہ چھوڑ دیں اس سلسلے میں جو واقعات پیش آئے کے ان میں چونکہ پیغمبر علیہ السلام کو اذیت پہنچی تھی اس لیے ابتدا آیت میں آپ کو تسلی دی کہ آپ مغموم نہ ہوں، انجام کار یہ آپ کے لیے خیر ہے۔

فاحکم بینھم أواعرض منھم: واضح ہو کہ جن یہودیوں نے اپنے مقدمات حضور کی عدالت میں بھیجا نہ ان کا آپؐ پر اور آپ کی شریعت پر ایمان تھا اور نہ یہ ذمی تھے بس صرف آپ سے ترک جنگ کا معاہدہ ہو گیا تھا اسی لیے آپ کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں فیصلہ فرمادیں چاہیں ٹال دیں، ورنہ ٹالنا جائز نہ ہوتا، فیصلہ کرنا فرض ہوتا۔ جیسا کہ آنے والی دوسری آیت: ۴۹، میں حکم آرہا ہے، پہلی آیت میں اور اس دوسری آیت میں بھی فیصلہ شریعت کے مطابق کرنے کا حکم آرہا ہے نہ کہ غیر مسلموں کی خواہشات کے مطابق۔..... کیوں کہ جنرل قانون میں طبقات یا مذاہب کی وجہ سے فرق نہیں کیا جاتا مثلاً چوری اور زنا کی سزا، اس کے برخلاف شخصی اور ذاتی معاملات میں شراب خنزیر اور غیر مسلموں کے نکاح وغیرہ کے معاملات میں کبھی آپ نے مداخلت نہیں فرمائی، اور اگر حاکم مسلم کے فیصلہ پر رضا مند ہوں اس حکم تسلیم کرلیا ہو تو فیصلہ شریعت کے مطابق ہوگا۔

بہر حال آیت: ۴۱، میں آپ کو تسلی دی گئی اور اس کے بعد یہودیوں کی سازش سے آپ کو باخبر کیا گیا، پھر وند کی چند بری خصلتوں کو بیان فرما کر مسلمانوں کو اس کی برائی پر متنبہ فرمایا گیا کہ ان برائیوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے۔

یہود کی چند بری خصلتیں

یہاں عوام اور مسلمانوں کے لیے علماء کے اتباع کا ایک اہم اصولی ہدایت اور ضابطہ یہ ہے کہ فتویٰ لینے اور علماء کی تعلیم پر عمل کرنے سے پہلے اپنے مقتداؤں کے متعلق خوب تحقیق کرلیں اس ذمہ داری سے جاہل عوام بھی بری نہیں ہو سکتے جیسے کوئی بیمار علاج سے ڈاکٹر یا حکیم کے بارے میں بہر طور مکمل معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، پوری تحقیق کے بعد علاج کراتا ہے لیکن جو شخص بلا تحقیق کسی عطائی کے جال میں پھنس گیا اور پھر کسی مصیبت میں گرفتار ہوا تو وہ عقلاء کے نزدیک خود اپنی خودکشی کا ذمہ دار ہے پس جس نے اپنے ایمان و عمل کی باگ ڈور بلا تحقیق کسی نااہل شخص کے حوالہ کردی ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد

www.toobaaelibrary.com

قرآنی آیا ہے سمّٰعون للکذب یہود کی ایک بری خصلت بھی بتائی گئی ہے کہ یہ اپنے کو عالم کہلانے والے غدار یہودیوں کے اندھے متبع ہیں کہ احکام تورات کی کھلی خلاف ورزی دیکھتے ہوئے ان کی پیروی کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں مسلمانوں کو سنا کر اس سے متنبہ کیا ہے۔

یہود کی دوسری بری خصلت یہ بتلائی کہ سمّٰعون لقوم اٰخرین لم یأتوک اس میں مسلمانوں کو یہ تنبیہ ہے کہ کسی عالم دین سے فتویٰ دریافت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سائل کی نیت خدا اور رسول کا حکم معلوم کر کے اس کا اتباع ہو محض مفتیوں کی رائے معلوم کر کے اپنی خواہش کے موافق حکم تلاش کرنا اتباع نفس و شیطان ہے یہ یہودی خصلت ہے اس سے بچنا چاہئے۔

تیسری بری خصلت کتاب اللہ کی تحریف ہے، اس میں تحریف لفظی اور معنوی دونوں داخل ہیں یہود ان دونوں قسموں کی تحریف کے عادی ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ تنبیہ ہے کہ...... قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے کوئی لفظی تحریف کی جرأت نہیں کر سکتا، معنوی تحریف بظاہر کی جا سکتی ہے اور کرنے والوں نے کوشش بھی کی ہے مگر اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرما دیا ہے کہ اس امت میں قیامت تک ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو قرآن و سنت کے صحیح مفہوم کی حامل ہوگی اور تحریف کرنے والوں کی قلعی کھول دے گی۔

اکّٰلون للسحت: چوتھی بری خصلت یہود کی رشوت خوری بتلائی، سحت کے لفظی معنی کسی چیز کو جڑ بنیاد سے کھود کر برباد کرنے کے ہیں۔ قرآن نے اسی معنی میں کہا ہے فیسحتکم بعذاب (الخ) یہاں مراد رشوت ہے یہ نہ صرف لینے دینے والوں کو بلکہ پورے ملک و ملت کی جڑ بنیاد اور امن عامہ کو تباہ کرنے والی چیز ہے، اس سے قانون معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور قانون ہی سے امن برقرار رکھا جاتا ہے اسی لیے شریعت اسلام نے اسے سحت فرما کر اشد حرام قرار دیا ہے رشوت کی شرعی تعریف یہ ہے کہ جس کام کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو اس کا معاوضہ لیا جائے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بچائے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟
وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ
وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ
ٱلْكَٰفِرُونَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ
بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ

www.toobaaelibrary.com

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ
الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ
مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ
كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا
لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

ہم نے (موسیٰ علیہ السلام پر) توریت نازل فرمائی تھی جس میں (عقائد صحیحہ کی بھی) ہدایت تھی اور (احکام عملیہ کا بھی) وضوح تھا، انبیاء (بنی اسرائیل) جو کہ (باوجود لاکھوں آدمیوں کے مقتدا، ومطاع ہونے کے) اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس (توراۃ) کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور (اسی طرح ان میں کے) اہل اللہ اور علماء بھی (اسی کے موافق کہ وہی اس وقت کی شریعت تھی حکم دیتے تھے) بوجہ اس کے کہ ان (اہل اللہ وعلماء) کو اس کتاب اللہ (پر عمل کرنے اور کرانے) کی نگہداشت کا حکم (حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے) دیا گیا اور وہ اس کے (یعنی اس پر عمل کرنے کرانے کے) اقراری ہو گئے تھے (یعنی چونکہ ان کو اس کا حکم ہوا تھا اور انہوں نے اس حکم کو قبول کر لیا تھا، اس لیے ہمیشہ اس کے پابند رہے) سو (اے اس زمانہ کے رؤساء وعلماء یہود جب ہمیشہ سے تمہارے سب مقتدا، توراۃ کو مانتے آئے ہیں تو) تم بھی (تصدیق رسالت محمدیہ کے باب میں جس کا حکم توریت میں ہے) لوگوں سے (یہ) اندیشہ مت کرو (کہ ہم تصدیق کرلیں گے تو عام لوگوں کی نظر میں ہماری جاہ میں فرق آئے گا) اور (صرف) مجھ سے ڈرو (کہ تصدیق نہ کرنے پر سزاؤں کا) اور میرے احکام کے بدلے میں (دنیا کی) متاع قلیل (جو کہ تم کو اپنے عوام سے وصول ہوتی ہے) مت لو (کہ یہی حب جاہ وحب مال تم کو باعث ہوتی ہیں

www.toobaaelibrary.com

تصدیق نہ کرنے پر) اور (یاد رکھو کہ) جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے (بلکہ غیر حکم شرعی کو قصداً حکم شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم کرے) سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں (جیسا اے یہود تم کر رہے ہو کہ عقائد میں بھی مثل عقیدۂ رسالت محمدیہ اور اعمال میں بھی جیسے حکم رجم وغیرہ اپنے مخترعات کو حکمِ الٰہی بتلا کر ضلال و اضلال میں مبتلا ہو رہے ہو) اور ہم نے ان (یہود) پر اس (توراۃ) میں یہ بات فرض کی تھی کہ (اگر کوئی کسی کو ناحق عمداً قتل یا زخمی کرے اور صاحبِ حق دعویٰ کرے تو) جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور (اسی طرح دوسرے) خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص (اس قصاص یعنی بدلہ لینے کا مستحق ہو کر بھی) اس (قصاص) کو معاف کردے وہ (معاف کرنا) اس (معاف کرنے والے) کے لیے (اس کے گناہوں کا) کفارہ (یعنی گناہوں کے دور ہونے کا سبب) ہو جائے گا (یعنی معاف کرنا موجب ثواب ہے) اور (چونکہ یہود نے ان احکام کو چھوڑ رکھا تھا اس لیے مکرر (وعید سناتے ہیں کہ) جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے (جس کے معنی اوپر گذرے) سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں (یعنی بہت برا کام کر رہے ہیں) اور ہم نے ان (نبیوں) کے پیچھے (جن کا ذکر یحکم بہا النبیون میں آیا ہے) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو اس حالت میں (پیغمبر بنا کر) بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق فرماتے تھے (جو کہ لوازم رسالت سے ہے کہ تمام کتب الٰہیہ کی تصدیق کرے) اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں (توریت ہی کی طرح عقائد صحیحہ کی بھی) ہدایت تھی اور (احکام عملیہ کا بھی) وضوح تھا اور وہ (انجیل) اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق (بھی) کرتی تھی (کہ یہ بھی لوازم کتاب الٰہی سے ہے) اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لیے اور (انجیل دے کر حکم کیا تھا کہ) انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم کیا کریں اور (اے اس زمانہ کے نصاریٰ سن رکھو کہ) جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے (اور اس کے معنی اوپر گذر چکے ہیں) تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں (اور انجیل رسالت محمدیہ کی خبر دے رہی ہے، تو تم اس کے خلاف کیوں چل رہے ہو) اور (توراۃ و انجیل کے بعد) ہم نے یہ کتاب (مسمّٰی بقرآن) آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق (و راستی) کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں (آ چکی) ہیں

www.toobaaelibrary.com

(جیسے توراۃ وانجیل وزبور) ان کی بھی تصدیق کرتی ہے، (کہ وہ نازل من اللہ ہیں) اور (چونکہ وہ کتاب مسمّٰی بقرآن قیامت تک محفوظ و معمول بہ ہے، اور اس میں ان کتب سماویہ کی تصدیق موجود ہے اس لیے وہ کتاب) ان کتابوں (کے صادق ہونے کے مضمون) کی (ہمیشہ کے لیے) محافظ ہے (کیوں کہ قرآن میں ہمیشہ یہ محفوظ رہے گا کہ وہ کتب نازل من اللہ ہیں جب قرآن ایسی کتاب ہے) تو ان (اہل کتاب) کے باہمی معاملات میں (جب کہ آپ کے اجلاس میں پیش ہوں) اسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور یہ جو بچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی (خلاف شرع) خواہشوں (اور فرمائشوں) پر (آئندہ بھی) عمل درآمد نہ کیجئے (جیسا اب تک باوجود ان کی درخواست والتماس کے آپ نے صاف انکار فرمایا، یعنی یہ آپ کی رائے نہایت ہی درست ہے، اسی پر ہمیشہ قائم رہیے، اور اے اہلِ کتاب تم کو اس قرآن کے حق جاننے سے اور اس کے فیصلہ کو ماننے سے کیوں انکار ہے؟ کیا دین جدید کا آنا کچھ تعجب کی بات ہے؟ آخر) تم میں سے ہر ایک (اُمت) کے لیے (اس کے قبل) ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی (مثلاً یہود کی شریعت وطریقت توراۃ تھی، اور نصاریٰ کی شریعت اور طریقت انجیل تھی، پھر اگر امت محمد یہ کے لیے شریعت وطریقت قرآن مقرر کیا گیا، جس کا حق ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے تو وجہ انکار کیا) اور اگر اللہ تعالیٰ کو (سب کا ایک ہی طریقہ رکھنا) منظور ہوتا تو (وہ اس پر بھی قدرت رکھتے تھے کہ) تم سب (یہود ونصاریٰ واہلِ اسلام) کو (ایک ہی شریعت دے کر) ایک ہی امت میں کر دیتے (اور شرع جدید نہ آتی جس سے تم کو تو خوش ہوتا ہے) لیکن (اپنی حکمت سے) ایسا نہیں کیا (بلکہ ہر امت کو جدا جدا طریقہ دیا) تا کہ جو دین تم کو (ہر زمانہ میں نیا نیا) دیا ہے اس میں تم سب کا (تمہارے اظہار اطاعت کے لیے) امتحان فرمادیں (کیوں کہ اکثر طبعی امر ہے کہ نئے طریقہ سے وحشت اور مخالفت کی طرف حرکت ہوتی ہے، لیکن جو شخص عقل صحیح وانصاف سے کام لیتا ہے، وہ اس ظہور حقیقت کے بعد اپنی طبیعت کو موافقت پر مجبور کر دیتا ہے، اور یہ ایک امتحان عظیم ہے، پس اگر سب کی ایک ہی شریعت ہوتی تو اس شریعت کی ابتدا کے وقت جو لوگ ہوتے ان کا امتحان تو ہو جاتا، لیکن دوسرے جو ان کے مقلد اور اس طریق سے مالوف ہوتے ان کا امتحان نہ ہوتا، اور اب ہر امت کا امتحان ہو گیا، اور امتحان کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو جس چیز سے روکا جائے خواہ معمول ہو یا متروک اس پر حرص ہوتی ہے، اور یہ امتحان شرائع کے تعداد میں اقویٰ ہے، کہ منسوخ سے روکا جاتا ہے، اور شریعت کے

www.toobaaelibrary.com

اتحاد میں گو معاصی سے روکتے، لیکن ان میں حقیقت کا تو شبہ نہیں ہوتا، اس لیے آسمان اس درجہ کا نہیں، ان دونوں امتحانوں کا مجموعہ ہر امت کے سلف اور خلف سب کو عام ہو گیا، جیسا کہ صورت اول کو صرف سلف سے خصوصیت ہے، پس جب شرع جدید میں یہ حکمت ہے) تو (تعصب کو چھوڑ کر) مفید باتوں کی طرف (یعنی ان عقائد و اعمال و احکام کی طرف جن پر قرآن مشتمل ہے) دوڑو (یعنی قرآن پر ایمان لا کر اس پر چلو ایک روز) تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا جس میں تم (باوجود وضوح حق کے دنیا میں خواہ مخواہ) اختلاف کیا کرتے تھے (اس لیے اس اختلاف بے جا کو چھوڑ کر حق کو جو کہ اب منحصر ہے قرآن میں قبول کر لو) اور (چونکہ ان اہلِ کتاب نے ایسی بلند پروازی کی کہ آپ سے درخواست اپنے موافق مقدمہ طے کر دینے کی کرتے ہیں، جہاں کہ اس کا احتمال ہی نہیں، اس لیے ان کے حوصلے پست کرنے کو اور اس کو سنا کر ہمیشہ ہمیشہ ان کے ناامید کر دینے کو) ہم (مکرر) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان (اہلِ کتاب) کے باہمی معاملات میں (جب کہ آپ کے اجلاس میں پیش ہوں) اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی (خلاف شرع) خواہشوں (اور فرمائشوں) پر (آئندہ بھی) عمل درآمد نہ کیجئے (جیسا اب تک بھی نہیں کیا) اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے (آئندہ بھی مثل سابق) احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچلا دیں (یعنی گو اس احتمال نہیں لیکن اس کا قصد بھی رہے تو موجب ثواب بھی ہے) پھر (باوجود وضوح قرآن اور اس کے فیصلہ کے حق ہونے کے بھی) اگر یہ لوگ (قرآن سے اور آپ کے فیصلہ سے جو موافق قرآن کے ہوگا) اعراض کریں تو یہ یقین کر لیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعضے جرموں پر (دنیا ہی میں) ان کو سزا دیدیں (اور وہ بعض جرم فیصلہ نہ ماننا ہے اور حقانیت قرآن کے نہ ماننے کی سزا پوری آخرت میں ملے گی، کیونکہ پہلا جرم ذمی ہونے کے خلاف ہے، اور دوسرا جرم ایمان کے خلاف حربیت کی سزا دنیا میں ہوتی ہے اور کفر کی سزا آخرت میں، چنانچہ یہود کی سرکشی اور عہد شکنی جب حد سے متجاوز ہوئی تو ان کو سزائے قتل اور قید اور اخراج وطن کی دی گئی) اور (اے محمد ان کے یہ حالات سن کر آپ کو رنج ضرور ہوگا، لیکن آپ زیادہ غم نہ کیجئے کیوں کہ) زیادہ آدمی تو (دنیا میں ہمیشہ سے) بے حکم ہی ہوتے (آئے) ہیں یہ لوگ (فیصلۂ قرآنی سے جو کہ عین عدل ہے اعراض کر کے) پھر کیا زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں (جس کو انہوں نے برخلاف شرائع سماویہ کے خود تشریع کر لیا تھا، جس کا ذکر دو واقعوں کے ضمن میں اس رکوع سے پہلے رکوع یاایھا الرسول کی

www.toobaaelibrary.com

تمہید میں گذر چکا ہے، حالاں کہ وہ سراسر عدل اور دلیل کے خلاف ہے، یعنی اہل علم ہو کر علم سے اعراض کرنا اور جہل کا طالب ہونا عجب در عجب ہے) اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا (فیصلہ کرنے والا) ہوگا (بلکہ کوئی مساوی بھی نہیں، پس خدائی فیصلہ کو چھوڑ کر دوسرے کے فیصلہ کا طالب ہونا عین جہل نہیں تو کیا ہے، لیکن یہ بات بھی) یقین (وایمان) رکھنے والوں (ہی) کے نزدیک (کیوں کہ اس کا سمجھنا موقوف ہے قوت عقلیہ کی صحت پر اور وہ کفار اس سے بے نصیب ہیں)

تلخیص معارف ومسائل

ربط: اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں کو یکجائی طور پر ایک اہم اور خاص حکم شرح پر متنبہ فرمایا جس کا ذکر اوپر سے متفرق طور پر چلا آرہا ہے۔

آیت:۴۴: یعنی آج جو شریعت توراۃ کو منسوخ کیا جارہا ہے تو اس میں توراۃ کی کوئی تنقیص نہیں بلکہ تغیر زمانہ کے سبب سے تغیر احکام کی ضرورت کے ماتحت ایسا کیا گیا، ورنہ توراۃ بھی ہماری نازل کردہ کتاب ہے۔ الربانیون، رب کی طرف منسوب ہے یعنی اللہ والا، الاحبار، حبر کی جمع ہے بمعنی عالم، یہ بات ظاہر ہے کہ جو اللہ والا ہوگا ضروری ہے کہ احکامِ الٰہی کا عالم ہو ورنہ علم کے بغیر عمل ناممکن ہے اور احکامِ الٰہی کی اطاعت وعمل کے بغیر کوئی اللہ والا نہیں ہوسکتا، جو عامل بالعلم نہیں وہ اللہ اور رسولؐ کے نزدیک جاہل سے بدتر ہے۔

یہاں الگ الگ بیان فرما کر اس بات پر متنبہ فرمادیا کہ جس پر جس رنگ کا غلبہ ہو اس کے اعتبار سے اس کا نام رکھا جاتا ہے، جس کی توجہ عبادات وعمل اور ذکرِ الٰہی میں معروف ہے وہ ربانی کہلاتا ہے، جس کو آج کل کی اصطلاح میں شیخ، مرشد اور پیر وغیرہ کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے اس میں شریعت وطریقت کی اصلی وحدت کو بھی بتلادیا اور طریقہ کار اور غالب مشغلہ کے اعتبار سے ان میں فرق کو بھی واضح کردیا، جس سے معلوم ہوگیا کہ علماء یا صوفیا کوئی دو فرقے یا گروہ نہیں۔

آیت:۴۵: بنو قریضہ اور بنو نضیر کا مقدمہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا تھا کہ بنونضیر نے اپنی قوت وشوکت کے بل بوتہ پر بنو قریضہ کو اس پر مجبور کر رکھا تھا کہ بنو نضیر کے کسی آدمی کو ان کا کوئی آدمی قتل کردے تو اس کا قصاص بھی جان کے بدلے جان سے لیا جائے اور اس کے علاوہ خونبہا بھی۔ اور اگر معاملہ برعکس ہو تو کوئی قصاص نہیں، صرف دیت یعنی خون بہادیا جائے اور وہ بھی بنو نضیر سے آدھا.........اس آیت میں ان کی چوری کا پردہ چاک کردیا گیا کہ یہ لوگ جان بوجھ کر ان سے روگردانی کرتے

www.toobaaelibrary.com

ہیں اور محض حیلہ جوئی کے لیے اپنا مقدمہ حضورؐ کے پاس لاتے ہیں۔

آیت: ۴۶: اس آیت میں بعثت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ توراۃ کی تصدیق کے لیے مبعوث ہوئے تھے، پھر یہ کہ انجیل بھی توراۃ کی طرح ہدایت اور نور ہے۔

آیت: ۴۷: قرآن تورات اور انجیل کا بھی محافظ ہے، توراۃ اور انجیل کی اصل تعلیمات آج بھی قرآن ہی کے ذریعہ دنیا میں باقی ہیں جب کہ ان کتابوں کے وارثوں اور مدعیوں نے ان کا حلیہ ایسا بگاڑ دیا ہے کہ حق و باطل کا امتیاز ناممکن ہو گیا۔ آخر میں پیغمبر علیہ السلام کو بھی حق اور عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

اس ارشاد کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ یہود کے چند علماء نے اپنے اور پوری قوم کے اسلام لانے کو ایک مقدمہ کے ساتھ مشروط کر دیا کہ ہم ایک مقدمہ آپ کے پاس لائیں گے جو ہمارا آپ کی قوم کے ساتھ ہے آپ اس میں فیصلہ ہمارے موافق فرما دیں۔ اس پر آپؐ کو متنبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے خلاف فیصلہ ہرگز نہ دیں اور اس کی پرواہ نہ کریں کہ یہ مسلمان ہوں گے یا نہیں۔

ایک اہم اصولی سوال کا جواب

آیت ۴۸ میں ایک اہم اصولی سوال کا جواب بھی بیان فرمایا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ جب تمام انبیاء اور ان پر نازل شدہ کتابیں اور صحیفے اللہ ہی کی طرف سے ہیں تو پھر ان میں اختلاف کیوں ہے اور آنے والی کتاب و شریعت پچھلی کتاب و شریعت کو منسوخ کیوں کرتی ہے؟ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا کہ ولو شآء اللّٰہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن لیبلوکم الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لیے پسند نہیں کیا لوگوں کی آزمائش مقصود تھی کہ کون ہیں جو عبادت کی حقیقت سے واقف ہو کر ہر وقت گوش برآواز رہتے ہیں کہ جو حکم بھی ملے اس کی تعمیل کریں خواہ پہلی شریعت و کتاب ان کو کتنی ہی محبوب ہو اور ان کا ترک کرنا انہیں خواہ کتنا ہی شاق ہو۔

اختلاف شرائع میں یہ ایک بڑی حکمت ہے جس کے ذریعہ ہر زمانہ ہر طبقہ کے لوگوں کو صحیح عبادت و عبودیت کی حقیقت سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ درحقیقت عبادت نام ہے بندگی اور اطاعت و پیروی کا، ورنہ جملہ عبادات فی نفسہ مقاصد نہیں ہیں، ان سب کا مقصود صرف ایک حکم الٰہی کی اطاعت ہے چنانچہ وہی نماز اوقات ممنوعہ میں الٹا گناہ کا موجب ہے، نویں ذی الحجہ کے علاوہ کسی دن اور مہینہ میں میدان عرفات میں جمع ہو کر عبادت و دعا کرنا کار ثواب نہیں وغیرہ۔ ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ دنیا

www.toobaaelibrary.com

کے ہر دور اور ہر طبقہ کے انسانوں کے مزاج و طبائع مختلف ہوتی ہیں اگر سب کے لیے فرعی احکام ایک ہی کر دیے جائیں تو انسان بڑی مشکل میں پڑ جائے، یہاں ناسخ و منسوخ کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ حکم دینے والے کو پہلے سے حالات معلوم نہ تھے بلکہ اس کی مثال بالکل ایک ڈاکٹر اور ایک حکیم کے نسخہ کی ہے جس میں دوائیں تدریجاً بدلی جاتی ہیں جس کا اندازہ حکیم کو پہلے سے ہوتا ہے۔

پس ان آیات سے یہ واضح ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی شریعتیں اصول میں تو بالکل متفق اور متحد ہیں مگر جزوی اور فروعی احکام ان میں مختلف ہیں اور یہ اختلاف بڑی حکمتوں پر مبنی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

آیات مذکورہ میں تین اہم اصولی مضامین کا بیان ہے، جو مسلمانوں کی اجتماعی اور ملی وحدت و شیرازہ بندی کے بنیادی اصول ہیں:

اول یہ کہ مسلمان غیر مسلموں سے رواداری، ہمدردی، خیر خواہی، عدل و انصاف اور احسان و سلوک سب کچھ کر سکتے ہیں، اور ایسا کرنا چاہئے کہ ان کو اس کی تعلیم دی گئی ہے، لیکن ان سے ایسی گہری دوستی اور خلط ملط جس سے اسلام کے امتیازی نشانات گڈمڈ ہو جائیں اس کی اجازت نہیں، یہی وہ مسئلہ ہے جو "ترک موالات" کے نام سے معروف ہے۔

دوسرا مضمون یہ ہے کہ اگر کسی وقت کسی جگہ مسلمان اسی بنیادی اصول سے ہٹ کر غیر مسلموں سے ایسا خلط ملط کر لیں تو یہ نہ سمجھیں کہ اس سے اسلام کو کوئی گزند اور نقصان نہیں پہنچے گا، کیوں کہ اسلام

www.toobaaelibrary.com

کی حفاظت اور بقاء کی ذمہ داری حق تعالیٰ نے لی ہے، اس کو کوئی نہیں مٹا سکتا، اگر کوئی قوم برت جائے اور حدود شرعیہ کرتوڑ کر فرض کرلو کہ اسلام ہی کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم کو کھڑا کر دیں گے جو اسلام کے اصول و قانون کو قائم کرے گی۔

تیسرا مضمون یہ ہے کہ جب ایک طرف منفی پہلو معلوم ہوگیا تو مسلمان کی گہری دوستی تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور ان پر ایمان لانے والوں ہی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ یہ اجمال ہے ان مضامین کا جو مذکورہ بالا پانچ آیتوں میں بیان ہوئے ہیں، اب ان آیتوں کی مختصر تفسیر دیکھئے:

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو تم (منافقوں کی طرح) یہود و نصاریٰ کو (اپنا) دوست مت بناناوہ (خود ہی) ایک دوسرے کے دوست ہیں (یعنی یہودی یہودی باہم اور نصرانی نصرانی باہم، مطلب یہ ہے کہ دوستی ہوتی ہے مناسبت سے، سو ان میں باہم تو مناسبت ہے، مگر تم میں اور ان میں کیا مناسبت) اور (جب جملۂ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ دوستی ہوتی ہے تناسب سے تو) جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ (کسی خاص مناسبت کے اعتبار سے) ان ہی میں سے ہوگا (اور گو یہ امر ظاہر ہے لیکن) یقیناً اللہ تعالیٰ (اس امر کی) سمجھ ہی نہیں دیتے ان لوگوں کو جو (کفار سے دوستی کر کرکے) اپنا نقصان کر رہے ہیں (یعنی دوستی میں منہمک ہونے کی وجہ سے یہ بات ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی، اور چونکہ ایسے لوگ اس امر کو نہیں سمجھتے) اسی لیے (اے دیکھنے والے) تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں (نفاق کا) مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان (کفار) میں گھستے ہیں (اور کوئی ملامت کرے تو حیلہ بازی اور سخن سازی کے لیے یوں) کہتے ہیں کہ (ہمارا ملنا ان کے ساتھ دل سے نہیں، بلکہ دل سے تو تمہارے ساتھ ہیں صرف ایک مصلحت سے ان کے ساتھ ملتے ہیں وہ یہ کہ) ہم کو اندیشہ ہے کہ (انقلابِ زمانہ سے) ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے (جیسے قحط ہے تنگی ہے، اور یہ یہودی ہمارے ساہوکار ہیں ان سے قرض اور ادھار مل جاتا ہے، اگر ظاہری میل جول قطع کردیں گے تو وقت پر ہم کو تکلیف ہوگی، ظاہر تخشیٰ ان تصیبنا دائرۃ کا یہ مطلب لیتے تھے، لیکن دل میں اور مطلب لیتے کہ شاید آخر میں مسلمانوں پر کفار کے غالب آجانے سے پھر ہم کو ان کی احتیاج پڑے اس لیے ان سے دوستی رکھنا چاہئے) سو قریب امید (یعنی وعدہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ (مسلمانوں کی کامل) فتح (ان کفار کے مقابلہ میں جن سے یہ دوستی کر رہے ہیں) فرما دیں (جس میں مسلمانوں کی کوشش کا بھی دخل ہوگا) یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے (ظہور فرمادے، یعنی ان کے نفاق کا علی التعیین بذریعہ وحی

کے عام اظہار فرمادیں جس میں مسلمانوں کی تدبیر کا اصلاً دخل نہیں، مطلب یہ کہ مسلمانوں کی فتح اوران کی پردہ دری دونوں امر قریب ہونے والے ہیں) پھر (اس وقت) اپنے (سابق) پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے، (کہ ہم کیا سمجھتے تھے کہ کفار غالب آویں گے اور یہ کیا برعکس ہوگیا، ایک ندامت تو اپنے خیال کی غلطی پر امر طبعی ہے، دوسری ندامت اپنے نفاق پر جس کی بدولت آج رسوا ہوئے مَآ اَسَرُّوْا میں یہ دونوں داخل ہیں، اور یہ تیسری ندامت کہ کفار کے ساتھ دوستی کرنے پر رائگاں ہی گئی، اور مسلمانوں سے بھی بُرے بنے، چونکہ دوستی مَآ اَسَرُّوْا پر مبنی تھی، لہٰذا ان لوگوں کا نفاق بھی کھل جائے گا تو آپس میں) مسلمان لوگ (تعجب سے) کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے (ہمارے سامنے) قسمیں کھا یا کرتے تھے کہ ہم (دل سے) تمہارے ساتھ ہیں (یہ تو کچھ اور ہی ثابت ہوا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ان لوگوں کی ساری کاروائیاں (کہ دونوں فریق سے بھلا رہنا چاہتے تھے سب) غارت گئیں جس سے (دونوں طرف سے) ناکام رہے (کیونکہ کفار تو مغلوب ہوگئے، ان کا ساتھ دینا محض بیکار ہے اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل گئی، ان سے اب بھلا بننا دشوار وہی مشکل ہوگئی "از یں سو راندہ ازاں سو ماندہ") اے ایمان والو (یعنی جو لوگ وقت نزول اس آیت کے ایمان والے ہیں) جو شخص تم میں سے اپنے (اس) دین سے پھر جائے تو (اسلام کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ اسلامی خدمات انجام دینے کے لیے) اللہ تعالیٰ بہت جلد (ان کی جگہ) ایسی قوم کو پیدا کردے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر تیز ہوں گے کافروں پر (کہ ان سے) جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور (دین اور جہاد کے مقدمہ میں) وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے (جیسا منافقین کا حال ہے کہ دبے دبائے جہاد کے لیے جاتے تھے، مگر اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کفار جن سے دل میں دوستی ہے ملامت کریں گے، یا اتفاق سے جن کے مقابلہ میں جہاد ہے وہی اپنے دوست اور عزیز ہوں تو سب دیکھتے سنتے طعن کریں گے کہ ایسوں کو مارنے گئے تھے) یہ (صفات مذکورہ) اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہیں عطا فرمادیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (کہ اگر چاہیں تو سب کو یہ صفات دے سکتے ہیں، لیکن) بڑے علم والے (بھی) ہیں (ان کے علم میں جس کو دینا مصلحت ہوتا ہے اس کو دیتے ہیں) تمہارے دوست تو (جن سے تم کو دوستی رکھنا چاہئے) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان (کے دلوں) میں خشوع ہوتا ہے، (یعنی عقائد، اخلاق واعمال بدنی ومالی سب کے جامع ہیں) اور جو شخص

www.toobaaelibrary.com

(موافق مضمون مذکور) اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایمان دار لوگوں سے سو (وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہو گیا اور) اللہ کا گروہ بیشک غالب ہے (اور کفار مغلوب ہیں، غالب سے مغلوب کی سازگاری اور دوستی کی فکر کرنا محض نازیبا ہے)

تلخیص معارف ومسائل

شان نزول: ابن جریر نے بروایت حضرت عکرمہؓ بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت ایک واقعہ میں نازل ہوئی ہے وہ یہ کہ پیغمبر علیہ السلام نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد اطراف کے یہود و نصاریٰ سے باہم نا جنگ اور امداد باہمی کا معاہدہ فرمالیا تھا۔ یہ معاہدہ کچھ عرصہ تک جانبین سے قائم رہا مگر یہود اپنی سازشی فطرت کی وجہ سے اس پر قائم نہ رہ سکے اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ سے سازش کر کے ان کو اپنے قلعہ میں بلانے کے لیے خط لکھ دیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے اس انکشاف کے بعد مقابلہ کے لیے ایک دستہ مجاہدین کا بھیج دیا۔ یہ یہودی دوسری طرف مسلمانوں میں گھسے ہوئے دوستی کا معاہدہ کیے ہوئے تھے اور مشرکین کے لیے جاسوسی کا کام کرتے تھے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی، بعض صحابہ نے اس وقت کھلے طور پر اپنا معاہدہ ختم اور ترک معاملات کا اعلان کر دیا حضرت عبادہ بن صامتؓ وغیرہ، اور بعض لوگوں نے جو منافقانہ طور پر یا ابھی ایمان ان کے دلوں میں رچا بسا نہیں تھا یہ خطرات محسوس کر رہے تھے کہ ممکن ہے یہ مشرکین و یہود کی سازش کامیاب ہو جائے اور مسلمان مغلوب ہو جائیں تو پھر ان لوگوں سے ایسا معاملہ رکھنا چاہیے کہ اس وقت ہمارے لیے مصیبت نہ بن جائے، عبداللہ بن ابی سلول نے اس بناء پر کہا کہ میں تو ایسا نہیں کر سکتا اس پر دوسری آیت: ۵۲، نازل ہوئی۔

آیت: ۵۴، میں مزید تشریح ہے؟

آیت: ۵۴، میں یہ بتلایا ہے کہ یہ ممانعت یعنی ترک موالات خود مسلمانوں ہی کے مفاد کی خاطر ہے، ورنہ اسلام وہ دین حق ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، بلکہ اگر کوئی مرتد ہی ہو جائے تب بھی اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے فوراً ہی کوئی دوسری قوم میدان عمل میں لے آئے گا وہ جب چاہتے ہیں تنکوں سے شمشیر کا کام لے لیتے ہیں، ورنہ شمشیر پڑے کھا دہوتے رہتے ہیں، اس جماعت کے کچھ اوصاف بھی آیت میں بیان ہوئے ہیں، دین کی خدمت کرنے والوں کو ان اوصاف کا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ آیت سے معلوم ہوا کہ ان اوصاف کے حاملین اللہ کے مقبول و محبوب ہیں۔

قرآن کریم نے اس جماعت کی پہلی صفت یہ بتلائی ہے کہ: یحبونھم و یحبونه، ان کی

www.toobaaelibrary.com

محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی نہ کسی درجہ میں اختیاری ہے کہ اگر طبعی محبت نہ سہی تو کم از کم عقلی محبت اپنے عزم وارادہ کے تابع رکھ سکتا ہے، اور طبعی محبت کے اسباب اختیاری ہیں وہ ہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال قدرت کاملہ، انسان پر اس کے اختیارات وانعامات کا مراقبہ اور تصور لیکن دوسرا جزو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے ساتھ، اس میں انسان کے اختیار وعمل کا کوئی دخل نہیں پھر اس کے سنانے کا کیا حاصل؟ لیکن قرآن کریم میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ محبت کے اس جزو کے اسباب بھی اختیاری ہیں اگر ان اسباب کا استعمال کرے وہ آیت قرآن قل ان کنتم تحبون اللہ الخ میں مذکور ہیں یعنی جو چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائیں وہ سنت رسول کو اپنی زندگی کا محور بنالے، اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفر وارتداد کا مقابلہ وہی جماعت کر سکے گی جو متبع سنت ہو۔

دوسری صفت اذلّۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین بتلائی گئی اذلۃ ذلیل اور ذلول دونوں کی جمع ہو سکتی ہے، ذلول بمعنی نرم اور سہل الانقیاد یعنی بآسانی قابو میں آجائے جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں یہی مراد ہے یعنی یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے نرم ہوں گے بصورت اختلاف حق بجانب رہتے ہوئے بھی قابو میں آجائیں گے جھگڑا چھوڑ دیں گے۔

ارشاد رسالت ہے: انا زعیم ببیت فی ربض کنت لمن ترک المراء وھو محق یعنی میں اس شخص کو وسط جنت میں گھر دلوانے کی ذمہ داری لیتا ہوں جو حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے، آیت کے دونوں جملوں کے ملانے کا حاصل یہ نکلے گا کہ یہ ایک ایسی قوم ہوگی جسکی محبت وعداوت اپنے ذاتی حقوق کے بجائے صرف اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کی خاطر ہوگی ان کی لڑائی کا رخ صرف اللہ کے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف ہوگا یہی مضمون ہے سورۂ فتح کی آیت اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔

پہلی صفت کا حاصل حقوق کی تکمیل تھا اور دوسری صفت کا حاصل حقوق العباد اور معاملات کا اعتدال ہے تیسری صفت بتائی یجاھدون فی سبیل اللہ معلوم ہوا کہ کفر وارتداد کے مقابلہ کے لیے صرف معروف قسم کی عبادت گذاری اور نرم وسخت ہونا کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اقامت دین کا جذبہ بھی ہو، اسی جذبہ کی تکمیل کے لیے چوتھی صفت ولا یخافون لومۃ لائم بتلائی گئی ہے، کسی تحریک کو چلانے والے کی راہ میں دو قسم کی چیزیں حائل ہوا کرتی ہیں، ایک مخالف قوت کا زور، اور دوسرے اپنوں کے لعن وطعن اور ملامت، اور تجربہ شاہد ہے کہ لوگ مخالف قوت سے تو مغلوب نہیں ہوتے لیکن اپنوں کے طعن وتشنیع سے بڑے بڑوں کے قدم ہل جاتے ہیں، آخر میں بتلایا کہ یہ اعلیٰ

www.toobaaelibrary.com

اخلاق اعمال انعام خداوندی ہیں انسان محض اپنے سعی وعمل سے ان کو حاصل نہیں کر سکتا۔

جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت در حقیقت آئندہ فتنہ (یعنی فتنہ ارتداد) کی پیشین گوئی اور اس کا ہمت کے ساتھ مقابلہ کر کے کامیاب ہونے والی جماعت کے لیے بشارت ہے۔ آنے والے واقعات یہ تھے کہ سب سے پہلے تو مسیلمہ کذاب نے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ شریک نبوت ہونے کا دعویٰ کیا، اسی طرح یمن میں قبیلہ مذحج کے سردار اسود عنسی نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا، اسی طرح کا واقعہ قبیلہ بنو اسد میں پیش آیا کہ ان کا سردار طلیحہ بن خویلد خود اپنی نبوت کا مدعی بن گیا۔

پیغمبر علیہ السلام کی وفات کی خبر نے اس فتنہ ارتداد کو ایک طوفانی شکل میں منتقل کر دیا، عرب کے سات قبیلے مختلف مقامات پر اسلام اور اس کی حکومت سے منحرف ہو گئے اور خلیفہ وقت سیدنا ابو بکر کو اسلامی قانون کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔

حالات کی نزاکت اس حد کو پہنچ گئی کہ مشورہ میں کسی کی رائے نہ ہوئی کہ اسوقت بغاوتوں کے مقابلہ میں کوئی سخت قدم اٹھایا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے صدیق کے قلب کو اس جہاد کے لیے مضبوط فرما دیا آپ نے ایسا بلیغ خطبہ پیش فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کو بھی شرح صدر ہو گیا الفاظ دیکھئے:

"جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد رسول کریمؐ کے دیے ہوئے احکام اور قانون اسلام کا انکار کریں تو میرا فرض ہے کہ میں ان کے خلاف جہاد کروں، اگر میرے مقابلہ پر تمام جن وانس اور دنیا کے شجر و حجر سب کو جمع کر لائیں، اور کوئی میرا ساتھی نہ ہو جب بھی میں تنہا اپنی گردن سے اس جہاد کو انجام دوں گا۔" اور یہ فرما کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور چلنے لگے، اس وقت صحابہ کرامؓ آگے آئے اور صدیق اکبرؓ کو اپنی جگہ بٹھلا کر مختلف محاذوں پر مختلف حضرات کی روانگی کا نقشہ بن گیا۔ اسی لیے حضرت علیؓ، حسن بصریؒ، ضحاکؒ، قتادہؒ، وغیرہ اور جمہور ائمہ مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت صدیق اکبرؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں آئی ہے وہی اس "قوم" کا مصداق اول ثابت ہوئے، دیگر اقوال بھی اس کے منافی نہیں، بلکہ قیامت تک آنے والے۔ اور سارے مسلمان جو قرآنی ہدایات کے مطابق کفر وارتداد کا مقابلہ کریں گے۔ اسی آیت کے مصداق میں داخل ہوں گے۔

مسیلمہ کذاب حضرت خالد ابن ولیدؓ کی سرکردگی میں بذریعہ وحشی مارا گیا، طلیحہ بن خویلد کے مقابلہ پر بھی حضرت خالدؓ ہی تشریف لے گئے، مگر وہ فرار ہو گیا اور پھر دوبارہ اسے اسلام کی توفیق ہوئی۔ خلافت صدیقی کے پہلے مہینہ ربیع الاول کے آخر میں اسود عنسی کے قتل اور اس کی قوم کے مطیع

www.toobaaelibrary.com

وفرمانبردار ہوجانے کی خبر پہنچ گئی، اور یہ خبر سب سے پہلی فتح کی خبر تھی جو صدیق اکبرؓ کو ان حالات میں
پہنچی،......اس طرح فان حزب اللّٰہ ھم الغلبون کی عملی تفسیر دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لی۔

آیت:۵۵: میں مثبت طور پر یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو گہری دوستی اور رفاقت خاص کا تعلق جن سے ہوسکتا ہے وہ کون ہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول اور پھر وہ سچے مسلمان جن کے تین صفات اور علامات اس آیت میں بتلائی گئی ہیں وھم راکعون رکوع سے بعض ائمہ تفسیر کے نزدیک اصطلاحی رکوع نماز مراد ہے، کہ مسلمانوں کی نماز کو دیگر فرقوں کی نماز سے (جو بغیر رکوع کی ہیں) ممتاز کرنا مقصود ہے (مظہری) مگر جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں رکوع سے لغوی معنی مراد ہے، یعنی ان کو اپنے اعمال صالحہ پر ناز نہیں بلکہ تواضع انکساری ان کی خصلت ہے۔

آیت:۵۶: اس میں فرمایا گیا کہ احکام الٰہیہ کی تعمیل کرنے والے مسلمان اللہ کا گروہ ہیں، اور اللہ کا گروہ ہی انجام کار سب پر غالب آکر رہے گا، آنے والے واقعات نے اس کی تصدیق کردی اور مسلمانوں میں جب تک ان احکام کی پابندی رہی ہمیشہ منصور و مظفر نظر آئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى
الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ
مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ
هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ
الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ وَاِذَا
جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا
يَكْتُمُوْنَ ۝ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا
كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ
يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا
بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ
فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ

www.toobaaelibrary.com

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ
لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو: جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (آسمانی یعنی توریت وانجیل) مل چکی ہے (مراد یہود ونصاریٰ) جوایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے (جو علامت ہے تکذیب کی) ان کو اور (اسی طرح) دوسرے کفار کو (بھی جیسے مشرکین وغیرہ) دوست مت بناؤ (کیونکہ اصل علت کفر وتکذیب تو مشترک ہے،) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو (یعنی ایمان دار تو ہو ہی پس جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اس کو مت کرو) اور (جیسے اصول دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں، اسی طرح فروع کے ساتھ بھی چنانچہ) جب تم نماز کے لیے (اذان کے ذریعہ سے) اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ (تمہاری) اس (عبادت) کے ساتھ (جس میں اذان اور نماز دونوں آ گئیں) ہنسی اور کھیل کرتے ہیں (اور) یہ (حرکت) اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے (ورنہ امر حق کو سمجھتے اور اس کے ساتھ ہنسی نہ کرتے) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم ہم میں کیا عیب پاتے ہو بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے (یعنی قرآن) اور اس کتاب پر (بھی) جو (ہم سے) پہلے بھیجی جا چکی ہے، (یعنی تمہاری کتاب تورات وانجیل) باوجود اس کے کہ تم میں اکثر لوگ ایمان سے خارج ہیں (کہ نہ قرآن پر ان کا ایمان ہے، جس کا خود ان کو بھی اقرار ہے اور نہ تورات وانجیل پر ایمان ہے، کیونکہ ان پر ایمان ہوتا تو ان میں رسول اللہؐ اور قرآن پر ایمان لانے کی ہدایت موجود ہے اس پر بھی ضرور ایمان ہوتا، قرآن کا انکار اس پر شاہد ہے کہ تورات وانجیل پر بھی ان کا ایمان نہیں ہے، یہ حال تو تم لوگوں کا ہوا اور ہم اس کے برعکس سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں تو عیب ہم میں نہیں خود تم میں ہے غور کرو) اور آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ (اگر اس پر بھی تم ہمارے طریقے کو برا سمجھتے ہو تو آؤ) کیا میں (اچھے برے میں موازنہ کرنے کے لیے) تم کو ایسا طریقہ بتلاؤں جو (ہمارے) اس (طریقہ) سے بھی (جس کو تم برا سمجھ رہے ہو) خدا کے یہاں سزا ملنے میں زیادہ برا ہو، وہ ان اشخاص کا طریقہ ہے جن کو (اس طریقہ کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہو، اور ان پر غضب فرمایا ہو اور ان کو بندر اور سور بنا دیا ہو اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی ہو (اب دیکھو کہ ان میں کون سا طریقہ برا ہے، آیا وہ طریقہ جس میں غیر اللہ کی عبادت اور

www.toobaaelibrary.com

اس پر یہ وبال ہوں، یا وہ طریقہ جو سراسر توحید اور نبوت انبیاء کی تصدیق ہو یقیناً موازنہ کا نتیجہ یہی ہے کہ) ایسے اشخاص (جن کا طریقہ ابھی ذکر کیا گیا ہے آخرت میں) مکان کے اعتبار سے بھی (جوان کو سزا کے طور پر ملے گا) بہت برے ہیں (کیونکہ یہ مکان دوزخ ہے) اور (دنیا میں) راہ راست سے بھی بہت دور ہیں، (اشارہ یہ ہے کہ تم لوگ ہم پر ہنستے ہو، حالانکہ استہزا کے قابل تمہارا طریقہ ہے کیونکہ یہ سب خصلتیں تم میں پائی جاتی ہیں، کہ یہود نے گوسالہ پرستی کی اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کو خدا بنالیا پھر اپنے علماء و مشائخ کو خدائی کے اختیارات سپرد کردئے، اسی لیے یہودیوں نے جب یوم سبت کے احکام کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، وہ بندر بنادیئے گئے اور نصاریٰ کی درخواست پر آسمانی مائدہ نازل ہونے لگا، انہوں نے پھر بھی ناشکری کی تو ان کو بندر اور سور بنادیا گیا، آگے ان کی ایک خاص جماعت کا ذکر ہے، جو منافق تھے کہ مسلمانوں کے سامنے اسلام کا اظہار کرتے تھے، اور اندرونی طور پر یہودی ہی تھے) اور جب یہ (منافق) لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئیں ہیں حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر (مسلمانوں کی مجلس میں) آئے تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ تو خوب جانتے ہیں جس کو یہ (اپنے دل میں) چھپائے ہوئے ہیں (اس لیے ان کا نفاق اللہ تعالیٰ کے سامنے کام نہیں دے گا اور کفر کی بدترین سزا سے سابقہ پڑے گا) اور آپ ان (یہودیوں) میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ (یعنی جھوٹ) اور ظلم اور حرام (مال) کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام برے ہیں (یہ تو عوام کا حال تھا آگے خواص کا حال ہے کہ) ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے (باوجود علم مسئلہ و اطلاع واقعہ کے) کیوں نہیں منع کرتے، واقعی ان کی یہ عادت بری ہے، اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہوگیا ہے (یعنی نعوذ باللہ بخل کرنے لگا ہے، درحقیقت) انہی کے ہاتھ بند ہیں (یعنی واقع میں خود عیب بخل میں مبتلا ہیں، اور خدا پر عیب دھرتے ہیں) اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت (الٰہی) سے دور کردیئے گئے (جس کا اثر دنیا میں ذلت اور قید اور قتل وغیرہ ہوا اور آخرت میں عذاب جہنم، اور حاشا وکلا کہ خدا تعالیٰ میں اس کا احتمال بھی ہو) بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں (یعنی بڑے جواد و کریم ہیں، لیکن چونکہ حکیم بھی ہیں اس لیے) جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں (پس یہود پر جو تنگی ہوئی اس کی علت حکمت ہے کہ ان کے کفر کا وبال ان کو چکھانا مقصود ہے نہ یہ کہ بخل اس کی علت ہو) اور (یہود کے کفر اور سرکشی کی یہ حالت ہے کہ ان کو یہ توفیق نہ ہوگی کہ مثلاً اپنے قول کا بطلان بدلیل سن لیا تو اس سے توبہ کرلیں، نہیں

www.toobaaelibrary.com

بلکہ) جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے، وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے (اس طرح سے کہ وہ اس کا بھی انکار کرتے ہیں، تو کچھ تو پہلا طغیان اور کفر تھا پھر اور بڑھ گیا) اور (ان کے کفر سے جو ان پر لعنت یعنی رحمت سے دوری واقع کی گئی ہے اس کے آثار دنیویہ میں سے ایک یہ ہے کہ) ہم ان میں باہم (دین کے باب میں) قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا (چنانچہ ان میں مختلف فرقے ہیں، اور ہر فرقہ دوسرے کا دشمن، چنانچہ باہمی عداوت وبغض کی وجہ سے) جب کبھی (مسلمانوں کے ساتھ) لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں (یعنی لڑنے کا ارادہ کرتے ہیں) حق تعالیٰ اس کو فرو کر دیتے ہیں، (اور بجھا دیتے ہیں، یعنی مرعوب ہو جاتے ہیں یا لڑ کر مغلوب ہو جاتے ہیں، یا آپس کے اختلاف کی وجہ سے اتفاق کی نوبت نہیں آتی) اور (جب لڑائی سے رہ جاتے ہیں، تو اپنی عداوت دوسری طرح نکالتے ہیں کہ) ملک میں (خفیہ) فساد کرتے پھرتے ہیں (جیسے نومسلموں کو بہکانا، لگائی بجھائی کرنا، عوام کو توریت کے محرف مضامین سنا کر اسلام سے روکنا) اور اللہ تعالیٰ (چونکہ) فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے (یعنی مبغوض رکھتے ہیں، اس لیے اس فساد کی ان کو خوب سزا ہوگی، خواہ دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور) اور اگر یہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ جن امور حقہ کے منکر ہیں، جیسے رسالت محمدیہ وحقیت قرآن ان سب پر) ایمان لے آتے اور (رسول اللہ ؐ کے واسطہ سے جن امور کا کفر ومعصیت ہونا بتلایا گیا ہے ان سب سے) تقویٰ (یعنی پرہیز) اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام (گذشتہ) برائیاں (کفر اور شرک اور معاصی جن میں سب اقوال واحوال آگئے) معاف کر دیتے اور (معاف کر کے) ضرور ان کو چین (اور آرام) کے باغوں میں (یعنی بہشت میں) داخل کرتے (تو یہ برکات اخرویہ ہوئیں) اور اگر یہ لوگ (ایمان اور تقویٰ مذکور اختیار کرتے جس کو بعنوان دیگر یوں کہا جاتا ہے کہ) توریت اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے (اب) ان کے پاس (بواسطہ رسول اللہ ؐ کے) بھیجی گئی (یعنی قرآن) اس کی پوری پابندی کرتے (یعنی ان میں جس جس بات پر عمل کرنے کو لکھا ہے سب پر پورا عمل کرتے، اس میں تصدیق رسالت بھی آگئی، اور اس سے احکام محرفہ ومنسوخہ نکل گئے، کیونکہ ان کتب کا مجموعہ ان پر عمل کرنے کو نہیں بتلاتا بلکہ منع کرتا ہے) تو یہ لوگ (بوجہ اس کے کہ) اوپر سے (یعنی آسمان سے پانی برستا) اور نیچے سے (یعنی زمین سے پیداوار ہوتی) خوب فراغت سے کھاتے (برتتے، یہ ایمان کی برکات دنیویہ کا ذکر ہوا، لیکن کفر پر مصر رہے، اس لیے تنگی میں پکڑے گئے جس پر بعض نے حق تعالیٰ کی

www.toobaaelibrary.com

شان میں بخل کی نسبت کر کے گستاخی کی، مگر پھر بھی سب یہود و نصاریٰ برابر نہیں، چنانچہ) ان (ہی) میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی (بھی) ہے (جیسے یہود میں حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی، اور نصاریٰ میں حضرت نجاشی اور ان کے ساتھی، لیکن ایسے قلیل ہی ہیں) اور (باقی) زیادہ ان میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں (کیونکہ کفر و عناد سے بدتر کیا کردار ہوگا)

تلخیص معارف و مسائل

آیت: ۵۷: میں تاکیداً پھر اس حکم کا اعادہ فرمایا جو اس سے پہلے رکوع کی پہلی آیت میں مذکور ہوا۔

اہل کفار میں اہل کتاب بھی داخل تھے لیکن خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب کا ذکر مستقلاً غالباً اس لیے فرمایا گیا کہ اہل کتاب اگرچہ بظاہر نسبۂ اسلام سے زیادہ قریب تھے مگر تجربہ نے یہ بتایا کہ ان میں سے بہت کم لوگوں نے اسلام قبول کیا، کثرت عام کفار کی نکلے گی، وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل کتاب کو اس پر ناز ہے کہ ہم دین الٰہی اور کتاب آسمانی کے پابند ہیں۔

نیز مسلمانوں کے ساتھ تمسخر و استہزاء کا معاملہ بھی زیادہ تر انہوں نے کیا۔ اسی شرارت پسندی کا ایک واقعہ وہ ہے جو آیت ۵۸ میں بیان کیا گیا اس کا واقعہ بحوالہ ابن حاتم تفسیر مظہری میں یہ نقل کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک نصرانی تھا وہ جب اذان میں اشھدان محمدًارسول اللّٰہ کالفظ سنتا تو کہا کرتا تھا احرق اللّٰہ الکاذب بالآخر اس کا یہ کلمہ ہی اس کے پورے خاندان کے جل کر خاک ہونے کا سبب بن گیا۔

آیت: ۶۰: اس لعنت و غضب کا مصداق درحقیقت خود یہی مخاطب تھے مگر قرآن کریم نے طرز بیان بدل کر اس کو ایک مثال کی صورت دیدی جس میں پیغمبرانہ دعوت کا ایک خاص اسلوب بتلایا گیا کہ عنوان بیان ایسا اختیار کرنا چاہیے جس سے مخاطب کو اشتعال نہ پیدا ہو۔

آیت: ۶۱: اس میں یہود کی اخلاقی گراوٹ اور عملی بربادی کا ذکر ہے۔ کثیراً منھم، کچھ ان میں اچھے لوگ بھی تھے ان کے استثناء کے لیے فرمایا، لفظ اثم کے مفہوم میں العدوان واکلھم السحت دونوں داخل ہیں مگر ان کی تباہ کاری کو واضح کرنے کے لیے خصوصیت کے ساتھ علیحدہ ذکر کردیا (بحرمحیط) یسارعون فی الاثم یعنی یہ لوگ عادی مجرم ہیں انھیں کوئی تکلف نہیں ہوتا، اسی طرح اچھی خصلتوں میں انبیاء، واولیا کا حال ہے، جس کو فرمایا یسارعون فی الخیرات.

اس قرآنی ارشاد سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر کچھ ملکات ہوتے ہیں جو طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں مکمل اصلاح کے لیے ان ملکات کی اصلاح ضروری ہے، حضرات صوفیاء کی نظر انہی ملکات

www.toobaaelibrary.com

پر ہوتی ہیں اور وہ اسی کی درستگی کا فکر کرتے ہیں نتیجہ میں اس سے پیدا ہونے والے تمام اعمال بدخود بخود درست ہونے لگتے ہیں مثلاً رشوت، سود، چوری، ڈاکہ، ان کی اصل ہے مال دنیا کی حرص اس کے لیے صوفیاء کرام دنیا کی ناپائیداری اور عیش و عشرت کے زہر آلود ہونے کا استحضار کراتے ہیں اسی طرح تکبر، غرور، دوسروں کو ستانا، لڑنا یہ حضرات اس کے لیے فکر آخرت اور خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کو مستحضر کرنے والا نسخہ استعمال کرتے ہیں۔

آیت: ۶۳: اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اصل ذمہ داری ان دو طبقوں یعنی مشائخ اور علماء یا دوسرے معنی میں حکام (ربانیون) اور علماء پر عائد ہوتی ہے۔ لبئس ما کانو ایصنعون: اس میں ان مشائخ اور علماء کے لیے سخت تنبیہ ہے کہ وہ اپنا فرض منصبی چھوڑ بیٹھے۔

عوام کی غلط کاریوں کو لبئس ما کانو ا یعلمون اور مشائخ اور علماء کی غلطی پر یصنعون کا لفظ فرمایا، فعل اس کام کو کہتے ہیں، جو قصداً یا بلا قصد ہو عمل جس میں قصد و ارادہ دیا جائے اور لفظ صنع کا اطلاق ایسے کام کے لیے ہوتا ہے جس میں قصد و اختیار بھی ہو اور اس کو بطور عادت و مقصد کے درست کر کے کیا جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے علماء و مشائخ کو یہ اندازہ ہو کہ لوگ ہمارے روکنے سے رک جائیں گے بایں صورت اگر یہ کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے انہیں گناہوں سے نہیں روکتے ہیں تو ان کا جرم اصل مجرموں سے زیادہ اشد ہے، اس لیے بقول حضرت ابن عباس وغیرہ مشائخ اور علماء کے لیے پورے قرآن میں اس آیت سے زیادہ خوفناک اور سخت تنبیہ کہیں نہیں۔

اور جہاں یہ غالب گمان ہو کہ ان کی کوئی سنے گا نہیں بلکہ جواباً ایذائیں دی جائیں گی تو وہاں حکم یہ ہے کہ ان کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے مگر افضل و اعلیٰ پھر بھی یہی ہے کہ یہ حضرات اپنا فرض ادا کریں۔ ولا یخافون لومۃ لائم: دنیا میں امن و اطمینان پیدا کرنے کے لیے یہ اسلام کا زریں اصول یہ قرآن نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو امت محمدیہ کی خصوصیات میں شمار فرمایا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے کو سخت گناہ اور موجب عذاب قرار دیا ہے۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ کی قوم کے ایک لاکھ آدمی ہلاک کئے جائیں گے جن میں چالیس ہزار نیک لوگ ہیں انہوں نے عرض کیا، رب العٰلمین نیک لوگوں کو کیوں ہلاک کیا جا رہا ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ ان بدکرداروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ میری نافرمانیاں اور گناہ دیکھ کر کبھی ان کے چہروں پر ناگواری کا اثر تک نہ آیا (بحر محیط)

www.toobaaelibrary.com

آیت: ٦٤: اس آیت میں یہود کی ایک گستاخی کا جواب ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب دعوتِ حق سے روگردانی اور مخالفت کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا تنگ کر دی وہ تنگدست ہو گئے تو ان نالائقوں (نباش بن قیس اور فنحاص رئیس یہود قینقاع) کی زبان سے ایسے کلمات کہنے لگے کہ (معاذ اللہ) خدائی خزانہ میں کمی آ گئی ہے یا اللہ تعالیٰ نے بخل اختیار کر لیا۔

کلما اوقدوا ناراً للحرب اطفاھا اللہ اس میں ظاہر جنگ کی ناکامی اور **یسعون فی الارض فساداً** میں خفیہ سازشوں کی ناکامی کا ذکر ہے۔

آیت: ٦٥، ٦٦: احکامِ الٰہیہ پر پورا عمل آخرت کی کامیابی کے ساتھ دنیا میں ان پر برکات کا سبب ہے دنیا میں ان پر رزق کے دروازے اس طرح کھول دیئے جائیں گے کہ اوپر سے رزق برسے گا اور نیچے سے ابلے گا یعنی باسانی مسلسل رزق عطا ہو گی (تفسیر کبیر)

آیت: ٦٦: میں دنیوی راحت و آرام کا وعدہ تفصیل سے غالباً اس لیے ہے کہ یہود کی بدعملی کی وجہ ان کی دنیا پرستی اور حرصِ مالی تھی، مگر اس سے یہ لازم نہ سمجھ لیا جائے کہ ایمان و عمل صالح کی پابندی میں ہمیشہ سب کے لیے رزق کی وسعت لازمی ہو گی اور جو نہ ہو تو رزق کی تنگی ضرور ہو گی، کیونکہ یہاں کوئی عام قاعدہ و ضابطہ بیان کرنا مقصود نہیں، ایک خاص جماعت سے خاص حالات میں وعدہ کیا گیا ہے، البتہ حیاتِ طیبہ اور پاکیزہ زندگی عطا ہونے کا حکم عام ہے، وہ وسعت کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے اور تنگی کی صورت میں بھی جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے حالات شاہد ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ
النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي شَيْءٍ حَتّٰي تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا
تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ
بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا
وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا
كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ
مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

www.toobaaelibrary.com

حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ
اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا
يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ
اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝

ترجمہ و خلاصۂ تفسیر

اے رسولؐ جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ (لوگوں کو) سب پہنچا دیجئے اور اگر (بفرض محال) آپ ایسا نہ کریں گے تو (ایسا سمجھا جاوے گا جیسے) آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام بھی نہیں پہنچایا (کیونکہ یہ مجموعہ فرض ہے تو جیسا کل کے اخفاء سے یہ فرض فوت ہوتا ہے اسی طرح بعض کے اخفاء سے بھی وہ فرض فوت ہوتا ہے) اور (تبلیغ کے باب میں کفار کا کچھ خوف نہ کیجئے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے (یعنی اس سے کہ آپ کے مقابل ہو کر قتل و ہلاک کر ڈالیں) محفوظ رکھے گا (اور) یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو (اس طرح قتل و ہلاک کر ڈالنے کے واسطے آپ تک) راہ نہ دیں گے۔ آپ (ان یہود ونصاریٰ سے) کہئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر بھی نہیں (کیونکہ غیر مقبول راہ پر ہونا مثل بے راہی کے ہے) جب تک کہ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب (اب) تمہارے پاس (بواسطۂ رسول اللہؐ کے) تمہارے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے (یعنی قرآن) اس کی بھی پوری پابندی نہ کرو گے (جس کے متعلق اور ترغیب اور برکات اوپر مذکور ہوئے ہیں) اور (اے محمدؐ چونکہ ان میں اکثر لوگ تعصب مذموم میں مبتلا ہیں اس لیے یہ) ضرور (ہے کہ) جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے، (اور اس میں ممکن ہے کہ آپ کو رنج و غم ہو، لیکن جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ متعصب ہیں) تو آپ ان کافر لوگوں (کی اس حالت) پر غم نہ کیا کیجئے، یہ تحقیقی بات ہے کہ اور یہودی اور فرقہ صابئین اور نصاریٰ (ان سب میں) جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ (کی ذات و صفات) پر اور قیامت پر اور کارگذاری اچھی کرے (یعنی

www.toobaaelibrary.com

موافق قانون شریعت کے) ایسوں پر (آخرت میں) نہ کسی طرح کا اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ ہم نے بنی اسرائیل سے (اول توریت میں تمام پیغمبروں کی تصدیق واطاعت کا) عہد لیا اور (اس عہد کے یاد دلانے کو) ہم نے ان کے پاس بہت پیغمبر بھیجے (لیکن ان کی یہ حالت تھی کہ) جب کبھی ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم لایا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا (تب ہی ان کے ساتھ مخالفت سے پیش آئے) سو بعضوں کو (تو) جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو (بے دھڑک) قتل ہی کر ڈالتے تھے اور (ہمیشہ ہر شرارت پر جب چند روزہ سزا مہلت دی گئی) یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہوگی اس (گمان) سے اور بھی اندھے اور بہرے (کی طرح) بن گئے (کہ نہ دلائل صدق انبیاء کو دیکھا نہ ان کے کلام کو سنا) پھر (ایک مدت کے بعد) اللہ تعالیٰ نے ان پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمائی (کہ اور کسی پیغمبر کو بھیجا کہ اب بھی راہ پر آویں مگر) پھر بھی (اسی طرح) اندھے اور بہرے بنے رہے یعنی (سب تو نہیں مگر) ان میں کے بہتیرے، اور اللہ تعالیٰ ان کے (ان) اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں (یعنی ان کا گمان غلط تھا، چنانچہ ان کو وقتاً فوقتاً سزا بھی ہوتی رہی، مگر ان کا یہی شیوہ رہا، حتیٰ کہ اب آپؐ کے ساتھ اسی طرح تکذیب وخلاف کا برتاؤ کیا۔ بیشک وہ لوگ کافر ہو چکے جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ عین مسیح بن مریم ہے (یعنی دونوں میں اتحاد ہے) حالاں کہ (حضرت) مسیح نے خود فرمایا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے (اور اس قول میں اپنے مربوب اور بندہ ہونے کی تصریح ہے، پھر ان کو اِلٰہ کہنا وہی بات ہے کہ مدعی سست گواہ چست) بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ (خدائی میں یا خدائی خصوصیات میں) شریک قرار دے گا سو ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا (کہ دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچا سکے، اور جیسے عقیدۂ اتحاد کفر ہے اسی طرح عقیدۂ تثلیث بھی کفر ہے پس) بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین (معبودوں) میں کا ایک ہے، حالانکہ بجز ایک معبود (حق) کے اور کوئی معبود (حق) نہیں (نہ دو اور نہ تین، جب یہ عقیدہ بھی کفر وشرک ہے تو انه من يشرك الخ میں جو سزا مذکور ہے وہ اس پر بھی مرتب ہوگی) اور اگر یہ (دونوں عقیدہ کے) لوگ اپنے اقوال (کفریہ) سے باز نہ آئے تو (سمجھ رکھیں کہ) جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر (آخرت میں) دردناک عذاب واقع ہوگا کیا (ان مضامین توحید ووعید کو سنکر) پھر بھی (اپنے ان عقائد واقوال سے) خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ (جب کوئی توبہ کرتا ہے تو) بڑی مغفرت کرنے والے (اور) رحمت فرما

www.toobaaelibrary.com

نے والے ہیں (حضرت) مسیح ابن مریم (عین خدا یا جز و خدا) کچھ بھی نہیں صرف ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے اور بھی پیغمبر (اہل معجزات) گذر چکے ہیں (جن کو عیسائی خدا نہیں مانتے، پس اگر پیغمبری یا خرق عادت دلیل الوہیت ہے تو سب کو الٰہ (خدا) ماننا چاہئے، اور اگر دلیل الوہیت نہیں ہے تو حضرت مسیح کو کیوں الٰہ کہا جاوے، غرض جب اوروں کو الٰہ نہیں کہتے تو عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مت کہو) اور (اسی طرح) ان کی والدہ (بھی الٰہ یا جزو الٰہ نہیں بلکہ وہ) ایک ولی بی بی ہیں (جیسی اور بیبیاں بھی ہو چکی ہیں، اور دونوں حضرات کے الٰہ نہ ہونے کے دلائل میں سے ایک سہل دلیل یہ ہے کہ) دونوں (حضرات) کھانا کھایا کرتے تھے (اور جو شخص کھانا کھاتا ہے وہ اس کا محتاج ہوتا ہے، اور کھانا کھانا خواص مادیات سے ہے، اور احتیاج اور مادیت خاصہ ممکن الوجود ہے، جس کا وجود ضروری نہ ہو، اور ممکن یعنی جس کا وجود ہی ضروری نہ ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا) دیکھئے تو (سہی) کیونکر صاف صاف دلائل ان سے بیان کر رہے ہیں، پھر بھی دیکھئے وہ الٹے کدھر جا رہے ہیں، آپ (ان سے) فرمایئے کیا خدا کے سوا ایسی (مخلوق) کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا (اختیار رکھتا ہو اور عاجز ہونا خود خدائی کے منافی ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں جانتے ہیں، (پھر بھی خدا سے نہیں ڈرتے اور اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آتے) آپ (ان نصاریٰ سے) فرمایئے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین (کے معاملہ) میں ناحق کا غلو (اور افراط) مت کرو اور اس (افراط کے باب) میں ان لوگوں کے خیالات (یعنی بے سند باتوں) پر مت چلو جو (اس وقت سے) پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں اور (اپنے ساتھ) اور بہتوں کو (لے ڈوبے ہیں اور) غلطی میں ڈال چکے ہیں اور (وہ ان کی غلطی اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ حق مفقود ہو گیا ہو اس کا پتہ نہ لگتا ہو بلکہ) وہ لوگ راہ راست (کے ہوتے ہوئے قصداً اس) سے دور (اور علیحدہ) ہو گئے تھے (یعنی جب ان کی غلطی دلائل سے ثابت ہو گئی پھر ان کا اتباع کیوں نہیں چھوڑتے)

تلخیص معارف و مسائل

اوپر کے بیان کا ایک طبعی اثر یہ بھی ممکن تھا کہ آپ سے بر بناء بشریت مایوس یا مجبور ہو کر تبلیغ میں کچھ کمی ہو جائے، اور دوسرا اثر یہ بھی ممکن تھا کہ آپ کو دشمنوں کے ہاتھ سے تکالیف کا سامنا ہو اس لیے اس آیت ۶۷ میں تبلیغ کی تاکید اور دشمنوں سے حفاظت کی تسلی دی گئی۔

فان لم تفعل الخ: چنانچہ تمام عمر اس فریضہ کی ادائیگی میں اپنی پوری قوت و ہمت صرف فرمائی

www.toobaaelibrary.com

اور حجۃ الوداع کے موقع پر نصیحت فرماتے ہوئے مجمع سے سوال فرمایا الا ھل بلّغت؛ صحابہؓ نے اقرار فرمایا کہ ضرور پہنچایا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر گواہ رہو۔

اسی کا اثر تھا کہ صحابہ کرامؓ نے عام حالات میں ارشادات رسالت کو اللہ کی بھاری امانت محسوس فرمایا اور امت تک ہر ہر کلمہ پہنچانے کی مقدور بھر کوشش کی۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب مجھے تبلیغ ورسالت کے احکام ملے تو میرے دل میں اس کی بڑی ہیبت تھی، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو سکون واطمینان حاصل ہو گیا (تفسیر کبیر) چنانچہ صحابہ کرامؓ حفاظت کے لیے سفر وحضر میں ہر وقت ساتھ لگے رہتے تھے اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے سب کو رخصت کر دیا کہ اب اس کی ضرورت نہیں اللہ نے یہ کام خود اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

آیت:۶۸: میں اہل کتاب کو شریعت الٰہیہ کے اتباع کی ہدایت دی گئی ہے کہ تمہاری نسبی فضیلت، علمی تحقیقات اور مجاہدات وریاضات کی قیمت اور وزن اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف شریعت الٰہیہ کی اتباع پر موقوف ہے، ورنہ سب ہیچ ہے۔ما انزل الیکم من ربکم مراد قرآن ہے مگر بجائے مختصر لفظ" قرآن "لانے کے اتنا بڑا جملہ لانے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس میں ان احادیث کے مضمون کی طرف اشارہ ہو جن میں ارشاد فرمایا کہ جس طرح مجھے قرآن دیا گیا ہے اسی طرح دوسرے علوم ومعارف بھی عطا کئے گئے جنھیں ایک حیثیت سے قرآن کی تشریح بھی کہا جاسکتا ہے (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی وغیرہ)

یعنی ایک وحی غیر متلو مطلب یہ ہے کہ ان تمام احکام کا اتباع لازم وواجب ہے جو صراحۃً قرآن میں مذکور ہوں یا پیغمبر علیہ السلام نے احکام دیے ہوں۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب بعض، بعض کی ناسخ ہیں تو توراۃ وانجیل اور قرآن تینوں کے مجموعہ پر عمل کیسے ہو؟ جواب یہ ہے کہ ہر آنے والی کتاب نے پچھلی کتاب کے جن احکام کو بدل دیا تو بدلے ہوئے طریقہ پر عمل کرنا ہی ان دونوں پر عمل کرنا ہے۔

الصابئون: صابئون یا صابئہ کے نام سے آج کل کوئی قوم معروف نہیں اسی لیے اس کی تعیین میں علماء وائمہ کے مختلف اقوال ہیں امام ابن کثیر نے بحوالہ قتادہؓ ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ صابئون وہ لوگ ہیں جو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور قبلہ کے خلاف نماز پڑھتے ہیں اور زبور کی تلاوت کرتے ہیں قرآن کریم کے اس سیاق سے بظاہر اسی کی تائید ہوتی ہے کہ چار آسمانی کتابیں جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اس میں ان چار کتابوں کے ماننے والوں کا ذکر آ گیا۔

www.toobaaelibrary.com

آیت:۶۹: میں جس امر کی ہدایت دی گئی وہ تین جز ہیں ایمان باللہ، ایمان بالیوم الآخر اور عمل صالح، اور ظاہر ہے کہ ایمان بالرسالۃ کے بغیر نجات نہیں نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں تمام ایمانیات اور عقائد اسلام کی تفصیلات کا بیان نہیں نہ اس کا موقع ہے، لیکن ملحدین کا ایک گروہ جو کسی نہ کسی طرح اپنے مکروہ نظریات کو ٹھونسنا چاہتے ہیں، انہوں نے اس آیت میں صراحۃً ذکر رسالت نہ ہونے سے ایک نیا نظریہ قائم کر لیا کہ ہر شخص جو اپنے مذہب پر حتی کہ ہندو پرست رہتے ہوئے بھی اگر صرف اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوئے نیک کام کرے تو نجات کا مستحق ہو سکتا ہے، نجات کے لیے اسلام میں داخل ہونا ضروری نہیں (نعوذ باللہ منہ) قرآن کریم کا اردو ترجمہ جاننے والے حضرات بھی اس تخیل کی غلطی کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔

اور پھر اگر غور کیا جائے تو اس آیت میں بھی ایمان بالرسول کی طرف واضح اشارہ ہے کیوں کہ اصطلاح قرآن میں ایمان باللہ وہی معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی ساری چیزوں پر ایمان ہو، وہ اصطلاح یہ ہے کہ فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا یعنی جس طرح کا ایمان صحابہ کرامؓ کا تھا صرف وہی ایمان باللہ کہلانے کا مستحق ہے اور ظاہر ہے کہ ان کے ایمان کا بہت بڑا رکن ایمان بالرسول تھا۔

اور تمام تفصیلی جواب سے قطع نظر..... بیچارہ ابلیس کس جرم میں مردود ہوتا، کیا اس کو ایمان باللہ نہ تھا یا روز قیامت کا منکر تھا اس نے تو عین حالت غضب میں بھی الی یوم یبعثون کہہ کر ایمان بالآخرت کا اقرار کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مغالطہ صرف اس نظریہ کی پیداوار ہے کہ مذہب کو برادری کے نیوتہ کی طرح کسی کو تحفہ میں دیا جا سکتا ہے اور اس کے ذریعہ دوسری قوتوں سے رشتے جوڑے جا سکتے ہیں۔

آیت:۷۰، ۷۱: میں بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور ان کی بغاوت دیکھئے اور اس سے ان کے "ایمان باللہ اور عمل صالح" کا اندازہ خود ہی لگا لیجئے، اور باغیانہ جرائم کر کے بالکل ہی بے فکر ہو بیٹھے اس سے ان کے ایمان بالآخرت کا اندازہ لگا لیجئے گویا ظلم اور بغاوت کے خراب نتائج بھی سامنے نہ آئیں گے۔

اگلی آیتوں میں صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کی تردید ہے، مسیح و مریم علیہما السلام اکل و شرب کی ضروریات سے مستغنی نہ تھے جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے اور جو اکل و شرب سے مستغنی نہ ہو وہ دنیا کی کسی چیز سے مستغنی نہیں ہو سکتا، پھر جو ذات اپنی بقاء میں عام انسانوں کی طرح عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیوں کر بن سکتی ہے، یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے، اگر چہ نہ کھانا بھی

www.toobaaelibrary.com

کوئی الوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خدا بن جائیں۔

حضرت مریمؑ کی ولایت ونبوت کے بارے میں اختلاف ہے اس آیت میں مقام مدح میں لفظ "صدیقۃ" سے بظاہر اشارہ اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ آپ "ولی" تھیں نبی نہیں، کیوں کہ مقام مدح میں اعلیٰ درجہ کو ذکر کیا ہے اگر آپ کو نبوت حاصل ہوتی تو یہاں "نبیۃ" کہا جاتا (روح) جمہور امت کی تحقیق یہی ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آئی یہ منصب رجال ہی کے لیے مخصوص ہے، (دیکھئے یوسف آیت ۱۰۹)(فوائد عثمانی)۔

آیت ۷۷: اس آیت میں بنی اسرائیل کی کج روی کا ایک اور پہلو بیان کیا گیا ہے، یا تو انہوں نے انبیاء کو جھٹلایا بلکہ انہیں قتل تک کر ڈالا، یا گمراہی اور کجروی کے اس کنارے پر پہنچ گئے کہ رسولوں کی تعظیم میں غلو کر کے ان کو خدا ہی بنا دیا۔ غلو کہتے ہیں دینی حدود سے آگے نکل جانا، یہ افراط وتفریط ہے جو لوازم جہالت سے ہے عرب کا مشہور مقولہ ہے الجاهل امامفرط اومفرّط یعنی جاہل کبھی اعتدال پر نہیں رہتا۔

مذاہب میں جتنے مختلف فرقے پیدا ہوئے وہ سب اسی ایک غلطی کی پیداوار ہیں، کہیں ان کو حد سے بڑھا کر جاہل پرستی تک نوبت پہنچادی گئی اور کہیں ان سے بالکل قطع نظر کر کے حسبنا اللہ کو غلط معنی پہنا کر اپنا شعار بنالیا گیا، رسول کو محض ایک قاصد اور چٹھی رساں کی حیثیت دیدی گئی۔

علامہ زمخشری نے غلو کی دو قسم کی ہے ایک ناحق اور باطل جو ممنوع ہے دوسرے حق اور جائز جس کی مثال میں انہوں نے علمی تحقیق وتدقیق کو پیش کیا ہے، مگر جمہور کی تحقیق یہ ہے کہ دوسری قسم غلو کی تعریف میں داخل ہی نہیں۔ اور اگر قرآن وسنت کے مسائل میں گہری نظر اور موشگافی غلو کی حد تک پہنچے تو وہ بھی مذموم ہے، آیت کے آخر میں بنی اسرائیل کو معتدل راہ کی ہدایت کی گئی ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝
وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝
لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا

www.toobaaelibrary.com

يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ
يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر (اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت) لعنت کی گئی تھی (زبور اور انجیل میں جس کا ظہور حضرت داؤد (علیہ السلام) اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم کی زبان سے (ہوا یعنی زبور اور انجیل میں کافروں پر لعنت لکھی تھی، جیسے قرآن مجید میں بھی ہے فلعنۃُ اللّٰہ علی الکٰفرین، چونکہ یہ کتابیں حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئیں، اس لیے یہ مضمون ان کی زبان سے ظاہر ہوا اور) یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی (اعتقادی) مخالفت کی (جو کہ کفر ہے) اور (اس مخالفت میں) حد سے (بہت دور) نکل گئے (یعنی کفر بھی شدید تھا، پھر شدید کے ساتھ مدید بھی تھا، یعنی اس پر استمرار رکھا، چنانچہ) جو برا کام (یعنی کفر) انہوں نے (اختیار) کر رکھا تھا اس سے (آئندہ کو) باز نہ آتے تھے (بلکہ اس پر مصر تھے، پس ان کے کفر شدید اور مدید کے سبب ان پر شدید لعنت ہوئی) واقعی ان کا (یہ) فعل (مذکور یعنی کفر پھر وہ بھی شدید اور مدید) بیشک برا تھا، (کہ اس پر یہ سزا مرتب ہوئی) آپ ان (یہود) میں بہت سے آدمی دیکھیں گے کہ (مشرک) کافروں سے دوستی کرتے ہیں (چنانچہ یہود مدینہ اور مشرکین مکہ میں مسلمانوں کی عداوت کے علاقہ سے جس کا منشاء اتحاد فی الکفر تھا باہم خوب سازگاری تھی) جو انہوں نے آگے (بھگتنے) کے لیے کیا ہے (یعنی کفر جو سبب تھا دوستی کفار اور عداوت مومنین کا) وہ بے شک برا ہے کہ (اس کے سبب) اللہ تعالیٰ ان پر (ہمیشہ کے لیے) ناخوش ہوا اور (اس ناخوشی دائمی کا ثمرہ یہ ہوگا کہ) یہ لوگ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، اور اگر یہ (یہودی) لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر (یعنی موسیٰ علیہ السلام) پر (ایمان رکھتے جس کا ان کو دعویٰ ہے) اور اس کتاب پر (ایمان رکھتے) جو ان (پیغمبر) کے پاس بھیجی گئی تھی (یعنی توریت) تو ان (مشرکین) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں زیادہ لوگ (دائرہ) ایمان سے خارج ہی ہیں (اس لیے کافروں کے ساتھ ان کا اتحاد اور دوستی ہو گئی) (غیر مومنین میں) تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور ان مشرکین کو پاویں گے اور ان (غیر مومن آدمیوں) میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر (بہ نسبت

www.toobaaelibrary.com

اوروں کے) ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں (قریب تر کا یہ مطلب ہے کہ دوست تو وہ بھی نہیں، مگر دوسرے کفار مذکورین سے غنیمت ہیں) یہ (دوستی سے قریب تر ہونا اور عداوت میں کم ہونا) اس سبب سے ہے کہ ان (نصاریٰ) میں بہت سے علم دوست عالم ہیں، اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں، (اور جب کسی قوم میں ایسے لوگ بکثرت ہوتے ہیں تو عوام میں بھی حق کے ساتھ زیادہ عناد نہیں رہتا، اگرچہ خواص وعوام حق کو قبول بھی نہ کریں، اور اس سبب سے ہے کہ یہ (نصاریٰ) لوگ متکبر نہیں ہیں (قسیسین ورہبان سے جلدی متاثر ہوجاتے ہیں، اور نیز تواضع کا خاصہ ہے کہ امر حق کے سامنے نرم ہوجانا اس لیے ان کو عداوت زیادہ نہیں، پس قسیسین ورہبان یعنی علماء ومشائخ کا وجود اشارہ ہے علم و فاضلہ کی طرف اور عدمِ استکبار قابلیت کی طرف، بخلاف یہود ومشرکین کے کہ محبِّ دنیا اور متکبر ہیں، اور گو یہود میں بھی بعض علماء حقانی تھے جو مسلمان ہوگئے تھے، لیکن بوجہ ان کی قلت کے عوام میں اثر نہیں پہنچتا تھا، اس لیے ان میں عناد ہے، جو سبب ہوجاتا ہے شدتِ عداوت کا، اسی لیے یہود تو مؤمن ہی کم ہوئے اور مشرکین میں سے جب عناد نکل گیا تب مؤمن ہونا شروع ہوئے) اور (بعضے ان میں...... جو کہ آخر میں مسلمان ہوگئے تھے ایسے ہیں کہ) جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو کہ رسول (ﷺ) کی طرف بھیجا گیا ہے (یعنی قرآن) تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انہوں نے (دین) حق (یعنی اسلام) کو پہچان لیا (مطلب یہ کہ حق کو سن کر متاثر ہوتے ہیں اور) یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہوگئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے (یعنی ان میں شمار کرلیجئے) جو (محمدؐ اور قرآن کے حق ہونے کی) تصدیق کرتے ہیں.....اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر (حسب تعلیم شریعت محمد ﷺ) اور جو (دین) حق ہم کو (اب) پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لاویں اور (پھر) اس بات کی امید (بھی) رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک (مقبول) لوگوں کی معیت میں داخل کردے گا، (بلکہ یہ امید موقوف اسلام پر ہے، اس لیے مسلمان ہونا ضروری ہے) سو ان (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ ان کے (اس) قول (مع الاعتقاد) کی پاداش میں ایسے باغ (بہشت کے) دیں گے جن کے (محلات کے) نیچے نہریں جاری ہوگی (اور) یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، اور نکوکاروں کی یہی جزا ہے، اور (برخلاف ان کے) جو لوگ کافر ہے اور ہماری آیات (واحکام) کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ (میں رہنے) والے ہیں۔

www.toobaaelibrary.com

تلخیص معارف ومسائل

آیت:۷۸: اس میں بنی اسرائیل کے انجام بد کا ذکر ہے، اول داؤد علیہ السلام سے لعنت مسلط ہوئی جس کے نتیجے میں وہ مسخ ہوکر خنزیر بن گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لعنت ہوئی تو بندر بن کر مسخ ہوئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں بتقاضائے مقام صرف دو پیغمبروں کی زبانی ان پر لعنت کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ در حقیقت ان پر لعنت کی ابتدار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی اور انتہار خاتم الانبیاء ؐ پر ہوئی، اس طرح مسلسل چار پیغمبروں کی زبانی ان لوگوں پر لعنت مسلط ہوئی۔

آیت:۸۲-۸۳: قرآن مجید عدل وانصاف کا سب سے بڑا داعی ہے اس لیے یہود و نصاریٰ میں بھی سب کو ایک درجہ میں شمار نہیں کیا، جس میں کوئی خوبی تھی اس کا بھی اظہار کیا اور یہ خاص جماعت حبشہ کے نصاریٰ کی ہے ان میں سے جنھوں نے حق قبول کرلیا تھا وہ نجاشی بادشاہ اور ان کے مصاحب ہیں کہ حبشہ میں بھی قرآن سن کر روئے اور مسلمان ہوگئے، پھر تیس آدمی حضور ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قرآن سن کر روئے اور اسلام قبول کیا یہی اس آیت کا شان نزول ہے۔

جمہور مفسرین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر چہ یہ آیات نجاشی اور اس کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی لیکن الفاظ میں عموم ہے اس لیے اس کا حکم ان تمام نصاریٰ کے لیے عام اور شامل ہے جو اہل حبشہ کی طرح حق پرست اور انصاف پسند ہوں۔

یہود میں بھی اگر چہ چند حضرات اسی شان کے موجود تھے، لیکن یہ تعداد اتنی کم تھی کہ امتوں اور قوموں کے ذکر کے وقت اس کو ذکر نہیں کیا جاسکتا، باقی یہود کا حال کھلا ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کی عداوت اور بیخ کنی میں سب سے آگے تھے، اور واضح ہو کہ ان آیات میں مطلقاً نصاریٰ کی بھی مدح نہیں ہے، اور وہ علی الاطلاق یہود سے بہتر نہیں ہیں البتہ نصاریٰ میں نسبتاً حق پرست زیادہ تھے یہ آیت اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لیے نازل ہوئی۔

آیت مذکورہ کے بیان سے ایک اہم بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قوم وملت کی اصلی روح حق پرست، خداترس علماء ومشائخ ہیں، ان کا وجود پوری قوم کی حیات ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ
بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ

www.toobaaelibrary.com

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ

كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ

الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي

الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ

اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ لَيْسَ عَلَي

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ربط: اب تک اہل کتاب کے متعلق گفتگو تھی، اب عود ہے احکام فرعیہ کی طرف، ایک خاص ربط یہ ہے کہ کوئی رہبانیت کے مساوی خصوصیات کو قابل مدح سمجھا جائے، اس لیے یہاں تحریم حلال کی ممانعت زیادہ مناسب معلوم ہوئی۔

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں (خواہ وہ کھانے پینے اور پہننے کی قسم سے ہوں یا منکوحات کی قسم سے ہوں) ان میں لذیذ (اور مرغوب) چیزوں کو (قسم وعہد کر کے اپنے نفسوں پر) حرام مت کرو اور حدود (شرعیہ) سے (جو کہ تحلیل وتحریم کے باب میں مقرر ہیں) آگے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ حد (شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ (برتو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو (یعنی تحریم حلال خلاف رضائے حق ہے، ڈرو، اور اس کا ارتکاب مت کرو) اللہ تعالیٰ تم سے (دنیوی) مواخذہ نہیں فرماتے (یعنی کفارہ واجب نہیں کرتے) تمہارے قسموں میں لغو قسم (توڑنے) پر لیکن (ایسا) مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو (آئندہ بات پر) مستحکم کر دو (اور پھر اس کو توڑ دو) سو اس (قسم کے توڑنے) کا کفارہ (یہ ہے کہ) دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو (معمولی طور پر) کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان میں (دس محتاجوں کو) کپڑا دینا (اوسط درجہ کا) یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا (یعنی تینوں میں جس کو چاہے اختیار کر لے) اور جس کو (ان تینوں میں سے ایک کا بھی) مقدور نہ ہو تو (اس کا کفارہ) تین دن کے (متواتر) روزے ہیں یہ (جو مذکور ہوا)

www.toobaaelibrary.com

کفارہ ہے تمہاری (ایسی) قسموں کا جب کہ تم قسم کھالو (اور پھر اس کو توڑ دو) اور (چوں کہ یہ کفارہ واجب ہے اس لیے) اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو (کبھی ایسا نہ ہو کہ قسم کو توڑ دو اور کفارہ نہ دو اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہ حکم برعایت تمہارے دنیوی و دینی مصالح کے بیان فرمایا ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے (دوسرے) احکام (بھی) بیان فرماتے ہیں تاکہ تم (اس نعمت یعنی مصالح خلق کی رعایت کا) شکر کرو۔ اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو (بوجہ ان کی مضرتوں سے بچنے کے جو آگے مذکور ہیں) فلاح ہو (اور وہ مضرتیں دنیوی بھی ہیں اور دینی بھی جن کا بیان یہ ہے کہ) شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں (برتاؤ میں) عداوت اور (دلوں میں) بغض واقع کردے۔ (چناں چہ ظاہر ہے کہ شراب میں تو عقل نہیں رہتی گالی، گلوچ دنگہ فساد ہو جاتا ہے، جس سے بعد میں بھی طبعاً کدورت باقی رہتی ہے، اور جوئے میں جو شخص مغلوب ہوتا ہے اس کو غالب پر غیظ ہوتا ہے، اور جب اس کو رنج ہوگا دوسرے پر بھی اس کا اثر پہنچے گا، یہ تو دنیوی مضرت ہوئی) اور (شیطان یوں چاہتا ہے کہ اسی شراب اور جوئے کے ذریعہ سے) اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے (جو کہ اللہ کی یاد کا سب سے افضل طریقہ ہے) تم کو باز رکھے (چناں چہ یہ بھی ظاہر ہے، کیوں کہ شراب میں تو اس کے ہوش ہی بجا نہیں ہوتے اور قمار میں غالب کو تو سرور و نشاط اس درجہ ہوتا ہے کہ وہ اس میں غرق ہوتا ہے، اور مغلوب کو مغلوب ہونے کا رنج واضمحلال اور پھر غلبہ آنے کی کوشش اس درجہ ہوتی ہے کہ اس سے فراغ نہیں ہوتا، یہ دینی مضرت ہوئی، جب ایسی بری چیزیں ہیں) سو (بتلاؤ) اب بھی باز آؤ گے! (اور تم جمیع احکام میں) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو (اور مخالفت حکم سے) احتیاط رکھو اور اگر (اطاعت سے) اعراض کروگے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف (حکم کا) پہنچا دینا تھا (اور وہ اس کو بخوبی انجام دے چکے اب تمہارے پاس کسی عذر کی گنجائش نہیں رہی) ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں۔ (اور اس وقت وہ حلال ہو گو بعد میں حرام ہو جاوے اور ان کو گناہ کیسے ہوتا) جب کہ (گناہ کا کوئی امر مقتضی نہ ہو بلکہ ایک امر مانع موجود ہو یہ کہ) وہ لوگ (خدا کے خوف سے اس وقت ناجائز چیزوں سے) پرہیز رکھتے ہوں اور (دلیل اس خوف کی یہ ہو کہ وہ لوگ) ایمان

www.toobaaelibrary.com

رکھتے ہوں (جو کہ خدا سے ڈرنے کا سبب ہے) اور نیک کام کرتے ہوں، (جو کہ خوف خدا کی علامت ہے، اور اسی حالت پر وہ عمر بھر رہیں، چناں چہ اگر وہ حلال چیز جس کو پہلے کھاتے پیتے تھے آگے چل کر حرام ہو جائے تو) پھر (اس سے بھی اسی خوف خدا کے سبب) پرہیز کرنے لگتے ہوں اور (اس خوف کی بھی دلیل مثل سابق یہی ہو کہ وہ لوگ) ایمان رکھتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں (جو کہ موقوف ہیں ایمان پر پس یہاں بھی سبب اور علامت خوف خدا کے مجتمع ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر بار کی تکرر سے کرر تحریم میں ان کا یہی عمل در آمد ہو کچھ دو تین بار کی خصوصیت نہیں، پس باوجود مانع اور استمرار مانع کے ہمارے فضل سے بعید ہے کہ وہ گناہ گار ہوں) اور (ان کی یہ خاص طریقہ مذکور کی نیکوکاری صرف لزوم گناہ سے مانع ہی نہیں بلکہ وجود ثواب ومحبوبیت کو مقتضی بھی ہے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں (پس ان میں مبغوض ہونے کا احتمال تو کب ہو سکتا ہے، یہ تو غیر مبغوض ہونے سے گذر کر محبوب ہونے کا درجہ رکھتے ہیں)

تلخیص معارف ومسائل

ترک دنیا اگر حدود الٰہیہ کے اندر ہو تو ایک درجہ میں پسندیدہ ہے، ورنہ حرام ہے۔

کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کے تین درجات ہیں، ایک اعتقاداً، دوسرے قولاً، تیسرے قول واعتقاد تو کچھ نہ ہو مگر دائمی ترک کا عزم ہو، پہلی صورت میں قانون الٰہی کی صریح مخالفت کی وجہ سے کافر ہو جائے گا، دوسری صورت میں اگر الفاظ قسم کہا کر اس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے تو قسم ہو جائے گی، مگر بلا ضرورت ایسی قسم گناہ ہے، اس کا توڑنا لازم ہے، کفارۂ قسم ادا کرے، تیسری صورت میں اگر حلال کو چھوڑنا ثواب سمجھتا ہے تو یہ بدعت ورہبانیت ہے جس کا گناہ عظیم ہونا قرآن وسنت میں منصوص ہے، اس کے خلاف کرنا واجب ہے، اور پابندی پر قائم رہنا گناہ ہے، ہاں اگر بہ نیت ثواب نہ ہو بلکہ کسی جسمانی یا روحانی بیماری کے سبب سے کسی چیز کو دائما چھوڑ دے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اگلی آیت میں قسم کھانے کا حکم مذکور ہے۔

قسم کھانے کی چند صورتیں اور ان سے متعلقہ احکام

(۱) کسی گذشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے کو یمین غموس کہتے ہیں، یہ سخت گناہ کبیرہ اور موجب وبال دنیا وآخرت ہے، مگر اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا تو بہ واستغفار لازم ہے، غموس کے معنی ڈبا دینے والے یعنی یہ قسم ان کو گناہ میں غرق

www.toobaaelibrary.com

کر دینے والی ہے۔

(۲) کسی گذشتہ واقعہ پر اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے مگر واقعتۃً وہ غلط ہو تو اس کو یمین لغو کہتے ہیں، اسی طرح بلا قصد زبان سے قسم نکل جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ نہ گناہ ہے نہ اس پر کفارہ ہے۔

(۳) تیسری صورت قسم کی یہ ہے کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یمین منعقدہ کہتے ہیں، اس کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اس پر گناہ بھی ہوتا ہے۔

آگے کفارہ کی تفصیل ہے، دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو تو متوسط درجہ کا صبح و شام دو وقت، یا پیٹ بھر کر کھانا مسکین کی ملکیت میں دیدے، روزہ رکھنا جب ہے کہ ان تینوں میں سے کسی پر قدرت نہ ہو۔

قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی معتبر نہیں ہو احفظوا ایمانکم یعنی بلا ضرورت شرعی یا طبعی قسم نہ توڑو، یا قسم کھانے میں جلدی نہ کرو، آیت ۹۰ میں حرام چیزوں کے استعمال کی ممانعت بیان ہو رہی ہے۔

کائنات کی تخلیق انسان کے نفع کے لیے ہے، انسان کو مخدوم کائنات بنایا ہے، انسان کا کام یہ ہے کہ مالک کی ہدایت کے مطابق اس کی مخلوقات کا استعمال کرے اسی کا نام عبدیت ہے۔ رِجس عربی زبان میں ایسی گندی چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کی طبیعت کو گھن اور نفرت پیدا ہو، (عقل سلیم اور طبع سلیم شرط ہے) ازلام اس کی تفصیل سورت کی ابتدائی آیات حُرمت علیکم المیتۃ کے تحت گذر چکی ہے، البتہ قرعہ اندازی ایک صورت میں جائز اور ثابت ہے جب کہ حصے اور حقوق سب کے مساوی ہوں۔ انصاب نُصُب کی جمع ہے، ایسی چیز جو عبادت کے لیے کھڑی کی گئی ہو خواہ بت ہو یا کوئی درخت، پتھر وغیرہ۔

آیت:۹۰: کا شان نزول دراصل شراب اور جوئے کی حرمت اور مفاسد کو بیان کرنا ہے انصاب کا ذکر یہ بتلانے کے لیے کر دیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو کہ یہ ایسا سخت جرم ہے جیسے بت پرستی، ابن ماجہ کی حدیث ہے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: شارب "الخمر کعابد الوثن" اور بعض روایتوں میں آتا ہے شارب الخمر کعابداللات والعزّٰی۔ آخر میں فرمایا تمہاری فلاح دارین اسی میں ہے کہ تم ان سے اجتناب کرتے رہو۔

آیت:۹۱: میں شراب اور جوئے کے دنیوی مفاسد کا بیان ہے، اور یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ شراب کے نشے میں جب آدمی عقل کھو بیٹھتا ہے تو اس سے ایسی حرکات کا صدور لازمی ہو جاتا ہے، ایسے ہی جوئے میں ہارنے والا ہے کہ اپنے حریف پر غیظ و غضب اور بغض وعناد اس کے لازمی اثرات

www.toobaaelibrary.com

میں سے ہے ہو یصدکم الخ: اگر بغور دیکھا جائے تو ذکر اللہ اور نماز سے غفلت یہ دنیا و آخرت اور جسم و روح دونوں کے لیے مضر ہے کہ اللہ سے غافل کی دنیا بھی وبال جان ہو جاتی ہے کہ اس کے بکھیڑے ایک مستقل غم ہوتے ہیں۔

اگر دنیا نہ باشد دردمندیم ❁ اگر باشد بمہرش پائے بندیم

کے مصداق ہوتا ہے، بخلاف اس شخص کے جس کا دل اللہ کی یاد سے روشن اور نور نماز سے منور ہے دنیا کے مال و منال اور جاہ و منصب اس کے قدموں پر گرتے ہیں، اور اگر یہ چیزیں جاتی رہیں تو ان کے قلوب ان سے متاثر نہیں ہوتے، ان کا یہ حال ہوتا ہے۔

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے ❁ بہ پیش ہمت ما ہر چہ آمد بود مہمانے

نماز ذکر اللہ میں اگرچہ داخل ہے مگر نماز کی اہمیت اور ذکر اللہ کی تمام اقسام میں افضل و اشرف ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مستقلاً ذکر فرمایا گیا ہے۔

آیت ۹۲: میں اس حکم کو آسان اور عمل کو سہل بنانے کے لیے فرمایا یا و اطیعوا الخ: اور اگر کوئی بھی رسول کی بات نہ مانے تو اس کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہیں آتا، کیوں کہ جتنا کام ان کے سپرد تھا وہ کر چکے۔

آیت ۹۳: ان لوگوں کے لیے ہے جو تحریم خمر و میسر سے پہلے ہی اس میں مبتلا ہو کر دنیا سے چلے گئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ
يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ
وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ
مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ
عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ
الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ
الْهَدْيَ وَالْقَلَاۗىِٕدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا

www.toobaaelibrary.com

اللّٰهَ يَاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جن تک (بوجہ تم سے دور دور نہ بھاگنے کے) تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے (مطلب امتحان کا یہ کہ حالتِ احرام میں وحوش کے شکار کرنے کو تم پر حرام کر کے جیسا آگے تصریحاً آتا ہے، ان وحوش کو تمہارے آس پاس پھراتے رہیں گے) تاکہ اللہ تعالیٰ (ظاہری طور پر بھی) معلوم کرے کہ کون شخص اس سے (یعنی اس کے عذاب سے) بن دیکھے ڈرتا ہے (اور ارتکاب حرام سے جو کہ موجب عذاب ہے بچتا ہے، اسی سے التزاماً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ شکار حرام ہے) سو جو شخص اس (حرمت) کے بعد (جس پر ابتلاء بھی دلالت کر رہا ہے) حد (شرعی) سے نکلے گا (یعنی شکار ممنوع کا مرتکب ہوگا) اس کے واسطے دردناک سزا (مقرر) ہے، (چنانچہ شکاری جانور اسی طرح آس پاس لگے پھرتے تھے، چونکہ صحابہ میں بہت سے شکار کے عادی تھے اس میں ان کی اطاعت کا امتحان ہو رہا تھا جس میں وہ پورے اترے، آگے ممانعت کی زیادہ تصریح ہے کہ) اے ایمان والو وحشی شکار کو (باستثناء ان کے کہ جن کو شرع نے مستثنیٰ کر دیا) قتل مت کرو، جب کہ تم حالت احرام میں ہو (اسی طرح جب کہ وہ شکار حرم میں ہو گو شکاری احرام میں نہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے) اور جو شخص تم میں اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر (اس کے قتل کی) پاداش واجب ہوگی جو کہ (باعتبار قیمت کے) مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس (کے تخمینہ) کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں (کہ دینداری میں بھی قابل اعتبار ہوں، اور تجربہ و بصیرت میں بھی، پھر اس قاتل کو تخمینۂ قیمت کے بعد اختیار ہے) خواہ (اس قیمت کا کوئی ایسا جانور خریدے کہ) وہ پاداش (کا جانور) خاص چوپاؤں میں سے ہو (یعنی اونٹ، گائے بھینس، بھیڑ بکری نر ہو یا مادہ) بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ (کے پاس) تک (یعنی حرم کے اندر) پہنچائی جائے اور خواہ (اس قیمت کے برابر غلہ بطور) کفارہ (کے) مساکین کو دیدیا جائے (یعنی ایک مسکین کو بقدر ایک صدقۃ الفطر کے دیا جائے) اور خواہ اس (غلہ) کے برابر روزے رکھ لیے جائیں (برابری کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین کے حصہ یعنی فطرہ کے بدلے ایک روزہ اور یہ پاداش اس لیے مقرر کی ہے) تاکہ اپنے کیے کی شامت کا مزہ چکھے (بخلاف اس شخص کے جس نے قصداً شکار نہ کیا ہو کہ گو اس پر بھی جزاء تو یہی واجب ہے مگر وہ فعل کی سزا نہیں، بلکہ محل محترم یعنی شکار حرم جو کہ حرم کی وجہ سے محترم یا احرام کی وجہ سے کالمحترم ہو گیا ہے

www.toobaaelibrary.com

اس کا ضمان اور جزاء ہے اور اس جزا کے ادا کر دینے سے) اللہ تعالیٰ نے گزشتہ کو معاف فرما دیا اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا (چونکہ اکثر عود میں ایک گونہ پہلی بار سے زیادہ جرأت ہوتی ہے) تو (اس وجہ سے علاوہ جزاء مذکور کے جو کہ اصل فعل یا محل کا عوض ہے آخرت میں) اللہ تعالیٰ اس سے (اس جرأت کا) انتقام لیں گے (البتہ اگر توبہ کر لے تو انتقام کا سبب ختم ہو جائے گا) اور اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لے سکتے ہیں تمہارے لیے (حالت احرام میں) دریا (یعنی پانی) کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا (سب) حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے (اور تمہارے) مسافروں کے (انتفاع کے) واسطے (کہ سفر میں اسی کو توشہ بنا دیں) اور خشکی کا شکار (گو بعض صورتوں میں کھانا حلال ہو مگر) پکڑنا (یا اس میں معین ہونا) تمہارے لیے حرام کیا گیا ہے، جب تک تم حالت احرام میں رہو اور اللہ تعالیٰ (کی مخالفت) سے ڈرو، جس کے پاس جمع (کر کے حاضر) کیے جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ نے کعبہ کا جو کہ ادب کا مکان ہے، لوگوں (کی مصلحتوں) کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور (اسی طرح) عزت والے مہینہ کو بھی اور (اسی طرح) حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور (اسی طرح) ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں (اس نشانی کے لیے) پٹے ہوں (کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں حرم میں ذبح ہو نگے) یہ (قرار داد علاوہ دنیوی مصلحتوں کے) اس (دینی مصلحت کے) لیے (بھی) ہے تاکہ (تمہارا اعتقاد درست اور پختہ ہو اس طرح سے کہ تم ان مصالح سے استدلال کر کے) اس بات کا یقین (ابتداءً یا کمالاً) کر لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم (کامل) رکھتے ہیں (کیونکہ ایسا حکم مقرر کرنا جس میں آئندہ کے ایسے مصالح مرعی ہوں کہ عقول بشریہ ان کو سوچ نہ سکیں دلیل ہے کمال صفت علمیہ کی) اور (ان معلومات مذکورہ کے ساتھ تعلق علم کامل سے استدلال کر کے یقین کر لو کہ) بیشک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتے ہیں، (کیونکہ ان معلومات کے علم پر کسی چیز نے مطلع نہیں کیا، معلوم ہوا کہ علم ذاتی کی نسبت جمیع معلوم کے ساتھ یکساں ہوتی ہے) تم یقین سے جانو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والے ہیں (تو ان کے احکام کے خلاف مت کیا کرو اور جو احیاناً ہو گیا ہو، موافق قواعد شرعیہ کے توبہ کر لو) رسولؐ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے، (سو وہ خوب پہنچا چکے اب تمہارے پاس عذر و حیلہ نہیں رہا) اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ تم (زبان یا جوارح سے) ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو (سو تم کو چاہیے کہ اطاعت ظاہر و باطن دونوں سے کرو) آپ (اے محمدؐ ان سے یہ بھی) فرما دیجیے کہ ناپاک

www.toobaaelibrary.com

اور پاک (یعنی گناہ اور اطاعت یا گناہ کرنے والا یا اطاعت کرنے والا) برابر نہیں (بلکہ خبیث مبغوض ہے اور طیب مقبول ہے، پس اطاعت کر کے مقبول بننا چاہیے، معصیت کر کے مبغوض نہ ہونا چاہیے، اگرچہ اے دیکھنے والے) تجھ کو ناپاک کی کثرت (جیسا کہ اکثر دنیا میں یہی واقع ہوتا ہے) تعجب میں ڈالتی ہو (کہ باوجود ناپسند ہونے کے یہ کثیر کیوں ہے، مگر یہ سمجھ لو کہ کثرت جو کسی حکمت سے ہے دلیل محمود ہونے کی نہیں، جب کثرت پر مدار نہیں رہا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم وعقاب پر بھی مطلع ہو گئے) تو (اس کثرت دیکھو بلکہ) خدا تعالیٰ (کے خلاف حکم کرنے) سے ڈرتے رہو تاکہ تم (پورے طور سے) کامیاب ہو (کہ وہ جنت اور رضائے حق ہے)

ربط: اب آنے والی آیات میں اس کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مکمل اختیار ہے کہ خاص خاص مدت میں خاص خاص چیزوں کو حرام قرار دیدیں (بیان القرآن)

مسئلہ: یہ صید جو بحالت احرام حرام ہے خواہ ماکول ہو یا غیر ماکول (لاطلاق الآیۃ) صید سے یہاں مراد وحشی جانور ہے اہلی نہیں، البتہ جو دلیل سے مستثنیٰ ہو چکے ہیں جیسے دریائی جانور کا شکار اور بعض خشکی کے جانور اور وہ پرندہ اور درندہ جو نقصان پہنچاتے ہوں خود حملہ کرتے ہوں ان کا بھی استثنا حدیث میں مذکور ہے الصید میں معلوم ہوا کہ الف لام عہد کا ہے۔

مسئلہ: محرم کو غیر احرام اور غیر حرم میں کیا ہوا شکار کھانا جائز ہے بشرطیکہ یہ اس کے قتل وغیرہ میں معین ومشیر نہ ہو حدیث میں ایسا ہی ارشاد ہے اور آیت کے الفاظ میں اشارہ ہے فرمایا لاتقتلوا نہ کہ لاتاکلوا!

مسئلہ: حرم کے شکار پر نسیانا و خطا بھی جزاء واجب ہے (اخرجہ الروح) اور پہلی بار کی طرح دوسری اور تیسری بار بھی قتل کرنے پر جزا واجب ہے، اور جزاء کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت اور جس جگہ میں یہ جانور قتل ہوا ہے بہتر تو یہ ہے کہ دو عادل شخص سے اور جائز یہ ہے کہ ایک ہی عادل شخص سے اس جانور کی قیمت کا تخمینہ کرائے، پھر اگر جانور غیر ماکول ہے تب تو یہ قیمت ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہوگی اور اگر ماکول تھا تو حسب تخمینہ سب واجب ہوگا۔

ادائیگی جزا کی تین صورتیں ہیں اور اختیاری ہیں، خواہ اس قیمت کا کوئی جانور خرید کر حسب شرائط قربانی حدود حرم میں ذبح کر کے فقراء کو بانٹ دے، یا اس کی قیمت کے برابر غلہ حسب شرائط صدقۂ فطر کے فی مسکین نصف صاع فقراء کو دیدے، یا بحساب فی مسکین نصف صاع جتنے مساکین کو وہ غلہ پہنچ سکتا ہو اتنے شمار سے روزے رکھ لے۔

www.toobaaelibrary.com

تقسیم غلہ اور روزوں میں حرم کی کوئی قید نہیں، اور اگر قیمت نصف صاع سے بھی کم واجب ہوئی ہے تو اختیار ہے خواہ ایک مسکین کو دیدے یا ایک روزہ رکھ لے، اس طرح فی مسکین نصف صاع دے کر نصف صاع سے کم بچ گیا تو بھی یہی اختیار ہے کہ خواہ وہ بقیہ ایک مسکین کو دیدے یا ایک روزہ رکھ لے۔ (نصف صاع یعنی پونے دو سیر)

مسئلہ: تخمینہ مذکور میں جتنے مساکین کا حصہ قرار دیا وہ اگر ان کو دو وقت کھانا شکم سیر کر کے کھلادے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ: اگر اس قیمت کے برابر ذبح کے لئے جانور تجویز کیا مگر کچھ قیمت بچ گئی تو اس بقیہ میں اختیار ہے خواہ دوسرا جانور خرید لے یا اس کا غلہ دیدے یا غلہ کے حساب سے روزے رکھ لے، جس طرح قتل میں جزاء واجب ہے اسی طرح ایسے جانور کو زخمی کرنے میں تخمینہ کرایا جائے گا کہ اس سے جانور کی کس قدر قیمت کم ہوگئی، اس مقدار قیمت میں پھر وہی تین مذکورہ صورتیں جائز ہوں گی۔

مسئلہ: محرم کو ذبح کرنا بھی حرام ہے، محرم کا ذبح کرنا مردار کا سا ہوگا۔

مسئلہ: اگر جنگل میں قتل کیا ہے تو اس کے قریب کی آبادی کے اعتبار سے تخمینہ کیا جائیگا۔

آیت:۹۷: آیت میں امن و امان کے چار ذرائع بتائے گئے، اول کعبہ: قبیلہ خثعم کے بنائے ہوئے کعبہ سے ممتاز کرنے کے لیے البیت الحرام کا لفظ بڑھایا گیا قیاماً للناس یعنی کعبہ اور اس کے متعلقات لوگوں کے قیام و بقاء کا سبب اور ذریعہ ہیں۔ للناس یعنی جن پر حج فرض ہو وہ حج ادا کرتے رہیں تو اس وقت تک یہ پوری دنیا قائم اور محفوظ رہے گی اور اگر ایک سال بھی ایسا ہو جائے کہ کوئی حج نہ کرے یا کوئی شخص بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا نہ کرے تو پوری دنیا میں عذاب عام آجائے گا۔

بیت اللہ پورے عالم میں عمود ہے، رہا یہ معاملہ کہ نظام عالم اور بیت اللہ میں کیا جوڑ ہے اور ربط ہے؟... تو اس کی حقیقت معلوم ہونا ضروری نہیں، یہ ایک معنوی چیز ہے لیکن عرب اور اہل مکہ کے لیے اس کا موجب امن وسلامتی ہونا طویل تجربات اور مشاہدات سے ثابت ہے۔

دنیا میں قیام امن کی صورت حکومتوں کے قوانین ہوتے ہیں، اور جاہلیت عرب میں نہ کوئی باقاعدہ حکومت تھی اور نہ امن عامہ کے لیے قانون عام تھا،... اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کو حکومت کے قائم مقام ذریعۂ امن بنا دیا۔

بیت اللہ شریف کی حرمت و تعظیم حق تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت میں بھی عام لوگوں کے دلوں میں اس

www.toobaaelibrary.com

طرح بیبت کردی تھی کہ اس کے احترام کے لیے اپنے سارے جذبات وخواہشات کو پیچھے ڈال دیتے تھے۔

عرب جاہلیت اپنی تمام جنگ جوئی اور قبائلی تعصب کے باوجود اپنے جانی دشمن یا سخت سے سخت مجرم کو اگر وہ حرم میں داخل ہو جائے تو انتہائی غم وغصہ کے باوجود اس کو کچھ نہ کہتے، باپ کا قاتل حرم میں بیٹے کو ملتا تو بیٹا نیچی نظریں کر کے گذر جاتا تھا۔

الهدى حرم میں قربانی کا جانور۔قلائد حج کی علامت کے لیے ہار۔ الشهر الحرام شہر مفرد ہے عام مفسرین نے اس سے مراد ماہ ذی الحجہ لیا ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد جنس ہے یعنی سارے ہی اشہر حرم (عزت کے مہینے) ان تینوں کا بھی حرم محترم کی طرح احترام تھا، اور غور کیا جائے تو یہ تینوں چیزیں بیت اللہ کے متعلقات میں سے ہیں۔

۔ خلاصہ یہ ہے کہ بیت اللہ اور اس کے متعلقات کو اللہ تعالیٰ نے پورے عالمِ انسانیت کے لئے عموماً اور عرب اور اہل مکہ کے لئے خصوصاً ان کے تمام امور دین ودنیا دونوں کے لئے قیام وقوام بنادیا ہے قیاما للناس بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بیت اللہ اور حرم محترم سب کے لئے جائے امن بنایا ہے، بعض نے کہا کہ اس سے مراد اہل مکہ کے لیے وسعت رزق ہے، بعض نے کہا کہ خادم ومحافظ بیت اللہ کو لوگ اللہ والا سمجھ کر ان کے ساتھ تعظیم کا معاملہ کرتے تھے اس سے ان کا یہ خاص اعزاز مراد ہے، امام رازیؒ نے کہا کہ ان سب اقوال میں کوئی اختلاف نہیں، قیاما للناس کے مفہوم میں یہ سب داخل ہیں۔

آیت:۹۸: میں فرمایا اعلموا أن الله شديدُ العقاب وأن الله غفورٌ رحيمٌ یعنی جو احکام حلال وحرام کے دیے گئے وہ عین حکمت ومصلحت ہیں، ان کی تعمیل ہی میں تمہاری خیر ہے، ان کی خلاف ورزی میں سخت وبال وعذاب ہے، اور اگر انسانی بھول اور غفلت سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فوراً عذاب نہیں دیتے بلکہ توبہ کرنے والوں کے لیے مغفرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

آیت: ۱۰۰: میں فرمایا قل لا يستوى الخبيث والطيب اکثر مفسرین کے نزدیک خبیث سے مراد حرام یا ناپاک ہے اور طیب سے مراد حلال اور پاک، اور اپنے عموم کے اعتبار سے یہ حرام وحلال مال ودولت کو بھی شامل ہے، اور اچھے برے انسانوں کو بھی اور بھلے برے اعمال واخلاق کو بھی۔

آگے فرمایا ولو اعجبك كثرة الخبيث ......مگر یہ انسانی علم وشعور کی بیماری اور احساس کا قصور ہے۔

اس آیت کا شان نزول: بعض روایات میں ہے جب شراب اور اس کی خرید وفروخت کو ممنوع

www.toobaaelibrary.com

کر دیا گیا تو ایک شراب فروش نے جو اسی مد سے مال جمع کر رکھا تھا پیغمبر علیہ السلام سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اگر میں نے اپنے اس مال کو کسی نیک کام میں خرچ کر دی تو کیا وہ میرے لیے مفید ہوگا؟ ..... ارشاد فرمایا: کہ اگر تم اس کو حج یا جہاد وغیرہ میں خرچ کرو گے تو وہ اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی قیمت نہ رکھے گا اللہ تعالیٰ پاک اور حلال کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں فرماتے، یہ تو ہوا آخرت کے اعتبار سے، لیکن غور کیا جائے اور سب کاموں کے آخری انجام کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے کاروبار میں بھی حلال وحرام برابر نہیں ہوتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب ناجائز ٹیکس بند کر دیے اور اس سلسلے کے اموال واپس کئے گئے تو سرکاری بیت المال خالی ہو گیا، اور آمدنی سب محدود ہو گئی، تو ایک صوبہ کے گورنر نے خط لکھا کہ فکر ہے کہ کاروبار کس طرح چلیں گے، خلیفۂ راشدؒ نے جواباً یہی آیت تحریر فرمائی۔

اور لکھا کہ تم سے پہلے لوگوں نے ظلم وجور سے جتنا خزانہ بھرا تھا تم اس کے بالمقابل عدل وانصاف قائم کر کے اپنے خزانہ کو کم لو اور کوئی پرواہ نہ کرو ہماری حکومت کے کام اسی کم مقدار سے پورے ہوں گے۔

کثرت وقلت کسی چیز کی اچھائی یا برائی کو جانچنے کا معیار نہیں ہے بلکہ کسی چیز کی اچھائی اور بہتری اس چیز اور اس جماعت کے ذاتی حالات وکیفیات پر دائر ہوتی ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ولو اعجبک الخ: کے الفاظ سے واضح فرمایا ہے۔

ہاں عددی کثرت کو اسلام نے بھی بعض مواقع میں فیصلہ کن قرار دیا ہے وہ اس جگہ جہاں قوت دلیل اور ذاتی خوبیوں کے موازنہ کا فیصلہ کرنے والا کوئی صاحب اقتدار حاکم نہ ہو، ایسے موقع پر جھگڑا چکانے کے لیے عددی کثرت کو ترجیح دیدی جاتی ہے، جیسے نصب امام کا مسئلہ۔

کسی چیز کی تعدادی کثرت کا مرغوب ہونا یا کثرت بمقابلہ قلت کے حق وصحیح کا معیار قرار دینا عقل والوں کا کام ہے اسی لئے عقلاء کو خطاب کر کے ان کو غلط رویہ سے روکنے کے لیے فرمایا: فاتقوا اللہ یاولو الالباب.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَاۗىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى

www.toobaaelibrary.com

الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ
الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ
الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ
شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ
اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰي وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! ایسی (فضول) باتیں مت پوچھو (جن میں احتمال ہو کہ) اگر تم سے ظاہر کر دی جاویں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو (یعنی یہ احتمال ہو کہ جواب تمہاری منشار کے خلاف آیا تو تمہیں ناگوار ہوگا) اور (جن میں یہ احتمال ہو کہ) اگر تم زمانہ نزول قرآن (اور وحی) میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کر دی جاویں (یعنی سوال کرنے میں تو یہ دوسرا احتمال ہو کہ جواب مل جائے اور جواب ملنے میں وہ پہلا احتمال ہو کہ ناگوار گذرے، اور یہ دونوں احتمال جو مجموعی طور پر علت نہی سوال کی ہیں واقعی ہیں پس ایسا سوال ممنوع ہے ،خیر) سوالات گذشتہ (جو اس وقت تک کر چکے ہو وہ تو) اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیے (مگر آئندہ مت کرنا) اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں (اس لیے گذشتہ سوالات معاف کر دیے اور) بڑے حلم والے ہیں (اس لیے اگر آئندہ کے خلاف ورزی پر دنیا میں سزا نہ دے تو دھوکہ میں مت پڑ جانا کہ آگے بھی کوئی عذاب وسزا نہ ہوگی) ایسی باتیں تم سے پہلے (زمانہ میں) اور (امتوں کے) لوگوں نے بھی (اپنے پیغمبروں سے) پوچھی تھیں پھر (ان کو جواب ملا تو) ان باتوں کا حق نہ بجالائے (یعنی ان جوابوں میں جو متعلق احکام کے تھے ان کے موافق عمل نہ کیا، اور جو متعلق واقعات کے تھے ان سے متأثر نہ ہوئے، پس کہیں تم کو بھی ایسی ہی نوبت نہ پیش آئے، اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ ایسے سوالات چھوڑ دو) اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ (ان رسوم کے باب میں) اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں (کہ خدا تعالیٰ ان اعمال

www.toobaaelibrary.com

سے خوش ہیں) اور اکثر کافر (دین کی) عقل نہیں رکھتے اور (اس سے کام نہیں لیتے بلکہ محض اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی ایسی جہالتیں کرتے ہیں) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف (جن پر وہ احکام نازل ہوئے ہیں) رجوع کرو (جو امر اس سے حق ثابت ہو حق سمجھو اور جو باطل ہو باطل سمجھو) تو کہتے ہیں کہ ہم کو (ان احکام اور رسول کی ضرورت نہیں ہم کو) وہی (طریقہ) کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) کیا (وہ طریقہ ان کے لیے ہر حال میں کافی ہے) اگرچہ ان کے بڑے (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ (کسی آسمانی کتاب کی) ہدایت رکھتے ہوں، اے ایمان والو اپنی (اصلاح کی) فکر کرو (اصل کام تمھارے ذمہ یہ ہے، باقی دوسروں کی اصلاح کے متعلق یہ ہے کہ جب تم اپنی طرف سے اپنی قدرت کے مطابق اصلاح کی سعی کر رہے ہو مگر دوسرے پر اثر نہیں ہوتا تو تم اثر مرتب نہ ہونے کی فکر میں نہ پڑو کیونکہ) جب تم (دین کی) راہ پر چل رہے ہو (اور واجبات دین کو ادا کر رہے ہو اس طرح کہ اپنی اصلاح بھی کر رہے ہو اور دوسروں کی اصلاح میں بھی کوشش کر رہے ہو) تو جو شخص (باوجود تمھاری سعی اصلاح کے بھی) گمراہ رہے تو اس کے (گمراہ رہنے) سے تمھارا کوئی نقصان نہیں (اور جیسا اصلاح وغیرہ میں حد سے زیادہ فکر وغم سے منع کیا جاتا ہے ایسا ہی ہدایت سے نا امید ہونے کی صورت میں غصہ میں آکر دنیا ہی میں ان پر سزا نازل ہونے کی تمنا بھی ممنوع ہے، کیونکہ حق و باطل کا مکمل فیصلہ تو آخرت میں ہوگا، چنانچہ) اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو بتلا دیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے (اور جتلا کر حق پر ثواب اور باطل پر عذاب کا حکم نافذ فرما دیں گے) اے ایمان والو تمھارے آپس (کے معاملات) میں (مثلاً ورثا کو مال سپرد کرنے کے لیے) دو شخص وصی ہونا مناسب ہے (گو بالکل وصی نہ بنانا بھی جائز ہے جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے (یعنی) جب وصیت کرنے کا وقت ہو (اور) وہ شخص دو ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) ہو یا غیر قوم کے دو شخص ہو اگر (اگر مسلمان نہ ملیں مثلاً) تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جائے (اور یہ سب امور واجب نہیں. بلکہ مناسب اور بہتر ہیں، ورنہ جس طرح بالکل وصی نہ بنانا جائز ہے اسی طرح اگر ایک وصی ہو یا عادل نہ ہو یا حضر میں غیر مسلم کو بنا دے سب جائز ہے، پھر ان اوصیاء کا یہ حکم ہے کہ اگر (کسی وجہ سے ان پر) تم کو (اے ورثاء) شبہ ہو تو (اے حکام مقدمہ اس طرح فیصل کرو کہ اول ورثاء سے چونکہ وہ مدعی ہیں اس امر پر گواہ طلب کرلو کہ انھوں نے

www.toobaaelibrary.com

فلاں چیز مثلاً جام لے لیا ہے، اور اگر وہ گواہ نہ لا سکیں تو ان اوصیاء سے چونکہ وہ مدعا علیہ ہیں، اس طرح قسم لو کہ) ان دونوں (وصیوں) کو بعد نماز (عصر مثلاً) روک لو (کیونکہ اکثر اس وقت مجمع زیادہ ہوتا ہے تو جھوٹی قسم کھانے والا کچھ نہ کچھ شرماتا ہے، نیز وقت بھی معظم ہے، کچھ اس کا بھی خیال ہوتا ہے اور مقصود اس سے تغلیظ یمین کی ہے، زمان متبرک و مکان اجتماع خلق کے ساتھ) پھر دونوں (اس طرح) خدا کی قسم کھاویں کہ (صیغہ حلف کے ساتھ یہ کہیں کہ) ہم اس قسم کے عوض کوئی (دنیا) کا نفع نہیں لینا چاہتے (کہ دنیا کا نفع حاصل کرنے کے لیے قسم میں سچ بولنے کو چھوڑ دیں) اگرچہ (اس واقعہ میں ہمارا) کوئی قرابت دار بھی (کیوں نہ) ہوتا (جس کی مصلحت کو اپنی مصلحت سمجھ کر ہم جھوٹی قسم کھاتے اور اب تو کوئی ایسا بھی نہیں، جب دوہری مصلحتوں کی وجہ سے ہم جھوٹ نہ بولتے تو ایک مصلحت کے لیے تو ہم کیوں ہی جھوٹ بولیں گے) اور اللہ کی (طرف سے جس) بات (کہنے کا حکم ہے اس) کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے (ورنہ) ہم (اگر ایسا کریں تو) اس حالت میں سخت گنہگار ہوں گے (یہ تغلیظ قولی ہے جس سے مقصود استحضار ہے وجوب صدق و حرمت کذب و عظمت الٰہیہ کا جو مانع ہو دروغ حلفی سے، اب دونوں تغلیظ کے بعد اگر حاکم کی رائے ہو تو بلا تغلیظ اصل مضمون کی قسم کھاویں، مثلاً ہم کو میت نے پیالہ نہیں دیا، اور اس پر مقدمہ فیصل کر دینا چاہیے، چنانچہ اس آیت کے واقعہ میں ایسا ہی ہوا) پھر (اس کے بعد) اگر (کسی طریق سے ظاہراً) اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں وصی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں (واقعۂ آیت میں جس کو پہلے ذکر کر دیا گیا ہے، جب پیالہ مکہ میں ملا اور دونوں وصیوں نے دریافت کرنے پر میت سے خریدنے کا دعویٰ کیا جس سے میت سے لے لینے کا اقرار لازم آتا ہے، اور وہ ان کے پہلے قول کا مخالف ہے، جس میں مطلقاً لینے ہی سے انکار کیا تھا، چونکہ اقرار بالمعز حجت ہے، اس لیے ظاہراً ان کا خائن اور کاذب ہونا معلوم ہوا) تو (ایسی صورت میں مقدمہ کا رخ بدل جائے گا، وصی جو کہ پہلے مدعا علیہ تھے اب خریدنے کے مدعی ہو گئے اور ورثاء جو کہ پہلے مدعی خیانت کے تھے اب مدعا علیہ ہو گئے، اس لیے اب فیصلہ کی یہ صورت ہو گی کہ اول وصیوں سے گواہ خریدنے کے طلب کیے جائیں، اور جب وہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان (وارث) لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں (ان اوصیاء کی جانب سے) گناہ (مذکور) کا ارتکاب ہوا تھا اور (جو کہ شرعاً مستحق میراث ہوں مثلاً صورت واقعہ آیت میں) دو شخص (تھے) جو سب (ورثہ) میں باعتبار (استحقاق میراث (قریب تر ہیں جہاں (حلف کے لیے) وہ دونوں (وصی) کھڑے ہوئے تھے (اب) یہ دونوں

www.toobaaelibrary.com

(حلف کے لیے) کھڑے ہوں پھر دونوں (اس طرح) خدا کی قسم کھاویں کہ (صیغہ حلف کے ساتھ یہ کہیں کہ) بالیقین ہماری یہ قسم (بوجہ اس کے کہ بالکل اشتباہ سے ظاہراً وحقیقتاً پاک ہے) ان دونوں (اوصیاء) کی اس قسم سے زیادہ راست ہے (کیونکہ اس کی حقیقت کو گو ہم کو علم نہیں، لیکن ظاہراً تو وہ مشتبہ ہوگئی) اور ہم نے (حق سے) تجاوز نہیں کیا (ورنہ) ہم (اگر ایسا کریں تو) اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے، (کیونکہ پرایا مال جان بوجھ کر بلا اجازت لے لینا ظلم ہے، یہ بھی تغلیظ ہے، جو حاکم کی رائے پر ہے، پھر اصل مضمون پر قسم لی جائے، جس کا صیغہ بوجہ اس کے کہ فعل غیر پر ہے یہ ہوگا کہ خدا کی قسم ہمارے علم میں میت نے ان مدعیوں کے ہاتھ جام فروخت نہیں کیا، اور چونکہ علم کی واقعیت وعدم واقعیت کی کوئی ظاہری سبیل نہیں ہو سکتی، اس لیے اس واقعیت پر زیادہ موکد قسم لی گئی، جیسا لفظ اَحَقّ دال ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ اس کا مدار چونکہ میرے ہی اوپر ہے اس لیے قسم کھاتا ہوں کہ جیسا اس میں کذب ظاہری کا ثبوت نہیں ہو سکتا اسی طرح حقیقت میں کذب بھی نہیں ہے، اور یہ قرینہ مفید ہے، کہ یہاں حلف علم پر ہے، اور چونکہ اس کا کذب بلا اقرار کبھی ثابت نہیں ہو سکتا، اس لیے اس میں جو حق تلفی ہوگی وہ اشد درجہ کا ظلم ہوگا، عجب نہیں کہ یہاں ظالمین اسی لیے کہا گیا ہو) یہ (قانون جو مجموعہ آیتیں میں مذکور ہوا) بہت قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ (اوصیاء) لوگ واقعہ کو ٹھیک طور سے ظاہر کریں (اگر سپردگی مال زائد کی نہیں ہوئی قسم کھالیں، اور اگر ہوئی ہے تو گناہ سے ڈر کر انکار کردیں، یہ حکمت تو تحلیف اوصیاء میں ہے) یا اس بات سے ڈر کر (قسم کھانے سے رک جائیں) کہ ان سے قسم لینے کے بعد (ورثاء پر) قسمیں متوجہ کی جائیں گی (پھر ہم کو خفیف ہونا پڑے گا، یہ حکمت تحلیف ورثاء میں ہے، اور ان سب شقوق میں حق دار کو اس کا حق پہنچایا ہے کہ جو مشروع ومطلوب ہے، کیونکہ اگر تحلیف اوصیاء مشروع نہ ہوتا اور اوصیاء مال کے سپرد کرنے میں سچے ہوتے تو ان کی تہمت کی رفع کرنے کا کوئی طریقہ نہ ہوتا، اور اب سچے ہونے کے وقت برارۃ ہو جاتی، اور جھوٹے ہونے کے وقت شاید جھوٹی قسم سے ڈر کر انکار کر جاویں تو ورثا کا حق ثابت ہو جاتا ہے، اور اگر تحلیف ورثاء مشروع نہ ہوتا اور شرعاً انکار حق ہوتا تو اثبات حق کی کوئی صورت نہ تھی، اور اگر شرعاً انکار حق نہ ہوتا تو اوصیاء کے اثبات حق کا کوئی طریقہ نہ تھا، اور اب ورثاء کے حق ہونے کے وقت ان کا اثبات حق ہو سکتا ہے، اور حق نہ ہونے کے وقت قسم کے انکار سے اوصیاء کا حق ثابت ہو جائے گا پس دو شقیں تحلیف اوصیاء کی حکمت میں ہیں، اور یَأْتُوْا بِالشَّهَادَةِ دونوں کو شامل ہے اور دو شقیں تحلیف ورثاء کی حکمت میں ہیں،

www.toobaaelibrary.com

جن میں کی دوسری شق تو تحلیف اولیاء کی شق میں متداخل ہے اور پہلی شق اَوْ یَخَافُوْا کی مدلول ہے، پس مجموعہ ہر دو تحلیف میں سب شقوق کی رعایت ہوگی) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اور معاملات و حقوق میں جھوٹ مت بولو) اور (ان کے احکام کو) سنو (یعنی مانو) اور (اگر خلاف کرو گے تو فاسق ہو جاؤ گے) اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو (قیامت کے روز فرمانبرداروں کے درجات کی طرف) رہنمائی نہ کریں گے (بلکہ نجات پانے کے وقت بھی ان سے کم رہیں گے تو ایسا خسارہ کیوں گوارا کرتے ہو)

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۰۱-۱۰۲: شانِ نزول: جب حج کی فرضیت نازل ہوئی تو اقرع بن حابسؓ نے سوال کیا کہ ہر سال ہمارے ذمہ حج فرض ہے؟... آپؐ نے ان کے سوال کا جواب نہ دیا، مکرر سوال کیا، آپؐ نے پھر سکوت فرمایا، تیسری بار سوال کیا تو پیغمبرؐ نے عتاب کے ساتھ تنبیہ فرمائی کہ اگر میں جواب میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں! ہر سال حج فرض ہے تو ایسا ہی ہو جاتا اور پھر تم اس کو پورا نہ کر سکتے، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جن چیزوں کے متعلق میں تمہیں کوئی حکم نہ دوں ان کو اسی طرح رہنے دو، ان کو کھود کرید کر کے سوالات نہ کرو، تم سے پہلے بعض امتیں اسی کثرت سوال کے ذریعہ ہلاک ہو چکی ہیں، کہ سوال کر کے جو چیزیں فرض نہ تھیں، فرض کرالیا اور پھر اس کی خلاف ورزی میں مبتلا ہو گئے، ان آیات میں اسی پر تنبیہ کی گئی ہے۔

پیغمبر علیہ السلام کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ یعنی مسلمان ہونے کی ایک خوبی یہ ہے کہ آدمی فضول باتوں کو چھوڑ دیتا ہے فضول باتیں جیسے موسیٰ کی والدہ کا کیا نام تھا، اور نوحؑ کی کشتی کا طول و عرض کیا تھا وغیرہ جن کا کوئی اثر انسان کے عمل میں نہیں، ایسے سوالات کرنا مذموم ہے، حضرات فقہاء کا مفروضہ سوالات قائم کر کر کے ان کے احکام بیان کرنا یہ بے ضرورت نہیں، آئندہ نسلوں کو اس کی ضرورت تھی۔

بحیرہ سائبہ وغیرہ کی تعریف

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی یہ سب زمانہ جاہلیت کے رسوم وشعائر سے متعلق ہیں ان کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے ممکن ہے مختلف صورتوں میں سب کا اطلاق ہوتا ہو، یہاں صرف سعید بن المسیب کی تفسیر بخاریؒ سے نقل کرتے ہیں، بحیرہ، جس جانور کا دودھ بتوں کے نام وقف کر دیتے تھے، کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ سائبہ جو جانور بتوں کے نام پر (سانڈ کی طرح) چھوڑ دیا جاتا تھا۔ حامی، نر اونٹ جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ وصیلہ، جو اونٹنی مسلسل مادہ بچے

www.toobaaelibrary.com

جتے درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہوا سے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

الغرض یہاں یہ تنبیہ کی گئی کہ جس طرح فضول اور بیکار سوالات کر کے احکام شرعیہ میں تختی اور تنگی کرنا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ جرم ہے کہ بدون حکم شارع کے محض اپنی آراء و ہواء سے حلال وحرام تجویز کر لیے جائیں۔ (فوائد عثانی)

اس طرح کی بکثرت جہالتیں تھیں جن کو سن کر مؤمنین کو رنج ہوتا تھا آیت: ۱۰۵: میں اسی کو بیان فرمایا کہ تم کیوں اس غم میں پڑے ہو تم اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش وسعت بھر کرتے رہو ثمرہ مرتب ہونا تمہارے اختیار سے خارج ہے، "کارِ خود کن، کارِ بیگانہ مکن" پر عمل کرو۔

آیت: ۱۰۴: جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی طرف رجوع کرنے کو کہا جاتا تو جواب میں شیطانی استدلال تقلید آباء کو پیش کرتے۔ جواب میں قرآن کریم نے فرمایا کہ اولو کان آباءھم لا یعلمون شیئاً، قرآن کریم کے اس جملے نے جاہل وعاقل کے لیے انکشافِ حقیقت کا مکمل سامان فراہم کر دیا ہے وہ یہ کہ یہ کوئی معقول بات نہیں کہ علم وعقل اور ہدایت کے معیار سے ہٹ کر اپنے باپ دادا یا کسی بھائی بند کی اقتداء کو اپنا طریقہ کار بنا لیا جائے اور یہ جانے کہ یہ مقتداء کہا جا رہا ہے اس کے پیچھے لگ لیا جائے، نااہل کو مقتداء بنانا ہلاکت کو دعوت دینا ہے، اقتداء کا معیار علم صحیح اور عمل مستقیم ہے یعنی مقتداء بنانے کے لیے ان دونوں معیار سے جانچنا ضروری ہے، علم سے مراد منزلِ مقصود تک پہنچنے کے طریقے کا جاننا ہے اور اِھتداء سے مراد اس مقصد کی راہ پر چلنا۔

اولو کان سے سوالیہ عنوان قائم کر کے کسی پر تنقید کرنے کا مؤثر طریقہ بھی بتلا دیا، اس سے مخاطب کی دلآزاری نہیں ہوتی۔

علیکم انفسکم، حضرت سعید بن جبیرؓ سے آیت کی تفسیر یہ نقل کی ہے کہ تم اپنے واجبات شرعیہ کو ادا کرتے رہو جن میں اُمر بالمعروف اور جہاد بھی داخل ہے۔ اس لفظ کے ظاہر سے شبہ کے پیش نظر صدیق اکبرؓ نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم اس آیت کو بے موقع استعمال کرتے ہو کہ اُمر بالمعروف کی ضرورت نہیں، خوب سمجھ لو، میں نے خود سنا ہے پیغمبر علیہ السلام سے کہ جو لوگ کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور مقدور بھر اس کے روکنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ مجرموں کے ساتھ ان لوگوں کو بھی عذاب میں پکڑ لے۔ (ترمذی ابن ماجہ)

آیت: ۱۰۶-۱۰۷: ان آیتوں میں مصالح دنیویہ کے متعلق بعض احکام کا ذکر ہے۔

www.toobaaelibrary.com

شان نزول: شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص بدیل نامی جو مسلمان تھا دو شخصوں تمیم وعدی جو اس وقت نصرانی تھے بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا شام میں بدیل بیمار ہو گیا اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھدی، اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے دونوں نصرانی رفقاء کو وصیت کی کہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا، انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالہ کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش ونگار تھے اس میں سے نکال لیا، وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئی انہوں نے اوصیاء سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کے معالجہ وغیرہ میں خرچ ہوا ہو ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا آخر معاملہ پیغمبر علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوا، چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ میں نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی، نہ کوئی چیز اسکی چھپائی، آخر قسم پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا، کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے جب سوال ہوا تو کہنے لگے ہم نے میت سے خرید لیا تھا چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لئے ہم نے پہلے اسکا ذکر نہیں کیا، مبادا ہماری تکذیب کر دی جائے، میت کے وارثوں نے پھر پیغمبر علیہ السلام کی طرف رجوع کیا، اب پہلی صورت کے برعکس اوصیاء خریداری کے مدعی اور وارث منکر تھے شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت کے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا (ایک ہزار درہم) وہ وارثوں کو دلائی گئی۔

مسئلہ: (۱) وصی ایک شخص بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔

مسئلہ: (۲) وصی کا مسلمان اور عادل ہونا سفر میں ہو یا حضر افضل ہے لازم نہیں۔

مسئلہ: (۳) نزاع میں جو امر زائد کا مثبت ہو مدعی اور دوسرا مدعا علیہ کہلاتا ہے۔

مسئلہ: (۴) مدعی سے اولاً گواہ لئے جاتے ہیں، اگر پیش کر دے تو مقدمہ اس کے حق میں، ورنہ مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے اس صورت میں مقدمہ مدعا علیہ کے حق میں ہوتا ہے اور قسم سے انکار میں پھر مقدمہ مدعی کے حق میں ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: (۵) قسم کی تغلیظ زمان یا مکان کے ساتھ جیسا کہ آیت مذکورہ میں کی گئی ہے حاکم کی رائے پر ہے، ورنہ نہیں اس آیت سے بھی لزوم ثابت نہیں ہوتا اور دوسری آیات وروایات سے اطلاق ثابت ہے۔

www.toobaaelibrary.com

مسئلہ: (۶) اگر مدعا علیہ اپنے کسی فعل کے متعلق قسم کھائے تو الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ مجھ کو اس فعل کی اطلاع نہیں۔

مسئلہ: (۷) اگر میراث کے مقدمہ میں وارث مدعا علیہ ہوں تو جنکو شرعاً میراث پہنچتی ہے ان پر قسم آوے گی خواہ وہ واحد ہو یا متعدد اور جو وارث نہیں ان پر قسم نہ ہوگی (بیان القرآن)

ایک کافر کی شہادت دوسرے کافر کے معاملے میں قابل قبول ہے یہ امام صاحبؒ کا مسلک ہے اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک یہودی نے زنا کرلیا تو اس کے لوگوں نے اس کا چہرہ سیاہ کر کے پیغمبر علیہ السلام کے دربار میں پیش کیا، آپؐ نے وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا کہ اس نے زنا کیا ہے تو آپ نے گواہوں کی شہادت کے بعد اس کو رجم کرنے کا حکم دیا (جصاص) تحبسونهما جس شخص پر کسی کا حق ہو وہ اسکو بوقت ضرورت قید کرا سکتا ہے۔

من بعد الصلوٰۃ یعنی صلوٰۃ عصر، اس وقت کی تعظیم اہل کتاب بہت کرتے تھے، ایسے وقت میں جھوٹ بولنا خصوصاً انکے ہاں ممنوع تھا، اس سے معلوم ہوا کہ قسم میں کسی خاص وقت یا خاص مقام کی قید لگا کر تغلیظ کرنا جائز ہے (قرطبی)

ترجمہ

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰي وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔــةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

www.toobaaelibrary.com

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

(وہ دن بھی کیسا ہولناک ہوگا) جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو (مع ان کی امتوں کے) جمع کریں گے پھر (ان امتوں میں جو عاصی ہوں گے بغرض توبیخ ان کے سنانے کو ان پیغمبروں سے) ارشاد فرمائیں گے کہ تم کو (ان امتوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ (ظاہری جواب تو ہم کو معلوم ہے اور اس کو بیان بھی کردیں گے، لیکن ان کے دل میں جو کچھ ہو اس کی) ہم کو خبر نہیں (اس کو تو آپ ہی جانتے ہیں کیونکہ) آپ بیشک پوشیدہ باتوں کے پورے جاننے والے ہیں (مطلب یہ کہ ایک دن ایسا ہوگا اور اعمال واحوال کی تفتیش ہوگی، اس لیے تم کو مخالفت ومعصیت سے ڈرتے رہنا چاہیے، اور اسی روز عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص گفتگو ہوگی) جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم میرا انعام یاد کرو (تا کہ لذت تازہ ہو) جو تم پر اور تمہاری والدہ پر (مختلف اوقات میں مختلف صورتوں سے ہوا ہے مثلاً) جب کہ میں نے تم کو روح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) سے امداد اور تائید دی (اور) تم آدمیوں سے (دونوں حالتوں میں یکساں) کلام کرتے تھے (ماں کی) گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی (دونوں کلاموں میں کچھ تفاوت نہ تھا) اور جب کہ میں نے تم کو (آسمانی) کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور (بالخصوص) توریت وانجیل تعلیم کیں، اور جب کہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے، جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے میرے حکم سے پھر تم اس (معنوی ہیئت) کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ (سچ مچ کا جاندار) پرندہ بن جاتا تھا، میرے حکم سے اور تم اچھا کردیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور برص (جذام) کے بیمار کو میرے حکم سے اور جبکہ تم مردوں کو (قبروں سے) نکال کر (جلا کر) کھڑا کرلیتے تھے میرے حکم سے اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل (میں سے جو آپ کے مخالف تھے ان) کو تم سے (یعنی تمہارے قتل واہلاک سے) باز رکھا جب (انھوں نے تم کو ضرر پہنچانا چاہا جب کہ) تم ان کے پاس (اپنی نبوت کی) دلیلیں (معجزات) لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انھوں نے کہا تھا کہ یہ (معجزات) بجز جادو کے اور کچھ نہیں۔ اور جب کہ میں نے حواریین کو (انجیل میں تمہاری زبانی) حکم دیا تھا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لاؤ انھوں نے (جواب میں تم سے) کہا کہ ہم (خدا اور رسول یعنی آپ پر) ایمان لائے اور آپ شاہد رہئے کہ ہم (خدا کے اور آپؑ کے) پورے فرمانبردار ہے، وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب کہ حواریین نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے) عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم (علیک السلام) کیا آپ کے رب ایسا کرسکتے ہیں (یعنی کوئی امر

حَسّی خلاف حکمت ہونے وغیرہ کے اس سے مانع تو نہیں) کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا (پکاپکایا) نازل فرمادیں آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو (مطلب یہ کہ تم تو ایمان دار ہو اس لیے خدا سے ڈرو اور معجزات کی فرمائش سے کہ بے ضرورت ہونے کی وجہ سے خلاف ادب ہے بچو) وہ بولے (ہمارا مقصود بے ضرورت فرمائش کرنا نہیں ہے بلکہ ایک مصلحت سے اس کی درخواست کرتے ہیں وہ یہ کہ) ہم (ایک تو) یہ چاہتے ہیں کہ (برکت حاصل کرنے کو) اس میں سے کھائیں اور (دوسرے یہ چاہتے ہیں کہ) ہمارے دلوں کو (ایمان پر) پورا اطمینان ہو جاوے اور (مطلب اطمینان کا یہ ہے کہ) ہمارا یہ یقین بڑھ جاوے کہ آپ نے (دعویٰ رسالت میں) ہم سے سچ بولا ہے (کیونکہ جس قدر دلائل بڑھتے جاتے ہیں دعوے کا یقین بڑھتا جاتا ہے) اور (تیسرے یہ چاہتے ہیں کہ) ہم (ان لوگوں کے سامنے جنھوں نے یہ معجزہ نہیں دیکھا) گواہی دینے والوں میں سے ہو جاویں (کہ ہم نے ایسا معجزہ دیکھا ہے تاکہ ان کے سامنے اثبات رسالت کر سکیں، اور ان کی ہدایت کا یہ ذریعہ بن جاوے) عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے (جب دیکھا کہ اس درخواست میں ان کی غرض صحیح ہے تو حق تعالیٰ سے) دعا کی کہ اے اللہ ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمائیے کہ وہ (مائدہ) ہمارے لیے یعنی ہم میں جو اول (یعنی موجودہ زمانہ میں) ہیں اور جو بعد (کے زمانہ میں آنے والے) ہیں سب کے لیے ایک خوشی کی بات ہو جاوے (حاضرین کی خوشی تو کھانے سے اور درخواست قبول ہونے سے اور بعد والوں کی خوشی اپنے سلف پر انعام ہونے سے، اور یہ غایت تو خاص ہے مؤمنین کے ساتھ) اور (میری پیغمبری پر) آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے، (کہ مؤمنین کا یقین بڑھ جاوے اور منکرین حاضرین یا غائبین پر حجت ہو جاوے اور یہ مقصد مؤمنین وغیرہ سب کے لیے عام ہے) اور آپ ہم کو (وہ مائدہ) عطا فرمائیے، اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں (کیونکہ سب کا دینا اپنے نفع کے لیے اور آپ کا دینا مخلوق کے نفع کے لیے ہے، اس لیے ہم اپنے منافع کو پیش کر کے آپ سے مائدہ کی درخواست کرتے ہیں) حق تعالیٰ نے (جواب میں) ارشاد فرمایا کہ (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) میں وہ کھانا (آسمان سے) تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد (اس کی) ناحق شناسی کرے گا (یعنی اس کے حقوق واجبہ عقلاً و نقلاً ادا نہ کرے گا) تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا (اس وقت کے) جہان والوں میں کسی کو نہ دوں گا۔

ربط آیات: اوپر احکام مختلفہ پر عمل کی ترغیب اور مخالفت پر ترہیب فرمائی گئی اس کی تائید میں اگلی

www.toobaaelibrary.com

آیات میں قیامت کے ہولناک واقعات یاد دلاتے ہیں تاکہ اطاعت کا زیادہ باعث اور مخالفت سے زیادہ مانع ہو پھر ختم نبوت میں اہل کتاب کا مکالمہ ہے مقصد اہل کتاب کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق بعض مضامین سنانا ہے جن سے ان کی عبدیت کا اثبات اور الوہیت کی نفی ہے۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت:۱۰۹: قیامت میں جمع تو سارے عالم کو کیا جائے گا مگر سب سے پہلے سوال انبیاءؑ سے ہوگا، تاکہ پوری مخلوق دیکھ لے کہ آج کے دن کوئی سوال وجواب سے مستثنیٰ نہیں ماذا أُجبتمْ؟ دراصل اس سے ان کی امتوں کو سنانا مقصود ہوگا، امتوں کے لیے یہ وقت بڑا نازک ہوگا، وہ تو اس ہوش رُبا وقت میں انبیاءؑ کی شفاعت کے متوقع ہوں گے اور اب انہیں یہ اندیشہ ہوگا کہ جب خود انبیاء علیہ السلام ہی ہمارے جرائم کے شاہد بنیں گے تو اب کون شفاعت کرسکے گا قالوا لاعلم لنا: انبیاء علیہ السلام سے جب محشر میں یہ سوال ہوگا کہ ماذا أُجبتمْ؟ تو وہ اس سوال کی حقیقت کو پہچان لیں گے کہ یہ سوال عالم دنیا میں نہیں ہورہا ہے جس کا جواب ظن کی بنیاد پر دیا جاسکے۔ بلکہ یہ سوال محشر میں ہورہا ہے جہاں یقین کے سوا کوئی بات چلنے والی نہیں، اس لئے ان کا یہ جواب کہ ہمیں ان کے متعلق کوئی علم نہیں، یعنی علم یقینی نہیں، بالکل بجا اور درست ہے۔ اور اپنی معلومات جو بظن غالب انہیں حاصل تھیں ان کا بھی ذکر نہ کرکے علم الٰہی کے حوالے کرتے ہوئے خاموش ہوگئے اس میں انبیاءؑ کی اپنی امتوں کے ساتھ انتہائی شفقت کا ظہور ہے۔ ان کے متعلق ایسی کوئی بات اپنی زبان سے کہنا نہیں چاہیں گے جس سے یہ لوگ گرفت میں آجائیں۔

محشر میں پانچ چیزوں کا سوال

ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے: لاتزول قدمابن آدم یوم القیامة حتی یُسئل عن خمسٍ، عن عمرہٖ فیما افناہ، وعن شبابه فیما ابلاہ، وعن مالہٖ من أین اکتسبه وأین أنفقه، وماذا عمل بما علم.

اللہ تعالیٰ کی غایتِ رحمت وشفقت ہے کہ سوالات کردیے گئے اب بھی کوئی فیل ہوجائے تو اس سے زیادہ محروم کون ہوسکتا ہے۔

آیت:۱۱۰: میں ان مخصوص انعامات کا بھی ذکر ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ہوئے اور بعض معجزات ان کو عطا ہوئے، ان انعامات میں یہ جملہ زیادہ قابل غور ہے تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا

www.toobaaelibrary.com

اس میں پہلی بات کا معجزہ اور خصوصی انعام ہونا ظاہر ہے، مگر ادھیڑ عمر میں کلام تو سبھی کیا کرتے ہیں، مگر نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خصوصی حال پر غور کریں تو اس کا بھی معجزہ ہونا واضح ہو جائے گا، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ادھیڑ عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لیے گئے اب یہاں کے انسانوں سے ان کا کلام کرنا ادھیڑ عمر کو پہنچنے کے بعد جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں۔

جبکہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا معجزہ تھا اسی طرح ادھیڑ عمر میں کلام کرنا بھی، بوجہ اس دنیا میں دوبارہ آنے کے معجزہ ہی ہے۔

آیت: ۱۱۲ فا: اتقوا اللہ الخ معلوم ہوا کہ مؤمن کو معجزات کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔

آیت: ۱۱۵: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نعمت غیر معمولی اور نرالی ہو تو اس کی شکر گزاری کی تاکید بھی معمولی سے بہت بڑھ کر ہونی چاہیے، اور ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئے گا۔ مائدہ آسمان سے نازل ہوا تھا یا نہیں؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے مگر جمہور نزول مائدہ کے قائل ہیں۔ (ترمذی عن عمار بن یاسرؓ)

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ (قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کفار نصاریٰ کے سنانے کے لیے) فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم (ان لوگوں میں جن کا عقیدہ تثلیث کا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو شریک الوہیت مانتے تھے تو) کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو) اور میری ماں (حضرت مریمؑ) کو بھی علاوہ خدا کے معبود قرار دیدو، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے کہ (توبہ توبہ) میں تو (خود اپنے عقیدہ میں) آپ کو (شریک سے) منزہ سمجھتا

www.toobaaelibrary.com

ہوں (جیسا کہ آپ واقع میں بھی منزہ (پاک) ہیں تو ایسی حالت میں) مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں (نہ باعتبار عقیدے کے کہ میں موحد یعنی ایک خدا کا قائل ہوں اور نہ باعتبار پیغام الٰہی پہنچانے کے کہ مجھ کو ایسا کوئی پیغام نہیں دیا گیا تھا، اور دلیل میری اس نہ کہنے کی یہ ہے کہ) اگر میں نے (واقع میں) کہا ہوگا تو آپ کو اس کا (یقینا) علم ہوگا (مگر جب آپ کے علم میں بھی میں نے نہیں کہا تو واقع میں بھی نہیں کہا اور کہنے کی صورت میں آپ کو اس کا علم ہوتا اس لیے ضروری ہے کہ) آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں (تو جو زبان سے کہتا اس کا علم تو کیوں نہ ہوتا) اور میں (تو مثل دیگر مخلوقات کے اتنا عاجز ہوں کہ) آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو (بدون آپ کے بتلائے ہوئے) نہیں جانتا (جیسے دیگر مخلوقات کا بھی یہی حال ہے پس) تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں (سو جب اپنا اس قدر عجز اور آپ کا کمال مجھ کو معلوم ہے تو اُلوہیت میں شرکت کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں، یہاں تک تو اس بات کے کہنے کی نفی ہوئی، آگے اس کی نقیض کے کہنے کا اثبات ہے کہ) میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا، صرف وہی (بات) جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اور (یہاں تک تو عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حالت کے متعلق عرض کیا، آگے ان لوگوں کی حالت کے متعلق عرض کرتے ہیں کیوں کہ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ میں گو تصریحاً تو سوال اس کا ہے کہ آپ نے ایسا کلمہ کہا ہے یا نہیں، لیکن اشارۃً اس کا بھی سوال معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ تثلیث کہاں سے پیدا ہوا پس عیسیٰ علیہ السلام اس باب میں یوں عرض کریں گے کہ) میں ان (کی حالت) پر مطلع رہا جب تک ان میں (موجود) رہا (سو اس وقت تک کا حال تو میں نے مشاہدہ کیا ہے اس کے متعلق بیان کر سکتا ہوں) پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا (یعنی اول بار میں تو زندہ آسمان کی طرف اور دوسری بار وفات کے طور پر) تو (اس وقت صرف) آپ ان (کے احوال) پر مطلع رہے (اس وقت مجھ کو خبر نہیں کہ ان کی گمراہی کا سبب کیا ہوا اور کیونکر ہوا) اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں (یہاں تک تو اپنا اور ان کا معاملہ عرض کیا آگے ان کے اور حق تعالیٰ کے معاملات کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ) اگر آپ ان کو (اس عقیدہ پر) سزا دیں تو (جب بھی آپ مختار ہیں، کیونکہ) یہ آپ کے بندے ہیں، (اور آپ ان کے مالک، اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو ان کے جرائم پر سزا دے) اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو (جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ) آپ زبردست (قدرت والے) ہیں (تو معافی پر بھی قادر ہیں اور) حکمت والے (بھی) ہیں (تو آپ کی معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی، اس

www.toobaaelibrary.com

لیے اس میں بھی کوئی برائی نہیں ہو سکتی، مطلب یہ ہے کہ دونوں حال میں آپ مختار ہیں میں کچھ دخل نہیں دیتا) (غرض عیسیٰ علیہ السلام نے معروض اول سُبْحٰنَكَ الخ میں اپنی تبری ان اہل تثلیث کے عقیدے سے اور اس کی تعلیم سے، دوسری عرض وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ الخ میں اپنی تبری ان کے اس عقیدہ کے مفصل سبب جاننے تک سے، اور عرض سوم اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الخ میں اپنی تبری ان کے باب میں کوئی تحریک کرنے تک سے ظاہر کردی، اور یہی مقصود تھا حق تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان مخاطبات سے، پس ان میں ان کفار کو پوری زجر اپنی نادانی پر اور حسرت اپنی ناکامی پر ہوگی) (ان تمام مکالمات مذکورہ کے بعد) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ (قیامت کا دن) وہ دن ہے کہ جو لوگ (دنیا میں باعتبار عقائد اور اقوال کے) کے سچے تھے (کہ وہ سچا ہونا اب ظاہر ہو رہا ہے، جن میں انبیاء جن سے خطاب ہو رہا ہے اور مؤمنین جن کے ایمان کی انبیاء و ملائکہ شہادت دیں گے، سب داخل ہیں، اور اس میں اشارہ تصدیق رسل و تصدیق عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی ان مخاطبات میں ہو گیا، غرض یہ سب حضرات جو دنیا میں سچے تھے) ان کا سچا ہونا (آج) ان کے کام آوے گا (اور وہ کام آنا یہ ہے کہ) ان کو (جنت کے) باغ (رہنے کو) ملیں گے جن کے (محلات کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے (اور یہ نعمتیں ان کو کیوں نہ ملیں کیونکہ) اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں (اور جو شخص راضی و مرضی ہو اس کو ایسی ہی نعمتیں ملتی ہیں) یہ (جو کچھ مذکور ہوا) بڑی بھاری کامیابی ہے (کہ دنیا کی کوئی کامیابی اس کے برابر نہیں ہو سکتی)

تلخیص معارف و مسائل

آیت: ۱۱۶: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے سوال سے مقصود ان کی قوم نصاریٰ کی ملامت اور سرزنش ہے کہ جس کو تم الٰہ مان رہے ہو وہ خود تمہارے عقیدے کے خلاف اپنی عبدیت کا اقرار کر رہا ہے اور تمہارے بہتان سے وہ بری ہے (ابن کثیر)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت یا رفع اِلَی السَّمَاء وغیرہ کی بحث سورۂ آل عمران آیت اِنِّی مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ کے تحت گذر چکی ہے۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ سے موت اور رفع اِلَی السماء سے اس کا استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ گفتگو قیامت کے روز ہوگی اور اس وقت آسمان سے نزول کے بعد آپ کو موت حقیقی حاصل ہو چکی ہوگی۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الخ: بہرحال جو فیصلہ آپ ان مجرمین کے حق میں کریں گے وہ بالکل حکیمانہ

www.toobaaelibrary.com

اور قادرانہ ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام چوں کہ محشر میں ہوگا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت نہیں ہو سکتی اس لئے حضرت مسیحؑ نے عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کہا۔ برخلاف اس کے حضرت عیسیٰ ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ الخ اس میں آپ نے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرمایا، یعنی ابھی موقع ہے کہ تو اپنی رحمت سے آئندہ ان کو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے کر پچھلے گناہوں کو معاف فرما دے۔ (فوائد عثمانی)

ابن کثیرؒ نے بروایت ابوذرؓ نقل کیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے پوری رات یہی ایک آیت پڑھتے رہے، پھر جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ آپ یہی آیت پڑھتے رہے رکوع اور سجدے اسی سے کرتے رہے حتی کہ صبح ہوگئی تو فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنے واسطے شفاعت کی درخواست کی تو مجھے عطا فرمائی اور وہ انشاء اللہ تعالیٰ ملنے والی ہے ایسے شخص کے واسطے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے مذکورہ آیت پڑھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اللّٰھم امتی یعنی میرے پروردگار میری امت کی طرف نظرِ رحمت فرما، اور آپ رونے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرئیل امین رونے کی وجہ دریافت فرمائی آپ نے جبرئیل امین کو اپنے مذکورہ قول سے آگاہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور (حضرت) محمدؐ سے کہہ دو کہ ہم عنقریب تیری امت کے بارے میں تم کو رضامند کردیں گے اور تم کو ناخوش نہ کریں گے۔

آیت:۱۱۹: میں قیامت کے دن کے محاسبہ کا نتیجہ ذکر کیا جا رہا ہے صدقھم قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدق وکذب عام ہے یعنی قول وعمل دونوں کو شامل ہے چنانچہ حدیث من تحلی بما لم یعط کان کلابس ثوبی زور (مشکوٰۃ شریف) یعنی اگر کوئی اپنے آپ کو ایسے زیور سے آراستہ کرے جو اس کو نہیں دیا گیا یعنی کسی ایسی صفت یا عمل کا دعویٰ کرے جو اس میں نہیں ہے تو گویا اس نے جھوٹ کے دو کپڑے پہنے۔ اس حدیث میں خلاف واقعہ عمل کو کذب کہا گیا ہے۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ حدیث میں آتا ہے کہ جنت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بڑی نعمت یہ ہے کہ میں تم سے راضی ہوا اب کبھی تم پر ناراض نہ ہونگا ذالك الفوز العظيم ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوگی کہ مالک وخالق جل جلالہٗ راضی ہیں۔

قراءات : سورۃ المائدۃ: شَنَاٰنُ قَوْمٍ دونوں میں شامی وشعبہ کے لیے باسکان النون اور باقیین

www.toobaaelibrary.com

کے لیے بفتح النون ہے اَنْ صَدُّوْكُمْ بصری کے لیے بکسر الہمزہ اور باقیین کے لیے بالفتح وَاَرْجُلَكُمْ نافع شامی اور حفص کسائی کے لیے بنصب اللام اور باقیین کے لیے بجر اللام علی جر جوار قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً اخوین کے لیے بتشدید الیاء بغیر الف قَسِيَّةً ہے اور باقیین کے لیے بالالف مع تخفیف الیاء، رُسُلَنَا رُسُلُكُمْ، رُسُلُهُمْ، اور سُبُلَنَا جب کہ لام کے بعد دو حرف ہوں تو بصری کے لیے باسکان السین والباء ہوں گے مطلقاً باقیین کے لیے بضم السین والباء السُّحْتَ کی بصری اور کسائی کے لیے بضم الحاء اور باقیوں کے لیے باسکان وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ الی وَالْجُرُوْحَ کسائی کے لیے مرفوع ہیں اور مکی بصری شامی کے لیے صرف الْجُرُوْحُ مرفوع ہے، اور باقیین کے لیے یہ سب منصوب ہیں الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَفِيْ اُذُنَيْهِ نافع کے لیے مطلقاً باسکان الذال اور باقیین کے لیے بالضم وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ حمزہ کے لیے بکسر اللام ونصب المیم وباقیین کے لیے باسکان اللام وجزم المیم ہے تَبْغُوْنَ شامی کے لیے بالتاء اور باقیین کے لیے بالیاء ہے يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا حرمیین اور شامی کے لیے بغیر واؤ قبل يَقُوْلُ اور باقیین کے لیے بالواؤ ہے، اور بصری کے لیے بنصب اللام اور غیر بصری کے لیے برفع اللام ہے مَنْ يَّرْتَدَّ نافع اور شامی کے لیے بدالین ہے، اوّل مکسورہ ثانی ساکنہ اور باقیین کے لیے بدال واحدہ مفتوحہ مشددہ ہے وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ بصری اور کسائی کے لیے بکسر الراء اور باقیوں کے لیے بالنصب ہے وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ حمزہ کے لیے بضم الباء وکسر التاء، اور باقیین کے لیے بفتح الباء ونصب التاء، فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ نافع شامی اور شعبہ کے لیے بالجمع وکسر التاء، اور باقیین کے لیے بالتوحید ونصب التاء، اَنْ لَا تَكُوْنَ بصری اور اخوین کے لیے برفع النون اور باقیوں کے لیے بنصب النون بِمَا عَقَّدْتُّمُ ابن ذکوان کے لیے بالالف مخفف اور اخوین وشعبہ کے لیے مخفف بغیر الف، اور باقیین کے لیے مشدد بغیر الف ہے فَجَزَآءٌ کوفیین کے لیے بالتنوین اور مِثْلُ مَا برفع اللام اور باقیین کے لیے بغیر التنوین وبجر لام مثل مَا ہے اَوْ كَفَّارَةُ طَعَامِ نافع شامی کے لیے اضافت کے ساتھ لہٰذا پہلا غیر منون اور دوسرا مجرور ہوگا، باقیین کے لیے پہلا منون اور دوسرا مضموم مضاف ہے، مَسٰكِيْنَ کی جانب اور مساکین بالاتفاق یہاں جمع ہے قِيٰمًا لِّلنَّاسِ شامی کے لیے بلا الف اور باقیین کے لیے بالالف ہے مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ حفص کے لیے بفتح التاء والحاء اور باقیین کے لیے بضم التاء وکسر الحاء ہے عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ شعبہ وحمزہ کے لیے بالجمع الْاَوَّلِيْنَ ہے اور باقیین کے لیے بالتثنیہ الْاَوْلَيٰنِ الْغُيُوْبِ شعبہ وحمزہ کے لیے بکسر الغین مطلقاً اور باقیوں کے لیے بضم الغین ہے طَيْرًا آل عمران میں اور القدس بقرہ میں مذکور ہو چکے ہیں۔ اِلَّا سِحْرٌ یہاں اور ہود اور صف میں اخوین کے لیے بالالف بعد السین سٰحِرٌ اور باقیین کے لیے بغیر الف هَلْ تَسْتَطِيْعُ رَبَّكَ کسائی کے لیے بالتاء مع الادغام ونصب الباء ہے، باقیوں کے لیے بالیاء والاظہار مع رفع الباء اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا نافع شامی اور عاصم کے لیے بتشدید الزاء اور باقیوں کے لیے بالتخفیف ہے يَوْمَ يَنْفَعُ نافع کے لیے بفتح المیم اور باقیین کے لیے بالضم ہے۔

www.toobaaelibrary.com

سُورَةُ الْأَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ
خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي
الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا
عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا
السَّمَاۗءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ
بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ
ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ
قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا پھر بھی کافر لوگ (عبادت میں دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تم (سب) کو (بواسطہ آدم علیہ السلام کے) مٹی سے بنایا پھر (تمہارے مرنے کا) ایک وقت معین کیا، اور دوسرا وقت معین (دوبارہ زندہ ہوکر اٹھنے کا) خاص اللہ ہی کے نزدیک (معلوم) ہے پھر بھی تم (میں سے بعض) شک رکھتے ہو (کہ قیامت کو محال سمجھتے ہو حالانکہ جس نے اول حیات بخشی دوبارہ دینا اس کو کیا مشکل ہے) اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی (یعنی اور سب معبود باطل ہیں) وہ تمہارے پوشیدہ حالات کو بھی اور تمہارے ظاہر حالات کو بھی (یکساں) جانتے ہیں اور (بالخصوص تم جو کچھ ظاہراً یا باطناً) عمل کرتے ہو (جس پر جزاء وسزا کا مدار ہے) اس کو جانتے ہیں اور ان (کفار) کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آئی، مگر وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں، سو (چونکہ یہ ان کی عادت بنی ہوئی ہے) انھوں نے اس سچی کتاب (قرآن) کو بھی جھوٹا بتلایا جب کہ وہ ان کے پاس پہونچی سو (ان کی یہ تکذیب خالی نہ جائے گی بلکہ) جلد ہی ان کو خبر مل جاوے گی اس چیز

www.toobaaelibrary.com

کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے (مراد اس سے عذاب ہے جس کی خبر قرآن میں سن کر ہنستے تھے، اور اس کی خبر ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جب عذاب نازل ہوگا تو اس خبر کی تصدیق آنکھوں سے دیکھ لیں گے) کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت (جسمانی اور مالی) دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیت اور باغوں) کے نیچے سے نہریں جاری کیں (جس سے زراعت اور پھلوں کی خوب ترقی ہوئی اور وہ خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے) پھر (اس قوت وقدرت اور سامان واسباب کے ہوتے ہوئے) ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب (انواع عذاب سے) ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا (تو اگر تم پر بھی عذاب نازل کر دیں تو تعجب کیا ہے، اور ان لوگوں کے عناد کی یہ حالت ہے کہ) اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپؐ پر نازل فرماتے، پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے (جیسا کہ ان کا مطالبہ تھا کہ لکھی ہوئی کتاب آسمان سے آجائے اور ہاتھوں سے چھو لینے کا ذکر کر کے نظر بندی کے شبہ کو بھی دور کر دیا) تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے (کیونکہ جب بات ماننے کا ارادہ ہی نہیں تو ہر دلیل میں کوئی نہ کوئی نئی بات نکال لینا کیا مشکل ہے) اور یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) کے پاس کوئی فرشتہ (جس کو ہم دیکھیں اور باتیں سنیں) کیوں نہیں بھیجا گیا (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور اگر ہم کوئی فرشتہ (اسی طرح) بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر (نزول فرشتہ کے بعد) ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی (کیونکہ عادت الٰہیہ یہ ہے کہ جن لوگوں کا منہ مانگا معجزہ دکھلایا گیا اگر پھر بھی انھوں نے ایمان سے انکار کیا تو فوراً بلا مہلت کے عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور جب تک ایسا مطلوبہ معجزہ نہ دیکھیں دنیا میں مہلت ملتی رہتی ہے) اور اگر ہم اس (پیغام پہنچانے والے) کو فرشتہ ہی قرار دیتے تو (اس کو بہ شکل فرشتہ بھیجیں تو اس کی ہیبت انسانوں سے برداشت نہ ہو، اس لیے) ہم اس فرشتہ کو آدمی ہی (کی شکل) بناتے تو اس پر بھی وہی شبہ کرتے جو اَب کر رہے ہیں (یعنی اس فرشتہ کو بشر سمجھ کر پھر بھی اعتراض کرتے، غرض نزول فرشتہ جس کا یہ مطالبہ کرتے ہیں، اگر اس کو پورا کر دیا جائے تو ان کو کوئی فائدہ تو اس لیے نہیں ہو سکتا کہ بشکل فرشتہ دیکھنے پر ان کو قدرت نہیں اور بشکل انسان بھیجے سے ان کا شبہ رفع نہیں ہوگا، اور دوسری طرف ان کو نقصان یہ پہنچے گا کہ نہ ماننے پر خود ہی عذاب کے مستحق ہو جائیں گے) اور (آپ ان بیہودہ مطالبات سے غم نہ کریں، کیونکہ) آپ سے

www.toobaaelibrary.com

پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں، ان کے ساتھ بھی (مخالفین کی طرف سے) استہزاء کیا گیا ہے، پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا تمسخر اڑاتے تھے (جس سے معلوم ہوا کہ ان کے اس طرز عمل سے انبیاء کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، بلکہ یہ خود انہی کے لیے عذاب اور مصیبت ہے۔ اور اگر یہ امم سابقہ کے عذاب کا انکار کرنے لگیں) تو آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

تلخیص معارف ومسائل

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سورۃ کی یہ خصوصیت ہے کہ بجز چند آیات کے پوری سورۃ بیک وقت مکہ میں اس طرح نازل ہوئی ہے کہ اس کے جلوس میں ستر ہزار فرشتے تسبیح پڑھتے ہوئے آئے تھے۔ ائمہ تفسیر میں سے مجاہد کلبی، قتادہ وغیرہ کا بھی تقریباً یہی قول ہے بعض روایات میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ یہ سورت جس مریض پر پڑھی جائے اللہ تعالیٰ اس کو شفا دیتے ہیں۔

ابو اسحاق اسفرائنی نے فرمایا کہ یہ سورت توحید کے تمام اصول وقواعد پر مشتمل ہے۔ اس کو کلمہ الحمد للہ سے شروع کیا گیا، مراد اس جز سے لوگوں کو حمد کی تعلیم دینا ہے، اس طرز خاص میں یہ اشارہ ہے کہ وہ کسی کی حمد کا محتاج نہیں وہ اپنے ذاتی کمال کی وجہ سے خود بخود محمود ہے۔ سموٰت کو جمع اور ارض کو مفرد لانے میں ممکن ہے یہ اشارہ ہو کہ سات آسمان اپنی ہیئت اور صورت اور دیگر صفات کے اعتبار سے باہم بہت امتیاز رکھتے ہیں۔

جب کہ زمینیں ساتوں ایک دوسری کی ہم شکل ہیں اس لیے ان کو مثل ایک عدد کے قرار دیا گیا (مظہری) اسی طرح ظلمت کو جمع اور نور کو مفرد ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ نور تعبیر ہے صحیح اور صراط مستقیم سے اور وہ ایک ہی ہے، اور ظلمت تعبیر ہے غلط راستہ کی اور وہ ہزاروں ہیں (مظہری، بحرمحیط)

آسمان وزمین کے لیے لفظ خلق اور ظلمت اور نور کے لیے لفظ جعل سے تعبیر اس لیے کیا گیا کہ اندھیرا اور اجالا مستقل بالذات چیزیں نہیں ہیں بلکہ عوارض وصفات میں سے ہیں اور ظلمت اس جہان میں اصل ہیں اور نور خاص خاص چیزوں سے وابستہ ہے جب وہ سامنے ہوتی ہیں تو روشنی پیدا ہوتی ہے جب نہیں ہوتیں تو اندھیرا رہتا ہے، اس آیت کا مقصود توحید کی حقیقت اور اس کی واضح دلیل کو بیان فرما کر دنیا کی ان تمام قوموں کے غلط مشرکانہ خیالات کی تردید کرتے ہوئے تنبیہ کرنا ہے جو یا تو سرے سے توحید کی قائل نہیں یا قائل ہونے کے باوجود توحید کی حقیقت کو چھوڑ بیٹھی ہیں، یعنی

www.toobaaelibrary.com

مجوسی، نصاریٰ اور مشرکین عرب و ہند۔

پہلی آیت میں عالم اکبر یعنی پوری دنیا کا حال یہ بتلایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے، اور دوسری آیت میں اس طرح عالم اصغر یعنی انسان کا مخلوق خداوندی ہونا بیان فرمایا، پھر انسان کو غفلت سے چونکانے کے لیے یہ بتلایا کہ ہر انسان کی ایک خاص عمر ہے جس کے بعد اس کی موت یقینی ہے جو بہر حال مشاہد ہے واجل مسمی عندہ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ انسان کی شخصی موت سے پورے عالم کی عمومی موت یعنی قیامت پر استدلال ایک فکری اور طبعی امر ہے اس لیے قیامت کے آنے میں کسی شک کی گنجائش نہیں، اس لیے آخر آیت میں بطور استبعاد کے فرمایا ثم أنتم تمترون۔

تیسری آیت میں پہلی دو آیتوں کے مضمون کا نتیجہ بیان فرمایا ہے، چوتھی آیت میں غفلت شعار انسان کی ہٹ دھرمی اور خلاف حق ضد کی شکایت فرمائی گئی ہے، پانچویں آیت میں اسی غفلت شعاری کی مزید تفصیل بعض واقعات کی طرف اشارہ کر کے بیان فرمائی ہے، بالحق حق سے مراد قرآن اور ذات پیغمبر علیہ السلام بھی ہو سکتی ہے، پیغمبر علیہ السلام اور قرآن کا اپنا وجود خود حقانیت کی بہت بڑی نشانی تھی، آخر میں ان کے کفر و انکار اور تکذیب کے انجام کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا: فسوف یاتیھم انباء ما کانوا بہ یستھزؤن مگر ظاہر ہے اس وقت کا یقین و اقرار ان کے کام نہ آئے گا، کیوں کہ وہ روز عمل نہیں، روز جزا ہے، ابھی غور و فکر کی فرصت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے اس کو غنیمت سمجھ کر آیات الٰہیہ پر ایمان لانے ہی میں دارین کی فلاح ہے۔

آیت:۶: انہیں منکرین کا رخ اپنے گرد و پیش کے حالات اور اگلے زمانہ کے تاریخی واقعات کی طرف پھیر کر ان کو عبرت و نصیحت کا موقعہ دیا گیا ہے بلاشبہ تاریخ عالم عبرتوں کی ایک کتاب ہے جس کو اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو وہ ہزاروں وعظ سے زیادہ مؤثر وعظ ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک بڑا عنصر قصص اور تاریخ ہے۔

لیکن عام طور پر غفلت شعار انسان نے دنیا کی تاریخ کو بھی ایک تفریحی مشغلہ کی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں دی، قرآن کریم نے اسی لیے تاریخ عالم کی روح کو عبرت و نصیحت کے لیے لیا ہے، تاریخی واقعات کو مسلسل قصہ کی صورت سے بیان نہیں فرمایا اس میں یہ اشارہ ہو سکتا ہے کہ کوئی خبر یا قصہ کبھی خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ ہر خبر سے کوئی انشاء اور ہر واقعہ کے اظہار سے کوئی عملی نتیجہ نکالنا مقصود ہوتا ہے، اس لیے جتنا حصہ اس مقصد کے لیے ضروری ہو اس کو پڑھو اور آگے بڑھو، اور حالات کا جائزہ لو،

www.toobaaelibrary.com

اور ہر واقعات ماضیہ سے سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کرو۔ لفظ قرن سو سال کے لیے بولا جاتا ہے، واقعات و روایات حدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے، اکثر علماء نے حدیث خیر القرون قرنی الخ کا یہی مطلب قرار دیا ہے کہ ہر قرن کو سو سال مانا گیا۔

آخر آیت میں فرمایا: وانشأنا من بعدھم قرناً آخرین. یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا صرف یہی تصرف نہیں تھا کہ بڑی جاہ و جلال والی قوموں کو چشم زدن میں ہلاک و برباد کر دیا، بلکہ ان کو ہلاک کرتے ہی ان کی جگہ دوسری قومیں پیدا کر کے اس طرح بسا دیا کہ دیکھنے والوں کو بھی محسوس نہ ہو سکا کہ یہاں سے کوئی انسان کم بھی ہوا ہے۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی ٭ ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی!

آیت: ۷: یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی، عبداللہ بن امیہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک معاندانہ مطالبہ پیش کیا اور کہا کہ میں تو آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لا سکتا جب تک کہ میں یہ واقعہ نہ دیکھ لوں کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ہمارے سامنے ایک کتاب لے کر آئیں، جس میں میرا نام لے کر یہ ہو کہ میں آپ کی تصدیق کروں اور یہ سب کچھ کر یہ کہہ دیا کہ اگر آپ یہ سب کچھ کر بھی دکھائیں میں بھی جب بھی مسلمان ہوتا نظر نہیں آتا۔

اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ پھر یہی صاحب مسلمان ہوئے اور ایسے کہ غازی بن کر غزوۂ طائف میں شہید ہوئے۔

قوم کے ان بیجا معاندانہ اور استہزائی مکالمات سے قلب پیغمبر پر کیا کچھ گذری ہوگی کیا کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے، اسی لیے بطور تسلی کے فرمایا کہ یہ مطالبات ان کے بے مقصد ہیں، ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر ان کی طلب سے بھی زیادہ واضح صورتیں آپ کی سچائی کی ان کی سامنے آ جائیں جب بھی قبول نہ کریں مثلاً اگر یہ ان کی فرمائش اس طرح پوری کر دیں کہ انہیں اس میں احتمال بھی نہ رہے بلکہ وہ کتاب کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیں تو بھی یہ کہیں گے ان ھذا الا سحر مبین کیوں کہ ان کی ساری باتیں محض عناد کی وجہ سے ہیں، اس کے بعد والی آیت بھی اسی طرح کے واقعہ سے متعلق ہے، عبداللہ بن ابی امیہ، نضر بن حارث اور نوفل بن خالد جمع ہو کر ایک بار حاضر خدمت ہوئے اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہم تو جب ایمان لائیں گے جب کہ آپ آسمان سے ایک کتاب لے کر آئیں اور اس کے ساتھ چار فرشتے آئیں جو اس کی گواہی دیں۔

www.toobaaelibrary.com

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ دیا کہ یہ غفلت شعار ایسے مطالبات کر کے اپنی موت کو دعوت دے رہے ہیں، کیوں کہ طلب معجزہ کے بعد معجزہ دکھلا دیا جائے اور انکار ہو یا تاخیر ہو تو پھر ان کو عذاب عام کے ذریعہ ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

نویں آیت میں اسی بات کا جواب دوسرے انداز میں دیا ہے وہ یہ کہ نزول ملک کی دو صورتیں ہیں اصلی ہیئت وصورت میں، بایں صورت کوئی انسان برداشت ہی نہیں کر سکتا، فوراً مر جائے گا، دوسری صورت بشکل انسانی بایں صورت جو اعتراض آپ ؐ پر ہے وہی اس فرشتہ پر بھی ہوگا کہ یہ اس کو ایک انسان ہی سمجھے گا۔

دسویں آیت میں پیغمبر علیہ السلام کی تسلی کے لیے فرمایا کہ یہ استہزاء اور تمسخر اور ایذا رسانی کا معاملہ کچھ آپ ہی کے ساتھ خاص نہیں، پہلے بھی سب رسولوں کو ایسے ہمت شکن واقعات سے سابقہ پڑا ہے، مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری، اور انجام کار قوم کو اس عذاب نے آ پکڑا جس کا تمسخر کیا کرتے تھے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ
رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ
قُلِ اللّٰهُ ڐ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ
اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰي ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر اور اگر یہ لوگ (امم سابقہ کے عذاب کا انکار کرنے لگیں) تو آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا، آپ (ان مخالفین سے بطور الزام حجت کے) کہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملک ہے (اول تو وہ بھی یہی جواب دیں گے جس

www.toobaaelibrary.com

سے توحید ثابت ہوگی اور اگر کسی وجہ سے مثل خوف مغلوبیت کے جواب نہ دیں تو) آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے (اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اللہ تعالیٰ نے (اپنے فضل سے توبہ کرنے والوں کے ساتھ) مہربانی فرمانا اپنے ذمہ لازم فرمالیا ہے (اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر تم نے توحید کو قبول نہ کیا تو پھر سزا بھی بھگتنا پڑے گی، کیونکہ) تم کو خدا تعالیٰ قیامت کے روز (قبروں سے زندہ اٹھا کر میدانِ حشر میں) جمع کریں گے (اور قیامت کی حالت یہ ہے کہ) اس کے آنے میں کوئی شک نہیں (مگر) جن لوگوں نے اپنے کو (یعنی اپنی عقل ونظر کو) ضائع (یعنی معطل) کر لیا ہے، سو وہ ایمان نہ لاویں گے (اور ان سے بطور اتمامِ حجت یہ بھی کہیے کہ) اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں (اس کے اور اس سے پہلی آیت قُلْ لِمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ کے مجموعہ کا حاصل یہ نکلا کہ جتنی چیزیں کسی مکان میں ہیں یا کسی زمان میں ہیں سب اللہ کی مملوک ہیں) اور وہی سب سے بڑا سننے والا جاننے والا ہے (پھر اثبات توحید کے بعد ان سے) کہیے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو (سب کو) کھانا کھلاتے ہیں اور ان کو کوئی نہیں کھلاتا (کیونکہ وہ کھانے پینے کی احتیاج سے بالاتر ہیں، تو کیا ایسے اللہ کے سوا) کسی کو اپنا معبود قرار دوں (آپ استفہامِ انکاری کی تشریح میں خود) فرما دیجئے (کہ میں غیر اللہ کو معبود کیسے قرار دے سکتا ہوں جو عقل ونقل کے خلاف ہے) مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرلوں (جس میں عقیدۂ توحید بھی آگیا) اور (مجھ کو یہ کہا گیا کہ) تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں (کہ اسلام وایمان کے حکم کی تعمیل نہ کروں یا شرک میں مبتلا ہو جاؤں) تو میں ایک بڑے دن (یعنی قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں (یہ ظاہر ہے کہ رسول کریمؐ معصوم ہیں، اسلام وایمان کے خلاف شرک ومعصیت کا صادر ہونا آپ سے ممکن ہی نہیں، مگر یہاں یہ سنانا عام امت کو ہے، کہ نبی معصوم بھی اللہ کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں، پھر فرمایا کہ وہ عذاب ایسا ہے کہ) جس شخص سے اس روز کا عذاب ہٹا دیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا اور یہ (عذاب کا ہٹ جانا اور اللہ کی رحمت کا متوجہ ہو جانا) صریح کامیابی ہے (اس میں اس رحمت کا بیان بھی ہوگیا جس کا ذکر اس سے پہلے کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَةَ میں آیا ہے) اور (آپؐ ان کو یہ بھی سنا دیجئے کہ اے انسان) اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف (دنیا یا آخرت میں) پہنچا دیں تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں (وہی چاہیں تو دور کریں یا نہ کریں اور جلد کریں یا دیر میں کریں)

www.toobaaelibrary.com

اور اگر تجھ کو (اسی طرح) کوئی نفع پہنچادیں (تو اس کا بھی کوئی ہٹانے والا نہیں، جیسا کہ دوسری جگہ ہے، لَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ کیونکہ) وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں (اور مضمون مذکور کی تاکید کے لیے یہ بھی فرمادیجئے کہ) وہی اللہ تعالیٰ (قدرت کے اعتبار سے) اپنے بندوں پر غالب و برتر ہیں اور (علم کے اعتبار سے) وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں (پس وہ علم سے سب کا حال جانتے ہیں اور قدرت سے سب کو جمع کرلیں گے اور حکمت سے مناسب جزا و سزا دیں گے) آپؐ (ان منکرین توحید و رسالت سے) کہیے کہ (اچھا یہ تو بتلاؤ کہ) سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لیے کون ہے (جس کی گواہی دینے پر سب کا اختلاف رفع ہوجائے، اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر ہیں) پھر آپؐ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان (جس مسئلہ میں اختلاف ہے اس میں وہی) اللہ تعالیٰ گواہ ہے (جس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے) اور (ان کی گواہی یہ ہے کہ) کہ میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے (منجاب اللہ) بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو (ان وعیدوں سے) ڈراؤں (جو توحید و رسالت کے انکار پر اس میں مذکور ہیں کیونکہ قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی مثل بنانے سے ساری دنیا کا عاجز ہونا اللہ تعالیٰ کی تکوینی شہادت رسول اللہؐ کی سچائی پر ہوگئی، اور مضامین قرآن سے اس کی تشریعی شہادت ہوگئی) کیا تم (اس شہادت کبریٰ کے بعد بھی جو کہ توحید کو شامل ہے) توحید کے بارے میں سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ (استحقاق عبادت میں) کچھ اور معبود بھی (شریک) ہیں (اور اگر وہ ہٹ دھرمی سے اس پر بھی کہہ دیں کہ ہاں ہم تو یہی گواہی دیں گے تو اس وقت ان سے بحث کرنا فضول ہے، بلکہ صرف) آپ (اپنے عقیدہ کو ظاہر کرنے کے لیے) کہہ دیجئے کہ میں تو اس کی گواہی نہیں دیتا اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں (اور آپؐ کی رسالت کے بارے میں جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر دیکھ لیا تو اس معاملہ کی تحقیق یہ ہے کہ) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات و انجیل) دی ہے وہ سب لوگ رسولؐ کو (ایسا) پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (لیکن جب شہادت کبریٰ کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کی شہادت پر مدار نہیں تو اس کے نہ ہونے سے بھی کوئی استدلال نہیں کیا جاسکتا، اور ایسی شہادت کبریٰ کے ہوتے ہوئے بھی) جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کرلیا ہے وہ نہ ایمان لاویں گے (عقل کو ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو معطل کردیا عقل سے کام نہیں لیا)۔

www.toobaaelibrary.com

تلخیص معارف و مسائل

قُلْ لِّلّٰہِ خود ہی جواب اس لیے ارشاد فرمادیا گیا کہ یہ جواب کفار مکہ کے نزدیک شرک و بت پرستی کے باوجود بھی مسلم ہے۔ اِلٰی یوم القیامۃ: اِلٰی یا تو بمعنی فی ہے مراد یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ جب اولین و آخرین کو قیامت کے دن میں جمع فرمائیں گے، یا جمع فی القبور مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ قیامت تک سب انسانوں کو قبروں میں جمع کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ روزِ قیامت سب کو زندہ کریں گے۔ (قرطبی)

کتب علی نفسہ الرحمۃ: جب اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا تو ایک نوشتہ اپنے ذمہ وعدہ کا تحریر فرمایا جو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ "اِن رحمتی تغلب علٰی غضبی" مسلم شریف عن اَبی ھریرۃؓ (قرطبی)

ولہ ماسکن فی اللیل والنھار: سکون سے مراد استقرار ہے، یہ بھی ممکن ہے مراد سکون و حرکت کا مجموعہ ہے یعنی ماسکن و ماتحرک اور ذکر صرف سکون کا کیا گیا حرکت جو اس کے بالمقابل ہے از خود متعقل ہو سکتی ہے۔

آیت: ۱۵: ظاہر ہے کہ پیغمبر علیہ السلام ہر گناہ سے معصوم ہیں، لیکن آپ کی طرف منسوب کر کے (عذاب کو ایک خاص انداز سے بیان فرمایا گیا ہے) امت کو یہ بتلانا ہے کہ اس حکم کی خلاف ورزی پر جب نبی الانبیاءؐ کو معاف نہیں کیا جا سکتا تو اور کسی کی کیا مجال ہے؟

آیت: ۱۶: یہاں کامیابی سے مراد دخولِ جنت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عذاب سے نجات اور دخولِ جنت لازم و ملزوم ہیں۔

آیت: ۱۷: اس آیت میں اسلام کا ایک بنیادی اور انقلابی عقیدہ بیان کیا گیا ہے، جس نے مسلمانوں کو ساری مخلوق سے بے نیاز اور صرف خالق کا نیاز مند بنا کر ان کی ایک ایسی بے مثال الٰہی جماعت تیار کر دی جو فقر و فاقہ اور تنگدستی میں بھی سارے جہاں پر بھاری ہے، کسی کے سامنے سر جھکانا نہیں جانتی۔

فقر میں بھی میں سربسر فخر و غرور و ناز ہوں ٭ کس کا نیاز مند ہوں سب سے جو بے نیاز ہوں

امام بغویؒ نے اس آیت کے تحت حضرت ابن عباسؓ سے مروی ایک حدیث نقل کیا ہے یہ روایت ترمذی اور مسند احمد میں بھی بسندِ صحیح مذکور ہے، اس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کیا جاتا ہے ....جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے قلم تقدیر اس کو لکھ چکا ہے، اگر ساری مخلوق مل کر اس کی کوشش کریں

www.toobaaelibrary.com

کہ تم کو ایسا نفع پہنچادیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں نہیں رکھا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے، اور اگر وہ سب مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نقصان پہنچادیں جو تمہاری قسمت میں نہیں ہے تو ہرگز اس پر قدرت نہ پائیں گے اگر تم کرسکتے ہو کہ یقین کے ساتھ صبر پر عمل کرو تو ایسا ضرور کرلو۔۔۔ الخ

افسوس ہے کہ قرآن کے اس واضح اعلان اور پیغمبر علیہ السلام کی عمر بھر کی تعلیمات کے باوجود یہ امت پھر اس معاملہ میں بھٹکنے لگی، سارے خدائی اختیارات مخلوقات کو بانٹ دیے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

آیت: ۱۸: یہی وجہ ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا انسان خواہ رسول مقرب ہو اپنے ہر ارادہ میں کامیاب نہیں ہوتا، لفظ قاھر سے اللہ تعالیٰ نے قدرت کاملہ کا اور حکیم سے اس کے علم محیط کا بیان کرکے بتلا دیا کہ تمام صفات کمال علم و قدرت میں منحصر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان دونوں میں یکتا ہیں۔

آیت ۱۹: مفسرین نے اس کا ایک خاص واقعہ نزول نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ اہل مکہ کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور کہنے لگا کہ آپ کے دعوائے رسالت کا گواہ کون ہے، ہم نے یہود و نصاریٰ سے اس کی تحقیق کرلی ہمیں کوئی تصدیق کرنے والا نہ ملا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ کی گواہی سے مراد وہ معجزات اور آیات بینات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے رسول برحق ہونے کے متعلق ظاہر فرمائی۔

ومن بلغ :اس سے ثابت ہوا کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور قرآن آخری کتاب ہے، حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ جس شخص کو قرآن پہنچ گیا وہ ایسا ہوگیا جیسے اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرلی اور ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص کو قرآن پہنچ گیا میں اس کا نذیر ہوں۔

آخر میں یہود و نصاریٰ سے تحقیق کرلینے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ تو محمدؐ کو ایسا پہچانتے ہیں، جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ تورات اور انجیل میں آپ کا مکمل حلیہ اور تمام عادت و اخلاق اور کارناموں کی ایسی تفصیل ہے کہ اس کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی بلکہ آپ کے اصحابؓ کے حالات کا مفصل تذکرہ موجود ہے پھر بھی اگر یہ مسلمان نہیں ہوتے اپنے ہاتھوں خود کو برباد کررہے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ

www.toobaaelibrary.com

يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ
حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ
وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا
نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا
لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا
عَلٰي رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے، یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتاوے، ایسے بے انصافوں کا (حال یہ ہوگا کہ) ان کو (قیامت کے دن) خلاصی نہ ہوگی (بلکہ دائمی عذاب میں گرفتار رہیں گے) اور وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جس روز ہم تمام خلائق کو (میدان حشر میں) جمع کریں گے، پھر مشرکین سے (بواسطہ یا بلا واسطہ بطور زجر وتوبیخ کے) کہیں گے کہ (بتلاؤ) تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے (کہ تمہاری سفارش نہیں کرتے جس پر تم کو بھروسہ تھا) پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی (ظاہر) نہ ہوگا کہ وہ (اس شرک سے خود بیزاری اور نفرت کا اظہار کریں گے اور بدحواسی کے عالم میں) یوں کہیں گے قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی کہ ہم مشرک نہیں تھے (حق تعالیٰ نے فرمایا تعجب کی نظر سے) ذرا دیکھو تو کس طرح (صریح) جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے (یعنی ان کے بت اور جن کو وہ خدا کا شریک ٹھیراتے تھے) وہ سب غائب ہوگئے (تشنیع بر انکار قرآن وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ) اور ان (مشرکین) میں بعضے ایسے ہیں کہ (آپؐ کے قرآن پڑھنے کے وقت اس کے سننے کے لیے) آپ کی طرف کان لگاتے ہیں (مگر چونکہ یہ سننا طلب حق کے لیے نہیں محض تماشے یا تمسخر کی نیت سے ہوتا ہے اس لیے اس سے ان کو کچھ نفع نہیں ہوتا، چنانچہ) ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس (قرآن کے مقصود) کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ بھر دیا ہے (کہ وہ اس کو ہدایت کے لیے نہیں سنتے، یہ تو ان کے دلوں اور کانوں کی حالت تھی، اب ان کی بصارت اور نگاہ کو دیکھو) اگر وہ لوگ (آپ کی صدق نبوت کے) تمام دلائل کو (بھی) دیکھ لیں ان پر بھی ایمان نہ لاویں (ان کے عناد کی نوبت) یہاں تک (پہنچی ہے) کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ

www.toobaaelibrary.com

جھگڑتے ہیں (اس طور پر کہ) یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پچھلے لوگوں سے (منقول) چلی آتی ہیں (یعنی مذہب والے پہلے سے ایسی باتیں کرتے چلے آتے ہیں کہ معبود ایک ہی ہے اور یہ کہ انسان خدا کا پیغمبر ہو سکتا ہے، قیامت میں پھر زندہ ہونا ہے، جس کا حاصل عناد اور تکذیب ہے، آگے اس سے ترقی کر کے جدال اور دوسروں کو بھی ہدایت سے روکنے کا کام شروع کیا) اور پھر یہ لوگ اس (قرآن) سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی (اس سے نفرت ظاہر کرنے کے لیے) دور دور رہتے ہیں اور (ان حرکتوں سے) یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور (حماقت اور غایت بغض سے) کچھ خبر نہیں رکھتے (کہ ہم کس کا نقصان کر رہے ہیں، ہمارے اس فعل سے رسول اور قرآن کا تو اس سے کچھ نہیں بگڑتا)، اور اگر آپ (ان کو) اس وقت دیکھیں (تو بڑا ہولناک واقعہ نظر آئے) جب کہ یہ (منکرین) دوزخ کے پاس کھڑے کیے جاویں گے (اور قریب ہوگا کہ جہنم میں ڈال دیے جاویں) تو (ہزاروں تمناؤں کے ساتھ) کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہوتی کہ ہم (دنیا میں) پھر واپس بھیج دیے جاویں اور اگر ایسا ہو جاوے تو ہم (پھر) اپنے رب کی آیات (مثل قرآن وغیرہ) کو کبھی جھوٹا نہ بتاویں اور ہم (ضرور) ایمان والوں میں سے ہو جاویں (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تمنا اور وعدہ کچی رغبت اور قصد اطاعت سے نہیں) بلکہ (اس وقت مصیبت میں پھنس رہے ہیں کہ) جس چیز کو اس سے پہلے (دنیا میں) دبایا (اور مٹایا) کرتے تھے، وہ آج اس کے سامنے آگئی ہے (مراد اس چیز سے آخرت کا عذاب ہے، جس کی وعید کفر و معصیت پر دنیا میں ان کو کی جاتی تھی، اور دبانے سے مراد انکار ہے، مطلب یہ ہے کہ اس وقت جان کو بن رہی ہے، اس لیے جان بچانے کو یہ سارے وعدے ہو رہے ہیں، اور دل سے ہرگز وعدہ پورا کرنے کا ارادہ نہیں یہاں تک کہ) اگر (بالفرض) یہ لوگ واپس بھیج دیے جاویں تب بھی یہ وہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا (یعنی کفر و نافرمانی) اور یقیناً یہ (ان وعدوں میں) بالکل جھوٹے ہیں (یعنی نہ اس وقت ایفائے وعدہ کا قصد نہ دنیا میں جا کر ایفائے وعدہ کا ان سے احتمال ہے) اور یہ (منکرین) کہتے ہیں کہ زندگی اور کہیں نہیں، بس یہی دنیا کی زندگی اور ہم (اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد پھر) زندہ نہ کیے جاویں گے (جیسا کہ انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں) اور اگر آپ (ان کو) اس وقت دیکھیں (تو بڑا عجیب واقعہ نظر آوے) جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے حساب کے لیے کھڑے کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرماوے گا کہ (کہو) کیا یہ (قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا)

www.toobaaelibrary.com

امر واقعی نہیں وہ کہیں گے بیشک (واقعی ہے) قسم اپنے رب کی اللہ تعالیٰ فرماوے گا تو اب اپنے کفر کا مزہ چکھو (اس کے بعد دوزخ میں بھیج دیے جاویں گے)۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۲۲: اس میں اس سب سے بڑے امتحان کا ذکر ہے جو محشر میں رب الارباب کے سامنے ہونے والا ہے

ثم نقول: لفظ ثم تراخی کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی محشر میں فوراً ہی سوال وجواب نہیں ہوگا بلکہ عرصہ دراز تک حیرت وتذبذب کے عالم میں کھڑے رہیں گے، حدیث میں آتا ہے کہ پچاس ہزار سال تک اسی طرح رہو گے، ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز ایک ہزار سال اندھیری میں رہیں گے باہم بات چیت بھی نہ کرسکیں گے، کہیں ایک ہزار سال اور کہیں پچاس ہزار سال ارشاد ہے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ یہ روز شدتِ تکلیف ومشقت کے اعتبار سے دراز ہوگا، اور مشقت کے درجات مختلف ہوں گے اس لیے بعضوں کے لیے یہ دن پچاس ہزار سال اور بعض کے لیے ایک ہزار سال محسوس ہوگا۔

بہرحال لوگ تمنا کرنے لگیں گے کہ کسی طرح امتحان اور حساب جلد ہو جائے، انجام کچھ بھی ہو، یہ تردد اور تذبذب کی تکلیف تو جائے، اسی طرح مشرکین کی طرف سے جواب میں بھی ثم آیا ہے یعنی وہ بھی بڑے وقفہ کے بعد بہت غور وفکر کر کے یہ جواب دیں گے، واللہ ربنا ما کنا مشرکین. یہ عجیب بات ہے کہ میدان حشر میں رب الارباب کے سامنے جھوٹ بولیں گے اور وہ بھی قسم کھا کر؟

جواب: یہ ہے کہ یہ جواب فرطِ ہیبت اور بوکھلاہٹ کی بنا پر ہوگا، نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزادانہ بولنے کی قدرت بھی دیدی تاکہ ان کی پوری کیفیت سب کے سامنے آجائے کہ یہ کفر وشرک کے ساتھ جھوٹ بولنے میں بھی یکتا ہیں، کہ اس موقعہ پر بھی نہیں جھجکتے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے منھوں پر سکوت کی مہر لگادیں گے اور ان کے اعضاء وجوارح کو حکم دیں گے کہ تم شہادت دو۔

یہی وجہ ہے کہ موت کے بعد قبر کے پہلے امتحان میں فرشتوں کے سوال کے جواب میں ھاہ ھاہ لاادری کہیں گے، معلوم ہوا کہ اس امتحان میں کسی کو جھوٹ بولنے کی جرأت نہ ہوگی ورنہ مسلمان کا جواب کافر بھی دے سکتا تھا، یعنی ربی اللہ ودینی الاسلام.

وجہ یہ ہے کہ وہاں ممتحن فرشتے ہوں گے جو نہ عالم الغیب ہوں گے نہ یہ قدرت ہوگی کہ ہاتھ پاؤں سے گواہی لیلیں، اور قبر میں جھوٹ بولنے کا اختیار انسان کو ہوتا تو اس کے جواب کے مطابق ہی عمل کرتے اور وہ نظام مختل ہو جاتا۔

www.toobaaelibrary.com

بحر محیط اور مظہری میں بعض حضرات کا یہ قول بھی ہے کہ جھوٹی قسمیں کھا کر منکر ین شرک وہ لوگ ہوں گے جو علانیہ کسی مخلوق کو خدا یا خدا کا نائب نہیں کہتے تھے مگر عملاً خدائی کے سارے اختیارات مخلوق کو بانٹ رکھے تھے، یہ لوگ خود کو مشرک نہ سمجھتے تھے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ خطاب اور کلامِ الٰہی ان سے بطور اکرام واعزاز یا قبولیت دعا نہ ہوگا، زجر وتوبیخ کے خطاب کی نفی اس آیت میں مراد نہیں، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ خطاب جو اس آیت میں ہے بواسطہ ملائکہ ہو اور جہاں نفی کی گئی ہے اس میں مراد کلام بلا واسطہ ہے۔

آیت ۲۴: افتراء سے مراد دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سہیم و شریک ٹھرانا ہے، یا یہ کہ افتراء سے مراد میدان حشر کی جھوٹی قسم ہے کہ ہاتھوں اور پاؤں اور عضاء کی گواہی سے وہ جھوٹ کھل گیا، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ افتراء سے مراد مشرکین کی وہ تاویلیں ہیں جو اپنے معبودان باطل کے بارے میں دنیا میں کہا کرتے تھے، مثلاً ماتعبد ھم الالیقربونا الی اللہ زُلفیٰ محشر میں یہ افتراء اس طرح کیا گیا کہ محشر کی سب سے بڑی مصیبت میں کوئی کام نہ آیا اور ان معبودان باطل کے محشر میں غائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بحیثیت سفارش اور نفع رسانی کے غائب ہوں گے، ویسے حاضر وموجود ہوں گے، نیز یہ بھی ممکن ہے ایک وقت میں سب ایک جگہ جمع کر دیے جائیں، پھر متفرق ہوجائیں اور یہ سوال تفریق کے بعد کیا جائے۔

جھوٹ بولنے کی عادت ایک ایسی خبیث عادت ہے جو چھوٹتی نہیں حتیٰ کہ یہاں بھی باز نہ آئے، اسی لیے قرآن وحدیث میں جھوٹ بولنے پر شدید وعید اور مذمت فرمائی گئی ہے۔

آیت ۲۶: وھم ینھون عنه وینئون عنه: عامۂ مفسرین کے نزدیک یہ آیت عام کفار مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آپ کے چچا ابو طالب اور ان چچاؤں کے متعلق ہے جو لوگوں کو آپ کی ایذا رسانی سے روکتے اور آپ کی حمایت کرتے تھے مگر نہ قرآن پر ایمان لاتے اور نہ اس پر عمل کرتے، بایں صورت ینھون عنه کی ضمیر بجائے قرآن کے نبی کریمؐ کی طرف راجع ہوگی۔ (مظہری)

آیت ۲۷: دوزخ کے کنارے جب وہ وہم وخیال سے بھی زیادہ ہولناک عذاب مشاہدہ کریں گے تو وہ یہ تمنا ظاہر کریں گے کہ کاش ہمیں پھر دنیا میں بھیج دیا جاتا تو پھر ہم تکذیب نہ کرتے اور ایمان لاتے، اس کے بعد والی آیت میں علیم وخبیر احکم الحاکمین نے ارشاد فرمایا کہ یہ ہمیشہ سے جھوٹ کے عادی تھے یہ اپنی اس تمنا اور قول میں بھی جھوٹے ہیں، آج یوم آخرت اور جزاء

www.toobaaelibrary.com

دمزا کا مظاہرہ دیکھا، دوزخ کا مشاہدہ کیا تو اب کوئی حجت مخالفت کی باقی نہ رہی اس لیے یوں ہی کہنے لگے اگر بالفرض دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو پھر یہ اپنے قول وقرار کو بھول جائیں گے۔

آیت ۲۹: وقالوا إن هي الخ اس کا عطف عادُوْ پر ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ
أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۚ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ○ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ
لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ ۖ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ
اللَّهِ يَجْحَدُونَ ○ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبَإِ الْمُرْسَلِينَ ○ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ
تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ
مِنَ الْجَاهِلِينَ ○ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ○ وَقَالُوا لَوْلَا
نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ
فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ○
وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ ○ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○ بَلْ
إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ○

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

بیشک (سخت) خسارے میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے ملنے کی (یعنی قیامت کے روز زندہ ہوکر خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی کی) تکذیب کی (اور یہ تکذیب تھوڑے دنوں رہے گی) یہاں تک کہ جب وہ معین وقت (یعنی قیامت کا دن مع مقدمات) ان پر دفعۃً (بلا اطلاع) آپہنچے گا (اس وقت سارے دعوے اور تکذیب ختم ہوجاویں گے اور) کہنے لگیں گے ہائے افسوس ہماری کوتاہی (اور غفلت) پر جو اس (قیامت) کے بارے میں (ہم سے) ہوئی اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنے (کفر و نافرمانی کا) بار اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے، خوب سن لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو اپنے اوپر لادیں گے، اور دنیوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو ولعب کے (بوجہ غیر نافع اور غیر باقی ہونے کے) اور پھر پچھلا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہتر ہے، کیا تم سوچتے نہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان (کفار) کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو (آپ) غم

www.toobaaelibrary.com

میں نہ پڑئیے بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے کیونکہ) یہ لوگ (براہ راست) آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا (قصداً) انکار کرتے ہیں، (گو اس سے آپ کی تکذیب بھی لازم آتی ہے مگر ان کا اصل مقصد آیات اللہ کی تکذیب ہے جیسا کہ ان میں بعض مثلاً ابو جہل اس کے اقراری بھی ہیں، اور جب ان کا اصل مقصد آیات اللہ کی تکذیب ہے تو ان کا یہ معاملہ خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوا، وہ خود ہی ان کو سمجھ لیں گے، آپ کیوں غم میں مبتلا ہوں) اور (کفار کی یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں، بلکہ) بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے، جس پر انہوں نے صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو (طرح طرح) کی ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچ گئی (جس سے مخالف مغلوب ہو گئے، اس وقت تک وہ صبر ہی کرتے رہے) اور (اسی طرح صبر کرنے کے بعد آپ کو بھی امداد الٰہی آپہنچے گی، کیوں کہ) اللہ تعالیٰ کی باتوں (یعنی وعدوں) کو کوئی بدلنے والا نہیں (اور امداد کا وعدہ آپ سے ہو چکا ہے، جیسا کہ فرمایا لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِی) اور آپ کے پاس پیغمبروں کے بعض قصص (قرآن میں) پہنچ چکے ہیں (جن سے اللہ کی امداد اور مخالفین کا بالآخر مغلوب ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور حاصل اس تسلی کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، کہ ابتدائی چند روزہ صبر کے بعد وہ اپنے رسولوں کو امداد بھیج دیتے ہیں، جس سے دنیا میں بھی حق کا غلبہ ہو جاتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے، اور آخرت میں بھی ان کو عزت و فلاح ملتی ہے، آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونے والا ہے، آپ مغموم نہ ہوں اور رسول اللہ ﷺ کو چونکہ تمام انسانوں کے ساتھ شفقت و محبت انتہا کی تھی، آپ باوجود تسلی کے یہ چاہتے تھے کہ یہ مشرکین اگر موجودہ معجزات اور نبوت کے دلائل پر مطمئن ہو کر ایمان نہیں لاتے تو جس قسم کے معجزات کا یہ مطالبہ کرتے ہیں، وہی معجزات واقع ہو جائیں، شاید ایمان لے آویں، اور اس اعتبار سے ان کا کفر دیکھ کر صبر نہ آتا تھا، اس لیے اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ بمقتضائے حکمت الٰہیہ ان کے فرمائشی معجزات واقع نہ کیے جاویں گے، آپ تا چندے صبر کریں، ان کے وقوع کی فکر میں نہ پڑیں چنانچہ فرمایا وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ) اور اگر آپ کو (منکرین) کا اعراض (و انکار) گراں گذرتا ہے (اور اس لیے جی چاہتا ہے کہ ان فرمائشی معجزات ظاہر ہو جاویں) تو آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں (جانے کو) کوئی سرنگ یا آسمان میں (جانے کو) کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو (پھر اس کے ذریعہ زمین یا آسمان میں جا کر وہاں سے) معجزہ (فرمائشی میں سے) لے آؤ (تو بہتر ہے آپ ایسا) کر لو (یعنی ہم تو ان کی یہ فرمائشیں بوجہ عدم

www.toobaaelibrary.com

ضرورت اور بمقتضائے حکمت کے پوری نہیں کرتے، اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ مسلمان ہو جاویں تو آپؐ خود اس کا انتظام کیجئے) اور اللہ کو (تکویناً) منظور ہوتا تو ان سب کو راہ (راست) پر جمع کر دیتا (لیکن چونکہ یہ خود ہی اپنا بھلا نہیں چاہتے اس لیے تکویناً اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہوا، پھر آپؐ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے) سو آپؐ (اس فکر کو چھوڑیے اور) نادانوں میں سے نہ ہوجیے (امر حق وہدایت کو تو) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (حق بات کو طلب حق کے ارادہ سے) سنتے ہیں اور (اگر اس انکار اعراض کی پوری سزا ان کو دنیا میں نہ ملی تو کیا ہوا آخر ایک دن) مردوں کو اللہ تعالیٰ قبروں سے زندہ کر کے اٹھاویں گے، پھر وہ سب اللہ ہی کی طرف (حساب کے لیے) لائے جاویں گے اور یہ (منکر) لوگ (براہ عناد) کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان پر (ہمارے فرمائشی معجزات میں سے) کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپؐ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بیشک قدرت ہے اس پر کہ وہ (ایسا ہی) معجزہ نازل فرما دیں، لیکن ان میں سے اکثر (اس کے انجام سے) بے خبر ہیں، (اس لیے ایسی درخواست کر رہے ہیں اور وہ انجام یہ ہے کہ اگر پھر بھی ایمان نہ لاویں گے تو سب فوراً ہلاک کر دیے جائیں گے لقولہ تعالیٰ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ، حاصل یہ ہے کہ ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر کرنے کی ضرورت تو اس لیے نہیں کہ پہلے معجزات کافی ہیں، لقولہ تعالیٰ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ الخ اور ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی معجزہ پر بھی ایمان نہ لاویں گے، جس سے فوری عذاب کے مستحق ہو جاویں گے اس لے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر نہ کیا جائے، اور آیت کے آخر میں وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ الخ فرمانا محبت وشفقت کے طور پر ہے، لفظ جہالت عربی زبان میں اس معنی عام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، بخلاف اردو زبان کے، اس لیے اس کا ترجمہ لفظ جہالت سے کرنا ادب کے خلاف ہے، اگلی آیات میں تنبیہ کے لیے قیامت اور تمام خلائق کے حشر کا ذکر ہے) اور جتنی قسم کے جانور زمین پر (خواہ خشکی میں یا پانی میں) چلنے والے ہیں اور جتنی قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں سے کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ (قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھنے میں) تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں اور (گو یہ سب اپنی کثرت کی وجہ سے عرفاً بے انتہا ہوں، لیکن ہمارے حساب میں سب منضبط ہیں کیونکہ) ہم نے (اپنے) دفتر (لوح محفوظ) میں کوئی چیز (جو قیامت تک ہونے والی ہے بے لکھے) نہیں چھوڑی (اگرچہ اللہ تعالیٰ کو لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، ان کا علم ازلی اور محیط ہی کافی ہے لیکن لکھنے کے ذریعے منضبط کر لینا افہام عامہ کے قریب تر ہے) پھر (اس کے بعد

www.toobaaelibrary.com

اپنے وقت معین پر) سب (انسان اور جانور) اپنے پروردگار کے پاس جمع ہو جاویں گے (آگے پھر رسول اللہ کی تسلی کا مضمون ہے) اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ تو (حق سننے سے) بہرے (جیسے) اور (حق کہنے سے) گونگے (جیسے) ہو رہے ہیں (اور اس کی وجہ سے) طرح طرح کی ظلمتوں میں (گرفتار) ہیں (کیونکہ ہر کفر ایک ظلمت ہے اور ان میں مختلف قسم کے کفر جمع ہیں پھر ان اقسام کفر کا بار بار تکرار الگ الگ ظلمتیں ہیں) اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں (بوجہ اعراض عن الحق کے) بے راہ کر دیں اور جس کو چاہیں (اپنے فضل سے) سیدھی راہ پر لگا دیں، آپ (ان مشرکین سے) کہئے کہ (اچھا) یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آ پڑے یا تم پر قیامت ہی آ جاوے تو کیا (اس عذاب اور ہول قیامت کو ہٹانے کے واسطے) خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم (شرک کے دعوے میں) سچے ہو (تو چاہئے اس وقت بھی غیر اللہ کو ہی پکارو لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا) بلکہ (اس وقت تو) خاص اسی کو پکارنے لگو پھر جس (آفت) کے (ہٹانے) کے لیے تم (اس کو) پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے (اور نہ چاہے تو نہ بھی ہٹاوے) اور جن کو تم (اب اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو (اس وقت) ان سب کو بھول جاؤ۔

تلخیص معارف و مسائل

آیت ۳۱: وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ: حدیث میں ہے کہ بروز قیامت نیک لوگوں کے اعمال ان کی سواری بن جائیں گے اور بدکاروں کے اعمال بد بھاری بوجھ کی شکل میں ان کے سروں پر لادے جائیں گے۔

کفار و فجار میدان حشر میں بوکھلاہٹ میں سب کچھ تو کہیں گے مگر یہ نہ کہیں گے کہ ہم اب ایمان لائے اور اب نیک عمل کیا کریں گے، کیوں کہ یہ حقیقت کھل کر ان کے سامنے آ جائے گی کہ عالم آخرت دار العمل نہیں اور یہ کہ ایمان کی صحت اسی لیے وقت تک جب تک ایمان بالغیب ہو، مشاہدہ کے بعد کی تصدیق تو اپنے مشاہدہ پر عمل ہے خدا اور رسول کی تصدیق نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تمام ثمرات کا حصول صرف دنیا کی زندگی کے ذریعہ ہو سکتا ہے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ دنیا کی زندگی بہت بڑی نعمت اور نہایت قیمتی چیز ہے جس میں یہ عظیم الشان سودا کیا جا سکتا ہے اسی لیے اسلام میں خودکشی حرام اور موت کی دعا یا تمنا کرنا ممنوع ہے اس میں اللہ کی ایک بھاری نعمت کی ناشکری ہے، نیز یہ بھی واضح ہوا کہ آیات میں جو حیات دنیا کو لہو و لعب کہا گیا ہے اور احادیث میں جو دنیا کی مذمت آئی ہے اس سے مراد حیات دنیا کے وہ لمحات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کے غفلت میں گذریں۔

www.toobaaelibrary.com

ورنہ جو وقت اللہ تعالیٰ کی طاعت اور ذکر میں گذرتا ہے اس کے برابر دنیا کی کوئی نعمت و دولت نہیں، ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ارشاد ہے: الدنیا ملعون وملعون ما فیھا الا ذکر اللّٰہ او عالمٌ او متعلمٌ : یہاں علم سے مراد وہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب بنے، بلکہ امام جزریؒ کی تصریح کے مطابق دنیا کا ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت یعنی احکام شریعت کی مطابقت میں کیا جائے وہ سب ذکر اللہ ہی میں داخل ہے۔

خلاصہ یہ کہ انسان کی زندگی سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے، اور معلوم ہے کہ زندگی کا ایک محدود وقت ہے، اور زندگی کی صحیح حد کسی کو نہیں معلوم کہ کتنے سال یا کتنے گھنٹے کی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہے کہ رضاء الٰہی کی متاع گرانمایہ صرف اسی محدود حیات دنیا میں حاصل کی جاسکتی ہے اب ہر صاحب عقل خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ زندگی کے ان محدود لمحات و ساعات کو کس کام میں خرچ کرنا چاہئے۔

باقی اور کام جو اس زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہیں ان کو بقدر ضرورت ہی اختیار کرنا چاہئے، حدیث میں ہے الکیس من دان نفسہ ورضی بالکفاف وعمل لما بعد الموت.

یعنی عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے، اور بقدر کفایت معاش پر راضی ہوجائے اور ما بعد الموت کے لیے سارا عمل وقف کردے۔

آیت: ۳۳ تفسیر مظہری میں بروایت سدی اس کا واقعہ یوں منقول ہے کہ ایک مرتبہ سردار قریش اخنس بن شریف کی ابوجہل سے ملاقات ہوئی تو اخنس نے ابوجہل سے پوچھا کہ اے ابوالحکم اس وقت ہم صرف دونوں ہیں کوئی تیسرا سننے والا نہیں مجھے تم محمد بن عبداللہ کے متعلق صحیح صحیح اپنا خیال بتلاؤ کہ تم ان کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا، ابوجہل نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ بلاشبہ محمدؐ سچے ہیں، انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، لیکن بات یہ ہے کہ قبیلۂ قریش کی ایک شاخ بنوقصی میں ساری خوبیاں اور کمالات جمع ہوجائیں باقی قریش خالی رہ جائیں اس کو ہم کیسے برداشت کرلیں، جھنڈا ان کے ہاتھ میں، سقایہ کا کام ان کے ہاتھ میں، بیت اللہ کی دربانی اور اس کی کنجی ان کے ہاتھ میں اب اگر نبوت بھی ہم ان ہی میں تسلیم کرلیں تو باقی قریش کے پاس کیا رہ جائے گا۔

ایک دوسری روایت ناجیہ ابن کعب سے منقول ہے کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں آپ پہ جھوٹ کا کوئی گمان نہیں ہم تو اس کتاب یا دین کی تکذیب کرتے ہیں جس کو آپؐ لائے ہیں (مظہری)

www.toobaaelibrary.com

ان روایات کی بناء پر آیت کو اپنے حقیقی مفہوم پر لیا جا سکتا ہے، اور نیز یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کفار اگرچہ ظاہر میں آپ ہی کی تکذیب کرتے ہیں مگر درحقیقت آپ کی تکذیب کا انجام خود اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کی تکذیب ہے۔

آیت: ۳۸: اللہ تعالیٰ کا انصاف اس حد تک ہے کہ اگر کسی سینگ والے جانور نے بے سینگ کے جانور کو دنیا میں مارا تھا تو آج اس کا انتقام اس سے لیا جائے گا، اور جب ان کے باہمی حقوق و بدلے ہو چکیں گے تو ان کو حکم ہوگا کہ سب مٹی ہو جاؤ، سب اسی وقت مٹی کا ڈھیر ہو کر رہ جائیں گے، یہی وقت ہوگا جب کافر کہے گا یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا. علماء نے فرمایا ہے کہ محشر میں جانوروں کا انتقام ان کے مکلف ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ رب العالمین کے غایت عدل و انصاف کی وجہ سے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلق اللہ کے باہمی حقوق و مظالم کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ غیر مکلف جانوروں کو بھی اس سے آزاد نہیں کیا گیا، مگر افسوس ہے کہ بہت سے دیندار اور عبادت گذار آدمی بھی اس میں غفلت برتتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ
بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى
قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ
اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ
اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ
اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ
الْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے تھے (مگر انھوں نے ان کو نہ مانا) تو ہم نے ان کو تنگ دستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جاویں (اور اپنے کفر و معصیت سے توبہ کر لیں) سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی

www.toobaaelibrary.com

وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے (کہ انکا جرم معاف ہو جاتا) لیکن ان کے قلوب تو (ویسے ہی) سخت (کے سخت) رہے، اور شیطان ان کے اعمال بد کو ان کے خیال میں (بدستور) آراستہ (و مستحسن) کر کے دکھا تا رہا، پھر جب وہ لوگ (بدستور) ان چیزوں کو بھولے (اور چھوڑے) رہے، جن کی ان کو (پیغمبروں کی طرف سے) نصیحت کی جاتی تھی (یعنی ایمان واطاعت) تو ہم نے ان پر (عیش و عشرت کی) ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے (اور غفلت وستی میں ان کا کفر اور بڑھ گیا، اس وقت) ہم نے ان کو دفعتًا (بے گمان عذاب میں) پکڑ لیا (اور عذاب شدید نازل کیا جس کا ذکر قرآن میں جابجا آیا ہے) پھر (اس عذاب سے) ظالم لوگوں کی جڑ (تک) کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے (کہ ایسے ظالموں کا پاپ کٹا جن کی وجہ سے دنیا میں نحوست پھیلی تھی) آپؐ (ان سے بھی) کہئے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری شنوائی اور بینائی بالکل لے لے (کہ نہ تم کو کچھ سنائی دے نہ دکھائی دے) اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے (کہ تم دل سے کسی چیز کو نہ سمجھ سکو) تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ (چیزیں) تم کو پھر دے دے (جب تمہارے اقرار سے بھی کوئی ایسا نہیں پھر کیسے کسی کو مستحق عبادت سمجھتے ہو) آپ دیکھئے کہ ہم کس (کس) طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے ظاہر کر رہے ہیں (پھر بھی ان دلائل میں غور اور ان کے نتیجے کو تسلیم کرنے سے) یہ اعراض (بے رخی) کرتے ہیں، آپؐ ان سے یہ (بھی) کہئے کہ یہ بتلاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے خواہ بے خبری میں یا ہوشیاری میں تو کیا بجز ظالم لوگوں کے (اس عذاب سے) اور بھی کوئی ہلاک کیا جاوے گا (مطلب یہ ہے کہ اگر عذاب آیا وہ تمہارے ظلم کی وجہ سے تم پر ہی پڑے گا، مؤمن بچے رہیں گے، اس لیے تم کو ہوش کرنا چاہئے، اور مرگ انبوہ جشنے دارد کا سہارا بھی بھول جانا چاہیے کہ اگر عذاب آہی گیا تو اس میں ہمارے ساتھ مسلمان بھی تو مبتلا ہو نگے) اور ہم پیغمبروں کو (جن کی پیغمبری دلائل قطعیہ سے ثابت کر چکے ہیں) صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ (ایمان اور اطاعت کرنے والوں کو رضائے الٰہی اور نعمائے جنت کی) بشارت دیں اور (کفر و معصیت کرنے والوں کو اللہ کی ناراضی سے) ڈرائیں (اس لیے نہیں بھیجتے کہ حجت تمام ہو جانے کے بعد بھی مخالفین از راہ عناد ان سے جو واہی تباہی فرمائشیں کیا کریں وہ سب کو پورا کر کے دکھایا کریں) پھر (ان پیغمبروں کی بشارت اور ڈرانے کے بعد) جو شخص ایمان لے آوے اور (اپنی حالت کی اعتقادًا اور عملًا) اصلاح کرلے تو ان لوگوں پر (آخرت میں) کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ وہاں مغموم ہوں گے۔

www.toobaaelibrary.com

اور جو لوگ (اس تبشیر و انذار کے بعد بھی) ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلا دیں ان کو (بعض اوقات دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور) عذاب لگتا ہے بوجہ اس کے کہ وہ دائرۂ ایمان سے نکل جاتے ہیں، آپ (ان معاند لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے تمام خزانے ہیں (کہ جو کچھ مجھ سے مانگا جائے گا وہ اپنی قدرت سے دیدوں) اور نہ میں تمام غیب کی چیزوں کو جانتا ہوں (جو اللہ کا خاصہ ہے) اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے (جس میں مقتضائے وحی پر خود عمل کرنا بھی داخل ہے اور دوسروں کو دعوت دینا بھی، جیسا کہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی حال تھا، پھر) آپ ان سے کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے (اور جب یہ بات سب کو مسلم ہے) تو کیا تم (آنکھوں والا بننا نہیں چاہتے اور اس تقریر مذکور میں) غور (کامل بقصد طلب حق) نہیں کرتے (کہ حق واضح ہو جائے اور تم بیناؤں میں داخل ہو جاؤ)۔ اور اگر اس پر بھی وہ عناد سے باز نہ آئیں تو ان سے بحث و مباحثہ بند کر دیجئے اور آپ کا جو اصلی کام ہے تبلیغ رسالت کا اس میں مشغول ہو جایئے۔

تلخیص معارف و مسائل

آیت: ۴۲: پچھلی امتوں کا دو طرح امتحان لیا گیا، اول سختی اور تکلیف ڈال کر کہ دیکھیں اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یا نہیں، جب یہ اس میں فیل ہوئے بلکہ اور زیادہ سرکشی میں منہمک ہو گئے، پھر ان کا دوسری طرح کا امتحان لیا گیا، کہ ان پر دنیوی عیش و راحت کے دروازے کھول دیے گئے کہ شاید یہ لوگ نعمتوں کو دیکھ کر اپنے منعم اور محسن کو پہچانیں، لیکن وہ اس امتحان میں بھی ناکام ہوئے، بجائے شکر کے وہ عیش و عشرت کی بھول بھلیاں میں ایسے الجھ گئے کہ اللہ اور اس کے رسول کے پیغامات اور تعلیمات کو یکسر بھلا بیٹھے، پھر جب ہر طرح حجت ان پر تمام ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں دفعۃً پکڑ لیے گئے، اور ایسے نیست و نابود کر دیے گئے کہ ان کا سلسلۂ نسل بھی باقی نہ رہا، قوم نوح کو پانی کے ایسے طوفان عام نے گھیر لیا جس سے پہاڑوں کی چوٹیاں بھی محفوظ نہ رہ سکیں، قوم عاد پر ہوا کا شدید طوفان آٹھ دن تک مسلسل رہا جس سے ان کا کوئی فرد باقی نہ بچا، قوم ثمود کو ایک خوفناک آواز کے ذریعہ تباہ کر دیا گیا، قوم لوط کی بستی کو الٹ دیا گیا۔

جو آج تک اردن کے علاقہ میں ایک عجیب قسم کے پانی کی صورت میں موجود ہے جس میں کوئی جانور مینڈک مچھلی وغیرہ زندہ نہیں رہ سکتی اسی لیے اس کو بحر میت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے

www.toobaaelibrary.com

اور بحر لوط کے نام سے بھی۔

اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ وہ بظاہر طبعی موت سے مر گئے اور آگے کوئی ان کا نام لینے والا بھی باقی نہ رہا۔

اور یہ عذاب عام دفعۃً نہیں بھیجتے بلکہ بطور تنبیہ کے تھوڑی تھوڑی سزائیں نازل فرماتے ہیں اور یہ سزا بھی صورۃً ہوتی ہے، تاکہ سعید و نیک بخت غفلت سے بیدار ہو جائیں، جو تقاضائے رحمت ہے، اصل جزاء و سزا تو روزِ قیامت میں ہوگی جس کا نام ہی یوم الدین ہے اور روزِ جزاء ہے۔

اس دنیا میں جزاء و سزا بطور نمونہ کے ہوتی ہے، یہاں کی راحتیں اور لذتیں نمونہ ہیں جنت کی راحتوں کا تاکہ انسان کو ان کی طرف رغبت ہو، اور تکلیفیں اور رنج و غم نمونہ ہیں عذاب آخرت کے لیے تاکہ ان سے بچنے کا اہتمام ہو ورنہ بغیر نمونہ کے نہ کسی چیز کی طرف کسی کو رغبت دلائی جا سکتی ہے اور نہ کسی چیز سے ڈرایا جا سکتا ہے، لعلھم یتضرعون.

آیت: ۴۴: واضح ہو کہ دو امتحانوں میں دوسرا امتحان یعنی عیش و راحت کے دروازوں کا کھول دیا جانا یہ نہایت خطرناک آزمائش ہے، اس میں عام انسانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا میں کسی شخص یا جماعت پر عیش و عشرت کی فراوانی کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں کہ یہی لوگ صحیح راستہ پر ہیں اور یہی کامیاب زندگی کے مالک ہیں۔

چنانچہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم یہ دیکھو کہ کسی شخص پر نعمت و دولت برس رہی ہے حالاں کہ وہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں پر جما ہوا ہے تو سمجھ لو کہ اس کے ساتھ استدراج ہو رہا ہے یعنی اسے سخت عذاب میں پکڑے جانے کی ایک علامت ہے، (رواہ احمد عن عقبہ ابن عامر کذا فی تفسیر ابن کثیر)

آیت: ۴۵: میں فرمایا: والحمدللہ رب العلمین اس میں اشارہ کیا گیا کہ مجرموں اور ظالموں پر جب کوئی عذاب و مصیبت آئے تو پورے عالم کے لیے ایک نعمت ہے جن پر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

کفار مکہ کی طرف سے فرمائشی معجزات کا معاندانہ مطالبہ پیغمبر علیہ السلام کی چالیس سالہ زندگی اپنی پوری اُمِّیَّتِ محضہ کے عالم میں اہل مکہ کے سامنے رہی، پھر چالیس سال کے بعد اچانک آپ کی زبان مبارک سے ایسا محیر العقول حکیمانہ کلام جاری ہوا، اسی کے ساتھ آپ کی زندگی کا ہر دور اور اس میں پیش آنے والے عظیم القدر وقائع میں سے ہر ایک، ایک مستقل معجزہ اور آیت الٰہیہ تھی جس کے بعد کسی انصاف پسند عقل مند کے لیے مزید کسی آیت و معجزہ کے طلب کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی۔

www.toobaaelibrary.com

لیکن کفار قریش نے پھر بھی دوسرے قسم کے معجزات اپنی خواہش کے مطابق طلب کئے، ان کے مطلوبہ معجزات میں سے بعض کو حق تعالیٰ نے واضح طور پر دکھلا دیا، مثلاً چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا تھا، شق قمر کا معجزہ نہ صرف قریش نے بلکہ دنیا میں رہنے والوں کی بڑی تعداد نے آنکھوں سے دیکھ لیا، ایسا عظیم الشان معجزہ ظاہر ہونے کے باوجود وہ اپنے اسی کفر وضلالت اور ضد وعناد پر جمے رہے۔

مذکور الصدر آیتوں میں ان کے ایسی ہی سوالات ومطالبات کا جواب ایک خاص انداز سے دیا گیا ہے، کفار مکہ نے تین مطالبات مختلف اوقات میں پیش کئے تھے، اول یہ کہ بذریعہ معجزہ ہمارے لیے تمام دنیا کے خزائن جمع کرا دیجئے، دوسرے یہ کہ ہمارے مستقبل میں پیش آنے والے تمام مفید یا مضر حالات وواقعات بتا دیجئے، تیسرے ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ہماری ہی طرح کا ایک انسان تمام بشری صفات رکھتے ہوئے اللہ کا رسول بن جائے کوئی فرشتہ ہوتا تو ہم اس کو خدا کا رسول اور پیشوا مان لیتے۔

آیت: ۵۰: انہیں سوالات کے جواب میں ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مجھ سے دلیل اس چیز کی مانگی جاسکتی ہے جس کا میں نے دعویٰ کیا ہے، یعنی یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کی بھیجی ہوئی ہدایات کو انسانوں تک پہنچاتا ہوں اور خود بھی ان کا اتباع کرتا ہوں چنانچہ اس کے لیے بیشمار دلائل پیش کیے جاچکے ہیں وہ تینوں مطالبات قطعاً لایعنی ہیں رسول کا منصب صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے وحی کا اتباع کرے۔

اس ہدایت نامہ سے منصب رسالت کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا گیا اور رسول کے بارے میں جو غلط تصورات قائم کر رکھے تھے ان کا ازالہ بھی کر دیا گیا۔

اور جب اس آیت میں یہ بتلا دیا گیا کہ خدائی کے سارے خزانے سید الرسل کے ہاتھ میں بھی نہیں تو پھر امت کے کسی بزرگ یا ولی کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں، جس کو چاہیں دے سکتے ہیں کھلی ہوئی جہالت ہے۔

خزائن اللہ کا مفہوم دنیا کی تمام چیزوں پر حاوی ہے کچھ چیزوں کو متعین نہیں کیا جاسکتا، اور جن مفسرین نے مخصوص چیزوں کے نام لیے ہیں وہ بھی بطور مثال کے ہے۔

اس آیت میں درمیانی جملہ کا طرز کلام (یعنی لا اقول لکم انی اعلم الغیب کے بجائے لا اعلم الغیب) بدلنے کی ایک لطیف توجیہ بحر محیط میں یہ بیان کی گئی ہے کہ تمام خدائی خزانوں کا

www.toobaaelibrary.com

مالک ہونا یا نہ ہونا اسی طرح کسی کا فرشتہ ہونا یا نہ ہونا یہ چیزیں تو مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہیں محض عناد سے اس کا مطالبہ کرتے تھے، ان کے جواب میں صرف دعویٰ اور قول کی نفی کافی تھی لیکن علم غیب کا مسئلہ ایسا نہ تھا، کیونکہ وہ لوگ اپنے نجومیوں اور کاہنوں کے بارے میں بھی اس کا اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ غیب کو جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھنا کچھ مستبعد نہ تھا خصوصاً جب کہ آپ کی زبان مبارک سے بہت سی غیبی خبریں سن کر واقعہ ہونے کا مشاہدہ بھی کیا تھا، اس لیے یہاں اصل فعل کی نفی کی گئی اس میں ان کی اس غلط فہمی کو رفع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی یا الہام جن غیب کی چیزوں کا علم کسی فرشتہ یا رسول یا ولی کو دے دیا جائے اصطلاح قرآن میں اس کو علم غیب یا اس کے جاننے والے کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

قل ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر: مطلب یہ ہے کہ نفسانی جذبات اور ضد و عناد کو چھوڑ کر حقیقت کو دیکھو تاکہ تمہارا شمار اندھوں میں نہ ہو اور یہ بینائی تمہیں ذرا سے غور و فکر سے حاصل ہو سکتی ہے۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

ترجمہ و خلاصہ تفسیر

اور ایسے لوگوں کو (کفر و معصیت میں عذاب الٰہی سے خاص طور سے) ڈرایئے (جو اعتقاداً یا کم از کم احتمالاً) اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں (کہ قیامت میں) اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کیے جاویں گے کہ (اللہ کے سوا جس جس کو مددگار یا سفارش کرنے والا سمجھا تھا اس وقت ان میں سے) نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی (مستقل) شفاعت کرنے والا، شاید یہ لوگ عذاب سے ڈر جاویں (اور کفر و معصیت سے باز آجائیں) اور ان لوگوں کو (اپنی مجلس سے) نہ نکالئے جو صبح و شام (یعنی علی الدوام بدوام مناسب) اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، جس سے صرف اللہ کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں (اور کوئی غرض مال و جاہ

www.toobaaelibrary.com

نہیں، یعنی ان کی عبادت میں مداومت بھی ہے اور اخلاص بھی، اور اخلاص اگرچہ امر باطنی ہے مگر آثار وعلامات سے پہچانا جا سکتا ہے، اور جب تک عدم اخلاص کی کوئی دلیل نہیں، اخلاص ہی کا گمان رکھنا چاہئے) اور ان (کے باطن) کا حساب (اور تفتیش) ذرا بھی آپ کے ذمہ نہیں اور (یہ ان کے باطن کی تفتیش کا آپ سے متعلق نہ ہونا ایسا یقینی ہے جیسا کہ) آپؐ (کے باطن) کا حساب (اور تفتیش) ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپؐ ان کو نکال دیں (یعنی اگر ان کے باطنی اخلاص کی تفتیش آپؐ کے ذمہ ہوتی تو اس کی گنجائش تھی کہ جن کے اخلاص......کی تحقیق نہ ہو جائے ان لوگوں کو الگ کر دیں، مگر وہ آپؐ کے ذمہ نہیں، اور دوسری کوئی وجہ ان کو نکالنے کے جواز کی موجود نہیں، اور چونکہ آنحضرتؐ امت کے مربی ہیں، اور مربی کے لیے اپنے ماتحتوں کے احوال کی تفتیش کرنے کا احتمال ہو سکتا تھا، مگر اس کا عکس کہ وہ لوگ اپنے پیغمبرؑ کے باطنی احوال کی تفتیش کریں، اس کا کوئی احتمال ہی نہیں اس لیے وہ قطعاً منتفی ہے، اس جگہ محتمل کو متیقن کے ساتھ برابر قرار دے کر اس کی نفی کی گئی تاکہ اس کا منتفی ہونا بھی یقینی ہو جاوے) ورنہ (ان کے نکالنے سے) آپؐ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جاویں گے اور (ہم نے جو مؤمنوں کو غریب، کافروں کو رئیس بنا رکھا ہے جو بظاہر مقتضائے قیاس سے بعید ہے) تو (اس کی وجہ یہ ہے کہ) اسی طور ہم نے (ان میں سے) ایک (یعنی کفار) کو دوسروں (یعنی مؤمنون) کے ذریعہ آزمائش میں ڈال رکھا ہے (یعنی اس طرزِ عمل میں امتحان ہے کفار کا) تاکہ یہ لوگ (مؤمنون کے متعلق) کہا کریں کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے (انتخاب کر کے) ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا ہے (یعنی اپنے دین اسلام کے لیے ان کو منتخب کیا ہے) کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے (ان غریب لوگوں نے اپنے منعمِ حقیقی کا حق پہچانا، طلب حق میں لگ گئے، دین حق اور قبول عند اللہ سے مشرف کیے گئے، اور ان رؤسا نے ناشکری اور کفر کیا وہ اس نعمت سے محروم ہے) اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آویں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان بھی رکھتے ہیں تو آپ (ان کو بشارت سنانے کے لیے) کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے (یعنی کفار پر جو ہر طرح کی آفات آخرت میں پڑیں گی ان سے تم مامون ہو، اور دوسرے یہ بھی کہ) تمہارے رب نے (اپنے فضل وکرم سے) رحمت کرنا (اور تم کو نعمتیں دینا) اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے (یہاں تک) کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے (جو کہ) جہالت سے (ہو جاتا ہے، کیونکہ خلاف حکم کرنا عملی جہالت ہے مگر) پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے (اور آئندہ کو اپنے اعمال کی) اصلاح رکھے (اس میں یہ بھی آ گیا کہ اگر توبہ ٹوٹ جائے تو پھر توبہ کر لے) تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان

www.toobaaelibrary.com

ہے کہ (اس کے لیے بھی) بڑے مغفرت کرنے والے ہیں (کہ گناہ کی سزا بھی معاف کر دیں گے) اور بڑی رحمت کرنے والے ہیں (کہ طرح طرح کی نعمتیں بھی دیں گے) اور (جس طرح ہم نے اس مقام پر مؤمنین اور کفار کے حال و مآل کی تفصیل کر دی) اسی طرح ہم آیات کی (جو کہ دونوں فریق کے حال و مآل پر مشتمل ہوں) تفصیل کرتے ہیں (تاکہ مؤمنین کا طریقہ بھی ظاہر ہو جاوے) اور تاکہ مجرمین کا طریقہ (بھی) ظاہر کر دیا جائے (اور حق و باطل کے واضح ہونے سے طالب حق کو معرفت حق آسان ہو جائے)۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۱۵۱: قیامت کے متعلق تین طرح کے آدمی ہیں، (۱) ایک وہ جو یقینی طور پر اس کے معتقد ہیں (۲) دوسرے وہ جو متردد ہیں (۳) تیسرے وہ جو بالکل منکر ہیں اور تبلیغ و انذار کا حکم اگرچہ عام ہے لیکن پہلے دو طبقوں میں اثر قبول کرنے کی توقع زیادہ ہے اس لیے اس آیت میں خاص طور پر ایک کی طرف توجہ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

جن لوگوں نے انسان ہوتے ہوئے انسان کو دنیا کے مختلف جانوروں میں سے ایک ہوشیار جانور قرار دیا، ان کے نزدیک تخلیق انسانی کا منشا یہی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف کھانے پینے اور حیوانی جذبات کو استعمال کرنے ہی کو مقصد زندگی سمجھیں، اور جب مقصد زندگی یہ ٹھہرے گا تو اچھے برے اور شریف ورذیل کے پہچاننے کا معیار یہی ہو سکتا ہے کہ جس کے پاس کھانے پہننے اور برتنے کا سامان زیادہ ہو وہ کامیاب اور باعزت ہے اور جس کے پاس یہ چیزیں کم ہوں وہ بے عزت اور ناکام ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ اس عقیدہ و نظریہ پر اخلاق و اعمال صالحہ کی کوئی بحث ہی نہیں آتی، اسی لیے تمام انبیاء علیہم السلام کے دین و مذہب کا پہلا اور آخری سبق یہی رہا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جو دائمی اور غیر منقطع ہوگی دنیا کی زندگی خود مقصد نہیں بلکہ سامان آخرت کی فراہمی اس زندگی کا اصل مقصد ہے، اور انسان و حیوان میں یہی امتیازی فرق ہے، اور اسی عقیدہ و نظریہ پر شرافت ورذالت کا معیار ظاہر ہے کہ زیادہ کھانا پینا یا زیادہ مال و دولت جمع کر لینا نہیں ہوگا بلکہ اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ ہوں گے جن پر آخرت کی عزت کا مدار ہے۔

دنیا جس وقت بھی انبیاء کی ہدایات و تعلیمات سے غافل ہوئی تو اس کا طبعی نتیجہ سامنے آ گیا، مالدار کو معزز و شریف اور غریب کو بے عزت ورذیل قرار دیا، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے یہی اعتراض کیا" قالوا انؤمن لك واتبعك الارذلون "نوح علیہ السلام کے بعد بھی ہر زمانہ میں یہی ہوتا ہوا آیا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

حالانکہ یہی وہ غرباء ہیں جنہوں نے اپنی بصیرت اور اخلاق صالحہ کی بناء پر ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے میں پہل کی حتی کہ مذہب وملل کی تاریخ پر نظر رکھنے والوں کے نزدیک کسی پیغمبر کی صدق وحقانیت کی دلیل یہ بن گئی کہ ان کے ابتدائی متبعین قوم کے غریب لوگ ہوں، ہرقل کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ ان کے (پیغمبر کے) اکثر متبعین غریب عوام ہیں، یا قوم کے بڑے لوگ؟ جب اس کو بتلایا گیا کہ غریب لوگ ہیں تو اس نے کہا ھم اتباع الرسل یعنی رسولوں کے ابتدائی متبعین یہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔

پیغمبر علیہ السلام کے عہد مبارک میں پھر یہی سوال کھڑا ہوا، متذکرہ آیات میں اسی کا جواب خاص ہدایات کے ساتھ مذکور ہے۔

کفار قریش کے چند سردار عتبہ شیبہ ابن ربیع مطعم بن عدی حارث بن نوفل وغیرہ نے آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آکر کہا کہ آپ کے بھتیجے کے اردگرد ایسے لوگ رہتے ہیں جو ہمارے ہی رحم وکرم پر زندگی گذارتے تھے ان حقیر وذلیل لوگوں کے رہتے ہوئے ہم اُن کی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے، ہمارے لیے ان کی بات سننے اور ماننے کی ایک رکاوٹ یہ بھی ہے، ہمارے آنے کے وقت ان کو ہٹا دیا کریں تو ہم ان کی بات سنیں اور غور کریں، ابو طالب نے آکر نقل کیا تو فاروق اعظمؓ نے یہ رائے دی کہ اس میں کیا حرج ہے، یہ بھی کر دیکھیں، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی، نزول آیت کے بعد فاروق اعظمؓ کو معذرت کرنی پڑی، کہ میری رائے غلط تھی، اور یہ غریب لوگ تھے حضرت بلال حبشیؓ صہیب رومیؓ عمار بن یاسرؓ سالمؓ، صبیح مولی اسیدؓ، ابن مسعودؓ، مقداد بن عمرؓ، مسعود بن القاریؓ، ذوالشمالینؓ وغیرہ صحابہ کرام تھے جن کی عزت وشرافت کا پروانہ آسمان سے نازل ہوا اور قرآن میں اس کے متعلق دوسری جگہ تاکید آئی (دیکھئے سورہ کہف آیت ۲۸)

بالغدوة والعشی: محاورہ کے مطابق مراد ہے روز وشب کے تمام اوقات، یریدون وجھہ یہ بتلا دیا کہ عبادت میں جب تک اخلاص نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں، من حسابھم اور علیھم کی ضمیریں (ابن عطیہ اور زمخشری وغیرہ کی تحقیق کے مطابق) ان رؤسائے مشرکین کی طرف راجع ہیں پس اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ آپ ان غرباء مسلمین کے مقابلہ میں ان کی پرواہ نہ کریں کیونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر نہیں جیسا کہ آپ کے حساب کی ذمہ داری ان پر نہیں۔

آیت ۵۳: تاکہ رؤسائے قریش اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کا تماشا دیکھیں کہ جنہیں وہ حقیر

www.toobaaelibrary.com

وذلیل سمجھتے تھے وہ اتباع رسول سے کس مقام پر پہنچے، اس امتحان میں وہ ناکام ہوئے بجائے اس کے کہ وہ قدرت کے اس مظاہرہ پر غور کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچتے اللہ تعالیٰ پر الزام لگانے لگے کہ مستحق اعزاز تو ہم تھے ہمیں چھوڑ کر ان کو اعزاز کیوں دیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں پھر ان کو اصل حقیقت کی طرف اس جملہ سے متوجہ فرمایا الیس اللہ باعلم بالشکرین

چند ہدایات: کسی کی ظاہری خستہ حالی دیکھ کر اس کو حقیر وذلیل سمجھنے کا کسی کو حق نہیں، ایک حدیث میں ارشاد رسول ہے بہت سے شکستہ حال غبار آلود لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول ہیں، اگر کسی کام کے لیے قسم کھا بیٹھیں کہ ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا فرماتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ دولت دنیا کو معیار شرافت سمجھنا انسانیت کی توہین ہے اس کا اصل مدار اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ پر ہے۔

تیسرے یہ کہ کسی قوم کے مصلح ومبلغ کے لیے ان لوگوں کا حق مقدم ہے جو اس کی تعلیمات کو اپنا کر اس پر چل رہے ہیں، دوسروں کی خاطر ان کو مؤخر کرنا یا نظر انداز کرنا جائز نہیں

چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات بقدر شکر گذاری بڑھتے ہیں۔

آیت ۵۴: کے متعلق ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں اکثر حضرات نے ان آیات کو آیات سابقہ اور واقعہ سابقہ ہی سے متعلق قرار دیا ہے وہ یہ کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اپنی رائے اور مشورہ کی غلطی واضح ہوئی اور ڈرے کہ میں گنہگار ہو گیا، اس کی معذرت پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے اس پر یہ آیت ان کی تسلی کے لیے نازل ہوئی اور بعض حضرات نے اس آیت کے مضمون کو مستقل ہدایت نامہ کی حیثیت سے بیان کیا ہے، مگر غور کیا جائے تو ان میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ قرآن کریم کا کوئی خاص حکم بھی عام حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔

بایتنا: آیات سے مراد آیات قرآنی بھی ہو سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی عام نشانیاں بھی سلام علیکم اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچا دیجئے، اس میں ان لوگوں کا انتہائی اعزاز واکرام ہے اور ان کی دل شکنی کا بہترین تدارک ہو گیا، اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو سلامتی کی خوشخبری سنا دیجئے کہ اگر ان سے کوتاہی یا غلطی ہوئی ہے تو وہ معاف کر دیجائے گی اور یہ ہر قسم کی آفات سے سلامت رہیں گے۔

کتب علی نفسہ الرحمۃ: اس میں احسان پر مزید احسان وانعام کا وعدہ بیان فرمایا گیا

www.toobaaelibrary.com

ہے، رب یعنی پالنے والا اور ظاہر ہے کہ کوئی پالنے والا اپنے پالے ہوئے کو ضائع نہیں کیا کرتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی شریف بھلے انسان سے بھی وعدہ خلافی صادر نہیں ہوتی تو رب العٰلمین سے کیسے ہو سکتی ہے، خصوصاً جب کہ اس وعدہ کو بصورت معاہدہ لکھ لیا گیا ہو، اللہ تعالیٰ نے صفت رحمت کے سو حصے کرکے اس میں سے ایک حصہ ساری مخلوقات کو تقسیم کر دیا جس کے مظاہرے آج دنیا میں نظر آرہے ہیں، باقی ننانوے حصے رحمت کے خود اپنے لیے رکھے ہیں، اس سے انسان کچھ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنی مخلوق پر کیسی اور کس درجہ ہے۔

کوئی انسان بلکہ فرشتہ بھی اللہ تعالیٰ کے شایان شان عبادت وطاعت کر نہیں سکتا، پھر اس پر مزید یہ کہ حقیقی سیات اور معاصی سے بھی کوئی بشر خالی نہیں (الا من عصمه الله) ان حالات میں انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ کوئی بھی عذاب سے نہ بچتا، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں برس رہی ہیں یہ سب اسی رحمت کا نتیجہ ہے جو رب العالمین نے اپنے ذمہ لکھ لی ہے۔

بجھالۃ اس جگہ جہالت سے مراد عمل جہالت ہے ناواقف اور بے علم ہونا ضروری نہیں، لفظ جہالت مقابل ہے حلم ووقار کے، احادیث صحیحہ کی بے شمار نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ توبہ کرنے سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے خواہ غفلت وجہل کی وجہ سے سرزد ہو یا جان بوجھ کر شرارت نفس اور اتباع ہویٰ کی وجہ سے۔

توبہ: یعنی حقیقی ندامت، اور اصلاح عمل میں یہ بھی داخل ہے کہ آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا عزم اور پورا اہتمام کرے، اور یہ بھی شامل ہے کہ سابقہ گناہ کے جو حقوق (حقوق اللہ یا حقوق العباد) کسی کے ضائع ہوئے ہیں تا حد اختیار ان کو ادا کرے، تکمیل توبہ کے لیے یہ ضروری ہے، یا صاحب حق سے معاف کرائے، اور اگر وہ مر جائے تو ایسی جگہ چلا جائے جس کا پتہ اس کو نہ معلوم ہو تو اس کے لیے دعاء مغفرت کرتے رہنے کا التزام کرے۔

اس سے یہ امید ہے کہ صاحب حق راضی ہو جائے گا اور یہ شخص سبکدوش ہو جائے گا۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ
اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ
اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ
لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ
وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ

www.toobaaelibrary.com

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

آپ (ان معاندین سے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو (حق تعالیٰ کی طرف سے) اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان (معبودوں) کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو (اور ان کے طریقہ کی گمراہی ظاہر کرنے کے لیے) آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے (باطل) خیالات کا اتباع نہ کروں گا، کیونکہ (اگر نعوذ باللہ میں ایسا کروں تو) اس حالت میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ (راست) پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا، آپ (ان سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو (اس دین اسلام کے حق ہونے پر) ایک دلیل (کافی موجود) ہے جو میرے رب کی طرف سے (مجھ کو ملی ہے، یعنی قرآن مجید جو کہ میرا معجزہ ہے، جس سے میری تصدیق ہوتی ہیں) اور تم (بلاوجہ) اس کی تکذیب کرتے ہو (اور تم جو یہ کہتے ہو کہ اگر دین اسلام حق ہے تو ہمارے انکار پر آسمان سے پتھر برسیں یا کوئی عذاب سخت آئے، جیسا کہ دوسری جگہ ان الفاظ سے مذکور ہے: اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تو اس کا جواب یہ ہے کہ) جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو (یعنی عذاب الیم) وہ میرے پاس (یعنی میری قدرت میں نہیں) حکم کسی کا نہیں (چلتا) بجز اللہ کے (اور اللہ کا حکم نزول عذاب کا ہوا نہیں تو میں کیسے عذاب دکھلا دوں) اللہ تعالیٰ حق بات کو (دلیل سے) بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے (چنانچہ اس نے میری رسالت کی واضح اور قوی دلیل قرآن کریم بھیج دیا، اور دوسرے واضح معجزات ظاہر فرما دیئے، اور دلیل صحیح ایک بھی کافی ہوتی ہے تو تمہاری فرمائشی دلیلیں ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے اس وقت نزول عذاب کے ذریعہ فیصلہ نہیں فرمایا) آپؐ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس (یعنی میری قدرت میں) وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو (یعنی عذاب) تو (اب تک) میرا اور تمہارا باہمی قضیہ (کبھی کا) طے ہو چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے (کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ کس وقت کیا جائے)، اور اللہ تعالیٰ کے پاس (یعنی اسی کی قدرت میں) ہیں خزانے تمام مخفی اشیاء (ممکنہ) کے (ان میں سے جس چیز کو جس وقت اور جس قدر چاہیں ظہور میں لاتے ہیں، ان اشیاء میں عذاب کی قسمیں بھی آ گئیں، مطلب یہ ہوا

www.toobaaelibrary.com

کہ اور کسی کو ان چیزوں پر قدرت نہیں، اور جس طرح قدرت کاملہ ان کا ساتھ خاص ہے، اسی طرح ان کا علم تام اور کامل بھی، چنانچہ) ان خزائن مخفیہ کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے، اور وہ ان تمام چیزوں کو بھی جانتا ہے جو خشکی میں ہیں اور جو دریا میں ہیں اور کوئی پتہ (تک درخت سے) نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ (تک) زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز (مثل پھل وغیرہ کے) گرتی ہیں، مگر یہ سب کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں (مرقوم) ہیں، اور وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے کہ (اکثر) رات میں (سونے کے وقت) تمہاری روح (نفسانی) کو (جس سے احساس و ادراک متعلق ہے) ایک گونہ قبض کر لیتا ہے (یعنی معطل کر دیتا ہے) اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو (دوامًا) جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تاکہ (اسی سونے جاگنے کے دوروں سے) میعاد معین (دنیوی زندگی کی) تمام کردی جاوے پھر اسی (اللہ) کی طرف (مرکر) تم کو جانا ہے، پھر تم کو بتلادے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے، (اور اس کے مناسب جزا و سزا جاری کرے گا)

ربط آیات: آیات: ۵۶-۵۷-۵۸: میں کفار کی طرف سے نزول عذاب کی عاجلانہ فرمائش اور اس کا جواب خیر الفاصلین میں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ تامہ کا اعلم بالظالمین میں مذکور تھا، آگے تمام معلومات و مقدورات پر اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کا احاطہ بیان کیا جاتا ہے۔

تلخیص معارف و مسائل

آیت: ۵۹-۵۰: اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ میں دو صفتیں سب سے زیادہ ممتاز ہیں ایک علم، دوسرے قدرت مذکورہ دو آیتوں میں دو صفتوں کا بیان ہے، اور یہ دو صفتیں ایسی ہیں کہ اگر ان پر مکمل یقین اور اس کے استحضار کی کیفیت پیدا کرلے تو اس سے کوئی جرم و گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا، یہ دو آیتیں انسان کو انسان کامل بنانے اور اس کے اعمال و اخلاق کو درست کرنے اور درست رکھنے میں نسخۂ اکسیر ہیں۔

مَفَاتِحُ مَفْتَحٌ یا مِفْتَحٌ کی جمع ہے بمعنی خزانہ یا کنجی، دونوں معانی کا حاصل ایک ہی ہے، لفظ غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ابھی وجود میں نہیں آئیں، یا وجود میں تو آچکی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا، (مظہری)

پہلی قسم کی مثال وہ تمام حالات و واقعات ہیں جو قیامت سے متعلق ہیں، یا کائنات میں آئندہ پیش آنے والے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً یہ کہ کون کب اور کہاں پیدا ہوگا وغیرہ (دیکھئے سورۂ لقمان آیت ۳۴ر)

www.toobaaelibrary.com

اور دوسری قسم کی مثال وہ حمل ہے جو عورت کے رحم میں وجود اختیار کر چکا ہے مگر یہ کسی کو نہیں معلوم کہ لڑکا ہے یا لڑکی خوبصورت ہے یا بدصورت، نیک ہے یا بد، اس جملہ سے اللہ تعالیٰ کا بے مثال کمال علمی بھی ثابت ہو گیا اور کمال قدرت بھی، اور یہ بھی کہ یہ علم محیط اور قدرت مطلقہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی، لفظ عندہ کی تقدیم سے اس حصر اور اختصاص کی طرف اشارہ ہے آگے اس کی تصریح کر کے اور واضح کر دیا۔ لایعلمہا الا ھو۔

اوپر بیان کردہ غیب کا معنی پیش نظر رکھا جائے تو مسئلہ غیب پر سطحی نظر میں جو شبہات عوام کو پیش آیا کرتے ہیں خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ لیکن عام طور پر لوگ لفظ غیب کے لغوی معنی لیتے ہیں، واضح ہو کہ کشف والہام یا وحی کے ذریعہ اس کو قرآن میں غیب کے بجائے انباء الغیب کہا گیا ہے اسی طرح اسباب والات کے ذریعہ جو علم واطلاع حاصل ہو۔ وہ قرآنی اصطلاح میں علم غیب نہیں ہے مثلاً محکمۂ موسمیات کو یا حکیم ڈاکٹر کو ایسی خبریں دینے کا موقع بھی جب ہی ہاتھ آتا ہے جب ان واقعات کا مادّہ پیدا ہو کر ظاہر ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ محکمۂ موسمیات ماہ دو ماہ بعد ہونے والی بارش کی خبر آج نہیں دے سکتا، کیوں کہ ابھی اس بارش کا مادہ سامنے نہیں آ رہا، اسی طرح حکیم و ڈاکٹر بھی سال دو سال پہلے یا بعد کی دوا یا غذا وغیرہ کا پتہ آج نبض دیکھ کر نہیں دے سکتا، خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب چیزیں وہ ہیں کہ کسی چیز کے آثار و نشانات دیکھ کر اس کے وجود کی خبر دیدی جاتی ہے اور جب اس کے آثار و نشانات اور مادّہ ظاہر ہو چکا تو اب وہ غیب میں شامل نہ رہا، بلکہ مشاہدہ میں آ گیا، پھر یہ کہ یہ واقفیت بھی تخمینہ اور اندازہ ہی کی حیثیت رکھتی ہے، علم جو یقین کا نام ہے اس سے حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ ان چیزوں سے غلط ہونے والے واقعات برابر سامنے آتے رہتے ہیں۔

بہر حال ان جملوں سے پہلی خصوصیت علم غیب کا بیان ہے اور ویعلم مافی البر والبحر سے تمام کائنات وموجودات کے علم محیط کا ذکر ہے اور پھر مزید تشریح فرمایا کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی، مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے علم میں ہے وماتسقط من ورقۃ الایعلمہا پتہ کے گرنے کا ذکر کر کے بتلایا کہ اس کے تمام حالات کی طرف اشارہ ہو جائے، کیوں کہ پتہ کا درخت سے گرنا اس کے نشوونما اور حیاتی زندگی کا آخری حال ہے آخری حال کا ذکر کر کے تمام حالات کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

کِتَابٍ مُّبِیْنٍ: بعض حضرات نے اس سے مراد لوح محفوظ لیا ہے اور بعض نے علم الٰہی، اور کتاب مبین سے اس کو اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جیسے لکھی ہوئی چیز محفوظ ہو جاتی ہے اس میں سہو ونسیان کی راہ

www.toobaaelibrary.com

نہیں رہتی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ علم محیط تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا صرف تخمینی نہیں بلکہ یقینی ہے، یہ مضمون بے شمار آیات میں مختلف عنوانات سے آیا ہے۔

آیت: ۶۰: اس میں اللہ تعالیٰ نے نیند اور اس کے بعد بیداری کی مثال پیش فرما کر انسان کو اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ جس طرح ہر رات اور ہر صبح میں ہر شخص شخصی طور پر مر کر جینے کی ایک مثال کا مشاہدہ کرتا ہے اسی طرح پورے عالم کی اجتماعی موت اور پھر اجتماعی زندگی کو سمجھ لو، جس کو قیامت کہا جاتا ہے جو ذات اس پر قادر ہے، اس کی قدرت کاملہ سے وہ بھی مستبعد نہیں۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا
وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ۝ قُلْ
مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ
مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ
أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ
بَعْضٍ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ۝ وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَسْتُ
عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَإٍ مُسْتَقَرٌّ ۚ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا
فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ
الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَٰكِنْ ذِكْرَىٰ
لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا
وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ
تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ
وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اور وہی (اللہ تعالیٰ قدرت سے) اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں بر تر ہیں اور (اے بندو) تم پر (تمہارے اعمال اور جان کی) نگرانی کرنے والے (فرشتے) بھیجتے ہیں (جو کہ زندگی بھر تمہارے اعمال کو بھی دیکھتے ہیں اور تمہاری جان کی بھی حفاظت کرتے ہیں) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے تو (اس وقت) اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کر لیتے ہیں اور ذرا کوتاہی نہیں کرتے (بلکہ جس وقت حفاظت

www.toobaaelibrary.com

کا حکم تھا حفاظت کرتے رہے، جب موت کا حکم ہو گیا تو یہی محافظ روح قبض کرنے والے فرشتوں کے ساتھ مل جاتے ہیں) پھر اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جاویں گے، خوب سن لو (اس وقت) فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا (اور کوئی دخل نہ دے سکے گا) اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا۔ آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات (یعنی شدائد) سے اس حالت میں نجات دیدیتا ہے کہ تم اس کو (نجات دینے کے لیے) پکارتے ہو (کبھی) تذلل ظاہر کر کے اور (کبھی) چپکے چپکے (اور یوں کہتے ہو) کہ (اے اللہ) اگر آپ ہم کو ان (ظلمات) سے (اب کے) نجات دیدیں تو (پھر) ہم ضرور حق شناسی (پر قائم رہنے) والوں سے ہو جاویں (یعنی آپ کی توحید کے کہ بڑی حق شناسی ہے قائل رہیں، اور اس سوال کا جواب چونکہ متعین ہے اور وہ لوگ بھی کوئی دوسرا جواب نہ دیں گے اس لیے) آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے (جب کبھی نجات ملتی ہے) اور (ان ظلمات مذکورہ کی کیا تخصیص ہے بلکہ) ہر غم سے (وہی نجات دیتا ہے مگر) تم (ایسے ہو کہ) پھر بھی (بعد نجات پانے کے بدستور) شرک کرنے لگتے ہو (جو کہ اعلیٰ درجہ کی ناحق شناسی ہے، اور وعدہ کیا تھا حق شناسی کا، غرض یہ کہ شدائد میں تمہارے اقرار سے توحید کا حق ہونا ثابت ہو جاتا ہے، پھر انکار کب قابل التفات ہے) آپ (یہ بھی) کہئے کہ (جس طرح وہ نجات دینے پر قادر ہے اسی طرح) اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر (تمہارے کفر و شرک کی وجہ سے) کوئی عذاب تمہارے اوپر بھیج دے (جیسے پتھر ہو یا ہوا یا بارش طوفانی) یا تمہارے پاؤں تلے (جو زمین ہے اس) سے (ظاہر کر دے، جیسے زلزلہ یا غرق ہو جانا اور ان عذابوں کے اسباب قریبہ تو اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں، کبھی نہ کبھی ایسا ہوگا خواہ دنیا میں یا آخرت میں) یا کہ تم (اغراض کے اختلاف سے مختلف) گروہ گروہ کر کے سب کو (آپس میں) بھڑا دے (یعنی لڑوا دے) اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی (کے ذریعہ مزہ) چکھا دے (اور اس کا سبب قریب فعل اختیاری ہے، اور یا سب آفتیں جمع کر دے، غرض نجات دینا اور عذاب میں مبتلا کرنا دونوں اسی کی قدرت میں ہیں، اے محمدؐ) آپ دیکھئے تو سہی ہم کس (کس) طرح دلائل (توحید) کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں شاید وہ (لوگ) سمجھ جاویں اور (اللہ تعالیٰ کے عذاب دینے پر قادر ہونے اور کفر شرک کے سبب عذاب ہونے کو جاننے کے باوجود) آپ کے قوم کے لوگ (قریش اور عرب بھی) اس (عذاب) کی تکذیب کرتے ہیں، (اور اس کے واقع نہ ہونے کے معتقد ہیں) حالانکہ وہ یقینی (واقع ہونے والا) ہے (اور اس کو سن کر وہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کب ہوگا تو) آپ (یوں) کہہ دیجئے کہ میں تم پر

www.toobaaelibrary.com

(عذاب واقع کرنے کے لیے) تعینات نہیں کیا گیا ہوں (کہ مجھ کو مفصل اطلاع ہو یا میرے اختیار میں ہو البتہ) ہر خبر کے (مدلول) کے وقوع کا ایک وقت (اللہ کے علم میں معین) ہے اور جلدی ہی تم کو معلوم ہو جائے گا (کہ یہ عذاب آیا)۔ اور (اے مخاطب) جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات (اور احکام) میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں (کے پاس بیٹھنے) سے کنارہ کش ہو جا، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے (یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے) تو (جب یاد آوے) یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھ (فوراً اٹھ کھڑا ہو) اور (اگر کوئی واقعی دنیوی یا دینی ضرورت ایسی مجلس میں جانے کی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ) جو لوگ (ممنوعات شرعیہ سے جن میں بلا ضرورت ایسی مجالس میں جانا بھی داخل ہے) احتیاط رکھتے ہیں، ان پر ان (طاعنین ومکذبین) کی باز پرس (اور گناہ طعن) کا کوئی اثر نہ پہنچے گا (یعنی بضرورت وہاں جانے والے گنہ گار نہ ہوں گے) ولیکن ان کے ذمہ (بشرط قدرت) نصیحت کر دینا ہے شاید وہ (طعنے دینے والے) بھی (ان خرافات سے) احتیاط کرنے لگیں (خواہ قبول اسلام کر کے خود ان کے لحاظ سے) اور (کچھ مجلس تکذیب کی تخصیص نہیں، بلکہ) ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے (اس) دین کو (جس کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا یعنی اسلام کو) لہو ولعب بنا رکھا ہے (کہ اس کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں) اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے (کہ اس کی لذات میں مشغول ہیں، اور آخرت کے منکر ہیں، اس لیے اس تمسخر کا انجام نظر نہیں آتا) اور (کنارہ کشی وترک تعلقات کے ساتھ ایسے لوگوں کو) اس قرآن کے ذریعہ سے (جس سے یہ تمسخر کر رہے ہیں) نصیحت بھی کرتا رہ تا کہ کوئی شخص اپنے کردار (بد) کے سبب (عذاب میں) اس طرح نہ پھنس جاوے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو اور کیفیت یہ ہو کہ اگر (بالفرض) دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے (کہ اس کو خرچ کر کے عذاب سے بچ جاوے) تب بھی اس سے نہ لیا جاوے (تو نصیحت سے یہ فائدہ ہے کہ اعمال بد کے انجام پر تنبہ ہو جاتا ہے، آگے ماننا نہ ماننا دوسرا جانے چنانچہ) یہ (تمسخر کرنے والے) ایسے ہیں کہ (نصیحت نہ مانی اور) اپنے کردار (بد) کے سبب (عذاب میں) پھنس گئے؛ جس کا آخرت میں اس طرح ظہور ہوگا کہ) ان کے لیے نہایت تیز (کھولتا ہوا پانی) پینے کے لیے ہوگا اور (اس کے علاوہ اور اس طرح بھی) دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب (کہ کردار بد یہی ہے، جس کا ایک شعبہ تمسخر تھا)۔

www.toobaaelibrary.com

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۶۱: اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں پر ایک قوت قاہرہ رکھتا ہے، ان کی حفاظت کے لیے فرشتوں کو بھیج دیتا ہے یہ فرشتے بندوں کے مقررہ وقت تک حفاظت کرتے ہیں، جب عمر پوری ہو جاتی ہے تو یہی فرشتے ان کی موت کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور ان کی موت کے اسباب فراہم کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے۔

آیت: ۶۲: معاملہ صرف مر کر ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ احکم الحاکمین کے دربار میں پیشی بھی ہوگی، اور اللہ صرف احکم الحاکمین ہی نہیں بلکہ مولیٰ بھی ہیں جو ہر موقع پر مدد بھی کرتے ہیں اور اربوں انسانوں کی پوری پوری عمروں کا حساب اس طرح نمٹے گا کہ وہ اسرع الحاسبین بھی ہے اللہ تعالیٰ کے کاموں کو اپنے کاموں پر قیاس کرنا جہالت ہے۔

آیت: ۶۳-۶۴: اندھیریوں کی مختلف قسمیں ہیں تمام ہی قسموں کو شامل کرنے کے لے لفظ ظلمات جمع استعمال کیا گیا ہے، اندھیری بھی اگرچہ انسان کے سونے اور آرام کرنے کے لیے نعمت ہے لیکن عام حالات میں کام روشنی ہی سے چلتے ہیں، اور اندھیری سارے کاموں کو معطل کرنے کے ساتھ ہی بہت سے مصائب و آفات کا سبب بن جاتی ہے اس لیے عرب کے محاورہ میں لفظ ظلمات مصائب اور حوادث کے لیے بولا جاتا ہے اس آیت میں بھی جمہور مفسرین نے یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔

مشرکین مکہ کو تنبیہ فرماتے ہوئے سوال کراتے ہیں کہ بحری اور بری سفروں میں جب بھی وہ کسی مصیبت میں گھر جاتے ہیں تو ان حالات میں کون ان کو مصائب اور ہلاکت سے نجات دیتا ہے؟ چونکہ ان کا جواب معلوم اور متعین تھا کہ وہ اس بداہت کا انکار نہیں کر سکتے کہ سوائے خدا کے کوئی بت اور دیوتا اس حالت میں ان کے کام نہیں آیا اس لیے دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی پیغمبر علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ آپ ہی کہہ دیجئے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس مصیبت سے نجات دیں گے بلکہ تمہاری ہر بے چینی اور کرب کو وہی دور کریں گے مگر جب تمہیں پریشانیوں سے نجات مل جاتی ہے تو پھر تم شرک میں مبتلا ہو جاتے ہو یہ کیسی غداری اور مہلک قسم کی جہالت ہے

مگر ہم مسلمانوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے کہ ہم مسلمان ہو کر اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے مصیبتوں کے وقت بھی خدا کو یاد نہیں کرتے بلکہ ہمارا سارا دھیان مادی سامانوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے یہ مادی سامان و اسباب بھی ہمارے لیے بتوں سے کم نہیں، حالانکہ قرآن کریم نے بار بار واضح الفاظ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مصائب دنیوی عموماً انسانوں کے اعمال بد کے نتائج اور آخرت

www.toobaaelibrary.com

کی سزا کا ہلکا سا نمونہ ہوتے ہیں، اس لحاظ سے یہ ایک طرح کی رحمت ہیں کہ ان کے ذریعہ غافل انسانوں کو چونکایا جاتا ہے، ارشاد قرآنی ''وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر (شوریٰ آیت ۳۰) اس آیت کے بیان میں ارشاد رسالت ہے ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ کسی انسان کو جو کسی لکڑی سے معمولی خراش لگتی ہے یا قدم کو کہیں لغزش ہو جاتی ہے یا کسی رگ میں خلش ہوتی ہے، یہ سب کسی گناہ کا اثر ہوتا ہے اور جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں وہ بہت ہے''۔

اور گناہوں سے معصوم و محفوظ حضرات کے لیے امراض وآفات ان کے صبر واستقلال کے امتحان اور جنت کے بلند درجات عطا کرنے کے لیے ہوتے ہیں، بہرحال اس کا حقیقی علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور مادی اسباب کو اسی کا انعام سمجھ کر استعمال کریں کہ یہ سب بھی اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اسی کی مشیت کے تابع انسان کی خدمت کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں انسان کو راحت پہنچانے اور تکلیف کو دور کرنے کے لیے کیسے کیسے آلات اور سامان ایجاد کیے گئے ہیں کہ اب سے پچاس سال پہلے ان کا وہم وگمان بھی نہ تھا لیکن مجموعی حالات کا جائزہ لیا جائے تو ان آلات وسامان سے محروم انسان اتنا بیمار کمزور اور حوادث وآفات کا شکار نہ تھا جتنا آج کا انسان ہے، وجہ صرف یہ ہے کہ پچھلے دور میں خالق کائنات سے غفلت اور کھلی نافرمانی اتنی نہ تھی جتنی اب ہے، وہ سامان راحت کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر استعمال کرتے تھے، اور آج کا انسان بغاوت کے ساتھ استعمال کرنا چاہتا ہے۔

سیلاب کو روکنے اور اس کے نقصانات سے بچنے کی ہزاروں تدبیریں ہورہی ہیں مگر وہ آتے ہیں اور بار بار آتے ہیں امراض روکنے کی تدبیریں نئی نئی کی جاتی ہیں مگر امراض روز افزوں ہیں، اشیا کی گرانی روکنے کی تدبیریں ہزاروں کی جاتی ہیں مگر مجموعی طور پر دیکھیے تو وہ بھی روز افزوں ہے، چوری ڈکیتی، اغوا، رشوت ستانی چور بازاری کو روکنے کے لیے حکومت کتنی مادی تدبیریں آج کر رہی ہیں مگر حساب لگایئے تو ان جرائم میں اضافہ ہی نظر آئے گا، کاش آج کا انسان سطحی، شخصی اور سرسری نفع نقصان کی سطح سے بلند ہو کر حالات کا جائزہ لے، اور اس کے بعد اس قرآنی علاج پر نظر کرے کہ مصائب سے بچنے کی صرف ایک راہ ہے کہ خالق کائنات کی طرف رجوع کیا جائے، مادی تدبیروں کو بھی اس کی عطا کی ہوئی نعمت کے طور پر استعمال کیا جائے، اس کے سوا سلامتی کی کوئی صورت نہیں۔

www.toobaaelibrary.com

آیت:۶۵: اس آیت میں عذاب الٰہی کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں، ایک جو اوپر سے آئے، جیسے قوم نوح پر بارش کا سخت سیلاب، قوم عاد پر ہوا کا طوفان مسلط ہوا، قوم لوط پر اوپر سے پتھر برسائے گئے، بنی اسرائیل پر خون و مینڈک وغیرہ برسائے گئے، اور اصحاب فیل پر اوپر سے پرندوں کے ذریعہ کنکریاں برسائی گئیں۔

دوسرے یہ کہ نیچے سے آئے، جیسے قوم نوح ہی پر اوپر کے ساتھ نیچے کا عذاب زمین سے پانی کا ابلنا شروع ہو گیا اور قوم فرعون پاؤں تلے کے عذاب میں غرق کی گئی، قارون بھی مع اپنے خزانوں کے اسی عذاب میں گرفتار ہوا اور زمین کے اندر دھنس گیا۔

اور حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اوپر کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ اور بے رحم حکام مسلط ہو جائیں اور نیچے کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ اپنے نوکر غلام یا خدمت گار ماتحت ملازم بے وفا غدار، کام چور خائن جمع ہو جائیں پیغمبر علیہ السلام کے چند ارشادات سے بھی حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تائید ہوتی ہے، مشکوٰۃ میں بحوالہ شعب الایمان بیہقی حضور کا ارشاد یہ منقول ہے کما تکونون یؤمر علیکم یعنی جیسے تمہارے اعمال بھلے یا برے ہونگے ویسے ہی حکام وامراء تم پر مسلط کیے جائیں گے، مشہور مقولہ اعمالکم عمالکم کا یہی مفہوم ہے۔

بہر حال روایات اور آیت مذکورہ کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو جو تکالیف اور مصائب اپنے حکام کے ہاتھوں پہنچتے ہیں وہ اوپر سے آنے والا عذاب ہے اور جو اپنے ماتحتوں اور ملازموں سے پہنچتے ہیں وہ نیچے سے آنے والا عذاب ہے یہ سب کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہوتے بلکہ ایک قانون الٰہی کے تابع انسان کے اعمال کی سزا ہوتے ہیں حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ جب مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو میں اس کا اثر اپنے نوکر، اپنی سواری کے گھوڑے اور بار برداری کے گدھے کے مزاج میں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ یہ سب میری نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔

تیسرے وہ عذاب جو اپنے اندر سے پھوٹ پڑے او یلبسکم شیعاً یعنی تمہاری مختلف پارٹیاں بکر آپس میں بھڑ جائیں، اور باہم ایک دوسرے کے لیے عذاب بن جائیں، شیع شیعۃ کی جمع ہے اس کا آج کل کی زبان میں بامحاورہ ترجمہ فرقہ یا پارٹی ہے، پھر علیحدہ کر کے لا کر اس پر بھی متنبہ کر دیا کہ ان تینوں قسموں میں بھی مختلف قسمیں اور صورتیں ہو سکتی ہیں۔

بہر حال اس آیت کے نزول کے بعد پیغمبر علیہ السلام نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا!

www.toobaaelibrary.com

لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض. یعنی تم میرے بعد پھر کافروں جیسے نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

پیغمبر علیہ السلام کی ایک دعاء بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص منقول ہے کہ: میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا، ایک یہ کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے یہ دعاء قبول فرمائی، دوسرے یہ کہ میری امت کو قحط اور بھوک کے ذریعہ ہلاک نہ کیا جائے، یہ بھی قبول فرمائی، تیسری دعاء یہ کی کہ میری امت آپس کے جنگ وجدل سے تباہ نہ ہو، مجھے اس دعاء سے روک دیا گیا۔ (مظہری بحوالہ بغوی)

اس سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہؐ پر دنیا میں عذاب تو آتا رہے گا، اسی لیے پیغمبر علیہ السلام نے امت کو فرقوں اور پارٹیوں میں منقسم ہو کر باہمی آویزش اور جنگ وجدل سے منع کرنے میں انتہائی تاکید سے کام لیا ہے۔

سورۂ ہود کی اس آیت میں یہ مضمون اور بھی وضاحت کے ساتھ آیا ہے: ولا یزالون مختلفین الامن رحم ربك: اس سے واضح ہوا کہ جو لوگ آپس میں (بلاوجہ شرعی) اختلاف کرتے ہیں وہ رحمت خداوندی سے محروم یا بعید ہیں۔

وہ قوم جس کا مرکز اتحاد ایک کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تھا، اس کلمہ کو ماننے والے سب بھائی بھائی تھے، کوہ ودریا کی دشوار گذار منازل ان کی وحدت میں حائل نہ تھیں، نسب وخاندان، رنگ وزبان کا تفاوت ان کی راہ میں رکاوٹ نہ تھا، ان کی قومی وحدت صرف اس کلمہ سے وابستہ تھی، عربی، مصری، شامی، ترکی اور ہندی چینی کی تقسیمیں صرف شناخت اور تعارف کے لیے تھیں اور کچھ نہیں، بقول اقبال مرحومؒ ۔

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی ✽ گھر میرا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند!

مگر آج دوسری قوموں کی دسیسہ کاریوں اور مسلسل کوششوں نے پھر ان کو نسلی اور لسانی اور وطنی قومیتوں میں بانٹ دیا، وہ قوم جس کا شعار غیروں سے بھی عفو ودرگذر اور ایثار تھا اور جھگڑوں سے بچنے کے لیے اپنے بڑے بڑے حق کو چھوڑ دیتی تھی، آج اس کے بہت سے افراد ذرا ذرا سی حقیر وذلیل خواہشات کے پیچھے بڑے بڑے تعلق کو قربان کر دیتے ہیں، یہی وہ اغراض واہوا کا اختلاف ہے جو قوم وملت کے لیے منحوس اور اس دنیا میں نقد عذاب ہے۔

اس جگہ یہ سمجھ لینا بھی فرض ہے کہ اس میں وہ اختلاف رائے داخل نہیں جو قرآن وسنت کے

بتلائے ہوئے اصول اجتہاد کے ماتحت فروعی مسائل میں فقہاء امت کے ائمہ قرن اول صحابہ و تابعین میں ہوتا چلا آیا ہے، ایسے اختلاف کو حدیث میں رحمت فرمایا گیا ہے، "اختلاف امتی رحمۃ" امت محمدیہ کی خصوصیت اس لیے اختیار فرمائی گئی کہ اس امت کے علماء حق اور فقہاء متقین میں جو اختلاف ہوگا وہ ہمیشہ اصول قرآن وسنت کے تحت ہوگا اور صدق نیت اور للہیت سے ہوگا۔ کوئی نفسانی غرض جاہ ومال کی ان کے اختلاف کی محرک نہ ہوگی اس لیے وہ کسی جنگ وجدل کا سبب بھی نہ بنے گا۔

آیت: ۶۸-۶۹-۷۰: خوض فی الآیات، خوض یعنی لغو اور فضول کاموں میں داخل ہونا، خوض فی الآیات یعنی آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو اللہ کی آیات میں محض لہو ولعب اور استہزاء و تمسخر کے لیے دخل دیتے ہیں اور عیب جوئی کرتے ہیں تو آپ ان سے اپنا رخ پھیر لیں، یہ خطاب درحقیقت عام مسلمانوں کو سنانے کے لیے ہے، رخ پھیرنا یعنی ایسی مجلس میں شریک نہ رہنا، مجلس سے اٹھ جانا مراد ہے۔

اور اگر بھول کر شرکت ہوگئی یا یہ کہ پتہ نہ تھا کہ یہاں ایسا ہوگا تو جونہی یاد آئے یا معلوم ہوجائے فوراً اٹھ جائیں، یہاں یہ اصول بتلایا گیا ہے کہ جس کام کا کرنا گناہ ہے اس کے کرنے والوں کی مجلس میں شریک رہنا بھی گناہ ہے۔

لیکن اٹھنے میں جان ومال یا آبرو کا خطرہ ہوتو عوام کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ کنارہ کشی کی کوئی صورت اختیار کرلیں، مثلاً کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، اور ان کی طرف التفات نہ کریں، مگر خواص، مقتدار کے لیے تو اٹھ جانا ہی مناسب ہے۔ ہاں!...ایسی مجلس میں بہ نیت اصلاح شریک ہو اور انہیں حق بات کی تلقین کرے تو مضائقہ نہیں، (احکام القرآن بصاص)

الظالمین: سے امام جصاصؒ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ایسے ظالم اور دریدہ دہن لوگوں کی مجلس میں شرکت مطلقاً گناہ ہے خواہ کسی ناجائز گفتگو میں مشغول ہوں یا نہ ہوں، کیوں کہ ایسے لوگوں کو بیہودہ گفتگو شروع کرتے ہوئے دیر کیا لگتی ہے۔

جب آیت: ۶۸: نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ پھر تو ہم مسجد حرام میں نماز اور طواف سے بھی محروم ہوجائیں گے کیوں کہ وہ لوگ تو ہمیشہ وہاں بیٹھے رہتے ہیں، (یہ واقعہ ہجرت اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے) اور ان کا مشغلہ ہی عیب جوئی اور بدگوئی ہے، اس پر دوسری آیت: ۶۹: نازل ہوئی۔

آیت: ۷۰: میں فرمایا کہ اس ساری سرکشی کا اصلی سبب یہ ہے کہ وہ دنیا کی چند روزہ زندگی پر مفتون ہیں، اس میں یہ ہدایت بھی فرمائی کہ ایجابی طور پر یہ بھی ضروری ہے کہ قرآن کے ذریعے انکو

www.toobaaelibrary.com

نصیحت بھی کرتے رہیں، عموماً انسان دنیا میں کسی سزا سے بچنے کے لیے انہیں تین ذرائع کا استعمال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ سزا سے بچانے والا نہ کوئی دوست عزیز ہوسکتا ہے نہ کسی کی سفارش بغیر اذن الٰہی چل سکتی ہے اور نہ کوئی مال قبول ہوسکتا ہے خواہ سارے جہان کا مال اسکے قبضے میں ہو اور وہ سب سزا سے بچنے کا فدیہ بنانا چاہے تب بھی اسے قبول نہ کیا جائے گا، ان تینوں آیتوں کا حاصل مسلمانوں کو برے ماحول اور بری صحبت سے بچانا ہے جو انسان کے لیے سم قاتل ہے، اسی لیے بچوں کے مربیوں کا فرض ہے کہ بچوں کو ایسے ماحول اور سوسائٹی سے بچانے میں پوری کوشش کریں۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ
كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى
ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ
يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ
الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِىْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ
الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ
الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ
مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ
قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّىْ فِى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ
وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّىْ شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّىْ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا
تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ
يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

آپ (سب مسلمانوں کی طرف سے ان مشرکین سے) کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا (تمہاری مرضی کے موافق) ایسی چیز کی عبادت

www.toobaaelibrary.com

کریں کہ نہ وہ (اس کی عبادت کرنے کی صورت میں) ہم کو نفع پہنچا (نے پر قادر ہو) وے اور نہ وہ (اس کی عبادت نہ کرنے کی صورت میں) ہم کو نقصان پہنچا (نے پر قادر ہو) وے (مراد اس سے الٰہۂ باطلہ ہیں کہ بعض کو تو اصلاً قدرت نہیں اور جن کو کچھ ہے وہ بالذات نہیں اور معبود میں کم از کم اپنے موافق اور مخالف کو نفع وضرر پہنچانے کی تو قدرت ہونا چاہیے تو کیا ہم ایسوں کی عبادت کریں) اور کیا (معاذ اللہ) ہم (اسلام سے) الٹے پھر جاویں بعد اس کے کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے (طریق حق کی) ہدایت کردی ہے (اول تو شرک خود ہی قبیح ہے، پھر خصوصاً بعد اختیار اسلام کے تو اور زیادہ شنیع ہے ورنہ ہماری تو وہ مثال ہو جاوے) جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں (بہکا کر راہ سے) بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو (اور) اس کے کچھ ساتھی بھی تھے کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف (پکار پکار کر) بلا رہے ہیں کہ (ادھر) ہمارے پاس آ (مگر وہ غایت حیرت سے نہ کہتا ہے نہ آتا ہے، حاصل یہ کہ جیسا یہ شخص راہ پر تھا لیکن اپنے راہ داں رفقاء سے جدا ہو کر غولان بیابانی کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر بے راہ ہو گیا، اور وہ رفقاء اب بھی اس کو راہ پر لاتے ہیں، مگر وہ نہیں آتا، ایسی ہی حالت ہماری ہو جاوے کہ ہدایا اسلام پر ہو کر اپنے ہادی پیغمبرؐ سے جدا ہوں، اور مضلین کے پنجہ میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاویں اور وہ ہادی پھر بھی خیر خواہی سے دعوت اسلام کرتے رہیں اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں، یعنی کیا ہم تمہاری مرضی پر عمل کر کے اپنی ایسی مثال بنالیں) آپؐ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (جب اس مثال سے معلوم ہوا کہ راہ سے بے راہ ہونا برا ہے اور یہ) یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ اللہ ہی کا (بتلایا ہوا) راہ ہے (اور وہ اسلام ہے، پس یقیناً اس کا ترک کرنا بے راہ ہونا ہے، پھر ہم کب چھوڑ سکتے ہیں) اور (آپؐ کہہ دیجئے کہ ہم شرک کیسے کر سکتے ہیں) ہم کو (تو) یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پورے مطیع ہو جاویں پروردگار عالم کے (جو منحصر ہے اسلام میں) اور یہ (حکم ہوا ہے) کہ نماز کی پابندی کرو (جو کہ توحید پر ایمان کی ظاہر تر علامت ہے) (اور یہ حکم ہوا ہے کہ) اس سے (یعنی اللہ سے) ڈرو (یعنی مخالفت نہ کرو، جس میں سب سے بڑھ کر شرک ہے) اور وہی (اللہ) ہے جس کے پاس تم سب (قیامت کے دن قبروں سے نکل کر حساب کے لیے) جمع کیے جاؤ گے (وہاں مشرکین کو اپنے شرک کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا) اور وہی (اللہ) ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو با فائدہ پیدا کیا (جس میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے خالق کے وجود اور توحید پر استدلال کیا جائے پس یہ بھی توحید کی ایک دلیل ہے) اور (اوپر جو تحشرون میں حشر یعنی قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دی ہے اس کو بھی کچھ مستبعد مت سمجھو کیونکہ وہ قدرت الٰہیہ کے سامنے اس قدر آسان ہے

www.toobaaelibrary.com

کہ) جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دیگا کہ (حشر) تو ہو جا بس وہ (حشر فوراً) ہو پڑے گا اس کا (یہ) کہنا با اثر ہے (خالی نہیں جاتا) اور (حشر کے روز) جب کہ صور میں (بحکم الٰہی دوسری بار فرشتہ کی) پھونک ماری جائے گی، ساری حکومت (حقیقتاً بھی ظاہراً بھی) خاص اسی (اللہ) کی ہوگی (اور وہ اپنی حکومت سے موحدین ومشرکین کا فیصلہ کرے گا) وہ (اللہ) جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا (پس مشرکین کے اعمال واحوال کا بھی اس کو علم ہے) اور وہی ہے بڑی حکمت والا (اس لیے مناسب مناسب جزاء ہر ایک کو دے گا اور وہی ہے) پوری خبر رکھنے والا (اس لیے کسی امر کا اخفاء اس سے ممکن نہیں)۔ اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر (نام) سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے، بیشک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو (جو اس اعتقاد میں تیرے شریک ہیں) صریح غلطی میں دیکھ رہا ہوں (اور ستاروں کے متعلق آگے گفتگو آئے گی، درمیان میں ابراہیم علیہ السلام کا صحیحِ نظر کے ساتھ موصوف ہونا کہ ماقبل و مابعد دونوں سے اس کا تعلق ہے فرماتے ہے) اور ہم نے ایسی ہی (کامل) طور پر ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات (بچشم معرفت) دکھلائیں، تا کہ وہ (خالق کی ذات وصفات کے) عارف ہو جاویں اور تا کہ (از دیاد معرفت سے) کامل یقین کرنے والوں سے ہو جاویں (آگے ستاروں کے متعلق گفتگو کہ تتمہ مناظرہ کا ہے مذکور ہے اوپر کی گفتگو تو بتوں کے متعلق ہو چکی) پھر (اسی دن یا کسی اور دن) جب رات کی تاریکی ان پر (اسی طرح اور سب پر) چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا (کہ چمک رہا ہے) آپ نے (اپنی قوم سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ (تمہارے خیال کے موافق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور میرے احوال میں متصرف) ہے (بہت اچھا، اب تھوڑی دیر میں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے، چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ افق میں جا چھپا) سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں رکھتا (اور محبت لوازم اعتقادِ ربوبیت سے ہے پس حاصل یہ ہوا کہ میں رب نہیں سمجھتا) پھر (اسی شب میں یا کسی دوسری شب میں) جب چاند کو دیکھا (کہ) چمکتا ہوا (نکلا ہے) تو (پہلے ہی کی طرح) فرمایا کہ (تمہارے خیال کے موافق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور متصرف فی الاحوال) ہے (بہتر، اب تھوڑی دیر میں اس کی کیفیت بھی دیکھنا چنانچہ وہ بھی غروب ہو گیا) سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب (حقیقی) ہدایت نہ کرتا رہے (جیسا کہ اب تک ہدایت کرتا رہتا ہے) تو میں بھی (تمہاری طرح) گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں پھر (یعنی اگر چاند کا قصہ اسی قصۂ کو

www.toobaaelibrary.com

کب کی شب کا تھا تب تو کسی شب کی صبح کو اور اگر چاند کا قصہ اسی قصہ کو کب کی شب کا نہ تھا تو قصہ قمر کی شب کی صبح کو یا اس کے علاوہ کسی اور شب کی صبح کو) جب آفتاب دیکھا (کہ بڑی آب و تاب سے) چمکتا ہوا (نکلا ہے) تو (پہلی دو بار کی طرح پھر) فرمایا کہ (تمہارے خیال کے موافق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور متصرف فی الاحوال) ہے (اور) یہ تو سب (مذکورہ ستاروں) میں بڑا ہے (اس پر خاتمہ کلام کا ہو جاوے گا، اگر اس کی ربوبیت باطل ہو گئی تو چھوٹوں کی بدرجہ اولیٰ باطل ہو جاوے گی، غرض شام ہوئی تو وہ بھی غروب ہو گیا) سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار (اور نفور) ہوں (یعنی برارت ظاہر کرتا ہوں، اعتقاداً تو ہمیشہ سے بیزار ہی تھے) میں (سب طریقوں سے) یکسو ہو کر اپنا رخ (ظاہر کا اور دل کا) اس (ذات) کی طرف (کرتا تم سے ظاہر) کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں (تمہاری طرح) شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (نہ اعتقاداً نہ قولاً نہ عملاً) اور ان سے ان کی قوم نے (بیہودہ) حجت کرنا شروع کی (وہ یہ کہ رسم قدیم ہے وَجَدْنَا اٰبَاۗءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ اور معبودان باطلہ کے انکار پر بھی ڈرایا کہ کبھی تم کو یہ کسی آفت میں نہ پھنسا دیں، کما یدل علیہ الجواب بقولہ ولا اخاف الخ) آپ نے (پہلی بات کے جواب میں تو یہ) فرمایا کہ کیا تم اللہ (کی توحید) کے معاملہ میں مجھ سے (باطل) حجت کرتے ہو، حالانکہ اس نے مجھ کو (استدلال صحیح کا) طریقہ بتلا دیا ہے (جس کو میں تمہارے روبرو پیش کر چکا ہوں، اور محض رسم قدیم ہونا اس استدلال کا جواب نہیں ہو سکتا، پھر اس سے احتجاج تمہارے لیے بیکار اور میرے نزدیک غیر قابل التفات) اور (دوسری بات کے جواب میں یہ فرمایا کہ) میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ (استحقاق عبادت میں) شریک بناتے ہوئے ہو نہیں ڈرتا (کہ وہ مجھ کو کوئی صدمہ پہنچا سکتے ہیں کیونکہ ان میں خود صفت قدرت ہی مفقود ہے اور اگر کسی چیز میں ہو بھی تو استقلال قدرت مفقود ہے) ہاں لیکن اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے (تو وہ دوسری بات ہے وہ ہو جاویں گی لیکن اس سے الٰہ وارباب باطلہ کی قدرت کا ثبوت یا ان سے خوف کی ضرورت کب لازم آئی اور) میرا پروردگار (جس طرح قادر مطلق ہے جیسا ان اشیاء سے معلوم ہوا اسی طرح وہ) ہر چیز کو اپنے (احاطہٗ) علم میں (بھی) گھیرے ہوئے ہے (غرض قدرت و علم دونوں اسی کے ساتھ مختص ہیں، اور تمہارے الٰہ کو نہ قدرت ہے نہ علم ہے) کیا تم (سنتے ہو اور) پھر (بھی) خیال نہیں کرتے اور (جس طرح میرے نہ ڈرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہارے معبود علم و قدرت سے محض معرّیٰ ہیں، اسی طرح یہ بات بھی تو ہے کہ میں نے کوئی کام ڈر کا کیا بھی تو نہیں

تو پھر) میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے (اللہ تعالیٰ کے ساتھ استحقاق عبادت اور اعتقاد ربوبیت میں) شریک بنایا ہے، حالانکہ (تم کو ڈرنا چاہیے دو وجہ سے، اول تم نے ڈر کا کام یعنی شرک کیا ہے، جس پر عذاب مرتب ہوتا ہے، دوسرے خدا کا عالم اور قادر ہونا معلوم ہو چکا ہے مگر) تم اس بات (کے وبال) سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرا لیا ہے جن (کے معبود ہونے) پر اللہ تعالیٰ نے تم کو کوئی دلیل (لفظاً یا معنیً) نازل نہیں فرمائی (مطلب یہ کہ ڈرنا چاہیے تم کو پھر الٹا مجھ کو ڈراتے ہو) سو (بعد اس تقریر کے انصاف سے سوچ کر بتلاؤ کہ) ان دو (مذکورہ) جماعتوں میں سے (یعنی مشرکین و موحدین میں سے) امن کا (یعنی اس کا کہ اس پر خوف واقع نہ ہو) زیادہ مستحق کون ہے (اور خوف بھی وہ جو واقع میں قابل اعتبار ہے، یعنی آخرت کا) اگر تم (کچھ) خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ (اللہ پر) ایمان رکھتے ہیں اور اپنے (اس) ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے (قیامت میں) امن ہے اور وہی (دنیا میں) راہ (راست) پر چل رہے ہیں (اور وہ صرف موحدین ہیں بخلاف مشرکین کے کہ گو بالمعنی اللغوی خدا پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ خدا کے قائل ہیں، لیکن شرک بھی کرتے ہیں جس سے ایمان شرعی منتفی ہو جاتا ہے، جب موحدین قابل امن ہیں سو اس صورت میں خود تم ڈرو نہ کہ مجھ کو ڈراتے ہو، حالانکہ نہ تمہارے آلہہ ڈرنے کے قابل نہ میں نے کوئی ڈر کا کام کیا اور نہ دنیا کا خوف قابل اعتبار، اور تمہاری حالت تینوں اعتبار سے محل خوف ہے)۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت: ۷۱-۷۲-۷۳: میں بھی شرک کے ابطال اور توحید و آخرت کے اثبات کا مضمون ہے اگلی آیتوں میں دعوت حق ایک خاص انداز میں فرمائی گئی ہے جو طبعی طور پر اہل عرب کے لیے دلنشیں ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عرب کے جد امجد ہیں، سارا عرب ان کی تعظیم پر متفق چلا آ رہا ہے ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مناظرے کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں نے بت پرستی اور نجوم پرستی کے خلاف اپنی قوم کے ساتھ کیا تھا اور پھر سب کو توحید کا سبق دیا تھا، مشہور ہے کہ آزر ان کے والد کا نام ہے، اکثر مورخین نے ان کا نام تارخ بتلایا ہے اور آزر ان کا لقب ہے، امام رازی اور علمائے سلف میں سے ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ان کے والد کا نام تارخ اور چچا کا نام آزر ہے، اور چچا کو باپ کہنا عربی محاورات میں عام ہے، زرقانی نے شرح مواہب میں اسکے کئی شواہد بھی نقل کیے ہیں، معلوم ہوا کہ اصلاح کا کام اور ایمان کی دعوت اپنے گھر اور اپنے خاندان سے شروع کرنی چاہیے

www.toobaaelibrary.com

یہی سنت انبیاء ہے پیغمبر ﷺ کو بھی اسی کا حکم ہوا ہے وانذر عشیرتك الاقربین۔

دوقومی نظریہ کا صحیح مفہوم | انی اَرٰك وَقومك : اس میں اس عظیم قربانی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی راہ میں اپنی مشرک برادری سے قطع تعلق کر کے ادا کی، اور اپنے عمل سے بتلادیا کہ مسلم قومیت رشتۂ اسلام سے قائم ہوتی ہے نسبی اور وطنی قومیتیں اگر اس سے متصادم ہوں تو وہ سب چھوڑ دینے کے قابل ہیں، قرآن کریم نے اس واقعہ کو ذکر کر کے آنے والی امتوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ بھی ان کے نقش قدم پر چلیں ارشاد ہے قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذقالوا لقومھم انا برآء منکم ومما تعبدُوْنَ من دُوْنِ الله (سورہ ممتحنہ، آیت:۴) معلوم ہوا کہ یہ دوقومی نظریے ہیں، جس کا اعلان سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا ہے، امت محمدیہ اور دوسری تمام امتوں نے حسب ہدایت یہی طریقہ اختیار کیا، اور عام طور پر مسلمانوں میں قومیت اسلام معروف ہوگی۔

حجۃ الوداع کے سفر میں پیغمبر علیہ السلام سے ایک قافلہ ملا، آپؐ نے پوچھا کہ تم کس قوم سے ہو تو عرب کے سابقہ دستور کے مطابق کسی قبیلہ یا خاندان کا نام لینے کے بجائے جواب میں کہا نحن قوم مسلمون (بخاری) اس میں مسلمون کہہ کر اس حقیقی قومیت کو بتلادیا جو دنیا سے لے کر آخرت تک چلنے والی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برادری اور ان کے باپ دوہرے شرک میں مبتلا تھے، بت پرستی اور نجوم پرستی اسی لیے انھی دونوں مسئلوں پر اپنے باپ اور اپنی قوم سے مناظرہ کیا۔

آیت: ۷۵: میں بطور تمہید کے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خاص شان اور علم و بصیرت میں اعلیٰ مقام کا ذکر فرمایا، اسی کا نتیجہ تھا جو بعد کی آیات میں ایک عجیب طرح کے مناظرہ کی شکل میں اس طرح مذکور ہوئے۔

اس واقعۂ مناظرہ میں آپ نے پیغمبرانہ حکمت و موعظت سے کام لے کر یکبارگی ان کی نجوم پرستی کو غلط یا گمراہی نہیں فرمایا، بلکہ ایک انداز قائم کیا جس سے ہر ذی عقل انسان کا قلب و دماغ خود متاثر ہو کر حقیقت کو پہچان لے، معلوم ہوا کہ تبلیغ و دعوت میں حکمت و تدبیر سے کام لینا چاہیے، یہی سنت انبیاءؑ ہے۔

آیت: ۷۸، اور ۷۹: کا حاصل یہؔ ہے کہ جو خود اپنے وجود میں دوسروں کی محتاج ہیں اور ہر وقت ہر آن عروج و نزول اور طلوع و غروب جیسے تغیرات میں گھری ہوئی ہیں رب نہیں ہو سکتی ہیں،

www.toobaaelibrary.com

بلکہ ہم سب کا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور انہیں پیدا ہونے والی تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے اس لیے میں نے اپنا رخ تمہارے سب خود تراشیدہ بتوں اور تغیرات اور تاثرات میں گھرے ہوئے ستاروں سے پھیر کر صرف ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف کرلیا ہے اور تمہاری طرح مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سیاروں کے طلوع و غروب اور دوسری حالات و کیفیات میں سے صرف غروب کو استدلال میں پیش کیا ہے کیوں کہ ان کا غروب عوام کی نظروں میں ایک طرح سے ان کا زوال سمجھا جاتا ہے اور انبیاء علیہ السلام کا عام طرز استدلال وہ ہوتا ہے جو عوام کے ذہنوں پر اثر انداز ہو، وہ فلسفیانہ حقائق کے پیچھے زیادہ نہیں ہوتے۔

مبلغین کے لیے چند ہدایات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس طرز مناظرہ میں علماء و مبلغین کے لیے چند ہدایات حاصل ہوئیں، اول یہ کہ قوموں کی اصلاح و تبلیغ میں نہ ہر جگہ سختی مناسب ہے نہ ہر جگہ نرمی، بلکہ ہر ایک کا ایک موقع اور حد ہے چنانچہ بت پرستی کے معاملہ میں آپ سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں کیونکہ اس کی گمراہی مشاہد ہے، برخلاف نجوم پرستی کے کہ ایک خاص تدبیر سے معاملے کی حقیقت کو قوم کے ذہن نشین فرمایا کیونکہ سیاروں کا بے بس ہونا اتنا واضح نہیں تھا، اس سے معلوم ہوا کہ جو غلطی اور گمراہی عام نظروں میں واضح نہ ہو تو عالم اور مبلغ کو چاہیے کہ تشدد کے بجائے ان کے شبہات کو دور کرنے کی تدبیر کرے، دوسرے یہ کہ آپ نے قوم کو حکیمانہ انداز سے صریح خطاب سے پرہیز فرمایا، تاکہ وہ ضد پر نہ آجائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مصلح اور مبلغ کا صرف یہ کام نہیں کہ حق بات کو جس طرح چاہے کہہ ڈالے بلکہ اس پر لازم ہے کہ مؤثر انداز سے کہے۔

آیت:۸۲: حدیث میں ہے کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو صحابہ سہم گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنی جان پر بذریعہ گناہ کے ظلم نہیں کیا تو پھر ہماری نجات کی کیا سبیل ہے؟ ارشاد فرمایا کہ تم نے آیت کا مفہوم صحیح نہیں سمجھا آیت میں مراد شرک ہے جیسا کہ ارشاد باری میں ہے "انّ الشرك لظلم عظيم"۔

آیت میں "بظلم" نکرہ ہے، جس سے مراد ہر قسم کا شرک ہے، مراد آیت کی یہ ہے کہ جو آدمی اپنے ایمان میں کسی قسم کا شرک ملا دے یعنی اللہ تعالیٰ کو تمام صفات کمال کے ساتھ ماننے کے باوجود

www.toobaaelibrary.com

غیر اللہ کو بھی ان میں سے بعض صفات کا حامل سمجھے وہ اس امن و امان سے خارج ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا
لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ
وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ
وَّكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور یہ (حجت جو ابراہیم (علیہ السلام) نے توحید پر قائم کی تھی) ہماری (دی ہوئی) حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی (جب ہماری دی ہوئی تھی تو یقیناً اعلیٰ درجہ کی تھی اور ابراہیم علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے) ہم (تو) جس کو چاہتے ہیں (علمی و عملی) مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں (چنانچہ سب انبیاء کو یہ رفعت درجات عطا فرمائی) بیشک آپ کا رب بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے (کہ ہر ایک کا حال اور استعداد جانتا ہے اور ہر ایک کے مناسب اس کو کمال عطا فرماتا ہے) اور (ہم نے جیسا ابراہیم علیہ السلام کو کمال ذاتی علم و عمل دیا، اسی طرح اضافی بھی دیا کہ ان کے اصول و فروع سے بہتوں کو کمال دیا، چنانچہ) ہم نے ان کو (ایک بیٹا) اسحاق دیا اور (ایک پوتا) یعقوب (دیا اور اس سے دوسری اولاد کی نفی نہیں ہوتی اور دونوں صاحبوں میں سے) ہر ایک کو (طریق حق کی) ہم نے ہدایت کی، اور (ابراہیم سے) پہلے زمانہ میں ہم نے نوح (علیہ السلام) کو (جن کا ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں ہونا مشہور ہے اور اصل فضیلت فرع میں بھی موثر ہوتی ہے طریق حق کی) ہدایت کی اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد (نسبی یا عرفی یا شرعی) میں سے (اخیر تک جتنے مذکور ہیں سب کو طریق حق کی ہدایت کی یعنی) داؤد (علیہ السلام) کو اور (ان کے صاحبزادہ) سلیمان (علیہ السلام) کو اور ایوب (علیہ السلام) کو اور یوسف (علیہ السلام) کو اور موسیٰ (علیہ السلام) کو اور ہارون (علیہ السلام) کو (طریق حق کی ہدایت کی) اور (جو یہ ہدایت پر چلے تو ہم نے ان کو جزاء خیر بھی دی مثل ثواب و زیادہ قرب کے اور جس طرح نیک کاموں پر ان کو

www.toobaaelibrary.com

جزا دی) اسی طرح (ہماری عادت ہے کہ) ہم نیک کام کرنے والوں کو (مناسب) جزا دیا کرتے ہیں اور نیز (ہم نے طریق حق کی ہدایت کی) زکریا (علیہ السلام) کو اور (ان کے صاحبزادہ) یحییٰ (علیہ السلام) کو اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو (اور یہ سب (حضرات) پورے شائستہ لوگوں میں تھے اور نیز (ہم نے طریق حق کی ہدایت کی) اسمٰعیل (علیہ السلام) کو اور یسع (علیہ السلام) کو اور یونس (علیہ السلام) اور لوط (علیہ السلام) کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو (ان زمانوں کے) تمام جہان والوں پر (نبوت سے) ہم نے فضیلت دی اور نیز ان (حضرات مذکورین) کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولادوں کو اور کچھ بھائیوں کو، (طریق حق کی ہم نے ہدایت کی) اور ہم نے ان (سب) کو راہ راست (یعنی دین حق) کی ہدایت کی (اور وہ دین جس کی ان سب کو ہدایت ہوئی تھی) اللہ کی (جانب سے جو) ہدایت (ہوتی ہے) وہ یہی (دین) ہے، اپنے بندوں میں سے اس کی ہدایت جس کو چاہے (یعنی منزل پر پہنچانے کی صورت میں) کرتا ہے (چنانچہ اب جو لوگ موجود ہیں ان کو بھی اسی کی ہدایت، اس معنی سے ہوئی کہ ان کو صحیح راستہ دکھایا، پھر منزل پر پہنچایا نہ پہنچنا ان کا کام ہے، مگر ان سے بعض نے اس کو چھوڑ کر شرک اختیار کر لیا) اور (شرک اس قدر ناپسند چیز ہے کہ غیر انبیاء تو کس شمار میں ہیں) اگر فرضاً یہ حضرات (انبیاء مذکورین) بھی (نعوذ باللہ) شرک کرتے تو جو کچھ یہ (نیک) عمال کیا کرتے تھے ان سے سب اکارت ہو جاتے (آگے مسئلہ نبوت کی طرف اشارہ ہے کہ) یہ (جتنے مذکور ہوئے) ایسے تھے کہ ہم نے ان (کے مجموعہ) کو کتاب (آسمانی) اور حکمت (کے علوم) اور نبوت عطا کی تھی (تو نبوت امر عجیب نہیں جو یہ کافر لوگ آپ کے منکر ہو رہے ہیں، کیونکہ نظائر موجود ہیں) سو اگر (نظیر موجود ہونے پر بھی) یہ لوگ (آپ کی) نبوت کا انکار کریں تو (آپ غم نہ کیجئے کیونکہ) ہم نے اس کے (ماننے کے) لیے ایسے بہت لوگ مقرر کر دیئے ہیں (یعنی مہاجرین وانصار) جو اس کے منکر نہیں ہیں۔ (اور ہم جو غم نہ کرنے کو اور صبر کرنے کو کہتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایسا ہی کیا ہے چنانچہ) یہ حضرات (مذکورین) ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے (اس صبر کی) ہدایت کی تھی سو (اس باب میں) آپ بھی انہیں کے طریق (صبر) پر چلئے (چونکہ آپ کو بھی اس کی ہدایت کی گئی ہے، کیونکہ ان سے آپ کو نفع نہ کوئی ضرر ہے، جس کی وجہ سے غم اور بے صبری ہو اور اس مضمون کے اظہار کے واسطے ان سے تبلیغ کے وقت) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تم سے (اس تبلیغ قرآن) پر کچھ معاوضہ نہیں چاہتا (جس کے ملنے سے نفع اور نہ ملنے سے ضرر ہو، بے غرض نصیحت کرتا ہوں) یہ (قرآن) تو صرف تمام جہانوں کے واسطے ایک نصیحت ہے

www.toobaaelibrary.com

(جس کو ماننے سے تمہارا ہی نفع اور نہ ماننے سے تمہارا ہی نقصان ہے)

تلخیص معارف ومسائل

آیت:۸۳: مناظرہ میں فتح یہ ہمارا ہی انعام ہے کہ ان کو صحیح تقریر عطا کیا پھر اس کے واضح دلائل بتلا دیے۔ معلوم ہوا کہ کسی کو اپنی عقل وفہم یا تقریر اور زور خطابت پر ناز نہ ہونا چاہئے، بغیر امداد غیبی واعانت الٰہی کے کسی کا بیڑا پار نہیں ہوتا۔

نرفع دَرَجٰتٍ من نشاء :اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو پورے عالم میں اور قیامت تک آنے والی نسلوں میں خاص عزت ومقام عطا ہوا، کہ یہودی، نصرانی، مسلمان، بدھ مت وغیرہ سب ان کے تقدس کے قائل ہیں، یہ بھی ہمارا ہی انعام وفضل ہے کسی کے کسب واکتساب کا اس میں دخل نہیں۔

اس کے بعد کی آیتوں میں سولہ انبیاء کرام کی فہرست شمار کی گئی ہے، جن میں سے بعض تو آپ کے آباواجداد ہیں اور اکثر ان کی اولاد ہیں، اور بعض ان کے بھائی بھتیجے ہیں، ان آیتوں میں یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی راہ میں اپنے باپ، برادری اور وطن کو چھوڑ دیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے آخرت کے درجات عالیہ سے پہلے دنیا میں بھی ان کو اپنی برادری سے بہتر برادری اور وطن سے بہتر وطن عطا فرمایا، اور یہ شرف عظیم عطا فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد قیامت تک جتنے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے گئے، وہ سب ان کی اولاد میں ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ عزت وذلت اور نجات وعذاب کا اصل مدار انسان کے اپنے ذاتی اعمال پر ہے لیکن آباء واجداد میں کسی نبی، ولی کا ہونا یا اولاد میں علماء صلحاء کا ہونا بھی ایک بڑی نعمت ہے اور اس سے بھی انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔

واضح ہو کہ لفظ ذریت پوتوں اور نواسوں دونوں کو شامل ہے، نیز عرف میں چچا کو باپ اور بھتیجے کو بیٹا کہنا بہت ہی متعارف ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا نام لے کر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔

مشرکین مکہ کو یہ آیت سنا کر یہ ہدایت کرنا مقصود ہے کہ تم تو پیغمبر ﷺ کی بات نہیں مانتے تو دیکھو جن کو تم سب بھی بڑا مانتے ہو یعنی حضرت ابراہیم ؑ اور ان کا پورا خاندان وہ سب بھی تو یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ قابل عبادت صرف ایک ذات حق تعالیٰ کی ہے۔ تم لوگ اپنے مسلمات کے رو سے بھی ملزم ہو۔

آیت:۸۹: میں یہی مضمون ارشاد فرما کر پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ آپ غم نہ کریں کیونکہ ہم

www.toobaaelibrary.com

نے آپ کی دعوت وہدایت کو ماننے کے لیے ایک بڑی قوم کو مقدر کر رکھا ہے، وہ کفر وانکار کے پاس نہ جائیں گے، اس میں عہد مبارک کے موجودین مہاجرین وانصار سے لے کر قیامت تک آنے والے مسلمان داخل ہیں، یہ آیت ان سب کے لیے مایۂ فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام مدح میں ذکر فرمایا ہے اللھم اجعلنا منھم واحشرنا فی زمرتھم، (آمین)

آخری آیت میں ایک ہدایت تو اہل عرب اور تمام امت کو یہ ہے کہ تقلید آبائی کی وہم پرستی کو چھوڑیں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ بزرگوں کا اتباع کریں، دوسری ہدایت خود پیغمبر ﷺ کو ہے کہ آپ بھی انہیں انبیاء سابقین کا طریق (اصول دین، توحید رسالت، آخرت میں) اختیار کریں۔

چنانچہ پیغمبر علیہ السلام کا مضمون یہ تھا کہ جب تک آپ کو بذریعے وحی کوئی خاص ہدایت نہ آتی تھی تو آپ فروعی معاملات میں بھی پچھلے انبیاء علیہم السلام کے طریقۂ کار پر چلتے تھے (مظہری وغیرہ)

پھر آپ کو ایسے اعلان کا حکم دیا گیا جو تمام انبیاء سابقین کرتے چلے آئے ہیں وہ یہ ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الخ تعلیم وتبلیغ پر کوئی معاوضہ نہ لینا تمام انبیاء علیہم السلام میں ہمیشہ مشترک چلا آیا ہے، اور تبلیغ کے موثر ہونے میں اس کا بڑا دخل ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ
مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ
وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ
جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ
الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

اور ان (منکر) لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی، ویسی قدر نہ پہچانی جب کہ (منہ بھر کر) یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے

www.toobaaelibrary.com

کسی بشر پر کوئی چیز (یعنی کوئی کتاب) ابھی نازل نہیں کی (یہ کہنا ناقدر شناسی اس لیے ہے کہ اس سے مسئلہ نبوت کا انکار لازم آتا ہے، اور نبوت کا منکر اللہ تعالیٰ کے تکذیب کرتا ہے، اور تصدیق حق واجب ہے، پس اس میں قدر شناسی واجب میں اخلال ہوا، یہ تو تحقیقی جواب تھا، اور الزامی مسکت جواب دینے کے لیے) آپ (ان سے) یہ کہئے کہ (یہ تو بتلاؤ کہ) وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ (علیہ السلام) لائے تھے (یعنی توریت جس کو تم بھی مانتے ہو) جس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ (خود مثل) نور (کے واضح) ہے اور (جن کی) ہدایت کے لیے وہ آئی تھی ان) لوگوں کے لیے وہ (بوجہ بیان شرائع کے ذریعہ) ہدایت ہے جس کو تم نے (اپنی اغراض نفسانیہ کے لیے) متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن (میں جتنے اوراق کو چاہا ان) کو ظاہر کر دیتے ہو (جس میں تمہارے مطلب کے خلاف کوئی بات نہ ہوئی) اور بہت سی باتوں کو (جو اپنے مطلب کے خلاف ہیں، یعنی جن اوراق میں وہ لکھی ہوئی ہیں ان کو) چھپاتے ہو اور (اس کتاب کی بدولت) تم کو بہت سی ایسی باتیں تعلیم دی گئیں جن کو (قبل کتاب ملنے کے) نہ تم (یعنی قوم بنی اسرائیل جو کہ وقت نزول آیت موجود تھی) جانتے تھے اور نہ تمہارے (قریب سلسلہ کے) بڑے (جانتے تھے، مطلب یہ کہ جس توریت کی حالت یہ ہے کہ اس کو اوّلا تو تم مانتے ہو، دوسرے بوجہ نور و ہدیٰ ہونے کے ماننے کے قابل بھی ہے، تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے گو وہ استعمال شرمناک ہے، لیکن اس کی وجہ سے گنجائش انکار تو نہیں رہی، چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور منت کی چیز ہے، اسی کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو، اس حیثیت سے بھی اس میں گنجائش انکار نہیں، یہ بتلاؤ کہ اس کو کس نے نازل کیا ہے اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے، اس لیے خود ہی جواب دینے کے لیے حضور کو حکم ہے کہ) آپ (وہی) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے (کتاب مذکور کو) نازل فرمایا ہے (اور اس سے ان کا دعویٰ عام باطل ہو گیا) پھر (یہ جواب سنا کر) ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے (یعنی آپ کا منصبی کام ختم ہو گیا، نہ مانیں تو آپ فکر میں نہ پڑیں ہم آپ ہی سمجھ لیں گے) اور (جس طرح توریت ہماری نازل کی ہوئی کتاب تھی اسی طرح) یہ (قرآن) بھی (جس کی تکذیب یہود کے قول مذکور سے اصل مقصود ہے) ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے (آپؐ پر) نازل کیا ہے جو بڑی (خیر و) برکت والی ہے (چنانچہ اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا موجب فلاح و نفع دارین ہے اور) اپنے سے پہلے (نازل شدہ) کتابوں (کے منزل من اللہ ہونے) کی تصدیق کرنے والی ہے (سو ہم نے اس قرآن کو نفع خلائق اور تصدیق کتب الٰہیہ کے لیے نازل فرمایا) اور (اس لیے نازل فرمایا

www.toobaaelibrary.com

یا کہ) تاکہ آپ (اس کے ذریعہ سے) مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو (خصوصیت کے ساتھ عذاب الٰہی سے جو کہ مخالفت پر ہوگا) ڈراویں (اور یوں انذار عام بھی کریں لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا) اور (آپ کے انذار کے بعد گو سب ایمان نہ لاویں لیکن) جو لوگ آخرت کا (پورا) یقین رکھتے ہیں (جس سے عذاب کا اندیشہ ہو جائے اور اس سے بچنے کی فکر پڑ جائے اور ہمیشہ طلب طریق نجات اور تعیین حق کی دھن لگ جائے خواہ کسی دلیل نقلی سے یا تجویز عقلی سے) ایسے لوگ (تو) اس (قرآن) پر ایمان لے (ہی) آتے ہیں اور (ایمان و اعتقاد کے ساتھ اس کے اعمال کے بھی پابند ہوتے ہیں، کیونکہ عذاب سے نجات کامل مجموعہ پر موعود ہے، چنانچہ) وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں (اور جب اس عبادت پر جو کہ ہر روز پانچ بار مکرر اور شاق ہے مداومت کرتے ہیں تو دوسری عبادت کہ جو کہ گاہ گاہ اور سہل ہیں بدرجۂ اَولیٰ پابند ہوں گے، حاصل یہ کہ کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی فکر نہ کیجئے جو اپنا بھلا چاہیں گے مان لیں گے، جو نہ چاہیں گے نہ مانیں گے آپ اپنا کام کیجئے) اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے (اور مطلق نبوت یا خاص نبوت کا منکر ہو، جیسا او پر بعض کا قول آیا ہے، مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ اور بعض کا قول تھا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا) یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی (جیسے مسیلمہ وغیرہ) اور (اسی طرح اس سے بھی زیادہ ظالم کون ہوگا) جو شخص کہ یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے (حسب دعویٰ رسول اللہ ﷺ) نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا (کر دکھا) ہوں (جیسا نضر یا عبداللہ مذکور کہتا تھا، غرض یہ سب لوگ بڑے ظالم ہیں) اور (ظالموں کا حال یہ ہے کہ) اگر آپ (ان کو) اس وقت دیکھیں (تو بڑا ہولناک منظر دکھلائی دے) جب کہ یہ ظالم لوگ (جن کا ذکر ہوا) موت کی (روحانی) سختیوں میں (گرفتار) ہوں گے اور (موت کے) فرشتے (جو ملک الموت کے اعوان ہیں، ان کی روح نکالنے کے واسطے ان کی طرف) اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور شدت کے ظاہر کرنے کو یوں کہتے جاتے ہوں گے کہ) ہاں (جلدی) اپنی جانیں نکالو (کہاں بچاتے پھرتے تھے، دیکھو) آج (مرنے کے ساتھ ہی) تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی (یعنی جس میں تکلیف جسمانی بھی ہو اور ذلت روحانی بھی ہو) اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی (جھوٹی) باتیں بکتے تھے (جیسے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور اُوْحِيَ اِلَيَّ اور سَاُنْزِلُ وغیرہا) اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات (کے قبول کرنے) سے (جو کہ ذریعۂ ہدایت تھیں) تکبر کرتے تھے، (یہ کیفیت تو موت کے وقت ہوگی) اور (جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرماویں گے) تم ہمارے پاس (یار و مددگار سے) تنہا تنہا (ہو کر) آگئے (اور اس

www.toobaaelibrary.com

حالت سے آئے) جس طرح ہم نے اول بار (دنیا میں) تم کو پیدا کیا تھا (کہ نہ بدن پر کپڑا نہ پاؤں میں جوتا) اور جو کچھ ہم نے تم کو (دنیا میں ساز و سامان) دیا تھا، (جس پر تم بھولے بیٹھے تھے) اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے (ساتھ کچھ نہ لا سکے، مطلب یہ کہ مال و دولت کے بھروسہ پر نہ رہنا، یہ سب یہاں ہی رہ جاوے گا) اور (تم میں جو بعض کو اپنے باطل معبودوں کی شفاعت کا بھروسہ تھا سو) ہم تو تمہارے ہمراہ (اس وقت) تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے (جس سے ثابت ہوا کہ واقع میں بھی تمہارے ساتھ نہیں ہیں) جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں (کہ تمہارا جو معاملہ عبادت ہمارے ساتھ ہوتا تھا وہی ان کے ساتھ ہوتا تھا) واقعی تمہارے (اور ان کے) آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا (کہ آج تم ان سے بیزار اور وہ تم سے بیزار، شفاعت کیا کریں گے) اور وہ تمہارا دعویٰ (جو مذکور ہوا) تم سے گیا گذرا ہوا (کچھ کام کا نہ نکلا تو اب پوری پوری مصیبت پڑے گی)

تلخیص معارف و مسائل

آیت:۹۱: ما انزل اللہ علیٰ بشر من شئی : اگر اس کے قائل مکہ کے بت پرست ہیں (ابن کثیر) تو معاملہ ظاہر ہے کہ وہ کسی کتاب و نبی کے قائل نہ تھے اور اگر یہود ہیں، جیسا کہ دیگر مفسرین نے اختیار فرمایا (سلسلۂ کلام بظاہر اسی کی تائید کرتا ہے) تو پھر ان کا یہ کہنا محض غصہ اور جھنجلاہٹ کا نتیجہ تھا، جو خود ان کے مذہب کے خلاف تھا، چنانچہ خود یہود نے اس قائل شخص سے ناراض ہو کر اسے مذہبی پیشوائی سے ہٹا دیا تھا (بغوی)

قراطیس قرطاس کی جمع ہے متفرق کاغذ ورق، مقصد یہ تھا کہ جب چاہا درمیان سے نکال دیا اور اس کے مضمرات سے انکار کر دیا جیسے تورات کی وہ آیات جو پیغمبر آخر الزماں کی علامات و صفات کے متعلق تھیں؛ نکال دیا و عُلِّمْتُمْ ما لم تعلموا یعنی قرآن کریم کے ذریعہ تمہیں تورات و انجیل سے زائد بھی علم دیا گیا، تورات و انجیل کے بعد قرآن نازل کرنے کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ یہ دونوں کتابیں تو بنی اسرائیل کے لیے بھیجی گئی تھیں ان کی دوسری شاخ بنی اسماعیل جو عرب کہلاتے ہیں اور ام القریٰ یعنی مکہ اور اس کے ارد گرد رہتے ہیں ان کی ہدایت کے لیے کوئی خاص پیغمبر اور کتاب اب تک نہیں آئی تھی، اب یہ قرآن ان کے لیے خصوصاً اور پورے عالم کے لیے عموماً نازل کیا گیا ہے۔

مکہ کو قرآن نے ام القریٰ یعنی تمام شہروں اور بستیوں کی جڑ اس لیے کہا کہ تاریخی روایات کے مطابق ابتدا آفرینش میں پیدائش زمین کی ابتداء یہیں سے ہوئی ہے، نیز یہ کہ سارے عالم کا قبلہ اور

www.toobaaelibrary.com

عبادت میں مرکز توجہ بھی ہے (مظہری) و من حولھا یعنی مکہ کے تمام اطراف جس میں پورا عالم مشرق و مغرب اور جنوب و شمال داخل ہے۔

اور یہود و مشرکین کا یہ مرض آخرت سے بے فکری کی وجہ سے ہے، آخرت پر یقین رکھنے والے سے اگر کبھی کوئی غلطی اور گناہ سرزد بھی ہو جاتا ہے تو اس کا دل تڑپ اٹھتا ہے اور بالآخر توبہ کر کے آگے کے لیے گناہ سے بچنے کا عزم کرتا ہے، اور در حقیقت خوف خدا اور فکر آخرت ہی وہ چیز ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے، اسی لیے قرآن کا کوئی رکوع اس سے خالی نہیں، کہ جس میں فکر آخرت کی طرف متوجہ نہ کیا گیا ہو۔ اللھم اجعل جملۃ ھمومنا ھماً واحداً ھم الأخرۃ.

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ○
فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ
لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ
نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ○ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ
دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انْظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَ
يَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ۖ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ
وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ ○

ترجمہ و خلاصۂ تفسیر

بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو (یعنی زمین میں دبانے کے بعد جو دانہ یا گٹھلی پھوٹتی ہے یہ اللہ کا کام ہے) وہ جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکال لاتا ہے (جیسے نطفہ سے آدمی پیدا ہوتا ہے) اور وہ بے جان (چیز) کو جاندار (چیز) سے نکالنے والا ہے (جیسے آدمی کے بدن سے نطفہ ظاہر ہوتا ہے) اللہ یہ ہے (جس کی ایسی قدرت ہے) سو تم (اس کی عبادت چھوڑ کر) کہاں (غیر اللہ کی عبادت کی طرف) الٹے چلے جا رہے ہو وہ (اللہ تعالیٰ) صبح (صادق) کا (رات میں سے) نکالنے والا ہے (یعنی رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح صادق ظاہر ہوتی ہے) اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنائی ہے (کہ سب تھکے تھکائے سو کر آرام پاتے ہیں) اور سورج اور چاند (کی رفتار) کو حساب سے رکھا ہے، (یعنی ان کی رفتار منضبط ہے جس سے اوقات کے انضباط میں سہولت ہو) یہ (کہ حساب سے ان کی رفتار ہو) ٹھہرائی ہوئی بات ہے

www.toobaaelibrary.com

ایسی ذات کی جو کہ قادر (مطلق) ہے (کہ اس طرح حرکت پیدا کرنے پر اس کو قدرت ہے اور) بڑے علم والا ہے (کہ اس کی رفتار کی مصلحتیں اور حکمتیں جانتا تھا اس لیے اس خاص طرح پر ٹھہرا دیا) اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے) لیے ستاروں کو پیدا کیا (اور وہ فائدہ یہ ہے) تاکہ تم ان کے ذریعہ سے (رات کے) اندھیروں میں خشکی میں بھی اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو، بیشک ہم نے (یہ) دلائل (توحید و انعام کے) خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں (اور گو پہنچیں گے سب کو مگر نافع) ان (ہی) لوگوں کے لیے (ہوں گے) جو (بھلے برے کی کچھ) خبر رکھتے ہیں (کیونکہ غور ایسے ہی لوگ کیا کرتے ہیں) اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تم (سب) کو (اصل میں) ایک شخص سے (کہ آدم علیہ السلام ہیں) پیدا کیا پھر (آگے توالد و تناسل کا اس طرح سلسلہ جاری چلا آرہا ہے کہ تم میں سے ہر شخص کے لیے مرتبہ مادہ میں) ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے، (یعنی ماں کا رحم) اور ایک جگہ چندے رہنے کی (یعنی باپ کی پشت لقولہ تعالیٰ مِنۢ بَیۡنِ الصُّلۡبِ) بیشک ہم نے (یہ) دلائل (بھی) (توحید و انعام کے) خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں (عام طور پر مگر ان کا نفع بھی حسب سابق) ان (ہی) لوگوں کے لیے (ہوگا) جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں (یہ تفصیل ہوگئی یُخۡرِجُ الۡحَیَّ الخ کی)۔ اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے آسمان (کی طرف) سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس (ایک ہی پانی) کے ذریعہ سے ہر قسم کے (رنگ برنگ) نباتات کو (زمین سے) نکالا (ایک ہی پانی ایک ہی مٹی سے اتنی مختلف قسم کی نباتات جن کے رنگ و بو، ذائقہ، فوائد بیحد مختلف ہیں، کس قدر عجیب کرشمۂ قدرت ہے) پھر ہم نے اس (کونپل) سے (جو اول زمین سے نکلتی ہے، جس کو بعض مقامات میں سوئی یا کھونٹی کہتے ہیں اور رنگ میں زرد ہوتی ہے) سبز شاخ نکالی کہ اس (شاخ) سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں (یہ تو غلوں کی کیفیت ہے، جس کا ذکر اجمالاً فالق الحب والنوٰی میں آچکا اور کھجور کے درختوں سے) یعنی ان کے گچھے میں سے خوشے (نکلتے) ہیں جو (مارے بوجھ کے) نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور (اسی پانی سے ہم نے) انگوروں کے باغ (پیدا کیے) اور زیتون وانار (کے درخت پیدا کیے) جو کہ (بعضے انار اور بعضے زیتون پھل کی شکل و مقدار و رنگ وغیرہ کے اعتبار سے) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور (بعضے) ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے (ذرا) ہر ایک پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے (کہ اس وقت بالکل کچا بدمزہ ناقابل انتفاع ہوتا ہے) اور (پھر) اس کے پکنے کو دیکھو (کہ اس وقت سب اوصاف میں کیسا کامل ہوگیا، یہ بھی خدا کی قدرت کا ظہور ہے) ان (امور) میں (بھی) دلائل (توحید کے موجود) ہیں (اور گو یا باعتبار تبلیغ کے سب کے لیے ہیں

www.toobaaelibrary.com

مگر انتفاع کے اعتبار سے) ان (ہی) لوگوں کے لیے (ہیں) جو ایمان (لانے کی فکر) رکھتے ہیں (یہ میووں اور پھلوں کا بیان ہوا جن کا ذکر اجمالاً والنویٰ میں آچکا ہے) اور (مشرک) لوگوں نے (اپنے اعتقاد میں) شیاطین کو (ایسے) اللہ کا (جس کے صفات وافعال اوپر مذکور ہوئے) شریک قرار دے رکھا ہے (کہ ان کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں اور خدا کے مقابلہ میں ان کے کہنے پر چلتے ہیں) حالانکہ ان لوگوں کو (خود ان کے اقرار کے موافق بھی) خدا (ہی) نے پیدا کیا ہے (جب خالق کوئی اور نہیں تو معبود بھی کوئی اور نہ ہونا چاہیے) اور ان (مشرکین میں سے بعض) لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں (اپنے اعتقاد میں) محض بلا دلیل تراش رکھی ہیں (جیسے نصاریٰ حضرت مسیح کو اور بعض یہود حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے) وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ (خدا تعالیٰ کی شان میں) بیان کرتے ہیں (یعنی یہ کہ اس کا کوئی شریک ہو یا اس کے کوئی اولاد ہو)۔

تلخیص معارف ومسائل

کفار و مشرکین کی ہٹ دھرمی اور غفلت اور خرابیوں کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے بے مثال علم وقدرت سے بے خبری ہے اس لئے مذکورہ چار آیات میں اللہ تعالیٰ نے غافل انسان کے اس روگ کا علاج اس طرح فرمایا ہے کہ اپنے وسیع علم اور عظیم قدرت کے چند نمونے اور انسان پر اپنے انعامات اور احسانات کا ایک سلسلہ ذکر فرمایا، جس میں ادنیٰ غور وفکر کرنے سے ہر سلیم الفطرت انسان اس بات کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ عظیم الشان کارنامے سوائے خدا کے کسی کی قدرت میں نہیں۔

کاشتکار کا کام اور اس کی ساری کوششوں کا حاصل صرف یہ ہے کہ دانہ اور گٹھلی کی راہ سے موانع اور مضر چیزوں کو دور کردے یعنی زمین کو ہل وغیرہ سے نرم کرنا پھر کھاد پانی دینا باقی اور کام میں کسی انسانی عمل کو دخل نہیں اس لئے قرآن میں دوسری جگہ فرمایا "افرأیتم ما تحرثون ء انتم تزرعونه ام نحن الزارعون۔

فانی یؤفکون جان بوجھ کر پھر کس طرف بہکے جارہے ہو فالق الاصباح یعنی گہری اندھیری کی چادر کو پھاڑ کر صبح کا نکالنے والا، یہ بھی صرف اسی مافوق الادراک ہستی کا کام ہے جو خالق کائنات ہے فالق الاصباح میں ان نعمتوں کا ذکر تھا جو انسان دن کے اجالے میں حاصل کرتا ہے رات کی تاریکی میں نہیں ہو سکتی اس کے بعد و جعل اللیل سکنا فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ جس طرح دن کا اجالا ایک عظیم نعمت ہے کہ انسان اس کے ذریعہ دنیا کا سب کاروبار کرتا ہے اسی طرح رات کی تاریکی کو

www.toobaaelibrary.com

بھی، برانہ جانو وہ بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ دن بھر کا تھکا ماندہ انسان آرام کر کے آئندہ کل پھر نشاط وچستی کے ساتھ کام کر سکے ورنہ فطرت انسانی مسلسل محنت کو برداشت نہیں کر سکتی۔

غور کیجئے کہ اگر ساری دنیا کی حکومتیں اور عوام مل کر بین الاقوامی معاہدوں کے ذریعہ سونے کا کوئی ایک وقت مقرر کرنا چاہے تو اولاً اس میں دشواریاں ہوتیں ثانیاً اگر سارے انسان کسی معاہدے کے پابند ہو کر ایک معین وقت سویا کرتے تو جانوروں کو اس معاہدے کا پابند کون بناتا، اور وہ کھلے پھرتے تو سونے والے انسانوں اور ان کے سامانوں کا کیا حشر ہوتا؟ یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کی قدرت قاہرہ ہے جس نے جبری طور پر ہر انسان اور ہر جاندار پر ایک ہی وقت میں نیند مسلط کر کے ان بین الاقوامی معاہدوں کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا فتبارك الله احسن الخالقين.

والشمس والقمر حسباناً: یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کا عمل ہے کہ ان عظیم الشان نورانی کروں اور ان کی حرکات کو مستحکم اور مضبوط انداز سے رکھا کہ ہزاروں سال گذر جانے پر بھی ان میں کسی ایک سکنڈ کا بھی فرق نہیں آتا، یہ اپنے دائرے میں ایک معین رفتار سے چل رہے ہیں، ان کی مشنری کے کسی پرزے کے گھسنے اور بدلنے کا سابقہ نہیں پڑتا۔

افسوس کہ قدرت کے اس مستحکم اور غیر متبدل نظام ہی سے انسان دھوکہ کھا گیا کہ انہیں کو مستقل بالذات بلکہ مقصود و معبود بنا بیٹھا۔ آسمانی کتابیں اور انبیاء ورسل اس کو اسی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے نازل ہوئے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ سالوں اور مہینوں کا حساب شمسی بھی ہوسکتا ہے اور قمری بھی دونوں اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں یہ دوسری بات ہے کہ عام ان پڑھ دنیا کی سہولت اور ان کو حساب کتاب کی الجھن سے بچانے کے لیے اسلامی احکام میں قمری سن وسال استعمال کئے گئے، اور چونکہ اسلامی تاریخ اور اسلامی احکام سب کا مدار قمری حساب پر ہے اس لئے امت پر فرض ہے کہ وہ حساب کو قائم و باقی رکھے، دوسرے حسابات شمسی وغیرہ اگر کسی ضرورت سے اختیار کئے جائیں تو کوئی گناہ نہیں، لیکن قمری حساب کو بالکل نظر انداز کر دینا گناہ عظیم ہے جس سے انسان کو یہ بھی خبر نہ رہے کہ رمضان کب آئیگا اور ذی الحجہ اور محرم کب۔

ذالك تقدير العزيز العليم: یعنی حیرت انگیز مستحکم نظام حرکات اسی ذات پاک کی قدرت کا کرشمہ ہوسکتا ہے جو عزیز یعنی ہر چیز پر غالب اور علیم بھی ہے

www.toobaaelibrary.com

آیت ۹۷: تجربہ شاہد ہے کہ آج اس مشینری کے زمانے میں بھی انسان ستاروں کی ہدایت سے بے نیاز نہیں ہے۔

آیت ۹۸: مستقر اور مستودع کی تعبیر وتفسیر میں اقوال مختلف ہیں یعنی مستودع، ماں کا پیٹ اور مستقر یہ دنیا ہے، یا مستودع قبر ہے اور مستقر دار آخرت وغیرہ گنجائش سب کی ہے قاضی ثناء اللہؒ نے (مظہری) اسی کو ترجیح دی ہے کہ مستقر دار آخرت مقام جنت ودوزخ ہے اور انسان کی ابتداء آفرینش سے آخرت تک جتنے مراحل اور درجات ہیں وہ سب مستودع یعنی چند روزہ قیام کی جگہ ہیں، آیت قرآنی لتركبن طبقاً عن طبق سے بھی اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دار آخرت سے پہلے پہلے انسان اپنی پوری زندگی میں ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہے جو ظاہری سکون وقرار کے وقت بھی درحقیقت سفر عمر کے منازل طے کر رہا ہے۔

اس آیت میں ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مخلوقات کی نیرنگیوں میں مشغول ہو کر اپنے اصلی مستقر اور خدا وآخرت سے غافل ہو جانے والے کی آنکھیں کھول دی گئی ہیں۔

آیت ۹۹: آیت ۹۵ سے لے کر اب تک کے مضامین میں ایک عجیب ترتیب کی رعایت ہے وہ یہ کہ یہاں تین قسم کی کائنات مذکور ہے، سفلیات، علویات، فضائی، بیان شروع کیا سفلیات سے کہ وہ ہم سے اقرب ہیں پھر انہیں سے دو حصے کئے ایک زمین سے اگنے والی نباتات اور درختوں، باغوں کا، دوسرے حیوانات انسان اور جانوروں کا اول کو مقدم کیا بہ نسبت دوسرے کے ظاہر ہے، اور دوسرے کا معاملہ روح پر موقوف ہے دقیق ہے۔ پھر فضاء آسمانی کی کائنات کو ذکر کیا، صبح وشام، پھر علویات کو ذکر کیا شمس وقمر ونجوم۔ پھر سفلیات کا چوں کہ زیادہ مشاہدہ ہوتا ہے اس کو مکرر لا کر اس پر ختم فرمایا مگر پہلے وہ اجمالاً تھا اب تفصیل سے ذکر کیا گیا لیکن تفصیل کی ترتیب میں اجمال کی ترتیب کا عکس کر دیا گیا، کہ بیان انفس کو مقدم اور نباتات کو مؤخر کر دیا گیا، ممکن ہے کہ اسکا منشا یہ ہو کہ اس مفصل بیان میں اظہار نعمت کا عنوان اختیار کیا گیا ہے تو اس لحاظ سے منعم علیہ بوجہ مقصود ومتبوع ہونے کے قابل تقدیم ہوا اور نباتات میں ترتیب سابق باقی ہے، اور بارش کا درمیان میں ذکر آنا نباتات کے تابع ہے۔ اور اس میں ایک اور لطیفہ بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ بارش کی مختلف جنسیات ہیں۔ مبداء کے اعتبار سے تو علوی اور ختمی کے اعتبار سے سفلی اور مسافت کے اعتبار سے فضائی ہے۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝

www.toobaaelibrary.com

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ
وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ قَدْ جَاۗءَكُمْ بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ
فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝
اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا
جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ
بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَاَقْسَمُوْا
بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا
جَاۗءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَنُقَلِّبُ اَفْـــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد (یعنی نیست سے ہست کرنے والا) ہے (اور دوسرا کوئی موجد نہیں، پس معبود بھی کوئی اور نہ ہوگا، اس سے تو شریک کی نفی ہوئی اور اولاد کی نفی کی دلیل یہ ہے کہ اولاد کی حقیقت یہ ہے کہ میاں بی بی ہوں اور ان دونوں کی مقارنت سے تیسری جاندار چیز پیدا ہو تو) اللہ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے، حالانکہ اس کے کوئی بی بی تو ہے نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے (جیسا ان لوگوں کو پیدا کیا وَ خَلَقَهُمْ اور زمین وآسمان کو پیدا کیا، بدیع السمٰوٰت الخ اسی طرح اس نے) ہر چیز کو پیدا کیا اور (جس طرح وہ خالقیت میں یکتا ہے، اسی طرح اس صفت میں بھی یکتا ہے کہ) وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (ازلاً بھی اور ابداً بھی اور اس وصف میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اور تخلیق بدون علم کے نہیں ہو سکتی، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور کوئی خالق نہیں) یہ (ذات جس کے صفات کمال بیان کیے گئے ہیں) ہے اللہ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر چیز کا پیدا کرنے والا (جیسا اوپر بیان ہوا، جب یہ صفات اللہ ہی میں ہیں) تو تم لوگ اس (ہی) کی عبادت کرو اور (پھر یہ کہ) وہ (ہی) ہر چیز کا کارساز (حقیقی) ہے (دوسرا کوئی کارساز بھی نہیں پس اس کی عبادت کرو گے تو وہ تم کو نفع حقیقی پہنچائے گا اور دوسرا کیا دے گا، غرض خالق بھی وہی، وکیل بھی وہی، اور یہ سب امور مقتضی ہیں کہ معبود بھی وہی ہو)۔ (اور اس کے علیم ہونے کی اور اس میں منفرد ہونے کے یہ کیفیت ہے کہ) اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی (دنیا میں تو اس طرح کہ کوئی دیکھ نہیں سکتا، جیسا کہ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے، اور آخرت میں اس طرح کہ اہل

www.toobaaelibrary.com

جنت دیکھیں گے جیسا کہ یہ بھی دلائل شرعیہ سے ثابت ہے، لیکن احاطہ محال رہے گا اور جس محسوس بالبصر کے ظاہر کا احاطہ احساس بصری سے محال ہو تو اس کی حقیقت باطنی کا کہ ظاہر کے مقابلہ میں بدرجہا مخفی تر ہے، احاطہ کرنا عقل سے جو کہ احساس سے بدرجہا زیادہ محتمل خطا ہے بدرجۂ اولیٰ محال ہوگا) اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) سب نگاہوں کو (جو کہ اس کے احاطہ سے عاجز تھیں وجوبا) محیط ہو جاتا ہے (اسی طرح اور چیزوں کو بھی علماً محیط ہے، وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) اور (اس امر سے کہ وہ سب کو محیط ہے اور اس کو کوئی محیط نہیں لازم آ گیا کہ) وہی بڑا باریک بیں، باخبر ہے (اور کوئی دوسرا نہیں، اور یہ وہ کمال علم ہے جس میں اللہ تعالیٰ یکتا ہے آپؐ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع (یعنی توحید و رسالت کے حق ہونے کے دلائل عقلیہ و نقلیہ) پہنچ چکے ہیں سو جو شخص (ان کے ذریعہ سے حق کو) دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا (یعنی تمہارے اعمال کا) نگراں نہیں ہوں (یعنی جیسا نگرانی کرنے والے کے ذمہ ہوتا ہے کہ ناشائستہ حرکت نہ کرنے دے، یہ میرے ذمہ نہیں، میرا کام صرف تبلیغ ہے) اور (دیکھئے) ہم اس (عمدہ) طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تا کہ آپؐ سب کو پہنچا دیں، اور تا کہ یہ (منکرین تعصب سے) یوں کہیں کہ آپؐ نے کسی سے (ان مضامین کو) پڑھ لیا ہے (مطلب یہ کہ تا کہ ان پر اور الزام ہو کہ ہم تو اس طرح واضح کر کے حق کو ثابت کرتے تھے اور تم پھر لغو بہانے تراشتے تھے) اور تا کہ ہم اس (قرآن کے مضامین) کو دانشمندوں کے لیے خوب ظاہر کر دیں (یعنی قرآن کے نازل کرنے کے تین فائدے ہیں، ایک یہ کہ آپ کو اجر تبلیغ ملے، دوسرے یہ کہ منکرین پر زیادہ جرم قائم ہو، تیسرے یہ کہ دانشمند و طالبان حق کو حق ظاہر ہو جاوے پس) آپؐ (یہ نہ دیکھئے کہ کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا) خود اس طریق پر چلتے رہئے جس (پر چلنے) کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے (اور اس طریق میں بڑی چیز یہ اعتقاد ہے کہ) اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں (اور اس طریق میں بھی داخل ہے) اور (اس پر قائم رہ کر) مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے (کہ افسوس! انھوں نے قبول نہ کیا) اور (وجہ خیال نہ کرنے کی یہ ہے کہ) اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ لوگ شرک نہیں کرتے (لیکن ان لوگوں کی بدعنوانیوں سے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان کو سزا دیں اس لیے ایسا ہی سامان جمع کر دیا پھر ان کو آپؐ کیا مسلمان بنا سکتے ہیں) اور (آپؐ اس فکر میں پڑیں ہی کیوں) ہم نے آپؐ کو ان (کے اعمال) کا نگراں نہیں بنایا اور نہ آپ

www.toobaaelibrary.com

(ان اعمال پر عذاب دینے کے ہماری طرف سے) مختار ہیں (پس جب آپؐ کے متعلق نہ ان کے جرائم کی تفتیش ہے اور نہ ان کی سزا کا حکم ہے، پھر آپؐ کو کیوں تشویش ہے) اور دشنام مت دو ان (معبودان باطلہ) کو جن کی یہ (مشرک) لوگ خدا (کی توحید) کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیونکہ (تمہارے ایسا کرنے سے) پھر وہ براہ جہل حد سے گذر کر (یعنی غصہ میں آ کر) اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے (اور اس کا تعجب نہ کیا جائے کہ ایسی گستاخی کرنے والوں کو ساتھ کے ساتھ سزا کیوں نہیں مل جاتی، کیونکہ) ہم نے (دنیا میں تو) اسی طرح (جیسا ہو رہا ہے) ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل (بھلا ہو یا برا ہو) مرغوب بنا رکھا ہے (یعنی ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں کہ ہر ایک کو اپنا طریقہ پسند ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ عالم اصل میں ابتلاء و امتحان کا ہے، پس اس میں سزا ضروری نہیں) پھر (البتہ اپنے وقت پر) اپنے رب ہی کے پاس ان (سب) کو جانا ہے، سو (اس وقت) وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے (اور مجرمین کو سزا دے دے گا) اور ان (منکر) لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس (یعنی ان کے فرمائشی نشانوں میں سے) کوئی نشان (ظہور میں) آ جاوے تو وہ (یعنی ہم) ضرور ہی اس (نشان) پر ایمان لے آویں گے (یعنی نشان ظاہر کرنے والے کی نبوت کو مان لیں گے) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ نشان سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں (وہ ان میں جس طرح چاہے تصرف فرماوے دوسرے کو دخل دینا اور فرمائش کرنا بیجا ہے، کیونکہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ کس کا ظاہر ہونا حکمت ہے اور کس کا ظاہر نہ ہونا حکمت ہے، البتہ بعثت رسل کے وقت مطلقاً کسی نشان کو ظاہر کر دینا اس میں حکمت یقینی ہے، سو اللہ تعالیٰ بہت سے نشان صدق دعویٰ رسالت محمدؐیہ پر ظاہر فرما چکے ہیں جو کہ دلالت کے لیے کافی ہیں، بس یہ ان کی فرمائش کا جواب ہو گیا) اور (چونکہ مسلمانوں کے دل میں خیال تھا کہ خوب ہو اگر یہ نشان ظاہر ہو جاویں، شاید ایمان لے آویں ان کو خطاب فرماتے ہیں کہ) تم کو اس کی کیا خبر (بلکہ ہم کو خبر ہے) کہ وہ (فرمائشی) نشان جس وقت (ظہور میں) آ جاویں گے یہ لوگ (غایت عناد سے) جب بھی ایمان نہ لاویں گے اور (ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے) ہم بھی ان کے دلوں کو (حق طلبی کے قصد سے) اور ان کی نگاہوں کو (حق بینی کی نظر سے) پھیر دیں گے (اور ان کا یہ ایمان نہ لانا ایسا ہے) جیسا یہ لوگ اس (قرآن) پر (کہ معجزۂ عظیمہ ہے) پہلی دفعہ (جب کہ وہ آیا) ایمان نہیں لائے (تو اب ایمان نہ لانے کو بعید مت سمجھو) اور (تقلیب ابصار یعنی نگاہوں کو بے کار کر

www.toobaaelibrary.com

نے کا مطلب ظاہری تقلیب نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ) ہم ان کو ان کی سرکشی (وکفر) میں حیران (سرگر داں) رہنے دیں گے (ایمان کی توفیق نہ ہوگی یہ معنوی تقلیب ہے)

تلخیص معارف و مسائل

آیت ۱۰۳: حضرت ابن عباسؓ نے ادراک کی تفسیر اس جگہ احاطہ کر لینا بیان فرمائی ہے۔ (بحر محیط)

اس مختصر آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو مخصوص صفتوں کا ذکر ہے۔ اول یہ کہ ساری کائنات میں کسی کی نگاہ بلکہ سب کی نگاہیں ملکر بھی اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اور یہ خاص حق جل جل وعلا شانہ کی ہی ہو سکتی ہے۔ ورنہ نگاہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت بخشی ہے کہ چھوٹے سے جانور کی آنکھ دنیا کے بڑے سے بڑے کرے کو دیکھ سکتی ہے اور نگاہ سے اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ نگاہ تو انسانی حواس میں سے ایک حاسہ ہے جس سے صرف محسوس چیزوں کا علم ہو سکتا ہے حق تعالیٰ کی ذات پاک عقل و وہم کے احاطہ سے بھی بالاتر ہے اسکا علم اس حاسہ بصر سے کیا حاصل ہو، حق تعالیٰ کی ذات و صفات غیر محدود اور انسانی حواس محدود چیزیں ہیں۔ اس لئے دنیا کے سارے عقلاء، اور فلاسفر اور صوفیائے کرام سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اس کی ذات و صفات کی حقیقت کو نہ کسی نے پایا ہے اور نہ کوئی پا سکتا ہے۔

اب یہاں رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس مسئلہ میں علماء اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اس عالم دنیا میں حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ اور زیارت ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انکی درخواست کے جواب میں ارشاد ہوا تھا: لن ترانی: البتہ آخرت میں مؤمنین کو حق تعالیٰ کی زیارت ہونا صحیح و قوی احادیث متواتر سے ثابت ہے اور خود قرآن مجید میں موجود ہے: "وجوۃ یومئذ ناظرۃ الی ربھا ناظرۃ"، اور قیامت میں بھی جو زیارت ہوگی وہ ایسی طرح ہوگی کہ نظر احاطہ نہیں کر سکے گی۔

دوسری صفت اللہ تعالیٰ کی اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کی نظر ساری کائنات پر محیط ہے۔ دنیا کا کوئی ذرہ اس کی نظر سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ یہ علم مطلق اور احاطۂ علمی بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے۔ وھو اللطیف الخبیر: لطیف کے دو معنی ہیں ایک مہربان، دوسرے بمقابل کثیف یعنی وہ چیزیں جو بذریعہ حواس محسوس و معلوم نہیں کی جا سکتی، خبیر بمعنی باخبر، اور اگر لطیف بمعنی مہربان لیے جائیں تو معنی ہوں گے کہ ہم ہر گناہ پر پکڑے جاتے مگر وہ چوں کہ وہ لطیف و مہربان بھی

www.toobaaelibrary.com

ہیں اس لیے ہر گناہ پر مؤاخذہ نہیں فرماتے۔

آیت ۱۰۴: بصائر بصیرت کی جمع، عقل و دانش، وہ قوت جس کے ذریعہ انسان غیر محسوس چیزوں کا علم حاصل کرسکتا ہے، یعنی حق بینی کے ذرائع، قرآن، پیغمبر علیہ السلام، آپ ؐ کے معجزات، آپ ؐ کے اخلاق و معاملات و تعلیمات، آخر میں فرمایا کہ رسول اس کے ذمہ دار و نگراں نہیں ہیں بلکہ آپ کا فریضۂ منصبی صرف احکام کا پہنچا دینا اور سمجھا دینا ہے۔

آیت ۱۰۵: ہدایت و حق بینی کے ذرائع اور سامان تو ایسے تھے کہ ہٹ دھرم سے ہٹ دھرم منکر کو بھی پیغمبر علیہ السلام کے قدموں پر گر جانا چاہیے تھا، لیکن جن لوگوں کی طبیعت میں زیغ اور کجی تھی وہ یہ کہنے لگے کہ دَرَسْتَ یعنی یہ علوم آپ نے کسی سے پڑھ لیے ہیں۔

آیت ۱۰۶: اس میں یہ ہدایت ہے کہ آپ ؐ یہ نہ دیکھیے کہ کون مانتا ہے کون نہیں مانتا، آپ ؐ خود اس طریق پر چلتے رہیے جس پر چلنے کے لیے آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔

آیت ۱۰۷: اس آیت میں اس کی وجہ یہ بتلائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کو تکوینی طور پر یہ منظور ہوتا کہ سب انسان مسلمان ہو جائیں تو یہ شرک نہ کرسکتے، لیکن ان کی بدعنوانیوں کی وجہ سے یہ منظور تھا کہ ان کو سزا ملے تو ایسا ہی سامان جمع کر دیا، پھر آپ ؐ ان کو کیسے مسلمان بنا سکتے ہیں اور آپ اس فکر میں کیوں پڑیں ہم نے آپ کو ان کے اعمال کے لیے نگراں نہیں بنایا اور نہ آپ ؐ ان اعمال پر ہماری طرف سے عذاب دینے کے مختار ہیں اس لیے آپ کو ان کے اعمال سے تشویش نہ ہونی چاہیے۔

آیت ۱۰۸: ابن جریرؒ کی روایت کے مطابق آیت کا شانِ نزول وہ مشہور واقعہ ہے جس میں پیغمبر علیہ السلام کے عم محترم ابو طالب کے مرض الوفات کے وقت سردارانِ قریش ابو سفیان، ابو جہل، عمرو بن عاص وغیرہ یہ سوچ کر حاضر ہوئے کہ ابو طالب کی وفات ہمارے لیے ایک مشکل بن جائے گی کیوں کہ ان کے بعد اگر محمد (ﷺ) کو قتل کریں تو یہ ہمارے شرافت و عزت کے خلاف ہوگا لوگ کہیں گے کہ اب ان کو اکیلا پا کر قتل کر دیا، اس لیے اس وقت چل کر ابو طالب سے ہی کوئی فیصلہ کن بات کر لیں، یہ سب آئے اور ابو طالب سے کہا کہ آج اپنے بھتیجے کو سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں تو ہم اس پر صلح کر لیں گے کہ وہ اپنے دین پر جس طرح چاہیں عمل کریں، ابو طالب نے پیغمبر علیہ السلام کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ دیکھو یہ سردارانِ قریش ہیں کیا کہہ رہے ہیں، آپ ؐ نے پوچھا کہ کیا چاہتے ہیں، انھوں نے وہی مطالبہ دہرایا، حضور ؐ نے فرمایا کہ اچھا تم یہ بتلاؤ کہ اگر میں یہ تمہاری بات

www.toobaaelibrary.com

مان لوں تو کیا تم ایک ایسا کلمہ کہنے کے لیے تیار ہو جاؤ گے جس کے کہنے سے تم سارے عرب کے مالک ہو جاؤ گے، ابوجہل بولا، ایسا کلمہ ہم ایک نہیں دس بار کہنے کو تیار ہیں، بتلایئے وہ کیا ہے؟ آپ ؐ فرمایا لا الٰہ الا اللہ، یہ سنتے ہی سب برہم ہو گئے، ابوطالب نے بھی کہا میرے بھتیجے اس کلمہ کے سوا کوئی اور بات کہو کیونکہ آپ (ﷺ) کی قوم اس کلمہ سے گھبرا گئی ہے، آپ ؐ نے فرمایا: چچا جان! اگر وہ آسمان سے آفتاب بھی اتار لاویں، اور (ایک ہاتھ میں سورج اور ایک ہاتھ میں چاند) میرے ہاتھ میں رکھ دیں جب بھی اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا کلمہ ہرگز نہ کہوں گا۔

اس پر یہ ناراض ہو کر کہنے لگے یا تو آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز آجایئے ورنہ ہم آپ کے خدا کو بھی گالیاں دیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، سَبّ بمعنی گالی دینا، آپ ؐ تو اپنے فطری اخلاق کی بنا پر پہلے ہی اس کے پابند تھے، بچپن میں بھی کبھی کسی جانور کو گالی نہ دی، ممکن ہے بعض صحابہ کرامؓ کی زبان سے بھی کوئی سخت کلمہ نکل گیا ہو جسے مشرکین مکہ نے گالی سے تعبیر کرتے ہوئے یہ معاملہ رکھ کر یہ اعلان کر دیا، نیز اس آیت کا طرز خطاب بھی بصیغہ جمع ہو گیا ہے اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آپ ؐ تو ایسے نہ تھے، آپ کو براہ راست اس کلام کا مخاطب بنانا آپ کی دل شکنی کا سبب ہو سکتا ہے اس لیے خطاب عام کر دیا گیا اور تمام صحابہ بھی اس میں احتیاط فرمانے لگے۔ (بحر محیط)

رہا یہ معاملہ کہ قرآن کریم میں بتوں کا تذکرہ سخت الفاظ میں آیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بطور مناظرہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے وارد ہوا ہے، وہاں نہ کسی کی دل آزاری پیش نظر ہے اور نہ ہی ان میں بتوں کو برا کہنا اور مشرکین کو چڑانا منظور ہے۔

فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی آیتوں کو مشرکین کو چڑانے کے لیے پڑھے تو یہ تلاوت بھی سَبّ ممنوع میں داخل ہے اور ناجائز ہے جیسے مواضع مکروہہ میں تلاوت کا ناجائز ہونا سب کو معلوم ہے (روح) خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس کا امکان تھا ان کو اس آیت نے ایسا کرنے سے روک دیا۔

اس واقعہ اور اس پر قرآنی ہدایت نے علم کا ایک بڑا دروازہ کھول دیا اور چند اصولی مسائل اس سے نکل آئے، مثلاً ایک مسئلہ یہ نکلا کہ جو کام فی ذاتہٖ جائز بلکہ طاعت وثواب بھی ہو مگر مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو اگر اس کے کرنے پر کچھ مفاسد لازم آجائیں تو وہ کام ترک کر دینا واجب ہو جاتا ہے بخلاف مقاصد شرعیہ کے کہ وہ لزوم مفاسد کی وجہ سے ترک نہیں کیے جا سکتے، اسی طرح اگر کسی کا بیٹا نا

www.toobaaelibrary.com

فرمان ہو تو باپ کو چاہیے کہ اس کو حکم کے انداز میں کچھ کہنے کے بجائے نصیحت کے انداز میں کہے کہ اگر فلاں کام کر لیا جائے تو بہت اچھا ہوتا کہ انکار سے یا اس کے خلاف کی صورت میں ایک جدید نافرمانی کا گناہ اس پر نہ عائد ہو (خلاصۃ الفتاوی)

بہر حال اس اصول سے فقہاء امت نے ہزاروں مسائل نکالے ہیں، امام بخاریؒ نے تو مستقل باب اس موضوع پر رکھا ہے، باب من ترک بعض الاختیار مخافۃ الخ۔ مگر یہ شرط ہے کہ یہ کام مقاصد اسلامیہ میں داخل نہ ہو اگر مقاصد اسلامیہ میں سے ہو جیسے فرائض واجبات اور سنن مؤکدہ یا شعائر اسلامی تو ان کاموں کو ہرگز نہ چھوڑا جائے گا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت حسنؒ بصری اور امام محمد بن سیرینؒ دونوں حضرات ایک جنازہ کی نماز میں شرکت کے لیے چلے وہاں دیکھا کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی اجتماع ہے، یہ دیکھ کر ابن سیرینؒ تو واپس ہو گئے مگر حسن بصریؒ نے فرمایا کہ لوگوں کی غلط روش کی وجہ سے ہم اپنے ضروری کام کیسے چھوڑ دیں، نماز جنازہ فرض ہے اس کو اس مفسدہ کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا، ہاں اس کی کوشش کی جائے گی کہ یہ مفسدہ مٹ جائے (روح) اوپر مذکورہ وفد قریش بھی در اصل اس پر صلح کرنا چاہتے تھے کہ آپ ﷺ تبلیغ چھوڑ دیں جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں یہ کبھی نہیں کر سکتا اگر چہ وہ آفتاب و ماہتاب لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں۔

آیت: ۱۰۹: اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ ان لوگوں نے اپنی ہٹ دھرمی کا نیا روپ یہ بدلا کہ آپ ﷺ سے خاص خاص معجزات کا مطالبہ کیا، کہ اگر آپ ہمیں یہ معجزہ دکھلا دیں کہ کوہ صفا پورا سونا ہو جائے تو ہم ایمان لائیں گے، پیغمبر علیہ السلام نے یہ معاہدہ کیا کہ اگر یہ معجزہ ظاہر ہو گیا تو تم سب مسلمان ہو جاؤ گے انھوں نے قسمیں کھائیں، آپ ﷺ دعا کے لیے کھڑے ہو گئے مگر فوراً وحی آ گئی کہ اگر اس معجزہ کے بعد بھی یہ ایمان نہ لائے تو قانون الٰہی کے مطابق عذاب عام کے ذریعہ سب ہلاک کر دیے جائیں گے، رحمۃ للعالمینؐ ان کی عادات اور ہٹ دھرمی سے واقف تھے بمقتضائے شفقت فرمایا کہ اب میں اس معجزہ کی دعا نہیں کرتا، اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

[redacted] وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا
إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ۝ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ
وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝
وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ ۝

www.toobaaelibrary.com

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ
آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝
وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ
وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِينَ ۝ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا لَكُمْ أَلَّا
تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ
إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ۝ وَذَرُوا
ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ۝ وَلَا تَأْكُلُوا
مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ
وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور (ان کے عناد کی تو یہ کیفیت ہے کہ) اگر ہم (ایک فرمائشی نشان کیا کئی کئی اور بڑے بڑے فرمائشی نشان بھی ظاہر کردیتے، مثلاً یہ کہ) ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے (جیسا کہ وہ کہتے ہیں: لَوْ لَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ) اور ان سے مردے (زندہ ہو کر) باتیں کرنے لگتے (جیسا وہ کہتے ہیں فَأْتُوا بِآبَائِنَا) اور (یہ تو صرف اتنا ہی کہتے ہیں تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ہم (اسی پر اکتفا نہ کرتے بلکہ) تمام موجودات (غیبیہ) کو (جس میں جنت و دوزخ سب ہی کچھ آگیا) ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لاکر جمع کردیتے، (کہ سب کو کھلم کھلا دیکھ لیتے) تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے، ہاں مگر خدا ہی چاہے، (اور ان کی تقدیر بدل دے) تو اور بات ہے (پس جب ان کے عناد و شرارت کی یہ کیفیت ہے اور خود بھی وہ جانتے ہیں کہ ہماری نیت اس وقت بھی ایمان لانے کی نہیں تو اس کا مقتضا یہ تھا کہ نشانوں کی فرمائش نہ کرتے کہ محض بیکار ہے) لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں (کہ ایمان لانے کا تو قصد نہیں پھر خواہ مخواہ کی فرمائشیں کہ جہالت ہونا اس کا ظاہر ہے) اور (یہ لوگ جو آپ سے عداوت کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات آپ ہی کے لیے نہیں ہوئی بلکہ جس طرح یہ آپ سے عداوت رکھتے ہیں) اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کیے تھے، کچھ آدمی) جن

www.toobaaelibrary.com

سے اصل معاملہ تھا) اور کچھ جن (ابلیس اور اس کی اولاد) جن میں سے بعضے (یعنی ابلیس اور اس کا لشکر) دوسرے بعضوں کو (یعنی کافر آدمیوں کو) چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں (مراد اس سے کفر و مخالفت کی باتیں ہیں کہ ظاہر میں نفس کو بھلی معلوم ہوتی تھیں، اور باطن میں مہلک تھیں، اور یہی دھوکہ ہے، جب یہ کوئی نئی بات نہیں تو اس کا غم نہ کیجئے کہ آپ کے ساتھ یہ لوگ ایسے معاملات کیوں کرتے ہیں، اصل یہ ہے کہ اس میں بعضی حکمتیں ہیں، اس وجہ سے ان کو ایسے امور پر قدرت بھی ہو گئی ہے) اور اگر اللہ تعالیٰ (یہ) چاہتا (کہ یہ لوگ ایسے امور پر قادر نہ رہیں) تو (پھر) یہ ایسے کام نہ کر سکتے (مگر بعض حکمتوں سے ان کو قدرت دیدی ہے) سو (جب اس میں حکمتیں ہیں تو) ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ (دین کے بارہ میں) افترا پردازی کر رہے ہیں (جیسے انکار نبوت جس پر عداوت مرتب ہے) اس کو آپ رہنے دیجئے (اس فکر و غم میں نہ پڑیے، ہم خود متعین وقت پر مناسب سزا دیں گے کہ ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے) اور (وہ شیاطین ان کافر آدمیوں کو اس لیے وسوسہ میں ڈالتے تھے) تاکہ اس (فریب آمیز بات) کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جاویں جو آخرت پر (جیسا چاہیے) یقین نہیں رکھتے (مراد کافر لوگ ہیں، اگرچہ اہل کتاب ہوں، کیونکہ جیسا چاہیے ان کو بھی یقین نہیں، ورنہ انکار نبوت پر جس پر قیامت میں سزا ہو گی کبھی جرأت نہ کرتے) اور تاکہ (میلان نفسانی کے بعد) اس کو (اعتقاد قلبی سے بھی) پسند کر لیں اور تاکہ (اعتقاد کے بعد) مرتکب (بھی) ہو جاویں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوتے تھے۔ (آپ کہہ دیجئے کہ میرے تمہارے درمیان جو مقدمہ رسالت میں اختلاف ہے کہ میں بحکم سرکاری اس کا مدعی ہوں اور تم منکر اور یہ مقدمہ اجلاس احکم الحاکمین سے میرے حق میں اس طرح طے اور فیصل ہو چکا ہے کہ میرے اس دعوے پر کافی ثبوت اور دلیل، یعنی قرآن معجز خود قائم فرما دیا ہے اور تم پھر بھی نہیں مانتے) تو کیا (تم یہ چاہتے ہو کہ اس خدائی فیصلہ کو کافی نہ قرار دوں اور) اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں، حالانکہ وہ ایسا (کامل فیصلہ کر چکا) ہے کہ اس نے ایک کتاب (جو اپنے اعجاز میں) کامل (ہے) تمہارے پاس بھیج دی ہے (جو اپنے اعجاز کی وجہ سے دلالۃ علی النبوۃ میں کافی ہے، پس اس کے دو کمال تو یہ ہیں، اعجاز و تنزیل من اللہ، اور اس کے علاوہ اور وجوہ سے بھی کامل، اور اس سے جو اور مقاصد ہدایت و تعلیم کے متعلق ہیں ان کے لیے کافی ہے، چنانچہ) اس کی (ایک یعنی تیسری) حالت (کمال کی) یہ ہے کہ اس کے مضامین (جو دین کے باب میں اہم ہیں) خوب صاف صاف بیان کیے

www.toobaaelibrary.com

گئے ہیں اور (چوتھا وصف کمال اس کا یہ ہے کہ کتب سابقہ میں اس کی خبر دی گئی تھی جو علامت ہے اس کے مہتم بالشان ہونے کی، چنانچہ) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (یعنی توراۃ وانجیل) دی ہے وہ اس کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) آپؐ کے رب کی طرف سے واقعیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے (اس کو سب جانتے تو سب ہیں، پر جن میں حق گوئی کی صفت تھی، انھوں نے ظاہر بھی کر دیا، اور جو معاند تھے وہ ظاہر نہ کرتے تھے) سو آپؐ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں اور (پانچواں وصف کمال اس کا یہ ہے کہ) آپؐ کے رب کا (یہ) کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے (بھی) کامل ہے (یعنی علوم وعقائد میں واقعیت اور اعمال ظاہری اور باطنی میں اعتدال لیے ہوئے ہے، اور چھٹا وصف کمال اس کا یہ ہے کہ) اس کے (اس) کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں (یعنی کسی کی تحریف وتغیر سے اس کا اللہ محافظ ہے وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ) اور (ایسی کامل دلیل پر بھی جو لوگ تکذیب قلبی وزبانی سے پیش آویں) وہ (یعنی اللہ تعالیٰ ان کے اقوال کو) خوب سن رہے ہیں (اوران کے عقائد کو) خوب جان رہے ہیں (اپنے وقت پر ان کو کافی سزا دیں گے) اور (باوجود وضوح دلائل کے) دنیا میں زیادہ لوگ ایسے (منکر اور گمراہ ہی) ہیں کہ اگر (بالفرض) آپؐ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپؐ کو اللہ کی راہ (راست) سے بے راہ کردیں (کیونکہ وہ خود گمراہ ہیں چنانچہ عقائد میں) وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور (اقوال میں) بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں (اوران کے مقابلہ میں بعضے بندگان خدا راہ پر بھی ہیں اور) بالیقین آپؐ کا رب ان کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی (بتلائی ہوئی) راہ (راست) سے بے راہ ہو جاتا ہے اور وہ (ہی) ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی (بتلائی ہوئی) راہ پر چلتے ہیں (پس گمراہوں کو سزا ملے گی راہ والوں کا انعام واکرام ہوگا)۔ (اور جب اوپر کفار کے اتباع کا مذموم ہونا معلوم ہوگیا) سو جس (حلال) جانور پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام (بلاشرکت) لیا جاوے اس میں سے (بے تکلف) کھاؤ (اوراس کو مباح وحلال سمجھو) اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو (کیونکہ حلال کو حرام جاننا خلاف ایمان ہے) اور تم کو کون امر (از قبیل عقیدہ) اس کا باعث ہوسکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام (بلاشرکت) لیا گیا ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے (دوسری آیت میں) ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے، مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑجاوے تو حلال ہے (اوراس تفصیل میں یہ مذبوح علیٰ اسم اللہ داخل نہیں پھر اس کے کھانے میں اعتقاداً کیوں انقباض ہو اوران لوگوں کے شبہات کی طرف اصلاً التفات نہ کرو

www.toobaaelibrary.com

کیونکہ) یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی (کہ ان ہی میں سے یہ بھی ہیں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی) اپنے غلط خیالات (کی بنا پر) بلا کسی سند کے گمراہ کرتے (پھرتے) ہیں (لیکن آخر کہاں تک خیر مناویں گے) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد (ایمان) سے نکل جانے والوں کو (جن میں یہ بھی ہیں) خوب جانتا ہے، پس یکبارگی سزا دے گا) اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو (مثلاً حلال کو حرام اعتقاد کرنا باطنی گناہ ہے جیسا کہ اس کا عکس بھی) بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کیے کی عنقریب (قیامت میں) سزا ملے گی اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر (بطریق مذکور) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو (جیسا کہ مشرکین ایسے جانوروں کو کھاتے ہیں) اور یہ امر (یعنی مالم یذکر اسم اللہ علیہ کا کھانا) بے حکمی ہے (غرض نہ ترک میں ان کا اتباع کرو اور نہ فعل میں) اور (ان لوگوں کے شبہات اس لیے قابل التفات نہیں کہ) یقیناً شیاطین (جن) اپنے (ان) دوستوں (اور پیروؤں) کو (یہ شبہات) تعلیم کر رہے ہیں تاکہ یہ تم سے (بیکار) جدال کریں (یعنی اول تو یہ شبہات نص کے خلاف، دوسرے غرض محض جدال اس لیے قابل التفات نہیں) اور اگر تم (خدانخواستہ) ان لوگوں کی اطاعت (عقائد یا افعال میں) کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ (کہ خدا کی تعلیم پر دوسرے کی تعلیم کو ترجیح دو جہاں برابر سمجھنا بھی شرک ہے، یعنی ان کی اطاعت ایسی بری چیز ہے اس لیے اس کے مقدمات یعنی التفات سے بھی بچنا چاہیے)۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳: ان آیتوں میں مسلمانوں کو فہمائش اور خطاب ہے کہ تمہارا کام دین حق پر خود قائم رہنا اور دوسروں کو صحیح طریقہ سے پہنچا دینا ہے، ان آیتوں میں مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ بھی بتلا دیا گیا کہ ان کا انکار بر بنائے عناد اور ضد ہے، اس کا علاج کسی معجزہ سے نہیں ہوا کرتا، اگر ہم ان کی فرمائش سے بھی زیادہ — فرشتوں سے ان کی ملاقات اور مُردوں سے گفتگو کرا دیں جب بھی وہ ماننے والے نہیں ہیں، یہ پہلے سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں، آپ اس سے دلگیر نہ ہوں۔

آیت ۱۱۴: اس کا حاصل یہ ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان مقدمۂ رسالت و نبوت میں اختلاف ہے اور احکم الحاکمین کی عدالت سے اس مقدمہ کا فیصلہ ہے پیغمبر علیہ السلام اللہ کے رسول اور قرآن اللہ کا کلام ہے، تو کیا تم چاہتے ہو کہ اس فیصلہ کے بعد میں کسی اور فیصلہ کو تلاش کروں یہ نہیں ہو سکتا، اس کے بعد قرآن کریم کی چند ایسی خصوصیات کا ذکر ہے جو خود قرآن کریم کے حق اور کلام الٰہی

www.toobaaelibrary.com

ہونے کا ثبوت ہیں، فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ : دراصل یہاں سنانا دوسروں کو ہے، آپؐ کی طرف اسناد کرنے سے مبالغہ اور تاکید منظور ہے۔

آیت ۱۱۵: قرآن کریم کے کل مضامین دو قسم پر ہیں، ایک وہ جس میں تاریخ عالم کے عبرت آموز واقعات و حالات اور نیک اعمال پر وعدہ اور برے اعمال پر سزا کی وعید بیان کی گئی ہے، دوسرے وہ جن میں انسان کی صلاح و فلاح کے لیے احکام بیان کیے گئے ہیں، ان دونوں قسموں کے متعلق قرآن مجید کی یہ دو صفتیں بیان فرمائیں، صِدْقاً وَّ عَدْلاً صدق کا تعلق پہلی قسم سے ہے، اور عدل کا تعلق دوسری قسم کے احکام سے ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام عدل و اعتدال پر مبنی ہیں، نہ تو ان میں کسی پر ظلم ہے اور نہ ان میں ایسی شدت ہے جس کو انسان برداشت نہ کر سکے، پھر تَمَّتْ لاکر بتلا دیا کہ یہ ان صفات میں ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہے۔

لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ : یہ قرآن کریم کی چھٹی صفت ہے، قرآن میں تبدیلی کی صرف یہ صورت ہو سکتی تھی کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو منسوخ کر کے بدل دیا جائے، اسی لیے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام آخری پیغمبر اور قرآن آخری کتاب ہے اس کے بعد نسخ کا کوئی احتمال نہیں۔

آیت ۱۱۶: اس آیت میں پیغمبر علیہ السلام کو یہ اطلاع دی گئی کہ آپ بنی آدم کی عددی اکثریت سے مرعوب ہو کر ان کی موافقت کا خیال بھی نہ فرمائیں کیونکہ یہ سب بے اصول اور بے راہ ہیں۔

آیت ۱۱۸ تا ۱۲۱: کفار نے مسلمانوں کو شبہ میں ڈالنا چاہا کہ اللہ کے مارے ہوئے جانوروں کو کھاتے نہیں اور اپنے مارے ہوئے یعنی ذبیحہ کو کھاتے ہو، (اخرجہ ابوداؤد والحاکم عن ابن عباسؓ) بعض مسلمانوں نے حضور کی خدمت میں یہ شبہ نقل کیا اس پر یہ آیتیں لمشو کو ننک نازل ہوئیں، حاصل جواب یہ ہے کہ تم مسلمان ہو اللہ کے احکام کا التزام کیے ہوئے ہو اور اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کی تفصیل بتلا دی ہے پس اس پر چلتے رہو، حلال پر حرام اور حرام پر حلال ہونے کا شبہ مت کرو اور مشرکین کے وساوس کی طرف التفات نہ کرو۔

حلت کا مدار مجموعہ دو امر کا ہے ایک ذبح جو نجس خون کو نکال کر نجاست سے پاک کر دیتا ہے اور وہ نجاست ہی سبب ممانعت تھی، دوسرے اللہ کا نام لینا کہ مفید برکت ہے جو کہ حیوانات ذبحیہ میں شرط حلت ہے اور کسی چیز کے وجود کے لیے مانع کا دور کرنا اور شرط کا وجود دونوں ضروری ہیں پس اس

www.toobaaelibrary.com

مجموعہ سے حلت ثابت ہوگئی۔

ما ذکر اسم اللّٰہِ علیہ: ما ذکر اسم اللہ علیہ میں ذبح اختیاری و اضطراری یعنی تیر، باز اور کتے کا شکار جب کہ اس کے چھوڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھی جائے، اور ذبح حقیقی و ذبح حکمی سب داخل ہے، پس امام صاحبؒ کے نزدیک جس پر بسم اللہ سہواً ترک ہو جائے وہ حکماً ما ذکر اسم اللہ علیہ میں داخل ہے البتہ عمداً ترک کرنے سے امام صاحبؒ کے نزدیک حرام ہوتا ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاۗءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

ترجمہ و خلاصہ تفسیر

ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ (یعنی گمراہ) تھا پھر ہم نے اس کو زندہ (یعنی مسلمان) بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور (یعنی ایمان) دیدیا کہ وہ اس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے (یعنی ہر وقت وہ اس کے ساتھ رہتا ہے، جس سے وہ سب مضرتوں سے مثل گمراہی وغیرہ محفوظ اور مامون و بے فکر پھرتا ہے تو) کیا ایسا شخص (بدحالی میں) اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ (گمراہی کی) تاریکیوں میں (گھرا ہوا) ہے (اور) ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا (مراد یہ کہ وہ مسلمان نہیں ہوا، اور اس کا تعجب نہ کیا جاوے کہ کفر پر باوجود اس کے ظلمت ہونے کے وہ کیوں قائم رہا، وجہ یہ کہ جس طرح مؤمنین کو ان کا ایمان اچھا معلوم ہوتا ہے) اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال (کفر وغیرہ) مستحسن معلوم ہوا کرتے ہیں (چنانچہ

www.toobaaelibrary.com

اسی وجہ سے یہ رؤساء مکہ جو آپؐ سے مہمل فرمائشیں اور شبہات و مجادلات پیش کرتے رہتے ہیں اپنے کفر کو مستحسن ہی سمجھ کر اس پر مصر ہیں)۔ اور (یہ کوئی نئی بات نہیں، جس طرح مکہ کے رؤساء ان جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ان کے اثر سے دوسرے لوگ شامل ہو جاتے ہیں) اسی طرح ہم نے (پہلی امتوں میں بھی) ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو (اول) جرائم کا مرتکب بنایا (پھر ان کے اثر سے اور عوام بھی ان سے مل گئے) تا کہ وہ لوگ وہاں (انبیاء کو ضرر پہنچانے کے لیے) شرارتیں کیا کریں، (جن سے ان کا مستحق سزا ہونا خوب ثابت ہو جاوے) اور وہ لوگ (گو اپنے خیال میں دوسروں کو ضرر پہنچاتے ہیں لیکن واقع میں) اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں (کیونکہ اس کا وبال تو انہی کو بھگتنا پڑے گا) اور (بوجہ جہل سے) ان کو (اس کی) ذرا خبر نہیں اور (ان کفار مکہ کا جرم یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ) جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو (باوجود اس کے کہ وہ اپنے اعجاز کی وجہ سے دلالۃ علی النبوۃ میں کافی ہوتی، مگر یہ لوگ پھر بھی) یوں کہتے ہیں کہ ہم (ان نبی پر) ہرگز ایمان نہ لاویں گے، جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے (یعنی وحی خطاب یا صحیفہ و کتاب جس میں ہم کو آپؐ پر ایمان لانے کا حکم ہو، اور اس قول کا جرم عظیم ہونا ظاہر ہے، کہ تکذیب اور عناد اور استکبار اور گستاخی سب اس کا جامع ہے، آگے اللہ تعالیٰ اس قول کو رد فرماتے ہیں کہ) اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام (وحی کے ذریعہ سے) بھیجتا ہے (کیا ہر کس و ناکس اس شرف کے قابل ہو گیا، "تا نہ بخشد خدائے بخشندہ" آگے اس جرم کی سزا کا بیان ہے کہ) عنقریب ان لوگوں کو جنھوں نے یہ جرم کیا ہے خدا کے پاس پہنچ کر (یعنی آخرت میں) ذلت پہنچے گی (جیسا انھوں نے اپنے کو نبی کے مقابلہ میں عزت و نبوت کا مستحق سمجھا تھا) اور سزائے سخت (ملے گی) ان کی شرارتوں کے مقابلہ میں سو (اوپر جو مومن و کافر کا حال مذکور ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ) جس شخص کو اللہ تعالیٰ (نجات کے) راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ (یعنی قلب) کو اسلام (کے قبول کرنے) کے لیے کشادہ کر دیتے ہیں (کہ اس کے قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرتا اور وہ نور مذکور یہی ہے) اور جس کو (تکویناً و تقدیراً) بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ (یعنی قلب) کو (اسلام کے قبول کرنے سے) تنگ (اور) بہت تنگ کر دیتے ہیں (اور اس کو اسلام لانا ایسا مصیبت نظر آتا ہے) جیسے کوئی (فرض کرو) آسمان میں چڑھ (رہا ہو) ہتا ہو (اور چڑھا نہیں جاتا اور جی تنگ ہوتا ہے اور مصیبت کا سامنا ہوتا ہے، پس جیسا اس شخص سے چڑھا نہیں جاتا) اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر

www.toobaaelibrary.com

(چونکہ ان کے کفر اور شرارت کے سبب) پھٹکار ڈالتا ہے (اس لیے ان سے ایمان نہیں لایا جاتا)، اور (اوپر جو اسلام کا ذکر ہے تو) یہی (اسلام) تیرے رب کا (بتلایا ہوا) سیدھا راستہ ہے (جس پر چلنے سے نجات ہوتی ہے، جس کا ذکر فَمَنْ يُّرِدِ اللهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ میں ہے، اور اسی صراطِ مستقیم کی توضیح کے لیے) ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے آن آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ہے، (جس سے وہ اس کے اعجاز سے اس کی تصدیق کریں اور پھر اس کے مضامین پر عمل کر کے نجات حاصل کریں، یہی تصدیق و عمل صراطِ مستقیم کا مال ہے، بخلاف ان کے جن کو نصیحت حاصل کرنے کی فکر ہی نہیں ان کے واسطے نہ یہ کافی نہ دوسرے دلائل کافی، آگے ان ماننے والوں کی جزا کا ذکر ہے، جیسا نہ ماننے والوں کی سزا اوپر کئی جملوں میں مذکور ہے پس ارشاد ہے کہ) ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) سلامتی (یعنی امن و چین) کا گھر (یعنی جنت) ہے اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے، ان کے اعمال (حسنہ) کی وجہ سے اور (وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو جمع کریں گے (اور ان میں سے بالخصوص کفار کو حاضر کر کے ان میں جو شیاطین الجن ہیں ان سے توبیخاً کہا جاوے گا) اے جماعت جنات کی تم نے انسانوں (کے گمراہ کرنے) میں بڑا حصہ لیا (اور ان کو خوب بہکایا اسی طرح انسانوں سے پوچھا جاوے گا اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ الخ غرض شیاطین الجن بھی اقرار کریں گے) اور جو انسان ان (شیاطین جن) کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ) (بھی اقرارا) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار (آپ سچ فرماتے ہیں واقعی) ہم میں ایک نے دوسرے سے (اس ضلال و اضلال کے باب میں نفسانی) فائدہ حاصل کیا تھا (چنانچہ گمراہ انسانوں کو اپنے عقائد کفریہ و شرکیہ میں لذت آتی ہے اور گمراہ کنندہ شیاطین کو اس سے حظ ہوتا ہے کہ ہمارا کہنا چل گیا) اور (فی الحقیقت ہم ان کے بہکانے سے قیامت کے منکر تھے، لیکن وہ انکار غلط ثابت ہوا، چنانچہ) ہم اپنی اس معین میعاد تک آپہنچے جو آپ نے ہمارے لیے معین فرمائی، (یعنی قیامت آ گئی) اللہ تعالیٰ (سب کفار جن و انس سے) فرماویں گے کہ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہو گے، (کوئی نکلنے کی سبیل و تدبیر) نہیں اگر خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو تو دوسری بات ہے (لیکن یہ یقینی ہے کہ خدا بھی نہیں چاہے گا اس لیے ہمیشہ رہا کرو) بیشک آپ کا رب بڑی حکمت والا ہے اور بڑا علم والا ہے (علم سے سب کے جرائم معلوم کرتا ہے اور حکمت سے مناسب سزا دیتا ہے)۔ اور (جس طرح دنیا میں گمراہی کے لحاظ سے سب میں تعلق و قرب تھا) اسی طرح

www.toobaaelibrary.com

(دوزخ میں) بعض کفار کو بعض کے قریب (اور مجتمع) رکھیں گے ان کے اعمال (کفریہ) کے سبب (یہ خطاب مذکور تو جن وانس کو باعتبار ان کے احوال متعلقہ باہم دگر کے تھا، آگے ہر ایک کو باعتبار احوال متعلقہ بذات خاص کے خطاب ہے)۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۱۲۲: اس آیت میں مؤمن وکافر اور ایمان وکفر کی حیثیت کو مثالوں میں بھایا گیا ہے، مؤمن اور کافر کی مثال زندہ اور مردہ سے اور ایمان وکفر کی مثال روشنی اور اندھیری سے دی گئی ہے، یہ قرآن کی تمثیلات ہیں جن میں کوئی شاعری نہیں، ایک حقیقت کا اظہار ہے۔

واضح وہ کہ انسان کا مقصد زندگی جانوروں کی طرح صرف کھانا پینا، سونا جاگنا اور اوڑھنا پہننا نہیں ہے، بلکہ بہت سے جانور ہیں جو انسان سے بہتر کھاتے پیتے ہیں، انسان سے بہتر لباس میں ملبوس ہیں، اس سے بہتر فضا میں رہتے ہیں، اور ہر جانور بلکہ درخت ایک حد تک باشعور بھی ہے۔

انسان کا مقصد زندگی پورے عالم کی ابتداء وانتہا کو سامنے رکھ کر سب کے نتائج اور عواقب پر نظر ڈالنا اور یہ متعین کرنا ہے کہ مجموعی اعتبار سے کیا چیز نافع اور مفید ہے اور کونسی چیز مضر، پھر اس بصیرت کے ساتھ خود اپنے لیے بھی اور دوسروں کو بھی مفید چیزوں کو حاصل کرنا اور کرانا اور مضر سے بچنا بچانا ہے، تاکہ دائمی راحت وسکون کی زندگی حاصل ہو سکے، اب قرآن کریم کی یہ تمثیل حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہے کہ زندہ صرف وہ شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور عالم کی ابتداء وانتہاء اور اس میں مجموعی اعتبار سے نفع ونقصان کو وحی الٰہی کی روشنی میں پہچاننے، اسی سے یہ بھی متعین ہو گیا کہ جو ایسا نہیں وہ مردہ کہلانے کا مستحق ہے۔

ایمان کو نور اور کفر کو ظلمت کہا گیا ہے، یہاں بھی روشنی اور اندھیری کے اصل مقصد پر غور کیا جائے تو حقیقت سامنے آجائے گی، روشنی کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ نزدیک ودور کی اشیاء کو دیکھ سکیں، جس کے نتیجے میں مضر سے بچنے اور مفید کو اختیار کرنے کا موقع ملے، اب ایمان کو دیکھئے کہ وہ ایک نور ہے جس کی روشنی تمام آسمانوں اور زمین اور ان سب سے باہر کی تمام چیزوں پر حاوی ہے، صرف یہی روشنی پورے عالم کے انجام اور تمام امور کے صحیح نتائج کو دکھا سکتی ہے، جس کے ساتھ یہ نور ہو تو وہ خود بھی تمام نقصان دہ چیزوں سے بچ سکتا ہے اور دوسروں کو بھی بچا سکتا ہے، اور جس کے پاس یہ نور نہیں وہ خود اندھیرے میں ہے، صرف پاس کی چیزوں کو ٹٹول کر کچھ پہچان سکتا ہے، موجودہ دنیا کی زندگی

www.toobaaelibrary.com

بھی آس پاس کا ماحول ہے، کافر اس زندگی اور اس کے نفع نقصان کو تو پہچان سکتا ہے مگر بعد میں آنے والی دائمی زندگی کی اس کو کچھ خبر نہیں۔

اسی طرح اس مثال میں ایک شان یہ بھی ہے کہ جس طرح روشنی کا فائدہ ہر انسان وحیوان کو ارادہ و بے ارادہ خواہی نخواہی ہر حال میں کچھ نہ کچھ پہنچتا ہے اسی طرح مؤمن کے ایمان سے دوسروں کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے۔

آیت ۱۲۳: اس ارشاد میں مسلمانوں کو اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا کے بڑوں اور رئیسوں کی ریس نہ کریں ان کے پیچھے چلنے کی عادت چھوڑیں، انجام بینی کو شعار بنائیں اور بھلے برے کو خود پہچانیں، نیز پیغمبر علیہ السلام کو یہ تسلی دینی منظور ہے کہ رؤسا قریش کی مخالفت سے آپ دلگیر نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں پچھلے انبیاء کو بھی ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔

امام بغویؒ نے بروایت قتادہؓ نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے ایک مرتبہ کہا کہ بنو عبد مناف سے ہم نے ہر محاذ پر مقابلہ کیا، لیکن اب وہ کہتے ہیں کہ ہم تم سے آگے بڑھ گئے ہیں کہ ہمارے خاندان میں ایک نبی آئے ہیں، پھر اس نے کہا قسم بخدا ہم کبھی اتباع نہ کریں گے جبتک خود ہمارے پاس ایسی وحی نہ آنے لگے جیسی ان کے پاس آتی ہے آیت مذکورہ کا یہی مطلب ہے ــــــ نبوت ورسالت کوئی کسبی اور اختیاری چیز نہیں، جس کے عطا کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ وہ فضل خداوندی ہے جو خداوندی علم وحکمت کے ماتحت خاص بندوں کو دیا جاتا ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ کے علم میں یہ مقام اور عہدہ دینا منظور ہوتا ہے اس کو شروع ہی سے اس کے قابل بنا کر پیدا کیا جاتا ہے اس کے اخلاق واعمال کی خاص تربیت کی جاتی ہے۔

آیت ۱۲۵: دین میں شرح صدر کے بارے میں صحابہ کرام کے سوال کرنے پر پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں ایک روشنی ڈال دیتے ہیں جس سے اس کا دل حق بات کو دیکھنے اور سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے کھل جاتا ہے، سوال کرنے پر اس کی علامت بھی بتلائی وہ یہ کہ اس شخص کی ساری رغبت آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف ہو جاتی ہے، دنیا کی بے جا خواہشات اور فانی لذتوں سے گھبراتا ہے، اور موت کی تیاری کرنے لگتا ہے۔

صحابہ کرام کو دین میں شرح صدر حاصل تھا اس لیے ان کو شکوک وشبہات بہت کم پیش آئے، ان شبہات کو دور کرنے کا اصلی طریقہ اور راستہ وہی ہے جو صحابہ کرامؓ اور اسلاف امت نے اختیار فرمایا کہ

www.toobaaelibrary.com

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کے انعام کا استحضار کر کے اس کی عظمت و محبت ان میں پیدا کی جائے چنانچہ خود قرآن کریم نے پیغمبر ﷺ کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی ہے، رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ.

آیت ۱۲۶: یعنی یہ قرآن یا شریعت اسلام جو آپ کو دی گئی ہے یہ راستہ آپ کے رب کا ہے، یعنی ایسا راستہ ہے جس کو آپ کے پروردگار نے اپنی حکمت بالغہ سے تجویز فرمایا، اور اس کو پسند کیا ہے، صِراط کی اضافت رب کی طرف کرنے سے یہ اشارہ ہے کہ جو دستور العمل آپ کو دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا خود عمل کرنے والوں ہی کے فائدہ کے لیے شان پروردگاری کے تقاضہ کی بناء پر ہے، اس کے ذریعہ انسان کی ایسی تربیت مقصود ہے جو اس کی دائمی فلاح و بہبود کی ضامن ہو۔

رَب کی نسبت پیغمبر علیہ السلام کی طرف کر کے آپؐ پر لطف خاص کا اظہار کیا گیا ہے، اس نسبت کا لطف اہل ذوق ہی محسوس کر سکتے ہیں مُسْتَقِیْماً بجائے صفت کے حال کے طور پر ذکر فرمایا مطلب یہ ہے کہ اس میں بجز مستقیم اور سیدھا ہونے کے اور کوئی احتمال ہو ہی نہیں سکتا (روح و بحر) قَدْ فَصَّلْنَا الخ: یعنی جس میں کوئی اجمال یا ابہام باقی نہیں چھوڑا، لیکن اس سے فائدہ انھیں لوگوں نے اٹھایا جو نصیحت حاصل کرنے کے مقصد سے قرآن میں غور کرتے ہیں سَلَام اللہ کا نام ہے، دار السلام یعنی اللہ کا گھر یعنی جنت، جنت کو دار السلام فرما کر یہ اشارہ فرمادیا کہ جنت ہی صرف وہ جگہ جہاں انسان کو ہر قسم کی تکلیف سے مکمل اور دائمی سلامتی حاصل ہوتی ہے، عند ربھم: کا ایک معنی تو یہ ہوسکتا ہے کہ یہ دار السلام یہاں نقد نہیں ملتا بلکہ بروز قیامت ملے گا، اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ دار السلام کا وعدہ غلط نہیں ہوسکتا، رب کریم اس کا ضامن ہے وہ اس کے پاس محفوظ ہے، اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ دار السلام کی نعمتوں کا آج کوئی تصور نہیں کرسکتا رب ہی جانتا ہے جس کے پاس وہ محفوظ ہے اس معنی کے رو سے اس دار السلام کا ملنا قیامت اور آخرت پر موقوف نہیں معلوم ہوتا بلکہ رب کریم جس کو چاہیں اسی عالم میں نصیب کرسکتے ہیں کہ تمام آفات و مصائب سے امن نصیب فرمادیں خواہ اس طرح کہ دنیا میں ان کو کوئی مصیبت ہی نہ پہنچے جیسا کہ انبیاء، سابقین اور اولیاء اللہ میں اس کی نظائر موجود ہیں اور یا اس طرح کہ نعماء آخرت کو ان کے سامنے متشخص کر کے ان کی نگاہ کو ایسا حقیقت شناس بنادیا گیا جس سے دنیا کی چند روزہ تکلیف ان کی نظروں میں حقیر اور ناقابل التفات چیز نظر آنے لگتی ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ دنیا کی جنت یہی ہے۔

آیت ۱۲۸: اس آیت میں میدان حشر کے اندر تمام جنات اور انسانوں کو جمع کرنے کے بعد

دونوں گروہوں سے ایک سوال وجواب کا ذکر ہے۔

آیت:۱۲۹: محشر میں لوگوں کی جماعتیں اعمال واخلاق کی بنیاد پر ہوں گی دنیوی تعلقات کی بنیاد پر نہیں، خواہ ان کی نسل ونسب میں وطن وزبان میں رنگ اور معاشرت میں کتنا ہی بعد اور اختلاف ہو، دنیا میں بھی اس کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہر جگہ پایا جاتا ہے کہ نیک آدمی کو نیکوں سے مناسبت ہوتی ہے اور بدکردار کو اپنے ہی بدکرداروں سے تعلق اور انس ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ نیک اور بد اعمال کی ایک جزاء ومزا اسی دنیا میں اس طرح مل جاتی ہے کہ نیک آدمی کو رفقاء کار بھی نیک اور دیانت دار نصیب ہو جاتے ہیں جو اس کے کام کو چار چاند لگا دیتے ہیں اور برے اور بدنیت آدمی کو اعضاء و جوارح اور رفقاء کار بھی اسی جیسے مل جاتے ہیں جو اس کو اور بھی زیادہ گہرے غار میں دھکیل دیتے ہیں۔

نُوَلِّی کا دوسرا ترجمہ مسلط کر دینے کے ہیں، حضرت ابن عباسؓ ابن زبیرؓ ابن زیدؓ مالک بن دینارؒ وغیرہم سے اس آیت کی تفسیر اس دوسرے ترجمے کے اعتبار سے یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو دوسرے ظالموں پر مسلط کر دیتا ہے ارشاد نبویؐ اس کی تائید میں یہ ہے "کما تکونون یؤمر علیکم"۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ
هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا
كٰفِرِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰي بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ وَلِكُلٍّ
دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝
اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا
ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ
لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰي شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ
زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۗؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ
اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ڰ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ
نَّشَاۗءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاۗءً عَلَيْهِ ۭ
سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا

www.toobaaelibrary.com

وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاۗءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَي اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

(کہ) اے جماعت جنات اور انسانوں کی (ہاں یہ تو بتلاؤ جو تم کفر وانکار کرتے رہتے) کیا تمہارے پاس تمہیں میں کے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم سے میرے احکام (متعلق عقائد واعمال کے) بیان کیا کرتے تھے اور تم کو اس آج کے دن (کے وقوع) کی خبر دیا کرتے تھے (پھر کیا وجہ کہ تم کفر وانکار سے باز نہ آئے) وہ سب عرض کریں گے کہ ہم سب اپنے اوپر (جرم کا) اقرار کرتے ہیں (ہمارے پاس کوئی وجہ عذر اور برائت کی نہیں، آگے اللہ تعالیٰ ان کو اس مصیبت کے پیش آنے کا سبب بتلاتے ہیں) اور ان کو (یہاں) دنیوی زندگانی نے بھول میں ڈال رکھا ہے (کہ دنیوی لذات کو مقصود اعظم سمجھ رکھا ہے آخرت کی فکر ہی نہیں) اور (اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ وہاں) یہ لوگ مقر ہوں گے کہ وہ (یعنی ہم) کافر تھے (اور غلطی پر تھے، مگر وہاں کے اقرار سے کیا ہوتا ہے، اگر دنیا میں ذرا غفلت دور کر دیں تو اس روز بد کا سامنا کیوں ہو، آگے رسولوں کے بھیجنے میں جس کا اوپر ذکر تھا اپنی رحمت کا اظہار فرماتے ہیں کہ) یہ (رسولوں کا بھیجنا) اس وجہ سے ہے کہ آپؐ کا رب کسی بستی والوں کو (ان کے) کفر کے سبب (دنیا میں بھی) ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے (احکام الٰہیہ سے جو بوجہ رسولوں کے نہ آنے کے) بے خبر ہوں (پس عذاب آخرت کہ اشد ہے بدرجۂ اولیٰ نہ ہوتا، اس لیے رسولوں کو بھیجتے ہیں تاکہ ان کو جرائم کی اطلاع ہو جائے پھر جس کو عذاب ہو استحقاق کی وجہ سے ہو، چنانچہ آگے فرماتے ہیں) اور (جب رسول آگئے اور اطلاع ہو گئی پھر جیسا جیسا کوئی کرے گا) ہر ایک کے لیے (جن وانس صالح وطالح میں سے جزاء وسزا کے ویسے ہی) درجے ملیں گے ان کے اعمال کے سبب اور آپؐ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ اور آپ کا رب (رسولوں کو کچھ اس لیے نہیں بھیجتا کہ نعوذ باللہ وہ محتاج عبادت ہے وہ تو) بالکل غنی ہے (بلکہ اس لیے بھیجتا ہے کہ وہ) رحمت والا (بھی) ہے (اپنی رحمت سے رسولوں کو بھیجا تاکہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو منافع ومضار (نقصان دینے والی چیزیں) معلوم ہو جائیں، پھر منافع سے منتفع اور مضار سے محفوظ رہیں، سو اس میں بندوں ہی کا فائدہ ہے، اور باقی ان کا غنا تو ایسا ہے کہ) اگر وہ چاہے تو تم سب کو (دنیا سے

www.toobaaelibrary.com

دفعۃً) اٹھالیوے اور تمہارے بعد جس (مخلوق) کو چاہے تمہاری جگہ (دنیا میں) آباد کردے جیسا (اس کی نظیر پہلے سے موجود ہے کہ) تم کو (جو کہ اب موجود ہو) اک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے (کہ ان کا کہیں پتہ نہیں، اور تم ان کی جگہ موجود ہو، اور اسی طرح یہ سلسلہ چلا آرہا ہے، لیکن یہ سلسلہ تدریجاً قائم ہے، اگر ہم چاہیں دفعۃً بھی ایسا کردیں، کیونکہ کسی کے ہونے نہ ہونے سے ہمارا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا، پس ارسال رسل ہمارے احتیاج کی وجہ سے نہیں تمہاری احتیاج کی وجہ سے ہے، تم کو چاہیے کہ ان کی تصدیق اور ان کا اتباع کرکے سعادت حاصل کرو اور کفر انکار کے ضرر سے بچو کیونکہ) جس چیز کا (رسولوں کی معرفت) تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی قیامت وعذاب) وہ بیشک آنے والی چیز ہے اور (اگر احتمال ہو کہ گو قیامت آوے مگر ہم کہیں بھاگ جائیں گے، ہاتھ نہ آئیں گے، جیسا دنیا میں حکام کا مجرم کبھی ایسا کرسکتا ہے، تو خوب سمجھ لو کہ) تم (خدا تعالیٰ کو) عاجز نہیں کرسکتے (کہ اس کے ہاتھ نہ آؤ، اور اگر باوجود اقامت دلائل تعیین حق کے کسی کو اس میں کلام ہو کہ کفر ہی کا طریقہ اچھا ہے اسلام کا برا ہے، پھر قیامت سے کیا اندیشہ تو ایسے لوگوں کے جواب میں) آپ (اخیر بات) یہ فرمادیجئے کہ اے میری قوم (تم جانو بہتر ہے) تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی (اپنے طور پر) عمل کررہا ہوں، سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم (کے اعمال) کا انجام کار کس کے لیے نافع ہوگا (ہمارے لیے یا تمہارے لیے اور) یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی (انجام میں) فلاح نہ ہوگی (اور سب سے بڑھ کر اللہ کی حق تلفی ہے، اور یہ امر دلائل صحیحہ میں تھوڑا غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ طریقۂ اسلام حق تلفی ہے یا طریقۂ کفر، اور جو دلائل میں بھی غور نہ کرے اس سے اتنا کہہ دینا بس ہے فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ یعنی عنقریب تم اس عمل بد کا انجام جان لوگے) اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی (وغیرہ) اور مواشی پیدا کیے ہیں ان (مشرک) لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ (کے نام) کا مقرر کیا (اور کچھ بتوں کے نام کا مقرر کیا حالانکہ پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں) اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے (جو کہ مہمانوں اور مساکین اور مسافر وغیرہ عام مصارف میں صرف ہوتا ہے) اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے (جس کے مصارف خاص ہیں) پھر جو چیز ان کے معبودوں (کے نام) کی ہوتی ہے وہ تو اللہ (نام کے حصہ) کی طرف نہیں پہنچتی (بلکہ اتفاقاً مل جانے سے بھی الگ نکال لی جاتی ہے) اور جو چیز اللہ (کے نام) کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں (کے نام کے حصہ) کی طرف پہنچ جاتی ہے، انھوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی

www.toobaaelibrary.com

ہے (کیونکہ اول تو اللہ کا پیدا کیا ہوا دوسرے کے نام کیوں جائے، دوسرے پھر جتنا اللہ کا حصہ نکالا ہے اس میں سے گھٹ جاوے، اور اگر غنا و احتیاج اس کا منی ہے تو محتاج مان کر معبود سمجھنا اور زیادہ حماقت ہے) اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں (شیاطین) نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے (جیسا کہ جاہلیت میں لڑکیوں کو قتل یا زندہ درگور کردینے کی رسم تھی) تا کہ (اس فعل قبیح کے ارتکاب سے) وہ (شیاطین) ان (مشرکین) کو (بوجہ استحقاق عذاب کے) برباد کریں اور تا کہ ان کے طریقہ کو مخبوط کردیں (کہ ہمیشہ غلطی میں پھنسے رہیں، اور آپ ان کی ان حرکات شنیعہ سے مغموم نہ ہوں........کیونکہ) اگر اللہ تعالیٰ کو (ان کا بھلا) منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے، تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں (کہ ہمارا یہ فعل بہت اچھا ہے) یوں ہی رہنے دیجئے، (کچھ فکر نہ کیجئے ہم آپ سمجھ لیں گے) اور وہ اپنے خیال (باطل) پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مواشی ہیں، اور (مخصوص) کھیت ہیں، جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوائے ان کے جن کو ہم چاہیں (جیسا کہ رسم چہارم و پنجم میں مذکور ہوا) اور (یوں کہتے ہیں کہ یہ مخصوص) مواشی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کردی گئی ہیں (جیسا رسم ششم میں مذکور ہوا) اور (یوں کہتے ہیں کہ یہ مخصوص) مواشی ہیں جن پر (اللہ کا نام نہیں لینا چاہیے، چنانچہ اسی اعتقاد کی وجہ سے ان پر) یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (جیسا رسم ہفتم میں مذکور ہوا، اور یہ سب باتیں) محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر (کہتے ہیں، افتراء اس لیے کہ وہ ان امور کو موجب خوشنودی حق تعالیٰ سمجھتے تھے) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افتراء کی سزا دیتا ہے (ابھی اس لیے کہا کہ قیامت جو کہ آنے والی ہے دور نہیں، اور کچھ سزا تو مرتے ہی شروع ہو جائے گی) اور وہ (یوں بھی) کہتے ہیں کہ جو چیز ان مواشی کے پیٹ میں (سے نکلتی) ہے (مثلاً دودھ یا بچہ) وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے (حلال) ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (پیٹ کا نکلا ہوا بچہ) مردہ ہو تو اس (سے منتفع ہونے کے جواز) میں (مرد و عورت) سب برابر ہیں (جیسا رسم ہشتم و نہم میں مذکور ہوا) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی (اس) غلط بیانی کی سزا دیئے دیتا ہے (غلط بیانی کی وہی تقریر ہے جو افتراء کی گذری، اور اب تک جو سزا نہیں دی تو وجہ یہ ہے کہ) بلاشبہ وہ حکمت والا ہے (بعض حکمتوں سے مہلت دے رکھی ہے، اور ابھی سزا نہ دینے سے کوئی یوں نہ سمجھے کہ ان کو خبر نہیں، کیونکہ) وہ بڑا علم والا ہے (اس کو سب خبر ہے، آگے بطور خلاصہ اور انجام کے فرماتے ہیں کہ) واقعی خرابی میں پڑ گئے

www.toobaaelibrary.com

وہ لوگ جنھوں نے (ان افعال مذکورہ کو طریقہ بنالیا کہ) اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی (معقول وقبول) سند کے قتل کر ڈالا اور جو (حلال) چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو (اعتقاداً یا عملاً) حرام کرلیا (جیسا اوپر کے رسوم اور رسم وہم میں منشار سب کا متحد ہے مذکور ہوا اور یہ مجموعہ) محض اللہ پر افترار باندھنے کے طور پر (ہوا، جیسا کہ قتل اولاد میں بیفقو و ناور تحریم انعام میں افترار جدا جدا بھی آچکا ہے) بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور (یہ گمراہی جدید نہیں بلکہ قدیم ہے، کیونکہ پہلے بھی) کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے (پس ضَلُّوا میں خلاصہ طریق کا اور مَا کَانُوا میں اس کی تاکید اور خَسِرُوا میں خلاصہ انجام بد کا کہ عذاب ہے ذکر کیا گیا)

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۱۳۰: اس میں ایک سوال وجواب کا ذکر ہے جو محشر میں جنات اور انسانوں کو مخاطب کر کے کیا جائے گا، اس آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ بعض دوسری آیات میں تو مذکور ہے کہ مشرکین اپنے جرم سے مکر جائیں گے اور قسم کھا کر جھوٹ بولیں گے وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ. اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرار کرلیں گے، ؟ مگر دوسری آیات میں اس کی توضیح موجود ہے اس طرح کہ یہ مکرنا ابتدار ہوگا مگر جب ان کی زبانیں بند کردی جائیں گی اور ان کے اعضار ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اب ان کو انکار کی کوئی گنجائش نہ رہے گی اس وقت یہ سب لوگ صاف صاف اعتراف جرم کرلیں گے۔

دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا جنات میں بھی رسول ہوتے ہیں، کیونکہ آیت میں خطاب سے یہی ظاہر ہوتا ہے، اس مسئلہ میں علمار تفسیر وحدیث کے اقوال مختلف ہیں بعض کا کہنا ہے کہ رسول اور نبی صرف انسان ہی ہوئے اور ہوتے چلے آئے ہیں، جنات میں سے رسول کوئی بلا واسطہ نہیں ہوا، جو ہوئے وہ در حقیقت رسولوں کے قاصد ہوتے تھے، مجازاً انھیں بھی رسول کہہ دیا جاتا ہے، استدلال میں یہ آیات ہیں، وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ اور سورۂ جن کی ابتدائی آیت وغیرہ، لیکن ایک جماعت علمار اس آیت کے ظاہری معنی کے اعتبار سے اس کی بھی قائل ہے کہ خاتم الانبیار سے پہلے ہر گروہ کے رسول اسی گروہ سے ہوتے تھے، انسانوں کے انسان اور جناتوں کے جنات، حضرت خاتم الانبیار کی خصوصیت ہے کہ آپ کو سارے عالم کے انسانوں اور جنات کا قیامت تک کے لیے واحد رسول بنا کر بھیجا گیا، ——— اسی طرح ائمہ تفسیر میں سے کلبیؒ اور مجاہدؒ وغیرہ نے اور قاضی ثنار اللہؒ نے تفسیر مظہری میں اسی قول کو اختیار کیا ہے فرماتے ہیں کہ ہندوں کے اوتار بھی عموماً جنات ہیں ان میں کسی رسول و نبی

www.toobaaelibrary.com

ہونے کا احتمال ہے، لیکن بہرحال پیغمبر آخر الزماں ؐ کی بعثت اور رسالت عامّہ کے بعد (اگر اصل کتاب اور رسل جن کی صحیح تعلیمات بھی موجود ہوتیں تو وہ بھی) منسوخ اور ناقابل عمل ہو جاتیں اور مسخ و محرف ہونے کے بعد تو ان کا ناقابل عمل ہونا خود ہی واضح ہے۔

آیت ۱۳۱: میں یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انصاف کا یہ تقاضہ ہے کہ وہ کسی قوم پر ویسے ہی عذاب نہیں بھیج دیتے جب تک کہ ان کو پہلے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ بیدار نہ کر دیا جائے۔

آیت ۱۳۳: اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے مگر ذو الرحمۃ بھی ہے یہ تخلیق کائنات اور اس کی تمام ضروریات کا بن مانگے پیدا کرنا صرف اس کی رحمت کا نتیجہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو بے نیاز نہیں بنایا اور اس میں بڑی حکمت ہے، انسان اگر بے نیاز ہو جائے تو وہ ظلم کرنے لگتا ہے، ارشاد ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی ضروریات میں جکڑ دیا ہے جو دوسروں کی امداد کے بغیر پوری ہی نہیں ہو سکتی، ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے، کسی کا کسی پر احسان نہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے اور پھر قدرت کاملہ کے مالک ہونے کا بیان ہے بجائے ہلاک کرنے یا مار دینے کے لیجانا ارشاد فرمایا جس میں خثار محض اور بے نام ونشان کر دینے کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ۱۳۵: عَاقِبَةُ الدَّارِ فرمایا عاقبۃ الدار الآخرۃ نہیں اس میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ دار آخرت سے پہلے دنیا میں بھی انجام کار فلاح و کامیابی اللہ کے نیک بندوں ہی کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ رسول کریم ؐ اور صحابۂ کرامؓ کے حالات اس پر شاہد ہیں۔

آیت ۱۳۶: اس میں مشرکین عرب کی ایک خاص گمراہی اور غلط کاری پر تنبیہ ہے، ان کی عادت تھی کہ کھیتی باغات اور تجارتوں کی پیداوار میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے اور ایک حصہ بتوں کے لیے نکالا کرتے تھے، اور ستم بالائے ستم یہ تھا کہ پیداوار میں کمی کی صورت میں بتوں کا اور اپنا حصہ تو پورا کر لیتے اور اللہ کا حصہ یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ وہ تو غنی ہے ہماری چیزوں کا محتاج نہیں، اسی کو فرمایا: سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ یعنی کس قدر برا یہ فیصلہ ان کا ہے جس نے ساری چیزوں کو پیدا کیا اول تو اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کر دیا، پھر اس کے حصہ کو بھی دوسروں کی طرف مختلف بہانوں سے منتقل کر دیا۔

اس میں خود مسلمانوں کے لیے بھی ایک تازیانۂ عبرت ہے، ہماری بھی حالت یہ ہے کہ دن رات کے چوبیس گھنٹے میں سے اگر کوئی وقت اللہ کی عبادت اور یاد کے لیے مقرر بھی کر لیتے ہیں تو جب کوئی ضرورت یا بیماری پیش آتی ہے تو اس میں نہ اپنے کاروبار میں کوئی حرج ڈالا جاتا ہے، نہ آرام کے

www.toobaaelibrary.com

اوقات میں، سارا اثر اس وقت پر پڑتا ہے جو نماز، تلاوت یا عبادت کے لیے مقرر کیا تھا، یے کیسا غلط فیصلہ اور کتنی ناشکری اور حق تلفی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

آیت ۱۳۷: سے آخر تک مشرکین کی کچھ عملی غلطیوں اور جاہلانہ رسموں کا ذکر ہے بعض رسوم کا ذکر اس سے پہلی سورۃ میں گذر چکا ہے۔

انھیں میں سے ایک رسم تھی اپنی دختری اولاد کو قتل کر ڈالنے کی، ایک یہ تھی کہ کچھ کھیت بتوں کے نام وقف کر دیتے اور کہتے کہ اس کا اصل مصرف فقط مرد ہیں عورتوں کو اس میں سے کچھ دینا نہ دینا ہماری مرضی پر ہے ان کو یہ مطالبہ کا حق نہیں، نیز اسی طرح کا عمل مویشی جانوروں میں کرتے تھے، ایک رسم یہ تھی کہ چوپایہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تو ان پر سواری و بار برداری کو حرام سمجھتے تھے، ایک رسم یہ تھی کہ بعض چوپایہ جانور مخصوص تھے جن پر کسی موقع میں بھی اللہ کا نام نہ لیتے تھے نہ دودھ نکالتے کے وقت نہ سوار ہوتے وقت، ایک رسم یہ تھی کہ جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے ان کے ذبح کے وقت اگر بچہ پیٹ سے زندہ نکلتا تو اس کو بھی ذبح کر لیتے مگر اس کو صرف مردوں کے لیے حلال، عورتوں کے لیے حرام سمجھتے تھے، اور اگر بچہ مردہ نکلا تو سب کے لیے حلال ہوتا، ایک رسم یہ تھی کہ بعض جانوروں کا دودھ بھی مردوں کے لیے حلال، عورتوں کے لیے حرام سمجھتے تھے، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی چار قسم کے جانوروں کی تعظیم کو عبادت سمجھتے تھے (بیان القرآن)۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ
وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖؗ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ
اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۙ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۙ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ
حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۙ وَمِنَ
الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ
الْاُنْثَیَیْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا لِّیُضِلَّ
النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۠

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور وہی (اللہ پاک) ہے جس نے باغات پیدا کیے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں (جیسے انگور) اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں

www.toobaaelibrary.com

چڑھائے جاتے (یا تو اس لیے کہ بیل دار نہیں جیسے ثمردار درخت، یا باوجود بیل دار ہونے کے عادت نہیں، جیسے خربوزہ اور تربوز وغیرہ) اور کھجور کے درخت اور کھیتی (بھی اس نے پیدا کیے) جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی (حاصل) ہوتی ہیں اور زیتون اور انار (بھی اسی نے پیدا کیے) جو (انار انار باہم) اور زیتون زیتون باہم رنگ و مزہ و شکل و مقدار میں سے بعض صفات میں بھی (ایک دوسرے کے مشابہ ہی ہوتے ہیں اور (کبھی) ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے (اور اللہ نے ان چیزوں کو پیدا کر کے اجازت دی ہے کہ) ان سب کی پیداوار کھاؤ (خواہ اسی وقت سے کچی) جب وہ نکل آوے (اور پکنے بھی نہ پاوے) اور (البتہ اس کے ساتھ اتنا ضرور ہے کہ) اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے (یعنی خیر خیرات) وہ اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو اور (اس دینے میں بھی) حد (اذن شرعی) سے مت گذرو، یقیناً وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) حد (اذن شرعی) سے گذرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں، اور (جس طرح باغ اور کھیت اللہ نے پیدا کیے ہیں، اسی طرح حیوانات بھی چنانچہ مواشی میں اونچے قد کے (بھی) اور چھوٹے قد کے (بھی اسی نے پیدا کیے، اور ان کے بارہ میں بھی مثل باغ اور کھیت کے اجازت دی کہ) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے (اور شرع سے حلال کیا ہے اس کو) کھاؤ اور (اپنی طرف سے تحریم کے احکام تراش کر) شیطان کے قدم بقدم مت چلو، بلا شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے (کہ تم کو باوجود وضوح دلائل حق کے گمراہ کررہا ہے) (اور یہ مواشی جن میں تم تحلیل و تحریم کر رہے ہو) آٹھ نر و مادہ (پیدا کیے) یعنی بھیڑ (اور دنبہ) میں دو قسم (ایک نر ایک مادہ) اور بکری میں دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ) آپ (ان سے) کہئے کہ (یہ تو بتلاؤ کہ) کیا اللہ تعالیٰ نے ان (دونوں جانور کے) دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو (حرام کہا ہے) یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لیے ہوئے ہوں (وہ بچہ نر ہو یا مادہ یعنی تم جو مختلف صورتوں سے تحریم کے مدعی ہو تو کیا تحریم اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے) تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر (اپنے دعوے میں) سچے ہو (یہ تو چھوٹے قد والے کے متعلق بیان ہوا آگے بڑے قد والوں کا بیان ہے کہ بھیڑ بکری میں بھی نر و مادہ پیدا کیا جیسا بیان ہوا) اور (اسی طرح) اونٹ میں دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ) اور گائے (اور بھینس) میں دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ پیدا کیے) آپ (ان سے اس باب میں بھی) کہئے کہ (یہ تو بتلاؤ کہ) کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (جانور کے) نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو (حرام کہا ہے) یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لیے ہوئے ہوں (وہ بچہ نر ہو یا مادہ، اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ تم

www.toobaaelibrary.com

جو مختلف صورتوں سے تحریم کے مدعی ہو تو کیا یہ تحریم اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے؟ اس پر کوئی دلیل قائم کرنا چاہیے، جس کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ کسی رسول و فرشتہ کے واسطے سے ہو، سو مسئلہ نبوت و وحی سے تو تم کو انکار ہی ہے، اس شق کو تو اختیار کر نہیں سکتے، پس دوسرا طریق دعویٰ کرنے کے لیے متعین ہو گیا کہ خود خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ تم کو یہ احکام دیئے ہوں تو کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس (تحریم و تحلیل) کا حکم دیا (اور ظاہر ہے کہ اس کا دعویٰ بھی نہیں ہو سکتا، پس ثابت ہو گیا کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں) تو (بعد ثبوت اس امر کے کہ اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں یقینی بات ہے کہ) اس سے زیادہ کون ظالم (اور کاذب) ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل (تحلیل و تحریم کے باب میں) جھوٹ تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے (یعنی یہ شخص بڑا ظالم ہوگا اور) یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو (جنت کا) رستہ (آخرت میں) نہ دکھلاویں گے (بلکہ دوزخ میں بھیجیں گے، پس یہ لوگ بھی اس جرم کی سزا میں دوزخ میں جاویں گے)۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ
خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَعَلَى
الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ
اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ
رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ
مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ
قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ قُلْ فَلِلّٰهِ
الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ
فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ
بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝

ترجمہ وخلاصہ تفسیر

آپ کہہ دیجئے کہ (جن حیوانات میں کلام ہو رہا ہے ان کے متعلق) جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں میں تو ان میں کوئی حرام غذا نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے جو اس کو کھاوے (خواہ مرد ہو یا عورت) مگر ان چیزوں کو البتہ حرام پاتا ہوں وہ) یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو (یعنی جو باوجود واجب الذبح ہونے

www.toobaaelibrary.com

کے بلا ذبح شرعی مر جائے) یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ (خنزیر) بالکل ناپاک ہے، (اسی لیے اس کے سب اجزا نجس اور حرام ہیں ایسا نجس نجس العین کہلاتا ہے) یا جو (جانور وغیرہ) شرک کا ذریعہ ہو (اس طرح) کہ (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نام نامزد کر دیا گیا ہو (سو یہ سب حرام ہیں) پھر (بھی اس میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ) جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو (کھانے میں) طالب لذت ہو اور نہ (قدر ضرورت وحاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو (اس حالت میں ان حرام چیزوں سے کھانے میں بھی اس شخص کو کچھ گناہ نہیں ہوتا) واقعی آپ کا رب (اس شخص کے لیے) غفور رحیم ہے (کہ ایسے وقت میں رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیز میں سے گناہ اٹھا دیا) اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گائے اور بکری (کے اجزاء میں سے) ان دونوں کی چربیاں ان (یہود) پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ (چربی مستثنیٰ تھی) جو ان (دونوں) کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہوئی ہو یا جو (چربی) ہڈی سے ملی ہوئی ہو (باقی سب چربی حرام تھی، سو ان چیزوں کی تحریم فی نفسہٖ مقصود نہ تھی بلکہ) ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی، اور ہم یقیناً سچے ہیں، پھر (اس تحقیق مذکور کے بعد بھی) اگر یہ (مشرکین) آپؐ کو (نعوذ باللہ اس مضمون میں صرف اس وجہ سے) کاذب کہیں (کہ ان پر عذاب نہیں آتا) تو آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے، (بعض حکمتوں سے جلد مواخذہ نہیں فرماتا) اور (اس سے یوں نہ سمجھو کہ ہمیشہ یوں ہی بچے رہیں گے، جب وہ وقت معین آجاوے گا پھر اس وقت) اس کا عذاب مجرم لوگوں سے (کسی طرح نہ ٹلے گا۔ یہ مشرکین یوں کہنے کو ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو (بطور رضا کے یہ امر) منظور ہوتا (کہ ہم شرک اور تحریم نہ کریں، یعنی اللہ تعالیٰ عدم شرک وعدم تحریم کو پسند کرتے اور شرک وتحریم کو ناپسند کرتے) تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک کرتے) اور نہ ہم (اور نہ ہمارے بزرگ) کسی چیز کو (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) حرام کر سکتے (اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس شرک وتحریم سے ناراض نہیں، اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ یہ استدلال اس لیے باطل ہے کہ مستلزم تکذیب رسل کو ہے، پس یہ لوگ رسول کی تکذیب کر رہے ہیں، اور جس طرح یہ کر رہے ہیں) اسی طرح جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انھوں نے بھی (رسولوں کی) تکذیب کی تھی، یہاں تک کہ انھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا (خواہ دنیا میں، جیسا کہ اکثر کفار سابقین پر نزول عذاب ہوا ہے، یا مرنے کے بعد تو ظاہر ہی ہے، اور یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ان لوگوں کے کفریات

www.toobaaelibrary.com

کے مقابلہ میں صرف قولی جواب اور مناظرہ پر اکتفانہ کیا جاوے گا، بلکہ مثل کفار سابقین عملی سزا بھی دی جاوے گی، خواہ دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں، آگے دوسرے جواب دینے کے لیے ارشاد ہے کہ) آپؐ (ان سے) کہیے کہ کیا تمہارے پاس (اس مقدمہ پر کہ صدور کی قدرت دینا مستلزم رضا ہے) کوئی دلیل ہے (اگر ہے) تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو (اصل یہ ہے کہ دلیل وغیرہ کچھ بھی نہیں) تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل اٹکل سے باتیں کرتے ہو (اور دونوں جواب دے کر) آپؐ (ان سے) کہیے کہ پس (دونوں جوابوں سے معلوم ہوا کہ) پوری حجت اللہ ہی کی رہی (اور تمہاری حجت باطل ہوگئی) پھر (اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ تم سب راہ پر آجاتے مگر اس کی توفیق خدا ہی کی طرف سے ہے) اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ (راست) پر لے آتا (مگر حق تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں، کسی کو توفیق دی کسی کو نہیں، البتہ اظہار حق اور اعطاء اختیار وارادہ سب کے لیے عام ہے، آگے دلیل نقلی کے مطالبہ کے لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ) آپؐ (ان سے) کہیے کہ (اپنی دلیلِ عقلی کا حال تو تم کو معلوم ہوا اچھا اب کوئی صحیح دلیل نقلی پیش کرو مثلاً) اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر (باقاعدہ) شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان (مذکورہ) چیزوں کو حرام کردیا ہے، (باقاعدہ شہادت وہ ہے جو مبنی ہو مشاہدہ پر یا ایسی دلیل قطعی پر جو افادۂ یقین میں برابر ہو مشاہدہ کے، جیسا کہ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ وَصّٰكُمْ اس طرف مشیر ہے) پھر اگر (اتفاق سے کسی کو فرضی جھوٹے گواہ بنا کرلے آویں اور) وہ (گواہ اس کی) گواہی (بھی) دیدیں تو (چونکہ وہ شہادت یقیناً بے قاعدہ اور محض سخن سازی ہوگی، کیونکہ مشاہدہ بھی مفقود اور مشاہدہ کا مماثل بھی مفقود، اس لیے) آپؐ اس شہادت کی سماعت نہ فرمائیے اور (جب ان کا مکذب ہونا جیسا کہ وَ لَا حَرَّمْنَا اور كَذٰلِكَ كَذَّبَ الخ دال ہے اور منکر آخرت ہونا جیسا بہت سی آیات دال ہیں اور مشرک ہونا جیسا اَشْرَكْنَا دال ہے، ثابت ہوگیا تو اے مخاطب) ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا (جن کا بطلان ابھی ثابت ہو چکا) اتباع مت کرنا جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (اور اسی سبب سے نڈر ہو کر حق کی تلاش نہیں کرتے) اور وہ (استحقاقِ معبودیت میں) اپنے رب کے برابر دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی شرک کرتے ہیں)۔

تلخیص معارف ومسائل

مذکورہ آیتوں میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نباتات اور درختوں کی مختلف قسمیں اور ان کے فوائد وثمرات کی تخلیق میں اپنی قدرت کاملہ کے حیرت انگیز کمالات کا ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں سے اسی

www.toobaaelibrary.com

طرح جانوروں اور مویشی کی مختلف قسموں کی پیدائش کا ذکر فرما کر بے بصیرت لوگوں کی گمراہی پر متنبہ فرمایا مَعْرُوْشٰتٍ اوپر چڑھائی جانے والی بیلیں۔

ایک ہی آب وہوا ایک ہی مٹی پانی اور ایک ہی زمین سے نکلنے والے پھلوں میں اتنا عظیم الشان تفاوت اور پھر ہر قسم کے فوائد اور خواص کا حیرت انگیز اختلاف اور تنوع ایک ادنیٰ بصیرت رکھنے والے انسان کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ ان کا خالق کوئی ایسی مافوق القیاس ہستی ہے جس کے علم و حکمت کا اندازہ بھی انسان نہیں لگا سکتا۔فتبارك اللّٰهُ احسن الخالقين.

ان تمام اقسام کے درختوں اور پھلوں کا ذکر فرما کر اس آیت میں انسان کو دو حکم دیے گئے ہیں پہلا حکم تو خود انسان کی خواہش اور اس کے تقاضے کو پورا کرنے والا ہے فرمایا: كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ یعنی ان درختوں اور کھیتوں کے پھلوں کو کھاؤ جب وہ پھل دار ہو جائیں، یعنی یہ سب تمہارے ہی فائدہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے، دوسرا حکم یہ دیا کہ کھیتی کاٹنے یا پھل توڑنے کے وقت اس کا حق بھی ادا کیا کرو، مراد غرباء اور مساکین پر صدقہ کرنا ہے،وفى اموالهم حق للسائل و المحروم.

بعض حضرات مفسرین نے صدقہ سے مراد عام صدقہ خیرات لیا ہے وجہ یہ قرار دی ہے کہ یہ آیت مکی ہے، اور زکوٰۃ کا فریضہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کے دو سال بعد عائد ہوا ہے، اور بعض حضرات مدنی شمار کرتے ہوئے حق سے مراد زمین کی زکوٰۃ یعنی عشر کو قرار دیا، امام تفسیر ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اور ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں اس کا فیصلہ یوں فرمایا ہے کہ دونوں صورتوں میں زمین کی زکوٰۃ یعنی عشر مراد ہو سکتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کا حکم مکہ میں نازل ہو چکا تھا، سورۂ مزمل کی آیت (نمبر ۲۰) زکوٰۃ کے حکم پر مشتمل ہے جو باتفاق مکی ہے البتہ مقدار زکوٰۃ اور نصاب کا تعین وغیرہ ہجرت کے بعد ہوا، اس لیے حق مقدار یہ آیت مجمل ہے، ہجرت کے دو سال بعد اور اموال نصاب اور مقدار زکوٰۃ کی طرح زمین کی زکوٰۃ کا حکم بیان فرمایا، جو حضرت معاذ بن جبلؓ، ابن عمرؓ اور جابر بن عبداللہؓ سے تمام کتب حدیث میں منقول ہے: مَا سَقَتِ السَّمَاءُ ففيه العشرُ ومَا سُقِيَ بالسَّانية فنصف العُشر، امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ زمین کی پیداوار، خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ بہر حال اس کی زکوٰۃ نکالنی ضروری ہے۔

وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ : کسی خاص شعبہ میں اسراف کا نتیجہ عادۃً دوسرے شعبوں میں قصور وکوتاہی ہوا کرتا ہے یہاں اسی کوتاہی سے روکا گیا ہے، اعتدال سے کام لینا چاہیے

www.toobaaelibrary.com

تا کہ سب کے حقوق ادا ہو سکیں۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم
مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ
أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا
قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝
وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ
وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

آپؐ (ان سے) کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ (چیزیں یہ ہیں کہ ایک) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ (پس شریک ٹھہرانا حرام ہوا) اور (دوسرے یہ کہ) ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو (پس ان سے بری طرح رہنا حرام ہوا) اور (تیسرے یہ کہ) اپنی اولاد کو افلاس کے سبب (جیسا کہ جاہلیت میں غالب عادت تھی) قتل مت کیا کرو (کیونکہ) ہم ان کو اور تم کو (دونوں کو) رزق (مقدر) دیں گے (وہ تمہارے رزق مقدر میں شریک نہیں ہیں، پھر کیوں قتل کرتے ہو، پس قتل کرنا حرام ہوا) اور (چوتھے یہ کہ) بے حیائی (یعنی بدکاری) کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ (پس زنا کرنا حرام ہوا) خواہ وہ اعلانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ ہوں (دو طریقے یہی ہیں) اور (پانچویں یہ کہ) جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق (شرعی) پر (قتل جائز ہے مثلاً قصاص میں یا رجم میں، پس قتلِ ناحق حرام ہوا) اس (سب) کا تم کو (اللہ تعالیٰ نے) تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم (ان کو) سمجھو (اور سمجھ کر عمل کرو) اور (چھٹے یہ کہ) یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ (یعنی اس میں تصرف مت کرو) مگر ایسے طریقے سے (تصرف کی اجازت ہے) جو کہ (شرعاً) مستحسن ہے (مثلاً اس کے کام میں لگانا، اس کی حفاظت کرنا، اور بعض اولیاء اور اوصیاء کو اس میں یتیم کے لیے تجارت کرنے کی بھی اجازت ہے) یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ بلوغ کو پہنچ جاوے (اس وقت تک ان تصرفات مذکورہ کی بھی اجازت ہے، اور پھر اس کا مال اس کو

www.toobaaelibrary.com

دیدیا جاوے گا بشرطیکہ سفیہ نہ ہونے کے، پس تصرف غیر مشروع مالِ یتیم میں حرام ہوا) اور (ساتویں یہ کہ) ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو، انصاف کے ساتھ (کہ کسی کا حق اپنے پاس نہ رہے، اور نہ آوے، پس اس میں دغا کرنا حرام ہوا، اور یہ احکام کچھ دشوار نہیں کیونکہ) ہم (تو) کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ (احکام کی) تکلیف (بھی) نہیں دیتے (پھر ان احکام میں کوتاہی کیوں کی جاوے) اور (آٹھویں یہ کہ) جب تم (فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے متعلق کوئی) بات کیا کرو تو (اس میں) انصاف (کا خیال) رکھا کرو گو وہ شخص (جس کے مقابلہ میں وہ بات کہہ رہے ہو تمہارا) قرابت دار ہی ہو (پس خلاف عدل حرام ہوا) اور (نویں یہ کہ) اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو (جیسے قسم یا نذر بشرطِ اس کے مشروع ہونے کے) اس کو پورا کیا کرو (پس اس کا عدم ایفاء حرام ہوا) ان (سب) کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو (اور عمل کرو) اور یہ (بھی کہہ دیجئے) کہ (کچھ انہیں احکام کی تخصیص نہیں بلکہ) یہ دین (اسلام اور اس کے تمام احکام) میرا رستہ ہے (جس کی طرف میں باذنِ الٰہی دعوت دیتا ہوں) جو کہ (بالکل) مستقیم (اور راست) ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے (جس کی طرف میں دعوت کرتا ہوں) جدا (اور دور) کردیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے، تاکہ تم (اس راہ کے خلاف کرنے سے) احتیاط رکھو۔ پھر (مضمون ابطالِ شرک کے بعد ہم مسئلہ نبوت میں کلام کرتے ہیں کہ ہم نے صرف آپ کو اکیلا نبی نہیں بنایا، جس پر یہ لوگ اس قدر شور و غل مچا رہے ہیں، بلکہ آپؐ کے قبل) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) کتاب (توراۃ) دی تھی، جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر (ہماری) نعمت پوری ہو اور (ماننے والوں کے لیے) رحمت ہو (ہم نے اس صفت کی کتاب اس لیے دی) تاکہ وہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل) اپنے رب کے ملنے پر یقین لاویں (اور اعتقاد و عمل سے سب احکام کو بجالاویں)

تلخیص معارف و مسائل

اس سے پہلے تقریباً دو تین رکوع میں مسلسل یہ بیان رہا ہے کہ غافل اور جاہل انسان نے خالقِ کائنات احکم الحاکمین کا نازل کردہ قانون چھوڑ کر آبائی اور من گھڑت رسموں کو اپنا دین بنالیا، اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال، اور حلال کو حرام قرار دیا تھا، بعض چیزوں کو عورتوں کے لیے حرام اور مردوں کے لیے حلال اور بعض اس کے برعکس، اب اس رکوع کی تین آیات میں ان چیزوں کا بیان ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان آیتوں میں دس چیزوں کا تفصیلی بیان اس طرح کہ بجائے صیغۂ نہی کے قرآن کے

www.toobaaelibrary.com

اپنے حکیمانہ اسلوب کے تحت ان میں سے چند کو ایجابی طور پر بصیغۂ امر بیان فرمایا ہے، مراد یہ ہے کہ اس کے خلاف کرنا حرام ہے (کشاف) وہ دس چیزیں یہ ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت واطاعت میں کسی کو شریک نہ کرنا (۲) والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ (۳) فقر وافلاس کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دینا (۴) بے حیائی کے کام کرنا (۵) کسی کو ناحق قتل کرنا (۶) یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانا (۷) ناپ تول میں کمی کرنا (۸) شہادت یا فیصلہ یا دوسرے کلام میں بے انصافی کرنا (۹) اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا نہ کرنا (۱۰) اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے کو چھوڑ کر دائیں بائیں دوسرے راستے اختیار کرنا۔

آیات مذکورہ کی خصوصیات کعب احبار جو تورات کے ماہر عالم تھے، پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے، فرماتے ہیں کہ تورات بسم اللہ کے بعد انھیں آیات سے شروع ہوتی ہے، اور یہی وہ دس کلمات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہی وہ دس آیات محکمات ہیں جن کا ذکر سورۂ آل عمران میں آیا ہے، جن پر تمام انبیاء کی شریعتیں متفق رہی ہیں ان میں سے کوئی چیز کسی شریعت میں منسوخ نہیں ہوئی۔ (بحر)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیات پیغمبر علیہ السلام کا مہر کیا ہوا وصیت نامہ ہے۔

حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے منقول ہے، حضورؐ نے صحابہؓ کو خطاب کر کے فرمایا: "کون ہے جو مجھ سے ان تین آیتوں پر بیعت کرے، جو شخص اس بیعت کو پوری کرے گا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گیا۔

تَعَالَوْا کلمہ ایسے وقت بولا جاتا ہے جب کہ بلانے والا بلند جگہ پر کھڑا ہو کر نیچے والوں کو اپنے پاس بلائے، مطلب یہ ہوا کہ اس دعوت کے قبول کرنے میں لوگوں کے لیے برتری اور بلندی ہے، خطاب اگرچہ بلا واسطہ مشرکین مکہ سے ہے مگر مضمون خطاب عام ہے تمام بنی نوع انسان کو شامل ہے، مؤمن، کافر عرب عجم اور موجودہ ہوں یا آئندہ آنے والی نسلیں (بحر)۔

پہلا گناہ عظیم شرک ہے، جس کو حرام کیا گیا ہے، شرک ایسا جرم ہے جس کے متعلق قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ اس کی معافی نہیں، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو ساجھی نہ قرار دو خواہ تمھارے ٹکڑے کر دیے جائیں، تمھیں سولی پر چڑھا دیا جائے، یا تمھیں زندہ جلا دیا جائے (عن عبادۃؓ بن صامت وابی الدرداءؓ) اور شرک کی دونوں قسمیں جلی اور خفی دونوں سے انتہائی پرہیز کرنا چاہیے۔

دوسرا گناہ والدین سے بدسلوکی، یہاں مقصد یہ ہے کہ ان کی نافرمانی نہ کرو ان کو ایذا نہ پہنچاؤ

www.toobaaelibrary.com

مگر حکیمانہ انداز سے یہ بیان کیا گیا کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو، مطلب یہ ہے کہ صرف یہی کافی نہیں کہ ان کی نافرمانی نہ کرو ایذا رسانی نہ دو بلکہ حسن سلوک اور نیازمندانہ برتاؤ کے ذریعہ انھیں راضی رکھنا فرض ہے، اس کا بیان قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے، صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے، انھوں نے پیغمبر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے، ارشاد فرمایا کہ نماز کو اس کے وقت (مستحب) میں پڑھنا، دوبارہ سوال کرنے پر فرمایا، (اس کے بعد) والدین کیساتھ حسن سلوک پھر پوچھا تو ارشاد فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد۔

ایک روز پیغمبر علیہ السلام نے تین مرتبہ فرمایا: رَغِمَ أنفُهٗ، صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ کون ذلیل ہو گیا؟ فرمایا وہ شخص جس نے ماں باپ یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے کے زمانہ میں پا کر جنت میں داخل نہ ہوا (مسلم عن ابی ہریرہؓ) مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے کے زمانے میں خدمت سے جنت یقینی ہے، بڑا محروم ہے وہ جو اتنی سستی جنت کو کھودے، سستی اس لیے کہ والدین طبعی طور پر اولاد پر خود ہی مہربان ہوتے ہیں، ذرا سی خدمت سے بہت خوش ہو جاتے ہیں۔

بڑھاپے کی قید اسی لیے ہے کہ تندرستی کے زمانہ میں تو اپنی ضروریات خود پوری کر لیتے ہیں بلکہ اولاد کی بھی مالی امداد کرتے ہیں اس وقت کی خدمت کا کوئی خاص وزن نہیں، قابل قدر خدمت بڑھاپے کی ہے جب وہ محتاج ہوں۔

تیسرا احرام قتل اولاد۔ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے ماں باپ کے حق کا بیان تھا جو اولاد کے ذمہ ہے، اس کے برعکس ہے، اولاد کیساتھ بدسلوکی کا بدترین معاملہ وہ ہے جو دور جاہلیت میں زندہ در گور کرنے کا جاری تھا، کہ عار کے خوف سے اور کبھی اس خوف سے کہ ان کی ضروریات کہاں سے پوری کی جائیں گی، اس آیت میں اس رسم کو مٹانے کے ساتھ ان کے اس ذہنی مرض کا علاج بھی کر دیا نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ نَرْزُقُكُمْ، اس میں والدین کی تقدیم میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ تم کو رزق اس لیے دیا جاتا ہے کہ تم بچوں کو پہنچاؤ، جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے اِنَّمَا تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَاءِ كُمْ یعنی تمہارے کمزور لوگوں کے طفیل میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرماتے ہیں اور تمھیں رزق دیتے ہیں۔

سورۂ اسراء میں فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اس میں اولاد کو مقدم فرمایا اس میں بھی وہی اشارہ ہے کہ رزق دینے کے پہلے مستحق ہمارے نزدیک وہ ضعیف بچے ہیں جو خود کچھ نہیں کر سکتے انھیں کی خاطر تمھیں رزق دیا جاتا ہے۔

www.toobaaelibrary.com

واضح ہو کہ اولاد کی تعلیمی اخلاقی تربیت نہ کرنا، بیدینی کے لیے آزاد چھوڑ دینا یا ایسی غلط تعلیم دلانا جس سے اسلامی اخلاق تباہ ہوں یہ بھی ایک طرح قتل اولاد ہے، ظاہر قتل کا اثر تو صرف دنیا کی چند روزہ زندگی کو تباہ کرتا ہے، یہ قتل انسان کی اخروی اور دائمی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔

چوتھا حرام بے حیائی کا کام ہے ــــ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ، یہ آیت فواحش کے اصل مفہوم کے اعتبار سے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں اور مشہور عام مفہوم کے اعتبار سے بدکاری اور بے حیائی کے جتنے طریقے کھلے یا چھپے ہوئے ہیں ان سب کو شامل ہے اور حکم یہ دیا ہے کہ ان کے پاس بھی نہ جاؤ یعنی ایسی مجلسوں اور مقامات سے بھی بچو جہاں جا کر اس کا خطرہ ہو، ارشاد رسالتؐ ہے: مَنْ حَامَ حَوْلَ حِمىً اَوْشَكَ اَنْ يَقَعَ فِيْهِ یعنی جو شخص کسی ممنوع چیز کے گرد گھومتا ہے کچھ بعید نہیں کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے۔

پانچواں حرام کسی کو ناحق قتل کرنا ہے، ارشاد رسالتؐ ہے: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین چیزوں سے (۱) شادی شدہ ہو کر بدکاری میں مبتلا ہو جائے، (۲) اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو اس کے قصاص میں مارا جائے، (۳) اپنا دین چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہو (بخاری مسلم عن ابن مسعودؓ) سیدنا حضرت عثمانؓ جب بلوائیوں میں محصور تھے اور لوگ انہیں قتل کرنا چاہتے تھے اس وقت آپ نے یہی حدیث سنا کر فرمایا تھا کہ میں ان تینوں سے بحمد اللہ بری ہوں، پھر تم مجھے کس بناء پر قتل کرتے ہو؟ واضح ہو کہ اس غیر مسلم کا قتل بھی اسی طرح حرام ہے جو کسی اسلامی ملک کے قانون کا پابند ہو کر رہتا ہے، یا جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے، ارشاد رسالتؐ ہے کہ جو کسی ذمی غیر مسلم کو قتل کر دے اس نے اللہ سے عہد کو توڑ دیا اور جو شخص اللہ کے عہد کو توڑ دے وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت تک پہنچتی ہے، (ترمذی ابن ماجہ عن ابی ہریرۃؓ) اس کے بعد فرمایا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا تاکیدی حکم ہے۔

چھٹا حرام یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانا ــــ اس میں مال یتیم کی حفاظت کی ذمہ داری کی حد بھی بتلا دی، حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ. بالغ ہونے کے بعد یہ شرط بھی ہے کہ اس میں اپنے مال کی حفاظت اور صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے یا نہیں، اگر یہ صلاحیت نہ ہو تو پچیس سال کی عمر تک مال کی حفاظت ولی کے ذمہ ہے اور اگر اب بھی نہ ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا مال بہرحال اس کو دے دیا جائے، بشرطیکہ یہ عدم صلاحیت دیوانگی اور جنون کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو اور بعض ائمہ کے نزدیک

www.toobaaelibrary.com

اس وقت بھی سپرد نہ کیا جائے بلکہ قاضی شرعی اس کے مال کی حفاظت کسی ذمہ دار آدمی کے سپرد کردے، یہ مضمون قرآن کی دوسری آیت فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ سے ماخوذ ہے۔

ساتواں حرام ناپ تول میں کمی ـــــ یعنی دینے والا دینے میں کمی نہ کرے اور لینے والا اپنے حق سے زیادہ نہ لے، اور ناپ تول میں کمی زیادتی کو قرآن کریم نے شدید حرام قرار دیا ہے، سورۂ تطفیف میں سخت وعید آئی ہے، یہ وہ کام ہے جس میں پہلی امتیں تباہ کردی گئی ہیں۔

واضح ہو کہ افسروں، ملازموں، مزدوروں کا اپنی مقررہ ڈیوٹی، اور علمی و دینی خدمت میں کوتاہی کرنا بھی اسی کے حکم میں ہے، اور تطفیف میں داخل ہے ـــــ اپنے حد اختیار تک پورا پورا حق ادا کرنے کے باوجود اگر غیر اختیاری طور پر کوئی معمولی کمی رہ جائے تو معاف ہے، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ اِلَّا وُسْعَهَا۔ اس کے اضافے سے اشارہ یہ ہے کہ ادائے حق کے وقت احتیاط اس میں ہے کہ کچھ زیادہ دیدے تاکہ کمی کا شبہ نہ رہے، حضورؐ نے حکم فرمایا زِنْ وَ اَرْجِحْ۔ تو لو اور جھکتا ہوا تولو، (احمد ابوداؤد ترمذی عن سوید بن قیسؓ) مگر یہ حکم اخلاقی ہے قانونی چیز نہیں کہ ایسا کرنے پر مجبور ہو۔

آٹھواں حکم عدل و انصاف ہے اس کے خلاف کرنا حرام ہے ـــــ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا الخ اس آیت میں مقصود جھوٹی گواہی اور حق کے خلاف فیصلہ سے روکنا ہے، جھوٹی گواہی کے متعلق ارشاد رسالت ہے: جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے تین بار فرمایا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی فاجتنبوا الرّجس من الاوثان و اجتنبوا قول الزور الخ (سورہ حج آیت:۳۰) اور آیات میں مزید وضاحت اور تاکید سے بیان فرمایا گیا ہے مثلاً وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ الخ (نساء آیت:۱۳۵) نیز وَ لَا يجرمنكم شنآن قوم الخ (مائدہ آیت:۸)۔

نواں حکم اللہ کے عہد کو پورا کرنا یعنی عہد شکنی کا حرام ہونا ـــــ عہد سے مراد وہ عہد بھی ہوسکتا ہے جو ازل میں انسان سے لیا گیا (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ) یعنی خلاصہ یہ ہے کہ احکامات سے سرتابی نہ کریں، منہیات کے پاس بھی نہ جائیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کریں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ خاص خاص عہد جن کا قرآن کے مختلف مواقع میں فرمایا گیا ہے اور انھیں میں ان تین آیتوں کے دس احکام بھی ہیں، اس عہد میں نذر و منت کا پورا کرنا بھی داخل ہے ارشاد ربانی ہے يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ۔ یہ حکم شمار میں تو نواں حکم ہے مگر حقیقتاً تمام احکام شرعیہ واجبات و ممنوعات سب پر حاوی ہے۔

دسواں حکم تیسری آیت میں مذکور ہے ـــــ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ الخ۔

www.toobaaelibrary.com

فرمایا وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ یعنی اللہ تک اور اس کی رضا کے حصول کا اصلی راستہ تو ایک ہی ہے، لیکن دنیا نے اپنے اپنے خیالات سے مختلف راستے بنا رکھے ہیں، تم ان راستوں میں سے کسی راستے پر نہ چلو، قرآن و سنت کا منشا تو یہ ہے کہ لوگ اپنے خیالات اور تجربوں کو اس کے تابع کریں، نہ کہ قرآن و سنت کو اپنے تابع کرتے ہیں، یہیں سے دوسری گمراہ کن راہیں پیدا ہوتی ہیں بدعات و شبہات کی راہیں ہیں، انھیں سے بچنے کے لیے اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے۔

اب ذرا قرآن کریم کے اسلوب بیان پر ایک نظر ڈالیے، ان دس احکامات کو آج کل کی کتب قانون کی طرح دس دفعات میں نہیں لکھ دیا، بلکہ پہلے پانچ احکام کے بیان کے بعد فرمایا ذٰلكم وصّٰكم به لعلّكم تعقلون۔ اور چار حکم کے بعد اسی جملہ کو دوبارہ اس فرق کے ساتھ ذکر کیا لعلّكم تذكّرون اور پھر آخری حکم ایک مستقل آیت میں بیان فرمایا پھر اسی جملہ کا اعادہ اس فرق کے ساتھ کیا لعلّكم تتّقون۔

قرآن کریم کے اس حکیمانہ اسلوب بیان میں بہت سی حکمتیں ہیں۔

اول یہ کہ قرآن کریم دنیا کے قوانین کی طرح محض حاکمانہ نہیں بلکہ مربیانہ ہے اس لیے ہر قانون کے ساتھ اس کو آسان کرنے کی تدبیر بھی بتلائی جاتی ہے، وہ تدبیر ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور فکر آخرت، اسی لیے آخر میں ایسے کلمات لائے گئے جن سے انسان کا رخ مادی دنیا سے پھیر کر اللہ تعالیٰ اور آخرت کی طرف ہو جائے۔

پہلی آیت کے پانچ احکام کے آخر میں لفظ تعقلون استعمال فرمایا کیونکہ زمانہ جاہلیت والے ان چیزوں کو کوئی عیب ہی نہ جانتے تھے اس لیے فرمایا کہ آبائی رسموں کو چھوڑ کر عقل سے کام لو، دوسری آیت کے چار احکام کے بعد فرمایا تذکرون کیونکہ اس میں بیان چاروں چیزوں کے ضروری ہونے کو تو یہ جاہل بھی جانتے تھے، بلکہ کچھ عمل بھی کرتے تھے مگر اکثر ان میں غفلت برتی جاتی تھی اور غفلت کا علاج ہے تَذَكُّرٌ یعنی خدا اور آخرت کی یاد، تیسری آیت میں صراط مستقیم کی اختیار کرنے کی ہدایت ہے اور صرف خوف خدا ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو اپنے خیالات و خواہشات سے باز رکھنے کا صحیح ذریعہ ہو سکتی ہے اس لیے اس کے آخر میں لعلّكم تتّقون ارشاد فرمایا۔

اور تینوں جگہ وَصّٰىكُمْ کا لفظ لایا گیا، یعنی تاکیدی حکم، اسی لیے بعض صحابہؓ نے فرمایا جو شخص پیغمبر علیہ السلام کا مہر کیا ہوا وصیت نامہ دیکھنا چاہے وہ یہ تین آیتیں پڑھ لے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۙ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۙ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ

www.toobaaelibrary.com

لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝ هَلْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ
لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا
مُنْتَظِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ
بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ
وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ
كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ
اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ وخلاصۂ تفسیر

اور (جب اس کا اور اس کے تتمہ انجیل کا دورہ ختم ہو چکا اس کے بعد) یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے (آپ کے پاس) بھیجا بڑی خیر و برکت والی سو (اب) اس کا اتباع کرو، اور (اس سے خلاف کرنے کے باب میں خدا سے) ڈرو تاکہ تم پر (اللہ تعالیٰ کی) رحمت ہو (اور ہم نے یہ قرآن اس لیے بھی نازل کیا کہ) کبھی تم لوگ (قیامت میں بصورت اس کے نازل نہ ہونے کے کفر و شرک پر عذاب کے وقت) یوں کہنے لگتے کہ کتاب (آسمانی) تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے (یہودی عیسائی) تھے ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے (اس لیے ہم کو توحید کی تحقیق نہ ہوئی) یا (اور مؤمنین سابقین کو ثواب ملنے کے وقت) یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان (مؤمنین سابقین) سے بھی زیادہ راہ پر ہوتے (اور عقائد و اعمال میں ان سے زیادہ کمال حاصل کر کے ثواب کے مستحق ہوتے) سو (یاد رکھو کہ) اب (تمہارے پاس کوئی عذر نہیں) تمہارے پاس (بھی) تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب (جس کے احکام واضح (ہیں) اور (جو) رہنمائی کا ذریعہ (ہے) اور (خدا کی) رحمت (ہے) آ چکی ہے سو (ایسی کافی شافی کتاب آنے کے بعد) اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتلا دے (اور دوسروں

www.toobaaelibrary.com

کو بھی) اس سے روکے ہم ابھی (آخرت میں) ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں ان کو اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے (یعنی اس روکنے سے بڑھی ورنہ صرف تکذیب بھی موجب سزا ہے) یہ لوگ (جو کہ بعد نزول کتاب و بینات و وضوح حق کے بھی ایمان نہیں لاتے اپنے ایمان لانے کے لیے) صرف اس امر کے منتظر (معلوم ہوتے ہیں (یعنی ایسا توقف کر رہے ہیں جیسے کوئی انتظار کر رہا ہو) کہ ان کے پاس فرشتے آویں یا ان کے پاس آپؐ کا رب آوے (جیسا قیامت میں حساب کے وقت واقع ہوگا) یا آپؐ کے رب کی کوئی بڑی نشانی (منجملہ قیامت کی نشانیوں کے) آوے (مراد اس بڑی نشانی سے آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، مطلب یہ ہوا کہ کیا ایمان لانے میں قیامت کے وقوع یا قرب کا انتظار ہے سو اس کے متعلق سن رکھیں کہ) جس روز آپؐ کے رب کی (یہ) بڑی نشانی (مذکور) آپہنچے گی (اس روز) کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا ہو (بلکہ اسی روز ایمان لایا ہو) یا (ایمان تو پہلے سے بھی رکھتا ہو، لیکن) اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو (بلکہ اعمال بد اور گناہوں میں مبتلا ہو، اور اس روز ان سے توبہ کر کے اعمال نیک شروع کرے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی، اور اس سے قبل اگر معاصی سے توبہ کرتا تو مومن ہونے کی برکت سے توبہ قبول ہو جاتی، تو قبول تو منجملہ منافع ایمان کے ہے، اس وقت ایمان نے یہ خاص نفع نہ دیا اور جب علامت قیامت مانع ہو گئی قبول ایمان و توبہ سے تو خاص وقوع قیامت تو بدرجۂ اولیٰ مانع ہوگا، پھر انتظار کا ہے کا، اور اگر اس توبیخ پر بھی ایمان نہ لاویں تو) آپ (تہدید مزید کے طور پر) فرما دیجیے کہ (خیر بہتر) تم (ان امور کے) منتظر رہو (اور مسلمان نہیں ہوتے تو مت ہو) ہم بھی (ان امور کے) منتظر ہیں (اس وقت تم پر مصیبت پڑے گی، اور ہم مومن انشاء اللہ تعالیٰ ناجی ہوں گے) بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو (جس کے وہ مکلف ہیں) جدا جدا کر دیا (یعنی دین حق کو بتمامہ قبول نہ کیا، خواہ سب کو چھوڑ دیا یا بعض کو اور طریقے شرک و بدعت کے اختیار کر لیے) اور (مختلف) گروہ گروہ بن گئے، آپؐ کا ان سے کوئی تعلق نہیں (یعنی آپؐ ان سے بری ہیں، آپ پر کوئی الزام نہیں) بس (وہ خود اپنے نیک و بد کے ذمہ دار ہیں، اور) ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے (وہ دیکھ بھال رہے ہیں) پھر (قیامت میں) ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے (اور حجت قائم کر کے استحقاق عذاب ظاہر کر دیں گے) جو شخص نیک کام کرے گا اس کو (اقل درجہ) اس کے دس حصے ملیں گے (یعنی ایسا سمجھا جاوے گا کہ گویا وہ نیکی دس بار کی اور نیز ایک نیکی پر جس قدر ثواب ملتا اب دس حصے ویسے ثواب کے ملیں گے) اور جو شخص برا کام کرے گا سو اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی

www.toobaaelibrary.com

(زیادہ نہ ملے گی) اور ان لوگوں پر (ظاہراً بھی) ظلم نہ ہوگا (کہ کوئی نیکی درج نہ ہو یا کوئی بدی زیادہ کر کے لکھ لی جاوے) آپؐ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ (وحی کے ذریعہ سے) بتلا دیا ہے کہ وہ ایک دین ہے (جو بوجہ ثبوت بدلائل کے) مستحکم (ہے) جو طریقہ ہے ابراہیم (علیہ السلام) کا جس میں ذرا بھی کجی نہیں اور وہ (ابراہیمؑ) شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے (اور) آپؐ (اس دین مذکور کی قدر سے تفصیل کے لیے) فرما دیجئے کہ (اس دین کا حاصل یہ ہے کہ) بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو مالک ہے سارے جہان کا، اس کا (استحقاق عبادت یا تصرفات ربوبیت میں) کوئی شریک نہیں، اور مجھ کو اسی (دین مذکور پر رہنے) کا حکم ہوا ہے اور (حکم کے موافق) میں (اس دین والوں میں) سب ماننے والوں سے پہلا (ماننے والا) ہوں، آپؐ (ان باطل کی طرف بلانے والوں سے) فرما دیجئے کہ کیا (بعد وضوح حقیقت توحید و اسلام کے تمہارے کہنے سے) میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لیے تلاش کروں (یعنی نعوذ باللہ شرک اختیار کرلوں) حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا (اور سب چیزیں اس کی مملوک ہیں اور مملوک شریک مالک نہیں ہوسکتا) اور (تم جو کہتے ہو کہ تمہارا گناہ ہمارے سر سو یہ محض لغو بات ہے کہ کرنے والا پاک صاف رہے اور صرف دوسرا گنہگار ہو جاوے، بلکہ بات یہ ہے کہ) جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے، اور کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اٹھاوے گا (بلکہ سب اپنی اپنی بھگتیں گے) پھر (سب کے عمل کر چکنے کے بعد) تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا، پھر وہ تم کو جتلا دیں گے جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے (کہ کوئی کسی دین کو حق بتلاتا تھا اور کوئی کسی کو، وہاں عملی اطلاع سے فیصلہ کر دیا جاوے گا، کہ اہلِ حق کو نجات اور اہل باطل کو سزا ہوگی) اور وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا (اس نعمت میں تو تماثل ہے) اور ایک کا دوسرے پر (مختلف چیزوں میں) رتبہ بڑھایا، (اس نعمت میں تفاضل ہے) تاکہ (ان نعمتوں سے) تم کو (ظاہراً) آزماوے ان چیزوں میں جو کہ (نعم مذکورہ سے) تم کو دی ہیں (آزمانا یہ کہ کون ان نعمتوں کی قدر کر کے منعم کی اطاعت کرتا ہے اور کون بے قدری کر کے اطاعت نہیں کرتا، پس بعضے مطیع ہوئے، بعضے نافرمان ہوئے اور دونوں کے ساتھ مناسب معاملہ کیا جاوے گا، کیونکہ) بالیقین آپؐ کا رب جلد سزا دینے والا (بھی) ہے، اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا، مہربانی کرنے والا (بھی) ہے، (پس نافرمانوں کے لیے عقاب ہے اور فرمانبرداروں کے لیے رحمت ہے، اور نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف آنے والوں کے لیے مغفرت ہے، پس مکلفین پر ضرور ہوا کہ

www.toobaaelibrary.com

دینِ حق کے موافق اطاعت اختیار کریں، اور باطل اور مخالفتِ حق سے باز آویں)۔

تلخیص معارف ومسائل

آیت ۱۵۶: عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ : ترجمہ کے ذریعہ مضامین کی اطلاع ممکن ہے بلکہ واقع ہے، وجہ غفلت یہ ہے کہ اہل کتاب نے اہل عرب کی تعلیم و توحید کا کبھی اہتمام نہیں کیا۔

آیت ۱۵۷:- اس کے متعلق ایک سوال و جواب عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ سورۃ مائدہ آیت ۱۹ کے تحت گذر چکا ہے۔

آیت ۱۵۸:- اس سورہ کا اکثر حصہ اہل مکہ اور مشرکین عرب کے عقائد و اعمال کی اصلاح اور ان کے شبہات و سوالات کے جواب میں نازل ہوا ہے، یہ معجزات و بینات دیکھ چکے پیغمبر علیہ السلام کے متعلق پچھلے انبیاء کی پیشگوئیاں سن چکے، پھر ایک امّی محض کی زبان سے قرآن کی آیات بینات سن چکے جو ایک مستقل معجزہ بن کر آیا، حق و صداقت کی ساری راہیں کھل چکیں، حجۃ اللہ تمام ہو چکی اب ایمان لانے میں کس چیز کا انتظار ہے، آخر حصے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بعض بڑی نشانیاں (قرب قیامت کی یعنی مغرب کی طرف سے طلوع آفتاب و دابۃ الارض کا نکلنا وغیرہ) آجانے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، اور پھر کسی کی توبہ قبول نہ ہوگی، کیونکہ ایمان اور توبہ صرف اس وقت تک قبول ہو سکتی ہے جب تک وہ انسان کے اختیار میں ہے، اور جب عذاب الٰہی اور حقائق آخرت کا مشاہدہ کرلیا تو اب خود بخود مجبور ہو گیا اور مجبوری کا ایمان اور توبہ قابل قبول نہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث بغویؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا، اور بخاری میں بھی حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے مگر اس کی ذرا تفصیل مسلم میں بروایت حذیفہ بن اسیدؓ اس طرح منقول ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام علامات کا تذکرہ آپس میں کر رہے تھے کہ آنحضرت تشریف لائے، اس وقت آپ ؐ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو، (۱) آفتاب کا جانب مغرب سے نکلنا، (۲) ایک خاص قسم کا دھواں نکلنا (۳) دابۃ الارض (۴) یاجوج ماجوج کا نکلنا (۵) نزول عیسیٰؑ (۶) دجال کا نکلنا (۷، ۸، ۹) اور تین جگہوں پر زمین کا دھنس جانا، ایک مشرق میں، ایک مغرب میں، ایک جزیرۃ العرب میں، (۱۰) اور آگ جو عدن کے قعر سے نکلے گی اور لوگوں کو آگے آگے ہنکا کر لے جائیگی، اور ارشاد رسالتؐ ہے کہ اس واقعہ یعنی مغرب کی طرف سے طلوع آفتاب کے بعد ایک سو بیس سال دنیا قائم رہے گی (قرطبی تذکرہ، حافظ ابن حجرؒ فتح الباری عن ابن عمرؓ، روح)

www.toobaaelibrary.com

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایمان و اسلام کے بارے میں جو سوال پیدا ہوتا ہے اس کا جواب صاحب روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ طلوع آفتاب من المغرب کا واقعہ نزول عیسیٰؑ کے بعد ہوگا اور علامہ بلقینیؒ وغیرہ نے فرمایا کہ یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ اس واقعہ کے طلوع آفتاب کے کچھ عرصہ کے بعد حکم بدل جائے اور توبہ قبول ہونے لگے۔ واللہ اعلم (روح المعانی)

اور قرآن کریم نے خود اس لیے اس کی وضاحت نہ کی اس جگہ اس کا ابہام ہی غافل انسان کو چونکانے کے لیے زیادہ مفید ہے کہ ہر نئے پیش آنے والے واقعہ سے اس پر تنبیہ ہوتی رہے اور توبہ میں جلدی کرے، اور ایک نمونہ ہر انسان کے لیے شخصی طور پر توبہ کے منقطع ہو جانے کا اس کی موت کے وقت پیش آتا ہے۔

دیکھیے آیت وَ لَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ الخ (نساء) اس کی تشریح میں ارشاد رسالتؐ ہے اِنَّ توبَۃَ العبدِ تُقْبَلُ ما لم یُغَرْغِرْ یعنی بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک اس کی روح حلق میں آکر غرغرہ موت کی صورت نہ پیدا ہو جائے، چونکہ موت کے فرشتے سامنے آجاتے ہیں اور یہ بھی ایک نشانی ہے اس لیے آیت مذکورہ بعض ایات ربك میں موت کا وقت بھی داخل ہے۔

یہاں عربی زبان کے اعتبار سے یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ آیت میں پہلے فرمایا اَوْ یَاْتِیَ بعضُ ایٰتِ ربكَ اور پھر اسی جملہ کا اعادہ فرمایا ضمیر سے کام لے کر کلام کو مختصر نہیں کیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کلمہ میں بعض آیات اور ہیں اور دوسرے کلمہ کے بعض آیات اس سے مختلف ہیں اس سے اس تفصیل کے طرف اشارہ ہو سکتا ہے جو ابھی حضرت حذیفہ بن اسیدؓ کی روایت میں گذری۔

آیت ۱۵۹:- دین میں تفریق ڈالنے اور فرقے بن جانے سے مراد یہ ہے کہ اصول دین کے اتباع کو چھوڑ کر اپنے خیالات اور خواہشات کے مطابق یا شیطانی مکر و تلبیس میں مبتلا ہو کر دین میں کچھ نئی چیزیں بڑھا دے یا بعض چیزوں کو چھوڑ دے۔

دین میں بدعت ایجاد کرنے پر وعید شدید

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس میں پچھلی امتوں کے لوگ بھی داخل ہیں اور اس امت کے اہل بدعت بھی، اس لیے پیغمبر علیہ السلام نے دین میں نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کو بڑی تاکید سے منع فرمایا ہے، ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر جدا ہو گیا اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے نکال دیا، (رواہ ابوداؤد و احمد) اور جماعت سے مراد صحابہؓ کی جماعت ہے کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے قرآن کے مشکلات اور مبہمات کی تفسیر اور اپنی سنت کی تفصیل اپنے بلاواسطہ

www.toobaaelibrary.com

شاگردوں یعنی صحابہ کرام کو اپنے قول و عمل کے ذریعہ سکھلائیں، اس لیے جمہور صحابہ کا عمل پوری شریعت الٰہیہ کا بیان و تفسیر ہے، اس لیے مسلمانوں کی سعادت یہ ہے کہ جس آیت یا حدیث میں اشتباہ ہو اس میں اس کو اختیار کرے جس کو جمہور صحابہ کرام نے اختیار فرمایا ہو، اسی مقدس اصول کو نظر انداز کر دینے سے اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے، پیغمبر علیہ السلام نے جن چھ آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے انھیں میں سے ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے کتاب میں اپنی طرف سے لفظاً یا معناً زیادتی کی، الخ۔

آیت ۱۶۰: اس آیت میں آخرت کی جزا و سزا کا کریمانہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اس پر بھی ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے، اسی طرح جو شخص گناہ کا ارادہ کرے مگر پھر اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے بھی ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے الخ،، (ابن کثیر) اس عفو و کرم کے ہوتے ہوئے اللہ کے دربار میں وہی شخص ہلاک ہو سکتا ہے جس نے ہلاک ہونے ہی کی ٹھان رکھی ہے (بخاری مسلم نسائی مسند احمد) نیکی کی جزا دس تک کی زیادتی جو اس آیت میں مذکور ہے ادنیٰ حد کا بیان ہے اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے اس سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں جیسا کہ دوسری روایات سے ستر گنا یا سات سو گنا تک ثابت ہے۔

اس آیت کے الفاظ میں یہ بات قابل غور ہے کہ یہاں لفظ جَاءَ بالحسنة اور جاء بالسیئة فرمایا گیا عَمِلَ نہیں فرمایا گیا یعنی صرف عمل پر جزا و سزا نہیں دی جائے گی بلکہ یہ لانا اسی وقت ہوگا جب یہ عمل نیک آخرت تک قائم و باقی رہے، نیک عمل کو ضائع کرنے والی کوئی چیز پیش نہ آئے اور برے عمل سے توبہ و استغفار کرے۔

آیت ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳: ان تینوں آیتوں میں اصول دین کا بیان ہے، اور تیسری آیت میں ان کے اہم فروع کا ذکر ہے، نُسُك کے متعدد معانی ہیں مگر ان سب میں مطلق عبادت کے معنی اس جگہ انسب ہے، مطلب آیت کا یہ ہو گیا، میری نماز اور میری تمام عبادات، اور میری پوری زندگی اور پھر موت یہ سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، صَلَاتِي پہلے نماز کا ذکر فرمایا، تمام اعمال صالحہ کی روح اور دین کا عمود ہے، درمنثور میں اس آیت کے تحت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ایک قول منقول ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان اس آیت کو بار بار پڑھے اور اس کو وظیفہ زندگی بنا لے، وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي یعنی میری حیات و موت اس کے قبضہ میں ہیں، یا یہ معنی کہ جتنے اعمال زندگی اور موت سے متعلق ہیں وہ بھی صرف اللہ کے لیے ہیں، وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ یعنی اس امت میں سب سے پہلا

www.toobaaelibrary.com

مسلمان میں ہوں، یا یہ کہ مخلوقات میں سب سے پہلا، کیونکہ سب سے پہلے آپ کا نور پیدا کیا گیا اس کے بعد تمام آسمان وزمین اور مخلوقات وجود میں آئے، اول ما خلق اللّٰہ نوری (روح المعانی)

آیت ۱۶۴:اس میں مشرکین مکہ ولید بن مغیرہ وغیرہ کی اس بات کا جواب ہے جو وہ پیغمبر علیہ السلام اور عام مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ تو تمھارے سارے گناہوں کا بار ہم اٹھالیں گے، ثم الی ربکم مر جعکم الخ یعنی زبان آوری اور کج بحثی سے باز آجاؤ اپنے انجام کی فکر کرو۔

آخری آیت میں ایک جامع نصیحت پر سورۂ انعام کو ختم کیا گیا ہے، اور وہ عہد ماضی کی تاریخ کو ان کے سامنے لا کر اپنے مستقبل کے طرف متوجہ فرمایا گیا ہے، خَلٰٓئِفَ یعنی آج جس چیز کے تم مالک ہو، کل اس کے دوسرے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہٹا کر تمھیں ان کی جگہ بٹھایا ہے، و رفع بعضکم فوق بعض یہ درجات کا تفاوت بھی تمھیں اس کی خبر دے رہا ہے کہ اختیار کسی اور ہستی کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے مفلس کر دے جس کو چاہے مالدار، جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلت، لیبلو کم فیما اٰتکم جائداد کا مالک بننے اور مختلف درجات میں رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ تمھاری آنکھیں کھلیں، اور اس کا امتحان ہو کہ تمھارا عمل ان نعمتوں کے سلسلے میں شکر گذاری کا ہوتا ہے یا ناشکری کا۔

سورۂ انعام کا آغاز حمد سے ہوا اور اختتام مغفرت پر اللہ تعالیٰ ہم سب کو حمد کی توفیق
اور مغفرت سے سرفراز فرمائیں

قراءات : سورة الانعام:مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ اخوین اور شعبہ کے لیے بفتح الیاء وکسر الراء اور باقیین کے لیے بضم الیاء وفتح الراء ثُمَّ لَمْ يَكُنْ اخوین کے لیے بیاء التذکیر اور باقیوں کے لیے بتاء التانیث اور فِتْنَتُهُمْ میں کی شامی اور حفص کے لیے بالرفع اور باقیوں کے لیے بالنصب، پس ان دونوں میں تین قراءتیں ہوگئیں (۱) تذکیر مع النصب اخوین کے لیے (۲) تانیث مع الرفع کی شامی وحفص کے لیے (۳) تانیث مع النصب باقیین کے لیے وَاللّٰهِ رَبِّنَا اخوین کے لیے بنصب الباء اور باقیین کے لیے بکسر الباء ہے وَلَا نُكَذِّبَ وَنَكُوْنَ حفص وحمزہ کے لیے بنصب الباء والنون دونوں میں اور شامی کے لیے صرف وَنَكُوْنَ میں نصب ہے اور باقیین کے لیے دونوں میں رفع ہے وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ شامی کے لیے بلام واحدہ وکسر تاء آخِرَةِ بالاضافہ مخفف الدال ہے اور باقیین کے لیے بلامین مع تشدید الدال وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ مع رفع التاء ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ نافع شامی اور حفص کے لیے یہاں اور اعراف و یوسف میں تینوں جگہ بالتاء ہے اور

www.toobaaelibrary.com

شعبہ کے لیے صرف یوسف میں اور باقیین کے لیے یہ سب بالیاء ہیں، اور نافع وابن ذکوان کے لیے یٰسین میں بھی اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ وَمَا عَلَّمْنٰهُ بالتاء ہے اور باقیین کے لیے بالیاء ہے۔ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ نافع وکسائی کے لیے مخفف اور باقیین کے لیے مشدد ہے اَرَءَيْتَكُمْ وَاَرَءَيْتُمْ وَاَرَءَيْتَ وَاَفَرَءَيْتَ. اَفَرَءَيْتُمْ وغیرہ جب کہ راء کے ماقبل ہمزہ استفہام متصل ہو تو نافع کے لیے ہمزۂ ثانیہ کی تسہیل ہے اور ورش کے لیے دوسری وجہ ابدال بالالف بھی ہے، اور کسائی کے لیے اس ہمزہ کا حذف ہے، باقیین کے لیے تحقیق ہمزہ مقرر ہے فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ وَلَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ بالاعراف وَفُتِحَتْ يَاْجُوْجُ بالانبیاء وَفُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ بالقمر، شامی کے لیے بتشدید التاء ہر چہار جگہ اور باقیین کے لیے تخفیف التاء ہے۔ اور فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا سورۂ مومنون میں بالاتفاق مخفف ہے بِالْغُدْوَةِ شامی کے لیے یہاں اور کہف میں بالواو المفتوحہ مع ضم الغین وسکون الدال ہے اور باقیین کے لیے بالالف مع فتح الغین والدال ہے۔ اِنَّهٗ مَنْ عَمِلَ وَفَاِنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. نافع شامی عاصم کے لیے بفتح الہمزہ پہلے میں اور شامی عاصم کے لیے دوسرے میں اور باقیین کے لیے دونوں میں بکسر الہمزہ ہے وَلِتَسْتَبِيْنَ اخوین اور شعبہ کے لیے بالیاء اور باقیین کے لیے بالتاء ہے۔ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ نافع کے لیے بنصب اللام اور باقیین کے لیے بالرفع ہے يَقُصُّ الْحَقَّ حرمیین، وعاصم کے لیے بصاد مضمومہ مشددہ اور باقیین کے لیے بضاد مکسورہ مع سکون القاف ہے اور وقف بحذف الیاء ہوگا سب کے لیے حسبًا للخط تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا. وَاسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ حمزہ کے لیے بالالف الممالہ بعد الفاء والواو تَوَفّٰهُ وَاسْتَهْوٰىهُ اور باقیین کے لیے بتاء تانیث ساکنہ وَخُفْيَةً یہاں اور اعراف میں شعبہ کے لیے بکسر الخاء اور باقیوں کے لیے بضم الخاء ہے لَئِنْ اَنْجٰنَا کوفیین کے لیے بالالف بعد الجیم اور باقیین کے لیے بیاء ساکنہ مع تاء مفتوحہ اَنْجَيْتَنَا ہے قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ کوفیین وہشام کے لیے بفتح النون وتشدید الجیم اور باقیین کے لیے باسکان النون وتخفیف الجیم ہے وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ شامی کے لیے بتشدید السین اور باقیوں کے لیے تخفیف السین ہے رَاٰ كَوْكَبًا وَرَاٰ اَيْدِيَهُمْ وغیرہ اخوین وشعبہ اور ابن ذکوان کے لیے بامالۃ الراء والہمزۃ اور ورش کے لیے بتقلیل الراء والہمزہ اور بصری کے لیے بامالۃ الہمزہ فقط اور باقیین کے لیے بالفتح ہے رَاٰكَ، رَاٰهَا، وَرَاٰهُ فَرَاٰهُ وغیرہ ورش کے لیے بتقلیل الراء والہمزہ، شعبہ اخوین، ابن ذکوان کے لیے بامالۃ الراء والہمزہ، لیکن ابن ذکوان کے لیے بالخلف ہے۔ اور بصری کے لیے بامالۃ الہمزہ فقط۔ باقیین کے لیے بالفتح ہے۔ اور ابن ذکوان کے لیے بھی یہی وجہ ثانی ہے رَاَ الْقَمَرَ رَاَ الشَّمْسَ شعبہ وحمزہ کے لیے بامالۃ الراء فقط اور باقیین کے لیے بالفتح ہے اَتُحَآجُّوْنِّيْ نافع وابن ذکوان کے لیے بلا خلف، اور ہشام کے لیے بالخلف تخفیف النون ہے اور باقیین کے لیے بتشدید النون ظاہر ہے نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ یہاں اور یوسف میں کوفیین کے

www.toobaaelibrary.com

لیے بتوین قرٰجٰتٍ اور باقیوں کے لیے بغیر تنوین بالاضافۃ ہے وَالْیَسَعَ اخوین کے لیے یہاں اور صٓ
میں بفتح اللام مع التشدید واسکان الیاء اور باقیین کے لیے باسکان اللام الواحدہ وفتح الیاء فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ
ہشام کے لیے کسرہ بغیر صلہ اور ابن ذکوان کے لیے بکسرہ مع الصلہ ابن ذکوان کے لیے بالخلاف ہے صلہ
موافق طریق ہے اور اخوین کے لیے حرف وصل میں بحذف الہاء اور باقیین کے لیے مطلقاً بالہاء الساکنۃ فی
الحالین ہے یَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ يُبْدُوْنَهَا وَيُخْفُوْنَ کی بصری کے لیے بالیاء تینوں میں اور باقیین کے
لیے بالتاء ہے ہر جگہ وَلِيُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى شعبہ کے لیے بالیاء اور باقیین کے لیے بالتاء لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ
نافع حفص اور کسائی کے لیے بنصب النون اور باقیین کے لیے برفع النون ہے جَعَلَ الَّيْلَ کوفیین کے لیے
جَعَلَ بروزن فَعَلَ ونصب اللیل اور باقیین کے لیے جاعِلُ الَّيْلِ مع جر لام لَیل ہے فَمُسْتَقَرٌّ کی
بصری کے لیے بکسر القاف ابن کثیر کے لیے بفتح القاف ہے اِلٰى ثَمَرِهٖ دو جگہ یہاں اور ایک سورۃ یٰسین
میں اخوین کے لیے بضمتین باقیین کے لیے بفتحتین ہے۔ وَخَرَقُوْا نافع کے لیے بتشدید الراء اور
باقیین کے لیے بالتخفیف دَرَسْتَ کی بصری کے لیے بالالف وفتح التاء دَارَسْتَ اور شامی کے لیے بغیر
الف وفتح السین مع سکون دَرَسَتْ اور باقیین کے لیے بغیر الف واسکان السین وفتح التاء ہے اَنَّهَا اِذَا
جَآءَتْ کی بصری اور ... کے لیے بکسر الہمزہ لیکن شعبہ کے لیے بالخلاف ہے اور باقیین کے لیے بفتح الہمزہ
ہے، اور یہی طریق ... کے لیے لَا تُؤْمِنُوْنَ شامی اور حمزہ کے لیے بالتاء اور باقیین کے لیے بالیاء
كُلَّ شَيْءٍ قِبَلًا نافع کے لیے بکسر القاف وفتح الباء اور باقیین کے لیے بضمتین ہے اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ شامی
حفص کے لیے مشدد ... کے لیے مخفف ہے كَلِمٰتُ رَبِّكَ کوفیین کے لیے مفرد اور باقیین کے لیے
جمع ہے لَيُضِلُّوْنَ میں لَيُضِلُّوْا کوفیین کے لیے بضم الیاء، باقیین کے لیے بفتح الیاء وَ قَدْ فَصَّلَ
لَكُمْ نافع اور کوفیین کے لیے بفتح الفاء والصاد اور باقیین کے لیے بضم الفاء اور کسر الصاد مَا حَرَّمَ نافع اور
حفص کے لیے ... الراء اور باقیین کے لیے بضم الحاء وکسر الراء ہے اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا اور یٰسین میں
الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ میں لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا نافع کے لیے بتشدید الیاء تینوں میں اور باقیین کے لیے
باسکان الیاء ... يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ کی اور حفص کے لیے مفرد اور واحد ہے اور باقیین کے لیے بالجمع
وکسر التاء ... یہاں اور فرقان میں کی کے لیے باسکان الیاء مخفف اور باقیین کے لیے مشدد الیاء ہے
حَرَجًا نافع ... کے لیے بکسر الراء اور باقیین کے لیے بالفتح كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ کی کے لیے بسکون الصاد
مخفف بغیر ... اور شعبہ کے لیے بتشدید الصاد مع الالف اور باقیین کے لیے بتشدید الصاد والعین بغیر
الف وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا اور وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا ثانی یونس میں اور وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ

www.toobaaelibrary.com

جَمِيْعًا سبا میں اور ثُمَّ نَقُوْلُ سبا میں حفص کے لیے بالیاء اور يَأْتِيْ کے لیے بالنون عَمَّا تَعْمَلُوْنَ شامی کے لیے بالتاء ہے باقیوں کے لیے بالیاء عَلٰى مَكَانَتِكُمْ. وَمَكَانَتِهِمْ جہاں کہیں واقع ہوں جیسے ہود و زمر وٹیسین تو شعبہ کے لیے بالجمع اور باقیین کے لیے بالتوحید مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ یہاں اور قصص میں اخوین کے لیے بالیاء اور باقیین کے لیے بالتاء ہے وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِكَثِيْرٍ شامی کے لیے بضم الزاء وکسر الیاء وَقَتْلُ برفع اللام وَاَوْلَادَهُمْ بنصب الدال وَشُرَكَآئِهِمْ بکسر الہمزہ اور باقیین کے لیے بفتح الزاء والیاء ونصب لام قَتْلَ وجر دال اَوْلَادِهِمْ مع رفع شُرَكَآؤُهُمْ ہے۔ بِزَعْمِهِمْ دو جگہ کسائی کے لیے بضم الزاء اور باقیین کے لیے بالفتح ہے وَاِنْ تَكُنْ شامی اور شعبہ کے لیے بالتاء اقیوں کے لیے بالیاء ہے مَيْتَةٌ مکی اور شامی کے لیے بالرفع اور باقیین کے لیے بالنصب اَلَّذِيْنَ قَتَلُوْا عمران میں مذکور ہو چکا ہے يَوْمَ حَصَادِهٖ بصری شامی عاصم کے لیے بفتح الحاء اور باقیین کے لیے بکسر الحاء الْمَعْزِ نافع وکوفیین کے لیے باسکان العین اور باقیین کے لیے بفتح العین خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ بقرہ میں گزر چکا ہے اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ مکی شامی حمزہ کے لیے بالتاء اور باقیین کے لیے بالیاء مَيْتَةً شامی کے لیے بالرفع اور باقیین کے لیے بالنصب تَذَكَّرُوْنَ حفص وحمزہ وکسائی کے لیے بتخفیف الذال مطلقاً جہاں کہیں جب کہ تاء کے ساتھ ہو اور باقیین کے لیے بتشدید الذال وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ اخوین کے لیے بکسر ور باقیین کے لیے بفتح الہمزہ اور شامی کے لیے بتخفیف النون اور باقیین کے لیے بتشدید النون ہے بَعْضُهَا سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔ اِلَّا اَنْ تَاْتِيَهُمْ یہاں اور نحل میں اخوین کے لیے بالیاء اور باقیین کے لیے بالتاء، فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ اخوین کے لیے بالیاء اور روم میں الف بعد الفاء مع تخفیف الراء اور باقیین کے لیے مع تشدید الراء دِيْنًا قِيَمًا کوفیین اور شامی کے لیے قِيَمًا بکسر القاف وفتح الیاء مع التخفیف ہے اور کے لیے بفتح القاف وکسر الیاء مع التشدید۔

● ● ●

www.toobaaelibrary.com

تحفۃ الرحمٰن

فی بیانِ قولہٖ تعالیٰ آلٰئٰن

لفظ آلٰئٰن کی تحقیق، وجوہ قراءات شمس متولیؒ کی نظم کی جامع تشریح، عبد الفتاح القاضیؒ کے گیارہ اشعار کا ترجمہ، اس میں وارد کتب کے مصنفین کے حالات کا دلنشین مرقع

ایک اچھوتی | اور | البیلی | سوانح حیات

"تو نے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے"

آپ کی ولادت، تعلیم و تدریس، آپ کے اساتذہ، آپ کے تصنیفی و تالیفی کارنامے اور تلامذہ، نثر او نظم اصحاب قلم کے مشاہدات و تاثرات اور چونکا دینے والے انٹرویو پر مشتمل ایک خوبصورت، معلومات افزا اور بصیرت افروز کتاب۔ قاری خوشنوا، ماہر علم و فن، صاحب قرطاس و قلم، مجدد علم قراءت، زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز کے مصداق، طوفان بلاخیز اور موج حوادث پر خندہ زن، ایک حق گو، بیباک، جرأت و عزم، استقلال و ثبات، کمالات اور گوناگوں خوبیوں کے پیکر حسین، ایک شخص ایک اکیڈمی، ستر سے زائد کتابوں کے مصنف شیخ القراء حضرت مولانا قاری **ابوالحسن اعظمی کی سوانح حیات** اہل فن اور بالغ نظر علماء و قراء کے قلم سے خراج عقیدت اور شعراء کرام کے منظوم شہ پارے نگاہ و قلب کے لیے متاع نور و سرور ———

صفحات ۶۸۰، مضبوط جلد حسین ڈسٹ کور

ناشر: مدرسہ صدیقیہ نلہیڑہ ہریدوار

مکتبہ صوت القرآن دیوبند، عظیم بک ڈپو، زمزم بک ڈپو دیوبند

www.toobaaelibrary.com

RAMPUR LIBRARY
55129
18/6/99

کشکول حسن

مرتب: ابوالحسن اعظمی

کشکول تو بہت مرتب ہوئے اور چھپے مگر اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔

کشکول: ۳۰ رسالہ مطالعات کا ایک نادر انتخاب

جس میں ایک طرف علمی، تحقیقی، ادبی، تاریخی اور ثقافتی مضامین کے سنجیدہ عناوین کی گلستاں اور بوستاں مشامِ جان کو معطر کرتی ہوئی نظر آئیں گی ——— تو انہیں کے پہلو بہ پہلو تاریخی، ادبی اور علمی لطائف کی قوس قزح ——— تھکے ہوئے دماغوں کے لیے سامانِ راحت مہیا کرے گی۔

وقت کی معلوم اور مستند علمی شخصیت حضرت مولانا ریاست علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اپنی تعارفی تحریر میں رقم طراز ہیں:

''کشکول'' کے معنی ہیں کاسۂ گدائی کے اور ''حسن'' — مؤلف محترم کے نام کا جزء ہے یعنی مؤلف محترم نے سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے دوران جو خزانہ اپنے لیے جمع کیا تھا وہ اب بھی ان کی فیاض طبیعت افادۂ عام کی غرض سے ہدیۂ ناظرین کرنے پر مجبور ہے اور عرصۂ دراز تک علمی سرمایہ داروں کی دولت سرا سے گداگری کر کے جمع کیا ہوا سرمایہ سلطان بن کر لٹایا جا رہا ہے۔

بن کر گدائے شوق گئے تھے ذہے نصیب ٭ سلطان بن کے لوٹے ہیں دولت سرا سے ہم

اب یہ بیاض (کشکول) نادر مضامین، علمی حقائق، نکات تصوف، ادبی لطائف اور تاریخ کے عبرت انگیز واقعات کا قابل قدر نمونہ ہے، جس میں مؤلف محترم نے مولانا ابوالکلام آزاد کی طرح اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

اور اب ''کشکول'' کاسۂ گدائی نہیں، انمول یواقیت و جواہر کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے علماء و عوام سب کے لیے معلومات کا خزانہ بن گئی ہے۔

لیجیے! اس کے متنوع مضامین اور معلومات کے گراں بہا خزانہ کی خوش ذائقہ لذتوں سے کام و دہن کو شاد کام اور ان کے گلہائے رنگارنگ سے اپنے مشامِ جان کو معطر کیجیے۔

● ● ●

www.toobaaelibrary.com